معارف القرآن

10

تصنیف

حضرت مولانا محمود الرشید حدوٹی صاحب حفظہ اللہ

ناشر: جامعہ رشیدیہ مناواں لاہور

سورۃ سباء، فاطر، یٰسٓ، الصافات، ص، الزمر، الغافر، فصلت

10

تصنیف

اُستاذُ العُلماء شیخ الحدیث والتفسیر
حضرۃ مولانا محمود الرّشید حدوٹی صاحب مدظلہ
سابق اُستاذ جامعہ اشرفیہ لاہور بانی ومہتمم جامعہ رشیدیہ مناواں لاہور

اِدارہ آبِ حیات ٹرسٹ لاہور غوث گارڈن 2 جی ٹی روڈ مناواں لاہور کینٹ
رابطہ نمبرز 0300-0321-9458876

☼ سابق استاذ جامعہ اشرفیہ لاہور ☼ پرنسپل جامعہ رشیدیہ مناواں لاہور
☼ سابق شیخ الحدیث جامعہ مفتوحہ لاہور ☼ سابق شیخ التفسیر جامعہ رحیمیہ لاہور
☼ مدیر اعلیٰ ماہ نامہ آب حیات لاہور ☼ مدیر اعلیٰ ماہ نامہ شان دار لاہور
☼ مدیر اعلیٰ ماہ نامہ تحفہ خواتین لاہور ☼ ماہ نامہ صدائے جمعیت لاہور
☼ امیر جمعیت تحفظ اسلام پاکستان ☼ صدر ادارہ آب حیات ٹرسٹ
☼ متولی جامع مسجد عارفی مناواں لاہور ☼ خطیب ٹاؤن ھال لاہور

ضابطہ

نام کتاب۔۔۔

معارف الفرقان جلد ⑩

سورۃ سباء	۹	اللہ کی نعمتیں، انبیاء علیہم السلام کی آزمائشیں	۸۵
آسمان وزمین مین سب تعریفوں کا مالک	۱۰	انسان کا ازلی دشمن شیطان	۸۶
اللہ کا اکمل علم	۱۴	اہل کفر کا انجام، اہل ایمان کیلے بشارت	۸۹
انکار قیامت، مقصد قیامت	۱۶	موت کے بعد زندگی	۹۰
حضرت داؤد علیہ السلام کی شان	۲۰	ذکر الٰہی کی رفعت، تخلیق انسان کے اسرار	۹۲
حضرت سلیمان علیہ السلام کی شان	۲۴	اللہ کی قدرت کاملہ، غیر اللہ کی بے بسی	۹۴
جنات غیب دان نہیں	۲۸	فقر انسان، غنائے الٰہی، روج وزوال	۹۵
قوم سباء کے حالات	۳۱	اہل ایمان اور اہل کفر کا موازنہ	۹۶
شیطان کا گمان، انسان کی گمراہی	۳۹	پیغام انبیاء اور سرکشی کی ہلاکت خیز داستان	۱۰۰
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عالمگیر رسالت	۴۳	رب تعالیٰ کی قدرتیں اور نشانیاں	۱۰۱
منکرین کا استہزاء اور عذاب کی جلدی	۴۵	اہل ایمان کی لازوال تجارت	۱۰۶
گمراہ لیڈروں اور پیروں کی گفتگو	۴۶	عظمت قرآن اور امت مرحومہ	۱۰۸
دنیاپرستی کے فریب میں گم اقوام کا انجام	۴۹	جنت عدن، ثنائے خدا، فضل خداوندی	۱۱۲
حق کا روشن پیام، باطل کی عبرتناک شکست	۵۲	منکرین کی فریاد اور توحید کی فیصلہ کن صدائیں	۱۱۶
آخرت میں کفار کا اظہار ایمان	۵۳	قدرت الٰہی کے سائے میں لرزتی کائنات	۱۱۸
جہالت کے تیر اور حقیقت کی روشن صدائیں	۵۵	انسانی کرتوتوں پر جلدی پکڑ نہیں آتی	۱۲۰
کافروں کی ابدی بدنصیبی	۵۶	**سورۃ یٰسٓ**	۱۲۵
سورۃ فاطر	۵۸	سورۃ یاسین کے نام	۱۳۲
فرشتوں کے حالات	۵۹	سورۃ یاسین کا مقام	۱۳۳

سورۃ یاسین کے خدوخال	۱۳۷	سورۃ الصافات	۲۰۵
یاسین کی پرنور صدائیں، صراط مستقیم	۱۳۸	فرشتوں کی قسمیں	۲۰۶
مقصد بعثت مصطفےٰ ﷺ	۱۳۹	معبود ایک، مشارق و مغارب کا رب	۲۱۱
حق واضح ہو گیا مگر دل نہ مانے	۱۴۳	قسم کھانے کی حکمتیں	۲۱۲
کافروں کی دنیوی واخروی سزا	۱۴۳	جنات، نجوم اور شہاب ثاقب	۲۱۴
حق سے محرومی اور ایمان والوں کی کامیابی	۱۴۷	منکرین قیامت کی ہٹ دھرمی	۲۲۳
صدقہ جاریہ، باقی رہنے والے اثرات	۱۴۹	قیامت کی ہولناکی	۲۲۵
انطاکیہ بستی والوں کا عبرتناک انجام	۱۵۰	قیامت کی حسرت، فیصلے کا دن	۲۲۵
منکرین رسالت کی ندامت، حیات بعد الموت	۱۶۲	ندائے محشر، مجرموں کو روکو	۲۲۷
گردش آفتاب وماہتاب	۱۶۴	اہل ضلال کی باہمی ملامت	۲۲۸
اللہ کی قدرت، انسان کی ناشکری	۱۷۸	جنت کا جام لذیذ	۲۳۱
محشر کی ہولناکی اور جزا و سزا	۱۸۰	شراب جنت کی خوبیاں	۲۳۳
اہل جنت کی دائمی مسرت	۱۸۴	اہل جنت کی پاکباز بیویاں	۲۳۵
رب رحیم کا اہل جنت کو سلام	۱۸۵	اہل جنت کے باہمی سوالات	۲۳۸
بہت ہی خوفناک منظر	۱۸۷	شجرہ زقوم کا کیا مطلب ہے؟	۲۴۳
انسانی زندگی کے مختلف ادوار	۱۹۰	آباء پرستی کی گمراہی، منکرین کا عبرتناک انجام	۲۴۷
شاعری، رسول عربی ﷺ اور قرآن کریم	۱۹۷	نوح علیہ السلام کا ذکر خیر جاری رہے گا	۲۴۹
انعامات الٰہی، شرک، تسلی رسول ﷺ	۱۹۸	براہیمی توحید و بت شکنی	۲۵۱
منکرین بعث کا رد، اللہ کی کامل قدرت	۲۰۱	ابراہیم علیہ السلام کا خواب، بیٹے کا جواب	۲۵۳
قل یحیھا الذی انشاھا	۲۰۳	ذبیح اللہ کون ہے؟	۲۵۵

حضرت اسحاق علیہ السلام	۲۶۳	حضرت سلیمان علیہ السلام کی آزمائش	۳۲۰
تذکرہ حضرت موسیٰ علیہ السلام و ھارون علیہ السلام	۲۶۴	سلیمان علیہ السلام پر اللہ کا فضل و احسان	۳۲۴
تذکرہ حضرت الیاس علیہ السلام	۲۶۵	حضرت ایوب اور صبر ایوب علیہ السلام	۳۳۰
تذکرہ حضرت لوط علیہ السلام	۲۶۷	حضرت ابراہیم، اسحاق، یعقوب علیہم السلام	۳۳۶
حضرت یونس علیہ السلام کا واقعہ	۲۶۸	تذکرہ خیر اسماعیل، الیسع ذوالکفل علیہم السلام	۳۳۷
مشرکین کے عقائد باطلہ کی تردید	۲۷۳	حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر خیر	۳۳۸
بدعقیدہ لوگوں کے خیالات	۲۷۴	حضرت اسحاق علیہ السلام کا ذکر خیر	۳۴۷
معبودان مشرکین کی بے بسی	۲۷۵	حضرت یعقوب علیہ السلام کا ذکر خیر	۳۵۰
فرشتوں کے اوصاف	۲۷۷	متقین کے لیے جنت کی دائمی نعمتیں	۳۵۳
مشرکین کی بدعہدی	۲۷۸	اہل جنت کے مقابلے میں اہل جہنم کا انجام	۳۵۵
اللہ کا لشکر غالب رہتا ہے	۲۸۰	دوزخیوں کے کھانے	۳۵۹
عذاب الٰہی کی وعید، رسولوں پر سلام	۲۸۲	اہل دوزخ کے درمیان دوزخ میں لڑائی	۳۶۴
سورۃ ص	۲۸۶	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت توحید	۳۶۷
حقانیت قرآن، تکبر کفار، ہلاک شدہ اقوام	۲۸۸	بڑی خبر سے کیا مراد ہے؟	۳۶۸
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت توحید پر اعتراض	۲۹۰	تخلیق آدم علیہ السلام علم بذریعہ وحی	۳۶۹
دنیا میں نامہ اعمال دینے کا احمقانہ مطالبہ	۲۹۲	تخلیق آدم علیہ السلام سرکشی ابلیس	۳۷۱
حضرت داؤد علیہ السلام کی فضیلت	۲۹۴	اخلاص رسالت، عالمگیر نصیحت	۳۷۳
حضرت داؤد علیہ السلام کی آزمائش	۳۰۲	**سورۃ الزمر**	۳۷۵
کائنات کی حکمت، عدل الٰہی، برکت قرآن	۳۱۰	اللہ کی طرف سے نازل کردہ کتاب	۳۷۷
حضرت سلیمان علیہ السلام اور گھوڑوں کا واقعہ	۳۱۲	اللہ تک رسائی کے لیے واسطے	۳۷۹

شرک اولاد کی تردید، تخلیق کائنات	۳۸۳	توحید خالص، شرک کی تردید	۴۷۶
انسان وحیوان کی پیدائش	۳۸۵	اہل جنت اور اہل دوزخ	۴۷۹
اللہ کی بے نیازی، شکر کی اہمیت	۳۸۷	سورۃ الغافر	۴۸۶
سختی میں اللہ کو پکارنا، راحت میں بھلا دینا	۳۸۹	گناہگاروں کے لیے امید ورجا	۴۸۸
تقویٰ، اخلاص اور صبر کی عظیم بشارت	۳۹۱	منکرین کا انجام، اہل ایمان کے لیے دعائیں	۵۰۳
اہل باطل کا انجام اور اہل حق کی کامیابی	۳۹۳	قیامت کے دن کفار کو اپنے اوپر غصہ	۵۰۷
بارش، نباتات اور زندگی کی ناپائیداری	۳۹۴	دوہری موت وحیات	۵۰۹
دولت اسلام	۳۹۶	توحید خالص، عظمت الٰہی، قیامت منظر	۵۱۲
قرآن کریم کے اوصاف وکمالات	۴۰۱	قیامت کی ہولناکی	۵۱۵
اہل ایمان اور اہل کفر کا انجام	۴۰۹	آنکھوں کی خیانت، دل کے بھید جاننے والا	۵۱۷
قرآن کریم اور عربی زبان	۴۱۱	عدل الٰہی، اقوام سابقہ کا انجام	۵۲۰
مشرک اور مؤحد کی مثال	۴۵۰	مومن آل فرعون کی ایمان افروز گفتگو	۵۲۴
اختتام زندگانی، روز محشر بارگاہ ایزدی میں پیشی	۴۵۱	جدال باطل کی مذمت، انجام تکبر	۵۲۸
نبی ﷺ صدیق رضی اللہ عنہ اور قرآن کریم	۴۵۳	مومن آل فرعون کی ایمان افروز باتیں	۵۳۲
نیکوکاروں کیلیے بشارت جنت، معافی	۴۵۷	مؤمن آل فرعون وفرعونیوں کا انجام	۵۳۳
قبض روح	۴۶۰	اہل جہنم کا باہمی جھگڑا، باطل قیادتیں	۵۳۵
عقیدہ شفاعت کی حقیقت، مشرکین	۴۶۲	اہل دوزخ اور دوزخ کے نگرانوں میں مکالمہ	۵۳۷
ناشکری، رزق میں حکمت خداوندی	۴۶۶	رسولوں اور اہل ایمان کی مدد ونصرت	۵۳۸
قیامت، فساق کا اپنی بداعمالیوں پر ندامت	۴۷۰	حقیقت تکبر، دلائل بعث، قبولیت دعا	۵۴۴
خالق ووکیل	۴۷۴	دون اللہ کی عبادت، آیات سے مجادلہ	۵۴۹

نبی کریم ﷺ کو تسلی	۵۵۷	سجدہ صرف خالق کے لیے	۶۱۸
آپ ﷺ اور سارے انبیاء کے حالات	۵۵۸	حیات بعد الموت، الحاد، حقانیت قرآن	۶۲۰
قرآن میں انبیاء علیہم السلام	۵۶۰	قرآن کریم عربی زبان میں کیوں؟	۶۲۶
مویشیوں کی پیدائش، فوائد، معجزات	۵۶۰	قرآن کسی دوسری زبان میں کیوں نہ اتارا گیا؟	۶۲۷
ناقص اور بے کار علم	۵۶۴	نبی کریم ﷺ کو تسلی	۶۲۸
عذاب دیکھ کر ایمان لانا قبول نہیں	۵۶۷	ولولا کلمة سبقت من ربك	۶۲۹
سورۃ فصلت	۵۶۹	عمل صالح کا فائدہ اپنا، عمل کا نقصان اپنا	۶۲۹
قرآن کریم اور منکرین قرآن	۵۷۱	قیامت کا علم اللہ ہی کو ہے	۶۳۰
مشرکین اور مومنین کا انجام	۵۷۳	وما اظن الساعة قائمة	۶۳۴
زمین و آسمان کتنے ایام میں پیدا کیے گئے؟	۵۷۶	نعمت ملنے پر اعراض، تکلیف پر دعائیں	۶۳۴
قوم عاد و ثمود کو ذلت آمیز عذاب	۵۸۱	فذو دعاء عریض	۶۳۵
دشمنان خدا آگ کی طرف لیجائے جائینگے	۵۸۵	منکرین قرآن سب سے بڑے گمراہ	۶۳۶
اعضائے انسانی بول اٹھیں گے	۵۸۶	آفاق و انفس میں قدرت کی نشانیاں	۶۳۶
اللہ کے بارے بد گمانی کا نقصان	۵۹۱	رب سے ملاقات، رب کا علم محیط	۶۴۱
قرآن کریم کے ساتھ دشمنی کا انجام	۵۹۵	✡	
استقامت علی الدین، جنت، رب کی مہمانی	۵۹۹	✡✡	
داعی الی اللہ اور اس کی دعوت	۶۰۵	✡✡✡✡	
نیکی اور برائی برابر نہیں	۶۰۸	✡✡✡✡✡✡	
محمود نامی تاجر کی داستان	۶۱۱	✡✡✡✡✡✡✡✡✡	
غصے کا قرآنی اور نبوی علاج	۶۱۷	✡✡	

سورۃ سباء (تعارف)

سوال سورۃ سباء کا تعارف کروائیے۔

جواب سورۃ سبأ قرآنِ کریم کی چونتیسویں سورت ہے، یہ مکی سورت ہے اور اس کی ۵۴ آیات ہیں، اس سورت میں توحید، رسالت، آخرت اور اللہ تعالیٰ کی کامل قدرت کے دلائل نہایت مؤثر انداز میں بیان کیے گئے ہیں، مفسرین کے مطابق یہ سورت مکہ مکرمہ میں اس دور میں نازل ہوئی جب کفارِ مکہ بعث بعد الموت اور رسالتِ محمدی ﷺ کے بارے میں شکوک واعتراضات پھیلا رہے تھے، چنانچہ اس سورت میں ان شبہات کے مدلل جوابات دیے گئے ہیں۔

وجہِ تسمیہ: اس سورت کا نام ''سبأ'' اس مناسبت سے رکھا گیا ہے کہ اس میں قومِ سبأ کا عبرت آموز واقعہ تفصیل سے بیان ہوا ہے، سبأ دراصل یمن کے ایک مشہور اور خوشحال قبیلے کا نام تھا، جسے اللہ تعالیٰ نے بے شمار نعمتوں سے نوازا تھا، لیکن جب انہوں نے ناشکری اور سرکشی کا راستہ اختیار کیا تو ان پر ''سیلِ عرم'' کا عذاب مسلط کیا گیا، اس واقعہ کے ذریعے قرآن انسان کو یہ سبق دیتا ہے کہ قوموں کا عروج شکر گزاری اور اطاعتِ الٰہی سے وابستہ ہے، جبکہ ناشکری اور گناہ زوال وتباہی کا سبب بنتے ہیں۔

اہم مضامینِ سورت: ① اللہ تعالیٰ کی کامل حمد اور بادشاہی: سورت کا آغاز اللہ تعالیٰ کی حمد سے ہوتا ہے، یعنی آسمانوں اور زمین کی ہر چیز کا حقیقی مالک اللہ تعالیٰ ہی ہے، اسی کے قبضۂ قدرت میں پوری کائنات ہے اور دنیا وآخرت کی تمام تعریفیں اسی کے لیے ہیں۔ ② علمِ الٰہی کا احاطہ: اس سورت میں بار بار اس حقیقت کو واضح کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا علم ہر ظاہر وپوشیدہ چیز کو محیط ہے، زمین میں داخل ہونے والی چیز ہو یا آسمان سے اترنے والی، ہر شے اس کے علم میں ہے، اس مضمون سے انسان کو یہ تنبیہ کی گئی ہے کہ وہ اپنے اعمال اور نیتوں کے بارے میں ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی نگرانی کو یاد رکھے۔ ③ حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام پر انعامات: سورت میں داود اور سلیمان علیہما السلام پر اللہ تعالیٰ کی خصوصی نعمتوں کا ذکر ہے، حضرت داؤد علیہ السلام کو نرم لوہا اور خوش الحانی عطا ہوئی، جبکہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو ہوا، جنات اور عظیم سلطنت پر تصرف دیا گیا، ان واقعات سے مقصود یہ بتانا ہے کہ حقیقی

اقتدار اور قوت اللہ تعالیٰ ہی عطا فرماتا ہے۔

④ شکر اور ناشکری کا انجام: قومِ سبأ کا واقعہ اس سورت کا مرکزی مضمون ہے، اللہ تعالیٰ نے انہیں سرسبز باغات، امن، خوشحالی اور بہترین معیشت عطا فرمائی تھی، مگر جب انہوں نے ناشکری اختیار کی تو ان کی خوشحال بستی کھنڈر بن گئی، اس میں اہلِ ایمان کے لیے یہ سبق ہے کہ نعمتوں کا تحفظ شکر گزاری سے ہوتا ہے۔

⑤ عقیدۂ آخرت کا اثبات: کفارِ مکہ قیامت کا انکار کرتے تھے، اس سورت میں ان کے شبہات کا جواب دیتے ہوئے بتایا گیا کہ جس اللہ نے پہلی بار انسان کو پیدا کیا، اس کے لیے دوبارہ زندہ کرنا کچھ مشکل نہیں، قیامت، حساب اور جزا و سزا کا بیان نہایت مؤثر انداز میں کیا گیا ہے۔

⑥ شفاعت کا صحیح عقیدہ: سورت میں یہ واضح کیا گیا کہ اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر کوئی کسی کے حق میں سفارش نہیں کر سکتا، اس آیت سے معلوم ہوا کہ شفاعت کا اختیار مستقل طور پر کسی کو حاصل نہیں، بلکہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے حکم کے تابع ہے۔

مرکزی پیغام: سورۃ سبأ انسان کو یہ حقیقت سمجھاتی ہے کہ کائنات کا حقیقی مالک صرف اللہ تعالیٰ ہے، نعمتوں پر شکر ادا کرنا بندے کی ذمہ داری ہے، ناشکری قوموں کے زوال کا سبب بنتی ہے، قیامت اور حساب کا دن یقینی ہے، حقیقی کامیابی ایمان، اطاعتِ الٰہی اور عملِ صالح میں ہے، یہ سورت اپنے اندر دعوت، نصیحت، عبرت اور عقیدۂ توحید کے نہایت جامع مضامین رکھتی ہے، اسی لیے اہلِ تدبر کے لیے اس میں بڑی رہنمائی موجود ہے۔

آسمان و زمین میں سب تعریفوں کا مالک

سوال اس آیت کریمہ کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ وَلَهُ الْحَمْدُ فِی الْاٰخِرَةِ ؕ وَهُوَ الْحَكِیْمُ الْخَبِیْرُ ؕ {۱} سبأ

جواب ترجمہ: سب تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں جس کی ملکیت میں وہ سب کچھ ہے جو آسمانوں میں

اور زمینوں میں ہے اور اسی کے لیے حمد ہے دنیا میں اور آخرت میں، اور وہ حکیم ہے باخبر ہے۔

خلاصہ تفسیر: حمد سے شروع ہونے والی سورتیں: قرآنِ کریم میں پانچ سورتیں ایسی ہیں جن کی ابتداء الحمد للہ سے ہوئی ہے، ان میں سے دو سورتیں قرآن کے پہلے نصف میں ہیں ① سورۃ الانعام ② سورۃ الکہف اور دو سورتیں آخری حصہ میں ہیں ① سورۃ سباء۔ ② سورۃ فاطر۔ جبکہ پانچویں سورۃ، سورۃ الفاتحہ ہے، جو پورے قرآن کے آغاز میں رکھی گئی ہے اور نماز کی ہر رکعت میں پڑھی جاتی ہے۔

مفسرین نے اس ترتیب میں نہایت لطیف حکمت بیان فرمائی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بے شمار نعمتیں ہیں، جن کا احاطہ انسانی طاقت سے باہر ہے، بنیادی طور پر دو عظیم شعبوں میں تقسیم ہوتی ہیں، ① نعمتِ ایجاد۔ ② نعمتِ بقا۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے پہلی مرتبہ ہمیں پیدا فرمایا، پھر ہماری زندگی اور بقا کے اسباب بھی مہیا فرمائے، یہی معاملہ آخرت میں دوبارہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ انسان کو دوبارہ زندہ فرمائے گا اور دائمی زندگی کی نعمتیں عطا کرے گا، اس اعتبار سے انسان کی دو حالتیں ہیں، پہلی پیدائش اور دوسری دوبارہ اٹھایا جانا اور ہر حالت میں دو نعمتیں شامل ہیں ایک ایجاد یعنی وجود عطا کرنا، دوسری ابقاء یعنی اس وجود کو باقی رکھنا۔

سورۃ الانعام اور نعمتِ ایجاد: اللہ تعالیٰ نے سورۃ الانعام کے آغاز میں فرمایا، اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَجَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوْرَ، سب تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور تاریکیوں اور روشنی کو بنایا۔ یہاں تخلیقِ کائنات کا ذکر کرکے نعمتِ ایجاد کی طرف اشارہ فرمایا گیا۔ پھر آگے فرمایا، هُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ طِیْنٍ، وہی ہے جس نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا، یہ پہلی تخلیق اور ابتدائی وجود کی نعمت کا بیان ہے۔

سورۃ الکہف اور نعمتِ بقا: سورۃ الکہف کے آغاز میں فرمایا، اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْۤ اَنْزَلَ عَلٰى عَبْدِهِ الْكِتٰبَ وَلَمْ یَجْعَلْ لَّهٗ عِوَجًا ؕ قَیِّمًا، سب تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جس نے اپنے بندے پر کتاب نازل فرمائی اور اس میں کوئی کجی نہیں رکھی، بلکہ اسے نہایت درست بنایا، یہاں شریعت اور وحی کے نزول کا ذکر کرکے نعمتِ بقا کی طرف اشارہ فرمایا گیا، کیونکہ انسانی معاشرہ شریعت کے بغیر قائم نہیں رہ

سکتا، اگر انسان خواہشات کے تابع ہو جائے اور کوئی الٰہی قانون موجود نہ ہو تو باہمی نزاعات، فساد اور قتل وغارت جنم لیتے ہیں۔

سورۃ سباء میں آخرت کی نعمتوں کی طرف اشارہ: اس سورت میں فرمایا، وَلَهُ الْحَمْدُ فِي الْآخِرَةِ، اور آخرت میں بھی تمام تعریفیں اسی کے لیے ہوں گی، یعنی دنیا کی نعمتوں کی طرح آخرت کی دائمی نعمتیں بھی اللہ ہی کی عطا کردہ ہوں گی، دنیا کی نعمتیں فنا ہونے والی ہیں، جبکہ آخرت کی نعمتیں ہمیشہ باقی رہیں گی۔

سورۃ فاطر اور فرشتوں کا ذکر: سورۃ فاطر کے شروع میں فرمایا، الْحَمْدُ لِلَّهِ فَاطِرِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ جَاعِلِ الْمَلَائِكَةِ رُسُلًا، سب تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جو آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے، جس نے فرشتوں کو پیغام رساں بنایا، یہاں فرشتوں کا ذکر آخرت کی نعمتوں اور اللہ کی دائمی رحمتوں کی طرف اشارہ ہے، کیونکہ قیامت کے دن فرشتے اہلِ ایمان کا استقبال کریں گے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، وَتَتَلَقَّاهُمُ الْمَلَائِكَةُ، فرشتے ان کا استقبال کریں گے۔ اور فرمایا، سَلَامٌ عَلَيْكُمْ طِبْتُمْ فَادْخُلُوهَا خَالِدِينَ تم پر سلامتی ہو، تم پاکیزہ رہے، پس جنت میں ہمیشہ کے لیے داخل ہو جاؤ۔

سورۃ الفاتحہ میں دونوں نعمتوں کا جامع بیان: سورۃ الفاتحہ میں دنیا و آخرت دونوں نعمتوں کا ذکر موجود ہے۔ ارشاد فرمایا، الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ، یہ دنیا کی فوری اور ظاہری نعمتوں کی طرف اشارہ ہے، پھر فرمایا، مَالِكِ يَوْمِ الدِّينِ، یہ آخرت کی دائمی نعمتوں کی طرف اشارہ ہے، اسی جامعیت کی وجہ سے سورۃ الفاتحہ نماز کے آغاز اور اختتام دونوں مناسبتوں کے ساتھ پڑھی جاتی ہے۔

حمد اور شکر میں فرق: اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا، لَهُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ آسمانوں اور زمین کی ہر چیز اسی کی ہے، یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب سب کچھ اللہ ہی کا ہے تو پھر بندوں پر شکر کیوں لازم ہوا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ حمد اور شکر میں فرق ہے، شکر صرف نعمت کے بدلے ادا کیا جاتا ہے جبکہ حمد زیادہ عام ہے، کسی کی ذاتی عظمت، کمال اور حسنِ صفات پر بھی حمد کی جاتی ہے، خواہ اس نے حامد پر کوئی احسان نہ کیا ہو۔

مثلاً ایک شخص کسی ایسے عالم کی تعریف کرے جس سے اس کی کبھی ملاقات نہ ہوئی ہو، تو کہا جائے گا کہ وہ اس عالم کی حمد کر رہا ہے، لیکن یہ نہیں کہا جائے گا کہ وہ اس کا شکر ادا کر رہا ہے، لہٰذا اللہ تعالیٰ اپنی صفاتِ کمال، جلال اور عظمت کی وجہ سے ازل سے محمود ہے اور اپنی نعمتوں اور احسانات کی وجہ سے ہمیشہ مشکور بھی ہے، پھر یہ بھی حقیقت ہے کہ اللہ تعالیٰ کا مالکِ حقیقی ہونا خود بندوں پر سب سے بڑا احسان ہے، کیونکہ ہم ان نعمتوں سے فائدہ اٹھاتے ہیں حالانکہ ان کا اصل مالک اللہ تعالیٰ ہے، یہی بات بندے کے شکر کو اور زیادہ لازم کر دیتی ہے۔

آخرت کی نعمتوں کے ساتھ آسمان وزمین کا ذکر کیوں؟: اگر اس آیت میں آخرت کی نعمتوں کی طرف اشارہ مقصود ہے تو پھر آسمانوں اور زمین کی نعمتوں کا ذکر کیوں فرمایا گیا؟ اس کا **جواب** یہ ہے کہ آخرت کی نعمتیں ابھی نگاہوں سے اوجھل ہیں، اس لیے اللہ تعالیٰ نے دنیا کی ظاہر اور مشاہدہ شدہ نعمتوں کا ذکر فرمایا تاکہ انسان ان کے ذریعے آخرت کی عظیم نعمتوں کا اندازہ کرے، چنانچہ فرمایا، **وَلَهُ الْحَمْدُ فِي الْآخِرَةِ**، یعنی جس رب نے دنیا میں اتنی عظیم نعمتیں عطا فرمائیں، وہی آخرت میں اس سے کہیں بڑھ کر دائمی نعمتیں عطا فرمائے گا، اسی مناسبت سے فرمایا، **وَهُوَ الْحَكِيمُ الْخَبِيرُ**، یعنی اللہ تعالیٰ حکمت والا بھی ہے اور ہر چیز کی حقیقت سے باخبر بھی، اس کی حکمت دائمی ہے، اس لیے وہ دوبارہ پیدا کرنے پر بھی پوری قدرت رکھتا ہے۔

حکیم اور خبیر کے معانی: الحکیم اس ذات کو کہتے ہیں جس کا ہر فعل کامل علم اور پختہ حکمت کے مطابق ہو، محض علم کافی نہیں، بلکہ علم کے مطابق درست عمل بھی حکمت کہلاتا ہے اور الخبیر اس ذات کو کہتے ہیں جو امور کے نتائج، انجام اور باطنی حقیقتوں کو جاننے والی ہو، لہٰذا حکیم ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ابتداء میں ہر چیز کو کامل حکمت کے ساتھ پیدا فرماتا ہے اور خبیر ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ ہر مخلوق کے انجام، اعمال اور آخری انجام سے پوری طرح واقف ہے، وہ جانتا ہے کہ کون کیا عمل کرے گا، کس کا انجام کیا ہو گا، اور آخر کار ہر انسان کہاں پہنچے گا، پس وہ ابتدا میں بھی حکیم ہے اور انتہا میں بھی کامل خبر رکھنے والا ہے۔

اللہ کا اکمل علم

سوال اس آیت کریمہ کا ترجمہ ور تفسیر کیجیے۔

يَعْلَمُ مَا يَلِجُ فِي الْأَرْضِ وَمَا يَخْرُجُ مِنْهَا وَمَا يَنزِلُ مِنَ السَّمَاءِ وَمَا يَعْرُجُ فِيهَا وَهُوَ الرَّحِيمُ الْغَفُورُ {۲}سبأ

جواب ترجمہ: وہ ان چیزوں کو بھی جانتا ہے جو زمین کے اندر جاتی ہیں اور ان کو بھی جو اس سے باہر نکلتی ہیں، ان کو بھی جو آسمان سے اترتی ہیں اور ان کو بھی جو اس میں چڑھتی ہیں اور وہی ہے جو بڑا مہربان ہے، بہت بخشنے والا ہے۔

خلاصہ تفسیر: زمین میں جو قطرہ وغیرہ داخل ہوتا ہے اللہ تعالیٰ اسے جانتا ہے، جس طرح اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فَسَلَكَهُ يَنَابِيعَ فِي الْأَرْضِ (الزمر : ۲۱) کیا تم نہیں دیکھتے کہ اللہ نے آسمان سے پانی برسایا پھر اس نے زمین کے اندر چشمے جاری کر دیئے، یعنی خزانے، دفینے اور مردے زمین جن کو محفوظ کرنے کی جگہ ہے، زمین سے جو نباتات وغیرہ اگتی ہیں انہیں بھی جانتا ہے، آسمان سے جو بارش، برف، بجلیاں، رزق، مقادیر اور برکات نازل ہوتی ہیں اللہ تعالیٰ ان سب کو جانتا ہے۔

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ آسمان کی طرف فرشتے اور بندوں کے جو اعمال بلند ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ انہیں بھی جانتا ہے۔ علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ ایسا خبر دار ہے جس پر کوئی چیز مخفی نہیں، جس سے کوئی ذرّہ پوشیدہ نہیں، جو اپنے احکام میں حکیم، جو اپنی مخلوق سے باخبر، جتنے قطرے بارش کے زمین میں جاتے ہیں، جتنے دانے اس میں بوئے جاتے ہیں، اس کے علم سے باہر نہیں، جو زمین سے نکلتا ہے، اگتا ہے، اسے بھی وہ جانتا ہے، اس کے محیط، وسیع اور بے پایاں علم سے کوئی چیز دور نہیں، ہر چیز کی گنتی، کیفیت اور صفت اسے معلوم ہے، آسمان سے جو بارش برستی ہے، اس کے قطروں کی گنتی بھی اس کے علم میں محفوظ ہے جو رزق وہاں سے اترتا ہے وہ بھی اس کے علم میں ہے اس کے علم سے نیک اعمال وغیرہ جو آسمان پر چڑھتے ہیں وہ بھی اس کے علم میں ہیں۔

علامہ عبد الکریم بن ہوازن قشیری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ يَعْلَمُ مَا يَلِجُ فِي الْأَرْضِ: اللہ اس

چیز کو جانتا ہے جو زمین میں داخل ہوتی ہے، اس سے مراد وہ دانے ہیں جو زمین کے نیچے جاتے ہیں، اور وہ پانی مراد ہے جو زمین جذب کرتی ہے اور وہ چیزیں مراد ہیں جو زمین پر ڈالی جاتی ہیں اور لوگ زمین کے اندر قبروں میں ڈالے جاتے ہیں انہیں بھی جانتا ہے۔

وَمَا يَخْرُجُ مِنْهَا: اور اللہ ان چیزوں کو بھی جانتا ہے جو زمین سے نکلتی ہیں اس سے مراد زمین کی نباتات اور جڑی بوٹیاں ہیں اور پھل پھول مراد ہیں اور وہ مردے مراد ہیں جو قیامت سے پہلے قبروں سے اٹھائے جائیں گے۔

وَمَا يَنْزِلُ مِنَ السَّمَاءِ: اور وہ چیزیں جو آسمان سے اترتی ہیں سے مراد آسمان کی طرف سے اترنے والے بارش کے قطرات ہیں، اس سے مراد وہ فرشتے ہیں جو آسمان سے زمین کی طرف اترتے ہیں، اس سے مراد وہ برکت ہے جو آسمان کی طرف سے اترتی ہے، اس سے مراد وہ رزق ہے جو آسمان کی طرف سے زمین پر اترتا ہے، اس سے مراد وہ فیصلے ہیں جو آسمان سے زمین کی طرف اترتے ہیں، علامہ رازی نے آسمان سے اترنے والی چیزوں میں قرآن کریم کا ذکر بھی کیا ہے۔

نکتہ: جو چیزیں زمین میں داخل ہوتی ہیں ان کا ذکر یہاں پہلے کیا گیا جب کہ آسمان سے اترنے والی چیزوں کا ذکر اس کے بعد کیا گیا، اس میں نکتہ یہ ہے کہ پہلے بیج بویا جاتا ہے پھر اسے پانی دیا جاتا ہے۔

وَمَا يَعْرُجُ فِيهَا: اور جو چیزیں آسمان کی طرف چڑھتی ہیں سے مراد وہ اعمالنامے ہیں جو آسمان کی طرف چڑھتے ہیں، لوگوں کی حاجات مراد ہیں جو زمین سے آسمان کی طرف پہنچتی ہیں، اولیاء اللہ کی ہمتیں اور عزائم مراد ہیں جو آسمان کی طرف پہنچتے ہیں۔ (قشیری)

نکتہ: اللہ تعالیٰ نے یہاں فرمایا، **وَمَا يَعْرُجُ فِيهَا** اور جو چیزیں آسمانوں میں چڑھتی ہیں (انہیں بھی وہ جانتا ہے) اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا، **وَمَا يَعْرُجُ إِلَيْهَا** جو چیزیں آسمانوں کی طرف چڑھتی ہیں، بلکہ فرمایا، **وَمَا يَعْرُجُ فِيهَا** یعنی جو چیزیں آسمانوں کے اندر بلند ہوتی اور گزرتی ہیں، اس تعبیر میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ نیک اعمال اور پاکیزہ ارواح کا عروج محض آسمانوں تک پہنچ کر رک نہیں جاتا بلکہ وہ آسمانی طبقات میں نفوذ کرتے ہوئے بلندیوں کی طرف سفر جاری رکھتے ہیں، عربی زبان

میں إِلَی عموماً کسی انتہاء اور غایت کے لیے آتا ہے، اگر فرمایا جاتا، یَعرُجُ إِلَیہَا تو اس سے یہ مفہوم پیدا ہو سکتا تھا کہ صعود صرف آسمانوں تک محدود ہے اور وہیں جا کر رک جاتا ہے، لیکن قرآنِ کریم نے فرمایا، وَمَا یَعْرُجُ فِیہَا تاکہ یہ حقیقت واضح ہو جائے کہ اعمالِ صالحہ اور نفوسِ زکیہ کا عروج آسمانوں کے اندر مسلسل جاری رہتا ہے اور وہ مقاماتِ قرب کی طرف بڑھتے رہتے ہیں۔

اسی مناسبت سے دوسری جگہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، إِلَیْہِ یَصْعَدُ الْکَلِمُ الطَّیِّبُ (فاطر: ۱۰) پاکیزہ کلمات اسی کی طرف چڑھتے ہیں، یہاں إِلَیْہِ فرمایا گیا، کیونکہ اللہ تعالیٰ ہی تمام مراتب کی آخری انتہاء اور حقیقی مقصود ہے، اس سے اوپر کوئی مرتبہ نہیں، بندہ جب اخلاص، ایمان اور عملِ صالح کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی رضا اور قرب حاصل کر لیتا ہے تو یہی اس کی معراجِ حقیقی ہے۔

انکار قیامت، مقصد قیامت، آیات الٰہی کا انکار، استہزاءِ کفار

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

وَقَالَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لَا تَاْتِیْنَا السَّاعَةُ قُلْ بَلٰی وَرَبِّیْ لَتَاْتِیَنَّکُمْ عٰلِمِ الْغَیْبِ لَا یَعْزُبُ عَنْهُ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ فِی السَّمٰوٰتِ وَلَا فِی الْاَرْضِ وَلَآ اَصْغَرُ مِنْ ذٰلِكَ وَلَآ اَکْبَرُ اِلَّا فِیْ کِتٰبٍ مُّبِیْنٍ {۳} لِّیَجْزِیَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ کَرِیْمٌ {۴} وَالَّذِیْنَ سَعَوْ فِیْٓ اٰیٰتِنَا مُعٰجِزِیْنَ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مِّنْ رِّجْزٍ اَلِیْمٌ {۵} وَیَرَی الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ هُوَ الْحَقَّ وَیَهْدِیْٓ اِلٰی صِرَاطِ الْعَزِیْزِ الْحَمِیْدِ {۶} وَقَالَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا هَلْ نَدُلُّکُمْ عَلٰی رَجُلٍ یُّنَبِّئُکُمْ اِذَا مُزِّقْتُمْ کُلَّ مُمَزَّقٍ اِنَّکُمْ لَفِیْ خَلْقٍ جَدِیْدٍ {۷} اَفْتَرٰی عَلَی اللّٰهِ کَذِبًا اَمْ بِهٖ جِنَّةٌ بَلِ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ فِی الْعَذَابِ وَالضَّلٰلِ الْبَعِیْدِ {۸} اَفَلَمْ یَرَوْا اِلٰی مَا بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اِنْ نَّشَاْ نَخْسِفْ بِهِمُ الْاَرْضَ اَوْ نُسْقِطْ عَلَیْهِمْ کِسَفًا مِّنَ السَّمَآءِ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً لِّکُلِّ عَبْدٍ مُّنِیْبٍ {۹} سبأ

جواب ترجمہ: اور کافروں نے کہا کہ ہمارے پاس قیامت نہیں آئے گی۔ آپ فرما دیجیے۔ ہاں میرے رب کی قسم وہ تم پر ضرور آئے گی، میرا رب عالم الغیب ہے، اس سے ذرہ کے برابر بھی کوئی چیز آسمانوں میں اور زمین میں غائب نہیں ہے اور نہ کوئی اس سے چھوٹی چیز ہے اور نہ بڑی چیز مگر کتاب مبین میں موجود ہے۔ تاکہ وہ ان لوگوں کو بدلہ دے جو ایمان لائے اور نیک عمل کیے، یہ وہ لوگ ہیں جن کے لیے مغفرت ہے اور رزق کریم ہے۔ جن لوگوں نے ہماری آیات کے بارے میں عاجز کرنے کی کوشش کی ان لوگوں کے لیے سختی والا دردناک عذاب ہے۔ اور جن کو علم دیا گیا وہ سمجھتے ہیں کہ ان کے رب کی طرف سے جو کچھ نازل کیا گیا ہے وہ حق ہے اور عزیز حمید کے راستہ کی طرف ہدایت دیتا ہے۔ اور کافروں نے کہا کیا ہم تمہیں ایسا شخص نہ بتادیں جو تمہیں یہ خبر دیتا ہے کہ جب تم پوری طرح ریزہ ریزہ ہو جاؤ گے تو تم ضرور ایک نئی پیدائش میں آجاؤ گے۔ کیا اس شخص نے اللہ پر جھوٹ باندھا ہے یا اس کو کسی طرح کا جنون ہے، بلکہ بات یہ ہے کہ جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں لاتے وہ عذاب میں اور دور کی گمراہی میں ہیں۔ کیا انہوں نے اسے نہیں دیکھا جو ان کے سامنے ہے اور جو ان کے پیچھے ہے یعنی آسمان اور زمین، اگر ہم چاہیں تو انہیں زمین میں دھنسا دیں یا ہم ان پر آسمان کے ٹکڑے گرا دیں، بلاشبہ اس میں متوجہ ہونے والے ہر بندہ کے لیے نشانی ضرور ہے۔

خلاصہ تفسیر: ان آیاتِ مبارکہ میں منکرینِ قیامت کے شبہات، اللہ تعالیٰ کے کامل علم و قدرت، اہلِ ایمان کے اجرِ عظیم، سرکش کفار کے دردناک انجام اور کائنات میں پھیلی ہوئی ربّانی نشانیوں کا ذکر نہایت مؤثر انداز میں کیا گیا ہے، ان آیات کا مرکزی مضمون یہ ہے کہ جس اللہ نے اس عظیم کائنات کو پیدا فرمایا، اس کے لیے مردوں کو دوبارہ زندہ کرنا کچھ مشکل نہیں۔

وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَا تَأْتِينَا السَّاعَةُ: ارشاد فرمایا گیا کہ اور کافروں نے کہا کہ ہم پر قیامت نہیں آئے گی، منکرینِ آخرت قیامت کے وقوع کا انکار کرتے تھے اور اس عقیدے کا مذاق اڑاتے تھے، ان کا خیال یہ تھا کہ مرنے اور مٹی میں مل جانے کے بعد دوبارہ زندہ ہونا ناممکن ہے، مفسرین نے لکھا ہے کہ یہ انکار محض جہالت نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی خبروں کی صریح تکذیب اور تمسخر تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب رسول ﷺ کو حکم فرمایا کہ ان کے باطل دعوے کا نہایت قطعی جواب دیں

قُلْ بَلٰى وَرَبِّيْ لَتَاْتِيَنَّكُمْ: آپ فرما دیجیے کیوں نہیں! میرے رب کی قسم، وہ قیامت ضرور تم پر آکر رہے گی، یہاں اللہ تعالیٰ نے قسم کے ساتھ قیامت کے یقینی وقوع کو بیان فرمایا تاکہ ہر شک و شبہ ختم ہو جائے۔ پھر فرمایا:

عٰلِمِ الْغَيْبِ لَا يَعْزُبُ عَنْهُ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ: وہ غیب کا جاننے والا ہے، اس سے ذرّے برابر چیز بھی پوشیدہ نہیں، یعنی جو رب کائنات کے ہر ذرّے، ہر حرکت اور ہر بکھرے ہوئے جز کو جانتا ہے، اس کے لیے انسانوں کو دوبارہ جمع کرنا اور زندہ کرنا ہرگز مشکل نہیں۔ آگے مقصد قیامت بیان کیا جارہا ہے

لِيَجْزِيَ الَّذِيْنَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ: تاکہ اللہ ایمان والوں اور نیک عمل کرنے والوں کو بدلہ عطا فرمائے، قیامت کا قائم ہونا محض ایک خبر نہیں بلکہ عدلِ الٰہی کا تقاضا ہے، دنیا میں بہت سے لوگ نیکی کرتے ہیں مگر انہیں پورا صلہ نہیں ملتا، جبکہ بہت سے ظالم سزا سے بچ جاتے ہیں، اس لیے ایک ایسا دن ضروری ہے جہاں کامل انصاف قائم ہو، اسی لیے فرمایا:

أُولٰٓئِكَ لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ كَرِيْمٌ: ایسے ہی لوگوں کے لیے بخشش اور عزت والا رزق ہے، یعنی اللہ تعالیٰ ان کے گناہوں کو معاف فرمائے گا اور جنت کی دائمی نعمتیں عطا کرے گا، جو نہ ختم ہونے والی ہوں گی اور نہ ان میں کسی قسم کی ذلت یا تکلیف ہوگی۔ آگے آیاتِ الٰہی کا انکار کرنے والوں کا انجام بیان کیا گیا ہے

وَالَّذِيْنَ سَعَوْا فِيْ آيَاتِنَا مُعَاجِزِيْنَ: اور وہ لوگ جو ہماری آیات کو عاجز کرنے کی کوشش کرتے رہے، یہ وہ لوگ ہیں جو نہ صرف خود حق کا انکار کرتے تھے بلکہ دوسروں کو بھی اللہ کے راستے سے روکنے کی کوشش کرتے تھے، وہ سمجھتے تھے کہ شاید وہ اللہ کی گرفت سے بچ نکلیں گے یا حق کو مغلوب کر دیں گے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

أُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مِنْ رِجْزٍ أَلِيْمٌ: ایسے لوگوں کے لیے دردناک عذاب ہے، یعنی جو لوگ تکبر، عناد اور سرکشی کے ساتھ اللہ کی آیات کا مقابلہ کرتے ہیں، ان کے لیے سخت ترین سزا تیار ہے۔ اگلی آیت میں اہل علم کی گواہی کا ذکر کیا جارہا ہے

وَيَرَى الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ: اور جن لوگوں کو علم عطا کیا گیا ہے وہ دیکھتے ہیں، اہلِ علم، اہلِ بصیرت اور انبیاءِ کرام علیہم السلام کے سچے پیروکار بخوبی جانتے ہیں کہ قرآنِ کریم اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ سچی کتاب ہے، کیونکہ اس کے مضامین، اس کی حکمتیں، اس کی خبریں اور اس کی ہدایات سب حق پر مبنی ہیں۔

الَّذِي أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ هُوَ الْحَقُّ: جو کچھ آپ کی طرف آپ کے رب کی جانب سے نازل کیا گیا ہے وہی حق ہے۔ پھر فرمایا:

وَيَهْدِي إِلَىٰ صِرَاطِ الْعَزِيزِ الْحَمِيدِ: اور وہ غالب اور تعریف والے اللہ کے راستے کی طرف رہنمائی کرتا ہے، یعنی قرآنِ کریم انسان کو اس راستے پر چلاتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی رضا، کامیابی اور نجات تک پہنچاتا ہے۔ آگے کفار کی ایک شیطانی حرکت کا ذکر کیا جارہا ہے

وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا هَلْ نَدُلُّكُمْ عَلَىٰ رَجُلٍ: اور کافروں نے کہا: کیا ہم تمہیں ایک ایسے شخص کا پتہ دیں؟ کفارِ مکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق استہزاء اور تمسخر کے انداز میں لوگوں سے کہتے تھے:

يُنَبِّئُكُمْ إِذَا مُزِّقْتُمْ كُلَّ مُمَزَّقٍ إِنَّكُمْ لَفِي خَلْقٍ جَدِيدٍ: وہ تمہیں یہ خبر دیتا ہے کہ جب تم بالکل ریزہ ریزہ ہو جاؤ گے تو پھر تمہیں نئے سرے سے پیدا کیا جائے گا، یعنی ان کے نزدیک دوبارہ زندہ ہونا ناقابلِ یقین تھا، اس لیے وہ اس عقیدے کا مذاق اڑاتے تھے، یہ کافروں کی گستاخی تھی، مگر میرے اللہ کا فیصلہ کیا ہے

أَفْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا أَمْ بِهِ جِنَّةٌ: کیا اس شخص نے اللہ پر جھوٹ باندھا ہے یا اسے کوئی جنون ہے؟ کفار کبھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو نعوذ باللہ جھوٹا کہتے اور کبھی دیوانہ قرار دیتے تھے، اللہ تعالیٰ نے ان کی اس گستاخی کا جواب دیتے ہوئے فرمایا:

بَلِ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ فِي الْعَذَابِ وَالضَّلَالِ الْبَعِيدِ: بلکہ حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے وہی عذاب اور دور کی گمراہی میں مبتلا ہیں، یعنی اصل گمراہ اور حقیقت سے دور وہ لوگ ہیں جو اللہ کی قدرت اور آخرت کا انکار کرتے ہیں، جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سراپا صداقت اور ہدایت ہیں۔ آگے کائنات میں پھیلی ہوئی قدرت الٰہی کی نشانیوں کا بیان کیا جارہا ہے

أَفَلَمْ يَرَوْا إِلَىٰ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ مِنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ: کیا انہوں نے اپنے آگے اور پیچھے آسمان و زمین کو نہیں دیکھا؟ یعنی انسان جہاں بھی نظر دوڑائے، اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیاں اسے گھیرے ہوئے ہیں، آسمان کی وسعتیں، زمین کی مضبوطی، نظامِ کائنات کی حکمت، یہ سب اس بات کے واضح دلائل ہیں کہ خالقِ کائنات ہر چیز پر قادر ہے، پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا:

إِنْ نَشَأْ نَخْسِفْ بِهِمُ الْأَرْضَ أَوْ نُسْقِطْ عَلَيْهِمْ كِسَفًا مِنَ السَّمَاءِ: اگر ہم چاہیں تو انہیں زمین میں دھنسا دیں یا ان پر آسمان کے ٹکڑے گرا دیں، یعنی جس اللہ کے قبضۂ قدرت میں زمین و آسمان ہیں، اس کے لیے قیامت برپا کرنا کیسے ناممکن ہو سکتا ہے؟ آگے اہل رجوع کے لیے عظیم الشان نشانی بیان کی گئی ہے۔

إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً لِكُلِّ عَبْدٍ مُنِيبٍ: بے شک اس میں ہر رجوع کرنے والے بندے کے لیے بڑی نشانی ہے، یعنی وہی لوگ ان دلائل سے فائدہ اٹھاتے ہیں جن کے دل اللہ کی طرف متوجہ ہوں، جو ضد، تکبر اور ہٹ دھرمی سے پاک ہوں اور حق کو قبول کرنے کی طلب رکھتے ہوں، ایسے لوگ کائنات کی ہر چیز میں اللہ تعالیٰ کی قدرت، حکمت اور وحدانیت کے روشن دلائل دیکھ لیتے ہیں۔

حضرت داؤد علیہ السلام کی شان

سوال حضرت داؤد علیہ السلام کے فضائل جو اس آیت میں بیان کیے گئے کی وضاحت کیجیے۔

وَلَقَدْ آتَيْنَا دَاوُودَ مِنَّا فَضْلًا ۖ يَا جِبَالُ أَوِّبِي مَعَهُ وَالطَّيْرَ ۖ وَأَلَنَّا لَهُ الْحَدِيدَ {۱۰} أَنِ اعْمَلْ سَابِغَاتٍ وَقَدِّرْ فِي السَّرْدِ وَاعْمَلُوا صَالِحًا ۖ إِنِّي بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ {۱۱} سبأ

جواب ترجمہ: اور واقعہ یہ ہے کہ ہم نے داؤد کو خاص اپنے پاس سے فضل عطا کیا تھا۔ اے پہاڑو! تم بھی تسبیح میں ان کے ساتھ ہم آواز بن جاؤ، اور اے پرندو! تم بھی۔ اور ہم نے ان کے لیے لوہے کو نرم کر دیا تھا۔ کہ پوری پوری زرہیں بناؤ، اور کڑیاں جوڑنے میں توازن سے کام لو اور تم سب لوگ نیک عمل کرو۔ تم جو عمل بھی کرتے ہو میں اسے دیکھ رہا ہوں۔

خلاصہ تفسیر: اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کو نبوت سے سرفراز فرمایا تھا، اللہ تعالیٰ نے انہیں کتاب عطا فرمائی تھی اور انہیں علم کی دولت سے مالا مال کیا تھا، اللہ تعالیٰ نے ان کی خاطر پہاڑوں اور پرندوں کو حکم دیا تھا کہ وہ داؤد علیہ السلام کے ساتھ تسبیح کرو، پھر اللہ نے انہیں یہ امتیازی شان عطا فرمائی تھی کہ ان کے لیے لوہے کو نرم کر دیا تھا، لوہا ان کے لیے آٹے کی طرح ہو گیا تھا، وہ جس طرح چاہتے تھے اسے ااستعمال کرتے تھے۔

تفاسیر قرآن اور شروحات احادیث دیکھنے سے ہمیں اندازہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کی بے شمار نعمتوں اور فضائل سے نوازا ہوا تھا، علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ بیان فرماتا ہے کہ اس نے اپنے بندے اور رسول حضرت داؤد علیہ السلام پر دنیوی اور اخروی رحمت نازل فرمائی، نبوت بھی دی بادشاہت بھی دی لاؤ لشکر بھی دیئے، طاقت و قوت بھی دی، پھر ایک پاکیزہ معجزہ یہ عطا فرمایا کہ ادھر نغمہ داؤدی ہوا میں گونجا، ادھر پہاڑوں اور پرندوں کو بھی وجد آگیا، پہاڑوں نے آواز میں آواز ملا کر اللہ کی حمد و ثناء شروع کی پرندوں نے پر ہلانے چھوڑ دیئے اور اپنی قسم قسم کی پیاری پیاری بولیوں میں رب کی وحدانیت کے گیت گانے لگے۔

حدیث شریف میں ہے کہ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَمِعَ صَوْتَ أَبِي مُوسَى الْأَشْعَرِيِّ يَقْرَأُ مِنَ اللَّيْلِ، فَوَقَفَ فَاسْتَمِعْ لِقِرَاءَتِهِ، ثُمَّ قَالَ لَقَدْ أُوتِيَ هٰذَا مِزْمَارًا مِنْ مَزَامِيرِ آلِ دَاوُدَ (بخاری) رات کو حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ قرآن پاک کی تلاوت کر رہے تھے جسے سن کر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ٹھہر گئے، دیر تک سنتے رہے پھر فرمانے لگے انہیں نغمہ داؤدی کا کچھ حصہ مل گیا ہے۔ ابو عثمان نہدی رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ مَا سَمِعْتُ صَوْتَ صَنج وَلَا بَرْبَط وَلَا وَتَر أَحْسَنَ مِنْ صَوْتِ أَبِي مُوسَى الْأَشْعَرِيِّ، رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، ہم نے حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے زیادہ پیاری آواز کسی باجے کی بھی نہیں سنی۔

علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ حضرت داؤد علیہ السلام کے فضائل میں استعمال کیے گئے قرآنی الفاظ کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ {أَوِّبِي} کے معنی حبشی زبان میں یہ ہیں کہ تسبیح بیان کرو، لیکن ہمارے

نزدیک اس میں مزید غور کی ضرورت ہے لغت عرب میں یہ لفظ ترجیع کے معنی میں موجود ہے، پس پہاڑوں کو اور پرندوں کو حکم ہو رہا ہے کہ وہ حضرت داؤد علیہ السلام کی آواز کے ساتھ اپنی آواز بھی ملا لیا کریں، تاویب کے ایک معنی دن کو چلنے کے بھی آتے ہیں، جیسے سری کے معنی رات کو چلنے کے ہیں لیکن یہ معنی بھی یہاں کچھ زیادہ مناسبت نہیں رکھتا یہاں تو یہی مطلب ہے کہ داؤد کی تسبیح کی آواز میں تم بھی آواز ملا کر خوش آوازی سے رب کی حمد بیان کرو۔

علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ حضرت داؤد علیہ السلام پر اللہ تعالیٰ کا فضل یہ ہوا کہ ان کیلئے لوہا نرم کر دیا گیا نہ انہیں لوہے کی بھٹی میں ڈالنے کی ضرورت، نہ ہتھوڑے مارنے کی حاجت، ہاتھ میں آتے ہی ایسا ہو جاتا تھا جیسے دھاگے، اب اللہ تعالیٰ کے حکم سے حضرت داؤد علیہ السلام زرہیں بناتے تھے، بلکہ یہ بھی کہا گیا ہے کہ دنیا میں سب سے پہلے زرہ آپ ہی نے ایجاد کی ہے۔

حضرت شوذب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ كَانَ دَاوُدُ عَلَيْهِ السَّلَامُ ، يَرْفَعُ فِي كُلِّ يَوْمٍ دِرْعًا فَيَبِيعُهَا بِسِتَّةِ آلَافِ دِرْهَمٍ أَلْفَيْنِ لَهُ وَلِأَهْلِهِ، وَأَرْبَعَةِ آلَافِ دِرْهَمٍ يُطْعِمُ بِهَا بَنِي إسرائيل، ہر روز صرف ایک زرہ بناتے تھے، جسے چھ ہزار درہم میں بیچتے تھے، ان میں سے دو ہزار اپنے اور اپنے گھر والوں کے لیے استعمال کرتے تھے، باقی چار ہزار درہم سے بنی اسرائیل کو کھانا کھلاتے تھے۔ (نوادر الاصول حکیم ترمذی، تفسیر در منثور، ابن کثیر)

زرہ بنانے کی ترکیب خود اللہ کی سکھائی ہوئی تھی کہ کڑیاں ٹھیک ٹھیک رکھیں حلقے چھوٹے نہ ہوں کہ ٹھیک نہ بیٹھیں بہت بڑے نہ ہوں کہ ڈھیلا پن رہ جائے بلکہ ناپ تول اور صحیح انداز سے حلقے اور کڑیاں ہوں۔ (تفسیر ابن کثیر) حضرت داؤد علیہ السلام بھیس بدل کر نکلا کرتے اور رعایا کے لوگوں سے مل کر ان سے اور باہر کے آنے جانے والوں سے دریافت فرماتے کہ داؤد کیسا آدمی ہے؟ لیکن ہر شخص کو تعریفیں کرتا ہوا ہی پاتے، کسی سے کوئی بات اپنی نسبت قابل اصلاح نہ سنتے۔ (ابن عساکر)

ایک مرتبہ اللہ تعالیٰ نے ایک فرشتے کو انسانی صورت میں نازل فرمایا، حضرت داؤد علیہ السلام کی ان سے بھی ملاقات ہوئی تو جیسے اوروں سے پوچھتے تھے ان سے بھی سوال کیا انہوں نے کہا کہ داؤد ہے تو

اچھا آدمی، اگر ایک کمی اس میں نہ ہوتی تو کامل بن جاتا، آپ علیہ السلام نے بڑی رغبت سے پوچھا کہ وہ کیا؟ فرمایا، وہ اپنا بوجھ مسلمانوں کے بیت المال پر ڈالے ہوئے ہیں خود بھی اسی میں سے لیتا ہے اور اپنے اہل وعیال کو بھی اسی میں سے کھلاتا ہے، حضرت داؤد علیہ السلام کے دل میں یہ بات بیٹھ گئی کہ یہ شخص ٹھیک کہتا ہے فَعِنْدَ ذٰلِكَ نَصَبَ دَاوُدُ ، عَلَيْهِ السَّلَامُ ، إِلَى رَبِّهِ فِي الدُّعَآءِ أَنْ يُعَلِّمَهُ عَمَلًا بِيَدِهِ يَسْتَغْنِي بِهِ وَيُغْنِي بِهِ عِيَالَهُ، فَأَلَانَ لَهُ الْحَدِيدَ، وَعَلَّمَهُ صَنْعَةَ الدُّرُوعِ، فَعَمِلَ الدِّرْعَ ، وَهُوَ أَوَّلُ مَنْ عَمِلَهَا،

اسی وقت جناب باری کی طرف جھک پڑے اور گریہ وزاری کے ساتھ دعائیں کرنے لگے کہ اللہ مجھے کوئی کام کاج ایسا سکھا دے جس سے میرا پیٹ بھر جایا کرے، کوئی صنعت اور کاریگری مجھے بتادے جس سے میں اتنا حاصل کرلیا کروں کہ وہ مجھے اور میرے بال بچوں کو کافی ہو جائے، اللہ تعالیٰ نے انہیں زرہیں بنانا سکھائیں اور پھر اپنی رحمت سے لوہے کو ان کیلئے بالکل نرم کر دیا، سب سے پہلے زرہیں آپ نے ہی بنائی ہیں۔

ایک زرہ بنا کر فروخت فرماتے اور اس کی قیمت کے تین حصے کر لیتے ایک اپنے کھانے پینے وغیرہ کیلئے ایک صدقے کیلئے ایک رکھ چھوڑنے کیلئے تاکہ دوسری زرہ بنانے تک اللہ کے بندوں کو دیتے رہیں، حضرت داؤد علیہ السلام کو جو نغمہ دیا گیا تھا وہ تو محض بے نظیر تھا اللہ کی کتاب زبور پڑھنے کو بیٹھتے، آواز نکلتے ہی چرند پرند صبر وسکون کے ساتھ محویت کے عالم میں آپ کی آواز سے متأثر ہو کر کتاب اللہ کی تلاوت میں مشغول ہو جاتے تھے، اللہ تعالیٰ نے بعض انبیاء علیہم السلام کو بعض پر فضیلت دی ہے، اس کا ذکر قرآن کریم میں موجود ہے، اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کو زبور جیسی عظیم الشان کتاب عطا فرمائی۔ (سورۃ بنی اسرائیل ۵۵)

اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کو بہت زیادہ علم عطا فرمایا تھا، جس کا ذکر اللہ نے قرآن کریم کی سورۃ النمل آیت ۱۵ میں کیا ہے کہ حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام دونوں باپ بیٹوں کو وافر علم سے نوازا گیا تھا، کسی کو وافر علم سے نوازا جانا از روئے قرآن کریم بڑی فضیلت کی بات ہے، حضرت

داؤد علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے بہت زیادہ قوت عطا فرمائی تھی، جس کا ذکر اللہ نے سورۃ ص کی آیت ۱۷ میں فرمایا ہے، اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کے شاہکار پہاڑوں اور پرندوں کو حضرت داؤد علیہ السلام کے تابع فرمان کر دیا تھا، جیسا کہ سورۃ سبا کی اس آیت مبارکہ میں ارشاد فرمایا گیا ہے، اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کو کرۂ ارضی پر خلافت سے نوازا تھا، جیسا کہ سورۃ ص کی آیت ۲۶ میں ارشاد ہوتا ہے اے داؤد! ہم نے آپ کو زمین پر خلیفہ بنایا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کے لیے لوہے جیسی سخت ترین چیز کو نرم کر دیا تھا، وہ جیسے چاہتے تھے اسے مروڑ، توڑ کر کام میں لے آتے تھے، زرہیں بنانے کے بعد انہیں فروخت کرتے تھے، جس کی بدولت وہ صاحب دولت ہو گئے تھے، ان کی معیشت بہت مستحکم اور مضبوط ہو گئی تھی۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کو روشن آنکھوں والا بنایا تھا، جیسا کہ ایک روایت میں آتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے جب حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا تو ان کی پشت پر ہاتھ پھیرا تو ان کی پشت سے ان کی اولاد کی وہ تمام روحیں جھڑ گئیں جن کو وہ قیامت تک پیدا کرنے والا تھا اور ان میں سے ہر انسان کی دو آنکھوں کے درمیان نور کی ایک چمک تھی، پھر وہ سب روحیں حضرت آدم علیہ السلام پر پیش کی گئیں، حضرت آدم علیہ السلام نے کہا اے میرے رب! یہ کون ہیں؟ فرمایا یہ تمہاری اولاد ہیں۔

حضرت آدم علیہ السلام نے ان میں سے ایک شخص کو دیکھا جس کی آنکھوں کے درمیان کی چمک ان کو بہت پیاری لگی، پوچھا اے رب یہ کون ہے؟ فرمایا یہ تمہاری اولاد کی بعد والی امتوں میں سے ایک شخص ہے اس کا نام داؤد ہے، کہا اے رب! آپ نے اس کی کتنی عمر رکھی ہے؟ فرمایا ساٹھ سال، کہا اے میرے رب! میری عمر سے اس کے چالیس سال زیادہ کر دے۔ (البدایہ والنہایہ ج ۲ ص ۲۰)

حضرت سلیمان علیہ السلام کی شان

سوال حضرت سلیمان علیہ السلام کے فضائل ان آیات کی روشنی میں بیان کیجیے۔

وَلِسُلَيْمٰنَ الرِّيْحَ غُدُوُّهَا شَهْرٌ وَّ رَوَاحُهَا شَهْرٌ ۚ وَاَسَلْنَا لَهٗ عَيْنَ الْقِطْرِ ۭ وَمِنَ الْجِنِّ مَنْ يَّعْمَلُ بَيْنَ يَدَيْهِ بِاِذْنِ رَبِّهٖ ۭ وَمَنْ يَّزِغْ مِنْهُمْ عَنْ اَمْرِنَا نُذِقْهُ مِنْ عَذَابِ السَّعِيْرِ {۱۲}

يَعْمَلُوْنَ لَهٗ مَا يَشَآءُ مِنْ مَّحَارِيْبَ وَتَمَاثِيْلَ وَجِفَانٍ كَالْجَوَابِ وَقُدُوْرٍ رّٰسِيٰتٍ اِعْمَلُوْٓا اٰلَ دَاوٗدَ شُكْرًا ؕ وَقَلِيْلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُوْرُ {۱۳} سبأ

جواب ترجمہ: اور سلیمان کے لیے ہم نے ہوا کو تابع بنا دیا تھا۔ اس کا صبح کا سفر بھی ایک مہینے کی مسافت کا ہوتا تھا، اور شام کا سفر بھی ایک مہینے کی مسافت کا اور ہم نے ان کے لیے تانبے کا چشمہ بہا دیا تھا۔ اور جنات میں سے کچھ وہ تھے جو اپنے پروردگار کے حکم سے ان کے آگے کام کرتے تھے اور (ہم نے ان پر یہ بات واضح کر دی تھی کہ) ان میں سے کوئی ہمارے حکم سے ہٹ کر ٹیڑھا راستہ اختیار کرے گا، اسے ہم بھڑکتی ہوئی آگ کا مزہ چکھائیں گے۔

خلاصہ تفسیر: یہاں حضرت سلیمان علیہ السلام پر جو نعمتیں نازل فرمائی تھیں ان کا بیان ہو رہا ہے کہ ان کیلئے ہوا کو تابع فرمان بنا دیا۔ ② مہینے بھر کی راہ صبح ہی صبح طے ہو جاتی اور اتنی ہی مسافت کا سفر شام کو ہو جاتا، مثلاً دمشق سے تخت مع فوج و اسباب کے اڑایا اور تھوڑی دیر میں اصطخر پہنچا دیا جو تیز سوار کے لیے بھی مہینے بھر کا سفر تھا۔ اسی طرح شام کو وہاں سے تخت اڑا اور شام ہی کو کابل پہنچ گیا۔

تیز رفتار بندے کے لیے دمشق اور اصطخر کے درمیان ایک مہینے کی مسافت ہے، اسی طرح اصطخر اور کابل کے درمیان تیز رفتار چلنے والے کے لیے ایک مہینے کی مسافت ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

③ تانبے کو بطور پانی کر کے اللہ تعالیٰ نے اس کے چشمے بہا دیئے تھے کہ جس کام میں جس طرح جس وقت لانا چاہیں تو بلا وقت لے لیا کریں۔ یہ تانبا انہیں کے وقت سے کام میں آ رہا ہے۔ بقول سدی یہ تین دن تک سلیمان علیہ السلام کے لیے بہایا گیا۔

④ جنات کو ان کی ماتحتی میں کر دیا جو وہ چاہتے اپنے سامنے ان سے کام لیتے۔ ان میں سے جو جن احکام سلیمان کی تعمیل سے جی چراتا فوراً آگ سے جلا دیا جاتا۔

ابن انعم رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ الْجِنُّ ثَلَاثَةٌ: صِنْفٌ لَهُمُ الثَّوَابُ وَعَلَيْهِمُ الْعِقَابُ، وَ صِنْفٌ طَيَّارُونَ فِيمَا بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ، وَصِنْفٌ حَيَّاتٌ وَكِلَابٌ، جنات کی تین قسمیں ہیں ایک کیلئے تو عذاب و ثواب ہے، ایک آسمان و زمین میں اڑتے رہتے ہیں، ایک سانپ اور کتے ہیں۔

بکر بن مضر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ أَنَّ الْإِنْسَ ثَلَاثَةٌ : صِنْفٌ يُظِلُّهُمُ اللّٰهُ بِظِلِّ عَرْشِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ. وَصِنْفٌ كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ سَبِيلًا وَصِنْفٌ فِي صُوَرِ النَّاسِ عَلَى قُلُوبِ الشَّيَاطِينِ انسانوں کی بھی تین قسمیں ہیں۔ ایک وہ جنہیں اللہ تعالیٰ اپنے عرش تلے سایہ دے گا جس دن اس کے سائے کے سوا اور کوئی سایہ نہ ہو گا۔ اور ایک قسم مثل چوپایوں کے ہے بلکہ ان سے بھی بدتر۔ اور تیسری قسم انسانی صورت میں شیطانی دل رکھنے والے۔

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ الْجِنُّ وَلَدُ إِبْلِيسَ، وَالْإِنْسُ وَلَدُ آدَمَ، وَمِنْ هٰؤُلَاءِ مُؤْمِنُونَ وَمِنْ هَؤُلَاءِ مُؤْمِنُونَ، وَهُمْ شُرَكَاؤُهُمْ فِي الثَّوَابِ وَالْعِقَابِ، وَمَنْ كَانَ مِنْ هٰؤُلَاءِ وَهٰؤُلَاءِ مُؤْمِنًا فَهُوَ وَلِيُّ اللّٰهِ، وَمَنْ كَانَ مِنْ هٰؤُلَاءِ وَهٰؤُلَاءِ كَافِرًا فَهُوَ شَيْطَانٌ جن ابلیس کی اولاد میں سے ہیں اور انسان حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں دونوں میں مومن بھی ہیں اور کافر بھی، عذاب وثواب میں دونوں شریک ہیں دونوں کے ایماندار ولی اللہ ہیں اور دونوں کے بے ایمان شیطان ہیں۔

الفاظ کے معانی: مفسر قرآن علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ نے اس آیت مبارکہ میں استعمال ہونے والے الفاظ کی وضاحت فرمائی ہے کہ مَحَارِيب کہتے ہیں بہترین عمارتوں کو، گھر کے بہترین حصے کو، مجلس کی صدارت کی جگہ کو، بقول مجاہد رحمہ اللہ ان عمارتوں کو جو محلات سے کم درجے کی ہوں۔ ضحاک فرماتے ہیں مسجدوں کو۔ قتادہ رحمہ اللہ کہتے ہیں بڑے بڑے محل اور مسجدوں کو۔ ابن زید رحمہ اللہ کہتے ہیں گھروں کو تَمَاثِيل تصویروں کو کہتے ہیں یہ تانبے کی تھیں، بقول قتادہ رحمہ اللہ وہ مٹی اور شیشے کی تھیں۔

جَوَاب جمع ہے جابیہ کی، جابیہ اس حوض کو کہتے ہیں جس میں پانی آتا رہتا ہو، یہ مثل تالاب کے تھیں بہت بڑے بڑے لگن تھے تاکہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی بہت بڑی فوج کیلئے بہت سا کھانا بیک وقت تیار ہو سکے اور ان کے سامنے لایا جاسکے اور جمی ہوئی دیگیں جو بوجہ اپنی بڑائی کے اور بھاری پن کے ادھر سے ادھر نہیں کی جاسکتی تھیں، ان سے اللہ نے فرمادیا تھا کہ دین و دنیا کی جو نعمتیں میں نے تمہیں دے رکھی ہیں ان پر میرا شکر کرو، اپنے افعال سے بھی اور اپنے عزائم وارادوں سے بھی۔

علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ آل داؤد دونوں طرح کا شکر ادا کرتے تھے قولاً بھی اور فعلاً بھی، حضرت ثابت بنانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے اپنے اہل و عیال اولاد اور عورتوں پر اس طرح اوقات کی پابندی کے ساتھ نفل نماز تقسیم کی تھی کہ ہر وقت کوئی نہ کوئی نماز میں مشغول نظر آتا۔ (تفسیر ابن کثیر)

بخاری و مسلم میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ إِنَّ أَحَبَّ الصَّلَاةِ إِلَى اللهِ صلاةُ داودَ، كَانَ يَنَامُ نِصْفَ اللَّيْلِ وَيَقُومُ ثُلُثَهُ وَيَنَامُ سُدُسَهُ، وَأَحَبُّ الصِّيَامِ إِلَى اللهِ صِيَامُ دَاوُدَ، كَانَ يَصُومُ يَوْمًا وَيُفْطِرُ يَوْمًا. وَلَا يفر إِذَا لَاقَى، اللہ کو سب سے زیادہ پسند حضرت داؤد علیہ السلام کی نماز تھی، آپ آدھی رات سوتے تہائی رات قیام کرتے اور چھٹا حصہ سو رہتے۔ اسی طرح سب روزوں سے زیادہ محبوب روزے بھی اللہ تعالیٰ کو آپ ہی کے تھے، آپ ایک دن روزے سے رہتے اور ایک دن بے روزہ ایک خوبی آپ میں یہ تھی کہ دشمن سے جہاد کے وقت منہ نہ پھیرتے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کی والدہ ماجدہ نے آپ سے فرمایا يَا بُنَيَّ، لَا تُكْثِرِ النَّوْمَ بِاللَّيْلِ، فَإِنَّ كَثْرَةَ النَّوْمِ بِاللَّيْلِ تَتْرُكُ الرَّجُلَ فَقِيرًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ، اے میرے پیارے بیٹے! رات کو بہت نہ سویا کرو۔ رات کی زیادہ نیند انسان کو قیامت کے دن فقیر بنا دے گی۔

ابن ابی حاتم میں اس موقع پر حضرت داؤد علیہ السلام کی ایک مطول حدیث مروی ہے، اسی کتاب میں یہ بھی مروی ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے جناب باری میں عرض کیا کہ يَا رَبِّ، كَيْفَ أَشْكُرُكَ، وَالشُّكْرُ نِعْمَةٌ مِنْكَ؟ قَالَ: الْآنَ شَكَرْتَنِي حِينَ عَلِمْتَ أَنَّ النِّعْمَةَ مِنِّي، اے میرے رب! میں آپ کا شکر کیسے ادا کروں؟ شکر گزاری خود تیری ایک نعمت ہے جواب ملا، داؤد! اب تو نے میری شکر گزاری ادا کر لی جبکہ تو نے اسے جان لیا کہ کل نعمتیں میری ہی طرف سے ہیں۔

تو یہاں فضائل سلیمان علیہ السلام بیان کرتے ہوئے فرمایا گیا کہ حضرت سلیمان کے لیے ہوا مسخر کی گئی تھی، ان کے لیے تانبا بہایا گیا تھا، ان کے لیے جنات تابع کر دیے گئے تھے جو ان کے احکامات کی بجا آوری کرتے تھے، جو نافرمانی کرتے تھے انہیں جلا دیا جاتا تھا، جنات سلیمان علیہ السلام کا حکم مانتے ہوئے

عبادت کے لیے سجدہ گاہیں تعمیر کرتے تھے، تانبے اور شیشے سے صورتیں بناتے تھے، حوضوں کی مثل بڑے بڑے پیالے بناتے تھے جن میں پانی جمع ہوتا تھا، بڑی بڑی ہنڈیا بناتے تھے جو اپنے حجم اور وزن کی وجہ سے اپنی جگہ سے حرکت نہیں کرتی تھیں۔

جنّات غیب دان نہیں

سوال اس آیت کریمہ کا ترجمہ تفسیر کیجیے۔

فَلَمَّا قَضَيْنَا عَلَيْهِ الْمَوْتَ مَا دَلَّهُمْ عَلٰى مَوْتِهٖٓ اِلَّا دَآبَّةُ الْاَرْضِ تَاْكُلُ مِنْسَاَتَهٗ فَلَمَّا خَرَّ تَبَيَّنَتِ الْجِنُّ اَنْ لَّوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ الْغَيْبَ مَا لَبِثُوْا فِي الْعَذَابِ الْمُهِيْنِ {۱۴} سبأ

جواب ترجمہ: پھر جب ہم نے سلیمان پر موت کا حکم جاری کر دیا تو ان کو سلیمان کی موت کا پتہ نہ دیا مگر گھن کے کیڑے نے جو ان کے عصا کو کھا رہا تھا، سو جب وہ گر پڑے تو جنات کو پتہ چلا کہ اگر جن غیب جانتے ہوتے تو ذلیل کرنے والے عذاب میں نہ ٹھہرے رہتے۔

خلاصہ تفسیر: مفسر قرآن علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ اس آیت کے ذیل میں لکھتے ہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی موت کی کیفیت بیان ہو رہی ہے اور یہ بھی کہ جو جنات ان کے فرمان کے تحت کام کاج میں مصروف تھے ان پر ان کی موت کیسے نامعلوم رہی وہ انتقال کے بعد بھی لکڑی کی ٹیک پر کھڑے ہی رہے اور یہ انہیں زندہ سمجھتے ہوئے سر جھکائے اپنے سخت سخت کاموں میں مشغول رہے۔

حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں تقریباً سال بھر اسی طرح گزر گیا۔ جس لکڑی کے سہارے آپ کھڑے تھے جب اسے دیمک چاٹ گئی اور وہ کھوکھلی ہو گئی تو آپ گر پڑے، اب جنات اور انسانوں کو آپ کی موت کا پتہ چلا، تب تو نہ صرف انسانوں بلکہ خود جنات کو بھی یقین ہو گیا کہ ان میں سے کوئی بھی غیب داں نہیں۔ (تفسیر ابن کثیر)

حضرت سلیمان علیہ السلام جب نماز پڑھتے تو ایک درخت اپنے سامنے دیکھتے اس سے پوچھتے کہ تو کیسا درخت ہے؟ تیرا نام کیا ہے؟ وہ بتا دیتا آپ اسے اسی استعمال میں لاتے، ایک مرتبہ جب نماز کے لیے کھڑے ہوئے اور اسی طرح ایک درخت دیکھا تو پوچھا تیرا نام کیا ہے؟ اس نے کہا ضروب، پوچھا تو کس

لئے ہے ؟ کہا اس گھر کو اجاڑنے کے لیے، تب آپ نے دعا مانگی کہ اللہ میری موت کی خبر جنات پر ظاہر نہ ہونے دے تا کہ انسان کو یقین ہو جائے کہ جن غیب نہیں جانتے۔

اب آپ ایک لکڑی پر ٹیک لگا کر کھڑے ہوئے اور جنات کو مشکل مشکل کام سونپ دیئے، آپ کا انتقال ہو گیا لیکن لکڑی کے سہارے آپ ویسے ہی کھڑے رہے جنات دیکھتے رہے اور سمجھتے رہے کہ آپ زندہ ہیں اپنے اپنے کام میں مشغول رہے ایک سال کامل ہو گیا۔ چونکہ دیمک آپ کی لکڑی کو چاٹ رہی تھی سال بھر گزرنے پر وہ اسے کھا گئی اور اب حضرت سلیمان علیہ السلام گر پڑے اور انسانوں نے جان لیا کہ جنات غیب نہیں جانتے ورنہ سال بھر تک اس مصیبت میں نہ رہتے۔

بعض صحابہ سے مروی ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی عادت تھی آپ سال سال دو دو سال یا کم و بیش مدت کیلئے مسجد قدس میں اعتکاف میں بیٹھ جاتے آخری مرتبہ انتقال کے وقت بھی آپ مسجد بیت المقدس میں تھے ہر صبح ایک درخت آپ کے سامنے نمودار ہوتا۔ آپ اس سے نام پوچھتے فائدہ پوچھتے وہ بتاتا آپ اسی کام میں اسے لاتے بالآخر ایک درخت ظاہر ہوا جس نے اپنا نام ضروبہ بتایا، کہا تو کس کام کے لیے ہے ؟ اس نے کہا کہ میں اس مسجد کو اجاڑنے کے لیے ہوں۔

حضرت سلیمان علیہ السلام سمجھ گئے فرمانے لگے میری زندگی میں تو یہ مسجد ویران نہیں ہو گی البتہ تو میری موت اور اس شہر کی ویرانی کے لیے ہے۔ چنانچہ آپ نے اسے اپنے باغ میں لگا دیا، مسجد کے درمیان ایک جگہ میں کھڑے ہو کر ایک لکڑی کے سہارے نماز شروع کر دی۔ وہیں انتقال ہو گیا لیکن کسی کو اس کا علم نہ ہوا، شیاطین سب کے سب اپنی نوکری بجالاتے رہے اس ڈر کی وجہ سے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ہم حکم کی بجا آوری میں کوتاہی کے مرتکب ہوں اور اللہ کے رسول آجائیں تو ہمیں سزا دیں۔

یہ محراب کے آگے پیچھے آئے ان میں جو ایک بہت بڑا پاجی شیطان تھا اس نے کہا دیکھو جی اس میں آگے اور پیچھے سوراخ ہیں اگر میں یہاں سے جا کر وہاں سے نکل آؤں تو میری طاقت کو مانو گے یا نہیں؟

چنانچہ وہ گیا اور نکل آیا لیکن اسے حضرت سلیمان علیہ السلام کی آواز نہ آئی، دیکھ تو سکتے نہ تھے کیونکہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی طرف نگاہ بھر کر دیکھتے ہی وہ مر جاتے تھے لیکن اس کے دل میں کچھ خیال سا

گزرا اس نے پھر اور جرأت کی اور مسجد میں چلا گیا، اس نے اس بات کا اندازہ لگایا کہ وہاں جانے کے بعد وہ نہ جلا تو اس کی ہمت اور بڑھ گئی اور اس نے نگاہ بھر کر آپ کو دیکھا تو دیکھا کہ وہ گرے پڑے ہیں اور انتقال فرما چکے ہیں۔

اب آکر سب کو اطلاع دی، اس کے بعد لوگ وہاں آئے محراب کو کھولا تو واقعی اللہ کے رسول کو زندہ نہ پایا۔ آپ کو مسجد سے نکال لائے، مدت انتقال کا علم حاصل کرنے کیلئے انہوں نے لکڑی کو دیمک کے سامنے ڈال دیا ایک دن رات تک جس قدر دیمک نے اسے کھایا اسے دیکھ کر اندازہ کیا تو معلوم ہوا کہ آپ کے انتقال کو پورا سال گزر چکا، تمام لوگوں کو اس وقت کامل یقین ہو گیا کہ جنات جو کہتے تھے کہ ہم غیب کی خبریں جانتے ہیں یہ محض ان کا دعویٰ تھا، لوگوں کو دھوکہ دینا تھا، لوگوں پر اپنا رعب جمانا تھا، ورنہ سال بھر تک کیوں مصیبت جھیلتے رہتے۔

اس وقت سے جنات گھن کے کیڑے کو مٹی اور پانی لا دیا کرتے ہیں گویا اس کا شکریہ ادا کرتے ہیں، کہا یہ بھی تھا کہ اگر تو کچھ کھاتا پیتا ہوتا تو بہتر سے بہتر غذا ہم تجھے پہنچاتے لیکن یہ سب بنی اسرائیل کے علماء کی روایتیں ہیں ان میں جو مطابق حق ہوں قبول۔ خلاف حق ہوں مردود دونوں سے الگ ہوں وہ نہ تصدیق کے قابل نہ تکذیب کے واللہ اعلم الغیب۔ (تفسیر ابن کثیر)

حضرت زید بن اسلم رحمۃ اللہ سے مروی ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے ملک الموت سے کہہ رکھا تھا کہ میری موت کا وقت مجھے کچھ پہلے بتا دینا حضرت ملک الموت نے یہی کیا تو آپ نے جنات کو بغیر دروازے کے ایک شیشے کا مکان بنانے کا حکم دیا اور اس میں ایک لکڑی پر ٹیک لگا کر نماز شروع کی یہ موت کے ڈر کی وجہ سے نہ تھا، حضرت ملک الموت اپنے وقت پر آئے اور روح قبض کر کے گئے، پھر لکڑی کے سہارے آپ سال بھر تک اسی طرح کھڑے رہے جنات ادھر ادھر سے دیکھ کر آپ کو زندہ سمجھ کر اپنے کاموں میں آپ کی ہیبت کی وجہ سے مشغول رہے لیکن جو کیڑا آپ کی لکڑی کو کھا رہا تھا جب وہ آدھی کھا چکا تو اب لکڑی بوجھ نہ اٹھا سکی اور آپ گر پڑے جنات کو آپ کی موت کا یقین ہو گیا اور وہ بھاگ کھڑے ہوئے، تو اس آیت میں ان لوگوں کے عقیدے کو باطل قرار دیا گیا جو یہ

گمان رکھتے تھے کہ جنات غیب جانتے ہیں، اگر جنات غیب جانتے تو انہیں سلیمان علیہ السلام کی وفات کا علم ہو جاتا اور وہ ذلت آمیز مشقت میں نہ پڑے رہتے۔

قرآنی تصریحات کے مطابق غیب جاننے والا صرف اللہ تعالیٰ ہے، اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی غیب دان نہیں ہے، حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کو اللہ تعالیٰ نے جتنا چاہا اتنا غیب بتایا، ہمارے پیارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے ساری کائنات میں سب سے زیادہ علم عطا فرمایا، قیامت تک آنے والے احوال وحوادث کی خبریں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو بتائیں، مگر اہل سنت والجماعت کے عقیدے کے مطابق یہ حالات آپ نے اللہ تعالیٰ کے بتانے سے بتائے ہیں۔

اپنے بارے میں تو اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہلوایا کہ وہ لوگوں کو بتادیں کہ اگر میں اپنی طرف سے غیب جانتا ہوتا تو بہت سی خیریں اور بھلائیاں از خود ہی جمع کر لیتا، مگر ایسا نہیں ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کے ایک سوال پر جب فرمایا تھا کہ میں تمہیں اس سوال کا جواب کل دوں گا تو کئی روز تک اللہ کی طرف سے وحی کا سلسلہ رک گیا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان شاء اللہ کا لفظ استعمال کیوں نہیں کیا، پتا چلا کہ غیب دان صرف اللہ ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے بتانے سے بتادیتے تھے۔

قوم سباء کے حالات

سوال قوم سباء کون تھی اور اسے کس طرح کے حالات کا سامنا کرنا پڑا؟ قرآنی آیات کی روشنی میں وضاحت فرمائیے۔

لَقَدْ كَانَ لِسَبَإٍ فِيْ مَسْكَنِهِمْ اٰيَةٌ ۚ جَنَّتٰنِ عَنْ يَّمِيْنٍ وَّ شِمَالٍ ؕ كُلُوْا مِنْ رِّزْقِ رَبِّكُمْ وَاشْكُرُوْا لَهٗ ؕ بَلْدَةٌ طَيِّبَةٌ وَّرَبٌّ غَفُوْرٌ {۱۵} فَاَعْرَضُوْا فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ سَيْلَ الْعَرِمِ وَبَدَّلْنٰهُمْ بِجَنَّتَيْهِمْ جَنَّتَيْنِ ذَوَاتَيْ اُكُلٍ خَمْطٍ وَّاَثْلٍ وَّشَيْءٍ مِّنْ سِدْرٍ قَلِيْلٍ {۱۶} ذٰلِكَ جَزَيْنٰهُمْ بِمَا كَفَرُوْا ؕ وَهَلْ نُجٰزِيْٓ اِلَّا الْكَفُوْرَ {۱۷} وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ الْقُرَى الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا قُرًى ظَاهِرَةً وَّقَدَّرْنَا فِيْهَا السَّيْرَ سِيْرُوْا فِيْهَا لَيَالِيَ وَاَيَّامًا اٰمِنِيْنَ {۱۸} فَقَالُوْا رَبَّنَا بٰعِدْ بَيْنَ اَسْفَارِنَا وَظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَجَعَلْنٰهُمْ اَحَادِيْثَ وَمَزَّقْنٰهُمْ كُلَّ

مُمَزَّقٍ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ {۱۹}سبأ

جواب ترجمہ: بلاشبہ قوم سبا کے لئے ان کے اپنے وطن میں ہی ایک بڑی نشانی تھی دو رویہ باغ دائیں اور بائیں (اور ساتھ ہی یہ اذن عام بھی کہ) کھاؤ تم لوگ اپنے رب کے دیئے ہوئے میں سے اور شکر بجا لاؤ اس کا، ملک پاکیزہ اور رب بخشش فرمانے والا ہے۔ سو انہوں نے رو گردانی کی لہٰذا ہم نے ان پر بند کا سیلاب بھیج دیا اور ہم نے ان کے باغوں کے بدلہ میں دو ایسے باغ دے دیئے جن میں بد مزہ پھل اور جھاؤ کے درخت تھے اور کچھ تھوڑے سے بیری کے درخت تھے۔ سو انہوں نے رو گردانی کی لہٰذا ہم نے ان پر بند کا سیلاب بھیج دیا اور ہم نے ان کے باغوں کے بدلہ میں دو ایسے باغ دے دیئے جن میں بد مزہ پھل اور جھاؤ کے درخت تھے اور کچھ تھوڑے سے بیری کے درخت تھے۔ اور ہم نے ان کے درمیان اور ان بستیوں کے درمیان جن میں ہم نے برکت رکھی تھی بہت سے گاؤں آباد کر رکھے تھے جو نظر آتے تھے اور ہم نے ان کے درمیان ان کے چلنے کا ایک خاص انداز رکھا تھا، ان میں راتوں کو چلو اور دن میں چلو امن وامان کے ساتھ۔

سو انہوں نے کہا کہ اے ہمارے رب دوری کر دیجیے ہمارے سفروں کے درمیان، اور انہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا، سو ہم نے انہیں افسانہ بنا دیا اور انہیں پوری طرح تتر بتر کر دیا بے شک اس میں ہر صبر کرنے والے اور شکر کرنے والے کے لیے بڑی عبرتیں ہیں۔

خلاصہ تفسیر: لَقَدْ كَانَ لِسَبَاٍ فِیْ مَسْكَنِهِمْ اٰیَةٌ: قوم سباء یمن میں آباد تھی، ان کی رہائش گاہیں اللہ تعالیٰ کی قدرت کا شاہکار تھیں، ان کے دائیں اور بائیں دو باغات تھے، جن پر لگے ہوئے پھلوں کے بارے میں انہیں حکم دیا جاتا تھا کہ وہ ان سے کھائیں اور اللہ کا شکر ادا کریں، اس کی نعمتوں کا شکر ادا کریں، ان کے شہر کی مٹی بڑی اچھی ہے، اس کی آب وہوا بہت خوشگوار ہے، ان کا پروردگار بڑا بخشنے والا ہے۔

علامہ ابن جوزی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ سبا اولاد سبا میں سے ایک قبیلہ تھا، ملکہ سباء بلقیس جب اس قوم پر حکمران بنی تو یہ لوگ وادی کے پانی پر ایک دوسرے کے خلاف برسرپیکار تھے، ملکہ بلقیس نے

انہیں لڑائی جھگڑے سے منع کیا، مگر ان لوگوں نے اس کی بات نہیں مانی، چنانچہ ملکہ نے ان کا ملک چھوڑ دیا اور اپنے محل میں جا ٹھہری، جب شر و شرارت عام ہو گئی تو یہ لوگ ملکہ کے پاس آئے اور اس سے درخواست کی کہ وہ ان کے ملک کی طرف واپس آجائے، مگر ملکہ نے واپس جانے سے انکار کر دیا، ان لوگوں نے ملکہ کو دھمکایا کہ تو ہر صورت میں واپس ہو گی ورنہ ہم تجھے قتل کر دیں گے، ملکہ نے ان کی دھمکی کے بعد کہا کہ تم لوگ میری بات نہیں مانتے ہو اس لیے میں واپس نہیں جاؤں گی، اس پر ان لوگوں نے ملکہ سے وعدہ کیا کہ ہم تیری بات مانیں گے، اس وعدے پر ملکہ ان کی وادی کی طرف واپس آئی۔

یہاں جب بارش ہوتی تھی تو کئی کئی دن تک ہوتی رہتی تھی، جس کے باعث بارش سیلاب کی شکل اختیار کر لیتی تھی، اس صورت حال کے پیش نظر ملکہ نے دو پہاڑیوں کے درمیان ڈیم تعمیر کروا دیا، یوں یہ پانی دو پہاڑیوں کے بیچ میں تھم جاتا تھا، ملکہ نے اس ڈیم کے دروازے بنوا دیے تھے، جو تہہ بہ تہہ تھے، اس کے نیچے ملکہ نے تالاب بنوائے ہوئے تھے، جن سے ان کی نہروں کی تعداد کے برابر پانی نکلنے کے بارہ راستے بنائے گئے تھے، جن سے پانی برابر سرابر نکلتا تھا۔

بعض یوں کہتے ہیں کہ یہ انہوں نے اس لیے بنائے تھے تاکہ سیلاب ان کے اموال کو تباہ و برباد نہ کر دے، چنانچہ وہ ڈیم کے دروازے کھولتے تھے جس قدر انہیں پانی چاہیے ہوتا تھا اس میں سے حاصل کر لیتے تھے۔

اہل سبا کی وادی کے دائیں بائیں دو باغات تھے، اللہ نے انہیں سرسبز و شاداب زمین عطا فرمائی ہوئی تھی، میوہ جات کی کثرت تھی، اگر کوئی عورت ان باغات میں سے ٹوکرا اپنے سر پر لے کر گزرتی تو بغیر ٹہنی شاخ ہلائے ٹوکرا بھر جاتا تھا۔

پھر سبا میں کوئی سانپ نہیں تھا کوئی بچھو نہیں تھا، کوئی مچھر نہیں تھا، کوئی مکھی اور پسو نہیں تھا، ان لوگوں میں اللہ تعالیٰ نے یکے بعد دیگرے تیرہ نبی بھیجے اور ان لوگوں سے کہا گیا کہ تم اپنے رب کا رزق کھاؤ اور اس کی شکر گزاری کرو، یہ شہر صاف ستھرا ہے، اس میں کوئی موذی چیز نہیں ہے، مگر اہل سباء

ایسے نافرمان نکلے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے حکموں سے منہ موڑا، اللہ کی شکر گزاری کی بجائے ناشکری کی، ان کی طرف رسولوں کو بھیجا گیا، انہوں نے ان پر ایمان لانے کی بجائے ان کا انکار کیا۔

فَاَعْرَضُوْا فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ سَيْلَ الْعَرِمِ: رسولوں کا انکار کرنے کی وجہ سے یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی گرفت میں آگئے، اللہ نے ان پر سیلاب کا عذاب بھیجا، ڈیم ٹوٹا جو ان کے باغات پر چڑھ آیا، جس نے ان کے باغات تباہ و برباد کر ڈالے، ان کے باغات جو کل تک لہلہاتے تھے، سرسبز و شاداب تھے، آج تباہی و بربادی کا منظر پیش کر رہے تھے، پھلدار درختوں کی جگہ کانٹے دار، جھاڑی دار درختوں نے لے لی، جن کے ساتھ ذائقہ دار پھلوں کی بجائے کڑوے کسیلے پھل لگے ہوئے تھے۔

حضرت نبی کریم ﷺ سے پوچھا گیا کہ سبا کسی عورت کا نام ہے۔ یا مرد کا یا جگہ کا؟ تو آپ نے فرمایا

بَلْ هُوَ رَجُلٌ، وَلَدَ عَشَرَة، فَسَكَنَ الْيَمَنَ مِنْهُمْ سِتَّةٌ، وَبِالشَّامِ مِنْهُمْ أَرْبَعَةٌ، فَأَمَّا الْيَمَانِيُّونَ: فَمَذْحِجُ، و كِنْدَةُ، وَالْأَزْدُ، وَالْأَشْعَرِيُّونَ، وَأَنْمَارٌ، وَحِمْيَرُ وَأَمَّا الشَّامِيَّةُ فَلَخْمٌ، وَجُذَامُ، وَعَامِلَةُ، وَغَسَّانُ یہ ایک مرد تھا جس کے دس لڑکے تھے جن میں سے چھ تو یمن میں جا بسے تھے اور چار شام میں۔ مذحج، کندہ، ازد، اشعری، انمار، حمیر یہ چھ قبیلے یمن میں۔ لخم، جذام، عاملہ اور غسان یہ چار قبیلے شام میں آباد تھے۔ (مسند احمد)

فروہ بن مسیک فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ میں اپنی قوم میں سے ماننے والوں اور آگے بڑھنے والوں کو لے کر نہ ماننے اور پیچھے ہٹنے والوں سے لڑوں؟ آپ نے فرمایا ہاں۔ جب میں جانے لگا تو آپ ﷺ نے مجھے بلا کر فرمایا دیکھو پہلے انہیں اسلام کی دعوت دینا نہ مانیں تب جہاد کی تیاری کرنا، میں نے کہا یا رسول اللہ! یہ سبا کس کا نام ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا

بَلْ رَجُلٌ مِنَ الْعَرَبِ، وُلِدَ لَهُ عَشَرَةٌ فَتَيَامَنَ سِتَّةٌ وَتَشَاءَمَ أَرْبَعَةٌ، تَيَامَنَ الْأَزْدُ، وَالْأَشْعَرِيُّونَ، وَحِمْيَرُ، وَ كِنْدَةُ، وَمَذْحِجُ، وَأَنْمَارُ الَّذِينَ يُقَالُ لَهُمْ: بَجِيلَةُ وَخَثْعَمُ وَتَشَاءَمَ لَخْمٌ، وَجُذَامٌ، وَعَامِلَةُ، وغسّان یہ عرب کا ایک مرد تھا، جس کے دس بیٹے تھے، چھ یمن میں آباد ہوئے، چار شام میں آباد ہوئے، جو یمن میں آباد ہوئے ان میں ایک ازد ہے، ایک

اشعری ہے، ایک حمیر ہے، ایک کندہ ہے، ایک مذحج ہے، اور ایک انمار ہے، انہیں بجیلہ اور خثعم بھی کہا جاتا ہے، لخم، جذام، عاملہ اور غسان شام میں آباد ہو گئے تھے۔

محمد بن اسحاق سبا کا نسب نامہ اس طرح بیان کرتے ہیں عبد شمس بن العرب بن قحطان، اسے سبا اس لئے کہتے ہیں کہ اس نے سب سے پہلے عرب میں دشمن کو قید کرنے کا رواج ڈالا، اس وجہ سے اسے رائش بھی کہتے ہیں، مال کو ریش اور ریاش بھی عربی میں کہتے ہیں۔

ابن قحطان نے آنحضرت ﷺ کے تشریف لانے سے پہلے ہی آپ کی پیشن گوئی کی تھی کہ

سَيَمْلِكُ بَعْدَنَا مُلْكًا عَظِيمًا ... نَبِيٌّ لَا يُرَخِّصُ فِي الْحَرَامِ
وَيَمْلِكُ بَعْدَهُ مِنْهُمْ مُلُوكٌ ... يُدِينُوهُ الْعِبَادَ بِغَيْرِ ذَامِ
وَيَمْلِكُ بَعْدَهُمْ مِنَّا مُلُوكٌ ... يَصِيرُ الْمُلْكُ فِينَا بِاقْتِسَامِ
وَيَمْلِكُ بَعْدَ قَحْطَانَ نَبِيٌّ ... تَقِيٌّ خَبْتَةٌ خَيْرُ الْأَنَامِ
وَسُمِّيَ أَحْمَدًا يَا لَيْتَ أَنِّي ... أُعَمَّرُ بَعْدَ مَبْعَثِهِ بِعَامِ
فَأَعْضُدَهُ وَأَحْبُوهُ بِنَصْرِي ... بِكُلِّ مُدَجَّجٍ وَبِكُلِّ رَامِ
مَتَى يَظْهَرْ فَكُونُوا نَاصِرِيهِ ... وَمَنْ يَلْقَاهُ يُبْلِغْهُ سَلَامِي

ملک کا مالک ہمارے بعد ایک نبی ہو گا جو حرم کی عزت کرے گا۔ اس کے بعد اس کے خلیفہ ہوں گے، جن کے سامنے دنیا کے بادشاہ سرنگوں ہو جائیں گے پھر ہم میں بھی بادشاہت آئے گی اور بنو قحطان کے ایک نبی بھی ہوں گے اس نبی کا نام احمد ہو گا ﷺ کاش کہ میں بھی ان کی نبوت کے زمانے کو پالیتا تو ہر طرح کی خدمت کو غنیمت سمجھتا۔ لوگو! جب بھی اللہ کے وہ رسول ﷺ ظاہر ہوں تو تم پر فرض ہے کہ ان کا ساتھ دو اور ان کے مددگار بن جاؤ اور جو بھی آپ سے ملے اس پر میری جانب سے فرض ہے کہ وہ آپ کی خدمت میں میرا اسلام پہنچا دے۔ (الاکلیل للہمدانی)

قحطان کے بارے میں تین قول ہیں ایک یہ کہ وہ ارم بن سام بن نوح کی نسل میں سے ہے، دوسرا یہ کہ وہ عابر یعنی حضرت ہود علیہ السلام کی نسل میں سے ہے۔ تیسرا یہ کہ حضرت اسماعیل بن

ابراہیم علیہما السلام کی نسل سے ہے۔(کتاب الانباء)

علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کی دس اولادیں تھیں اس سے مراد صلبی اولادیں نہیں کیونکہ بعض بعض دو دو تین تین نسلوں بعد کے بھی ہیں۔ جیسے کہ کتب انساب میں موجود ہے، جو شام اور یمن میں جا کر آباد ہوئے یہ بھی سیلاب کے آنے کے بعد کا ذکر ہے، بعض وہیں رہے بعض ادھر ادھر چلے گئے۔

دیوار کا قصہ یہ ہے کہ ان کے دونوں جانب پہاڑ تھے، جہاں سے نہریں اور چشمے بہ بہ کر ان کے شہروں میں آتے تھے اسی طرح نالے اور دریا بھی ادھر ادھر سے آتے تھے ان کے قدیمی بادشاہوں میں سے کسی نے ان دونوں پہاڑوں کے درمیان ایک مضبوط پشتہ بنوادیا تھا جس دیوار کی وجہ سے پانی ادھر ادھر ہو گیا تھا اور بصورت دریا جاری رہا کرتا تھا جس کے دونوں جانب باغات اور کھیتیاں لگا دی تھیں، پانی کی کثرت اور زمین کی عمدگی کی وجہ سے یہ خطہ بہت ہی زرخیز اور ہرا بھرا رہا کرتا تھا۔

یہاں تک کہ اگر کوئی عورت اپنے سر پر ٹوکرا رکھ کر ان باغات میں سے گزرتی تو کچھ دور جانے تک پھلوں سے وہ ٹوکرا بھر جاتا تھا، درختوں سے پھل خود بخود جو جھڑتے تھے وہ اس قدر کثرت سے ہوتے تھے کہ ہاتھ سے توڑنے کی حاجت نہیں پڑتی تھی۔

یہ دیوار مارب میں تھی، صنعاء سے تین مراحل پر تھی اور سد مارب کے نام سے مشہور تھی۔ آب وہوا کی عمدگی، صحت، مزاج اور اعتدال عنایت الٰہیہ سے اس طرح تھا کہ ان کے ہاں مکھی، مچھر اور زہریلے جانور بھی نہیں ہوتے تھے یہ اس لئے تھا کہ وہ لوگ اللہ کی توحید کو مانیں اور دل وجان اور خلوص کے ساتھ عبادت کریں، یہ تھی قدرت کی وہ نشانی جس کا ذکر اس آیت میں ہے کہ دونوں پہاڑوں کے درمیان آباد بستی اور بستی کے دونوں طرف ہرے بھرے پھل دار باغات اور سرسبز کھیتیاں اور ان سے جناب باری نے فرمادیا تھا کہ اپنے رب کی دی ہوئی روزیاں کھاؤ پیو اور اس کے شکر میں لگے رہو۔

لیکن انہوں نے اللہ کی توحید کو اور اس کی نعمتوں کے شکر کو بھلا دیا اور سورج کی پرستش کرنے لگے۔ جیسا کہ ہدہد نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو خبر دی تھی کہ وَجِئْتُكَ مِنْ سَبَإٍ بِنَبَإٍ يَّقِيْنٍ

(النمل : ۲۲) یعنی میں تمہارے پاس سبا کی ایک پختہ خبر لایا ہوں، ایک عورت ان کی بادشاہت کر رہی ہے جس کے پاس تمام چیزیں موجود ہیں عظیم الشان تخت سلطنت پر وہ فائز ہے۔ رانی اور رعایا سب سورج پرست ہیں۔ شیطان نے ان کو گمراہ کر رکھا ہے۔ بے راہ ہو رہے ہیں۔

روایات میں ہے کہ تیرہ پیغمبر ان کے پاس آئے تھے (تفاسیر میں یہ بھی ہے کہ قوم سبا کی تیرہ بستیاں تھیں، جن میں سے ہر ایک بستی کی طرف اللہ تعالیٰ نے ایک ایک نبی کو بھیجا تھا) یہ لوگ ان پر ایمان نہیں لائے، ان کی بات کو نہیں مانا، بالآخر شامت اعمال رنگ لائی جو دیوار انہوں نے بنا رکھی تھی وہ چوہوں نے اندر سے کھوکھلی کر دی اور بارش کے زمانے میں وہ ٹوٹ گئی پانی کی ریل پیل ہو گئی، اسی طرح دریاؤں کے، چشموں کے، بارش کے نالوں کے، سب پانی آ گئے ان کی بستیاں ان کے محلات ان کے باغات اور ان کی کھیتیاں سب تباہ و برباد ہو گئیں، ہاتھ ملتے رہ گئے کوئی تدبیر کارگر نہ ہوئی۔ (ابن کثیر)

پھر تو وہ تباہی آئی کہ اس زمین پر کوئی پھلدار درخت جمتا ہی نہ تھا، پیلو، جھاؤ، کیکر، ببول اور ایسے ہی بے میوہ بدمزہ بیکار درخت اگتے تھے، ہاں البتہ کچھ بیریوں کے درخت اگ آئے تھے جو نسبتاً اور درختوں سے کارآمد تھے، لیکن وہ بھی بہت زیادہ خاردار اور بہت کم پھل دار تھے۔ یہ تھا ان کے کفر و شرک کی سرکشی اور تکبر کا بدلہ کہ نعمتیں کھو بیٹھے اور زخموں میں مبتلا ہو گئے کافروں کو یہی اور اس جیسی ہی سخت سزائیں دی جاتی ہیں۔

حضرت ابو خیرہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں گناہوں کا بدلہ یہی ہوتا ہے کہ عبادتوں میں سستی آ جائے روزگار میں تنگی واقع ہو لذتوں میں سختی آ جائے یعنی جہاں کسی راحت کا منہ دیکھا فوراً کوئی زحمت آ پڑی اور مزہ مٹی ہو گیا۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ الْقُرَى الَّتِي بَرَكْنَا فِيهَا قُرًى ظَاهِرَةً: یہاں ان کو دی ہوئی ایک اور نعمت کا ذکر فرمایا جا رہا ہے کہ ان کی بستیاں اور آبادیاں قریب قریب تھیں، کسی مسافر کو اپنے سفر کے لئے کھانے پینے کی چیزیں ساتھ لے جانے کی ضرورت نہ تھی، اس کی ہر منزل پر کوئی نہ کوئی آبادی اور بستی ہوتی تھی وہاں اس کو تازہ پھل اور میٹھا پانی مل جاتا تھا۔

حسن بصری رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ یہ بستیاں یمن اور شام کے درمیان تھیں اور جن بستیوں کے متعلق فرمایا کہ ہم نے ان کو برکت دی تھی وہ بستیاں شام، اردن اور فلسطین کی بستیاں تھیں، ایک قول یہ ہے کہ وہ چار ہزار سات سو بستیاں تھیں اور ان بستیوں کے درختوں، کھیتوں اور غلے اور پھلوں میں برکت دی گئی تھی اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ برکت سے مراد یہ ہو کہ ان بستیوں کی تعداد بہت زیادہ تھی، وہ بستیاں نمایاں تھیں اس سے مراد یہ ہے کہ وہ بستیاں راستے سے متصل تھیں، وہ صبح کو ایک بستی میں ہوتے تھے اور شام کو دوسری بستی میں ہوتے تھے، ایک قول یہ ہے کہ ہر میل کے بعد ایک بستی آجاتی تھی اس کا سبب یہ تھا کہ وہ پر امن راستے تھے۔

حسن بصری رحمہ اللہ نے کہا ایک عورت اپنے ساتھ سوت کاتنے کا چرخا لے کر جاتی اور اس کے سر پر ٹوکرا ہوتا تھا اور اس کا ٹوکرا مختلف قسموں کے پھلوں سے بھر جاتا تھا، شام اور یمن کے درمیان سفر میں اسی طرح ہوتا تھا۔ اور فرمایا:

وَقَدَّرْنَا فِيْهَا السَّيْرَ سِيْرُوْا فِيْهَا لَيَالِيَ وَاَيَّامًا اٰمِنِيْنَ: اور ہم نے ان بستیوں میں سفر کی منازل مقدر کر دیں، یعنی جن بستیوں میں ہم نے برکت دی تھی ان میں ہم نے ایک منزل سے دوسری منزل کی طرف اور ایک بستی سے دوسری بستی کی طرف منازل سفر کو مقرر کر دیا تھا حتیٰ کہ وہ دوپہر کے وقت ایک بستی میں آرام کرتے اور شام کے وقت دوسری بستی میں نیند کرتے تھے، اور انسان بغیر آرام اور کھانے پینے کے لمبا سفر اس لئے کرتا ہے کہ اس کو دوران سفر کھانے پینے کی چیزیں میسر نہیں ہوتیں اور سفر پر خطر ہوتا ہے اور جب اس کو کھانے پینے کی چیزیں میسر ہوں اور راستہ پر امن ہو تو وہ مشقت نہیں اٹھاتا اور جہاں چاہتا ہے راستہ میں قیام کر لیتا ہے، اس لئے فرمایا تم ان میں دن اور رات کے اوقات میں بے خوفی سے سفر کرو۔ اس کے بعد فرمایا:

فَقَالُوْا رَبَّنَا بٰعِدْ بَيْنَ اَسْفَارِنَا وَظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَجَعَلْنٰهُمْ اَحَادِيْثَ وَمَزَّقْنٰهُمْ كُلَّ مُمَزَّقٍ: پھر انہوں نے کہا: اے ہمارے رب! ہماری منازل دور دور کر دے، یعنی جب وہ اللہ تعالیٰ کی ان نعمتوں پر اترانے اور اکڑنے لگے اور اس امن اور عافیت پر انہوں نے قناعت نہیں کی، تو انہوں نے یہ تمنا کی کہ

ان کی منازل سفر دور دور ہو جائیں اور انہیں سفر کرنے میں مشقت اٹھانے کا مزہ بھی آئے، جیسے اللہ نے میدان تیہ میں بنی اسرائیل پر جنت کے کھانوں میں سے من اور سلویٰ نازل کیا تھا تو انہوں نے اللہ تعالیٰ سے زمین میں پیدا ہونے والی سبزیوں کو طلب کیا، اعلیٰ چیزوں کے بدلہ میں ادنیٰ چیزوں کو مانگا تھا اسی طرح ان لوگوں نے آرام اور عافیت کے بدلہ میں تھکاوٹ اور مشقت والے سفر کو طلب کیا اور یہ دعا کی کہ اے ہمارے رب! ہماری منازل سفر کو دور دور کر دے اور جب انہوں نے ناشکری کر کے اس طرح اپنی جانوں پر ظلم کیا تو ہم نے ان کے کفر اور ظلم کی وجہ سے ان کو پارینہ داستانیں بنا دیا اور ان کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے حتیٰ کہ عرب کے لوگ راتوں کو ان کے قصے اور کہانیاں سناتے تھے اور جو لوگ گناہوں سے رک کر اپنی خواہشوں پر صبر کرتے ہوں اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کر کے اس کا شکر ادا کرتے ہوں ان کے لئے اس واقعہ میں نشانی اور عبرت ہے۔ (تفسیر تبیان القرآن)

شیطان کا گمان، انسان کی گمراہی

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

وَلَقَدْ صَدَّقَ عَلَيْهِمْ اِبْلِيْسُ ظَنَّهٗ فَاتَّبَعُوْهُ اِلَّا فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ {۲۰} وَمَا كَانَ لَهٗ عَلَيْهِمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يُّؤْمِنُ بِالْاٰخِرَةِ مِمَّنْ هُوَ مِنْهَا فِيْ شَكٍّ وَرَبُّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ حَفِيْظٌ {۲۱} قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا يَمْلِكُوْنَ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ وَمَا لَهُمْ فِيْهِمَا مِنْ شِرْكٍ وَّمَا لَهٗ مِنْهُمْ مِّنْ ظَهِيْرٍ {۲۲} وَلَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا لِمَنْ اَذِنَ لَهٗ حَتّٰٓى اِذَا فُزِّعَ عَنْ قُلُوْبِهِمْ قَالُوْا مَاذَا ۙ قَالَ رَبُّكُمْ قَالُوا الْحَقَّ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ {۲۳} قُلْ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ قُلِ اللّٰهُ وَاِنَّآ اَوْ اِيَّاكُمْ لَعَلٰى هُدًى اَوْ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ {۲۴} قُلْ لَّا تُسْـَٔلُوْنَ عَمَّآ اَجْرَمْنَا وَلَا نُسْـَٔلُ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ {۲۵} قُلْ يَجْمَعُ بَيْنَنَا رَبُّنَا ثُمَّ يَفْتَحُ بَيْنَنَا بِالْحَقِّ وَهُوَ الْفَتَّاحُ الْعَلِيْمُ {۲۶} قُلْ اَرُوْنِيَ الَّذِيْنَ اَلْحَقْتُمْ بِهٖ شُرَكَآءَ كَلَّا ۭ بَلْ هُوَ اللّٰهُ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ {۲۷} سباء

جواب ترجمہ: اور یہ بات واقعی ہے کہ ان کے بارے میں ابلیس نے اپنا گمان صحیح پالیا سو سب اس کے اتباع میں لگے سوائے مومنین کی تھوڑی سی جماعت کے۔ اور ابلیس کا ان لوگوں پر کوئی زور نہیں بجز اس کے اور کسی وجہ سے نہیں کہ ہم یہ جان لیں کہ آخرت پر ایمان لانے والا کون ہے جو ان لوگوں سے علیحدہ ہے جو اس کی طرف سے شک میں ہیں اور آپ کا رب ہر چیز پر نگران ہے۔ آپ فرما دیجیے کہ اللہ کے سوا تم نے جنہیں معبود سمجھ رکھا ہے انہیں پکارو، وہ ایک ذرہ کے برابر بھی اختیار نہیں رکھتے نہ آسمانوں میں نہ زمینوں میں، اور ان دونوں میں ان کا کچھ ساجھا نہیں، اور ان میں سے کوئی اللہ کا مددگار نہیں۔ اور اس کے پاس سفارش کام نہیں دے سکتی سوائے اس کے جس کے لیے اجازت دی ہو یہاں تک کہ جب ان کے دلوں سے گھبراہٹ دور ہو جاتی ہے تو کہتے ہیں کہ تمہارے رب نے کیا فرمایا، جواب میں کہتے ہیں کہ حق ہی فرمایا اور وہ برتر ہے بڑا ہے۔ آپ فرما دیجیے کہ کون تمہیں رزق دیتا ہے آسمانوں سے اور زمین سے، آپ فرما دیجیے کہ اللہ! اور بیشک ہم یا تم ضرور راہ راست پر ہیں یا صریح گمراہی میں ہیں۔ آپ فرما دیجیے ہم نے جو جرم کیے تم سے اس کی باز پرس نہ ہو گی اور ہم سے ان کاموں کے بارے میں سوال نہ ہو گا جو تم کرتے ہو۔ آپ فرما دیجیے کہ ہمارا رب ہم سب کو جمع کرے گا پھر ہمارے درمیان ٹھیک ٹھیک فیصلہ فرمائے گا۔ اور وہ بڑا فیصلہ فرمانے والا ہے خوب جاننے والا ہے۔ آپ فرما دیجیے مجھے دکھا دو وہ لوگ جنہیں تم نے شریک بنا کر اللہ کے ساتھ ملا رکھا ہے، ہرگز نہیں بلکہ وہ اللہ ہے زبردست ہے حکمت والا ہے۔

خلاصہ تفسیر: ان آیاتِ مبارکہ میں شیطان کی گمراہ کن کوششوں، انسان کے اختیار و امتحان، شرک کی بے بسی، شفاعت کے حقیقی تصور، توحیدِ ربوبیت کے دلائل، قیامت کے عدلِ کامل اور اللہ تعالیٰ کی عظمت و کبریائی کو نہایت جامع انداز میں بیان کیا گیا ہے، یہ آیات عقیدۂ توحید کو مضبوط کرتی اور مشرکین کے باطل عقائد کا ردّ کرتی ہیں۔

وَلَقَدْ صَدَّقَ عَلَيْهِمْ اِبْلِيْسُ ظَنَّهٗ: اور بے شک ابلیس نے ان لوگوں کے بارے میں اپنا گمان سچا کر دکھایا، ابلیس نے اللہ تعالیٰ سے مہلت ملنے کے بعد یہ دعویٰ کیا تھا کہ وہ اکثر انسانوں کو گمراہ کر دے

گا، چنانچہ بہت سے لوگ اس کے وسوسوں اور فریب میں آگئے، یہاں تک کہ انہوں نے کفر، شرک اور معصیت کا راستہ اختیار کر لیا۔

فَاتَّبَعُوْهُ اِلَّا فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ: پس مومنوں کے ایک گروہ کے سوا سب نے اس کی پیروی کی، یعنی سچے اہلِ ایمان نے شیطان کی پیروی سے اپنے آپ کو محفوظ رکھا، انہوں نے ایمان، تقویٰ اور اطاعتِ الٰہی کے ذریعے ابلیس کے منصوبے کو ناکام بنادیا۔

وَمَا كَانَ لَهٗ عَلَيْهِمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ: حالانکہ شیطان کو ان پر کوئی زبردستی کا اختیار حاصل نہ تھا، شیطان انسان کو مجبور نہیں کرتا بلکہ صرف وسوسہ ڈالتا، گناہوں کو مزین کرتا اور برائی کی دعوت دیتا ہے، اصل اختیار انسان کے اپنے ہاتھ میں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے شیطان کو اس لیے مہلت دی تاکہ انسانوں کا امتحان ہو جائے:

اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يُّؤْمِنُ بِالْاٰخِرَةِ مِمَّنْ هُوَ مِنْهَا فِيْ شَكٍّ: تاکہ ہم ظاہر کر دیں کہ کون آخرت پر ایمان رکھتا ہے، یعنی امتحان کے ذریعے اہلِ ایمان اور اہلِ شک کے درمیان فرق نمایاں ہو جائے۔

وَرَبُّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ حَفِيْظٌ: اور آپ کا رب ہر چیز کی حفاظت کرنے والا ہے، اللہ تعالیٰ بندوں کے اعمال، عقائد اور نیتوں کو خوب جانتا ہے اور ہر شخص کو اس کے عمل کے مطابق جزا یا سزا دے گا۔

قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ: آپ کہہ دیجیے: اللہ کے سوا جن کو تم معبود سمجھتے ہو انہیں پکار کر دیکھ لو، اللہ تعالیٰ نے مشرکین کو چیلنج دیا کہ وہ اپنے خود ساختہ معبودوں کو مدد کے لیے بلائیں، پھر ان کی عاجزی واضح کرتے ہوئے فرمایا:

لَا يَمْلِكُوْنَ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ وَمَا لَهُمْ فِيْهِمَا مِنْ شِرْكٍ: وہ آسمانوں اور زمین میں ذرّے برابر کسی چیز کے مالک نہیں، یعنی جنہیں تم خدا سمجھتے ہو وہ نہ کسی چیز کے مالک ہیں، نہ اللہ تعالیٰ کے شریک ہیں۔

وَّمَا لَهٗ مِنْهُمْ مِّنْ ظَهِيْرٍ: اور ان میں سے کوئی اللہ کا مددگار بھی نہیں، اللہ تعالیٰ اپنی ذات، صفات اور حکومت میں ہر شریک اور مددگار سے بے نیاز ہے۔

وَلَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا لِمَنْ اَذِنَ لَهٗ: اور اس کے ہاں شفاعت کسی کو فائدہ نہیں دیتی مگر اسی کو جس کے لیے اجازت دے دی جائے، یہ آیت مشرکین کے اس عقیدے کی تردید کرتی ہے کہ ان کے معبود بغیر اجازتِ الٰہی کے ان کی سفارش کریں گے، حقیقت یہ ہے کہ قیامت کے دن کوئی شفاعت اللہ تعالیٰ کی اجازت اور رضا کے بغیر ممکن نہ ہوگی۔ پھر اللہ تعالیٰ کی عظمت وجلال کا منظر بیان فرمایا کہ

حَتّٰٓى اِذَا فُزِّعَ عَنْ قُلُوْبِهِمْ قَالُوْا مَاذَا ۙ قَالَ رَبُّكُمْ ۭ قَالُوا الْحَقَّ: جب وہ آسمانوں میں کلام فرماتا ہے تو فرشتوں پر ہیبت طاری ہو جاتی ہے، جب ان کے دلوں سے خوف دور ہوتا ہے تو وہ حضرت جبرئیل علیہ السلام سے پوچھتے ہیں: تمہارے رب نے کیا فرمایا؟ وہ جواب دیتے ہیں: اللہ نے حق فرمایا۔

وَهُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ: اور وہی بلند مرتبہ، بہت بڑا ہے، یعنی اللہ تعالیٰ اپنی ذات، قدرت اور غلبہ میں سب سے بلند اور عظمت والا ہے۔

قُلْ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ: آپ ان سے پوچھئے: تمہیں آسمانوں اور زمین سے رزق کون دیتا ہے؟ یعنی بارش برسانا، زمین سے غلہ، پھل اور روزی پیدا کرنا صرف اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔

قُلِ اللّٰهُ: کہہ دیجیے: اللہ ہی رزق دیتا ہے، جب رزق دینے والا، پالنے والا اور نظامِ کائنات چلانے والا صرف اللہ ہے تو عبادت کا مستحق بھی صرف وہی ہے۔

وَاِنَّآ اَوْ اِيَّاكُمْ لَعَلٰى هُدًى اَوْ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ: اور بے شک ہم یا تم میں سے کوئی ایک ضرور ہدایت پر ہے یا کھلی گمراہی میں۔ یہ دعوتِ مناظرہ کا نہایت حکیمانہ انداز ہے، یعنی حق اور باطل دونوں جمع نہیں ہو سکتے؛ لازماً ایک فریق ہدایت پر اور دوسرا گمراہی میں ہے، واضح حقیقت یہ ہے کہ اہلِ ایمان ہدایت پر ہیں اور مشرکین کھلی گمراہی میں مبتلا ہیں۔

قُلْ لَّا تُسْـَٔلُوْنَ عَمَّآ اَجْرَمْنَا وَلَا نُسْـَٔلُ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ: کہہ دیجیے: تم سے ہمارے گناہوں کے بارے میں نہیں پوچھا جائے گا اور نہ ہم سے تمہارے اعمال کے متعلق سوال ہوگا، یعنی ہر انسان اپنے اعمال کا خود ذمہ دار ہے۔ کوئی شخص دوسرے کے جرم کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔

قُلْ يَجْمَعُ بَيْنَنَا رَبُّنَا: کہہ دیجیے: ہمارا رب ہم سب کو جمع کرے گا، قیامت کے دن اللہ تعالیٰ تمام

انسانوں کو جمع فرمائے گا اور کامل انصاف کے ساتھ فیصلہ کرے گا۔

ثُمَّ يَفْتَحُ بَيْنَنَا بِالْحَقِّ: پھر ہمارے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ فرمائے گا، اس دن حق والے اور باطل والے بالکل نمایاں ہو جائیں گے۔

وَهُوَ الْفَتَّاحُ الْعَلِيْمُ: اور وہی بہترین فیصلہ فرمانے والا، سب کچھ جاننے والا ہے۔

قُلْ اَرُوْنِيَ الَّذِيْنَ اَلْحَقْتُمْ بِهٖ شُرَكَآءَ: کہہ دیجیے: مجھے دکھاؤ تو سہی وہ شریک جنہیں تم نے اللہ کے ساتھ ملا رکھا ہے، یعنی تمہارے معبودوں میں ایسی کون سی صفت ہے جو انہیں الوہیت کا مستحق بناتی ہو؟ پھر اللہ تعالیٰ نے مشرکین کے باطل عقیدے کو قطعی طور پر ردّ کرتے ہوئے فرمایا:

﴿ كَلَّا ﴾ ہر گز نہیں! یعنی اللہ تعالیٰ کا کوئی شریک نہیں۔

بَلْ هُوَ اللّٰهُ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ: بلکہ وہی اللہ ہے، سب پر غالب، بڑی حکمت والا، وہ اپنی قدرت میں غالب، اپنی تدبیر میں کامل حکمت والا، اور اپنی الوہیت میں یکتا ہے، اس کی ذات، صفات، قدرت اور عبادت میں کوئی شریک نہیں۔

نبی کریم ﷺ کی عالمگیر رسالت

سوال اس آیت کریمہ کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ {۲۸} سباء

جواب ترجمہ: اور ہم نے آپ کو نہیں بھیجا مگر سارے انسانوں کے لیے بشیر و نذیر بنا کر، لیکن بہت سے لوگ نہیں جانتے۔

خلاصہ تفسیر: اس آیتِ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کی رسالت کے عالمگیر اور ہمہ گیر ہونے کو بیان فرمایا ہے، آپ ﷺ کسی ایک قوم، نسل، علاقے یا زمانے کے لیے نہیں بلکہ پوری انسانیت کے لیے مبعوث فرمائے گئے۔

لفظ ﴿ كَآفَّةً ﴾ کے بارے میں علامہ محمود آلوسی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ یہ لفظ اصل میں الکف سے

ماخوذ ہے، جس کے معنی روکنے اور منع کرنے کے ہیں، پھر یہ لفظ عموم اور شمول کے معنی میں مشہور ہو گیا، کیونکہ جب سب لوگ ایک حکم میں شامل ہو جائیں تو کوئی اس سے باہر نہیں رہتا، لہٰذا آیت کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو تمام انسانوں کے لیے مبعوث فرمایا، تاکہ آپ ﷺ پوری دنیا کو اللہ کا پیغام پہنچائیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے محمد ﷺ کو عرب و عجم سب کی طرف رسول بنا کر بھیجا اور اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو آپ ﷺ کی سب سے زیادہ اطاعت کرے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اسلام کسی قوم یا نسل کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ تمام انسانوں کے لیے ہدایت اور رحمت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کی بعثت کے دو عظیم مقاصد بیان فرمائے:

بَشِيرًا وَنَذِيرًا: یعنی آپ ﷺ ایمان والوں کو اللہ کی رحمت، مغفرت اور جنت کی خوشخبری دیتے ہیں اور کافروں اور نافرمانوں کو اللہ کے عذاب سے ڈراتے ہیں، یہی تمام انبیاءِ کرام علیہم السلام کی دعوت کا بنیادی اسلوب رہا ہے کہ انسان کو امید اور خوف دونوں کے ذریعے حق کی طرف بلایا جائے۔ فرمایا:

وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ: لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے، یعنی بہت سے لوگ نبی کریم ﷺ کی عظمتِ رسالت، آپ ﷺ کی عالمگیر بعثت اور آپ ﷺ کے لائے ہوئے دینِ حق کی حقیقت کو نہیں سمجھتے، وہ جہالت، تعصب اور دنیا پرستی کی وجہ سے حق کو قبول نہیں کرتے، اس آیت میں نبی کریم ﷺ کی ختمِ نبوت اور عمومِ رسالت دونوں کی طرف واضح اشارہ موجود ہے، کیونکہ جب آپ ﷺ تمام انسانوں کے لیے رسول بنا کر بھیجے گئے تو پھر آپ ﷺ کے بعد کسی نئے نبی یا رسول کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔

اس آیتِ مبارکہ سے چند اہم حقائق معلوم ہوئے، ① نبی کریم ﷺ کی رسالت پوری انسانیت کے لیے ہے۔ ② اسلام کسی قوم یا خطے کے ساتھ مخصوص نہیں۔ ③ حضور ﷺ اہلِ ایمان کے لیے بشارت اور منکرین کے لیے تنبیہ لے کر آئے۔ ④ اللہ کے نزدیک فضیلت کا معیار نسل نہیں بلکہ اطاعتِ رسول ﷺ ہے۔ ⑤ اکثر لوگ جہالت یا تعصب کی وجہ سے حق کو پہچاننے سے محروم رہتے ہیں۔

منکرین کا استہزاء اور عذاب کی جلدی

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ {۲۹} قُلْ لَّكُمْ مِّيْعَادُ يَوْمٍ لَّا تَسْتَاْخِرُوْنَ عَنْهُ سَاعَةً وَّلَا تَسْتَقْدِمُوْنَ {۳۰} سبأ

جواب ترجمہ: اور وہ کہتے ہیں کہ یہ وعدہ کب پورا ہو گا اگر تم سچے ہو۔ آپ فرما دیجیے کہ تمہارے لیے ایک خاص دن کا وعدہ ہے اس سے نہ ایک ساعت پیچھے ہٹ سکتے ہو اور نہ آگے بڑھ سکتے ہو۔

خلاصہ تفسیر: مشرکینِ مکہ جب نبی کریم ﷺ سے قیامت، حساب اور عذاب کی باتیں سنتے تو ایمان لانے کے بجائے تمسخر اور انکار کے انداز میں کہتے:

مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ: یہ وعدہ کب پورا ہو گا؟ یعنی اگر واقعی قیامت آنے والی ہے اور عذاب حق ہے تو پھر اسے ابھی کیوں نہیں لے آتے؟ ان کا یہ سوال حق کی طلب کے لیے نہیں بلکہ استہزاء، ضد اور تکذیب کی بنا پر تھا، وہ سمجھتے تھے کہ چونکہ عذاب فوری طور پر نازل نہیں ہو رہا، اس لیے شاید یہ سب باتیں بے حقیقت ہیں، حالانکہ اللہ تعالیٰ اپنی حکمت کے مطابق مہلت دیتا ہے تاکہ انسان کو توبہ اور رجوع کا موقع مل سکے، اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو حکم فرمایا کہ ان منکرین سے کہہ دیجیے:

لَكُمْ مِيْعَادُ يَوْمٍ: تمہارے لیے ایک دن مقرر ہے، یعنی قیامت اور عذاب کا ایک معین وقت اللہ تعالیٰ کے علم میں طے شدہ ہے، نہ وہ وقت قبل از وقت آئے گا اور نہ اس میں تاخیر ہو گی، اسی لیے فرمایا:

لَا تَسْتَاْخِرُوْنَ عَنْهُ سَاعَةً وَّلَا تَسْتَقْدِمُوْنَ: نہ تم اس سے ایک گھڑی پیچھے ہو سکتے ہو اور نہ آگے بڑھ سکتے ہو، یعنی جب اللہ تعالیٰ کا مقرر کردہ وقت آجائے گا تو پوری دنیا کی کوئی طاقت اسے روک نہیں سکے گی اور نہ کوئی شخص ایک لمحہ پہلے یا بعد میں اس سے بچ سکے گا۔

قیامت کی حتمیت: اس آیت میں قیامت کے یقینی اور قطعی ہونے کو نہایت موثر انداز میں بیان کیا گیا ہے، دنیا کا ہر نظام اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ وقت کے مطابق چل رہا ہے، انسان کی پیدائش، موت، قوموں کا عروج و زوال، سورج و چاند کی گردش، سب ایک معین نظام کے تابع ہیں، اسی طرح قیامت

بھی اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ وقت پر ضرور قائم ہو گی، یہ آیات انسان کو غفلت سے بیدار کرتی ہیں کہ مہلتِ دنیا دائمی نہیں، ایک دن ایسا آنے والا ہے جب تمام انسان اللہ تعالیٰ کے حضور حاضر ہوں گے اور اپنے اعمال کا حساب دیں گے۔

ان آیات سے چند اہم حقیقتیں معلوم ہوتی ہیں، ① منکرینِ حق اکثر عذاب اور قیامت کا مذاق اڑاتے ہیں۔ ② اللہ تعالیٰ اپنی حکمت سے مجرموں کو مہلت دیتا ہے۔ ③ قیامت کا وقت اللہ تعالیٰ کے ہاں قطعی طور پر مقرر ہے۔ ④ کوئی شخص اللہ کے فیصلے کو نہ مؤخر کر سکتا ہے اور نہ مقدم۔ ⑤ انسان کو قیامت کی تیاری اور آخرت کی فکر میں مشغول رہنا چاہیے۔

گمراہ لیڈروں اور پیروکاروں کی گفتگو

سوال ان آیات کا ترجمہ اور خلاصہ تفسیر کیجیے۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ بِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَلَا بِالَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ ۭ وَلَوْ تَرٰٓى اِذِ الظّٰلِمُوْنَ مَوْقُوْفُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۛ يَرْجِعُ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضِ ۨ الْقَوْلَ ۚ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا لَوْلَآ اَنْتُمْ لَكُنَّا مُؤْمِنِيْنَ {۳۱} قَالَ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا لِلَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْٓا اَنَحْنُ صَدَدْنٰكُمْ عَنِ الْهُدٰى بَعْدَ اِذْ جَاۗءَكُمْ بَلْ كُنْتُمْ مُّجْرِمِيْنَ {۳۲} وَقَالَ الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا بَلْ مَكْرُ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ اِذْ تَاْمُرُوْنَنَآ اَنْ نَّكْفُرَ بِاللّٰهِ وَنَجْعَلَ لَهٗٓ اَنْدَادًا ۭ وَاَسَرُّوا النَّدَامَةَ لَمَّا رَاَوُا الْعَذَابَ ۭ وَجَعَلْنَا الْاَغْلٰلَ فِيْٓ اَعْنَاقِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۭ هَلْ يُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ {۳۳} سبأ

جواب ترجمہ: اور کافروں نے کہا کہ ہم ہرگز اس قرآن پر اور اس سے پہلے جو کتابیں تھیں ان پر ایمان نہ لائیں گے اور اگر آپ اس وقت کی حالت دیکھ لیں جبکہ یہ ظالم لوگ اپنے رب کے سامنے کھڑے کیے جائیں گے، ہر ایک دوسرے پر بات کو ڈال رہا ہو گا۔ نیچے درجہ والے لوگ بڑے لوگوں سے کہیں گے اگر تم نہ ہوتے تو ہم ضرور ایمان لائے ہوتے۔ بڑے لوگ چھوٹے درجے کے لوگوں سے کہیں گے کیا ہم نے تمہیں ہدایت سے روک دیا تھا اس کے بعد کہ تمہارے پاس ہدایت آئی، بلکہ

بات یہ ہے کہ تم مجرم تھے۔ اور نیچے درجے والے ان لوگوں سے کہیں گے جو بڑے تھے بلکہ رات دن تمہاری مکاری نے روکا تھا جبکہ تم ہمیں حکم دیتے تھے کہ ہم اللہ کے ساتھ شرک کریں اور اس کے لیے شریک قرار دیں اور جب وہ عذاب کو دیکھیں گے تو ندامت کو چھپالیں گے، اور ہم کافروں کی گردنوں میں طوق ڈال دیں گے، انہیں صرف انہی کاموں کا بدلہ دیا جائے گا جو وہ کیا کرتے تھے۔

خلاصہ تفسیر: کافروں نے کہا کہ ہم اس قران کریم کی ہر گز تصدیق نہیں کریں گے اور نہ ہی اس سے پہلے آنے والی کتابوں تورات، زبور اور انجیل کی تصدیق کریں گے، یوں انہوں نے تمام کتابوں کا انکار کر دیا، اللہ تعالیٰ اپنے رسول کریم ﷺ سے فرمارہے ہیں کہ جب ظالم لوگ بروز حساب اللہ کے ہاں روکے جائیں گے تو یہ لوگ ایک دوسرے سے مخاطب ہو کر باتیں کریں گے، ہر کوئی دوسروں کے سر الزام تھوپے گا۔

جن لوگوں کو زمین پر کمزور سمجھا گیا تھا وہ ان متکبرین سے جو ان کے سردار تھے، جو ان کے بڑے تھے، جو ان کے لیڈر تھے، جو خود بھی راہ حق سے ہٹ گئے تھے اور دوسروں کو بھی انہوں نے راہ حق سے ہٹایا تھا، کہیں گے کہ اگر تم لوگ ہمیں راہ ہدایت سے گمراہ نہ کرتے تو ہم اللہ اور رسول اللہ ﷺ پر ایمان لے آتے۔

دنیا میں قیادت کرنے والے، لوگوں پر سرداری کرنے والے، لوگوں کو راہ حق سے ہٹانے والے اپنے ان کمزور پیروکاروں سے کہیں گے کہ کیا ہم نے تمہیں اس وقت ہدایت سے روکا تھا جب تمہارے پاس آئی تھی؟ بلکہ تم اپنے ارادے سے کفر میں داخل ہو کر ارتکاب جرم کر رہے تھے۔

پیروکاران ضلال اپنے گمراہ قائدین اور لیڈروں سے کہیں گے کہ آپ کی شب وروز کی گمراہ کن تدبیروں کے باعث ہی تو ہم گمراہی کے گڑھے میں جا گرے، تمہاری خواہش اور تمہاری تمنائیں ہمارے بارے میں یہی تھیں کہ ہم اللہ تعالیٰ کا انکار کریں، ہم اللہ تعالیٰ کی عبادت میں اوروں کو شریک ٹھہرائیں۔ جب گمراہ ہونے والے اور گمراہ کرنے والے دونوں اپنے لیے اللہ کی طرف سے تیار کردہ عذاب کو دیکھیں گے تو حسرت چھپائیں گے۔

اللہ فرماتے ہیں کہ ہم کافروں کی گردنوں میں طوق ڈال دیں گے، ان کو یہ سزا اس لیے دی جائے گی کہ یہ اللہ کے ساتھ کفر کرتے تھے، دنیا میں بداعمالیاں کرتے تھے، آیت مبارکہ میں اللہ کی طرف سے سخت ترین وعید ہے ان لوگوں کے لیے جو گمراہ کرنے والے قائدین کی پیروی کرتے تھے، سرکشی کرنے والے سرکشوں کی اتباع کرتے تھے۔

آنحضرت ﷺ کو دعوت و تبلیغ کے سلسلے میں مخالفین اور معاندین کی طرف سے جو صورتحال پیش آتی تھی اس کے ہزار رنگ تھے، طبیعتوں اور مزاجوں کے اختلاف نے کہیں اسے اعتراضات کی شکل دے رکھی تھی اور کہیں تمسخر اور استہزاء کی صورت پیدا کر دی تھی۔ اور کبھی برہنہ انکار کی شکل میں ان کا بغض اپنی نمود دکھاتا تھا۔

چنانچہ اسی کا عکس دکھاتے ہوئے فرمایا گیا ہے کہ ان کی معاندت اور مخالفت اب اس حد تک پہنچ گئی ہے کہ وہ صاف صاف یہ کہنے لگے ہیں کہ قرآن کریم کو اپنی فصاحت و بلاغت، معنوی ربط و ارتباط اور انسانی زندگی کے مسائل کے حل کے لیے ایک مکمل نظام کے باوجود ہم نہ ماننے کے لیے تیار ہیں اور نہ اس سے پہلے آئی ہوئی کسی کتاب کو تسلیم کرتے ہیں۔

آپ دلائل کی قوت سے ہزار کام لیجیے اور آپ کا حُسنِ سلوک چاہے کتنا بھی مؤثر ہو اور اس سے پہلے جو آسمانی کتابیں آچکی ہیں وہ اپنے اندر صداقت کے کیسے بھی پہلو رکھتی ہوں یہ ہمارا اٹل فیصلہ ہے کہ ہم کسی کو بھی ماننے کے لیے تیار نہیں۔

اور بعض لوگوں نے اسے عذاب اور قیامت کی طرف اشارہ قرار دیا ہے۔ تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ نہ ہم قرآن کریم کو تسلیم کرنے کے لیے تیار ہیں اور نہ اس عذاب اور قیامت ہی کو مانتے ہیں جن کی آپ بھی اور قرآن بھی بار بار خبر دیتے ہیں۔ جب تک آپ ہمارے مطالبات کے مطابق معجزات نہ دکھائیں جو ہمارے انکار اور تمرد کے ہر پہلو کو توڑ کر رکھ دیں۔

قرآن کریم اظہارِ افسوس کرتے ہوئے ان کا جواب دیتے ہوئے کہتا ہے کہ آج تو یہ لوگ بڑھ چڑھ کر نہایت سرکشی کے ساتھ آپ کی دعوت کا مذاق اڑاتے ہیں اور انکار بھی کرتے ہیں۔ لیکن قیامت کے

روز جس کی آمد پر انہیں یقین نہیں، جب یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے حضور کھڑے کیے جائیں گے تو اس وقت ان کی ساری ہیکڑی نکل جائے گی۔ کسی بات کا جواب دینے کی بجائے جب اپنی آنکھوں سے اصل حقیقت کو دیکھ لیں گے تو آج جن لوگوں کے پیچھے آنکھیں بند کر کے بھاگے چلے جارہے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے رسول کی بات سننے کے لیے تیار نہیں اس وقت انہی رہنماؤں پر پلٹ پڑیں گے اور چیخ چیخ کر کہیں گے کہ کم بختو! تم نے ہمیں گمراہ کیا۔ اگر تم ہمیں گمراہ نہ کرتے تو ہم آج اپنے اس ہولناک انجام سے دوچار نہ ہوتے۔ ہم تمہارے دست نگر اور جاہل لوگ تھے، تم نے اپنے علم اور آگہی کے بل بوتے پر اور اپنے مال و دولت کے اثرات سے اس بری طرح ہمیں بہکایا کہ ہم تمہارے چنگل سے کبھی نہ نکل سکے۔ اگر تمہارے فریب کا یہ جال اتنا مضبوط نہ ہوتا تو ہم یقیناً ایمان لانے والے ہوتے۔ (روح القرآن)

دنیا پرستی کے فریب میں گم اقوام کا انجام

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْ قَرْيَةٍ مِّنْ نَّذِيْرٍ اِلَّا قَالَ مُتْرَفُوْهَآ اِنَّا بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ {۳۴} وَقَالُوْا نَحْنُ اَكْثَرُ اَمْوَالًا وَّاَوْلَادًا ۙ وَّمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِيْنَ {۳۵} قُلْ اِنَّ رَبِّيْ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ {۳۶} وَمَآ اَمْوَالُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ بِالَّتِيْ تُقَرِّبُكُمْ عِنْدَنَا زُلْفٰٓى اِلَّا مَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ۡ فَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ جَزَآءُ الضِّعْفِ بِمَا عَمِلُوْا وَهُمْ فِي الْغُرُفٰتِ اٰمِنُوْنَ {۳۷} وَالَّذِيْنَ يَسْعَوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِنَا مُعٰجِزِيْنَ اُولٰٓئِكَ فِي الْعَذَابِ مُحْضَرُوْنَ {۳۸} قُلْ اِنَّ رَبِّيْ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَيَقْدِرُ لَهٗ ۭ وَمَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَهُوَ يُخْلِفُهٗ ۚ وَهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ {۳۹} وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ثُمَّ يَقُوْلُ لِلْمَلٰۗىِٕكَةِ اَهٰٓؤُلَاۗءِ اِيَّاكُمْ كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ {۴۰} قَالُوْا سُبْحٰنَكَ اَنْتَ وَلِيُّنَا مِنْ دُوْنِهِمْ ۚ بَلْ كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ الْجِنَّ ۚ اَكْثَرُهُمْ بِهِمْ مُّؤْمِنُوْنَ {۴۱} فَالْيَوْمَ لَا يَمْلِكُ بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ نَّفْعًا وَّلَا ضَرًّا ۭ وَنَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ذُوْقُوْا عَذَابَ النَّارِ الَّتِيْ كُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُوْنَ {۴۲} وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ قَالُوْا مَا هٰذَآ اِلَّا رَجُلٌ يُّرِيْدُ اَنْ يَّصُدَّكُمْ عَمَّا كَانَ يَعْبُدُ

اٰبَآؤُكُمْ وَقَالُوْا مَا هٰذَآ اِلَّآ اِفْكٌ مُّفْتَرًى ؕ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ {۴۳} وَمَآ اٰتَيْنٰهُمْ مِّنْ كُتُبٍ يَّدْرُسُوْنَهَا وَمَآ اَرْسَلْنَآ اِلَيْهِمْ قَبْلَكَ مِنْ نَّذِيْرٍ {۴۴} وَكَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۙ وَمَا بَلَغُوْا مِعْشَارَ مَآ اٰتَيْنٰهُمْ فَكَذَّبُوْا رُسُلِىْ ۫ فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرِ {۴۵} سبأ

جواب ترجمہ: اور کسی بستی میں ہم نے کوئی ڈرانے والا نہیں بھیجا مگر ہوا یہ کہ ان کے خوشحال لوگوں نے کہا کہ بلاشبہ تم جو کچھ دے کر بھیجے گئے ہو ہم اسے نہیں مانتے۔ اور انہوں نے کہا کہ ہمارے اموال و اولاد تم سے زیادہ ہیں اور ہمیں عذاب ہونے والا نہیں ہے۔ آپ فرما دیجیے کہ بلاشبہ میرا رب جس کے لیے چاہے روزی کو فراخ کر دیتا ہے اور جس کے لیے چاہے تنگ کر دیتا ہے اور لیکن بہت سے لوگ نہیں جانتے۔ اور تمہارے اموال اور اولاد ایسے نہیں ہیں جو تمہیں ہمارا مقرب بنا دیں مگر ہاں جو ایمان لائے اور نیک عمل کرے، سو ان لوگوں کے لیے ان کے اعمال کی وجہ سے ایسا صلہ ہے جو بڑھا چڑھا کر دیا جائے گا اور وہ بالا خانوں میں امن و چین سے ہوں گے۔ اور جو لوگ ہماری آیتوں کے بارے میں ہرانے کی کوشش کرتے ہیں یہ وہ لوگ ہیں جو عذاب میں حاضر کیے جائیں گے۔ آپ فرما دیجیے کہ میرا رب اپنے بندوں میں سے جس کے لیے چاہے روزی کو فراخ کر دیتا ہے اور جس کے لیے چاہے تنگ کر دیتا ہے اور جو بھی کوئی چیز تم خرچ کرو گے سو وہ اس کے بعد اس کا عوض دے گا اور وہ سب سے بہتر روزی دینے والا ہے۔

اور جس دن اللہ ان سب کو جمع فرمائے گا پھر فرشتوں سے فرمائے گا کیا یہ لوگ تمہاری عبادت کرتے ہیں؟ فرشتے عرض کریں گے کہ آپ پاک ہیں، آپ ہمارے ولی ہیں ان سے ہمارا کچھ تعلق نہیں، بلکہ بات یہ ہے کہ یہ لوگ جنات کی عبادت کرتے تھے، ان میں سے اکثر ان پر ایمان لائے ہوئے تھے۔ سو آج تم میں سے بعض بعض کے لیے کسی نفع یا ضرر کا مالک نہیں، اور ہم ظالموں سے کہیں گے کہ دوزخ کا عذاب چکھ لو جسے تم جھٹلایا کرتے تھے۔ اور جب ان پر ہماری واضح آیات تلاوت کی جاتی ہیں تو کہتے ہیں کہ یہ شخص تو یہی چاہتا ہے کہ تم لوگوں کو ان چیزوں سے روک دے جن کی

تمہارے باپ دادے عبادت کیا کرتے تھے، اور انہوں نے کہا کہ یہ تو محض ایک تراشا ہوا جھوٹ ہے، اور کافروں نے حق کے بارے میں کہا جب ان کے پاس آگیا کہ یہ محض ایک جادو ہے کھلا ہوا۔ اور ہم نے انہیں کتابیں نہیں دی تھیں جن کو وہ پڑھتے پڑھاتے ہوں، اور ہم نے آپ سے پہلے ان کی طرف کوئی ڈرانے والا نہیں بھیجا۔ اور جو لوگ ان سے پہلے تھے انہوں نے تکذیب کی، اور جو کچھ ہم نے ان کو دیا تھا یہ لوگ اس کے دسویں حصہ کو بھی نہیں پہنچے، سو انہوں نے میرے رسولوں کو جھٹلایا، سو کیسا ہوا میرا عذاب؟

خلاصہ تفسیر: ان آیاتِ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے ایک عظیم اصول بیان فرمایا ہے کہ ہر دور میں جب بھی کسی بستی میں اللہ کا رسول حق کا پیغام لے کر آیا تو سب سے پہلے اس کی مخالفت وہاں کے مالدار، بااثر اور دنیا پرست لوگوں نے کی، وہ اپنی دولت، اولاد اور ظاہری جاہ و حشمت کے گھمنڈ میں مبتلا ہو کر یہ سمجھتے تھے کہ دنیا کی فراوانی ہی اللہ کی رضا اور کامیابی کی دلیل ہے، حالانکہ قرآن نے واضح کر دیا کہ رزق کی کشادگی یا تنگی اللہ تعالیٰ کی حکمت اور آزمائش کے تحت ہوتی ہے، نہ کہ محبوبیت یا مغضوبیت کی علامت۔

اصل کامیابی ایمان اور اعمالِ صالحہ میں ہے، کیونکہ یہی انسان کو اللہ کے قرب، جنت کی نعمتوں اور دائمی امن تک پہنچاتے ہیں، جبکہ کفر اور اللہ کی آیات سے لوگوں کو روکنے کی کوشش انسان کو دنیا و آخرت کی تباہی میں مبتلا کر دیتی ہے، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے انفاق فی سبیل اللہ کی ترغیب دیتے ہوئے فرمایا کہ اللہ کے راستے میں خرچ کیا ہوا مال ضائع نہیں ہوتا بلکہ اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت میں اس کا بہترین بدلہ عطا فرماتا ہے۔

مزید ان آیات میں قیامت کے دن مشرکین کی رسوائی کا منظر بیان کیا گیا ہے، جب اللہ تعالیٰ فرشتوں سے پوچھیں گے کہ کیا یہ لوگ تمہاری عبادت کرتے تھے؟ تو فرشتے مشرکین سے براءت کا اظہار کرتے ہوئے کہیں گے کہ یہ درحقیقت شیاطین کے پیروکار تھے۔

پھر کفار کے ان باطل اعتراضات کا ذکر کیا گیا ہے جو وہ رسول اللہ ﷺ اور قرآنِ کریم پر کرتے

تھے، کبھی آپ ﷺ کو آباء و اجداد کے دین سے پھیرنے والا کہتے، کبھی قرآن کو گھڑا ہوا کلام اور کبھی کھلا جادو قرار دیتے، حالانکہ ان کے پاس نہ کوئی آسمانی کتاب تھی اور نہ کوئی سابقہ رسول جس کی بنیاد پر وہ یہ دعوے کر سکتے۔

آخر میں اللہ تعالیٰ نے سابقہ قوموں، جیسے عاد، ثمود اور قومِ لوط کے انجام کا حوالہ دے کر اہلِ مکہ کو تنبیہ فرمائی کہ وہ اپنی قوت و دولت پر ہر گز مغرور نہ ہوں، کیونکہ ان سے کہیں زیادہ طاقتور قومیں بھی جب حق کو جھٹلاتی رہیں تو اللہ کے عذاب سے نہ بچ سکیں۔

حق کا روشن پیام اور باطل کی عبرتناک شکست

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

قُلْ اِنَّمَآ اَعِظُكُمْ بِوَاحِدَةٍ ۚ اَنْ تَقُوْمُوْا لِلّٰهِ مَثْنٰى وَفُرَادٰى ثُمَّ تَتَفَكَّرُوْا ۚ مَا بِصَاحِبِكُمْ مِّنْ جِنَّةٍ ۭ اِنْ هُوَ اِلَّا نَذِيْرٌ لَّكُمْ بَيْنَ يَدَيْ عَذَابٍ شَدِيْدٍ {۴۶} قُلْ مَا سَاَلْتُكُمْ مِّنْ اَجْرٍ فَهُوَ لَكُمْ ۭ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَي اللّٰهِ ۚ وَهُوَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ {۴۷} قُلْ اِنَّ رَبِّيْ يَقْذِفُ بِالْحَقِّ ۚ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ {۴۸} قُلْ جَاۗءَ الْحَقُّ وَمَا يُبْدِئُ الْبَاطِلُ وَمَا يُعِيْدُ {۴۹} قُلْ اِنْ ضَلَلْتُ فَاِنَّمَآ اَضِلُّ عَلٰي نَفْسِيْ ۚ وَاِنِ اهْتَدَيْتُ فَبِمَا يُوْحِيْٓ اِلَيَّ رَبِّيْ ۭ اِنَّهٗ سَمِيْعٌ قَرِيْبٌ {۵۰} وَلَوْ تَرٰٓى اِذْ فَزِعُوْا فَلَا فَوْتَ وَاُخِذُوْا مِنْ مَّكَانٍ قَرِيْبٍ {۵۱} سبأ

جواب ترجمہ (میرے حبیب ﷺ) آپ فرما دیجیے کہ میں تمہیں ایک ہی بات کی نصیحت کرتا ہوں وہ یہ کہ تم اللہ کے لیے کھڑے ہو جاؤ دو دو اور ایک ایک پھر تم سوچو تمہارے ساتھی کو کوئی دیوانگی نہیں ہے۔ وہ تو ایک سخت عذاب کے آنے سے پہلے تمہیں ڈرانے والا ہے۔ (میرے حبیب ﷺ) آپ فرما دیجیے کہ میں نے جو کچھ تم سے معاوضہ کا سوال کیا ہو سو وہ تمہارے لیے ہی ہے میرا اجر تو صرف اللہ پر ہے، اور وہ ہر چیز پر اطلاع رکھنے والا ہے۔ آپ فرما دیجیے کہ بیشک میرا رب حق کو غالب کر دیتا ہے وہ پوری طرح غیبوں کا جاننے والا ہے۔ آپ فرما دیجیے کہ حق آ گیا اور باطل نہ کرنے کا رہا، نہ دھرنے کا۔ آپ فرما دیجیے کہ اگر میں گمراہ ہو جاؤں تو میری گمراہی مجھ ہی پر پڑے گی اور اگر میں

ہدایت پر رہوں تو اسی وحی کی بدولت جو اللہ میرے پاس بھیج رہا ہے، بیشک وہ سننے والا ہے قریب ہے۔ اور اگر اس وقت کو آپ دیکھیں جب یہ لوگ گھبرا جائیں گے پھر چھوٹنے کی کوئی صورت نہ ہو گی اور قریب ہی جگہ سے پکڑ لیے جائیں گے۔

خلاصہ تفسیر: ان آیاتِ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے منکرینِ مکہ کو نہایت حکیمانہ انداز میں دعوتِ فکر دی ہے کہ وہ تعصب، ضد اور خواہشِ نفس سے بالاتر ہو کر خلوص کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی زندگی، کردار، امانت و صداقت پر غور کریں، اگر وہ انصاف کے ساتھ سوچیں تو ان پر واضح ہو جائے گا کہ آپ ﷺ ہرگز مجنون نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آنے والے ایک سچے رسول اور سخت عذاب سے ڈرانے والے نبی ہیں۔

اسی طرح نبی کریم ﷺ کو یہ اعلان کرنے کا حکم دیا گیا کہ آپ نے دعوتِ حق کے بدلے لوگوں سے کسی اجر یا مال کا مطالبہ نہیں کیا، کیونکہ آپ کا اجر صرف اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے، جو ہر چیز کو دیکھنے اور ہر عمل سے باخبر ہے، پھر یہ حقیقت بیان فرمائی گئی کہ اللہ تعالیٰ ہمیشہ حق کو غالب اور باطل کو مٹا دیتا ہے، چنانچہ اسلام کا نور طلوع ہو چکا اور شرک و کفر کا باطل کمزور اور بے حقیقت ہو کر رہ گیا۔

مزید فرمایا گیا کہ اگر بالفرض نبی ﷺ سے کوئی خطا ہو تو اس کا وبال آپ ہی پر ہو گا، لیکن آپ کی ہدایت سراسر وحیِ الٰہی کی بدولت ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی ہر بات سننے والا اور ان سے خوب قریب ہے۔ آخر میں قیامت کا ایک ہولناک منظر بیان کیا گیا کہ جب کفار اچانک عذاب کو اپنی آنکھوں سے دیکھیں گے تو سخت خوف و ہراس میں مبتلا ہو جائیں گے، مگر اس وقت نہ ان کے لیے فرار کی کوئی راہ ہو گی اور نہ بچاؤ کی کوئی صورت، انہیں فوراً پکڑ لیا جائے گا اور وہ اپنی پوری قوت و غرور کے باوجود اللہ کے عذاب سے ایک لمحہ بھی نہ بچ سکیں گے۔

آخرت میں کفار کا اِظہارِ ایمان

سوال اس آیت کریمہ کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے، نیز بتائیے کہ اس آیت مبارکہ میں وَأَنَّىٰ لَهُمُ التَّنَاوُشُ مِن مَّكَانٍۭ بَعِيدٍ کا کیا مطلب ہے؟

وَقَالُوْٓا اٰمَنَّا بِهٖ ۚ وَاَنّٰى لَهُمُ التَّنَاوُشُ مِنْ مَّكَانٍۢ بَعِيْدٍ {۵۲} سبأ

جواب ترجمہ: اور (اس وقت) یہ کہیں گے کہ: ہم اس پر ایمان لے آئے ہیں۔ حالانکہ اتنی دور جگہ سے ان کو کوئی چیز کیسے ہاتھ آسکتی ہے؟

خلاصہ تفسیر: یعنی ایمان لانے کی اصل جگہ دنیا تھی جو اب دور جاچکی، اب یہاں اتنی دور پہنچنے کے بعد وہ ایمان تمہارے ہاتھ نہیں آسکتا جو دنیا ہی میں مطلوب تھا، کیونکہ دیکھنا تو یہی تھا کہ دنیا کی رنگینیوں میں گم ہو کر تم اللہ تعالیٰ کو یاد رکھتے ہو، یا بھول جاتے ہو؟ اب جبکہ آخرت کا سارا منظر آنکھوں کے سامنے آگیا تو اب ایمان لانا کون سے کمال کی بات ہے جس کی بنا پر تمہیں معاف کیا جائے۔ (توضیح القرآن)

التَّنَاوُشُ: کے معنی ہاتھ بڑھا کر کسی چیز کو اٹھا لینے کے ہیں، اور یہ ظاہر ہے کہ ہاتھ بڑھا کر وہی چیز اٹھائی جاسکتی ہے جو بہت دور نہ ہو ہاتھ وہاں تک پہنچ سکے، اس کا معنیٰ ہے کسی چیز کو سہولت اور آسانی سے حاصل کرنا، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور ضحاک رحمہ اللہ نے کہا اس سے مراد ہے دنیا میں واپس لوٹنا، یعنی کفار جب حشر کے دن آخرت کا عذاب دیکھیں گے تو پھر دنیا میں واپس لوٹائے جانے کو طلب کریں گے کہ اس بار وہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آئیں گے اور یہ بہت بعید ہے۔

سدی رحمہ اللہ نے کہا وہ آخرت کا عذاب دیکھ کر اپنے کفر و شرک سے توبہ کریں گے اور اس توبہ کا قبول ہونا بہت بعید ہو گا، کیونکہ توبہ تو صرف دنیا میں قبول ہوتی ہے۔

علامہ قرطبی رحمہ اللہ نے کہا اس سے مراد یہ ہے کہ کفار یہ کہیں گے کہ اب ہم اس قرآن پر ایمان لے آئے اور قیامت کے بعد حشر کے دن کسی کا ایمان کیسے قبول ہو سکتا ہے، کیونکہ ایمان وہ معتبر ہوتا ہے کہ کسی چیز پر بن دیکھے ایمان لایا جائے جو ایمان بالغیب ہو، یعنی اس وقت ان کا سارا نشہ ہرن ہو جائے گا اور وہ پکار اٹھیں گے کہ اب ہم اس قرآن پر ایمان لائے۔ ضمیر کا مرجع یہاں قرآن ہے، قرآن کو پیش کرنے والے یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم از خود اس میں شامل ہیں۔

تناوش کے معنی پالینے کے ہیں اور اَنّٰى لَهُمُ کا مفہوم یہ ہے کہ بھلا اس وقت کے پانے کا کیا

امکان ہو گا! دست کوتاہ است و خرما بر نخیل۔ (تدبر قرآن)

فَخَلِّ سَبِيلَ الْعَيْنِ بَعْدَكَ لِلْبُكَاءِ... فَلَيْسَ لِأَيَّامِ الصَّفَاءِ رُجُوعُ

پس اپنے بعد آنکھ کو رونے کے لیے کھلا چھوڑ دو، کیونکہ صفا و محبت کے دنوں کی اب کوئی واپسی نہیں۔

جہالت کے تیر اور حقیقت کی روشن صدائیں

سوال اس آیت کریمہ کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

وَقَدْ كَفَرُوْا بِهٖ مِنْ قَبْلُ وَيَقْذِفُوْنَ بِالْغَيْبِ مِنْ مَّكَانٍۢ بَعِيْدٍ {۵۳} سباء

جواب ترجمہ: حالانکہ وہ اس سے پہلے اس کا انکار کر چکے ہیں، اور دور ہی دور سے بے تحقیق باتیں پھینکا کرتے ہیں۔

خلاصہ تفسیر: اس آیتِ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے قیامت کے دن کفار کی حسرت، ندامت اور بے بسی کو بیان فرمایا ہے کہ جب وہ عذاب کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے تو ایمان لانے کی خواہش کریں گے، مگر اس وقت کا ایمان ان کے لیے نفع بخش نہ ہو گا، کیونکہ دنیا میں رسولِ اکرم ﷺ کی دعوت پہنچنے کے باوجود وہ حق کا انکار کرتے رہے تھے، چنانچہ فرمایا کہ

وَّقَدْ كَفَرُوْا بِهٖ مِنْ قَبْلُ: وہ اس سے پہلے دنیا میں قیامت، قرآن اور رسولِ برحق ﷺ کا انکار کر چکے تھے، اس لیے آخرت میں ان کا ایمان محض اضطراری اور بے فائدہ ہو گا۔ پھر ارشاد فرمایا،

وَيَقْذِفُوْنَ بِالْغَيْبِ مِنْ مَّكَانٍۢ بَعِيْدٍ: یعنی یہ لوگ دنیا میں ایسی باتیں کیا کرتے تھے جن کے بارے میں انہیں کوئی علم نہ تھا، بلکہ وہ محض اٹکل، جھوٹ اور گمان کی بنیاد پر حقائق پر حملے کرتے تھے، عربی محاورے میں "ان دیکھی چیز پر تیر چلانا" اس شخص کے لیے بولا جاتا ہے جو بغیر علم کے بے بنیاد باتیں کرے۔

چنانچہ مشرکین کبھی اللہ تعالیٰ کے لیے اولاد اور شریک ثابت کرتے، کبھی رسول اللہ ﷺ کو جادوگر قرار دیتے، کبھی قیامت کا انکار کرتے اور کبھی قرآنِ کریم کو اگلے لوگوں کی کہانیاں (اساطیر الاولین) کہتے تھے، اس آیت میں ان کے انہی باطل اقوال، جہالت بھرے دعوؤں اور

حقیقت سے دور اُفتادہ خیالات پر سخت توبیخ کی گئی ہے کہ وہ بغیر دلیل و برہان کے حق کے خلاف زبان درازی کرتے رہے، حالانکہ ان کی باتوں اور حقیقت کے درمیان بہت بڑا فاصلہ تھا۔

کافروں کی ابدی بد نصیبی

سوال آیت مبارکہ کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے، نیز بتایئے کہ اس آیت مبارکہ میں وَحِيْلَ بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ مَا يَشْتَهُوْنَ کا کیا مطلب ہے؟

وَحِيْلَ بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ مَا يَشْتَهُوْنَ كَمَا فُعِلَ بِاَشْيَاعِهِمْ مِّنْ قَبْلُ اِنَّهُمْ كَانُوْا فِيْ شَكٍّ مُّرِيْبٍ {۵۴}سبأ.

جواب ترجمہ: اور اس وقت یہ جس (ایمان) کی آرزو کریں گے اس کے اور ان کے درمیان ایک آڑ کر دی جائے گی، جیسا کہ ان جیسے جو لوگ ان سے پہلے ہوئے ہیں ان کے ساتھ بھی یہی معاملہ ہو گا۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ سب ایسے شک میں پڑے ہوئے تھے جس نے انہیں دھوکے میں ڈال رکھا تھا۔

خلاصہ تفسیر: حضرت مولانا مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ یعنی ان لوگوں کو جو چیز محبوب اور مقصود تھی ان کے اور اس چیز کے درمیان پردہ حائل کر کے ان کو محروم کر دیا گیا، یہ مضمون قیامت کے حال پر بھی صادق ہے کہ قیامت میں یہ لوگ نجات اور جنت کے طالب ہوں گے وہاں تک نہ پہنچ سکیں گے اور دنیا میں وقت موت پر بھی صادق ہے کہ دنیا میں ان کو یہاں کی دولت و سامان مقصود تھا موت نے ان کے اس مطلوب کے درمیان حائل ہو کر ان کو اس سے جدا کر دیا۔

كَمَا فُعِلَ بِاَشْيَاعِهِمْ: اشیاع شیعہ کی جمع ہے، کسی شخص کے تابع اور ہم خیال کو اس کا شیعہ کہا جاتا ہے، مطلب یہ ہے کہ جو عذاب ان کو دیا گیا کہ اپنے مطلوب و محبوب سے محروم کر دیئے گئے، یہی عذاب اس سے پہلے انہی جیسے اعمال کفر کرنے والوں کو دیا جا چکا ہے۔ کیونکہ یہ سب لوگ شک میں پڑے ہوئے تھے، یعنی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور قرآن کے کلام الٰہی ہونے پر ان کو یقین و ایمان نہیں تھا۔ (معارف القرآن)

حافظ ابن جوزی رحمہ اللہ اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ یہ کفار جو کچھ چاہت کریں گے

اس سے روک دیے جائیں گے، اس بارے میں چھ اقوال ہیں ① ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اس سے مراد یہ ہے کہ وہ دنیا کی طرف لوٹنا چاہیں گے تو انہیں دنیا کی طرف لوٹنے سے روک دیا جائے گا۔ ② امام تفسیر حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ وہ لوگ اپنے اہل، اپنے مال اور اپنی اولاد کی چاہت کریں گے تو انہیں روک دیا جائے گا۔ ③ حضرت حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ وہ لوگ چاہیں گے کہ ہم اب ایمان لے آئیں مگر انہیں اس سے روک دیا جائے گا، اس وقت ایمان قابل قبول نہیں ہو گا۔ ④ حضرت قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ وہ اس وقت خواہش کریں گے کہ اللہ کی اطاعت وفرمانبرداری کریں مگر انہیں اب یہ اطاعت فائدہ نہیں دے گی۔

⑤ حضرت سدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد یہ ہے کہ وہ اس وقت توبہ کرنے کی خواہش کریں گے مگر اس وقت کی توبہ ان کے لیے مفید نہیں ہو گی۔ ⑥ حضرت مقاتل رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد یہ ہے کہ جو لشکر خانہ کعبہ کو منہدم کرنے کے لیے نکلے گا اس لشکر کی اس خواہش کے درمیان اللہ اس صورت میں رکاوٹ پیدا کر دے گا کہ انہیں دھنسا دے گا اور وہ خانہ کعبہ میں تخریب کاری نہیں کر سکے گا۔ (زاد المسیر ج ۳ ص ۵۰۴)

الحمد للہ آج بتوفیق اللہ سورۃ سباء کے چیدہ چیدہ مقامات کی تفسیر مکمل ہوئی ہے۔

بندہ عاجز و فقیر، محمود الرشید عباسی حدوٹی

۲۱ اگست ۲۰۱۷ء قبیل صلوٰۃ المغرب، بروز پیر۔

جامعہ رشیدیہ مناواں لاہور

آج مورخہ ۲۳ مئی ۲۰۲۶ء بروز ہفتہ صبح نو بجے اضافات کی تکمیل ہوئی ہے

❁

سورۃ فاطر (تعارف)

سوال سورۃ فاطر کا تعارف کروایئے۔

جواب سورۃ فاطر مکی ہے اور رسول کریم ﷺ کے ہجرت کرنے سے کچھ عرصہ قبل نازل ہوئی، اس سورت میں بھی مکی سورتوں کے مضامین بیان کیے گئے ہیں، سورۃ مبارکہ میں مقصد اولیٰ یعنی ہر پیغمبر کی رسالت کو بیان کیا گیا ہے اور یہ عقیدہ کبریٰ یعنی دعوت توحید ہے وجود باری تعالیٰ پر دلائل، شرک کی بنیادیں منہدم کرنا، رذائل سے قلوب کو پاک کرنا اور مکارم اخلاق سے دلوں کو مزین کرنا جیسے اہم امور سورۃ مبارکہ کا اہم موضوع ہیں۔

وجہ تسمیہ: سورۃ مبارکہ کا نام سورۃ فاطر ہے، یہ اسم جلیل ہے جو سورۃ مبارکہ کے شروع میں ذکر ہوا ہے، اس صفاتی نام میں ایجاد و اختراع پر دلیل ہے یہ نام رب تعالیٰ کی عظمت و جلال، قدرت قاہرہ اور صنعت عجیبہ پر دلالت کرتا ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے بغیر کسی نمونہ سابقہ کے کائنات، جن وانس اور فرشتوں کو پیدا کیا۔ (صفوۃ التفاسیر)

اہم مضامین: سورۃ مبارکہ کی ابتدا میں کائنات کے خالق، ملائکہ، انسان و جنات کی تخلیق، بعث بعد الموت پر براہین و ادلہ کا قیام، زمین کا مردہ ہونے کے بعد زندہ ہونا، بارش کا برسنا، فصلوں کا زمین سے اگنا، پھلوں کا درختوں پر لگنا، دن و رات کا پے در پے آنا، تخلیق انسان، رات کو دن میں داخل کرنا اور ان کے علاوہ قدرت و توحید کے دلائل بیان کیے گئے ہیں۔

سورۃ مبارکہ میں مؤمن و کافر کے درمیان امر فارق کا ذکر ہوا ہے اور ان دونوں کے لیے مختلف امثال بیان کی گئی ہیں، اندھے اور بینا، تاریکی و نور اور سائے و تپش کی مثالیں بیان کی ہیں۔

اس کے بعد سورۃ مبارکہ میں امت محمدیہ کی افضل میراث یعنی کتاب مجید جس میں تمام آسمانی کتابوں کے فضائل پائے جاتے ہیں کا ذکر ہوا ہے، پھر امت کی تین اقسام بیان کی گئی ہیں ① جن سے کوتاہیاں سرزد ہوتی ہیں ② جو نیکوکار ہیں۔ ③ نیکی و بھلائی میں سبقت لے جانے والے۔

سورۃ مبارکہ کا اختتام مشرکین کی توبیخ پر ہوا ہے چونکہ وہ بتوں اور پتھروں کو پوجتے ہیں۔ (صفوۃ التفاسیر)

فرشتوں کے حالات

سوال اس آیت کریمہ کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ جَاعِلِ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا اُولِيْٓ اَجْنِحَةٍ مَّثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ يَزِيْدُ فِي الْخَلْقِ مَا يَشَآءُ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱﴾ فاطر

جواب ترجمہ: تمام تر تعریف اللہ کی ہے جو آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے، جس نے ان فرشتوں کو پیغام لے جانے کے لیے مقرر کیا ہے، جو دو دو، تین تین اور چار چار پروں والے ہیں۔ وہ پیدائش میں جتنا چاہتا ہے اضافہ کر دیتا ہے۔ بیشک اللہ ہر چیز کی قدرت رکھنے والا ہے۔

خلاصہ تفسیر: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں فاطر کے معنیٰ مجھے معلوم نہ تھے، بالکل ٹھیک معنیٰ میں نے سب سے پہلے ایک اعرابی کی زبان سے سن کر معلوم کئے، وہ اپنے ایک ساتھی اعرابی سے جھگڑتا ہوا آیا، ایک کنویں کے بارے میں ان کا اختلاف تھا تو اعرابی نے کہا انا فَطَرْتُھا یعنی پہلے پہل میں نے ہی اسے بنایا ہے، پس معنیٰ یہ ہوئے کہ ابتداء بے نمونہ صرف اپنی قدرت کاملہ سے اللہ تبارک وتعالیٰ نے زمین و آسمان کو پیدا کیا، ضحاک رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ قرآن کریم میں جہاں کہیں فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالاَرض آیا ہے اس کا معنیٰ ہے زمین وآسمان کو پیدا کرنے والا اللہ ہے۔

اپنے اور اپنے نبیوں کے درمیان قاصد اس نے اپنے فرشتوں کو بنایا ہے۔ جو پر والے ہیں، اڑتے ہیں تاکہ جلدی سے اللہ کا پیغام اس کے رسولوں تک پہنچا دیں۔ اس میں سے بعض دو پروں والے ہیں بعض کے تین تین ہیں اور بعض کے چار چار پر ہیں۔ بعض ان سے بھی زیادہ ہیں۔

حضرت جبریل: علامہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ نے ”الحبائک فی اخبار الملائک“ میں بڑی تفصیل اور محنت شاقہ کے ساتھ فرشتوں کے وہ حیرت انگیز احوال لکھے ہیں کہ انسانی عقل دنگ رہ جاتی ہے، ان حالات کے مطالعہ سے انسانی دل ودماغ بحر حیرت میں گم ہو جاتے ہیں اسی طرح علامہ ابوالشیخ رحمہ اللہ نے رب العالمین کی بو قلمونیاں اور قدرتیں اپنی کتاب ”العظمت“ میں تحریر کی ہیں، اسی کتاب میں انہوں نے فرشتوں کے احوال بھی قلمبند کیے ہیں، اسی طرح مفسرین کرام رحمہم اللہ نے بھی اپنی اپنی

تفاسیر میں جستہ جستہ احوال بیان کیے ہیں۔

حدیث کی کتابوں میں رحمت کائنات، مفخر موجودات، سید ولد آدم، حضرت نبی کریم ﷺ کے واقعہ معراج میں آتا ہے کہ آپ ﷺ نے حضرت جبریل علیہ السلام کو چھ سو پروں میں دیکھا، علامہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَأَى جِبْرِيلَ لَيْلَةَ الْإِسْرَاءِ وَلَهُ ستمائة جَنَاحٍ، بَيْنَ كُلِّ جَنَاحَيْنِ كَمَا بَيْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ، رسول اللہ ﷺ نے معراج کی رات حضرت جبریل کو دیکھا، ان کے چھ سو پر تھے اور ہر دو پر کے درمیان اتنا فاصلہ تھا جتنا کہ مشرق اور مغرب کے درمیان فاصلہ ہے۔

حضرت ورقہ انصاری رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ سے پوچھا کہ یارسول اللہ! آپ کے پاس جبریل علیہ السلام وحی لے کر آتے ہیں، وہ کیسے ہیں؟ حضرت نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ ان کے پر موتیوں کے ہیں اور ان کے قدمین کا اندرونی حصہ سبز رنگ کا ہے۔ (الحبائک فی اخبار الملائک)

انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت نبی کریم ﷺ نے حضرت جبریل علیہ السلام سے پوچھا کہ کیا آپ نے اپنے رب کو دیکھا ہے؟ جبریل نے کہا کہ میرے اور رب تعالیٰ کے درمیان نور اور نار کے ستر پردے ہیں، اگر میں ان میں سے قریب ترین کو بھی دیکھ لوں تو جل جاؤں۔ (الحبائک فی اخبار الملائک)

حضرت نبی کریم ﷺ جب آسمان کی طرف گئے تو حضرت جبریل علیہ السلام کو دیکھا کہ ان کے پر موتیوں، زبرجد اور یاقوت کے ہیں۔ (الحبائک فی اخبار الملائک)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ حضرت جبریل علیہ السلام کے دو کاندھوں کے درمیان تیز رفتار پرندے کی اڑان کے لحاظ سے پانچ سو سال کی مسافت ہے۔ (الحبائک فی اخبار الملائک)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت میں ہے کہ حضرت نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ حضرت جبریل علیہ السلام کے موتیوں سے جڑے چھ سو پر ہیں، کبھی کبھی جب ان پروں کو کھولتے ہیں تو ایسے دکھائی دیتے ہیں جیسے مور کے پر ہوں۔ (الحبائک)

حضرت جبریل علیہ السلام کا نام آسمانوں پر عبد اللہ ہے، حضرت میکائیل علیہ السلام کا نام عبید اللہ ہے اور حضرت اسرافیل علیہ السلام کا نام عبد الرحمٰن ہے۔

فرشتوں میں حضرت جبریل علیہ السلام کا نام اپنے رب کا خادم ہے، جبریل آسمانوں پر فرشتوں کے امام ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام فرشتوں میں افضل ترین فرشتہ جبریل علیہ السلام کو قرار دیا ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ جبریل علیہ السلام سے اسے اپنی شکل وصورت میں دیکھنے کی فرمائش کی تو جبریل نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے وعدہ کیا کہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی شکل وصورت میں آپ کو زیارت کرواؤں گا، چنانچہ بقیع غرقد میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وعدے کے مطابق جبریل علیہ السلام کو اپنی شکل وصورت میں دیکھا تھا۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت کے مطابق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبریل علیہ السلام کو دو مرتبہ اصلی شکل میں دیکھا، ایک یہی بقیع غرقد میں حسب وعدہ اور دوسرا شب معراج میں سدرۃ المنتہیٰ کے پاس۔

ایک بار نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمائش کی کہ میں جبریل کو دیکھنا چاہتا ہوں، اس فرمائش پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جبریل سے کہا اور جبریل جب خانہ کعبہ کی چوکھٹ پر جلوہ افروز ہوئے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے چچا امیر حمزہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ نگاہ اٹھایئے اور جبریل کا دیدار فرمایئے، جب چچا نے نگاہ جبریل کی طرف اٹھائی تو صرف ان کے قدموں کی طرف دیکھ پائے تھے، جو سبز زبرجد کے تھے، اتنا دیکھتے ہی بے ہوش ہو کر گر پڑے تھے۔

ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جبریل علیہ السلام سے فرمائش کی کہ میں آپ کو دیکھنا چاہتا ہوں، اس پر جبریل نے کہا کہ آپ میں مجھے دیکھنے کی طاقت نہیں ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جبریل میں آپ کو دیکھنا چاہتا ہوں، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک چاندنی رات میں جائے نماز کی طرف بڑھے اور جبریل علیہ السلام کو دیکھا تو بے ہوش ہو گئے، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہوش آیا تو کیا دیکھتے ہیں کہ جبریل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سہارا دیے ہوئے ہیں اور اپنا ایک ہاتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سینہ اقدس پر رکھے ہوئے ہیں اور دوسرا ہاتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں کاندھوں کے درمیان رکھے ہوئے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرا نہیں خیال کہ مخلوق میں اس طرح

کی مخلوق دیکھی ہو، جبریل علیہ السلام نے فرمایا کہ اگر آپ اسرافیل علیہ السلام کو دیکھ لیں تو پھر؟ کیونکہ اسرافیل کے تو بارہ پر ہیں، ایک پر مشرق میں ہے، ایک مغرب میں ہے، اللہ کا عرش ان کے کاندھے پر ہے۔

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جبریل علیہ السلام میرے پاس اس طرح آتے ہیں جس طرح کوئی دوست اپنے دوست کے پاس آتا ہے، سفید کپڑوں میں ملبوس، یاقوت اور موتیوں میں مرصع ہو کر، ان کا سر پہاڑ کی طرح، ان کے بال مرجان کی طرح، ان کا رنگ برف کی طرح، پیشانی چمکتی، دانت سفید چمکیلے، ان پر موتیوں سے جڑاؤ کی ہوئی دو چادریں ہیں، ان کے پر سبز رنگ کے ہیں، ان کے پاؤں سبز رنگ میں ڈوبے ہوئے ہیں۔

حضرت اسرافیل: حضرت اسرافیل علیہ السلام ایسے فرشتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے ہاں سب فرشتوں سے قریب ہیں، پھر جبریل علیہ السلام، پھر میکائیل علیہ السلام پھر ملک الموت حضرت عزرائیل علیہ السلام ہیں۔ (الحبائک)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حضرت اسرافیل علیہ السلام صور پھونکنے والے فرشتے ہوں گے، جب کہ جبریل علیہ السلام ان کے دائیں اور میکائیل علیہ السلام ان کے بائیں ہوں گے۔

اللہ تعالیٰ اور اسرافیل علیہ السلام کے درمیان اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں قریب ترین فاصلے پر کوئی مخلوق نہیں ہے، حضرت اسرافیل اور اللہ تعالیٰ کے درمیان سات پردے ہیں، اسرافیل کا ایک پر مشرق میں ہے، ایک پر مغرب میں ہے، ایک پر ساتویں زمین میں ہے، ایک پر اس کے سر کے قریب ہے، وہ اپنے سر کو اپنے دو پروں کے درمیان رکھے ہوئے ہے، جب اللہ تعالیٰ کسی بات کا حکم دیتے ہیں تو وہ تختیاں حضرت اسرافیل کے قریب آجاتی ہیں جن پر اللہ تعالیٰ کا حکم موجود ہوتا ہے۔

حضرت اسرافیل اسے دیکھتے ہیں پھر اسرافیل حضرت جبریل کو آواز دیتے ہیں، جبریل علیہ السلام انہیں جواب دیتے ہیں، جو فرشتہ اس آواز کو سنتا ہے وہ بے ہوش ہو جاتا ہے، جب ہوش میں آتا ہے تو پوچھتا ہے کہ تمہارے پروردگار نے کیا حکم دیا ہے؟ تو وہ انہیں فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جو حکم دیا ہے وہ حق ہے، وہ بڑی عظمت والی ذات ہے۔ (الحبائک فی اخبار الملائک)

حضرت کعب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت اسرافیل علیہ السلام تمام فرشتوں میں اللہ تعالیٰ کے سب

سے زیادہ قریب ہیں، ان کے چار پر ہیں، ایک مشرق میں ہے، ایک مغرب میں ہے، ایک پر ان کے کاندھے پر ہے، اور عرش ان کے کاندھے پر ہے، قلم ان کے کان کے اوپر رکھا ہوا ہے، لوح ان کی پیشانی پر ہے، جب اللہ کی طرف سے کوئی حکم آتا ہے تو اسرافیل اس حکم کو دیکھتے ہیں، اگر آسمان والوں کے بارے میں ہوتا ہے تو وہ حضرت میکائیل علیہ السلام کے سپرد کر دیتے ہیں اور اگر وہ حکم زمین والوں کے بارے میں ہوتا ہے تو اسے جبریل علیہ السلام کے سپرد کر دیتے ہیں، جبریل وہ حکم لے کر جب آسمانی راستوں سے گزرتے ہیں تو ہر کسی کو قیامت کا گمان ہونے لگتا ہے۔

علامہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب الحبائک میں لکھا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کو سب سے پہلے سجدہ کرنے والے حضرت اسرافیل علیہ السلام تھے، اللہ تعالیٰ نے اس چیز کا بدلہ انہیں یہ عطا فرمایا کہ قرآن کریم اسرافیل کی پیشانی پر لکھ دیا۔

حضرت اسرافیل علیہ السلام کے ذمہ اہم ترین کام یہ لگایا گیا ہے کہ وہ قیامت کے دن صور پھونکیں گے، اللہ تعالیٰ نے صور کو سفید رنگ کے موتی سے بنایا ہے، جو صفائی میں شیشے کی طرح ہے، اس صور میں ہر روح کے حساب سے سوراخ ہیں، جتنی روحیں اور جتنے سانس لینے والی مخلوقات ہیں ان کی بقدر اس میں اللہ تعالیٰ نے سوراخ بنائے ہیں، کسی ایک سوراخ سے دو روحوں کی جان نہیں نکلے گی، اس صور کے درمیان میں آسمان وزمین کی گولائی کی طرح کا ایک سوراخ ہے، حضرت اسرافیل علیہ السلام نے اس سوراخ کے اوپر اپنا منہ رکھا ہوا ہے، اللہ تعالیٰ نے اسرافیل علیہ السلام کو فرما رکھا ہے کہ میں نے صور پھونکنے اور آواز لگانے کی ذمہ داری تجھے سپرد کر دی ہے، جب سے اللہ تعالیٰ نے انہیں پیدا فرمایا ہے تب سے وہ اس انتظار میں ہیں کہ مجھے صور پھونکنے کا کب اشارہ کیا جائے گا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی لیے تو فرمایا تھا کہ میں کیونکر خوش ہو سکتا ہوں جب کہ صور پھونکنے والا فرشتہ صور اپنے منہ میں لیے ہوئے ہے، اپنی جبین جھکائے ہوئے ہے، اپنے کان لگائے ہوئے کہ کب مجھے صور پھونکنے کا حکم دیا جاتا ہے کہ میں پھونک دوں۔

امام غزالی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ حضرت اسرافیل علیہ السلام پہلی بار جب صور پھونکیں گے تو آسمان وزمین

میں جو بھی ہوں گے وہ مر جائیں گے، یعنی ہر حیوان سخت گھبراہٹ کے باعث مر جائیں گے، مگر نفخہ اولیٰ سے جبریل، میکائیل، اسرافیل اور ملک الموت فوت نہیں ہوں گے، پھر اللہ تعالیٰ ملک الموت کو حکم دیں گے تو وہ جبریل کی روح قبض کریں گے، پھر میکائیل کی روح قبض کریں گے، پھر اسرافیل کی روح قبض کریں گے، پھر ملک الموت کو حکم دیا جائے گا وہ بھی مر جائیں گے۔

پھر پہلی مرتبہ صور پھونکے جانے کے بعد چالیس سال تک لوگ برزخ میں رہیں گے، پھر اللہ تعالیٰ اسرافیل علیہ السلام کو زندہ فرمائیں گے اور انہیں حکم دیں گے کہ وہ دوسری بار صور پھونکیں، اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں بھی ارشاد فرمایا کہ پھر دوسری بار صور پھونکا جائے گا، پھر لوگ اٹھ کھڑے ہوں گے، لوگ کھڑے ہو کر اپنے پاؤں کی طرف اور اپنے اٹھنے کی طرف دیکھیں گے۔ (احیاء العلوم)

حضرت میکائیل علیہ السلام: حضرت میکائیل علیہ السلام کے سولہ ہزار پر ہیں، ان میں سے اگر ایک پر وہ دنیا میں کھول دیں تو ساری دنیا ان کے پر کے نیچے آجائے، وہ اللہ تعالیٰ کے سامنے عاجز اور مسکین بن کر کھڑے رہتے ہیں، وہ اللہ تعالیٰ سے اس قدر خوف زدہ ہوتے ہیں کہ ان کی سانس ان کے گلے میں اٹکی رہتی ہے، نہ اندر جاتی ہے اور نہ ہی باہر آتی ہے۔ (بستان الواعظین لابن الجوزی ج ا ص ۸۹)

امام نسفی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت میکائیل علیہ السلام کو جبریل علیہ السلام سے پانچ سو سال بعد پیدا فرمایا، ان کے سر سے لے کر ان کے قدموں تک بہت سے چہرے اور پر ہیں جو زعفران سے ہیں، ان کے ہر پر میں ایک ہزار آنکھیں ہیں، جو امت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے گناہ گاروں پر روتی ہیں، ہر آنکھ سے ستر قطرے بہتے ہیں، پھر اللہ ہر قطرے سے ایک فرشتہ پیدا کرتے ہیں، یہی کروبیون ہیں۔ (نزھۃ المجالس و منتخب النفائس)

اللہ تعالیٰ نے جبریل اور میکائیل علیہما السلام کے درمیان سات موٹے حجاب پیدا فرمائے ہیں، ہر حجاب کی دوسرے حجاب کے درمیان پانچ سو سال کی مسافت ہے، اگر یہ حجابات نہ ہوتے تو جبریل میکائیل علیہما السلام کے نور سے جل جاتے اور اللہ تعالیٰ نے میکائیل اور اسرافیل علیہما السلام کے درمیان ستر حجاب پیدا فرمائے ہیں، اگر یہ حجاب ان دونوں کے درمیان نہ ہوتے تو میکائیل اسرافیل علیہما السلام کے نور سے جل جاتے۔

(نزھۃ المجالس فصل فی المعراج)

حضرت نبی کریم ﷺ نے جبریل علیہ السلام سے پوچھا کہ کیا وجہ ہے کہ میں نے میکائیل علیہ السلام کو کبھی ہنستے ہوئے نہیں دیکھا؟ تو حضرت جبریل علیہ السلام نے فرمایا جب سے دوزخ پیدا کی گئی تب سے میکائیل علیہ السلام نہیں ہنسے۔ (مسند احمد، ابن ابی الدنیا،)

میکائیل علیہ السلام اتنے بڑے فرشتے ہیں کہ اگر تمام سمندروں کا پانی ان کے سر پر ڈال دیا جائے تو یوں لگے جیسے ایک قطرہ ہے۔ (الحق المبین فی معرفۃ الملائکۃ المقربین)

حضرت وھب بن منبہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے جبریل کو پیدا کیا پھر میکائیل علیہ السلام کو پیدا کیا۔ (الامتاع بالاربعین مؤلفہ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ)

اللہ تعالیٰ نے بارش اور زمین کی پیداوار حضرت میکائیل علیہ السلام کے سپرد کی ہے، جب آدم علیہ السلام کو جنت سے نکالا گیا تو اللہ کی طرف سے حضرت جبریل کو حکم ملا کہ وہ ان کے سر سے تاج اتار لیں اور حضرت میکائیل علیہ السلام کو حکم ملا کہ وہ آدم کے سر سے عمامہ اتار لیں۔ (الرقۃ والبکاء لابن قدامہ)

رحمت دوعالم ﷺ کی وفات سے پہلے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ ﷺ سے آپ کے جنازہ سے متعلق سوال کیا، جس پر آپ ﷺ نے فرمایا کہ میرا جنازہ میری قبر کے کنارے پر رکھ دینا، سب سے پہلے میری نماز جنازہ میرا دوست جبریل پڑھے گا، پھر میکائیل علیہ السلام، پھر اسرافیل علیہ السلام پڑھیں گے، پھر ملک الموت بہت سے فرشتوں کے ہمراہ میری نماز جنازہ پڑھے گا۔ (الرقۃ والبکاء لابن قدامہ)

فرشتوں میں جبریل، میکائیل اور اسرافیل کو بڑا مقام حاصل ہے، حضرت نبی کریم ﷺ سے جو دعائیں ثابت ہیں ان میں بعض ایسی دعائیں ہیں جن میں آپ ﷺ یوں دعا مانگتے دکھائی دیتے ہیں اَللّٰھُمَّ رَبَّ جِبْرِیلَ وَرَبَّ مِیکَائِیلَ وَرَبَّ إِسْرَافِیلَ أَعُوذُبِكَ مِنْ حَرِّ النَّارِ وَعَذَابِ الْقَبْرِ، اے اللہ! جبریل کے رب، میکائیل کے رب، اسرافیل کے رب میں آپ سے دوزخ کی گرمی سے اور قبر کے عذاب سے پناہ چاہتا ہوں۔ (جزء ابی حامد بن ابی بلال نیشاپوری)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت میں ہے کہ یہود حضرت میکائیل علیہ السلام سے محبت رکھتے ہیں اور

حضرت جبریل علیہ السلام سے بغض رکھتے ہیں، اس کی وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت میکائیل علیہ السلام بارشیں لاتے ہیں جب کہ جبریل علیہ السلام لڑائی جھگڑے لاتے ہیں۔ (صفۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم، ضیاء مقدسی)

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے معرکہ بدر کے موقع پر حضرت علی المرتضیٰ اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہما کی طرف پیغام بھیجا کہ تم دونوں میں سے ایک کے ساتھ جبریل علیہ السلام ہیں اور دوسرے کے ساتھ میکائیل علیہ السلام ہیں اور اسرافیل بڑا فرشتہ ہے جو میدان جنگ میں حاضر ہے۔ (فضائل ابی بکر الصدیق رضی اللہ عنہ، محمد بن علی حنبلی)

ایک روایت میں ہے کہ جبریل تم دو میں سے ایک کی دائیں طرف ہے اور میکائیل دوسری طرف ہے اور اسرافیل بڑا فرشتہ ہے جو صف میں موجود ہے۔ (عوالی ضیا مقدسی)

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جنگ بدر کے موقع پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ اے ابو بکر! فرشتوں میں میکائیل تیری طرح ہے اور اے عمر! فرشتوں میں جبریل تیری طرح ہے۔ (مجموعہ مصنفات ابی جعفر)

حاملین عرش فرشتے: حضرت وہب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حاملین عرش چار فرشتے ہیں، ان میں سے ہر ایک کے چار منہ ہیں، چار ہی پر ہیں، دو پر اس کے چہرے پر ہیں جو اسے عرش کی طرف دیکھنے سے روکے ہوئے ہیں، ورنہ وہ بے ہوش ہو جائے، دو پروں کے ساتھ وہ اڑتا ہے، ان کے قدم سب سے نچلی زمین پر ہیں، عرش ان کے کاندھوں پر ہے، ان میں سے ہر ایک کا چہرہ بیل کے چہرے کی طرح ہے، منہ شیر کی طرح ہے، اسی طرح ان کا چہرہ انسان کے چہرے کی طرح ہے، اسی طرح ان کا چہرہ گدھ کے چہرے کی طرح ہے، ان کے منہ سے کوئی اور بات اس کے سوا نہیں نکلتی، بس یہ یوں کہتے رہتے ہیں قُدُّوس، اَللّٰهُ القَوِیُ، مَلأَت عَظَمَتُهُ السمَاوَاتِ والأَرضَ

عرش کو تھامنے والے فرشتے چار منہ والے ہیں، قیامت کے دن چار فرشتے اور ہوں گے جو ان چار کے ساتھ مل کر عرش کو اٹھائیں گے، ان میں ایک فرشتہ انسانی شکل میں ہو گا، جو بنی آدم کے رزق کے لیے سفارش کرتا ہے، ایک فرشتہ گدھ کی شکل کا ہو گا جو پرندوں کے رزق کی سفارش کرتا

ہے، ایک ان میں بیل کی شکل کا ہو گا جو جانوروں کے رزق کی سفارش کرتا ہے، ایک ان میں شیر کی شکل کا ہو گا جو درندوں کے رزق کی سفارش کرتا ہے، ہر فرشتے کے چار منہ ہوں گے۔

جب ان فرشتوں نے اللہ کے عرش کو اٹھایا تو اللہ کی عظمت کو مد نظر رکھتے ہوئے گھٹنوں کے بل بیٹھ گئے، پھر انہیں لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰہِ کے الفاظ تلقین کیے گئے تو یہ فرشتے اپنی ٹانگوں پر سیدھے کھڑے ہو گئے۔

حضرت نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے عرش کو اٹھانے والوں میں ایک فرشتہ ایسا ہے جو موتیوں کا بنا ہوا ہے، اس کی شکل مرغے جیسی ہے، اس کے پاؤں زمین میں ہیں اور اس کے پر مشرق میں ہیں، جب کہ اس کی گردن عرش کے نیچے ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ عرش کو اٹھانے والے فرشتوں کے ٹخنے سے لے کر پاؤں کے نچلے حصے تک کا فاصلہ پانچ سو سال کی مسافت ہے۔ (الحبائک فی اخبار الملائک)

حاملین عرش فرشتوں کے بارے میں ایک روایت میں یہ بھی آتا ہے کہ وہ اوپر کی طرف نور کی شعاعوں کے باعث دیکھ نہیں سکتے۔ حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں ہے کہ عرش کو اٹھانے والے فرشتے ایک دوسرے سے فارسی زبان میں گفتگو کرتے ہیں۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ قیامت کے دن عرش کو اٹھانے والے آٹھ فرشتے ہوں گے، اس سے مراد یہ ہے کہ فرشتوں کی آٹھ صفیں ہوں گی، جن کی تعداد اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی نہیں جانتا۔

ملک الموت: علامہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ نے الحبائک میں ایسی روایات نقل فرمائی ہیں، جن کی روشنی میں پتا چلتا ہے کہ ملک الموت کے قدموں کے درمیان مشرق و مغرب کا فاصلہ ہوتا ہے، ملک الموت کے لیے ساری کائنات کے انسانوں تک دسترس بہت آسان ہے، ایسے جیسے کسی دسترخوان پر لوگ بیٹھے ہوئے ہوں تو ان کے سامنے پڑی ہوئی اشیاء تک ان کا پہنچنا آسان ہوتا ہے۔ ایک روایت کے مطابق انسانی ارواح ملک الموت کے سامنے اس طرح ہیں جس طرح کہ ہتھیلی پر بہت سی چیزیں

رکھی ہوئی ہوں تو ان کو بیک وقت اٹھانا آسان ہوتا ہے۔

شہر بن حوشب فرماتے ہیں کہ ملک الموت بیٹھے ہوئے ہیں، دنیا ان کے گھٹنوں کے درمیان ہے، وہ تختی جس میں بنی آدم کی عمریں لکھی ہوئی ہیں وہ ان کے ہاتھ میں ہے، فرشتے ان کے سامنے ہوتے ہیں، جب ابن آدم کی موت کا وقت قریب آتا ہے تو وہ فرشتوں کو کہتے ہیں کہ اس کی جان لے لو۔ (الحق المبین فی معرفۃ الملائکۃ المقربین)

حضرت نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ ملک الموت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آئے، اور انہیں کہا کہ اپنے رب کی دعوت کو قبول فرمایئے، موسیٰ علیہ السلام نے ملک الموت کو طمانچہ مارا تو ان کی آنکھ نکل گئی، ملک الموت اللہ کے پاس پہنچے، اللہ سے جاکر عرض کیا کہ آپ نے مجھے ایسے بندے کے پاس بھیجا ہے جو مرنا نہیں چاہتا اور اس نے میری آنکھ نکال دی، اللہ تعالیٰ نے ملک الموت کی آنکھ لوٹادی، اللہ نے فرمایا کہ میرے بندے کے پاس واپس جاؤ اور ان سے کہو کہ کیا آپ زندگی چاہتے ہیں؟ اگر آپ زندگی چاہتے ہیں تو پھر آپ ایک بیل کی پشت پر ہاتھ پھیریے، آپ کے ہاتھ کے نیچے جتنے بال آئیں گے آپ کی زندگی اتنے سال بڑھادی جائے گی، موسیٰ نے پوچھا کہ پھر کیا ہوگا؟ ملک الموت نے کہا کہ اس کے بعد آپ فوت ہوجائیں گے، موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ پھر میری روح ابھی قبض کرلیجیے۔ (مشکوٰۃ المصابیح، الحق المبین فی معرفۃ الملائکۃ المقربین) اس واقعہ سے پہلے حضرت ملک الموت لوگوں کی روحیں نکالنے کے لیے سامنے آتے تھے، اس واقعہ کے بعد خفیہ طور پر روحیں نکالنے لگے۔ (حاکم فی کتاب التاریخ)

ابن ابی الدنیا نے جابر بن یزید رحمہ اللہ سے روایت نقل کی ہے کہ پہلے ملک الموت لوگوں کی روحیں بہت آسانی سے نکال لیتے تھے، لیکن لوگ انہیں گالیاں دیتے تھے، لعن طعن کرتے تھے، حضرت ملک الموت نے اس بات کی اللہ تعالیٰ سے شکایت کی تو اللہ تعالیٰ نے لوگوں میں تکالیف اور بیماریاں رکھ دیں، یوں لوگ ملک الموت کو بھول گئے اور اس کے بعد جو کوئی مرتا ہے تو لوگ کہتے ہیں کہ یہ شخص فلاں وجہ سے مرا ہے، یہ فلاں وجہ سے مرا ہے۔ (الحبائک فی اخبار الملائک، الحق المبین فی معرفۃ الملائکۃ المقربین)

روح فرشتہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی ایک روایت کے مطابق فرشتوں میں سب سے بڑا فرشتہ روح ہے، پیدائش کے لحاظ سے یہ تمام فرشتوں سے بڑا ہے، روح فرشتہ قیامت کے دن اللہ کا دربان ہو گا، جو اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑا ہو گا، اگر یہ اپنا منہ کھول دے تو سارے فرشتے اس کے اندر سما جائیں۔

ایک ضعیف روایت کے مطابق روح وہ فرشتہ ہے جس کے ستر ہزار منہ ہیں، اس کے ہر منہ میں ستر ہزار زبانیں ہیں، ہر زبان پر ستر ہزار لغات ہیں، ان میں سے ہر زبان تسبیح کرتی ہے، ان میں سے ہر تسبیح سے اللہ تعالیٰ ایک فرشتہ پیدا کرتا ہے جو قیامت کے دن فرشتوں کے ساتھ اڑے گا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ روح وہ فرشتہ ہے جس کے دس ہزار پر ہیں، اس کے دو پروں کے نیچے مشرق و مغرب سما جائیں، اس کے ایک ہزار چہرے ہیں، ہر چہرے میں ایک ہزار زبان ہے، دو آنکھیں اور دو ہونٹ ہیں، جو دونوں قیامت تک اللہ کی تسبیح میں مصروف رہیں گے۔

حضرت ابن وہب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ روح فرشتوں میں وہ فرشتہ ہے جس کے دس ہزار پر ہیں، ایک پر کے نیچے مشرق و مغرب سما جائیں۔

حضرت مقاتل بن حیان رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ روح سب سے زیادہ بزرگی والا فرشتہ ہے اور یہی سب سے اللہ کے ہاں زیادہ مقرب ہے، اسی کو صاحب وحی کہا جاتا ہے۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود رحمہ اللہ روح فرشتے کے بارے میں یوں فرماتے ہیں کہ روح فرشتہ چوتھے آسمان میں ہوتا ہے، یہ آسمانوں، پہاڑوں اور فرشتوں سے بڑا فرشتہ ہے، یہ فرشتہ روزانہ بارہ ہزار مرتبہ تسبیح کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کی ہر ایک تسبیح سے ایک فرشتہ پیدا کرتا ہے، شاید یہی وجہ تھی کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رکوع اور سجدے کے دوران جو تسبیح کرتے تھے اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم یوں پڑھا کرتے تھے سُبُّوحٌ قُدُّوسٌ رَبُّ الْمَلَائِكَةِ وَالرُّوحِ مجاہد رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ روح فرشتے کو اللہ تعالیٰ نے اولاد آدم کی شکل میں پیدا فرمایا ہے۔

حضرت عکرمہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ تخلیق کے اعتبار سے روح سب فرشتوں سے بڑا فرشتہ ہے، کوئی فرشتہ بھی اترتا ہے تو اس کے ساتھ روح فرشتہ بھی ہوتا ہے۔

حضرت نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ روح اللہ کے لشکروں میں سے ایک لشکر ہے، فرشتے نہیں ہیں، ان کے سر، ہاتھ اور پاؤں ہیں، ابن ابی نجیح رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ روح فرشتہ تمام فرشتوں پر نگران ہے، روح کے بارے میں مفسر قرآن علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مفسرین کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے، روح کے بارے میں کوئی حتمی رائے قائم نہیں کی جاسکتی کہ اس سے مراد کون ہے؟

علامہ ابن جوزی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ روح کے بارے میں سات اقوال ہیں ① حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ روح اللہ کے لشکروں میں سے ایک لشکر ہے، یہ فرشتہ نہیں ہے، حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کی ایک مخلوق ہے جو اولاد آدم کی شکل وصورت میں ہے، یہ کھاتی پیتی ہے۔

② حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور مقاتل بن سلیمان رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ روح ایک فرشتہ ہے جو آسمانوں، پہاڑوں اور فرشتوں سے بڑا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک روایت یہ ہے کہ روح تمام فرشتوں سے بڑا ہے، اس سے بڑا کوئی فرشتہ اللہ نے پیدا نہیں کیا، قیامت کا دن ہوگا تو یہ واحد فرشتہ ہوگا جو ایک ہی صف میں کھڑا ہوگا، باقی تمام فرشتے ایک صف میں ہوں گے۔

③ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک روایت یہ ہے کہ یہ مخلوق کی روحیں ہیں جو قیامت کے دن فرشتوں کے ساتھ دونوں صوروں کے درمیانی وقفے میں کھڑی ہوں گی۔ یہ مرحلہ روحوں کو جسموں میں لوٹانے سے پہلے کا ہوگا۔ ④ سعید بن جبیر رحمہ اللہ اور ضحاک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ روح سے مراد جبریل رحمہ اللہ ہیں۔ ⑤ حضرت حسن بصری رحمہ اللہ اور قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد اولاد آدم ہے۔ ⑥ زید بن اسلم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد قرآن کریم ہے۔ ⑦ حضرت مقاتل بن حیان رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد اشراف ملائکہ ہیں، یعنی بڑی اہمیت والے فرشتے مراد ہیں۔

علامہ قرطبی رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر میں روح کے بارے میں آٹھ اقوال ذکر کیے ہیں، مگر میری معلومات اور مطالعہ کے مطابق کسی مفسر قرآن نے کوئی حتمی بات نہیں فرمائی، جس پر آدمی اطمینان قلبی کے ساتھ کہہ سکے کہ یہ بات قابل قبول ہے، مگر سارے اقوال وارشادات نقل کرنے کے بعد

ہم تو یہی کہہ سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتے ہیں اور ساتھ ہی یہ بات بھی عرض کرسکتے ہیں کہ زیادہ تر بات جو دل و دماغ میں بیٹھتی ہے وہ یہ ہے کہ اس سے مراد حضرت جبریل علیہ السلام ہی ہیں۔

کیونکہ قرآن کریم کے نزول کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ نَزَلَ بِهِ الرُّوحُ الأَمِين کہ ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب اطہر پر یہ قرآن امانت دار روح کے ساتھ اتارا ہے، پھر لیلۃ القدر میں جو فرشتے زمین پر اترتے ہیں ان کے لیے جمع کا صیغہ استعمال فرمایا گیا اور جبریل کے ساتھ الروح الگ استعمال کیا گیا، اور روایات میں آتا ہے کہ اس رات جبریل ملائکہ کے لشکروں کے ساتھ زمین کی طرف اترتے ہیں، جس سے روایات اور قرآنی ارشادات میں مطابقت دکھائی دیتی ہے اور روح کی تعیین بھی ہو جاتی ہے، اس کے باوجود واللہ اعلم بالصواب

دوزخ کے انیس فرشتے: حضرت ابی عمران جونی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے دوزخ کے انیس فرشتے پیدا فرمائے ہیں، ان کے کاندھوں کے درمیان سو خندقوں کا فاصلہ ہے، ان کے دلوں میں کوئی جذبہ رحم و مہربانی نہیں ہے، یہ عذاب کے لیے پیدا کیے گئے ہیں، ان میں سے کوئی فرشتہ کسی دوزخی کو مارتا ہے تو اسے پیس کر رکھ دیتا ہے۔

حضرت کعب رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ خازن جہنم کے دو کاندھوں کے درمیان کا فاصلہ پانچ سو سال کی مسافت ہے۔ دوزخ کے فرشتوں کے سربراہ کا نام مالک ہے، جس کو داروغہ جہنم بھی کہا جاتا ہے۔

زبانیہ فرشتے: عبداللہ بن الحارث فرماتے ہیں کہ زبانیہ فرشتے ایسے ہیں کہ ان کے پاؤں زمین میں لگتے ہیں اور ان کا سر آسمانوں سے لگتا ہے۔

کروبیون فرشتے: حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کروبیون (مقرب فرشتوں کی ایک قسم) فرشتوں کے بارے میں فرمایا کہ ان کے کانوں کی لو سے لے کر گردن تک کی مسافت تیز رفتار پرندہ اترائی میں پانچ سو سال میں طے کرے۔

حضرت وہب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ کروبیون ساتویں آسمان پر رہتے ہیں، ان کی کثرت کی وجہ سے ان کی تعداد کو اللہ کے سوا اور کوئی نہیں جانتا، یہ فرشتے بہت اونچی آواز سے روتے ہیں، اگر سارے

زمین والے ان فرشتوں میں سے کسی ایک فرشتے کے رونے کی آواز سن لیں تو سارے کے سارے مر جائیں، ان میں سے کوئی فرشتہ ایسا نہیں جس کی شکل اس کے ساتھی فرشتے کے ساتھ ملتی جلتی ہو، نہ زبان، نہ آنکھ، نہ کان، نہ ہاتھ، نہ پاؤں، نہ دل، نہ بال، نہ ہڈی، نہ جوڑ۔

ہر جوڑ اللہ تعالیٰ کی اس طرح تسبیح پیش کرتا ہے جو دوسرے جوڑ کے ساتھ ملتا جلتا نہیں ہے، ان میں سے ہر جوڑ کی الگ آواز ہے، جو دوسرے جوڑ کی آواز کے ساتھ نہیں ملتی، ان میں سے جو فرشتہ جب سے پیدا ہوا ہے اس نے کبھی بھی اپنے ساتھ والے فرشتے کو نہیں دیکھا، نہ اس کے چہرے کو دیکھا ہے، عمر بھر ایک پلک جھپکنے کی مقدار بھی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہیں کی، نہ ہی باقیماندہ زندگی نافرمانی کرے گا، اور نہ ہی ان فرشتوں نے اللہ کے ڈر اور خوف کی وجہ سے اپنے سر اوپر اٹھائے ہیں۔ جب سے یہ فرشتے پیدا کیے گئے اور جب سے انہیں علم ہوا کہ زمین میں زمین والے اللہ کی نافرمانی کر رہے ہیں تب سے انہوں نے کبھی بھی زمین کی طرف نہیں دیکھا۔

روحانیون فرشتے: حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ساتویں آسمان کے اوپر ایک مقام ہے، جس کو حظیرۃ القدس کہا جاتا ہے، اس مقام پر بہت سے فرشتے ہیں، ان فرشتوں کو روحانیون کہا جاتا ہے، جب لیلۃ القدر آتی ہے تو یہ فرشتے اللہ تعالیٰ سے دنیا کی طرف اترنے کی اجازت مانگتے ہیں، جب اللہ کی طرف سے انہیں اجازت مل جاتی ہے تو یہ زمین کی طرف اترتے ہیں، راستے میں جس کسی کو ملتے ہیں اس کے لیے دعائے خیر کرتے ہیں، مسجدوں میں رہنے والوں اور راستے میں ملنے والوں کو برکت کی دعا دیتے ہیں۔ (شعب الایمان، الحبائک فی اخبار الملائک، العظمت)

عرش کے گرد فرشتوں کی صفیں: ابو الشیخ حضرت وہب رحمہ اللہ سے نقل کرتے ہیں کہ عرش کے گرد فرشتوں کی ستر ہزار صفیں ہیں، ہر صف کے پیچھے ایک صف ہے، یہ فرشتے دن اور رات عرش کے گرد طواف کرتے رہتے ہیں، ایک صف والے آکر چلے جاتے ہیں پھر دوسرے آتے ہیں، جب یہ ایک دوسرے کا آمنا سامنا کرتے ہیں تو لا الہ الا اللہ اور اللہ اکبر کہتے ہیں، ان کے پیچھے ستر ہزار صفیں ہوتی ہیں، یہ اپنے ہاتھ اپنی گردنوں پر رکھے ہوتے ہیں، جب ان فرشتوں کی تہلیل اور تکبیر سنتے ہیں

تو یوں کہتے ہیں سُبْحَانَكَ وَبِحَمْدِكَ أَنتَ الَّذِي لَا إِلٰهَ أَنتَ الْأَكْبَرُ ذُخْرَ الْخَلَائِقِ كُلِّهِمْ، ان کے پیچھے فرشتوں کی ایک کروڑ صف ہوتی ہے، جنہوں نے اپنے دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ کے اوپر رکھ کر اپنی گردنوں پر رکھا ہوا ہے، یہ فرشتے اللہ کی تسبیح اور تحمید میں مشغول ہیں، ان فرشتوں کے پروں کے درمیان تین سو سال کی مسافت ہے، ان کے کانوں کی لو سے لے کر ان کی گردن تک چار سو سال کی مسافت ہے، ان کے ایک کاندھے سے دوسرے کاندھے کے درمیان پانچ سو سال کی مسافت ہے۔

رَعد فرشتہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ یہودی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور پوچھا، اے ابوالقاسم! ہم آپ سے پانچ چیزوں کے بارے میں پوچھتے ہیں، اگر آپ نے ان کے بارے میں بتادیا تو ہم جان لیں گے کہ آپ نبی ہیں، اور ہم آپ کی پیروی کریں گے، یہودیوں نے پوچھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں بتائیں کہ رعد (کڑک) کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، مَلَكٌ مِنْ مَلَائِكَةِ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ مُوَكَّلٌ بِالسَّحَابِ بِيَدِهِ مِخْرَاقٌ مِنْ نَارٍ، يَزْجُرُ بِهِ السَّحَابَ، يَسُوقُهُ حَيْثُ أَمَرَ اللهُ فرشتوں میں سے ایک فرشتہ ہے جس کو بادل کی ذمہ اری سونپی گئی ہے، اس کے آگ کے کوڑے ہیں، جس سے وہ بادل کو وہاں ہانک کر لے جاتا ہے، جہاں اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں۔

انہوں نے پوچھا وہ آواز کیا ہے؟ جس کو ہم بادلوں سے سنتے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ فرشتے کا بادل کو ڈانٹنا ہے، جب وہ بادل کو ڈانٹتا ہے تو وہ بادل ادھر پہنچتا ہے، جہاں کا اس کو حکم دیا گیا ہوتا ہے۔ (مسند احمد) حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ بادلوں سے چمکنے والی بجلی کوڑے ہیں جو فرشتوں کے ہاتھوں میں ہوتے ہیں، جب وہ بادل برساتے ہیں تو بجلی اور اس کی چمک نظر آتی ہے۔ (العظمت)

شہر بن حوشب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ رعد ایک فرشتہ ہے، بادل کی ذمہ داری اس کو دی گئی ہے، بادل کو اس طرح ہانک کر لے جاتا ہے جس طرح سے حدی خواں (گاکر اونٹوں والا) اونٹ کو لے جاتا ہے، جب کوئی بادل مخالفت کرتا ہے تو یہ اسی وقت چیختا ہے، جب اس کا غصہ تیز ہوتا ہے تو اس کے منہ سے آگ گرتی ہے، یہی وہ آوازیں ہیں جن کو تم سنتے ہو۔ (در منثور، طبری، العظمت، الھیئۃ السنیہ)

فرشتوں کے مجموعی حالات: یحیٰ بن ابی کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو اس طرح پیدا فرمایا کہ ان کے پیٹ نہیں ہیں۔ (الحبائک فی اخبار الملائک)

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ فرشتے دن اور رات تسبیح میں مشغول رہتے ہیں، ان کے سانس ہی ان کے لیے تسبیح بنائے گئے ہیں۔ حضرت امام بخاری رحمہ اللہ اپنی تاریخ میں حضرت ابن عمرو سے روایت لائے ہیں، جس میں فرمایا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا ہے۔

حضرت عبد اللہ بن الحارث رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت کعب سے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں یہ بات ارشاد فرمائی ہے کہ یُسَبِّحُونَ اللَّیلَ وَالنَّهارَ لا یَفتُرُونَ (الأنبیاء ۲۰) فرشتے رات دن اللہ کی تسبیح میں مشغول رہتے ہیں، ان میں سستی نہیں آتی، کے بارے میں پوچھا کہ کیا انہیں پیغام رسانی مشغول نہیں رکھتی؟ کیا کوئی اور ضرورت انہیں اس کام سے مشغول نہیں رکھتی؟ انہوں نے اس کا جواب یہ دیا کہ اللہ نے ان کے لیے تسبیح اس طرح بنائی ہے جس طرح تمہارے لیے اللہ نے سانس بنایا ہے، کیا تم کھاتے پیتے نہیں ہو؟ کیا تم قوت حاصل نہیں کرتے؟ کیا تم بیٹھتے نہیں ہو؟ کیا تم آتے جاتے نہیں ہو؟ کیا تم بات چیت نہیں کرتے ہو؟ تم گفتگو کر رہے ہوتے ہو پھر بھی تمہاری سانس چل رہی ہوتی ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے لیے تسبیح بنائی ہے۔ (ابن المنذر، ابن ابی حاتم، ابو الشیخ، شعب الایمان للبیہقی)

حضرت امام بیہقی رحمہ اللہ نے کتاب الرؤیۃ اور ابن عساکر نے حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی عبادت کے لیے فرشتوں کی کئی اقسام پیدا کی ہیں، بعض فرشتے ان میں سے ایسے ہیں جو اپنے یوم پیدائش سے قیامت تک قیام کی حالت میں صفوں میں کھڑے رہیں گے، کچھ فرشتے ایسے ہیں جو اپنے یوم پیدائش سے قیامت تک خشوع کے ساتھ رکوع میں رہیں گے، کچھ فرشتے جس دن سے پیدا ہوئے اس سے لے کر قیامت تک سجدے کی حالت میں رہیں گے، قیامت کا دن ہو گا تو اللہ جل شانہ جلوہ افروز ہوں گے، تو یہ فرشتے اللہ تعالیٰ کے چہرے کی طرف دیکھیں گے، اللہ کے چہرے ک طرف دیکھتے ہی کہیں گے کہ سُبحَانَكَ مَا عَبَدنَاكَ

حَقَّ عِبَادَتِكَ، اے اللہ! تو پاک ذات ہے، ہم نے تیری اس طرح عبادت نہیں کی جس طرح تیری عبادت کرنے کا حق تھا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب اللہ تعالیٰ کسی کام کا فیصلہ کرتے ہیں تو حاملین عرش فرشتے تسبیح کرنے لگتے ہیں، پھر اس سے قریب والے آسمان کے فرشتے تسبیح کرتے ہیں، یہاں تک کہ تسبیح کا یہ تسلسل اس آسمان والوں تک پہنچتا ہے، پھر آسمان والے حاملین عرش سے پوچھتے ہیں کہ تمہارے پروردگار نے کیا حکم فرمایا ہے؟ پھر وہ انہیں خبر دیتے ہیں، پھر سارے آسمان والے خیر مانگتے ہیں، یہاں تک کہ اس آسمان والے بھی۔ (الحبائک فی اخبار الملائک)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ جب وحی کی بات کی جاتی ہے تو آسمان والے لوہے کی ایک زنجیر کی آواز سنتے ہیں، جس طرح کہ وہ چٹان کے اوپر گھسٹ رہی ہو، اس آواز کو سن کر گھبرا جاتے ہیں، یہاں تک کہ حالت خوف میں یہ خیال کرتے ہوئے گر پڑتے ہیں کہ یہ حکم کہیں قیامت کا نہ ہو، جب ان کا ڈر دور ہو جاتا ہے تو وہ پوچھتے ہیں کہ تمہارے رب نے کیا کہا ہے؟ تو وہ جواب دیتے ہیں کہ اللہ نے جو بھی فرمایا ہے وہ سچ ہی ہے، وہ بہت بڑی اور بلند ذات ہے۔ (الحبائک)

حضرت نواس بن سمعان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ کسی کام میں وحی بھیجنے کا ارادہ فرماتے ہیں تو وحی کی بات ہوتے ہی آسمانوں میں اللہ کے خوف اور ڈر کی وجہ سے ایک سخت قسم کا زلزلہ بپا ہو جاتا ہے، جب آسمان والے اس آواز کو سنتے ہیں تو بے ہوش کر سجدہ ریز ہو جاتے ہیں، سب سے پہلے جو اس بے ہوشی سے سر اٹھاتا ہے وہ جبریل علیہ السلام ہوتے ہیں، پھر اللہ تعالیٰ جبریل سے وحی کی بات کرتے ہیں، پھر جبریل اسے فرشتوں تک پہنچاتے ہیں، جب جب بھی آسمان سے گزرتے ہیں تو آسمان والے ان سے پوچھتے ہیں کہ اے جبریل! ہمارے پروردگار نے کیا فرمایا؟ جبریل علیہ السلام فرماتے ہیں کہ رب العالمین سے جو فرمایا سچ ہی فرمایا ہے، وہ بلند اور عظمت والی ذات ہے، پھر یہ سارے فرشتے وہی کچھ کہتے ہیں جو جبریل کہتے ہیں، پھر جبریل یہ وحی لے کر وہاں پہنچ جاتے ہیں جہاں زمین والوں یا آسمان والوں کے لیے انہیں اللہ کی طرف سے حکم ملا تھا۔ (الحبائک)

ابو نعیم اصفہانی رحمۃ اللہ نے اپنی کتاب حلیۃ الاولیاء میں صفوان بن سلیم سے روایت نقل کی ہے کہ زمین سے جو فرشتہ اٹھتا ہے وہ لَاحَولَ وَلَاقُوَّۃَ الا باللہ کہتا ہوا اٹھتا ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اہل آسمان کا کلام لَاحَولَ وَلَاقُوَّۃَ اِلَّا باللہ ہے۔(خطیب، دیلمی)

حضرت جبریل علیہ السلام آسمان سے تشریف لائے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ عمر کو سلام کیجیے اور یہ بتایئے کہ آسمانِ دنیا والے قیامت تک سجدہ ریز رہیں گے، وہ یوں تسبیح کرتے ہیں سُبحَانَ ذِی المُلکِ وَالمَلَکُوتِ، دوسرے آسمان والے قیامت تک قیام کی حالت میں رہیں گے اور یوں تسبیح کرتے رہیں گے سُبحَانَ ذِی العِزَّۃِ وَالجَبَرُوتِ، تیسرے آسمان والے رکوع کی حالت میں رہیں گے اور سُبحَانَ الحَیِّ الَّذِی لَایَمُوتُ کی تسبیح کرتے رہیں گے۔(الحبائک)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، اللہ کے آسمان میں خشوع کرتے فرشتے ہیں جو قیامت تک اپنے سروں کو نہیں اٹھائیں گے، جب قیامت قائم ہو جائے گی تو وہ اپنے سروں کو یہ کہتے ہوئے اٹھائیں گے کہ اے ہمارے پروردگار! ہم نے تیری عبادت کا حق ادا نہیں کیا، اللہ کے دوسرے آسمان میں وہ فرشتے ہیں جو سجدہ کی حالت میں ہیں، جو اپنے سروں کو قیامت تک نہیں اٹھائیں گے، جب قیامت قائم ہو گی تو وہ اپنے سروں کو یہ کہتے ہوئے اٹھائیں گے کہ اے اللہ !تو پاک ذات ہے، ہم نے تیری عبادت کا حق ادا نہیں کیا، حضرت عمر نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! وہ کیا کہتے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آسمان دنیا والے یوں کہتے ہیں سُبحَانَ ذِی العِزَّۃِ وَالجَبَرُوتِ اور دوسرے آسمان والے یوں کہتے سُبحَانَ الحَیِّ الَّذِی لَایَمُوتُ،(شعب الایمان، بیہقی)

حضرت لوط بن ابی لوط رحمۃ اللہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ مجھ تک یہ بات پہنچی ہے کہ آسمان دنیا والے فرشتے یوں کہتے ہیں سُبحَانَ رَبُّنَا الاَعلیٰ، دوسرے آسمان والے یوں کہتے ہیں سُبحَانَہ وَتَعَالیٰ، تیسرے آسمان والے یوں کہتے ہیں سبحانہ وبحمدہ، چوتھے آسمان والے یوں کہتے ہیں سُبحَانَہ لَاحَولَ وَلَاقُوَّۃَ اِلَّا باللہ، پانچویں آسمان والے یوں کہتے ہیں سُبحَانَہ مُحی المَوتیٰ وَھوَ

عَلَى كُلِّ شَئٍ قَدِيرٌ، چھٹے آسمان والے یوں کہتے ہیں سُبْحَانَ الْمَلِكِ الْقُدُّوسِ، ساتویں آسمان والے یوں کہتے سُبْحَانَ الَّذِی مَلَاءَ السَّمٰوَاتِ، ساتویں آسمان اور ساتویں زمین والے یوں کہتے عِزَّةً وَّوَقَاراً

حضرت خالد بن معدان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں فرشتوں کی صفیں ہیں، جن میں پہلی صف والے یوں کہتے ہیں سُبْحَانَ الْمَلِكِ ذِی الْمُلْكِ ان کے ساتھ والے یوں کہتے ہیں سُبْحَانَ ذِی الْعِزَّةِ وَالْجَبَرُوتِ، ان کے ساتھ والے یوں کہتے ہیں سُبْحَانَ الْحَیِّ الَّذِی لَا یَمُوتُ، ان کے ساتھ والے یوں کہتے سُبْحَانَ الَّذِی یُمِیتُ الْخَلَائِقَ وَلَا یَمُوتُ، بعض فرشتوں کی صفیں یوں ہیں جو ایک دوسرے کی طرف صف بنائے ہوئے ہیں، جو اللہ کے خوف و خشیت کی وجہ سے کانپ رہے ہیں، کوئی ان میں سے اپنے ساتھ والے ساتھی کے منہ کی طرف نہیں دیکھ رہا، اور نہ ہی قیامت کی صبح تک اپنے ساتھی کے منہ کی طرف دیکھے گا۔ (ابو الشیخ، الحبائک)

ابو الشیخ نے ابو بکر بن عبد اللہ بن ابی جہم رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے آسمان دنیا کو پیدا فرمایا، اسے محفوظ چھت بنایا، اس میں سخت پہرہ بٹھایا، اس میں شہاب بھی رکھے، اس آسمان کے رہنے والے فرشتے دو دو، تین تین اور چار چار پروں والے ہیں، ان کی شکلیں گائے کی شکل کی ہیں، ان کی تعداد ستاروں کی طرح ہے، ان کی شراب نور ہے، ان کی تسبیح ایسی ہے کہ یہ تسبیح، تہلیل، اور تکبیر سے سست نہیں پڑتے۔

دوسرے آسمان والے فرشتے قطروں کی تعداد کے بقدر ہیں، یہ تھکتے ہیں اور نہ ہی اکتاتے ہیں، اور نہ ہی سوتے ہیں، بعض ان میں سے وہ ہیں جو بادلوں کو پھاڑتے ہیں، پھر یہ بادل فضائے آسمانی پر پھیل جاتے ہیں، ان کے ساتھ وہ فرشتے بھی ہوتے ہیں جو ان بادلوں کو ادھر پھیرتے ہیں جدھر کا ان کو حکم دیا جاتا ہے، ان کی آوازیں تسبیح ہوتی ہے، اور ان کی تسبیح میں ڈراوا ہوتا ہے۔

تیسرے آسمان کے فرشتوں کی تعداد ریت کے ذرات کی طرح ہوتی ہے، یہ لوگوں کی شکل وصورت پر ہیں، یہ فرشتے برجوں پر پھونکیں مارتے ہیں جیسے ہوا پھونکی جاتی ہے۔

چوتھے آسمان کے فرشتوں کی تعداد درختوں کے پتوں کی تعداد کے بقدر ہے، ان کے کاندھے برابر ہوتے ہیں، ان کی شکلیں موٹی آنکھوں والی حور کی طرح ہوتی ہیں، یہ رکوع اور سجدہ کرنے والی کیفیت کی درمیانی کیفیت میں ہوتے ہیں، ان کے چہروں کی روشنی سات آسمانوں اور سات زمینوں کے بیچ کی جگہ کو روشن کر دیتی ہے۔

پانچویں آسمان کے فرشتوں کی تعداد ساری مخلوق کی تعداد سے زیادہ ہوتی ہے، یہ گدھ کی شکل میں ہوتے ہیں، ان میں بعض کِرَامِ الْبَرَرَہ یعنی نیکوکار فرشتے ہوتے ہیں، بعض علماء ہوتے ہیں، اور بعض سفراء ہوتے ہیں، جب یہ تکبیر کہتے ہیں تو ان کے خوف سے عرش حرکت کرنے لگتا ہے۔

چھٹے آسمان پر اللہ کا لشکر رہتا ہے، اللہ کا لشکر بڑا لشکر ہوتا ہے، یہ نشان زدہ گھوڑوں کی طرح ہوتے ہیں۔ ساتویں آسمان پر مقربین فرشتے ہوتے ہیں، وہ فرشتے ہوتے ہیں جو صحیفوں میں اعمال اٹھاتے ہیں، بھلائیاں محفوظ رکھتے ہیں، ان کے اوپر عرش کو اٹھانے والے کروبیون ہوتے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ جب آدمی کسی صحراء میں اذان واقامت کہہ کر نماز ادا کرتا ہے تو اس کے ساتھ چار ہزار فرشتے نماز میں شریک ہوتے ہیں۔ (عبدالرزاق)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے، وہ فرماتی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا وہ گھر جس میں تصویر ہوتی ہے فرشتے اس گھر میں داخل نہیں ہوتے ہیں۔ (بخاری، مسلم)

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ فرشتے اس گھر میں داخل نہیں ہوتے جس میں مورتیاں اور تصویریں ہوں۔ (ابن حبان، احمد، مالک)

حضرت علی رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، فرشتے اس گھر میں داخل نہیں ہوتے جس میں کتا ہو یا تصویریں ہوں۔ (ابن ماجہ) رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایسے لوگوں کے ساتھ نہیں ہوتے جن کے پاس گھنٹی ہو۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پیشاب برتن میں گھر کے اندر ہو تو فرشتے اس پیشاب والے گھر میں داخل نہیں ہوتے۔ (طبرانی الاوسط) حضرت سوید رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ فرشتے اس گھر میں داخل نہیں ہوتے جس میں دف ہو۔ (ابن ابی شیبہ)

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ فرشتے جنبی اور بدبو دار منہ والے کے پاس نہیں حاضر ہوتے جب تک وہ غسل نہ کرلیں۔(طبرانی) عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ فرشتے کافر کے جنازے میں حاضر نہیں ہوتے۔(ابو داؤد، مسند احمد)

عبد اللہ بن ابی اوفیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا فرشتے ایسی قوم پر نہیں اترتے جن میں رشتہ داری تعلق داری توڑنے والے لوگ ہوں۔(طبرانی)

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے ہاں سب سے محبوب کلام وہ ہے جو اس نے اپنے فرشتوں کے لیے منتخب کیا ہے وہ ہے **سُبْحَانَ رَبِّی وَبِحَمْدِہٖ، سُبْحَانَ رَبِّی وَبِحَمْدِہٖ، سُبْحَانَ رَبِّی وَبِحَمْدِہٖ**(ترمذی، حاکم، بیہقی فی شعب الایمان)

ابو حبیب الفارضی سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے فرشتوں کے سامنے نوجوان عبادت گزاروں پر فخر کرتے ہیں۔(احمد فی الزہد) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب جمعرات کا دن ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرشتوں کو بھیجتے ہیں، ان کے پاس چاندی کے رجسٹر اور سونے کے قلم ہوتے ہیں، وہ جمعرات اور جمعہ کی رات کو نبی کریم ﷺ پر بہت زیادہ درود شریف پڑھنے والوں کے نام لکھتے ہیں۔(ابن عساکر، الحبائک فی اخبار الملائک)

جعفر بن محمد رحمہ اللہ روایت ہے کہ جمعرات کو عصر کے وقت اللہ تعالیٰ آسمان سے فرشتوں کو زمین کی طرف اتارتے ہیں، ان کے پاس چاندی کے رجسٹر اور سونے کے قلم ہوتے ہیں، چنانچہ وہ حضرت محمد ﷺ پر آج دن میں اور آج کی رات میں پڑھے جانے والے درود شریف کو کل کے غروب آفتاب تک لکھتے رہتے ہیں۔(شعب الایمان)

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کے ہاں فرشتے ہیں جو نور سے پیدا کیے گئے ہیں، وہ جمعہ کی رات اور جمعہ کے دن اترتے ہیں، ان کے ہاتھوں میں سونے کے قلم ہوتے ہیں، کاغذ نور کے ہوتے ہیں، وہ صرف نبی کریم ﷺ پر پڑھے جانے والے درود شریف کو لکھتے ہیں۔(دیلمی)

حضرت کعب رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ جب انسان اپنے گھر سے نکلتا ہے تو شیطان اسے راستے میں ملتا ہے، جب وہ کہتا ہے بسم اللہ تو فرشتے اسے کہتے ہیں کہ تجھے ہدایت دینے کا فیصلہ کر دیا گیا ہے، جب وہ کہتا ہے توکلت علی اللہ تو فرشتے کہتے ہیں کہ تیری کفایت کر دی گئی، جب وہ لاحول ولا قوۃ الا باللہ کہتا ہے کہ تو فرشتے کہتے ہیں تیری حفاظت کر دی گئی، پھر شیاطین ایک دوسرے کو کہتے ہیں اس آدمی تک ہمارا کوئی راستہ نہیں ہے جس کی کفایت کی گئی، جس کو ہدایت دی گئی، جس کی حفاظت کی گئی۔ (مصنف ابن ابی شیبہ، مکارم الاخلاق، الحبائک فی اخبار الملائک، مکارم الاخلاق علامہ خرائطی)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب انسان کسی گھر، یا اپنے گھر سے نکلتا ہے تو اس کے ساتھ دو فرشتے ہوتے ہیں، جن کے سپرد کیا جاتا ہے، جب وہ کہتا ہے بسم اللہ تو دونوں فرشتے کہتے ہیں کہ تجھے ہدایت دے دی گئی، جب وہ لاحول ولا قوۃ الا باللہ کہتا ہے تو وہ دونوں فرشتے اسے کہتے ہیں کہ تجھے بچالیا گیا، جب وہ توکلت علی اللہ کہتا ہے تو وہ دونوں کہتے ہیں کہ تیری کفایت کر دی گئی ہے، (ابن ماجہ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب امام آمین کہے تو تم بھی آمین کہو، جس کی آمین فرشتوں کی آمین کے ساتھ میل کھا گئی تو اس کے اگلے گناہ معاف کر دیے جائیں گے۔ (بخاری و مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ)

حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ صفیں تو زمین والوں کی بھی ہیں اور صفیں آسمان والوں کی بھی ہیں، جب زمین والوں کی آمین آسمان والوں کی آمین کے ساتھ میل کھا جاتی ہے تو بندے کی بخشش کر دی جاتی ہے۔ (مصنف عبد الرزاق)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، جب امام سَمِعَ اللّٰهُ لِمَن حَمِدَه کہتا ہے تو تم یوں کہو، اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا لَكَ الحَمْدُ کیونکہ جس کا یہ قول فرشتوں کے قول کے ساتھ میل کھا گیا اس کے اگلے گناہ معاف کر دیے جائیں گے۔ (مؤطا مالک، بخاری، مسلم، ابوداؤد)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا فرشتے جمعہ کے دن عمامے باندھ کر

حاضر ہوتے ہیں، پھر وہ عمامہ باندھے ہوئے لوگوں کو سلام کرتے ہیں، یہاں تک کہ سورج غروب ہو جائے۔ (ابن عساکر) حضرت صفوان بن عسال رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ فرشتے طالب علم کے لیے اپنے پر بچھاتے ہیں۔ (ابو داؤد طیالسی)

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مجھے یوم غدیر کے موقع پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عمامہ بندھوایا، جس کا شملہ میرے پیچھے پھینکا، پھر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے بدر و حنین کے دن میری ایسے فرشتوں کے ذریعے مدد فرمائی تھی جو اس طرح عمامے باندھے ہوئے تھے۔ (طیالسی، بیہقی فی السنن)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم پر عمامے باندھنا لازم ہے، کیونکہ یہ فرشتوں کی نشانی ہے، ان کے شملے پشتوں کے پیچھے رکھو۔ (طبرانی، الحبائک فی اخبار الملائک)

حضرت عروہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بدر کے دن فرشتے پنج کلیاں گھوڑوں کے اوپر زرد رنگ کے عمامے باندھے ہوئے آئے تھے۔ (عبد الرزاق)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب کوئی مسلمان بیمار ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اپنے فرشتوں میں سے دو فرشتے اس کے سپرد کر دیتے ہیں، وہ اس وقت تک اس سے جدا نہیں ہوتے جب تک کہ اللہ اس کے لیے دو اچھائیوں میں سے ایک کا فیصلہ نہیں کر دیتے، یا اس کے لیے موت کا فیصلہ کر دیتے ہیں یا اس کے لیے زندگی کا فیصلہ کر دیتے ہیں۔

جب بیمار پرسی کرنے والے اس بیمار سے پوچھتے ہیں کہ تم کیسے محسوس کرتے ہو؟ تو وہ کہتا ہے میں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہوں، میں بہتر محسوس کرتا ہوں، اس پر یہ دو فرشتے اسے کہتے ہیں کہ تجھے ایسے خون کی خوشخبری ہو جو تیرے خون سے بہتر ہے، اس صحت کی تجھے بشارت ہو جو تیری صحت سے بہتر ہے۔

جب بیمار پرسی کرنے والے اس سے پوچھتے ہیں کہ تیرا کیا حال ہے؟ تو وہ کہتا ہے مجھے تکلیف ہے، مجھے کرب ہے، میں آزمائش میں ہوں تو یہ دو فرشتے اسے کہتے ہیں کہ تجھے ایسے خون کی بشارت ہو جو تیرے اس خون سے برا ہے، اور تجھے اس آزمائش کی بشارت ہو جو تیری اس آزمائش سے بہت لمبی اور طویل ہے۔

بیہقی کی روایت میں ہے کہ بیمار کی طرف اللہ تعالیٰ دو فرشتوں کو بھیجتے ہیں، جب اس کے پاس بیمار

پرسی کرنے والے آتے ہیں تو وہ ان کے سامنے اللہ کی تعریف وثنا کرتا ہے، پھر یہ فرشتے اللہ کے پاس چلے جاتے ہیں، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے بندے کو اس بیماری میں موت دے دی تو اسے جنت میں داخل کروں گا اور اس بندے کو صحت دوں گا تو اس کے گوشت سے اچھا گوشت عطا کروں گا، اس کے خون سے اچھا خون عطا کروں گا، اور اس کے گناہوں کو مٹادوں گا۔ (مالک، بیہقی)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب انسان کو چھینک آتی ہے پھر وہ اس پر اَلْحَمْدُ لِلّٰہ کہتا ہے تو فرشتہ کہتا ہے رَبِّ الْعَالَمِیْنَ، جب وہ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ کہتا ہے تو فرشتہ کہتا ہے رحمك الله. (طبرانی، ابن سنی)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو آدمی بھی ہے اس کے سر میں موجود حکمت فرشتے کے ہاتھ میں ہے، جب وہ عجز وانکساری کرتا ہے تو فرشتے سے کہا جاتا ہے کہ اپنی حکمت کو اونچا کرو اور جب وہ تکبر کرتا ہے تو فرشتے سے کہا جاتا ہے کہ اپنی حکمت کو ختم کردو۔ (طبرانی بسند حسن)

حضرت جمانہ باہلی رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کے خلاف بد دعا کرنے کی اجازت دی تو اس پر آمین کہنے والے فرشتے تھے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ عرش کی دائیں طرف ایک منادی ہے، جو ساتویں آسمان سے آواز دیتا ہے کہ اے اللہ! خرچ کرنے والے کو خلیفہ (یعنی اس خرچ کیے ہوئے مال کی جگہ اور مال عطا کر) عطا کر، اور مال کو روک کر رکھنے والے کے مال کو برباد کر۔ (مکارم الاخلاق للخرائطی)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے محبت کرتے ہیں تو اس کی محبت فرشتوں کے دل میں ڈال دیتے ہیں، اور جب کسی بندے سے بغض رکھتے ہیں تو اس کا بغض فرشتوں کے دل میں ڈال دیتے ہیں، پھر آدمیوں کے دل میں اسے ڈال دیتے ہیں۔ (حلیۃ الاولیاء للاصفہانی)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنی داڑھیوں کو خضاب

کیا کرو کیونکہ فرشتے مؤمن کے خضاب سے خوش ہوتے ہیں۔(ابن عدی) حضرت عبداللہ بن حراء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کے ناموں پر نام رکھو اور فرشتوں کے ناموں پر نام نہ رکھو۔(شعب الایمان، ابن عساکر)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے کپڑے سمیٹ لیے، اور فرمایا کہ میں ایسے آدمی سے کیوں نہ حیا کروں جس سے فرشتے بھی حیا کرتے ہیں۔(بخاری، مسلم) حضرت سلمہ بن الاکوع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، تم زمین میں اللہ کے گواہ ہو اور فرشتے آسمان میں اللہ کے گواہ ہیں۔(طبرانی)

قاضی کے لیے دو فرشتے: حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مسلمان قاضیوں میں سے ہر قاضی کے ساتھ دو فرشتے ہوتے ہیں جو اسے درست راستے کی طرف راہنمائی کرتے ہیں، جب تک کہ وہ اس کے علاوہ کوئی چیز نہ لائے، جب وہ اس کے علاوہ کوئی چیز لاتا ہے اور جان بوجھ کر ظلم کرتا ہے تو یہ دونوں فرشتے اس سے الگ ہو جاتے ہیں پھر اسے اس کے نفس کے حوالے کر دیتے ہیں۔(طبرانی)

درود پڑھنے والے کے لیے دعا کرنے والے فرشتے: حضرت عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو بندہ مجھ پر درود شریف پڑھتا ہے اس کے لیے فرشتے اس وقت تک دعا کرتے رہتے ہیں جب تک وہ مجھ پر درود شریف پڑھتا رہتا ہے، اس لیے بندہ چاہے تو تھوڑا درود شریف پڑھے یا بندہ چاہے تو زیادہ درود شریف پڑھے۔(احمد، ابن ماجہ)

فرشتوں کی پیدائش کا دن: حضرت ابو العالیہ رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو بدھ کے دن پیدا کیا، جنات کو جمعرات کے دن پیدا کیا، اور حضرت آدم علیہ السلام کو جمعہ کے دن پیدا فرمایا، پھر جنات میں سے کچھ نے کفر کیا، جس پر آسمان سے فرشتے نازل ہوئے، پھر ان کے درمیان لڑائی ہوئی، خون ریزی ہوئی، زمین میں فساد برپا ہوا، اسی وجہ سے انہوں نے کہا تھا کہ اللہ جس خلیفہ کو زمین میں بنانے والا ہے یہ زمین میں فساد مچائے گا اور خون ریزی کرے گا۔(ابو الشیخ فی العظمت، ابن جریر)

فرشتوں کا طواف: رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ جب آدم علیہ السلام حج کرنے کے لیے تشریف لائے تو فرشتوں نے ان سے ملاقات کی اور ان سے کہا کہ، اے آدم! ہم نے آپ سے دو ہزار سال پہلے اس گھر کا حج کیا تھا، حضرت آدم علیہ السلام نے ان سے پوچھا کہ تم لوگ بیت اللہ کے گرد کیا کہتے تھے؟ انہوں نے کہا کہ ہم یوں کہتے تھے سُبْحَانَ اللّٰہِ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ وَلَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ، پھر آدم علیہ السلام جب بیت اللہ کا طواف کرتے تھے تو یہی کلمات کہتے تھے۔ (جندی، الحبائک)

حضرت عثمان بن یسار مکی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ مجھ تک یہ بات پہنچی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے کسی کام کے لیے فرشتوں میں سے ایک فرشتے کو زمین کی طرف بھیجا تو فرشتے نے اللہ تعالیٰ نے بیت اللہ کے طواف کی اجازت چاہی، پھر لا الہ الا اللہ کہتے ہوئے اترا۔

بیت اللہ کی کھدائی کرنے والے فرشتے: علامہ ازرقی رحمہ اللہ نے عبید للہ بن ابی زیاد سے روایت نقل کی ہے کہ جب اللہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو جنت سے اتارا تو ان سے فرمایا کہ اے آدم! میرے لیے گھر بناؤ جو آسمان میں ہے اس کے برابر میں، اس میں آپ اور آپ کی اولاد عبادت کرے گی جیسے فرشتے میرے عرش کے گرد عبادت کرتے ہیں، چنانچہ فرشتے اترے اور انہوں نے کھدائی شروع کر دی، یہاں تک کہ وہ ساتویں زمین تک جا پہنچے، پھر فرشتوں نے اس میں چٹانیں پھینکیں یہاں تک کہ سطح زمین تک یہ گڑھا ہموار ہو گیا۔ (طبرانی، الحبائک)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ سب سے پہلے بیت اللہ شریف کا طواف فرشتوں نے کیا۔ (طبرانی) عمیر بن سعد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ جس نے کسی آدمی کو اس کے نام کے بغیر بلایا تو اس پر فرشتوں کی لعنت ہو گی۔ (ابن سنی)

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جس نے علم کے بغیر فتویٰ دیا اس پر زمین و آسمان کے فرشتے لعنت کرتے ہیں۔ (ابن عساکر)

نمازی کے دائیں بائیں دو فرشتے: حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا جو شخص نماز پڑھتا ہے تو ایک فرشتہ اس کی دائیں طرف ہوتا ہے اور ایک فرشتہ اس کی بائیں طرف

ہوتا ہے، اگر وہ اس نماز کو مکمل کرلیتا ہے تو وہ اس نماز کو اوپر لے جاتے ہیں اور نامکمل ہوتی ہے تو یہ دونوں اس کے منہ پر دے مارتے ہیں۔ (دار قطنی، الحبائک فی اخبار الملائک)

قرآن کریم حفظ کرانے والا فرشتہ: حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو شخص قرآن کریم پڑھے پھر اسے زبانی یاد کرنے سے پہلے فوت ہو جائے تو اس کے پاس اس کی قبر میں ایک فرشتہ آتا ہے جو اسے اس کی قبر میں قرآن کریم یاد کراتا ہے یہاں تک کہ جب یہ شخص اللہ سے ملاقات کرے گا تو قرآن کریم کا حافظ ہو گا۔ (الحبائک فی اخبار الملائک)

فرشتوں کی تعداد: اللہ تعالیٰ نے فرشتے اس قدر زیادہ پیدا فرمائے کہ ان کی تعداد کسی کو اللہ کے سوا معلوم نہیں ہے، قرآن کریم کہتا ہے کہ اللہ کے لشکروں کا اللہ کے سوا کسی کو علم نہیں ہے۔

اللہ کی نعمتیں، انبیاء علیہم السلام کی آزمائشیں، حق کی فتح

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

مَا يَفْتَحِ اللّٰهُ لِلنَّاسِ مِنْ رَّحْمَةٍ فَلَا مُمْسِكَ لَهَا ۚ وَمَا يُمْسِكْ ۙ فَلَا مُرْسِلَ لَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖ ؕ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ {۲} يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ ؕ هَلْ مِنْ خَالِقٍ غَيْرُ اللّٰهِ يَرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ؕ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ {۳} وَاِنْ يُّكَذِّبُوْكَ فَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ ؕ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ {۴} فاطر

جواب ترجمہ: جو بھی کوئی رحمت اللہ انسانوں کے لیے کھول دے تو اس کو کوئی روکنے والا نہیں، اور جس کو وہ بند کر دے سو اس کے بعد اس کا کوئی جاری کرنے والا نہیں، اور وہ غالب ہے حکیم ہے۔ اے لوگو! اللہ کی نعمت کو یاد کرو جو تم پر ہے، کیا اللہ کے سوا کوئی پیدا کرنے والا ہے جو تمہیں آسمان و زمین سے رزق عطا فرماتا ہے، اس کے علاوہ کوئی معبود نہیں، سو تم کہاں الٹے جا رہے ہو۔ اور اگر وہ آپ کو جھٹلائیں تو آپ سے پہلے بہت سے پیغمبر جھٹلائے جا چکے ہیں، اور اللہ ہی کی طرف سب امور لوٹائے جائیں گے۔

خلاصہ تفسیر: ان آیاتِ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنی کامل قدرت، بے پایاں رحمت اور وحدانیت

کو نہایت واضح انداز میں بیان فرمایا ہے۔ ارشاد ہوا کہ

مَا يَفْتَحِ اللّٰهُ لِلنَّاسِ مِنْ رَّحْمَةٍ فَلَا مُمْسِكَ لَهَا: کائنات کے تمام خزانوں اور نعمتوں کی کنجیاں صرف اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہیں، وہ جس بندے کے لیے رزق، ہدایت، رحمت یا خوش حالی کے دروازے کھول دے، کوئی انہیں بند نہیں کر سکتا اور جس چیز کو روک لے، کوئی طاقت اسے جاری نہیں کر سکتی، اس لیے حقیقی کارساز، مشکل کشا اور حاجت روا صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے، کیونکہ وہی زبردست قوت والا اور کامل حکمت والا ہے۔ پھر تمام انسانوں کو مخاطب کر کے فرمایا گیا کہ

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ: اللہ تعالیٰ کی بے شمار نعمتوں کو یاد کرو اور غور کرو کہ آسمان سے بارش برسانے، زمین سے رزق اگانے اور زندگی کی ضروریات فراہم کرنے والا اللہ کے سوا کون ہے؟ جب خالق، رازق اور مالک صرف اللہ تعالیٰ ہے تو پھر اس کے سوا کسی اور کی عبادت کرنا یا اس کے ساتھ شریک ٹھہرانا کھلی گمراہی ہے۔ اس کے بعد رسولِ اکرم ﷺ کو تسلی دی گئی کہ

وَاِنْ يُّكَذِّبُوْكَ فَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ: اگر اہلِ مکہ آپ کی تکذیب کرتے ہیں تو یہ کوئی نئی بات نہیں، کیونکہ آپ سے پہلے بھی بہت سے انبیائے کرام علیہم السلام اپنی قوموں کی طرف سے جھٹلائے گئے، قومِ عاد، ثمود اور قومِ لوط جیسے طاقتور گروہوں نے بھی اپنے رسولوں کا انکار کیا، مگر آخر کار اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولوں اور اہلِ ایمان کو کامیابی عطا فرمائی اور منکرین کو تباہ کر دیا، اس میں نبی کریم ﷺ اور اہلِ ایمان کے لیے صبر و استقامت کی تلقین ہے کہ حق کا راستہ آزمائشوں سے خالی نہیں، لیکن انجامِ کار غلبہ ہمیشہ حق ہی کا ہوتا ہے۔

انسان کا ازلی دشمن شیطان

سوال اس آیت کریمہ کا ترجمہ و تفسیر کیجیے، نیز بتائیے کہ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَلَا يَغُرَّنَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ کا یہاں کیا مفہوم و مطلب ہے؟

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ۪ وَلَا يَغُرَّنَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ ﴿۵﴾ اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوْهُ عَدُوًّا ۭ اِنَّمَا يَدْعُوْا حِزْبَهٗ لِيَكُوْنُوْا مِنْ اَصْحٰبِ

السَّعِیْرِ {۵}فاطر

جواب ترجمہ: اے لوگو! بلاشبہ اللہ کا وعدہ حق ہے سو تمہیں ہرگز دنیا والی زندگی دھوکہ میں نہ ڈالے اور تمہیں اللہ کا نام لے کر دھوکہ باز ہرگز دھوکہ میں نہ ڈالے۔ بلاشبہ شیطان تمہارا دشمن ہے سو تم اسے اپنا دشمن سمجھتے رہو، وہ اپنے گروہ کو اسی لیے بلاتا ہے تاکہ وہ دوزخیوں میں سے ہو جائیں۔

خلاصہ تفسیر: تمام کاموں میں اللہ تعالیٰ جل شانہ کا وعدہ سچا ہے، جس جس بات کی اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ یہ کام یوں ہو گا وہ اسی طرح ہو گا، اللہ کا وعدہ قیامت کے بارے میں سچا ہے، جن لوگوں سے وعدہ کیا کہ وہ اس کی اطاعت کریں تو وہ ان کے کاموں کی کفایت کرے گا، ان کے معاملات کی سلامتی کا وعدہ سچ ہے، اطاعت گزاروں کے ساتھ جو یہ وعدہ کیا گیا کہ آخرت میں انہیں بزرگی سے نوازا جائے گا یہ سچ ہے، گناہ گاروں کے لیے جو یہ وعدہ کیا گیا کہ انہیں آخرت میں ندامت اور شرمندگی کا سامنا کرنے پڑے گا یہ حق ہے، جب بندہ کو یہ علم ہے تو پھر وہ موت کی تیاری کرے، وہ رزق کے لیے بہت لمبے چوڑے منصوبے نہ بنائے، اللہ تعالیٰ اس کی ضروریات کو پورا کرتے رہیں گے، بندے کو چاہیے کہ وہ زیادہ سے زیادہ اللہ تعالیٰ کے وعدوں کا یقین رکھتے ہوئے اطاعت و فرمانبرداری کی طرف دھیان دے، اس سلسلے میں وہ کسی ملامت گر کی ملامت کو دل میں نہ لائے۔

قیامت کا دن حق ہے وہ یقیناً آنے والا ہے وہ وعدہ اٹل ہے، وہاں کی نعمتوں کے بدلے یہاں کے فانی عیش پر الجھ نہ جاؤ، دنیا کی ظاہری عیش کہیں تمہیں وہاں کی حقیقی خوشی سے محروم نہ کر دے، اسی طرح شیطان مکار سے بھی ہوشیار رہنا، اس کے چلتے پھرتے جادو میں نہ پھنس جانا، اس کی جھوٹی اور چکنی چپڑی باتوں میں آکر اللہ اور رسول کے سچے کلام کو نہ چھوڑ بیٹھنا۔

سورۃ لقمان کے آخر میں بھی یہی فرمایا ہے، **غَرُور** یعنی دھوکے باز یہاں شیطان کو کہا گیا ہے، جب مسلمانوں اور منافقوں کے درمیان قیامت کے دن دیوار کھڑی کر دی جائے گی جس میں دروازہ ہو گا، جس کے اندرونی حصے میں رحمت ہو گی اور ظاہری حصے میں عذاب ہو گا اس وقت منافقین مومنین سے کہیں گے کہ کیا ہم تمہارے ساتھی نہ تھے؟ یہ جواب دیں گے کہ ہاں ساتھی تو تھے لیکن

تم نے تو اپنے تئیں فتنے میں ڈال دیا تھا اور سوچتے ہی رہے شک شبہ دور ہی نہ کیا خواہشوں کو پورا کرنے میں ڈوبے رہے۔ یہاں تک کہ اللہ کا حکم آپہنچا اور دھوکے باز شیطان نے تمہیں بہلاوے میں ہی رکھا۔

اس آیت میں بھی شیطان کو غَرُور کہا گیا ہے، پھر شیطانی دشمنی کو بیان کیا کہ وہ تو تمہیں مطلع کر کے تمہاری دشمنی اور بربادی کا بیڑا اٹھائے ہوئے ہے، پھر تم کیوں اس کی باتوں میں آجاتے ہو؟ اور اس کے دھوکے میں پھنس جاتے ہو؟ اس کی اور اس کی فوج کی تو عین تمنا ہے کہ وہ تمہیں بھی اپنے ساتھ گھسیٹ کر جہنم میں لے جائے۔

لَا يَغُرَّنَّكُم بِاللّٰهِ الغَرُورُ: غرور بفتح غین مبالغہ کا صیغہ ہے، جس کے معنٰی ہیں بہت دھوکہ دینے والا اور مراد اس سے شیطان ہے کہ اس کا کام ہی لوگوں کو دھوکہ میں ڈال کر کفر و معصیت میں مبتلا کرنا ہے۔

اور يَغُرَّنَّكُم بِاللّٰهِ یعنی وہ تمہیں اللہ کے معاملہ میں دھوکہ نہ دیدے، اس دھوکہ سے مطلب یہ ہے کہ شیطان برے کاموں کو اچھا ثابت کر کے تمہیں اس میں مبتلا نہ کر دے اور تمہارا حال یہ ہو جائے کہ گناہ کرتے رہو اور ساتھ ہی یہ سمجھتے رہو کہ ہم اللہ کے نزدیک مقبول ہیں ہمیں عذاب نہیں ہو گا۔ (قرطبی)

دنیا کی شہوات، دنیا کی لذتیں، دنیا کے تقاضے اور مطالبات انسان کو دھوکے میں نہ ڈالیں اور شیطان جو انسان کا ازلی دشمن ہے وہ بھی اپنے داؤ پیچ سے انسان کو ورغلا کر کہیں تباہی کے راستے پر نہ ڈال دے، اس لیے دونوں کے دھوکے سے بچنے کی ضرورت ہے۔

اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوْهُ عَدُوًّا: اس آیتِ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنے سب سے بڑے اور قدیم دشمن یعنی شیطان، سے خبردار فرمایا ہے۔ ارشاد ہوا کہ شیطان تمہارا کھلا اور دائمی دشمن ہے، اس لیے تم بھی اسے اپنا دشمن سمجھو اور اس کے دھوکوں، وسوسوں اور گمراہ کن دعوتوں سے ہمیشہ بچتے رہو، شیطان کی پوری کوشش یہی ہوتی ہے کہ انسان کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے ہٹا کر کفر، گناہ، نافرمانی اور اخلاقی تباہی کے راستے پر ڈال دے، تاکہ وہ بھی اس کے ساتھ جہنم کا ایندھن بن جائے۔

اس آیت میں اہلِ ایمان کو ایک عظیم فکری اور روحانی حقیقت کی طرف متوجہ کیا گیا ہے کہ

شیطان کی دشمنی محض ظاہری نہیں بلکہ اعتقادی، اخلاقی اور عملی ہر میدان میں ہے، وہ کبھی خواہشاتِ نفس کے ذریعے، کبھی دنیا کی محبت کے ذریعے اور کبھی گناہوں کو مزین کرکے انسان کو دھوکہ دیتا ہے، لہٰذا مؤمن کا فرض ہے کہ وہ قرآن و سنت کی پیروی، ذکرِ الٰہی، تقویٰ اور استقامت کے ذریعے شیطان کے حملوں کا مقابلہ کرے، کیونکہ جو شخص شیطان کی پیروی اختیار کرتا ہے اس کا انجام آخر کار جہنم کی دہکتی ہوئی آگ ہے۔

اہل کفر کا انجام، اہل ایمان کے لیے بشارت

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

اَلَّذِیْنَ كَفَرُوْا لَهُمْ عَذَابٌ شَدِیْدٌ ؕ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ كَبِیْرٌ {۷} اَفَمَنْ زُیِّنَ لَهٗ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ فَرَاٰهُ حَسَنًا ؕ فَاِنَّ اللّٰهَ یُضِلُّ مَنْ یَّشَآءُ وَیَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ ۫ فَلَا تَذْهَبْ نَفْسُكَ عَلَیْهِمْ حَسَرٰتٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِیْمٌۢ بِمَا یَصْنَعُوْنَ {۸} فاطر

جواب ترجمہ: جن لوگوں نے کفر کیا ان کے لیے سخت عذاب ہے اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کیے ان کے لیے مغفرت ہے اور اجر کبیر ہے۔ سو کیا جس شخص کے لیے اس کا عمل بد اچھا کرکے رکھ دیا گیا ہو سو اس نے اس کو اچھا سمجھا ہو سو بیشک اللہ گمراہ فرماتا ہے جس کو چاہتا ہے اور ہدایت دیتا ہے جس کو چاہتا ہے سو ان پر حسرتیں کرنے کی وجہ سے آپ کی جان نہ جاتی رہے، بلاشبہ جو کام یہ لوگ کرتے ہیں اللہ خوب جانتا ہے۔

خلاصہ تفسیر: ان آیاتِ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے دو مختلف راستوں اور ان کے انجام کو نہایت واضح انداز میں بیان فرمایا ہے، جو لوگ شیطان کی پیروی کرتے ہوئے کفر و نافرمانی کا راستہ اختیار کرتے ہیں، ان کے لیے سخت عذاب ہے، کیونکہ انہوں نے حق کو چھوڑ کر باطل کو اپنایا، اس کے برعکس جو لوگ اللہ تعالیٰ پر ایمان لاتے، نیک اعمال اختیار کرتے اور اپنی زندگی کو اطاعتِ الٰہی کے مطابق ڈھالتے ہیں، ان کے لیے اللہ تعالیٰ کی مغفرت، رحمت اور عظیم اجر یعنی جنت کی دائمی نعمتیں ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ اصل کامیابی ایمان اور عملِ صالح میں ہے، نہ کہ دنیاوی فخر و غرور میں۔

یہاں اللہ تعالیٰ نے اس شخص کی حالت بیان فرمائی جس کے برے اعمال شیطان نے اس کے سامنے مزین کر دیے ہوں، یہاں تک کہ وہ اپنی گمراہی کو بھی ہدایت سمجھنے لگے، ایسا شخص اس انسان کے برابر نہیں ہو سکتا جس کے دل میں اللہ تعالیٰ نے حق کی روشنی پیدا کر دی ہو اور جو حق کو حق سمجھ کر قبول کر لے، ہدایت اور گمراہی اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے، وہ اپنی حکمت کے مطابق جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے اس کے حال پر چھوڑ دیتا ہے، اسی لیے نبی کریم ﷺ کو تسلی دی گئی کہ منکرین کی ضد اور گمراہی پر زیادہ غمگین نہ ہوں، کیونکہ اللہ تعالیٰ ان کے تمام اعمال سے خوب واقف ہے اور وہی ان کے انجام کا فیصلہ فرمائے گا۔

موت کے بعد زندگی

سوال آیت کریمہ کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

وَاللّٰهُ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ الرِّيٰحَ فَتُثِيْرُ سَحَابًا فَسُقْنٰهُ اِلٰى بَلَدٍ مَّيِّتٍ فَاَحْيَيْنَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ۭ كَذٰلِكَ النُّشُوْرُ ۝{۹}فاطر

جواب ترجمہ: اور اللہ وہ ہے جس نے ہواؤں کو بھیج دیا جو اٹھاتی ہیں بادل کو پھر ہم نے اسے ایسے قطعہ زمین کی طرف ہانک دیا جو خشک تھا پھر ہم نے اس کے ذریعہ زمین کو زندہ کر دیا اس کی موت کے بعد اسی طرح جی اٹھنا ہو گا۔

خلاصہ تفسیر: علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ قرآن کریم میں موت کے بعد کی زندگی پر عموماً خشک زمین کے ہرا ہونے سے استدلال کیا گیا ہے، بندوں کے لئے اس میں پوری عبرت اور مردوں کے زندہ ہونے کی پوری دلیل اس میں موجود ہے کہ زمین بالکل سوکھی پڑی ہے، کوئی تروتازگی اس میں نظر نہیں آتی لیکن بادل اٹھتے ہیں، پانی برستا ہے کہ اس کی خشکی تازگی سے اور اس کی موت زندگی سے بدل جاتی ہے، یا تو ایک تنکا نظر نہ آتا تھا یا کوسوں تک ہریالی ہی ہریالی ہو جاتی ہے۔

اسی طرح بنو آدم کے اجزاء قبروں میں بکھرے پڑے ہوں گے ایک سے ایک الگ ہو گا۔ لیکن عرش کے نیچے سے پانی برستے ہی تمام جسم قبروں میں سے اگنے لگیں گے۔ جیسے زمین سے دانے الگ

آتے ہیں۔ چنانچہ صحیح حدیث میں ہے کہ كُلُّ ابْنِ آدَمَ يَبْلَى إِلَّا عَجْبَ الذَّنَبِ، مِنْهُ خُلِقَ وَمِنْهُ يُرَكَّبُ ابن آدم تمام کا تمام گل سڑ جاتا ہے لیکن ریڑھ کی ہڈی نہیں سڑتی اسی سے پیدا کیا گیا ہے اور اس سے ترکیب دیا جائے گا، یہاں بھی نشان بتا کر فرمایا کہ اسی طرح موت کے بعد کی زندگی ہے۔

ابو رزین رضی اللہ عنہ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ يَا رَسُولَ اللهِ كَيْفَ يُحْيِي اللهُ الْمَوْتَى؟ وَمَا آيَةُ ذٰلِكَ فِي خَلْقِهِ؟ قَالَ: يَا أَبَا رَزِينٍ، أَمَا مَرَرْتَ بِوَادِي قَوْمِكَ مُحْلًا ثُمَّ مَرَرْتَ بِهِ يَهْتَزُّ خَضِرًا؟ قُلْتُ: بَلٰى قَالَ: فَكَذٰلِكَ يُحْيِي اللهُ الْمَوْتَى

یارسول اللہ! اللہ تعالیٰ مردوں کو کس طرح زندہ کرے گا؟ اور اس کی مخلوق میں اس بات کی کیا دلیل ہے؟ آپ نے فرمایا، اے ابو رزین! کیا تم اپنی بستی کے آس پاس کی زمین کے پاس سے اس حالت میں نہیں گذرے کہ وہ خشک بنجر پڑی ہوئی ہوتی ہے۔ پھر دوبارہ تم گذرتے ہو تو دیکھتے ہو کہ وہ سبزہ زار بنی ہوئی ہے اور تازگی کے ساتھ لہرا رہی ہے۔ حضرت ابو زرین نے جواب دیا ہاں یارسول اللہ، یہ تو اکثر دیکھنے میں آیا ہے۔ آپ نے فرمایا بس اسی طرح اللہ تعالیٰ مردوں کو زندہ کر دے گا۔

مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ اللہ وہ ذات ہے کہ جو ہواؤں کو بھیجتا ہے یعنی وہ ہواؤں کو حکم دیتا ہے پس وہ فوراً رواں ہو جاتی ہیں، پھر وہ بادل کو اٹھاتی اور ہنکاتی ہیں اور پھر جہاں حکم الٰہی ہوتا ہے وہاں اس کو پہنچاتی ہیں پھر ہم اس ابر کو ہنکا کر ایک مردہ زمین کی طرف لے جاتے ہیں پھر اس کے پانی سے زمین کو زندہ کرتے ہیں بعد اس کے مردہ اور افسردہ ہونے کے اور وہ مردہ زمین سرسبز ہو کر لہلہانے لگتی ہے، اسی طرح قیامت کے دن قبروں سے مردوں کا زندہ ہو کر جی اٹھنا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ بعث اور نشور کا ارادہ فرمائے گا تو عرش کے نیچے سے ایک بارش نازل کرے گا جو تمام زمین پر برسے گی اور تمام مردہ جسم اپنی قبروں سے اگ اٹھیں گے جس طرح دانہ زمین سے اگتا ہے پس اس طرح اللہ تعالیٰ بعث اور نشور کا ارادہ فرمائے گا تو عرش کے نیچے سے ایک بارش نازل کرے گا جو تمام زمین پر برسے گی اور تمام مردہ جسم اپنی قبروں سے اگ اٹھیں گے جس طرح دانہ زمین سے اگتا ہے پس اس طرح اللہ تعالیٰ مردوں کو زندہ کرے گا اس کی قدرت کے لحاظ سے یہ اور وہ سب برابر ہیں

اجزا اور سحاب کو اور اجزاء اور اعضا کو جمع کرنا اس کے نزدیک یکساں ہے پس جس طرح زمین پانی سے زندہ ہوتی ہے اسی طرح قیامت کے دن بھی مردے ایک بارش کے پانی سے زندہ ہوں گے۔(معارف القرآن)

ذکر الٰہی کی رفعت اور تخلیق انسان کے اسرار

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعِزَّةَ فَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ جَمِيْعًا ؕ اِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهٗ ؕ وَالَّذِيْنَ يَمْكُرُوْنَ السَّيِّاٰتِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ؕ وَمَكْرُ اُولٰٓئِكَ هُوَ يَبُوْرُ {۱۰} وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ جَعَلَكُمْ اَزْوَاجًا ؕ وَمَا تَحْمِلُ مِنْ اُنْثٰى وَلَا تَضَعُ اِلَّا بِعِلْمِهٖ ؕ وَمَا يُعَمَّرُ مِنْ مُّعَمَّرٍ وَّلَا يُنْقَصُ مِنْ عُمُرِهٖۤ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ ؕ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ {۱۱} وَمَا يَسْتَوِي الْبَحْرٰنِ ۖ هٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ سَآئِغٌ شَرَابُهٗ وَهٰذَا مِلْحٌ اُجَاجٌ ؕ وَمِنْ كُلٍّ تَاْكُلُوْنَ لَحْمًا طَرِيًّا وَّتَسْتَخْرِجُوْنَ حِلْيَةً تَلْبَسُوْنَهَا ۚ وَتَرَى الْفُلْكَ فِيْهِ مَوَاخِرَ لِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ {۱۲} فاطر

جواب ترجمہ: جو شخص عزت حاصل کرنا چاہے تو ساری عزت اللہ ہی کے لیے ہے، اچھے کلمات اس کی طرف پہنچتے ہیں اور نیک عمل انہیں بلند کر دیتا ہے، اور جو لوگ بری تدبیریں کرتے ہیں ان کے لیے سخت عذاب ہے اور ان کی تدبیر برباد ہو گئی۔ اور اللہ نے تم کو مٹی سے پیدا فرمایا پھر نطفہ سے پھر اس نے تمہیں جوڑے جوڑے بنایا، اور جس کسی عورت کو حمل رہ جاتا ہے اور جو کوئی عورت جنتی ہے تو یہ سب اس کے علم میں ہوتا ہے، اور جس کسی عمر والے کی عمر زیادہ کی جاتی ہے اور جس کی عمر کم کر دی جاتی ہے وہ سب کتاب میں ہے، بلاشبہ یہ اللہ پر آسان ہے۔ اور دو سمندر برابر نہیں، یہ میٹھا ہے پیاس بجھانے والا آسان ہے اس کا پینا، اور یہ شور ہے کڑوا، اور ہر ایک میں سے تم تازہ گوشت کھاتے ہو، اور نکالتے ہو زیور جسے تم پہنتے ہو۔ اور اے مخاطب تو کشتیوں کو دیکھتا ہے کہ وہ پانی کو پھاڑتی ہوئی چلی جاتی ہیں تاکہ تم اس کے فضل سے تلاش کرو اور تاکہ تم شکر ادا کرو۔

خلاصہ تفسیر: ان آیاتِ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے عزت، تخلیقِ انسان اور کائنات کی نشانیوں کے

ذریعے اپنی قدرتِ کاملہ اور حکمتِ بالغہ کو نہایت مؤثر انداز میں بیان فرمایا ہے، ارشاد ہوا کہ

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعِزَّةَ فَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ جَمِيْعًا: جو شخص دنیا یا آخرت میں حقیقی عزت چاہتا ہے، اسے معلوم ہونا چاہیے کہ عزت کا اصل سرچشمہ صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے، دنیاوی قوت، دولت، اقتدار یا شہرت انسان کو دائمی عزت نہیں دے سکتے، کیونکہ حقیقی سربلندی ایمان، ذکرِ الٰہی اور اعمالِ صالحہ سے حاصل ہوتی ہے۔ اسی لیے فرمایا کہ

اِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهٗ: پاکیزہ کلمات اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں بلند ہوتے ہیں اور نیک اعمال ان کی قبولیت کا ذریعہ بنتے ہیں، جبکہ باطل سازشیں، ظلم اور حق کے خلاف مکر آخرکار ناکام ہو کر رہتے ہیں، یہ حقیقت عصرِ حاضر میں بھی پوری طرح نمایاں ہے، جہاں مادی طاقت اور میڈیا کی قوت رکھنے والی قومیں بھی اخلاقی زوال، اضطراب اور بے سکونی کا شکار ہیں، جبکہ تاریخ گواہ ہے کہ حق، سچائی اور کردار کی طاقت دیرپا اثرات چھوڑتی ہے۔

وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ جَعَلَكُمْ اَزْوَاجًا: یہاں اللہ تعالیٰ نے انسان کی تخلیق کے مراحل بیان کر کے اپنی قدرت کی عظیم نشانیوں کی طرف توجہ دلائی، انسان کی ابتدا مٹی سے ہوئی، پھر نطفے سے اس کی پیدائش کا سلسلہ جاری ہوا اور مرد و عورت کی شکل میں انسانی معاشرہ وجود میں آیا، ہر حمل، ہر ولادت اور ہر انسان کی عمر اللہ تعالیٰ کے علم اور تقدیر کے تابع ہے، اس میں کوئی چیز اس سے مخفی نہیں، جدید سائنسی تحقیقات بھی اس حقیقت کو مزید واضح کرتی ہیں کہ انسانی وجود نہایت پیچیدہ اور حیرت انگیز نظام کے تحت تشکیل پاتا ہے، جس کا مکمل علم اور کنٹرول صرف خالقِ کائنات ہی کے پاس ہے۔

وَمَا يَسْتَوِي الْبَحْرٰنِ هٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ سَآئِغٌ شَرَابُهٗ: یہاں میٹھے اور کھارے سمندروں کی مثال دے کر بتایا گیا کہ قدرتِ الٰہی نے مختلف النوع نظاموں میں بھی انسان کے لیے بے شمار فوائد رکھے ہیں، انہی سمندروں سے غذا، موتی، مرجان اور تجارت کے وسائل حاصل ہوتے ہیں اور کشتیاں ان کے سینے کو چیرتی ہوئی انسان کی معاشی زندگی کو رواں رکھتی ہیں، یہ تمام نعمتیں انسان کو شکر گزاری،

توحید اور اللہ تعالیٰ کی عظمت کے اعتراف کی دعوت دیتی ہیں۔

اللہ کی قدرت کاملہ، غیر اللہ کی بے بسی

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

يُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ ۙ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ۭ كُلٌّ يَّجْرِيْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى ۭ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ ۭ وَالَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ مَا يَمْلِكُوْنَ مِنْ قِطْمِيْرٍ {۱۳} اِنْ تَدْعُوْهُمْ لَا يَسْمَعُوْا دُعَاۗءَكُمْ ۚ وَلَوْ سَمِعُوْا مَا اسْتَجَابُوْا لَكُمْ ۭ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكْفُرُوْنَ بِشِرْكِكُمْ ۭ وَلَا يُنَبِّئُكَ مِثْلُ خَبِيْرٍ {۱۴} فاطر

جواب ترجمہ: وہ رات کو دن میں داخل کرتا ہے اور دن کو رات میں، اور اس نے سورج کو اور چاند کو مسخر فرمایا۔ ہر ایک مقررہ وقت کے لیے چلتا ہے۔ یہ اللہ رب ہے تمہارا، اسی کا ملک ہے، اور اس کے سوا تم جن لوگوں کو پکارتے ہو وہ کھجور کی گٹھلی کے چھلکے کے برابر بھی اختیار نہیں رکھتے۔ اگر تم ان کو پکارو تو تمہاری پکار نہیں سنیں گے اور اگر وہ سن لیں تو تمہاری بات نہ مانیں گے اور قیامت کے دن وہ تمہارے شرک سے منکر ہو جائیں گے اور خبر رکھنے والے کے برابر تجھے کوئی نہیں بتا سکتا۔

خلاصہ تفسیر: اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کاملہ کا بیان فرما رہا ہے کہ اس نے رات کو اندھیرے والی اور دن کو روشنی والا بنایا ہے، کبھی کی راتیں بڑی کبھی کے دن بڑے، کبھی دونوں یکساں، کبھی جاڑے ہیں کبھی گرمیاں ہیں، اسی نے سورج اور چاند کو تھمے ہوئے اور چلتے پھرتے ستاروں کو مطیع کر رکھا ہے، مقدار معین پر اللہ کی طرف سے مقرر شدہ چال پر چلتے رہتے ہیں، پوری قدرتوں والے اور کامل علم والے اللہ نے یہ نظام قائم کر رکھا ہے جو برابر چل رہا ہے اور وقت مقررہ یعنی قیامت تک یونہی جاری رہے گا، جس اللہ نے یہ سب کیا ہے وہی دراصل لائق عبادت ہے اور وہی سب کا پالنے والا ہے، اس کے سوا کوئی بھی لائق عبادت نہیں۔

وَالَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ مَا يَمْلِكُوْنَ مِنْ قِطْمِيْرٍ: جن بتوں کو اور اللہ کے سوا جن جن کو لوگ پکارتے ہیں خواہ وہ فرشتے ہی کیوں نہ ہوں اور اللہ کے پاس بڑے درجے رکھنے والے ہی کیوں نہ

ہوں لیکن سب کے سب اس کے سامنے محض مجبور اور بالکل بے بس ہیں، کھجور کی گٹھلی کے اوپر کے باریک چھلکے جیسی چیز کا بھی انہیں اختیار نہیں، آسمان وزمین کی حقیر سے حقیر چیز کے بھی وہ مالک نہیں، قِطمِیر کا مطلب ہے وہ باریک چھلکا جو سفید رنگ کا ہوتا ہے جو گٹھلی کے اوپر ہوتا ہے۔

اِنْ تَدْعُوْهُمْ لَا يَسْمَعُوْا دُعَآءَكُمْ: جن لوگوں کی اللہ تعالیٰ کے علاوہ تم عبادت کرتے ہو ان کی بے بسی اور عاجزی کا یہ حال ہے کہ اگر تم ان کو پکارو تو وہ تمہاری پکار سن بھی نہ سکیں گے۔

وَلَوْ سَمِعُوْا مَا اسْتَجَابُوْا لَكُمْ: اور اگر بالفرض تمہاری بات سن بھی لیں تو تمہاری بات نہ مانیں یعنی تمہاری پکار تمہارے کچھ بھی کام نہ آئی، نہ جواب میں ہاں کہیں نہ اسی وقت کوئی مدد کر سکیں نہ بعد میں (یہ تو رہی دنیا کی حالت اور) رہا آخرت کا معاملہ سو سمجھ لو کہ تم نے جو ان کی مدد کا خیال جما رکھا ہے یہ خیال غلط ہے، وہ تو وہاں تم سے بیزار ہو جائیں گے اور تم جو انہیں اللہ کا شریک بناتے ہو اس کے وہ منکر ہو جائیں گے، اسی کو یہاں فرمایا

وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكْفُرُوْنَ بِشِرْكِكُمْ: اور قیامت کے دن وہ تمہارے شرک سے منکر ہو جائیں گے، سورۃ النحل میں فرمایا ہے وَاِذَا رَاَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا شُرَكَآءَهُمْ قَالُوْا رَبَّنَا هٰٓؤُلَآءِ شُرَكَآؤُنَا الَّذِيْنَ كُنَّا نَدْعُوْا مِنْ دُوْنِكَ فَاَلْقَوْا اِلَيْهِمُ الْقَوْلَ اِنَّكُمْ لَكٰذِبُوْنَ اور جب مشرک لوگ اپنے شریکوں کو دیکھیں گے تو کہیں گے کہ اے ہمارے پروردگار! یہ ہمارے شریک ہیں، آپ کو چھوڑ کر ہم ان کی پوجا کرتے ہیں سو وہ ان کی طرف کلام کو متوجہ کریں گے کہ تم جھوٹے ہو۔ (انوار البیان)

وَلَا يُنَبِّئُكَ مِثْلُ خَبِيْرٍ: اور اے مخاطب تجھے خبر رکھنے والے کے برابر کوئی نہیں بتائے گا، علیم وخبیر جل مجدہٗ نے تجھے بتایا ہے جسے سب کچھ علم ہے اس نے جو کچھ بتایا ہے اس کو مان لے اسی میں تیرا بھلا ہے۔

فقر انسان، غنائے الٰہی اور قوموں کا عروج وزوال

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ اِلَى اللّٰهِ ۚ وَاللّٰهُ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ {۱۵} اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ وَيَاْتِ بِخَلْقٍ جَدِيْدٍ {۱۶} وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ {۱۷} فاطر

جواب ترجمہ: اے لوگو! تم سب اللہ کے محتاج ہو اور اللہ غنی ہے تعریف کا مستحق ہے۔ اگر وہ چاہے تو تمہیں ختم کر دے اور نئی مخلوق پیدا فرمادے۔ اور یہ اللہ پر کچھ مشکل نہیں۔

خلاصہ تفسیر: ان آیاتِ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے انسان کو اس کی حقیقی حیثیت یاد دلائی ہے کہ تمام انسان ہر لمحہ اللہ تعالیٰ کے محتاج ہیں، انسان کی زندگی، صحت، رزق، علم، قوت اور ہر نعمت اللہ تعالیٰ کی عطا سے وابستہ ہے، جبکہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات، صفات اور قدرت میں بالکل بے نیاز ہے، اسے نہ کسی مخلوق کی عبادت کی ضرورت ہے اور نہ کسی کے تعاون کی، وہ دنیا و آخرت میں ہر تعریف کا مستحق ہے، کیونکہ کائنات کا ہر نظام اسی کی حکمت اور رحمت کے تحت چل رہا ہے، یہ آیات انسان کے غرور، خود اعتمادیِ باطل اور مادّی تکبر کو توڑتی ہیں اور اسے بندگی، عاجزی اور شکر گزاری کی طرف بلاتی ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرتِ کاملہ کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا کہ

اِنْ یَّشَاْ یُذْهِبْكُمْ وَیَاْتِ بِخَلْقٍ جَدِیْدٍ: اگر وہ چاہے تو تمام انسانوں کو فنا کر کے ان کی جگہ نئی مخلوق پیدا کر دے جو خالص اسی کی عبادت کرے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائے، انسان کی ہلاکت اور نئی مخلوق کی تخلیق اللہ تعالیٰ کے لیے ہرگز مشکل نہیں، کیونکہ پوری کائنات اسی کے حکم کی تابع ہے، اس میں انسان کے لیے ایک عظیم تنبیہ بھی ہے کہ وہ اپنی قوت، تعداد، تہذیب یا ترقی پر مغرور نہ ہو، کیونکہ قوموں کا عروج وزوال اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔

تاریخ میں بے شمار طاقتور قومیں آئیں، ترقی کے بلند دعوے کیے، مگر جب انہوں نے سرکشی اور نافرمانی اختیار کی تو اللہ تعالیٰ نے انہیں مٹا دیا اور ان کی جگہ نئی قوموں کو اٹھا دیا، لہٰذا حقیقی کامیابی اسی میں ہے کہ انسان اپنی محتاجی کو پہچان کر اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور بندگی اختیار کرے۔

اہل ایمان اور اہل کفر کا موازنہ

سوال ان آیات مبارکہ کی تفسیر کیجیے

وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی ؕ وَاِنْ تَدْعُ مُثْقَلَةٌ اِلٰی حِمْلِهَا لَا یُحْمَلْ مِنْهُ شَیْءٌ وَّلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰی ؕ اِنَّمَا تُنْذِرُ الَّذِیْنَ یَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَیْبِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ ؕ وَمَنْ تَزَكّٰی فَاِنَّمَا یَتَزَكّٰی

لِنَفْسِهٖ ۚ وَاِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ {۱۸} وَمَا يَسْتَوِى الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ {۱۹} وَلَا الظُّلُمٰتُ وَلَا النُّوْرُ {۲۰} وَلَا الظِّلُّ وَلَا الْحَرُوْرُ {۲۱} وَمَا يَسْتَوِى الْاَحْيَآءُ وَلَا الْاَمْوَاتُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُسْمِعُ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَمَآ اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِي الْقُبُوْرِ {۲۲} اِنْ اَنْتَ اِلَّا نَذِيْرٌ {۲۳} فاطر

جواب ترجمہ: اور کوئی بوجھ اٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا اور اگر کوئی بوجھ والا اپنا بوجھ اٹھانے کے لیے بلائے گا تو اس میں سے کچھ بھی نہیں اٹھایا جائے گا اگرچہ قرابت دار ہی ہو، آپ صرف انہی لوگوں کو ڈراتے ہیں جو بن دیکھے اپنے رب سے ڈرتے ہیں اور انہوں نے نماز قائم کی، اور جو شخص پاکیزہ بنا تو وہ اپنی جان کے لیے پاکیزگی اختیار کرتا ہے، اور اللہ ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ اور نابینا اور دیکھنے والا برابر نہیں۔ اور نہ اندھیرے اور روشنی برابر ہے۔ اور نہ سایہ اور دھوپ برابر ہے۔ اور نہ زندہ اور مردہ برابر ہیں۔ بلاشبہ اللہ جسے چاہتا ہے سنوا دیتا ہے، اور آپ ان لوگوں کو سنانے والے نہیں جو قبروں میں ہیں۔ آپ صرف ڈرانے والے ہیں۔

خلاصہ تفسیر: جب قیامت قائم ہو جائے گی تو کوئی انسان کسی دوسرے کے گناہ نہیں اٹھا سکے گا، اگر کوئی خطاؤں کی پوٹلیاں اٹھائے ہوئے کسی دوسرے سے فریاد کرے گا کہ وہ اس کے گناہ کے بوجھ اور پوٹلیاں اٹھالے تو کوئی شخص کسی کو نہ پائے گا جو اس کا بوجھ اٹھائے، اگرچہ وہ اپنے قریبی رشتہ داروں کو آواز دے، اپنی لخت جگر اولاد کو بلائے، اپنے پیارے ابا جان کو دعوت دے، اپنی امی جان سے فریاد کرے، اپنے حقیقی بھائی سے کہے یا اور قریبی رشتہ داروں کو بلائے مگر کوئی بھی ان میں سے اس ہولناک اور پریشان کن وقت میں انسان کے کام نہیں آئے گا۔

سورۃ عبس میں اللہ تعالیٰ نے واضح طور پر فرمایا کہ قیامت کا دن ہو گا، جب آدمی اپنے بھائی سے بھاگے گا، اپنی ماں سے بھاگے گا، اپنے والد سے بھاگے گا، اپنی بیوی سے بھاگے گا، اپنی اولاد سے بھاگے گا، اس دن سب کو اپنی اپنی پڑی ہو گی، کوئی کسی کا پرسان حال نہیں ہو گا۔

روایات میں آتا ہے کہ ہر خاوند اور بیوی اپنے اپنے بوجھ کی فکر میں ہوں گے۔ خاوند اپنی بیوی سے کہے گا کہ دیکھ میں نے دنیا میں تیرے ساتھ کتنا اچھا سلوک کیا تمہاری تمام فرمائشیں پوری کیں،

اور تمہیں کسی چیز کی کمی نہیں آنے دی، آپ اپنی نیکیوں میں سے ایک نیکی مجھے دے دو وہ کہے گی، کہ میں خود اس معاملہ میں فکر مند ہوں تجھے کیسے دے دوں؟ پتہ نہیں میرے ساتھ کیا معاملہ پیش آنے والا ہے، اس طرح ماں اپنے بیٹے سے کہے گی بیٹا! میرا پیٹ تیرے لئے ظرف تھا جس میں تجھے نو ماہ تک اٹھائے پھری، پھر میری چھاتی تیرے لئے مشکیزہ بنی ہوئی تھی تم جب چاہتے تھے سیراب ہوتے تھے۔ میری گود تیرے لئے بطور گہوارہ تھی جس میں تم آرام کرتے تھے، اب میری مدد کرو اور ایک نیکی مجھے دے دو، بیٹا ماں کے تمام احسانات کو تسلیم کرے گا مگر کہے گا کہ میں تو نیکیوں کے معاملہ میں خود پریشان ہوں نامعلوم میرے ساتھ معاملہ پیش آنے والا ہے لہٰذا میں خود مجبور ہوں غرضیکہ قریبی رشتہ دار بھی ایک دوسرے کے لئے اجنبی بن جائیں گے۔ (معارف الفرقان للقاسمی)

اللہ تعالیٰ اپنے حبیب نبی کریم ﷺ سے فرمارہے ہیں کہ آپ ان لوگوں کو ڈرارہے ہیں جو اپنے رب کے بن دیکھے عذاب سے ڈرتے ہیں، نماز قائم کرتے ہیں، جس طرح اسے قائم کرنے کا حق ہے، اور جو شخص شرک اور دیگر گناہوں کے کاموں سے اپنے آپ کو پاک صاف رکھے گا وہ اپنے لیے ہی ایسا کرے گا، وہ اپنے لیے ہی پاکیزگی اختیار کرے گا، انجام کار ان سب لوگوں کو، ان سب مخلوقات کو اپنے رب کی طرف لوٹنا ہے، وہ ان سب کو وہ وہ جزا اور وہ وہ بدلہ دے گا جس کا وہ مستحق ہو گا۔

پھر اللہ تعالیٰ فرمارہے ہیں کہ جو لوگ اللہ کے دین سے اندھے بنے وہ اور راہ حق کو دیکھنے والے، راہ حق کو دیکھ کر اس کی اتباع کرنے والے، کفر کے اندھیرے اور ظلمات اور ایمان وایقان کی روشنی اور نور برابر نہیں ہیں، اپنے دلوں کو ایمان کے آب حیات سے زندہ رکھنے والے اور کفر کے ذریعے اپنے دلوں کو مردہ رکھنے والے برابر نہیں ہوسکتے۔

پھر اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اللہ جسے چاہتا ہے وہ ایسا سناتا ہے جو انسانوں کو سمجھ بھی آتا ہے، ایسا سناتا ہے جو قبول بھی کرلیا جاتا ہے، لیکن اللہ کے علاوہ زندوں کو سمجھنے اور قبول کرنے والا بھی کوئی نہیں سنا سکتا اور جو قبروں میں جا پہنچے انہیں بھی کوئی نہیں سنا سکتا، قبروں میں جو جا پہنچے ان کی روحیں جب ان کے قفس عنصری سے پرواز کر گئیں تو وہ مردے ہوگئے، مردے کب سنتے ہیں، اسی طرح

کافر جو ہیں ان کے دل مردے ہو گئے ہیں، یہ دلوں کے مردہ ہو جانے کی وجہ سے نہیں سن سکتے، اس لیے آپ ان کو اللہ کے غضب اور اللہ کے عذاب سے ڈراتے رہیں۔

علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ ان آیات کے ذیل میں لکھتے ہیں کہ مومن و کفار برابر نہیں۔ جس طرح اندھا اور دیکھتا، اندھیرا اور روشنی، سایہ اور دھوپ، زندہ اور مردہ برابر نہیں، جس طرح ان چیزوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے اسی طرح ایمان دار اور بے ایمان میں بھی بے انتہا فرق ہے۔ مومن آنکھوں والے اجالے، سائے اور زندہ کی مانند ہے۔ برخلاف اس کے کافر اندھے اندھیرے اور بھرپور لو والی گرمی کی مانند ہے۔ جیسے فرمایا

اَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنٰهُ وَجَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا يَّمْشِيْ بِهٖ فِي النَّاسِ كَمَنْ مَّثَلُهٗ فِي الظُّلُمٰتِ لَيْسَ بِخَارِجٍ مِّنْهَا كَذٰلِكَ زُيِّنَ لِلْكٰفِرِيْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ (الانعام: ۱۲۲)

یعنی جو مردہ تھا پھر اسے ہم نے زندہ کر دیا اور اسے نور دیا جسے لئے ہوئے لوگوں میں چل پھر رہا ہے ایسا شخص اور وہ شخص جو اندھیروں میں گھرا ہوا ہے جن سے نکل ہی نہیں سکتا کیا یہ دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟

دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا

مَثَلُ الْفَرِيْقَيْنِ كَالْاَعْمٰى وَالْاَصَمِّ وَالْبَصِيْرِ وَالسَّمِيْعِ هَلْ يَسْتَوِيٰنِ مَثَلًا اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ (هود: ۲۴) یعنی ان دونوں جماعتوں کی مثال اندھے بہرے اور دیکھنے اور سننے والوں کی سی ہے، مومن تو آنکھوں اور کانوں والا اجالے اور نور والا ہے پھر راہ مستقیم پر ہے، جو صحیح طور پر سایوں اور نہروں والی جنت میں پہنچے گا اور اس کے برعکس کافر اندھا بہرا اور اندھیروں میں پھنسا ہوا ہے جن سے نکل ہی نہ سکے گا اور ٹھیک جہنم میں پہنچے گا، جو تند و تیز حرارت اور گرمی والی آگ کا مخزن ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ يُسْمِعُ مَنْ يَّشَآءُ وَمَآ اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِي الْقُبُوْرِ: اللہ جسے چاہے سنا دے یعنی اس طرح سننے کی توفیق دے کہ دل سن کر قبول بھی کرتا جائے، تو قبر والوں کو نہیں سنا سکتا، یعنی جس طرح کوئی مرنے کے بعد قبر میں دفنا دیا جائے تو اسے پکارنا بے سود ہے، اسی طرح کفار ہیں کہ ہدایت و دعوت ان کے لئے بیکار ہے، اسی طرح ان مشرکوں پر بد بختی چھا گئی ہے اور ان کی ہدایت کی کوئی صورت باقی

نہیں رہی تو انہیں کسی طرح ہدایت پر نہیں لا سکتا تو صرف آگاہ کر دینے والا ہے، تیرے ذمے صرف تبلیغ ہے، ہدایت وضلالت من جانب اللہ ہے۔ (ابن کثیر)

پیغام انبیاء علیہم السلام اور سرکشی کی ہلاکت خیز داستان

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا ۚ وَاِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ {۲۴} وَاِنْ يُّكَذِّبُوْكَ فَقَدْ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ جَاۗءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ وَبِالزُّبُرِ وَبِالْكِتٰبِ الْمُنِيْرِ {۲۵} ثُمَّ اَخَذْتُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۡ فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرِ {۲۶} فاطر

جواب ترجمہ: بیشک ہم نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے بشیر اور نذیر بنا کر، اور کوئی بھی امت ایسی نہیں ہے جس میں ڈرانے والا نہ گزرا ہو۔ اور اگر وہ آپ کو جھٹلاتے ہیں تو ان سے پہلے جو لوگ تھے وہ بھی جھٹلا چکے ہیں، ان کے پاس ان کے پیغمبر کھلے ہوئے معجزات اور صحیفے اور روشن کتابیں لے کر آئے۔ پھر میں نے ان لوگوں کو پکڑ لیا جنہوں نے کفر کیا سو میرا عذاب کیسا ہوا۔

خلاصہ تفسیر: ان آیاتِ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے رسولِ اکرم ﷺ کی بعثت کے عظیم مقصد کو بیان فرمایا ہے کہ

اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا: آپ ﷺ کو سراسر حق، صداقت اور ہدایت کے ساتھ مبعوث کیا گیا، تاکہ اہلِ ایمان کو اللہ تعالیٰ کے اجرِ عظیم، جنت اور رحمت کی خوشخبری سنائیں اور منکرین کو کفر و نافرمانی کے انجامِ بد سے ڈرائیں، یہ بھی واضح فرمایا کہ

وَاِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ: آپ ﷺ کی دعوت کوئی نئی یا انوکھی بات نہیں، بلکہ تاریخِ انسانیت میں ہر امت کی طرف اللہ تعالیٰ نے رسول بھیجے جو انہیں حق کی دعوت دیتے اور عذابِ الٰہی سے خبردار کرتے رہے، اس سے معلوم ہوا کہ ہدایتِ الٰہی کا سلسلہ ہمیشہ انسانیت کی رہنمائی کے لیے جاری رہا ہے اور انبیائے کرام علیہم السلام پوری انسانیت کے سب سے بڑے محسن ہیں۔

پھر نبی کریم ﷺ کو امم سابقہ کے احوال کی طرف اشارہ کرتے ہوئے تسلی دی گئی کہ

وَاِنْ يُّكَذِّبُوْكَ فَقَدْ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ: اگر اہلِ مکہ آپ کی تکذیب کرتے ہیں تو اس پر

صبر فرمائیں، کیونکہ آپ سے پہلے بھی عاد، ثمود اور قومِ لوط جیسی امتوں نے اپنے رسولوں کو جھٹلایا تھا، حالانکہ ان کے پاس واضح دلائل، آسمانی صحیفے اور نورِ ہدایت سے بھرپور کتابیں آچکی تھیں۔

ثُمَّ اَخَذْتُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرِ: مگر جب انہوں نے ضد، تکبر اور خواہشاتِ نفس کی بنا پر حق کا انکار جاری رکھا تو اللہ تعالیٰ کا عذاب ان پر نازل ہوا اور وہ عبرت کا نشان بن گئے، اللہ فرماتے ہیں کہ پھر ہم نے کافروں کو پکڑا، پھر دیکھا نہیں کہ یہ پکڑ کس قدر شدید اور سخت تھی۔

ان آیات میں اہلِ حق کے لیے یہ پیغام ہے کہ دعوتِ دین کا راستہ آزمائشوں سے خالی نہیں، لیکن انجامِ کار کامیابی حق اور اہلِ ایمان ہی کے لیے ہے، جبکہ تکذیب اور سرکشی آخرکار تباہی پر منتج ہوتی ہے۔

رب تعالیٰ کی قدرتیں اور نشانیاں

سوال ان آیات کریمہ کی تفسیر کیجیے

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجْنَا بِهٖ ثَمَرٰتٍ مُّخْتَلِفًا اَلْوَانُهَا ؕ وَمِنَ الْجِبَالِ جُدَدٌۢ بِيْضٌ وَّحُمْرٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهَا وَغَرَابِيْبُ سُوْدٌ ﴿۲۷﴾ وَمِنَ النَّاسِ وَالدَّوَآبِّ وَالْاَنْعَامِ مُخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ كَذٰلِكَ ؕ اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ غَفُوْرٌ ﴿۲۸﴾ فاطر

جواب ترجمہ: اے مخاطب کیا تجھے علم نہیں کہ اللہ نے آسمان سے پانی اتارا پھر ہم نے اس کے ذریعہ پھل نکالے جن کے رنگ مختلف ہیں، اور پہاڑوں کے مختلف حصے ہیں، سفید ہیں اور سرخ ہیں، ان کے رنگ مختلف ہیں، اور ان میں گہرے سیاہ رنگ والے بھی ہیں۔ اور انسانوں میں اور چوپایوں میں اور جانوروں میں ایسے ہیں جن کے رنگ مختلف ہیں، اسی طرح، اللہ سے وہی بندے ڈرتے ہیں جو علم والے ہیں، بیشک اللہ تعالیٰ غلبہ والا ہے بخشنے والا ہے۔

خلاصہ تفسیر: رب کی قدرتوں کے کمالات دیکھو کہ ایک ہی قسم کی چیزوں میں گوناگوں نمونے نظر آتے ہیں، ایک پانی آسمان سے اترتا ہے اور اسی سے مختلف قسم کے رنگ برنگے پھل پیدا ہو جاتے ہیں، سرخ سبز سفید وغیرہ، اسی طرح ہر ایک کی خوشبو الگ الگ ہر ایک کا ذائقہ جداگانہ جیسے اللہ تعالیٰ

نے ارشاد فرمایا وَفِي الْاَرْضِ قِطَعٌ مُّتَجٰوِرٰتٌ وَّجَنّٰتٌ مِّنْ اَعْنَابٍ وَّزَرْعٌ وَّنَخِيْلٌ صِنْوَانٌ وَّغَيْرُ صِنْوَانٍ يُّسْقٰى بِمَاءٍ وَّاحِدٍ وَنُفَضِّلُ بَعْضَهَا عَلٰى بَعْضٍ فِي الْاُكُلِ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ (الرعد:۴)

اور زمین میں ٹکڑے ہیں جو آپس میں پڑوسی ہیں اور انگوروں کے باغ ہیں اور کھیتیاں ہیں اور کھجور کے درخت ہیں جن میں بعض کی جڑیں بعض سے ملی ہوئی ہیں اور بعض ملی ہوئی نہیں ہیں انہیں ایک ہی پانی سے سیر اب کیا جاتا ہے اور ہم ایک کو دوسرے پر فضیلت دیتے ہیں بلاشبہ اس میں ان لوگوں کے لیے نشانیاں ہیں جو سمجھ سے کام لیتے ہیں۔

یعنی کہیں انگور ہے، کہیں کھجور ہے، کہیں کھیتی ہے وغیرہ اسی طرح پہاڑوں کی پیدائش بھی قسم قسم کی ہے، کوئی سفید ہے کوئی سرخ ہے کوئی کالا ہے، کسی میں راستے اور گھاٹیاں ہیں، کوئی لمبا ہے کوئی ناہموار ہے، ان بے جان چیزوں کے بعد جاندار چیزوں پر نظر ڈالو، انسانوں کو جانوروں کو چوپایوں کو دیکھو ان میں بھی قدرت کی وضع کی گلکاریاں پاؤ گے۔

بربر، حبشی، طماطم، بالکل سیاہ فام ہوتے ہیں، مقالیہ رومی بالکل سفید رنگ عرب درمیانہ، ہندی ان کے قریب قریب۔ چنانچہ اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَمِنْ اٰيٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافُ اَلْسِنَتِكُمْ وَاَلْوَانِكُمْ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّلْعٰلِمِيْنَ (الروم:۲۲) اور اس کی نشانیوں میں سے آسمانوں کا پیدا فرمانا اور تمہاری بولیوں اور رنگتوں کا مختلف ہونا ہے، بلاشبہ اس میں جاننے والوں کے لیے نشانیاں ہیں۔

تمہاری بول چال کا اختلاف تمہاری رنگتوں کا اختلاف بھی ایک عالم کے لئے تو قدرت کی کامل نشانی ہے، اسی طرح چوپائے اور دیگر حیوانات کے رنگ روپ بھی علیحدہ علیحدہ ہیں، بلکہ ایک ہی قسم کے جانوروں میں ان کی بھی رنگتیں مختلف ہیں، بلکہ ایک ہی جانور کے جسم پر کئی کئی قسم کے رنگ ہوتے ہیں، سبحان اللہ سب سے اچھا خالق اللہ کیسی کچھ برکتوں والا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

مسند بزار میں ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا کہ کیا اللہ تعالیٰ رنگ آمیزی

بھی کرتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں ایسا رنگ رنگتا ہے جو کبھی ہلکا نہ پڑے، سرخ زرد اور سفید۔ اس کے بعد ہی فرمایا کہ

اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا: جتنا کچھ خوف اللہ سے کرنا چاہئے اتنا خوف تو اس سے صرف علماء ہی کرتے ہیں کیونکہ وہ جاننے بوجھنے والے ہوتے ہیں، حقیقتاً جو شخص جس قدر اللہ کی ذات سے متعلق معلومات زیادہ رکھے گا اسی قدر اس عظیم قدیر علیم اللہ کی عظمت و ہیبت اس کے دل میں بڑھے گی اور اسی قدر اس کی خشیت اس کے دل میں زیادہ ہو گی، جو جانے گا کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے وہ قدم قدم پر اس سے ڈرتا رہے گا، اللہ کے ساتھ سچا علم اسے حاصل ہے جو اس کی ذات کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائے اس کے حلال کئے ہوئے کو حلال اور اس کے حرام بتائے کاموں کو حرام جانے اس کے فرمان پر یقین کرے اس کی نصیحت کی نگہبانی کرے اس کی ملاقات کو برحق جانے اپنے اعمال کے حساب کو سچ سمجھے۔

خشیت ایک قوت ہوتی ہے جو بندے کے اور اللہ کی نافرمانی کے درمیان حائل ہو جاتی ہے عالم کہتے ہی اسے ہیں جو بظاہر اور در پردہ بھی اللہ سے ڈرتا رہے۔

بندہ عاجز راقم الحروف نے ”معارف الفرقان“ کی پہلی طباعت میں اس مقام پر علماء کرام کے فضائل کے زیر عنوان کافی تفصیلی مضمون پیش کیا تھا، لیکن ازیں بعد اس عنوان پر دو کتابیں ”علماء کرام کا مقام“ اور ”فضائل علماء کرام“ تصنیف کیں، اس بناء پر علماء کرام کے فضائل پر یہاں موجود تفصیلی مضمون مختصر کر دیا ہے۔

رحمت کائنات، نبی کریم ﷺ نے اپنے ایک ارشاد گرامی میں فرمایا کہ علماء کرام انبیاء کرام علیہم السلام کے وارث ہیں اور انبیاء علیہم السلام کی وراثت درہم اور دینار نہیں ہوا کرتی، انبیاء کرام علیہم السلام کی وراثت علم دین ہوا کرتی ہے، اس لیے جس شخص کی تمنا، آرزو اور دلی خواہش یہ ہو کہ وہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کا وارث بنے، اسے ان عظیم الشان ہستیوں کی طرف منسوب کیا جائے، اسے ان کی نسبت مل جائے تو اسے چاہیے کہ وہ علم کو اپنا نشیب و فراز بنائے، علم کو اپنا اوڑھنا اور بچھونا بنائے، جسے یہ بات محبوب ہو

کہ وہ ان عظیم لوگوں کا وارث بنے، ان کے باغات کا مالی بنے، ان کے کھیتوں کا مزارع بنے تو اسے چاہیے کہ وہ علم نافع حاصل کرے، علم نافع علم دین ہے، اسے چاہیے کہ وہ علماء کرام کی مجالس اور محافل میں جائے، کیونکہ علماء کرام کی مجالس و محافل جنت کے باغات ہیں۔

جو شخص اپنے اوپر اللہ کی عنایات اور فضل کو دیکھنا چاہے تو وہ یہ دیکھے کہ اس کے پاس علم کتنا ہے؟ قرآن وسنت کی تعلیم کتنی ہے؟ دین کا علم کتنا ہے؟ تفقہ فی الدین کتنا ہے؟ اس لیے کہ رحمت دوعالم ﷺ نے فرمایا کہ مَن یُّرِدُ اللّٰہُ بِہٖ خَیراً یُفَقِّھہُ فِی الدِّین اللہ تعالیٰ جس شخص کے ساتھ خیر و بھلائی کا ارادہ فرماتے ہیں تو اسے دین میں سمجھ بوجھ عطا فرمادیتے ہیں۔

جو شخص کسی ایسے راستے کے بارے میں سوال کرے جو اسے جنت تک پہنچادے تو اسے چاہیے کہ وہ مجلس علم کی طرف قدم بڑھائے، وہ علم کی محافل میں جابیٹھے، اہل علم کی مجالس تلاش کرے، اس لیے کہ رحمت دوعالم ﷺ نے ارشاد فرمایا مَن سَلَکَ طَرِیقًا یَلْتَمِسُ فِیھَا عِلمًا سَلَکَ اللّٰہُ بِہٖ طَرِیقًا اِلَی الْجَنَّۃِ جو شخص کسی راستے پر چلے جس میں وہ علم تلاش کرے گا تو اللہ تعالیٰ ایسے شخص کو جنت کے راستے کی طرف چلادیتے ہیں۔

اسی طرح جو شخص یہ پسند کرتا ہے کہ اس کے دنیا سے چلے جانے کے بعد اس کا عمل ختم نہ ہو تو وہ علم کو پھیلائے، علم کو مدون کرے، تعلیم کو عام کرے، جیسے حدیث شریف میں آتا ہے، حضرت نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا

اذا مَاتَ الانسَانُ انْقَطَعَ عَمَلُہٗ اِلا مِن ثَلَاثٍ صَدَقَۃٍ جَارِیَۃٍ اَوْ علمٍ یُنْتَفَعُ بِہٖ اَوْ وَلَدٍ صَالِحٍ یَّدْعُو لَہٗ، جب انسان مرجاتا ہے تو اس کے عمل ختم ہوجاتے ہیں، سوائے تین اعمال کے، ان میں سے ایک صدقہ جاریہ ہے، یا علم ہے جس کے ذریعے نفع اٹھایا جائے، یا نیک اولاد ہے جو مرنے والے (اپنے والدین) کے لیے دعا کرے۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اذا مَاتَ الْعَالِمُ اِنثَلَمَ فِی الاسلَامِ ثُلمَۃٌ لَا یَسُدُّھَا اِلَّا خَلفٌ مِّثلُہٗ جب عالم فوت ہوجاتا ہے تو اسلام میں دراڑیں پڑجاتی ہیں ایسی دراڑیں کہ

ان کو اسی جیسا بعد میں آنے والا عالم بند کر سکتا ہے۔

حضرت ابو الاسود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اَلْمُلُوكُ حُكَّام عَلَى النَّاسِ وَالْعُلَمَاءُ حُكَّام عَلَى الْمُلُوكِ بادشاہ لوگوں پر حکمرانی کرتے ہیں جب کہ علماء حاکموں پر حکمرانی کرتے ہیں۔

حضرت فتح موصلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اَلْيَسَ الْمَرِيضُ اذَا مُنِعَ مِنَ الطَّعَامِ وَالشَرَاب وَالدَّوَاءِ يَمُوتُ قِيلَ لَهُ بَلَى قَالَ فَكَذٰلِك الْقَلبُ اذَا مُنِعَ عَنهُ الْعِلمُ وَالْحِكمَةُ ثَلَاثَة اَيَّام يَمُوتُ، کیا بیمار کو جب کھانے پینے اور دوا استعمال کرنے سے روک دیا جاتا ہے تو وہ مر نہیں جاتا ہے؟ انہیں کہا گیا کہ جی ہاں، مریض اس طرح مر جاتا ہے، آپ نے فرمایا کہ اسی طرح دل کو جب علم وحکمت سے تین دن تک روک لیا جائے تو وہ مر جاتا ہے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مَن حَدَّثَ بِحَدِيثٍ فَعُمِلَ بِهِ فَلهُ اَجرُ مِثلُ ذٰلِكَ الْعَمَل جس شخص نے حدیث بیان کی پھر اس کے مطابق عمل کیا گیا تو اس بیان کرنے والے کے لیے اس عمل کے مثل اجر وثواب ہے۔ حضرت حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ لَوْلَا الْعُلَمَاءُ لَصَارَ النَّاسُ اَمثَلُهُم اَمثَالُ الْبَهَائِمِ اگر علماء نہ ہوتے تو لوگ جانوروں کی طرح ہو جاتے۔

اس لیے انسان کو چاہیے کہ وہ اپنے آپ کو علم کی کمی اور قلت کی وجہ سے جانور نہ بنائے، اسے چاہیے کہ وہ اپنی بلند قیمت کے لیے علم کے حصول میں آگے بڑھے، جس کے پاس علم کی وافر مقدار ہوتی ہے اس کی قیمت بھی بڑھتی ہے، جس کے پاس علم کی قلت ہے اس کی کوئی قیمت نہیں ہے، اس لیے حصول علم کو غنیمت جاننا چاہیے اور حصول علم کے لیے اہل علم کی مجالس سے بڑھ کر کون سی جگہ ہو سکتی ہے، اس لیے کہ جو شخص عالم بھی نہیں، علم حاصل کرنے والا بھی نہیں ہے وہ جانوروں کی مانند ہے، وہ شخص فطرت سلیمہ کا مالک نہیں ہے، اس لیے جو شخص بزرگی، جلالت شان، رفعت اور عظمت وشرافت کا طلب گار ہے اسے چاہیے کہ وہ علم حاصل کرے، علم اللہ کی رضا کے حصول کے لیے حاصل کرے، مال ودولت کمانے کے لیے، حصول معاش کے لیے، شہرت وناموری کے لیے حاصل نہ کرے، علم حصول ثواب کے لیے حاصل کرے، اسلاف میں سے کسی بزرگ کا یہ فرمان ہے کہ جو علم

انسان کو دین میں فائدہ دے وہ مثل موتی کے ہے اور جس علم سے دین میں فائدہ نہ ہو وہ مثل سیپ کے ہے۔

علماء کے لیے دعائے مصطفےٰ ﷺ: حضرت نبی کریم ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ عالیہ میں علماء کرام کے لیے دعا فرمائی ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے دعا فرمائی اَللّٰھُمَّ ارْحَمْ خُلَفَائِی، قُلْنَا: یَا رَسُولَ اللہ، وَمَنْ خُلَفَاؤُكَ؟ قَالَ: الَّذِینَ یَأْتُونَ مِنْ بَعْدِی، یَرْوُونَ أَحَادِیثِی وَیُعَلِّمُونَهَا النَّاسَ اے میرے اللہ! میرے خلفاء پر رحم فرما، ہم نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! آپ کے خلفاء کون ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا میرے خلفاء وہ لوگ ہیں جو میرے بعد آئیں گے، وہ میری حدیثیں نقل کریں گے اور پھر وہ حدیثیں لوگوں کو سنائیں گے۔

علماء انبیاء کے خلفاء: یہ روایت تو زبان زد خاص وعام ہے کہ حضرات علماء کرام انبیاء کرام علیہم السلام کے وارث ہیں، انبیاء علیہم السلام اپنے پیچھے مال وزر، ہیرے وجواہرات نہیں چھوڑتے بلکہ ان کی میراث دین اور علم ہوتا ہے، مگر اس سے بڑھ کر بھی آپ ﷺ نے علماء کرام کی عظمت کو، ان کے مرتبے اور مقام کو اور ان کی شان کو چار چاند لگائے ہیں، جہاں آپ ﷺ نے علماء کرام کو انبیاء کرام علیہم السلام کا جانشین اور خلیفہ قرار دیا ہے۔ حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا اَلْعُلَمَاءُ خُلَفَاءُ الْأَنْبِیَاءِ (بزار، مجمع الزوائد) علماء انبیاء کے جانشین ہیں۔

اہل ایمان کی لازوال تجارت اور قرآن کی حقانیت

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ یَتْلُوْنَ كِتٰبَ اللّٰهِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّعَلَانِیَةً یَّرْجُوْنَ تِجَارَةً لَّنْ تَبُوْرَ {۲۹} لِیُوَفِّیَهُمْ اُجُوْرَهُمْ وَیَزِیْدَهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ اِنَّهٗ غَفُوْرٌ شَكُوْرٌ {۳۰} وَالَّذِیْٓ اَوْحَیْنَآ اِلَیْكَ مِنَ الْكِتٰبِ هُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْهِ اِنَّ اللّٰهَ بِعِبَادِهٖ لَخَبِیْرٌۢ بَصِیْرٌ {۳۱} فاطر

جواب ترجمہ: بلاشبہ جو لوگ اللہ کی کتاب کو پڑھتے ہیں اور انہوں نے نماز کو قائم کیا اور ہم نے جو کچھ انہیں عطا فرمایا ہے اس میں سے خرچ کیا چپکے سے اور ظاہری طور پر یہ لوگ ایسی تجارت کی امید

رکھتے ہیں جو کبھی ہلاک نہ ہو گی۔ تاکہ ان کا رب انہیں پورے اجر عطا فرمادے اور اپنے فضل سے اور زیادہ دے، بلاشبہ وہ خوب بخشنے والا ہے بہت قدر دان ہے۔ اور یہ کتاب جو ہم نے آپ کی طرف وحی بھیجی ہے بالکل حق ہے جو ان کتابوں کی تصدیق کرنے والی ہے جو اس سے پہلے تھیں۔ بلاشبہ اللہ اپنے بندوں کی پوری خبر رکھنے والا ہے خوب دیکھنے والا ہے۔

خلاصہ تفسیر: ان آیاتِ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے اہلِ ایمان کی ان مبارک صفات کو بیان فرمایا ہے جو انسان کو دنیا و آخرت کی حقیقی کامیابی سے ہمکنار کرتی ہیں، ارشاد ہوا کہ

اِنَّ الَّذِیۡنَ یَتۡلُوۡنَ کِتٰبَ اللّٰہِ وَ اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَ اَنۡفَقُوۡا مِمَّا رَزَقۡنٰہُمۡ سِرًّا وَّ عَلَانِیَۃً: جو لوگ کتابُ اللہ کی تلاوت کرتے، اس کے احکام پر عمل پیرا رہتے، نماز کو اس کے آداب و شرائط کے ساتھ قائم کرتے اور اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ رزق اور مال میں سے کھلے اور پوشیدہ طریقے سے اس کی راہ میں خرچ کرتے ہیں، وہ درحقیقت ایسی تجارت میں مصروف ہیں جو کبھی خسارے اور زوال سے دوچار نہیں ہوتی، یہ ایک نہایت بلیغ تعبیر ہے کہ ایمان، عبادت اور انفاق کو تجارت سے تشبیہ دی گئی، کیونکہ جس طرح دنیا کا تاجر نفع کی امید میں سرمایہ لگاتا ہے، اسی طرح مؤمن اپنے اعمالِ صالحہ کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی رضا اور دائمی اجر کا طلبگار ہوتا ہے۔ پھر فرمایا کہ

لِیُوَفِّیَہُمۡ اُجُوۡرَہُمۡ وَ یَزِیۡدَہُمۡ مِّنۡ فَضۡلِہٖ: اللہ تعالیٰ ایسے بندوں کو ان کے اعمال کا پورا پورا اجر عطا فرمائے گا، بلکہ اپنے فضل و کرم سے اس میں اضافہ بھی کرے گا، کیونکہ وہ اپنے بندوں کی لغزشوں کو معاف کرنے والا اور ان کی تھوڑی نیکی کو بھی بڑی قدردانی کے ساتھ قبول فرمانے والا ہے، اس کے بعد قرآنِ کریم کی حقانیت کو بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ

وَ الَّذِیۡۤ اَوۡحَیۡنَاۤ اِلَیۡکَ مِنَ الۡکِتٰبِ ہُوَ الۡحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَیۡنَ یَدَیۡہِ: اے میرے حبیب ﷺ! جو کتاب آپ کی طرف وحی کی گئی ہے، وہ سراسر حق ہے، اس میں کسی شک کی گنجائش نہیں، اور یہ سابقہ آسمانی کتابوں کی تصدیق کرنے والی ہے، اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے حالات سے پوری طرح باخبر اور ان کے ظاہر و باطن کو دیکھنے والا ہے، اسی لیے اس نے ہر دور کی ضرورت کے مطابق انبیائے

کرام علیہم السلام کی طرف ہدایت نازل فرمائی اور قرآنِ مجید کو آخری اور کامل دستورِ ہدایت بنا کر نازل کیا۔

عظمت قرآن اور امت مرحومہ

سوال اس آیت کریمہ کی تفسیر کیجیے

ثُمَّ اَوۡرَثۡنَا الۡكِتٰبَ الَّذِيۡنَ اصۡطَفَيۡنَا مِنۡ عِبَادِنَا‌ۚ فَمِنۡهُمۡ ظَالِمٌ لِّنَفۡسِهٖ‌ۚ وَمِنۡهُمۡ مُّقۡتَصِدٌ‌ۚ وَمِنۡهُمۡ سَابِقٌۢ بِالۡخَيۡرٰتِ بِاِذۡنِ اللّٰهِ‌ؕ ذٰلِكَ هُوَ الۡفَضۡلُ الۡكَبِيۡرُ ﴿۳۲﴾ فاطر

جواب ترجمہ: پھر ہم نے ان لوگوں کو کتاب کا وارث بنایا جنہیں ہم نے اپنے بندوں میں سے چن لیا، سو ان میں سے بعض وہ ہیں جو اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے ہیں، اور ان میں سے بعض وہ ہیں جو درمیانہ درجہ والے ہیں، اور ان میں سے بعض وہ ہیں جو باذن اللہ بھلائی کے کاموں میں آگے بڑھنے والے ہیں، یہ اللہ کا بڑا فضل ہے۔

خلاصہ تفسیر: اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم نے قرآن کریم اپنے چیدہ بندوں کے ہاتھوں میں دیا ہے یعنی اس امت مرحومہ کے ہاتھوں میں تھمایا ہے، پھر حرمت والے کام بھی اس سے سرزد ہوگئے، بعض درمیانہ درجے کے رہے جنہوں نے محرمات سے تو اجتناب کیا واجبات بجالاتے رہے لیکن کبھی کبھی کوئی مستحب کام ان سے چھوٹ بھی گیا اور کبھی کوئی ہلکی پھلکی نافرمانی بھی سرزد ہوگئی، بعض درجوں میں بہت ہی آگے نکل گئے، واجبات چھوڑ کر مستحباب کو بھی انہوں نے نہ چھوڑا اور محرمات چھوڑ کر مکروہات سے بھی یکسر الگ رہے، بلکہ بعض مرتبہ مباح چیزوں کو بھی ڈر کر چھوڑ دیا۔

مفسر قرآن کریم حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ پسندیدہ بندوں سے مراد امت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہے جو اللہ کی ہر کتاب کی وارث بنائی گئی ہے، ان میں جو اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں انہیں بخشا جائے گا اور ان میں جو درمیانہ لوگ ہیں ان سے آسانی سے حساب لیا جائے گا اور ان میں جو نیکیوں میں بڑھ جانے والے ہیں انہیں بے حساب جنت میں پہنچایا جائے گا، طبرانی میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری شفاعت میری امت کے کبیرہ گناہ والوں کے لئے ہے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں سابق لوگ تو بغیر حساب کتاب کے جنت میں داخل ہوں گے اور

میانہ رو رحمت رب سے داخل جنت ہوں گے اور اپنے نفسوں پر ظلم کرنے والے اور اصحاب اعراف محمد ﷺ کی شفاعت سے جنت میں آئیں گے، الغرض اس امت کے ہلکے پھلکے گنہگار بھی اللہ کے پسندیدہ بندوں میں داخل ہیں۔

حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ نے اس آیت کی تلاوت کر کے فرمایا سابقین تو بے حساب جنت میں جائیں گے اور درمیانہ لوگوں سے آسانی کے ساتھ حساب لیا جائے گا اور اپنے نفسوں پر ظلم کرنے والے طول محشر میں روکے جائیں گے، پھر اللہ کی رحمتوں سے تلافی ہو جائے گی اور یہ کہیں گے اللہ کا شکر ہے کہ اس نے ہم سے غم و رنج دور کر دیا ہمارا رب بڑا ہی غفور و شکور ہے، جس نے ہمیں اپنے فضل و کرم سے رہائش کی ایسی جگہ عطا فرمائی جہاں ہمیں کوئی درد دکھ نہیں۔ (مسند احمد)

حدیث شریف میں ہے کہ حضرت ابو ثابت مسجد میں آتے ہیں اور حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھ جاتے ہیں اور دعا کرتے ہیں کہ اللہ! میری وحشت کا انیس میرے لئے مہیا کر دے اور میری غربت پر رحم کر اور مجھے کوئی اچھا رفیق عطا فرما، یہ سن کر صحابی ان کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور فرماتے ہیں میں تیرا ساتھی ہوں سن میں آج تجھے وہ حدیث رسول سناتا ہوں جو میں نے آج تک کسی کو نہیں سنائی پھر اس آیت کی تلاوت کی اور فرمایا سابق بالخیرات تو جنت میں بے حساب جائیں گے اور مقتصد لوگوں سے آسانی کے ساتھ حساب لیا جائے گا اور ظالم لنفسہ کو اس مکان میں غم و رنج پہنچے گا۔ جس سے نجات پا کر وہ کہیں گے اللہ کا شکر ہے جس نے ہم سے غم و رنج دور کر دیا۔

حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ نے ان تینوں کی نسبت فرمایا کہ یہ سب اسی امت میں سے ہیں، ایک اور حدیث شریف میں ہے کہ میری امت کے تین حصے ہیں ایک بے حساب و بے عذاب جنت میں جانے والا، دوسرا آسانی سے حساب لیا جانے والا اور پھر بہشت نشیں ہونے والا، تیسری وہ جماعت ہو گی جن سے تفتیش و تلاش ہو گی لیکن پھر فرشتے حاضر ہو کر کہیں گے کہ ہم نے انہیں لا الہ الا اللہ وحدہ کہتے ہوئے پایا ہے اللہ تعالیٰ فرمائے گا سچ ہے میرے سوا کوئی معبود نہیں اچھا انہیں میں نے ان کے اس قول کی وجہ سے چھوڑا جاؤ انہیں جنت میں لے جاؤ اور ان کی خطائیں دوزخیوں پر لاد دو اسی کا

ذکر اس آیت میں ہے وَلَيَحْمِلُنَّ اَثْقَالَهُمْ وَاَثْقَالًا مَّعَ اَثْقَالِهِمْ وَلَيُسْئَلُنَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَمَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ (العنکبوت: ۱۳) میں ہے یعنی وہ ان کے بوجھ اپنے بوجھ کے ساتھ اٹھائیں گے، اس کی تصدیق اس میں ہے جس میں فرشتوں کا ذکر ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں میں سے جنہیں وارثین کتاب بنایا ہے ان کا ذکر کرتے ہوئے ان کی تین قسمیں بتائی ہیں پس ان میں جو اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے ہیں وہ باز پرس کئے جائیں گے۔ (ابن ابی حاتم) حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس امت کی قیامت کے دن تین جماعتیں ہوں گی۔ ایک بے حساب جنت میں جانے والی ایک آسانی سے حساب لئے جانے والی ایک گنہگار جن کی نسبت اللہ تعالیٰ دریافت فرمائے گا حالانکہ وہ خوب جانتا ہے کہ یہ کون ہیں؟ فرشتے کہیں گے اللہ ان کے پاس بڑے بڑے گناہ ہیں لیکن انہوں نے کبھی بھی تیرے ساتھ کسی کو شریک نہیں کیا، رب عزوجل فرمائے گا انہیں میری وسیع رحمت میں داخل کردو پھر حضرت عبداللہ نے اسی آیت کی تلاوت فرمائی۔ (ابن جریر)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اس آیت کے بارے میں سوال ہوتا ہے تو آپ فرماتی ہیں بیٹا یہ سب جنتی لوگ ہیں سابق بالخیرات تو وہ ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں تھے جنہیں خود آپ نے جنت کی بشارت دی۔ مقتصد وہ ہیں جنہوں نے آپ کے نقش قدم کی پیروی کی یہاں تک کہ ان سے مل گئے اور ظالم لنفسہ مجھ تجھ جیسے ہیں (ابوداؤد طیالسی)

خیال فرمایئے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا باوجودیکہ سابق بالخیرات میں سے بلکہ ان میں سے بھی بہترین درجے والوں میں سے ہیں لیکن کس طرح اپنے تئیں متواضع بناتی ہیں حالانکہ حدیث میں آچکا ہے کہ تمام عورتوں پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو وہی فضیلت ہے جو فضیلت ثرید کو ہر قسم کے طعام پر ہے۔

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ظالم لنفسہ تو ہمارے بدوی لوگ ہیں اور مقتصد ہمارے شہری لوگ ہیں اور سابق ہمارے مجاہد ہیں۔ (ابن ابی حاتم)

حضرت کعب احبار رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ تینوں قسم کے لوگ اسی امت میں سے ہیں اور سب جنتی

ہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان تینوں قسم کے لوگوں کے ذکر کے بعد جنت کا ذکر کر کے پھر فرمایا وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَهُمْ نَارُ جَهَنَّمَ لَا يُقْضٰى عَلَيْهِمْ فَيَمُوْتُوْا وَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ مِّنْ عَذَابِهَا كَذٰلِكَ نَجْزِيْ كُلَّ كَفُوْرٍ (فاطر :۳۶) پس یہ لوگ دوزخی ہیں۔(ابن جریر)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے حضرت کعب رحمہ اللہ سے اس آیت کے بارے میں سوال کیا تو آپ نے فرمایا رب کعب کی قسم! یہ سب ایک ہی زمرے میں ہیں، ہاں اعمال کے مطابق ان کے درجات کم و بیش ہیں۔ محمد بن حنفیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ امت مرحومہ ہے، ان کے گنہگاروں کو بخش دیا جائے گا اور ان کے مقتصد اللہ کے پاس جنت میں ہوں گے۔ اور ان کے سابق بلند درجوں میں ہوں گے، محمد بن علی باقر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہاں جن لوگوں کو ظالم لنفسہ کہا گیا ہے یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے گناہ بھی کئے تھے اور نیکیاں بھی۔

علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ یہ سارے اقوال نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ ان احادیث اور آثار کو سامنے رکھ کر یہ تو صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ اس آیت میں عموم ہے اور اس امت کی ان تینوں قسموں کو یہ شامل ہے۔ پس علماء کرام اس نعمت کے ساتھ سب سے زیادہ رشک کے قابل ہیں اور اس رحمت کے سب سے زیادہ حقدار ہیں۔

جیسا کہ مسند احمد کی حدیث میں ہے کہ ایک شخص مدینے سے دمشق میں حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ کے پاس جاتا ہے اور آپ سے ملاقات کرتا ہے تو آپ دریافت فرماتے ہیں کہ پیارے بھائی یہاں کیسے آنا ہوا؟ وہ کہتے ہیں اس حدیث کے سننے کے لئے آیا ہوں جو آپ بیان کرتے ہیں، پوچھا کیا کسی تجارت کی غرض سے نہیں آئے؟ جواب دیا نہیں، پوچھا پھر کوئی اور مطلب بھی ہو گا؟ فرمایا کوئی مقصد نہیں۔ پوچھا پھر کیا صرف حدیث کی طلب کے لئے یہ سفر کیا ہے؟ جواب دیا کہ ہاں، فرمایا سنو! میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے جو شخص علم کی تلاش میں کسی راستے کو قطع کرے اللہ اسے جنت کے راستوں میں چلائے گا، اللہ کی رحمت کے فرشتے طالب علموں کے لئے پر بچھا دیتے ہیں کیونکہ وہ ان سے بہت خوش ہیں اور ان کی خوشی کے خواہاں ہیں، عالم کے لیے آسمان و زمین کی ہر چیز استغفار کرتی

ہے یہاں تک کہ پانی کے اندر کی مچھلیاں بھی۔ عابد و عالم کی فضیلت ایسی ہی ہے جیسی چاند کی فضیلت ستاروں پر، علماء نبیوں کے وارث ہیں۔ انبیاء علیہم السلام نے اپنے ورثے میں درہم و دینار نہیں چھوڑے ان کا ورثہ علم دین ہے۔ جس نے اسے لیا اس نے بڑی دولت حاصل کرلی۔ (ابو داؤد، ترمذی، ابن کثیر)

جنت عدن، ثنائے خدا، فضل خداوندی

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

جَنّٰتُ عَدْنٍ يَّدْخُلُوْنَهَا يُحَلَّوْنَ فِيْهَا مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَّلُؤْلُؤًا ۚ وَلِبَاسُهُمْ فِيْهَا حَرِيْرٌ {۳۳} وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْٓ اَذْهَبَ عَنَّا الْحَزَنَ ۭ اِنَّ رَبَّنَا لَغَفُوْرٌ شَكُوْرُۨ {۳۴} الَّذِيْٓ اَحَلَّنَا دَارَ الْمُقَامَةِ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ لَا يَمَسُّنَا فِيْهَا نَصَبٌ وَّلَا يَمَسُّنَا فِيْهَا لُغُوْبٌ {۳۵} فاطر.

جواب ترجمہ: وہ ہمیشہ رہنے کے باغات ہیں جن میں یہ لوگ داخل ہوں گے اس میں انہیں سونے کے کنگن اور موتی زیور کے طور پر پہنائے جائیں گے اور اس میں ان کا لباس ریشم کا ہو گا۔ اور وہ کہیں گے کہ سب تعریف اللہ ہی کے لیے ہے جس نے ہم سے غم کو دور فرما دیا۔ بلاشبہ ہمارا رب بڑا بخشنے والا ہے خوب قدر دان ہے۔ جس نے ہمیں اپنے فضل سے رہنے کی جگہ میں نازل فرما دیا، ہمیں اس میں نہ کوئی تکلیف پہنچے گی اور نہ ہمیں اس میں کوئی تھکن پہنچے گی۔

خلاصہ تفسیر: ان آیاتِ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے اہلِ ایمان کے اس عظیم اور دائمی انعام کا ذکر فرمایا ہے جو انہیں آخرت میں عطا ہو گا، ارشاد ہوا کہ

جَنّٰتُ عَدْنٍ يَّدْخُلُوْنَهَا يُحَلَّوْنَ فِيْهَا مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَّلُؤْلُؤًا: اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندے ہمیشہ رہنے والی جنتوں میں داخل کیے جائیں گے، جہاں انہیں عزت، راحت اور نعمتوں کی وہ تمام چیزیں عطا کی جائیں گی جن کا دنیا میں انسان تصور بھی نہیں کر سکتا، وہ سونے کے کنگنوں اور موتیوں سے آراستہ ہوں گے۔

وَلِبَاسُهُمْ فِيْهَا حَرِيْرٌ: اور ان کا لباس ریشم کا ہو گا، جو عزت، پاکیزگی اور ابدی راحت کی علامت ہے، یہ نعمتیں اس بات کا اظہار ہیں کہ دنیا میں جن لوگوں نے ایمان، عبادت اور صبر کے ساتھ اللہ

تعالیٰ کی اطاعت کی، آخرت میں انہیں کامل عزت اور دائمی کامیابی عطا کی جائے گی، پھر اہلِ جنت کے شکر بھرے کلمات نقل کیے گئے ہیں کہ وہ کہیں گے،

وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْٓ اَذْهَبَ عَنَّا الْحَزَنَ: تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جس نے ہم سے ہر قسم کا غم، خوف اور پریشانی دور کر دی، دنیا میں انہیں جہنم، حساب اور انجامِ آخرت کا خوف رہتا تھا، مگر آج اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے انہیں امن و سکون کی دائمی زندگی عطا فرمادی، وہ اعتراف کریں گے کہ

اِنَّ رَبَّنَا لَغَفُوْرٌ شَكُوْرٌ: یہ سب کچھ محض اللہ تعالیٰ کی مغفرت، رحمت اور فضل کا نتیجہ ہے، نہ کہ ان کے اپنے اعمال کا کمال، اسی لیے جنت کو "دارُ الاِقامہ" یعنی ہمیشہ رہنے کا گھر فرمایا گیا، جہاں نہ کوئی تھکن ہو گی، نہ مشقت، نہ بیماری، نہ بڑھاپا اور نہ کسی نعمت کے ختم ہونے کا اندیشہ، ارشاد فرمایا

الَّذِیْٓ اَحَلَّنَا دَارَ الْمُقَامَةِ مِنْ فَضْلِهٖ: جس نے اپنے فضل سے ہمیں اپنے رہنے کی جگہ پر اتارا، یہ ایسا عظیم الشان مقام ہو گا جس کے بارے میں واضح کر دیا گیا کہ

لَا یَمَسُّنَا فِیْهَا نَصَبٌ وَّلَا یَمَسُّنَا فِیْهَا لُغُوْبٌ: ہمیں اس میں نہ کوئی تکلیف پہنچے گی اور نہ ہمیں اس میں کوئی تھکن پہنچے گی، نَصَبٌ کے معنی مشکل کام کرتے وقت جو مشقت انسان کو ہوتی ہے اور لُغُوْبٌ کہتے ہیں اس تھکاوٹ کو جو کام کرنے کے بعد جب انسان فارغ ہوتا ہے محسوس ہوتی ہے جنت میں تو کوئی کام نہیں۔

اس آیت میں جنت کی چند خصوصیات کا بیان ہے، اول یہ ہے کہ وہ دارالمقامہ ہے اس کے ختم ہونے یا وہاں سے نکل جانے کا کسی قسم کا کوئی خطرہ نہیں ہے، دوسرا یہ ہے کہ وہاں کسی کو کوئی غم پیش نہیں آئے گا، تیسرا یہ ہے کہ وہاں کسی کو کوئی تھکاوٹ محسوس نہیں ہو گی۔ جیسے دنیا میں تھکاوٹ کی وجہ سے آرام کی ضرورت محسوس کرتا ہے جنت اس سے پاک ہے۔ (معارف الفرقان)

امام قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ نصب کا معنی تھکاوٹ ہے لغوب کا معنی تھکا دینا ہے۔ (قرطبی)

مولانا غلام رسول سعیدی فرماتے ہیں کہ اس آیت میں نصب اور لغوب کے الفاظ ہیں اور ان دونوں

لفظوں کا معنی ہے تھکاوٹ۔ یعنی ان کو جسمانی تھکاوٹ ہو گی نہ روحانی، وہ دنیا میں عبادت کی مشقت برداشت کر کے اپنے جسموں کو تھکاتے تھے اور نفسانی خواہشوں کو ترک کر کے اپنے نفسوں کو رنج میں مبتلا کرتے تھے، اس کی جزا میں قیامت کے دن ان کو جسمانی تھکاوٹ ہو گی نہ نفسانی قلق ہو گا۔ (تبیان)

شانِ نزول: علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ نے اپنی تفسیر در منثور میں اس آیت کا شانِ نزول بیان فرمایا ہے، ابن ابی حاتم وابن مردویہ والبیہقی نے بعث میں عبد اللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ ایک آدمی نے کہا یا رسول اللہ! نیند ان چیزوں میں سے ہے کہ جس سے اللہ تعالیٰ دنیا میں ہم کو راحت عطا فرماتا ہے، کیا جنت میں نیند ہو گی؟ فرمایا نہیں کیونکہ نیند موت کی ساتھی ہے اور جنت میں موت نہیں ہو گی، عرض کیا یا رسول اللہ! پھر ان کی راحت کیسے ہو گی؟ تو اس سوال کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ناگوار جانا اور فرمایا کہ اس میں کوئی تھکان نہیں ہو گی اس کے ہر کام میں راحت ہو گی۔ تو یہ آیت نازل ہوئی۔

حضرت قتادہ رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ آیت مبارکہ میں لفظ نصب سے مراد درد ہے اور لغوب سے مراد تھکاوٹ ہے۔ (تفسیر در منثور) سید قطب رحمۃ اللہ لکھتے ہیں کہ الَّذِيْٓ اَحَلَّنَا دَارَ الْمُقَامَةِ جس نے ہمیں اپنے فضل سے ابدی قیام کی جگہ ٹھہرایا، ہمیشہ کیلئے رہائش پذیر کر دیا اور مستقلاً ہم آباد ہو گئے، یہ کام اس نے اپنے فضل و کرم سے کیا کیونکہ ہم اپنے اعمال کے بل بوتے پر تو مستحق نہ تھے، یہ تو فضل تھا ہمیں کوئی مشقت پیش آتی ہے اور نہ تکان لاحق ہوتی ہے۔ بلکہ راحت، اطمینان اور ہر قسم کی نعمتیں جمع ہیں۔ (تفسیر ظلال القرآن)

پوری فضا آرام، راحت اور نعمتوں سے مالا مال ہے اور اس نرم و نازک اور پر لطف ماحول کے لیے اللہ نے الفاظ بھی نہایت ہی نرم و نازک چنے ہیں، یہاں تک کہ لفظ حزن کو بھی یہاں حزن کہہ کر نرم و نازک کر دیا گیا ہے اور جنت کے لیے دار المقامہ کا لفظ استعمال ہوا ہے، تکان اور مشقت کے بارے میں یہ کہا گیا کہ وہ چھو کر بھی نہ جا سکے گی۔ اور الفاظ اور فقروں کا ترنم اپنی جگہ نہایت ہی فرحت بخش ہے، نہایت ہی دھیمی موسیقی کی طرح۔ (تفسیر ظلال القرآن)

قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ اس آیت کا مفہوم یوں بیان کرتے ہیں کہ یعنی یہ اللہ کی مہربانی اور اس

کا کرم ہے کہ اس نے ہم کو دوامی قیامت کیلئے یہ مقام عطا فرمایا، ہمارا کوئی حق اللہ پر واجب نہ تھا۔ (تفسیر مظہری) دارالمقامہ ایسا گھر جہاں سے کہیں اور نہیں جائیں گے، جنت جس میں ہمیشہ ہمیش رہیں گے، یہاں سے نکلنے کی تمنا بھی نہیں کریں گے۔

علامہ عبدالکریم قشیری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ہمیں وہاں تھکاوٹ نہیں محسوس ہوگی کا مطلب یہ ہے کہ جب اہل جنت اپنے رب کے دیدار کی خواہش کریں گے تو انہیں اس کے لیے کوئی مسافت طے نہیں کرنا پڑے گی کہ وہاں چل کر جائیں کہ اس چلنے سے انہیں تھکاوٹ کا سامنا کرنا پڑا، بلکہ وہ اپنی قیام گاہوں سے ہی دیدار کر سکیں گے۔ (قشیری)

مفسر قرآن حضرت ضحاک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جب اہل جنت جنت میں داخل ہو جائیں گے تو جنتی لڑکے اور خدام ان کا استقبال کریں گے، یہ لڑکے اور خدام ایسے ہوں گے گویا کہ چھپے ہوئے موتی ہیں، پھر اللہ تعالیٰ فرشتوں کو ان کے پاس بھیجیں گے، ان فرشتوں کے ہمراہ رب العالمین کی طرف سے بھیجے گئے ہدیے اور تحفے ہوں گے، ان کے ہمراہ جنتی جوڑوں میں سے جوڑے ہوں گے، وہ انہیں پہن کر جنت میں جانا چاہیں گے، رب العالمین کی طرف سے جنت کی انگوٹھیوں میں سے دس انگوٹھیاں ہوں گی، چنانچہ وہ ان انگوٹھیوں کو اس کی انگلیوں میں رکھ دے گا۔

دس انگوٹھیاں: پہلی انگوٹھی پر لکھا ہوگا سَلَامٌ عَلَيْكُمْ طِبْتُمْ فَادْخُلُوهَا خَالِدِينَ، دوسری انگوٹھی پر لکھا ہوا ہوگا ادْخُلُوهَا بِسَلَامٍ ذَٰلِكَ يَوْمُ الْخُلُودِ، تیسری انگوٹھی پر لکھا ہوا گا، رَفَعتُ عَنكُمُ الأَحزَانَ وَالهُمُومَ، چوتھی انگوٹھی پر لکھا ہوا ہوگا، زَوَّجنَاكُم الحُورَ العِين، پانچویں انگوٹھی پر لکھا ہوا ہوگا ادْخُلُوهَا بِسَلَامٍ آمِنِينَ، چھٹی انگوٹھی پر لکھا ہوا ہوگا إِنِّي جَزَيْتُهُمُ الْيَوْمَ بِمَا صَبَرُوا، ساتویں انگوٹھی پر لکھا ہوا ہوگا أَنَّهُمْ هُمُ الْفَائِزُونَ، آٹھویں انگوٹھی پر لکھا ہوا ہوگا صِرتُم آمِنِينَ لَا تَخَافُوا أَبَدًا، نویں انگوٹھی پر لکھا ہوا ہوگا رَافَقتُمُ النَّبِيِينَ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاء، دسویں انگوٹھی پر لکھا ہوا ہوگا فی جَوَارِ مَن لَّا يُؤذِي الجِيرَانَ، پھر فرشتہ کہے گا ادْخُلُوهَا بِسَلَامٍ آمِنِينَ، پھر جب جنتی جنت میں داخل ہوں گے تو اللہ تعالیٰ کی

تعریف وثناء یوں کریں گے قَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ أَذْهَبَ عَنَّا الْحَزَنَ() الَّذِیْ أَحَلَّنَا دَارَ الْمُقَامَةِ مِنْ فَضْلِهٖ لَا یَمَسُّنَا فِیْهَا نَصَبٌ وَّلَا یَمَسُّنَا فِیْهَا لُغُوْبٌ (فاطر)

مولانا عبد الماجد دریابادی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ اکتاہٹ کی تھکن تو طبیعت پر اس وقت غالب ہونے لگتی ہے جب ایک ہی شے سے مسلسل سابقہ پڑتا ہے لیکن جنت کی نعمتیں تو ہر دم "تازہ بہ تازہ نو بہ نو" ملتی رہیں گی، اس لیے وہاں تھکن اور اکتاہٹ کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہو سکتا۔ ضمناً یہاں یہ حقیقت بھی آگئی، کہ بخلاف دنیا کی عیش و عشرت کے جس کی کثرت لازمی طور پر تھکا دینے والی ہوتی ہے، جنت کی لذتیں برابر راحت و سرور ہی بڑھانے والی ہوں گی۔ آج ذرا دیر تک مسلسل قہقہہ لگا کر دیکھئے یا مسلسل کئی کئی گھنٹہ تھیٹر، سینما، ناچ دیکھنے کا ذرا تجربہ کر لیجئے، طبیعت میں لازمی طور پر افسردگی اور تھکاوٹ طاری ہو جائے گی، مسلسل و غیر منقطع تازگی، شگفتگی قائم رکھنا جنت ہی کی نعمتوں کا خاصہ ہو گا۔ (تفسیر ماجدی)

نماند ایں شب تاریک میر سد سحرش... نماند ابر زخورشید میرود کدرش

منکرین کی فریاد اور توحید کی فیصلہ کن صدائیں

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

وَالَّذِیْنَ كَفَرُوْا لَهُمْ نَارُ جَهَنَّمَ لَا یُقْضٰى عَلَیْهِمْ فَیَمُوْتُوْا وَلَا یُخَفَّفُ عَنْهُمْ مِّنْ عَذَابِهَا ؕ كَذٰلِكَ نَجْزِیْ كُلَّ كَفُوْرٍ {۳۶} وَهُمْ یَصْطَرِخُوْنَ فِیْهَا ۚ رَبَّنَاۤ اَخْرِجْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا غَیْرَ الَّذِیْ كُنَّا نَعْمَلُ ؕ اَوَلَمْ نُعَمِّرْكُمْ مَّا یَتَذَكَّرُ فِیْهِ مَنْ تَذَكَّرَ وَجَآءَكُمُ النَّذِیْرُ ؕ فَذُوْقُوْا فَمَا لِلظّٰلِمِیْنَ مِنْ نَّصِیْرٍ {۳۷} اِنَّ اللّٰهَ عٰلِمُ غَیْبِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ اِنَّهٗ عَلِیْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ {۳۸} هُوَ الَّذِیْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ فِی الْاَرْضِ ؕ فَمَنْ كَفَرَ فَعَلَیْهِ كُفْرُهٗ ؕ وَلَا یَزِیْدُ الْكٰفِرِیْنَ كُفْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ اِلَّا مَقْتًا ۚ وَلَا یَزِیْدُ الْكٰفِرِیْنَ كُفْرُهُمْ اِلَّا خَسَارًا {۳۹} قُلْ اَرَءَیْتُمْ شُرَكَآءَكُمُ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ اَرُوْنِیْ مَاذَا خَلَقُوْا مِنَ الْاَرْضِ اَمْ لَهُمْ شِرْكٌ فِی السَّمٰوٰتِ ۚ اَمْ اٰتَیْنٰهُمْ كِتٰبًا فَهُمْ عَلٰى بَیِّنَتٍ مِّنْهُ ۚ بَلْ اِنْ یَّعِدُ

الظّٰلِمُوْنَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا اِلَّا غُرُوْرًا {۴۰} فاطر

جواب ترجمہ: اور جن لوگوں نے کفر کیا ان کے لیے دوزخ کی آگ ہے، نہ تو ان کی قضا آئے گی کہ وہ مر ہی جائیں اور نہ ان سے اس کا عذاب ہلکا کیا جائے گا، ہر کافر کو ہم ایسی ہی سزا دیا کرتے ہیں۔ اور وہ لوگ دوزخ میں چلائیں گے کہ اے ہمارے رب ہمیں دوزخ سے نکالیے ہم ان اعمال کے علاوہ دوسرے عمل کریں گے جو کیا کرتے تھے، کیا ہم نے تمہیں اتنی عمر نہیں دی تھی جس میں وہ شخص سمجھ سکتا تھا جو سمجھنا چاہتا، اور تمہارے پاس ڈرانے والا آیا تھا، سو تم چکھ لو، سو ظالموں کے لیے کوئی بھی مددگار نہیں۔ بلاشبہ اللہ آسمانوں کے اور زمین کے غیب کا جاننے والا ہے، بلاشبہ وہ دلوں کی باتوں کا جاننے والا ہے۔ وہی ہے جس نے تمہیں زمین میں پہلے لوگوں کے بعد آباد فرمایا، سو جو شخص کفر اختیار کرے اس کا کفر اسی پر ہے، اور کافروں کے لیے ان کا کفر ان کے رب کے نزدیک ناراضگی ہی کو بڑھاتا ہے، اور کافروں کے لیے ان کا کفر صرف خسارہ ہی میں اضافہ کرتا ہے۔ آپ فرما دیجیے کہ تم جنہیں اللہ کے سوا پکارتے ہو ان کا حال بتاؤ، مجھے دکھاؤ انہوں نے زمین کا کونسا حصہ پیدا کیا، کیا آسمانوں میں ان کا کوئی ساجھا ہے، کیا ہم نے انہیں کوئی کتاب دی ہے کہ یہ اس کی دلیل پر قائم ہوں، بلکہ بات یہ ہے کہ ظالم لوگ ایک دوسرے کو صرف دھوکہ کی باتوں کا وعدہ کرتے ہیں۔

خلاصہ تفسیر: ان آیاتِ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے کفار و مشرکین کے دردناک انجام کو نہایت عبرت انگیز انداز میں بیان فرمایا ہے، ارشاد ہوا کہ

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَهُمْ نَارُ جَهَنَّمَ لَا يُقْضٰى عَلَيْهِمْ فَيَمُوْتُوْا: جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں کا انکار کیا، ان کے لیے جہنم کی آگ ہے، جہاں وہ ہمیشہ رہیں گے، نہ انہیں موت آئے گی کہ عذاب سے نجات پا جائیں اور نہ ان کے عذاب میں کوئی کمی کی جائے گی، جب وہ جہنم کی شدت اور ہولناکی سے بے قرار ہو کر چیخیں گے اور اللہ تعالیٰ سے درخواست کریں گے کہ

رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا غَيْرَ الَّذِيْ كُنَّا نَعْمَلُ: ہمیں دوبارہ دنیا میں بھیج دیا جائے تاکہ ہم نیک اعمال کریں، تو انہیں جواب دیا جائے گا کہ

اَوَلَمۡ نُعَمِّرۡكُمۡ مَّا يَتَذَكَّرُ فِيۡهِ مَنۡ تَذَكَّرَ وَجَآءَكُمُ النَّذِيۡرُ: دنیا میں تمہیں اتنی عمر دی گئی تھی جس میں نصیحت قبول کرنے والا نصیحت حاصل کر سکتا تھا، اور تمہارے پاس رسول بھی آئے تھے جو تمہیں عذابِ الٰہی سے ڈراتے رہے، مگر تم نے حق کو ٹھکرا دیا، اب تمہارے لیے نہ کوئی عذر باقی ہے اور نہ کوئی مددگار جو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچا سکے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی کامل علم وقدرت کو بیان فرمایا کہ

اِنَّ اللّٰهَ عٰلِمُ غَيۡبِ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ: وہ آسمانوں اور زمین کے ہر غیب کو جاننے والا ہے، بلکہ انسان کے دلوں میں چھپے خیالات اور ارادوں سے بھی پوری طرح واقف ہے۔

هُوَ الَّذِىۡ جَعَلَكُمۡ خَلٰٓئِفَ فِى الۡاَرۡضِ: اسی نے انسانوں کو زمین میں ایک دوسرے کا جانشین بنایا تاکہ انہیں آزما کر دیکھے کہ کون ایمان واطاعت اختیار کرتا ہے اور کون کفر وسرکشی۔

فَمَنۡ كَفَرَ فَعَلَيۡهِ كُفۡرُهٗ وَلَا يَزِيۡدُ الۡكٰفِرِيۡنَ كُفۡرُهُمۡ عِنۡدَ رَبِّهِمۡ اِلَّا مَقۡتًا: کافر کا کفر اللہ تعالیٰ کو کوئی نقصان نہیں پہنچاتا، بلکہ اس کی ہلاکت اور خسارہ خود اسی کی طرف لوٹتا ہے، اس کے بعد مشرکین کے عقیدۂ شرک کی تردید کرتے ہوئے نہایت عقلی انداز میں سوال کیا گیا کہ

قُلۡ اَرَءَيۡتُمۡ شُرَكَآءَكُمُ الَّذِيۡنَ تَدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ: جن معبودانِ باطل کو تم اللہ کے سوا پکارتے ہو، انہوں نے زمین وآسمان کی کون سی چیز پیدا کی ہے؟ کیا وہ تخلیقِ کائنات میں اللہ کے شریک ہیں یا ان کے پاس کوئی آسمانی دلیل موجود ہے؟ جب ان سوالات کا کوئی جواب نہیں تو واضح ہو گیا کہ شرک محض دھوکا، باطل فریب اور بے بنیاد گمان کا نام ہے، جس کے ذریعے شیطان اور باطل پرست لوگ ایک دوسرے کو دھوکے میں مبتلا رکھتے ہیں۔

قدرت الٰہی کے سائے میں لرزتی کائنات اور متکبروں کا انجام

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

اِنَّ اللّٰهَ يُمۡسِكُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ اَنۡ تَزُوۡلَا‌ ۚ وَلَئِنۡ زَالَتَاۤ اِنۡ اَمۡسَكَهُمَا مِنۡ اَحَدٍ مِّنۡۢ بَعۡدِهٖ ؕ اِنَّهٗ كَانَ حَلِيۡمًا غَفُوۡرًا ﴿۴۱﴾ وَاَقۡسَمُوۡا بِاللّٰهِ جَهۡدَ اَيۡمَانِهِمۡ لَئِنۡ جَآءَهُمۡ نَذِيۡرٌ لَّيَكُوۡنُنَّ اَهۡدٰى مِنۡ اِحۡدَى الۡاُمَمِ‌ۚ فَلَمَّا جَآءَهُمۡ نَذِيۡرٌ مَّا زَادَهُمۡ اِلَّا نُفُوۡرًا ﴿۴۲﴾

اسْتِكْبَارًا فِي الْاَرْضِ وَمَكْرَ السَّيِّئِ وَلَا يَحِيْقُ الْمَكْرُ السَّيِّئُ اِلَّا بِاَهْلِهٖ فَهَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا سُنَّتَ الْاَوَّلِيْنَ فَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَحْوِيْلًا {۴۳} اَوَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَكَانُوْٓا اَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعْجِزَهٗ مِنْ شَيْءٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ اِنَّهٗ كَانَ عَلِيْمًا قَدِيْرًا {۴۴} فاطر

جواب ترجمہ: بلاشبہ اللہ آسمانوں کو اور زمین کو روکے ہوئے ہے کہ وہ ٹل نہ جائیں اور اگر وہ ٹل جائیں تو اس کے سوا ان دونوں کو کوئی بھی تھامنے والا نہیں، بلاشبہ وہ حلیم ہے غفور ہے۔ اور ان لوگوں نے مضبوطی کے ساتھ اللہ کی قسم کھائی کہ اگر ہمارے پاس کوئی ڈرانے والا آجائے تو دوسری امتوں کے مقابلہ میں ہر ایک سے زیادہ ہدایت پانے والے ہوں گے پھر جب ان کے پاس ڈرانے والا آگیا تو ان کی نفرت زیادہ ہوگئی۔ زمین میں تکبر کرنے اور بری تدبیریں اختیار کرنے کی وجہ سے، اور بری تدبیر کا وبال اسی پر ہے جو یہ کام کرے، سو کیا وہ پرانے لوگوں کے دستور کا انتظام کر رہے ہیں، سو آپ ہرگز اللہ کے دستور میں تبدیلی نہ پائیں گے اور آپ ہرگز اللہ کے دستور میں منتقل ہونا نہ پائیں گے۔ کیا وہ لوگ زمین میں نہیں چلے پھرے تاکہ دیکھ لیتے کہ ان لوگوں کا کیا انجام ہوا جو ان سے پہلے تھے اور وہ ان سے قوت میں بڑھے ہوئے تھے، اور آسمانوں میں اور زمین میں اللہ کو کوئی چیز عاجز نہیں کر سکتی، بلاشبہ وہ جاننے والا ہے قدرت والا ہے۔

خلاصہ تفسیر: ان آیاتِ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنی عظیم قدرت، حلم اور اٹل سنتِ الٰہی کو بیان فرمایا ہے، ارشاد ہوا کہ

اِنَّ اللّٰهَ يُمْسِكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ اَنْ تَزُوْلَا: آسمانوں اور زمین کا پورا نظام اللہ تعالیٰ کے حکم سے قائم ہے، وہی انہیں تھامے ہوئے ہے تاکہ وہ اپنی جگہ سے ہٹ نہ جائیں، اگر بالفرض یہ نظام بگڑ جائے تو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی طاقت ایسی نہیں جو اسے سنبھال سکے، اس کے باوجود اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر فوری عذاب نازل نہیں فرماتا بلکہ حلم اور مہلت سے کام لیتا ہے، تاکہ لوگ توبہ و اصلاح کی

طرف رجوع کر سکیں، اس میں انسان کے لیے یہ عظیم سبق ہے کہ پوری کائنات کا استحکام اللہ تعالیٰ کی قدرت کا محتاج ہے، لہٰذا انسان کو اپنی طاقت، علم اور ترقی پر مغرور ہونے کے بجائے اپنے رب کی عظمت کے سامنے جھک جانا چاہیے۔ پھر مشرکینِ مکہ کے اس جھوٹے دعوے کا ذکر فرمایا گیا کہ

وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَئِنْ جَآءَهُمْ نَذِيْرٌ لَّيَكُوْنُنَّ اَهْدٰى مِنْ اِحْدَى الْاُمَمِ: وہ قسمیں کھا کر کہتے تھے کہ اگر ان کے پاس کوئی رسول آئے تو وہ سابقہ امتوں سے زیادہ ہدایت قبول کرنے والے ہوں گے، مگر جب رسولِ اکرم ﷺ حق کا روشن پیغام لے کر تشریف لائے تو

اِسْتِكْبَارًا فِي الْاَرْضِ وَمَكْرَ السَّيِّئِ: ان کا تکبر، ضد اور باطل سے وابستگی مزید بڑھ گئی، ان کی قسمیں اخلاص اور طلبِ حق پر مبنی نہ تھیں بلکہ محض دکھاوے، فریب اور استکبار کا حصہ تھیں، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ

وَلَا يَحِيْقُ الْمَكْرُ السَّيِّئُ اِلَّا بِاَهْلِهٖ: بری چالیں آخر کار اپنے چلنے والوں ہی کو تباہ کرتی ہیں، پھر اہلِ مکہ کو تاریخ کے آئینے میں جھانکنے کی دعوت دی گئی کہ

اَوَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ: وہ زمین میں سفر کر کے عاد، ثمود اور دوسری سرکش قوموں کے انجام پر غور کریں، جو قوت و طاقت میں ان سے کہیں بڑھ کر تھیں، مگر جب انہوں نے حق کا انکار کیا تو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے نہ بچ سکیں، اس سے واضح کر دیا گیا کہ اللہ تعالیٰ کی سنت کبھی تبدیل نہیں ہوتی، حق کے مقابل تکبر اور سرکشی آخر کار ہلاکت ہی پر منتج ہوتی ہے۔

انسانی کرتوتوں پر جلدی پکڑ نہیں آتی

سوال اس آیت مبارکہ کی تفسیر کیجیے

وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِمَا كَسَبُوْا مَا تَرَكَ عَلٰى ظَهْرِهَا مِنْ دَآبَّةٍ وَّلٰكِنْ يُّؤَخِّرُهُمْ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِعِبَادِهٖ بَصِيْرًا {۴۵} فاطر

جواب ترجمہ: اور اگر اللہ لوگوں کے ہر کرتوت پر ان کی پکڑ کرنے لگتا تو اس زمین کی پشت پر کسی

چلنے والے کو نہ چھوڑتا، لیکن وہ ایک معین مدت تک کے لیے ان کو مہلت دے رہا ہے۔ پھر جب ان کا مقررہ وقت آجائے گا تو اللہ اپنے بندوں کو خود دیکھ لے گا۔

خلاصہ تفسیر: اللہ تعالیٰ حلیم ذات ہے، اگر وہ اپنے بندوں کے تمام گناہوں پر پکڑ کرتا تو تمام آسمانوں والے اور زمینوں والے ہلاک ہو جاتے۔ جانور اور رزق تک برباد ہو جاتے، جانوروں کو ان کے گھونسلوں اور بھٹوں میں بھی عذاب پہنچ جاتا، زمین پر کوئی جانور باقی نہ بچتا۔ لیکن اب ڈھیل دیئے ہوئے ہے، عذابوں کو موخر کئے ہوئے ہے، وقت آرہا ہے کہ قیامت قائم ہو جائے اور حساب کتاب شروع ہو جائے۔ اطاعت کا بدلہ اور ثواب ملے۔ نافرمانی کا عذاب اور اس پر سزا ہو۔ اجل آنے کے بعد پھر تاخیر نہیں ملنے کی۔ اللہ عزوجل اپنے بندوں کو دیکھ رہا ہے اور وہ بخوبی دیکھنے والا ہے۔ (ابن کثیر)

علامہ اسماعیل حقی رحمہ اللہ اس آیت کے ذیل میں لکھتے ہیں کہ اس آیت میں یہ بتایا ہے کہ انسانوں کے گناہوں کا اثر جنگلوں میں جانوروں پر اور فضا میں پرندوں پر بھی پڑتا ہے یہی وجہ ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کے زمانہ میں اللہ تعالیٰ نے تمام جانوروں کو ہلاک کر دیا تھا ماسوا ان جانوروں کے جو حضرت نوح علیہ السلام کے ساتھ کشتی میں تھے، یہ بات نہیں ہے کہ بنو آدم کے گناہوں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ جانوروں کو ہلاک کر دیتا ہے بلکہ بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جانوروں کو بنو آدم کے نفع کے لئے پیدا کیا ہے اور جب اللہ تعالیٰ بنو آدم کے کفر اور شرک کی وجہ سے گرفت فرما کر تمام بنو آدم کو ہلاک کر دے گا تو ان کے نفع کے لئے جو جانور پیدا کئے تھے ان کو باقی رکھنے کا بھی کوئی فائدہ نہیں ہو گا سو بنو آدم کو ہلاک کرنے کے بعد وہ تمام جانوروں، پرندوں اور حشرات الارض کو بھی ہلاک فرمادے گا۔ (روح البیان)

اللہ تعالیٰ کے ڈھیل دینے کی حکمتیں: اس آیت میں یہ اشارہ بھی ہے کہ ہر انسان سے کوئی نہ کوئی ایسی خطا یا تقصیر ضرور صادر ہوتی ہے جو گرفت کا تقاضا کرتی ہے، لیکن اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اس کو ڈھیل دیتا رہتا ہے، پھر جو نادم ہوتا ہے اور توبہ کرتا ہے اس کو معاف کر دیتا ہے اور اس کی توبہ قبول فرماتا ہے اور جو گناہوں پر اصرار کرتا ہے اکڑتا ہے اور سرکشی کرتا ہے اس سے مواخذہ فرماتا ہے اور اس پر گرفت فرماتا ہے، اس آیت سے اللہ تعالیٰ کے حلم اور اس کے درگزر کرنے کا بھی پتا چلتا ہے اور

اس میں بندوں کے لئے بھی یہ ہدایت ہے کہ وہ بھی اپنی مرضی اور مزاج کے خلاف باتوں اور کاموں سے مشتعل نہ ہوں، غضب میں نہ آئیں اور ان کو ٹھنڈے دل سے برداشت کریں اور عفو و درگزر سے کام لیں۔ (تبیان القرآن)

علامہ سعیدی اس کے بعد لکھتے ہیں اس کے بعد فرمایا پس جب ان کا وقت آجائے گا تو اللہ اپنے بندوں کو خوب دیکھ لے گا، اس کا معنیٰ یہ ہے کہ اللہ اپنے بندوں کو جو ڈھیل دے رہا ہے اس کا کوئی یہ مطلب نہ لے کہ وہ اپنے بندوں کے اعمال سے غافل ہے، بلکہ وہ اپنے بندوں کے اعمال پر پوری بصیرت رکھتا ہے اور ان کو وقت مقرر پر پوری پوری جزا دے گا، نیک عمل کرنے والوں کو اجر و ثواب سے نوازے گا کفار اور مشرکین کو دائمی سزا دے گا۔

اور فساق مومنین اس کی مشیت پر موقوف ہیں اگر وہ چاہے گا تو اپنے عفو و درگزر اور فضل و کرم سے کام لے کر ان کو معاف فرما دے گا اور اگر چاہے گا تو ان کو عارضی عذاب میں مبتلا کر کے ان کو بخش دے گا اور اس عارضی عذاب کی کئی صورتیں ہیں، دنیا میں مصائب کا نزول، قبر کا عذاب، حشر میں حساب کو مؤخر کر کے اس کو دیر تک محشر میں محبوس رکھنا، اور آخری صورت یہ ہے کہ اسے کچھ وقت کے لئے دوزخ میں داخل کیا جائے حتیٰ کہ وہ گناہوں سے پاک ہو جائے اور پھر اس کو جنت میں داخل کر دیا جائے گا، مؤمنوں کو دوزخ کا عذاب دیا جائے گا اس میں بھی اس کے کرم سے یہ توقع ہے کہ وہ صورۃً عذاب ہو گا حقیقتاً عذاب نہیں ہو گا اللہ تعالیٰ اس کے ادراک اور شعور کو ماؤف اور معطل کر دے گا جس کی وجہ سے اس کو اس عذاب کا درد اور اس کی اذیت نہیں ہو گی، جیسے کسی شخص کو کلورو فارم سنگھا کر بے ہوش کر دیتے ہیں پھر اس کے جسم کی سرجری کی جاتی ہے اس کا جسم اور اس کے اعضاء کاٹ دیئے جاتے ہیں اور اس کو کوئی تکلیف ہوتی ہے نہ درد محسوس ہوتا ہے۔ (ایضاً)

شیخ عبد الرحمٰن بن ناصر السعدی نے ان آیات کے سیاق و سباق پر نظر رکھتے ہوئے ان کی تفسیر یوں بیان فرمائی ہے کہ اللہ تعالیٰ لوگوں کو ترغیب دیتا ہے کہ محض غفلت کے ساتھ نہیں بلکہ عبرت حاصل کرنے کے لئے اپنے قلب و بدن کے ساتھ زمین میں چلیں پھریں اور دیکھیں کہ ان سے پہلے

گزری ہوئی قوموں کا کیا انجام ہوا جنہوں نے رسولوں کی تکذیب کی، جو ان سے زیادہ مال اور اولاد رکھنے والے اور ان سے زیادہ طاقتور تھے، جنہوں نے ان سے زیادہ زمین کو آباد کیا۔ جب ان پر اللہ کا عذاب نازل ہوا تو ان کی قوت نے انہیں کوئی فائدہ نہ دیا اور اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں ان کا مال اور اولاد کسی کام نہ آئے اور اللہ تعالیٰ کی قدرت اور مشیت ان میں نافذ ہو کر رہی۔

اللہ کی قدرت اور طاقت کا کیا کہنا، ارشاد ہے وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعْجِزَهٗ مِنْ شَيْءٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ اور اللہ ایسا نہیں کہ آسمانوں اور زمین میں کوئی چیز اسے عاجز کر سکے کیونکہ اللہ تعالیٰ کامل علم اور کامل قدرت کا مالک ہے۔ (تفسیر سعدی)

پھر اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے کامل حلم اور گناہ گاروں اور ارباب جرائم کو دی ہوئی ڈھیل کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِمَا كَسَبُوْا اور لوگوں نے جو گناہ کئے اگر اللہ تعالیٰ ان پر ان کا مواخذہ کرتا، مَا تَرَكَ عَلٰى ظَهْرِهَا مِنْ دَآبَّةٍ، تو روئے زمین پر ایک جان دار کو بھی نہ چھوڑتا، یعنی اللہ تعالیٰ ان کو پوری سزا دیتا اور اس سزا کی سختی کا یہ حال ہوتا کہ غیر مکلف حیوانات بھی اس سے نہ بچتے (ولکن) مگر اللہ تعالیٰ ان کو مہلت دیتا ہے مہمل نہیں چھوڑتا۔ (تفسیر سعدی)

شیخ عبدالکریم بن ہوازن قشیری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ لَوْ عَجَّلَ لَهُمْ مَّا يَسْتَوْجِبُوْنَهٗ مِنَ الثَّوَابِ وَالعِقَابِ لَمْ تَفِ أَعْمَارُهُمُ القَلِيلَةُ بِهِ، وَمَا اتَّسَعَتْ أَيَّامُهُمُ القَصِيرَةُ لَهُ، فَأَخَّرَ ذٰلِكَ لِيَوْمِ الحَشْرِ فَإِنَّهُ طَوِيلٌ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ، وَبِأُمُورِ عِبَادِهِ خَبِيرٌ بَصِيرٌ (تفسیر قشیری)

اگر اللہ تعالیٰ اس چیز میں جلدی کر دیتے جس کے یہ مستوجب تھے ثواب و سزا کے، تو ان کی یہ تھوڑی عمریں اس کے لیے کافی نہ ہوتیں، ان کے یہ تھوڑے سے دنیا کے ایام میں اس سزا و ثواب کی گنجائش نہیں تھی، اس لیے اس سب کو روز محشر کے لیے مؤخر فرمایا، اس لیے روز محشر طویل اور لمبا ہے، اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے، وہ اپنے بندوں کے معاملات کی خوب خوب خبر رکھتا ہے اور خوب خوب دیکھتا ہے۔

الحمدللہ رب تعالیٰ نے اپنے حبیب نبی کریم ﷺ کے صدقے میں آج سورۃ فاطر کے مضامین مکمل کرنے کی توفیق عطا فرمائی ہے، آج جمعہ کا دن ہے، اللہ تعالیٰ ہمارے پیارے نبی کریم ﷺ کی ذات اقدس پر ہزارہا رحمتیں نازل فرمائیں، اللہ ہمیں اپنے پیارے حبیب ﷺ کے نعلین مبارک کے صدقے اپنے دین کے ساتھ وابستہ رکھے، آپ ﷺ کے دین پر چلنے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق بخشے، آمین یارب العالمین۔

محمود الرشید عباسی حدوٹی

۲۵ اگست ۲۰۱۷ء۔ ۲ ذوالحج ۱۴۳۸ھ، جمعۃ المبارک، ۱۱ بجے دن

اضافات وترمیمات کی تکمیل: ۲۵ مئی ۲۰۲۶ء ۸ ذوالحج ۱۴۴۷ھ، بروز پیر، ۱۲ بجے دن

سورۃ یٰس (تعارف)

سوال سورۃ یس کا تعارف کروائیں اور اس کے فضائل بیان کریں۔

جواب حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اِنَّ لِکُلِّ شَیْءٍ قَلْبًا، وَقَلْبُ الْقُرْآنِ یٰسٓ وَمَنْ قَرَأَ یٰسٓ کَتَبَ اللّٰہُ لَہٗ بِقِرَاءَتِہَا قِرَاءَۃَ الْقُرْآنِ عَشْرَ مَرَّاتٍ (ترمذی) ہر چیز کا دل ہوتا ہے اور قرآن شریف کا دل سورۃ یاسین ہے، سورۃ یاسین کے پڑھنے والے کو دس قرآن ختم کرنے کا ثواب ملتا ہے۔

حجتہ الاسلام امام غزالی رحمہ اللہ نے اس کے قلب قرآن ہونے کی یہ وجہ بیان کی ہے کہ ایمان کا مدار حشر و نشر کو ماننے اور اس کے اعتراف کرنے پر ہے، اور سورۃ یٰسین میں حشر و نشر کو بہت عمدہ طریقہ سے بیان کیا گیا ہے اور اس وجہ سے یٰسین کو قلب کے مشابہ قرار دیا ہے کیونکہ انسان کے بدن کا استحکام اور قوام قلب کے ذریعہ ہوتا ہے اور اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ جس شخص کا حشر پر ایمان صحیح ہوگا وہ دوزخ سے ڈرے گا اور جنت میں رغبت کرے گا اور پھر وہ گناہوں کو ترک کر دے گا اور گناہ ایمان کی بیماری ہیں جن سے ایمان کمزور ہوتا ہے اور وہ عبادات میں رغبت کرے گا اور وہ ایمان کی صحت کی علامت ہے، پس حشر و نشر کا اعتقاد قلب کے مشابہ ہے کیونکہ قلب کی صحت سے پورے بدن کی صحت ہوتی ہے اور قلب کے فساد سے پورا بدن فاسد ہوتا ہے اور حشر و نشر کا اعتقاد یٰسین سے حاصل ہوتا ہے پس یٰسین کو قلب قرآن قرار دینا صحیح ہے۔

یٰسین کو قلب کے مشابہ قرار دینے کی ایک اور وجہ یہ ہے کہ قلب حقائق امور اور خفیہ باتوں کے انکشاف کا محل ہے اسی طرح حشر کے دن بھی امور غیبیہ منکشف ہو جائیں گے اور یٰسین میں حشر کے قیام پر بہت دلائل دیئے گئے ہیں۔

اور ایک اور مشابہت کی وجہ یہ ہے کہ قلب جسم کی اصل ہے اور باقی اعضاء اس کے مقدمات اور متممات ہیں اسی طرح یٰسین میں رسولوں کی بعثت اور کتابوں کے نازل کرنے کے اہم مباحث بیان کر دیئے گئے ہیں جو کہ اصل ہیں اور قرآن مجید کی باقی سورتوں میں اس کے مقدمات اور متممات بیان

کئے گئے ہیں۔

اور جو شخص قریب المرگ ہو اس کے سامنے یٰسین کی تلاوت کی بھی یہی وجہ ہے کہ مرنے کے بعد اس کو میدان محشر میں جانے کا مرحلہ پیش ہو گا تو وہ حشر کی کیفیت کو یاد کرے تاکہ زندگی کے آخری مرحلہ میں کلمہ پڑھ کر ایمان کے ساتھ دنیا سے رخصت ہو اور اس سورت میں جو اسلام کے اصول بیان کئے گئے ہیں ان کو ذہن میں تازہ کرے تاکہ زندگی کے آخری وقت میں اس کے عقائد صحیح ہوں۔

حضرت صوفی عبد الحمید صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ہر چیز کا ایک دل ہوتا ہے اور قرآن پاک کا دل سورۃ یسین ہے۔ انسانی قلب کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ یہ جسم کا ایک ایسا عضو ہے کہ اگر یہ درست ہے تو سارا جسم درست ہے اور اگر یہی عضو بگڑا ہوا ہے تو سارا جسم فاسد ہوتا ہے۔ گویا جسم کی درستگی کا مدار قلب کی درستگی پر ہے۔ سورۃ بقرہ کو اونٹ کی کوہان کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے کہ جس طرح کوہان اونٹ کا بلند ترین حصہ ہوتا ہے۔ اسی طرح سورۃ بقرہ بھی قرآن کا بلند ترین حصہ ہے اور یہاں سورۃ یسین کو قرآن کا دل اس لیے کہا گیا ہے کہ ایمان دل میں ہوتا ہے عقیدے سے تعلق رکھنے والے جذبات اور محبت، نفرت، خوش اخلاقی، بد اخلاقی، ایمان، کفر، شرک، نفاق وغیرہ کا تعلق دل سے ہے۔ گویا نجات اور فلاح کا مدار صحیح ایمان پر ہے۔ اگر قلب میں ایمان صحیح ہو گا تو انسان کے حالات اس دنیا میں بھی درست ہوں گے اور آخرت میں بھی فوز و فلاح نصیب ہو گی اور اگر ایمان میں ہی خرابی ہے تو کامیابی کا کوئی امکان نہیں۔ غرضیکہ اللہ کی وحدانیت اور رسالت پر یقین، اللہ کی کتاب پر ایمان، حشر نشر کے واقعات پر یقین، سب اس سورۃ میں مذکور ہیں۔ اس لیے اس سورۃ کو قرآن کا قلب کہا گیا ہے، گویا کہ اس سورۃ میں کامیابی کے تمام اصول بیان کر دیے گئے ہیں۔ (معالم العرفان)

حضرت جندب بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مَنْ قَرَأَ يٰسٓ فِي لَيْلَةٍ ابْتِغَاءَ وَجْهِ اللّٰهِ، غُفِرَ لَهُ (ابن حبان) جو شخص رضائے مولیٰ چاہنے کے لیے رات کو سورۃ یاسین پڑھے اس کی بخشش کر دی جاتی ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا مَنْ قَرَأَ يٰسٓ فِي

لَيْلَةٍ أَصْبَحَ مَغْفُورًا لَهُ (ابو یعلیٰ) جو شخص رات کو سورۃ یاسین پڑھے اسے بخش دیا جاتا ہے

حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وَ يٰسٓ قَلْبُ الْقُرْآنِ، لَا يَقْرَؤُهَا رَجُلٌ يُرِيدُ اللّٰهَ وَالدَّارَ الْآخِرَةَ، إِلَّا غُفِرَ لَهُ، وَاقْرَؤُوهَا عَلَى مَوْتَاكُمْ (مسند احمد) سورۃ یاسین قرآن کا دل ہے اسے جو شخص نیک نیتی سے اللہ کی رضا جوئی کے لئے اور آخرت پانے کے لیے پڑھے اس کے گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں۔ اسے ان لوگوں کے سامنے پڑھا کرو جو سکرات کی حالت میں ہوں۔

بعض علماء کرام رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ مِنْ خَصَائِصِ هٰذِهِ السُّورَةِ: أَنَّهَا لَا تُقْرَأُ عِنْدَ أَمْرٍ عَسِيرٍ إِلَّا يَسَّرَهُ اللّٰهُ وَكَأَنَّ قِرَاءَتَهَا عِنْدَ الْمَيِّتِ لِتُنْزِلَ الرَّحْمَةَ وَالْبَرَكَةَ، وَلِيَسْهُلَ عَلَيْهِ خُرُوجُ الرُّوحِ (تفسیر ابن کثیر) اس سورۃ کے خصائص میں سے یہ ہے کہ جس سخت کام کے وقت سورۃ یاسین پڑھی جاتی ہے اللہ اسے آسان کر دیتا ہے۔ مرنے والے کے سامنے جب اس کی تلاوت ہوتی ہے تو رحمت و برکت نازل ہوتی ہے اور روح آسانی سے نکلتی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مشائخ رحمہم اللہ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ إِذَا قُرِئَتْ (يَعْنِي يٰسٓ) عِنْدَ الْمَيِّتِ خُفِّفَ عَنْهُ بِهَا میت کے پاس سورۃ یاسین پڑھنے سے اللہ تعالیٰ اس سے تخفیف کر دیتا ہے اور آسانی ہو جاتی ہے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لَوَدِدْتُ أَنَّهَا فِي قَلْبِ كُلِّ إِنْسَانٍ مِنْ أُمَّتِي (مسند البزار) میری چاہت ہے کہ میری امت کے ہر ہر فرد کو یہ سورت یاد ہو۔

شہر بن حوشب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ يُرْفَعُ الْقُرْآنُ عَنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ، إِلَّا طٰهٰ وَ يٰسٓ جنت والوں سے قرآن کریم اٹھالیا جائے گا مگر وہ سورۃ طٰہٰ اور یاسین کی تلاوت کرتے رہیں گے۔ یعنی ان دونوں سورتوں کے علاوہ باقی قرآن اٹھالیا جائے گا۔ (فضائل القرآن لقاسم)

مفسر ابن عجیبہ رحمہ اللہ کی تفسیر میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سورۃ یاسین کو معمہ کہا جاتا ہے، یعنی یاسین پڑھنے والے کے لیے دونوں جہان کی بھلائیاں عام ہیں، یہ سورۃ دافع ہے، بلاؤں اور مصیبتوں کو ٹالنے والی ہے، اس سورۃ کی تلاوت سے حاجات پوری ہوتی ہیں، پڑھنے والے سے ہر شر کو

دور کرتی ہے، اس کی ہر ضرورت کو پورا کرتی ہے۔ (شعب الایمان للبیہقی)

حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سُورَةُ يٰسٓ فِي التَّوْرَاةِ تُدْعَى الْمُعِمَّةَ قِيلَ: مَا الْمُعِمَّةُ؟ قَالَ: تَعِمُّ صَاحِبَهَا بِخَيْرِ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَتُكَابِدُ عَنْهُ بَلْوَى الدُّنْيَا، وَتَدْفَعُ عَنْهُ أَهْوَالَ الْآخِرَةِ، وَتُدْعَى الْمُدَافِعَةَ الْقَاضِيَةَ تَدْفَعُ عَنْ صَاحِبِهَا كُلَّ سُوءٍ، وَتَقْضِي لَهُ كُلَّ حَاجَةٍ مَنْ قَرَأَهَا عَدَلَتْ لَهُ عِشْرِينَ حَجَّةً، وَمَنْ سَمِعَهَا عَدَلَتْ لَهُ أَلْفَ دِينَارٍ فِي سَبِيلِ اللهِ، مَنْ كَتَبَهَا ثُمَّ شَرِبَهَا أَدْخَلَتْ جَوْفَهُ أَلْفَ دَوَاءٍ وَأَلْفَ نُورٍ وَأَلْفَ يَقِينٍ وَأَلْفَ بَرَكَةٍ وَأَلْفَ رَحْمَةٍ، وَنَزَعَتْ عَنْهُ كُلَّ غِلٍّ وَدَاءٍ

سورۃ یاسین کو تورات میں معمہ کہا جاتا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ معمہ کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ سورۃ اپنے پڑھنے والے کے لیے دنیا اور آخرت کی بھلائیاں عام کر دیتی ہے، اس سے دنیا بلائیں دور کرتی ہے، اس سے آخرت کی ہولناکیاں دور کرتی ہے، اسے مدافعہ اور قاضیہ بھی کہا جاتا ہے، یہ اپنے پڑھنے والے سے ہر برائی دور کرتی ہے، اس کی ہر حاجت پوری کرتی ہے، جو شخص اس سورۃ کو پڑھے گا یہ اس کے لیے بیس حج کرنے کے برابر ہوتی ہے، جو اسے سنے گا اس کے لیے یہ اللہ کے راستے میں ایک ہزار دینار خرچ کرنے کے برابر ہے، جو اسے لکھ کر پیے گا تو اس کے پیٹ میں ایک ہزار دوائیں اور ایک ہزار نور، ایک ہزار یقین، ایک ہزار برکتیں اور ایک ہزار رحمتیں داخل ہوں گی، اس سے ہر کھوٹ اور بیماری کو کھینچ لے گی۔ (شعب الایمان للبیہقی)

حضرت ابو قلابہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں سورۃ یاسین کے یہ فضائل بیان کیے گئے ہیں وَمَنْ قَرَأَ يٰسٓ غُفِرَ لَهُ، وَمَنْ قَرَأَهَا وَهُوَ جَائِعٌ شَبِعَ، وَمَنْ قَرَأَهَا وَهُوَ ضَالٌّ هُدِيَ، وَمَنْ قَرَأَهَا وَلَهُ ضَالَّةٌ وَجَدَهَا، وَمَنْ قَرَأَهَا عند طَعَامٍ خَافَ قِلَّتَهُ كَفَاهُ، وَمَنْ قَرَأَهَا عِنْدَ مَيِّتٍ هُوِّنَ عَلَيْهِ، وَمَنْ قَرَأَهَا عِنْدَ امْرَأَةٍ عُسِرَ عَلَيْهَا وِلْدُهَا يُسِّرَ عَلَيْهَا، وَمَنْ قَرَأَهَا فَكَأَنَّمَا قَرَأَ الْقُرْآنَ إِحْدَى عَشْرَةَ مَرَّةً، وَلِكُلِّ شَيْءٍ قَلْبٌ، وَقَلْبُ الْقُرْآنِ يٰسٓ (شعب الایمان للبیہقی)

جس نے سورۃ یاسین کی تلاوت کی اس کی بخشش کر دی گئی، جو اسے بھوک کی حالت میں پڑھے تو شکم

سیر ہو گا، جو اسے راستہ گم ہونے کی صورت میں پڑھے گا اسے راستہ مل جائے گا، جو اسے کسی کھوئی ہوئی چیز کے لیے پڑھے گا اسے گم شدہ چیز مل جائے گی، جسے کھانے کے دوران کھانا کم ہونے کا خوف ہو اس وقت پڑھے تو یہی کھانا اسے کافی ہو جائے گا، جو اسے کسی میت کے پاس پڑھے تو اس کے لیے آسانی کر دی جائے گی، جو اسے کسی ایسی عورت کے پاس پڑھے جسے بچہ جننے میں مشکل پیش آ رہی ہو تو اس کے لیے بچہ کی پیدائش آسان کر دی جائے گی، جو سورۃ یاسین کی تلاوت کرے گویا کہ اس نے گیارہ بار قرآن کریم ختم کر لیا، ہر چیز کا کوئی دل ہوتا ہے اور قرآن کریم کا دل سورۃ یاسین ہے۔

ابو جعفر محمد بن علی سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ مَنْ وَجَدَ فِي قَلْبِهِ قَسْوَةً فَلْيَكْتُبْ يٰسٓ وَالْقُرْآنِ الْحَكِيمِ فِي جَامٍ بِزَعْفَرَانَ، ثُمَّ يَشْرَبُهُ (شعب الایمان) جس شخص کے دل میں سختی ہو تو اسے چاہیے کہ وہ یس والقرآن الحکیم کو زعفران کے ساتھ ایک پیالے پر لکھ کر اسے پی لے۔

ایک روایت میں یوں آتا ہے کہ سورۃ یاسین جس مقصد کے لیے پڑھی جاتی ہے وہ مقصد پورا ہوتا ہے۔ (تفسیر ابن عجیبہ) ایک روایت میں سورۃ یاسین کے فضائل کچھ یوں بیان کیے گئے ہیں سورۃ یاسین کو خوف زدہ شخص پڑھے گا تو محفوظ ہو جائے گا، بھوکا پڑھے گا تو شکم سیر ہو جائے گا، پیاسا پڑھے گا تو سیراب ہو جائے گا، عریاں پڑھے گا تو باالباس ہو جائے گا، قیدی پڑھے گا تو اسے رہائی مل جائے گی، بے شادی شدہ پڑھے گا تو اس کی شادی کی سبیل پیدا ہو جائے گی، مسافر پڑھے گا تو راہ پا جائے گا، گم شدہ چیز والا پڑھے گا تو اسے گم شدہ چیز مل جائے گی۔ (تفسیر البحر المدید لابن عجیبہ)

ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا جو شخص موت کے وقت سورۃ یاسین پڑھے گا یا اس کے پاس پڑھی جائے گی تو اللہ تعالیٰ اس کے ہر حرف کے بدلے میں دس فرشتے اتاریں گے، جو اس کے سامنے کھڑے ہوں گے، جو اس کے لیے رحمت کی دعا کریں گے اور اس کے لیے بخشش طلب کریں گے اور اس کے جنازے میں شریک ہوں گے۔ (تفسیر البحر المدید لابن عجیبہ)

حضرت عائشہ صدیقہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا إِنَّ فِي الْقُرْآنِ سُورَةٌ يَشْفَعُ قَارِئُهَا وَيُغْفِرُ لِمُسْتَمِعِهَا وَهِيَ يٰسٓ بے شک قرآن کریم میں ایک سورت ہے جو اپنے پڑھنے

والے کی سفارش کرے گی اور اپنے سننے والے کی بخشش کروائے گی وہ سورۃ سورت یس ہے۔ (تفسیر ابن عطیہ اندلسی)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا مَنْ دَاوَمَ عَلَى قِرَاءَةِ يٰسٓ كُلَّ لَيْلَةٍ ثُمَّ مَاتَ مَاتَ شَهِيدًا (طبرانی، ابن مردویہ) جو شخص سورۃ یاسین روزانہ پڑھے پھر وہ فوت ہو جائے تو وہ شہادت کی موت مرا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مَنْ قَرَأَ يٰسٓ حِينَ يُصْبِحُ أُعْطِيَ يُسْرَ يَوْمِهِ حَتَّى يُمْسِيَ، وَمَنْ قَرَأَهَا فِي صَدْرِ لَيْلَتِهِ أُعْطِيَ يُسْرَ لَيْلَتِهِ حَتَّى يُصْبِحَ. (الدارمی، فتح القدیر للشوکانی) جس شخص نے صبح کے وقت سورت یاسین کی تلاوت کی وہ اس دن شام تک آسانی دیا گیا، اور جو شخص اس کو رات کے ابتدائی حصہ میں پڑھے تو وہ اس رات کی صبح تک آسانی دیا گیا۔

حضرت براء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مَنْ قَرَأَهَا فِي لَيْلَةٍ أُضْعِفَتْ لَهُ عَلَى سَائِرِ الْقُرْآنِ عَشْرًا، وَمَنْ قَرَأَهَا فِي صَدْرِ النَّهَارِ بَيْنَ يَدَيْ حَاجَتِهِ قُضِيَتْ لَهُ حَاجَتُهُ (فضائل القرآن للمستغفری) جو شخص سورۃ یاسین ایک رات میں پڑھے گا اس کو سارے قرآن کریم کا دگنا اجر دیا جائے گا، اور جس شخص کی کوئی حاجت وضرورت ہو تو وہ دن کے ابتدائی حصہ میں سورۃ یاسین پڑھے گا تو اس کی حاجت پوری کی جائے گی۔

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا أَيُّمَا رَجُلٍ قَرَأَ يٰسٓ فِي سَكَرَاتِ الْمَوْتِ لَمْ يَقْبِضْ مَلَكُ الْمَوْتِ رُوحَهُ حَتَّى يُجِيئَهُ رِضْوَانُ خَازِنُ الْجَنَّةِ بِشَرْبَةٍ مِّنْ شَرَابِ الْجَنَّةِ فَيَشْرَبُهَا وَهُوَ عَلَى فِرَاشَتِهِ فَيَقْبِضُ مَلَكُ الْمَوْتِ رُوحَهُ وَهُوَ رَيَّانٌ وَيَمْكُثُ فِي قَبْرِهِ رَيَّانٌ وَيُبْعَثُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَهُوَ رَيَّانٌ وَيُحَاسَبُ وَهُوَ رَيَّانٌ (فضائل القرآن للمستغفری)

جو شخص سکرات الموت کے وقت سورۃ یاسین پڑھے اس کی روح ملک الموت اس وقت تک قبض نہیں کرتا جب تک کہ جنت کا فرشتہ رضوان جنت کی شراب لے کر حاضر نہیں ہو جاتا، پھر وہ اسے بستر

پر پیتا ہے، پھر ملک الموت اس کی روح قبض کرتا ہے، درانحالیکہ وہ سیر اب ہو چکا ہوتا ہے، وہ قبر میں ٹھہرتا ہے درانحالیکہ وہ سیر اب ہوتا ہے، وہ قیامت کے دن اٹھایا جائے گا درانحالیکہ وہ سیر اب ہو گا، اس کا حساب لیا جائے گا درانحالیکہ وہ سیر اب ہو گا۔

ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کو نبی کریم ﷺ نے حضرت جبریل علیہ السلام کا سلام پہنچایا، ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ سے درخواست کی کہ وہ سورتوں کو پڑھنے کا ثواب بیان کریں تو نبی کریم ﷺ نے ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے باقی سورتوں کے علاوہ سورۃ یاسین کا ثواب بھی بیان فرمایا ہے، اس میں آپ ﷺ نے فرمایا مَن قَرَأَ سُورَةَ {یٰسٓ} فَبَخٍ بَخٍ جس شخص نے سورۃ یاسین پڑھی واہ واہ، شاباش۔ اسی روایت میں ہے کہ ایک آدمی نے عرض کی یارسول اللہ! سورۃ یاسین پڑھنے والے کے ثواب کے بارے میں ارشاد فرمایئے، تو آپ ﷺ نے اسے فرمایا کہ

هِيَ قَلبُ القُرآنِ وَقَلبُ جَمِيعِ الكُتُبِ الَّتِي أَنزَلَ اللهُ عَلَى جَمِيعِ أَنبِيَائِهِ وَرُسُلِهِ فَمَن قَرَأَهَا اِبتِغَاءَ وَجهِ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ غَفَرَ اللهُ تَعَالٰى لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِن ذَنبِهِ وَمَا تَأَخَّرَ وَكَأَنَّمَا قَرَأَ القُرآنَ عَشرَ مِرَاراً فَمَن قَرَأَهَا وَهُوَ مَكرُوبٌ فَرَّجَ اللهُ تَعَالٰى عَنهُ وَإِن قَرَأَهَا عِندَ خُرُوجِهِ إِلٰى سَفَرٍ حَفِظَهُ اللهُ تَعَالٰى مِن مَّكَارِهِ الدُّنيَا حَتّٰى يَرجِعَ إِلٰى بَيتِهِ، وَمَن قَرَأَهَا عِندَ مَيِّتٍ أَعَاذَهُ اللهُ تَعَالٰى مِن عَذَابِ القَبرِ، وَمَن قَرَأَهَا فِي الصَّلَاةِ قَبِلَت صَلَاتُهُ وَلَم يَسأَلِ اللهَ شَيئًا إِلَّا أَعطَاهُ إِيَّاهُ، وَمَن قَرَأَهَا عِندَ مَيِّتٍ مِّنَ المُسلِمِينَ وَهُوَ يُحتَضَرُ نَزَلَ بِكُلِّ حَرفٍ مِّنهَا عَشَرَةٌ مِّنَ المَلَائِكَةِ يَقُومُونَ بَينَ يَدَيهِ صُفُوفًا فَيُصَلُّونَ عَلَيهِ وَيَستَغفِرُونَ لَهُ (فضائل القرآن للمستغفری)

سورۃ یاسین قرآن کریم کا دل ہے، اوران تمام کتابوں کا دل ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے تمام انبیاء اور رسولوں پر نازل کی ہیں، جو شخص اسے اللہ تعالیٰ کی رضا چاہنے کے لیے پڑھے گا اللہ تعالیٰ اس کے اگلے پچھلے گناہ معاف فرمادیں گے، جس نے سورۃ یاسین پڑھی گویا کہ اس نے دس قرآن کریم پڑھے، جو پریشان حال اسے پڑھے گا اللہ تعالیٰ اس کی پریشانی ہٹادیں گے۔

سفر میں نکلتے وقت پڑھے گا تو اس کے گھر واپس آنے تک دنیا کی ناپسندیدہ چیزوں سے اس کی حفاظت کی جائے گی، جو شخص اسے میت کے پاس پڑھے گا اللہ تعالیٰ اس میت کو عذاب قبر سے بچائیں گے، جو شخص اسے نماز میں پڑھے گا اس کی نماز قبول کی جائے گی، اور اللہ سے جو مانگے گا وہ اسے دیا جائے گا، جو شخص مسلمان میت کے پاس سورۃ یاسین اس وقت پڑھے جب اس کی سانس گلے میں رک رہی ہو ایسے میں اس پر ہر حرف کے بدلے میں دس فرشتے اترتے ہیں جو صفیں باندھ کر اس کے سامنے کھڑے ہو جاتے ہیں، پھر وہ اس کے لیے دعا کرتے ہیں اور اس کے لیے بخشش مانگتے ہیں۔

حضرت یحیٰ بن ابی کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مَن قَرَأَ سُورَةَ يٰسٓ لَيلًا لَم يَزَل فی فَرَحٍ حَتّٰی يُصبِحَ وَيُصَدِّقُ ذٰلِكَ التَّجرِبَةُ، جو شخص سورۃ یاسین کو رات میں پڑھے گا وہ صبح تک برابر خوشی میں رہے گا اور اس بات کی تصدیق انسان کا تجربہ کرے گا۔ (تفسیر ابن عطیہ اندلسی)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا إِنَّ فی القُرآنِ لَسُورَةٌ تُدعیٰ: اَلعَظِيمَةُ عِندَ اللهِ، يُدعیٰ صَاحِبُهَا: اَلشَّرِيفُ عِندَ اللهِ، يَشفَعُ صَاحِبَهَا يَومَ القِيَامَةِ فی أَكثَرَ مِن رَبِيعَةَ وَمُضَرَ، وَهِیَ سُورَةُ يٰسٓ (التفسیر الوسیط للزحیلی)

قرآن کریم میں ایک سورۃ ہے جسے اللہ کے ہاں العظیمۃ کے نام سے پکارا جاتا ہے، اس کے پڑھنے والے کو اللہ کے ہاں شریف کہا جاتا ہے، جو قیامت کے دن ربیعہ اور مضر سے زیادہ اپنے پڑھنے والے کی سفارش کرے گی، وہ سورۃ سورۃ یاسین ہے۔

سورۃ یاسین کے نام: اسی طرح سورۃ یاسین کا ایک نام قلب ہے، قلب کا معنیٰ ہے دل، حدیث شریف میں اس سورۃ کو قرآن کریم کا بلکہ پہلی تمام آسمانی کتابوں کا دل کہا گیا ہے، اس لیے اس سورۃ کا نام سورۃ القلب ہے۔

اسی طرح اس سورۃ کا ایک نام الدافعہ ہے، دافعہ کا معنیٰ ہے دور کرنے والی، از روئے حدیث شریف یہ سورۃ اپنے پڑھنے والے کی پریشانی کو دور کرتی ہے، اس سے برائی کو دور کرتی ہے، اس سے کرب والم دور کرتی ہے، اس لیے اس سورت کو سورۃ الدافعہ کہا جاتا ہے۔

اسی طرح اس سورۃ کا ایک نام القاضیہ ہے، قاضیہ کا معنیٰ ہے پورا کرنے والی، ازروئے حدیث شریف یہ سورۃ اپنے پڑھنے والے کی حاجات کو پورا کرنے میں بڑی معین ہے، جس مقصد کے لیے یہ سورۃ پڑھی جاتی ہے پڑھنے والے کا وہ مقصد پورا ہو جاتا ہے۔

اسی طرح اس سورۃ کا ایک نام معمہ بھی ہے، معمہ یہ لفظ عام سے ہے، جس کا معنیٰ ہے عام ہونا، اروئے حدیث شریف اس سورت کو پڑھنے والے کے لیے دنیا اور آخرت کی بھلائیاں عام ہوتی ہیں۔

اسی طرح اس سورۃ کا ایک نام العظیمت بھی ہے، عظمیت عظمت سے ہے، جس کا معنیٰ ہے بلندی، حضرت عائشہ کی روایت کے مطابق اس سورت کو اللہ کے ہاں العظمیت کہا جاتا ہے، اسے پڑھنے والے کو اللہ کے ہاں شریف کہا جاتا ہے۔

اس سورۃ کا مشہور و معروف نام یاسین ہے، جو اس کی پہلی آیت میں موجود ہے، یہی نام اس کا ہر خاص وعام کی زبان پر موجود ہے، اس کے مفہوم اور مطلب سے اہل تفسیر نے آگاہ فرمایا ہے۔

اسی طرح اس سورت کا ایک نام سورہ حبیب النجار بھی ہے، حبیب نجار وہ شخص تھا جو شہر کے کنارے سے چلتا ہوا آیا تھا، جس نے آکر اس بستی کے لوگوں سے کہا تھا کہ وہ اللہ کی طرف سے بھیجے ہوئے نبیوں کی پیروی کریں، سورۃ یس میں چونکہ اس شخص کا قصہ موجود ہے، اس لیے اس سورۃ کا ایک نام سورۃ حبیب النجار بھی ہے۔

سورۃ یاسین کا مقام و مرتبہ: سورۃ یاسین کے مرتبے اور مقام کا اندازہ اسی بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ کائنات بننے سے پہلے اللہ تعالیٰ نے اس کی تلاوت کی، فرشتوں نے تلاوت سننے کے بعد ان لوگوں پر رشک کا اظہار کیا جن کو یہ دی جائے گی، حضرت نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے اِنَّ اللّٰہ تَعَالٰی قَرَأَ طٰہٰ وَ یٰسٓ قَبلَ اَن خَلَقَ آدَمَ بِأَلفَی عَامٍ فَاذَا سَمِعتِ المَلَائِکَۃُ قَالُوا طُوبیٰ لِاُمَّۃٍ یَنزِلُ عَلَیھِم ھٰذَا وَطُوبیٰ لِاَلسُنٍ تَتَکَلَّمَ بِھٰذَا وَطُوبیٰ لِاَجوَافٍ تَحمِلُ ھٰذَا (روح البیان)

اللہ تعالیٰ نے سورۃ طٰہٰ اور سورۃ یاسین آدم علیہ السلام کی پیدائش سے دو ہزار سال پہلے تلاوت کی، جب فرشتوں نے اس کی تلاوت کو سنا تو کہنے لگے اس امت کو مبارک ہو جس کے لیے یہ اتاری جائے گی،

ان زبانوں کو مبارک ہو جو اس کی تلاوت کریں گے، ان دلوں کو مبارک ہو جو اسے اپنے اندر محفوظ رکھیں گے۔

تفسیر روح البیان میں یہ روایت ہے کہ جب اللہ کے دوست جنت میں پہنچ جائیں گے تو کہا جائے گا کہ تم نے بہت تلاوتیں سنی ہیں، آج وقت آگیا ہے کہ ہماری زبان سے تلاوت سنو، تو اس وقت اللہ تعالیٰ سورۃ فاتحہ، طٰہٰ اور سورۃ یاسین کی تلاوت فرمائیں گے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اس وقت جب لوگ اللہ تعالیٰ کی زبان سے تلاوت سنیں گے تو یوں لگے گا کہ انہوں نے کبھی قرآن کریم سنا ہی نہیں ہے۔(روح البیان)

سورۃ یاسین پر ایک نظر: سورۃ یاسین بالاجماع مکی سورتوں میں سے ہے، اس میں صرف آیت ۴۵ ایسی ہے جو مدنی ہے، اس کی تراسی آیات ہیں، اور سات سو انتیس کلمات ہیں، اور تین ہزار حروف ہیں، یہ سورت سورۃ الجن کے بعد نازل ہوئی ہے، اس سورۃ کے نزول کا زمانہ مسلمانوں کی مکی زندگی کا درمیانی عرصہ ہے، ہجرت حبشہ اور واقعہ معراج کے درمیانی زمانے میں نازل ہوئی۔

یٰسٓ حروف مقطعات میں سے ایک حرف ہے، جسے لکھنے میں یس لکھتے ہیں اور پڑھنے میں یاسین پڑھا جاتا ہے، اس کے معنیٰ اور مطلب کو اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتے ہیں، اہل علم و عرفان نے اپنی اپنی معلومات کے پیش نظر اس کی مراد اپنی اپنی تفاسیر میں بیان کی ہے۔

سورت یاسین نبی کریم ﷺ کی رسالت کے حوالے سے ہمیں بتاتی ہے، اس سورۃ میں مرنے کے بعد دوبارہ اٹھائے جانے کے بارے میں بتایا گیا ہے، اس میں اللہ تعالیٰ کی قدرت اور وحدانیت کا ذکر کیا گیا ہے، قیامت کے مشاعر وافکار کے بارے میں غور و فکر کرنے کی دعوت دی گئی ہے، یہ سورۃ اپنے بیان و مضمون کے اعتبار سے واضح کرتی ہے کہ واقعی یہ قرآن کریم کا دل ہے اور اپنے پڑھنے والے کے لیے سفارشی ہے۔

اس سورت میں عبرت حاصل کرنے کے لیے مثالیں بیان کی گئی ہیں، اس میں قصص بیان کیے گئے ہیں، اس میں کونی آیات بیان کی گئی ہیں، اس میں کفار کے بعض عقائد اور افعال پر مناقشہ بھی ہے،

مشاہدہ روز محشر کا ذکر ہے، اس میں مشرکین کے شبہات کو توڑا گیا ہے، ان کے دلائل کے تانے بانے کاٹے گئے ہیں، ایسے ایسے مضامین اس میں موجود ہیں جو دلوں کے بند دریچے اور ان پر چڑھے ہوئے غلاف اتارتے ہیں، جن دلوں پر لمبی امیدوں اور آرزؤں کے باعث سختی اور قساوت نے ڈیرے ڈال رکھے ہیں، جو لوگ پتھروں بلکہ ان سے بھی سخت ہو چکے ہیں ان کے مردہ دلوں کو یہ سورت زندہ کرتی ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ یٰسٓ قسم ہے، حضرت حسن بصری رحمہ اللہ، حضرت سعید بن جبیر رحمہ اللہ اور اہل علم کی ایک جماعت یوں کہتی ہے کہ اس کا معنیٰ عرب کے مشہور قبیلہ طیٔ کی زبان میں ہے اے انسان! اس سے مراد انسان کامل حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس ہے۔

حضرت ابو العالیہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ یس کا معنیٰ ہے اے مرد! حضرت ابو بکر الورّاق رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ یس کا معنیٰ ہے اے سید البشر! یعنی اے انسانوں کے سردار۔ (تفسیر بغوی)

یٰسٓ کے لفظ میں اہل تفسیر کہتے ہیں کہ پانچ تاویلیں ہیں ① پہلی تاویل یہ کی گئی ہے حضرت قتادہ فرماتے ہیں کہ یس اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے ایک نام ہے۔ ② حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے ایک نام ہے جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے قسم کھائی ہے۔ ③ مفسر قرآن حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یس فواتح کلام اللہ ہے، یعنی ایسا لفظ ہے جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ اپنے کلام کا آغاز کرتے ہیں، تو انہی فواتح میں سے ایک یس بھی ہے۔ ④ حضرت محمد بن الحنفیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یس کا مطلب ہے اے محمد!

اس کی تائید حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی ایک روایت سے بھی ہوتی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ إِنَّ اللّٰهَ تَعَالَى سَمَّانِي فِي الْقُرآنِ بِسَبْعَةِ أَسْمَاءَ: مُحَمَّدٍ وَأَحْمَدَ وَطٰهٰ وَ يٰسٓ وَالْمُزَّمِّلِ وَالْمُدَّثِّرِ وَعَبْدَ اللّٰهِ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں میرے سات نام لیے ہیں، محمد، احمد، طٰہٰ، یس، مزمل، مدثر اور عبد اللہ۔

⑤ حضرت حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یس کا معنیٰ ہے اے انسان! بعض حضرات کہتے ہیں کہ یس عرب کے مشہور قبیلہ طیٔ کا لفظ ہے، بعض حضرات کہتے ہیں کہ یہ حبشی زبان کا لفظ ہے۔

ان تاویلات کی روشنی میں جو بھی معنیٰ یس کا لیا جائے تو اس کی تان جا کر سرکار دوعالم ﷺ کی ذات اقدس پر ختم ہوتی ہے، اگر اس کا معنیٰ یاسید! اے سردار ہے تو اس سے مراد سردار کائنات، سرور دوجہاں ﷺ کی ذات اقدس ہے، اگر اس کا معنیٰ یارجل ہے تو آپ ﷺ خلاصہ بشر ہیں، اگر اس کا معنیٰ یا محمد ہے تو کا مفہوم اور اس کی مراد تو ظاہر باہر ہے۔

مفسر قرآن حضرت مولانا صوفی عبدالحمید سواتی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ یٰسین حروف مقطعات میں سے ہے، مفسرین کرام نے ان حروف کے مختلف معانی بیان کئے ہیں، بعض یٰسین کو اللہ تعالیٰ کے اسماء مبارکہ میں شمار کرتے ہیں، اگر یہ بات درست تسلیم کرلی جائے تو پھر کسی شخص کا نام یٰسین نہیں رکھنا چاہئے کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کے اسماء مختصہ میں سے ہے اور ایسے اسماء کا اطلاق مخلوق پر نہیں ہو سکتا، ایسے ہی دیگر اسماء رحمان، خالق اور اللہ وغیرہ ہیں جو کسی انسان کے نام نہیں ہوسکتے، البتہ بعض اسمائے ربانی ایسے بھی ہیں جو کسی حد تک مخلوق کے لیے بھی استعمال کیے جاسکتے ہیں، مثلاً رحیم، کریم، مالک، عالم، رؤف وغیرہ اور اگر یسین کو اللہ کے اسمائے مختصہ میں شمار نہ کیا جائے تو پھر اس کا اطلاق کسی آدمی پر بھی ہو سکتا ہے مگر اس کے معنی کو ملحوظ رکھنا ہو گا کہ جب اسی نام کو خدا تعالیٰ کے لیے استعمال کیا جائے تو اس کا اطلاق اس طرح ہو گا جس طرح اس کی شان کے لائق ہے اور اگر اس کا اطلاق کسی انسان پر کیا جائے تو اس کی مناسبت انسان کی حالت کے ساتھ ہو گی۔ مثلاً رؤف کا نام اللہ تعالیٰ اور بندے دونوں کے لیے استعمال ہوتا ہے مگر دونوں جگہ مفہوم مختلف ہو گا، جب صفت رافت کو خدا تعالیٰ کی طرف منسوب کیا جائے گا، تو معنیٰ یہ ہو گا کہ خدا تعالیٰ مہربانی اور فیضان فرماتا ہے۔

اور جب یہ لفظ کسی انسان کے لیے استعمال کیا جائے گا تو وہاں پر رافت سے مراد درد دل اور شفقت ہو گی جو کسی کی خستہ حالت دیکھ کر انسان کے دل میں پیدا ہوتی ہے اور پھر ایسا شخص ضرورت مند کی حاجت براری بھی کرتا ہے، دل میں درد پیدا ہونا اللہ تعالیٰ کے ساتھ منسوب نہیں کیا جاسکتا کیونکہ اس کا تعلق مادیت سے ہے اور خدا تعالیٰ کی ذات تمام مادی تصورات سے پاک ہے۔ (معالم العرفان)

سورۃ کا مقصود: اس سورت میں نبی کریم ﷺ کی رسالت کی تاکید کی گئی ہے کہ آپ ﷺ اللہ کے

رسول ہیں، اہل ضلالت پر حجت قائم کی گئی ہے، انطاکیہ بستی میں رہنے والوں کی مثال بیان کی گئی ہے کہ س میں اللہ کے رسول اللہ کا پیغام سنانے کے لیے تشریف لائے۔

اس سورت میں حبیب نجار نامی ایک شخص کا قصہ بیان کیا گیا ہے، جو شہر کے ایک کنارے سے چلتا ہوا آیا تھا، اس میں بے آباد زمین کو شاداب بنانے کے مختلف دلائل وبراہین کا ذکر کیا گیا ہے، اس میں دن اور رات کو شروع کرنے کا ذکر ہے، کواکب کی گردش اور دوران افلاک کا ذکر ہے، دریاؤں میں چلتی کشتیوں کا ذکر ہے۔

موت کے وقت کفار کی ذلت کا ذکر ہے، مرنے کے بعد دوبارہ اٹھنے کے وقت ان کی حیرت کا ذکر ہے، اطاعت گزار اہل ایمان کی سعادت اور جنت میں ان کے مشاغل کا ذکر ہے، بروز محشر اہل ایمان اور کافروں کے درمیان جدائی کا منظر بیان کیا گیا ہے، گناہ گاروں کی زبانوں پر مہر اور باقی اعضاء بولتے ہوں گے، گناہ گاروں کے خلاف گواہی دیں گا۔

اس سورۃ میں رسول کریم ﷺ پر اللہ نے ایک احسان کا ذکر فرمایا ہے کہ انہیں شعر گوئی سے محفوظ رکھا گیا، منظوم کلام کرنے سے محفوظ رکھا گیا، اس بات پر دلائل قائم کیے گئے ہیں کہ مرنے کے بعد دوبارہ اٹھایا جائے گا، اس میں یہ بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ جب کسی کام کا ارادہ کرتے ہیں تو ایک فرمان جاری کرتے ہیں کہ ہو جا تو وہ کام ہو جاتا ہے۔

اس سورۃ میں واضح کیا گیا ہے کہ رب تعالیٰ کے ہاتھ میں بادشاہیاں ہیں، وہ مختار کل ہے، اس کے ہاتھ میں سارا نظام ہے، وہ ہر چیز پر قادر ہے، سب کو آخر کار اسی کی طرف واپس جانا ہے۔

سورۃ یٰسٓ کے خدوخال: سورۃ یس کا مسلمانوں کے دل ودماغ میں ایک خاص مرتبہ اور مقام ہے، وہ صبح وشام اسے پڑھتے اور بار بار پڑھتے ہیں، بیماروں پر شفایابی کے لیے اس کی تلاوت کرتے ہیں، جان کنی کے عالم میں پھنسے ہوئے مریض کے پاس اس لیے پڑھتے ہیں تاکہ اس کی روح آسانی سے نکل جائے، جب مسلمان ہمہ قسم مریض کے علاج معالجے سے مایوس ہو جاتے ہیں تو بالآخر سورۃ یس کی تلاوت کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں، انفرادی طور پر پڑھتے ہیں اور اجتماعی طور پر اس کی تلاوت

کر کے دعائیں مانگتے ہیں، اسی طرح جب مسلمان اپنے مردوں کو گورستان کے سپرد کر دیتے ہیں تو ان کی قبروں پر سورت یس اس لیے پڑھی جاتی ہے تاکہ ان کی قبروں پر اللہ کی رحمت کا نزول ہو، ابن حبان نے ایک مرفوع روایت نقل فرمائی ہے کہ مَن قَرَأَ یٰسٓ فی لَیلَۃٍ اِبتِغَاءَ وَجہِ اللّٰہِ غَفَرَ اللّٰہُ لَہٗ جو شخص اللہ کی رضا حاصل کرنے کے لیے رات کو سورۃ یاسین پڑھے گا اللہ تعالیٰ اسے معاف کر دیں گے۔

سورۃ یس اپنی معاصر سورتوں سے اس لیے ممتاز ہے کہ اس کی آیات چھوٹی چھوٹی ہیں، ان کی تلاوت سہولت کے ساتھ کی جاسکتی ہے، ان آیات کو سہولت کے ساتھ یاد کیا جا سکتا ہے، ابتدائے سورۃ سے لے کر اخیر تک اس کا انداز ایک جیسا ہی ہے۔

سورۃ یس کا مرکزی موضوع اسی طرح ہے جس طرح مکی سورتوں کا ہے، سورۃ یس کا ہدف اولین یہ ہے کہ بنیادی عقائد درست ہو جائیں، اس لیے قرآن کی قسم کھا کر رسالت کی تصدیق کی گئی، اس بستی کا قصہ چھیڑا گیا جس کی طرف انبیاء ورسل کو مبعوث کیا گیا تاکہ وہ آکر لوگوں کو رشد وہدایت کی طرف لائیں، تاکہ انبیاء کرام انسانوں کو اس بات سے ڈرائیں کہ وہ رسالت اور وحی کا انکار نہ کریں۔

اختتام سورۃ میں سورت یس اپنے ابتدائی مضمون کی طرف توجہ دلاتی ہے کہ حضرت محمد ﷺ اللہ کے سچے رسول ہیں، اللہ کے بھیجے ہوئے ہیں، یہ شاعر نہیں ہیں اور نہ ہی شعر وشاعری آپ ﷺ کی عالی شان کے ساتھ کوئی مطابقت رکھتی ہے، آپ ﷺ کے پاس تو عرش بریں کا پیغام آتا ہے، جسے قرآن کریم اور قرآن مبین کہا جاتا ہے۔ (الموسوعۃ القرآنیہ خصائص السور)

یاسین کی پرنور صدائیں اور صراط مستقیم کا پیغام

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

یٰسٓ {۱}وَالْقُرْاٰنِ الْحَكِیْمِ {۲}اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ {۳}عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ {۴} تَنْزِیْلَ الْعَزِیْزِ الرَّحِیْمِ {۵}یٰسٓ

جواب ترجمہ: یسین۔ قسم ہے قرآن حکیم کی، بلاشبہ آپ پیغمبروں میں سے ہیں، سیدھے راستہ پر

ہیں، یہ قرآن ایسی ذات کی طرف سے نازل کیا گیا ہے جو زبردست ہے رحم والا ہے۔

خلاصہ تفسیر: ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم کی عظمت، رسالتِ محمدی ﷺ کی صداقت اور دینِ اسلام کے سیدھے راستے کو نہایت مؤثر انداز میں بیان فرمایا ہے، سورت کا آغاز حروفِ مقطعات یٰسٓ سے ہوا، جو قرآنِ مجید کے اعجاز اور اس کے الٰہی کلام ہونے کی طرف اشارہ کرتے ہیں، اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے قرآنِ حکیم کی قسم کھا کر ارشاد فرمایا کہ

وَالْقُرْاٰنِ الْحَكِيْمِ اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ: قرآن حکمت والے کی قسم ہے، اے محمد ﷺ! آپ یقیناً اللہ تعالیٰ کے برحق رسولوں میں سے ہیں، جو انسانیت کی رہنمائی، توحید کی دعوت اور اللہ تعالیٰ کی بندگی کی تعلیم دینے کے لیے مبعوث کیے گئے ہیں۔

یہاں قرآنِ کریم کو "حکیم" فرمایا گیا، کیونکہ اس کی آیات حکمت، ہدایت، حقانیت اور کامل نظامِ زندگی پر مشتمل ہیں اور اس میں کسی قسم کے باطل، تضاد یا گمراہی کی آمیزش نہیں، پھر واضح فرمایا گیا کہ

عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ: نبی کریم ﷺ جس دین اور شریعت کی دعوت دے رہے ہیں، وہ بالکل سیدھا، متوازن اور فطرت کے مطابق راستہ ہے، جس میں افراط و تفریط نہیں، یہ ہدایت کسی انسان کی گھڑی ہوئی نہیں بلکہ

تَنْزِيْلَ الْعَزِيْزِ الرَّحِيْمِ: اس ربِّ عزیز کی طرف سے نازل کردہ ہے جو ہر چیز پر غالب اور اپنے مومن بندوں پر نہایت مہربان ہے۔ ان آیات میں ایک طرف رسالتِ محمدی ﷺ کی قطعی صداقت کا اعلان ہے اور دوسری طرف یہ حقیقت بھی واضح کی گئی ہے کہ قرآنِ مجید ہی انسانیت کی حقیقی رہنمائی اور کامیابی کا سرچشمہ ہے۔

مقصد بعثت مصطفےٰ ﷺ

سوال اس آیت کریمہ کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اُنْذِرَ اٰبَآؤُهُمْ فَهُمْ غٰفِلُوْنَ {٦} یٰس

جواب ترجمہ: تاکہ آپ ان لوگوں کو خبردار کریں جن کے باپ دادوں کو پہلے خبردار نہیں کیا گیا

تھا، اس لیے وہ غفلت میں پڑے ہوئے ہیں۔

علامہ غلام رسول سعیدی اس آیت کے ذیل میں لکھتے ہیں کہ اس سے مراد اہل مکہ اور عرب ہیں جن کی طرف ہمارے نبی سیدنا محمد ﷺ سے پہلے کوئی نبی نہیں آیا کیونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد نبوت کا سلسلہ خاندان ابراہیمی میں رہا اور ان کی بعثت بنی اسرائیل ہی کی طرف ہوتی رہی، بنو اسماعیل یعنی عربوں میں نبی ﷺ پہلے نبی تھے اور سلسلہ نبوت کے خاتم تھے۔ البتہ حضرت شعیب علیہ السلام اس سے مستثنیٰ ہیں۔

یٰسین: میں جو فرمایا ہے جس کے آباؤ اجداد کو نہیں ڈرایا گیا تھا، اس سے مراد اہل مکہ کے قریبی آباؤ اجداد ہیں ورنہ ان کے سلسلہ نسب میں جو زیادہ اوپر کے اور بعید آباء ہیں ان کو حضرت اسماعیل علیہ السلام نے اللہ کے عذاب سے ڈرایا تھا اور انہیں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شریعت پہنچائی تھی اور ان میں سے بعض لوگ وہ تھے جنہوں نے مکمل طریقہ سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شریعت کی پیروی کی تھی، پھر اس پر کافی زمانہ گزر گیا اور بے عملی اور جاہلیت ان میں نفوذ کرتی رہی حتیٰ کہ جس زمانہ میں ہمارے نبی سیدنا محمد ﷺ کی بعثت ہوئی اس زمانہ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شریعت کا صرف نام رہ گیا تھا۔ (تبیان القرآن)

علامہ ابوالحیان اندلسی متوفیٰ ۷۵۴ھ نے لکھا ہے کہ ہر امت کو اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دی گئی ہے یا تو ان کی طرف انبیاء علیہم السلام کو مبعوث کیا گیا ہے یا ہمارے نبی سیدنا محمد ﷺ کی بعثت تک کسی نہ کسی عالم کے ذریعہ ان کو تبلیغ کی جاتی رہی اور جن آیات میں یہ ذکر کیا گیا کہ اہل مکہ کے آباء کے پاس کوئی عذاب سے ڈرانے والا نہیں آیا اس سے مراد ان کے سلسلہ نسب میں قریب کے آباء ہیں اور مطلقاً عذاب سے ڈرانا کسی زمانہ میں بھی منقطع نہیں ہوا، ورنہ بندوں پر اللہ تعالیٰ کی حجت پوری نہیں ہوگی، اور جب ڈرانے والوں کی تبلیغ کے آثار مٹ گئے تو نبی ﷺ کو مبعوث کیا گیا اور وہ جو متکلمین نے زمانہ فترت کا ذکر کیا ہے جس زمانہ میں کوئی نبی نہیں ہوتا اور اس زمانہ کے لوگ مکلف نہیں ہوتے وہ محض ایک فرضی اصطلاح ہے۔

اس تفسیر کی بناء پر اس آیت کا معنیٰ یہ ہے کہ اہل مکہ کے پاس عذاب سے ڈرانے الا کوئی رسول نہیں آیا اور اس آیت کا یہ معنیٰ نہیں ہے کہ ان کے پاس مطلقاً کوئی عذاب سے ڈرانے والا نہیں آیا، کیونکہ ہو سکتا ہے کہ ان کو کسی عالم نے اللہ کے عذاب سے ڈرایا ہو جو نبی نہ ہو، جیسے زید بن عمرو بن نفیل اور قس بن ساعدہ وغیرہ، اس تقریر کے اعتبار سے یٰسین:۴۶ کا حسب ذیل آیت سے کوئی تعارض نہیں رہے گا۔ وَإِنْ مِنْ أُمَّةٍ إِلَّا خَلَا فِيهَا نَذِيرٌ (فاطر : ۲۴) اور ہر امت (گروہ یا جماعت) میں ایک عذاب سے ڈرانے والا گزر چکا ہے۔ (تبیان القرآن)

اس سے مراد یہ ہے کہ گزرے ہوئے زمانوں میں سے ہر زمانہ میں جو بھی لوگوں کا کوئی بڑا گروہ یا جماعت رہی ہے اس میں کوئی نہ کوئی اللہ کے عذاب سے ڈرانے والا گزرا ہے، خواہ وہ نبی ہو یا عالم ہو، اس آیت میں بشیر کا ذکر نہیں ہے صرف نذیر کا ذکر ہے کیونکہ ڈرانا تو عقلی دلائل سے بھی ہو سکتا ہے، لیکن مخصوص اجر و ثواب کی بشارت بغیر وحی کے نہیں ہو سکتی، اس لئے بشارت دینا صرف نبی کا کام ہے اور نذیر چونکہ نبی کے علاوہ عالم بھی ہو سکتا ہے اس لئے اس آیت میں صرف نذیر کا ذکر فرمایا ہے۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ قرآن مجید میں فترۃ (انقطاع نبوت کے زمانہ) کا بھی ذکر فرمایا ہے :(المائدہ:۱۹) اے اہل کتاب! بیشک تمہارے پاس ہمارا رسول فترت (انقطاع نبوت) کے زمانہ میں آگیا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت میں فترت سے مراد وہ زمانہ ہے جس میں کوئی نبی نہ آیا ہو یہ مراد نہیں ہے کہ اس زمانہ میں اللہ کے عذاب سے ڈرانے کے لئے کوئی عالم بھی نہ آیا ہو۔

اس آیت پر ایک اور اشکال یہ ہوتا ہے کہ اس آیت میں فرمایا ہے کہ آپ اہل مکہ کو اللہ کے عذاب سے ڈرائیں جن کے آباؤ اجداد کو نہیں ڈرایا گیا، سو اس آیت کا یہ تقاضا ہے کہ یہود کو ڈرانے کا آپ کو حکم نہ دیا گیا ہو، کیونکہ ان کے آباؤ اجداد کو تو ڈرایا گیا تھا، اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا طریقہ یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی قوم میں رسول کو بھیجتا ہے تو جب تک اس قوم میں ایسے علماء رہیں جو اس نبی کے دین کو بیان کرتے رہیں تو عام طور پر اللہ تعالیٰ اس قوم میں کسی اور رسول کو نہیں بھیجتا اور جب ان میں ایسے علماء باقی نہ رہیں جو اس نبی کے دین کو بیان کرتے رہیں اور سب لوگ گمراہ

ہو جائیں اور نبی کے جانے کے بعد کافی زمانہ گزر جائے اور کفر پھیل جائے تو پھر اللہ تعالیٰ کسی اور رسول کو بھیج دیتا ہے جو اس سے پہلے کے رسول کی شریعت کو ثابت کرتا ہے یا کسی نئی شریعت کو مقرر کرتا ہے۔

اب اس آیت میں جو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: تاکہ آپ اس قوم کو ڈرائیں جس کے آباؤ اجداد کو نہیں ڈرایا گیا اس آیت کا معنیٰ یہ ہے کہ جو قوم پہلے رسول کے طریقہ کو ترک کر کے گم راہ ہو چکی ہو اور اس کے بعد اس کو عذاب سے نہ ڈرایا گیا ہو، تو آپ ایسی قوم کو ڈرانے کے لئے مبعوث کئے گئے ہیں اور یہود اور نصاریٰ ایسی قوم میں داخل ہیں کیونکہ آپ کے زمانہ میں جو یہود اور نصاریٰ کے قریبی باپ دادا تھے ان کے گم راہ ہونے کے بعد ان کو عذاب سے نہیں ڈرایا گیا تھا اور زمانہ فترت میں ان کو عذاب سے ڈرانے کے لئے قریب کے زمانہ میں کوئی نبی نہیں آیا تھا جس طرح مکہ کے مشرکین کے قریبی باپ دادا کو ڈرانے کے لئے کوئی نبی نہیں آیا تھا، سو جس طرح آپ مکہ کے مشرکین کو عذاب سے ڈرانے کے لئے بھیجے گئے تھے اسی طرح آپ یہود و نصاریٰ کو ڈرانے کے لئے بھی بھیجے گئے تھے اور یہ اس کی دلیل ہے کہ آپ تمام مخلوق کو اللہ کے عذاب سے ڈرانے کے لئے بھیجے گئے تھے۔ (تبیان)

اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے حبیب ﷺ سے فرمایا کہ آپ ایسی قوم کو ڈرائیں جن کے آباؤ اجداد کو آپ ﷺ کی آمد سے پہلے ڈرایا نہیں گیا تھا، یہ لوگ عرب تھے، یہ لوگ خواب غفلت میں مست و مگن تھے، ایمان سے غافل تھے، عمل صالح پر استقامت نہیں رکھتے تھے، اور یہ دستور پرانا ہے کہ جب کوئی ڈرانے والا نہیں ہوتا، جب کوئی بیدار کرنے والا نہیں ہوتا، جب کوئی متوجہ کرنے والا نہیں ہوتا تو لوگ غفلت اور مدہوشی کی لمبی چادر تان کر سو جاتے ہیں، لوگوں کے عقائد و نظریات پر گرد بیٹھ جاتی ہے، توحید کی جگہ شرک لے لیتی ہے، اچھے طریقوں کی جگہ برے طریقے جنم لے لیتے ہیں۔

یہ آیت مبارکہ اس بات پر دلیل ہے کہ دعوت و تذکیر علماء کرام پر واجب اور ضروری ہے، تاکہ مسلمان اپنی غفلت کی چادر کو اتار پھینکیں، دعوت و تبلیغ کا سلسلہ جاری و ساری رہنا چاہیے، لوگوں کو وعظ و نصیحت کرتے رہنا چاہیے۔

حق واضح ہو گیا مگر دل نہ مانے

سوال اس آیت کریمہ کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

لَقَدْ حَقَّ الْقَوْلُ عَلٰٓى اَكْثَرِهِمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ {۷} یٰسٓ

جواب ترجمہ: البتہ یہ بات واقعی ہے کہ ان میں سے اکثر لوگوں پر بات ثابت ہو چکی ہے سو وہ ایمان نہ لائیں گے۔

خلاصہ تفسیر: اس آیتِ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے انجام کو بیان فرمایا ہے جنہوں نے حق واضح ہو جانے کے باوجود ایمان قبول نہ کیا، ارشاد ہوا کہ

لَقَدْ حَقَّ الْقَوْلُ عَلٰٓى اَكْثَرِهِمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ: اکثر کفار پر اللہ تعالیٰ کے عذاب کا فیصلہ ثابت ہو چکا ہے، کیونکہ رسولِ اکرم ﷺ نے ان تک اللہ تعالیٰ کا پیغام پوری وضاحت، حکمت اور خیر خواہی کے ساتھ پہنچا دیا، مگر انہوں نے ضد، تکبر اور ہٹ دھرمی کی بنا پر نہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لایا، نہ اس کے رسول ﷺ کو مانا اور نہ قرآنِ کریم کی تعلیمات کو قبول کیا، اس مسلسل انکار اور سرکشی کے نتیجے میں ان کے دل حق سے دور اور ہدایت سے محروم ہو گئے۔

یہ آیت اس حقیقت کو بھی واضح کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی قوم پر اس وقت تک عذاب کا فیصلہ نافذ نہیں فرماتا جب تک اس پر حق پوری طرح واضح نہ کر دیا جائے، جب انسان بار بار نصیحت، دلائل اور دعوتِ حق کو رد کرتا رہتا ہے تو رفتہ رفتہ اس کا دل سخت ہو جاتا ہے اور وہ ہدایت قبول کرنے کی صلاحیت کھو بیٹھتا ہے، اس میں اہلِ ایمان کے لیے تنبیہ ہے کہ وہ حق کی قدر کریں، قرآنِ کریم کی دعوت کو سنجیدگی سے قبول کریں اور ضد، تعصب اور خواہشِ نفس سے بچیں، کیونکہ یہی رویّے انسان کو ہدایت سے محرومی اور انجامِ بد تک پہنچاتے ہیں۔

کافروں کی دنیوی واخروی سزا

سوال اس آیت کا معنیٰ و مفہوم بیان کیجیے، نیز یہ بتائیے کہ آیت مبارکہ میں مُقْمَحُوْنَ کا کیا معنیٰ ہے۔

إِنَّا جَعَلْنَا فِي أَعْنَاقِهِمْ أَغْلَالًا فَهِيَ إِلَى الْأَذْقَانِ فَهُم مُّقْمَحُونَ {۸} یس

جواب ترجمہ: ہم نے ان کے گلوں میں طوق ڈال رکھے ہیں، جو ٹھوڑیوں تک پہنچے ہوئے ہیں، اور اس وجہ سے ان کے سر اوپر کو اٹھے رہ گئے ہیں۔

صاحب روح المعانی نے بحوالہ دلائل النبوۃ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن (مسجد میں) بلند آواز سے قرآن مجید پڑھ رہے تھے قریش مکہ کو اس سے تکلیف ہوئی وہ لوگ جمع ہو کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب آئے تاکہ آپ کو پکڑ لیں لیکن اللہ تعالیٰ کی طرف سے خود ان کی پکڑ ہو گئی، ان لوگوں کے ہاتھ گردنوں تک پہنچ کر جام ہو گئے اور نظر آنا بھی بند ہو گیا۔

جب یہ حال ہوا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ ہم آپ کو اللہ تعالیٰ اور رشتہ داری کے واسطہ دیتے ہیں دعا کیجیے کہ ہماری مصیبت دور ہو جائے، آپ نے ان کے لیے دعا کر دی جس سے ان کی وہ حالت ختم ہو گئی اور یٰسٓ وَ الْقُرْاٰنِ الْحَكِيْمِ سے لے کر اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ تک آیات نازل ہوئیں، لیکن ان میں سے ایک شخص بھی ایمان نہ لایا۔

اس قصہ میں یہ تصریح ہے کہ جب ان لوگوں نے آپ کو پکڑنے کا ارادہ کیا تو ان کی یہ حالت ہوئی کہ ان کے ہاتھ گردنوں سے چپک کر رہ گئے۔ روح المعانی بحوالہ تفسیر انوار البیان)

صاحب روح المعانی نے ایک قصہ بھی لکھا ہے کہ ایک دن ابو جہل نے پتھر اٹھایا تاکہ آپ پر حملہ کرے، آپ نماز پڑھ رہے تھے، ابو جہل کا ہاتھ گردن تک اٹھا اور وہیں جا کر چپک گیا، وہ اپنے ساتھیوں کے پاس آیا، کیا دیکھتے ہیں کہ پتھر اس کے ہاتھ میں اور اس کا ہاتھ گردن سے چپکا ہوا ہے، ان لوگوں نے بڑی محنت اور مشقت سے اس کا ہاتھ گردن سے چھڑایا۔

پھر اس پتھر کو بنی مخزوم کے آدمی نے لے لیا جب وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب پہنچا تو اللہ تعالیٰ نے اس کی آنکھ کی روشنی ختم کر دی اور وہ واپس لوٹا تو اس کے ساتھی اسے نظر نہ آ رہے تھے، انہوں نے آواز دے کر اسے اپنے پاس بلا لیا۔

اب تیسرا شخص اٹھا اس نے پتھر لیا اور یوں کہتا ہوا چلا کہ میں ان کا سر پھوڑوں گا، تھوڑا سا چلا کہ

فوراً ایڑھیوں کے بل پیچھے لوٹا یہاں تک کہ گدی کے بل گر پڑا کسی نے کہا ارے تجھے کیا ہوا؟ کہنے لگا کہ بہت بڑا حادثہ ہو گیا وہ یہ کہ میں جب ان کے قریب گیا تو دیکھتا ہوں کہ وہاں ایک بہت بڑا اونٹ ہے، ایسا اونٹ میں نے پہلے کبھی نہیں دیکھا، یہ اونٹ میرے اور ان کے درمیان حائل ہو گیا، پھر بتوں کی قسم کھا کر کہا اگر میں ان کے قریب چلا جاتا تو یہ اونٹ مجھے کھائے بغیر نہ چھوڑتا۔

یہ قصہ لکھ کر صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ (اگر اس قصے کو سبب نزول مانا جائے تو) طوق ڈالنا اور آگے پیچھے آڑ بن جانا یہ سب استعارہ ہو گا یعنی وہ تینوں حملہ کرنے والے پیچھے ہٹ گئے اور حملہ نہ کر سکے، ایسے بے بس ہو گئے جیسے کسی کا ہاتھ گردن سے بندھ جائے اور آنکھوں کی روشنی چلی جائے۔ (روح المعانی بحوالہ تفسیر انوار البیان)

علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ان بد نصیبوں کا ہدایت تک پہنچنا بہت مشکل بلکہ محال ہے۔ یہ تو ان لوگوں کی طرح ہیں جن کے ہاتھ گردن پر باندھ دیئے جائیں اور ان کا سر اونچا جا رہا ہو، گردن کے ذکر کے بعد ہاتھ کا ذکر چھوڑ دیا لیکن مراد یہی ہے کہ گردن سے ملا کر ہاتھ باندھ دیئے گئے ہیں اور سر اونچے ہیں اور ایسا ہوتا ہے کہ بولنے میں ایک چیز کا ذکر کر کے دوسری چیز کو جو اسی سے سمجھ لی جاتی ہے اس کا ذکر چھوڑ دیتے ہیں عرب شاعروں کے شعر میں بھی یہ بات موجود ہے۔

غل کہتے ہی ہیں دونوں ہاتھوں کو گردن تک پہنچا کر گردن کے ساتھ جکڑ بند کر دینے کو، اسی لئے گردن کا ذکر کیا اور ہاتھوں کا ذکر چھوڑ دیا، مطلب یہ ہے کہ ہم نے ان کے ہاتھ ان کی گردنوں سے باندھ دیئے ہیں اس لئے وہ کسی کار خیر کی طرف ہاتھ بڑھا نہیں سکتے ان کے سر اونچے ہیں ان کے ہاتھ ان کے منہ پر ہیں وہ ہر بھلائی کرنے سے قاصر ہیں، گردنوں کے اس طوق کے ساتھ ہی ان کے آگے دیوار ہے جو حق تسلیم کرنے میں مانع ہے۔ پیچھے بھی دیوار ہے یعنی حق کو ماننے میں رکاوٹ ہے یعنی حق سے روک ہے۔ اس وجہ سے تردد میں پڑے ہوتے ہیں حق کے پاس آ نہیں سکتے۔ گمراہیوں میں گھرے ہوئے ہیں۔ آنکھوں پر پردے پڑے ہوئے ہیں، حق کو دیکھ ہی نہیں سکتے۔ نہ حق کی طرف راہ پائیں۔ نہ حق سے فائدہ اٹھائیں۔ (تفسیر ابن کثیر)

علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ نے اس آیت کے ذیل میں ابو جہل کا ایک واقعہ لکھا ہے کہ ایک مرتبہ ابو جہل ملعون نے کہا کہ اگر میں محمد ﷺ کو دیکھ لوں گا تو یوں کروں گا اور یوں کروں گا اس پر یہ آیتیں اتریں۔ لوگ اسے کہتے تھے یہ ہیں محمد ﷺ لیکن اسے آپ دکھائی نہیں دیتے تھے اور پوچھتا تھا کہاں ہیں ؟ کہاں ہیں ؟ ایک مرتبہ اسی ملعون نے ایک مجمع میں کہا تھا کہ یہ دیکھو کہتا ہے کہ اگر تم اس کی تابعداری کروگے تو تم بادشاہ بن جاؤ گے اور مرنے کے بعد خلد نشین ہو جاؤ گے اور اگر تم اس کے خلاف کروگے تو یہاں ذلت کی موت مارے جاؤ گے اور وہاں عذابوں میں گرفتار ہوگے۔ آج آنے تو دو۔

اسی وقت رسول اللہ ﷺ تشریف لائے آپ کی مٹھی میں خاک تھی آپ ابتداء سورۃ یٰسین سے لایبصرون تک پڑھتے ہوئے آرہے تھے، اللہ نے ان سب کو اندھا کر دیا اور آپ ان کے سروں پر خاک ڈالتے ہوئے تشریف لے گئے، ان بدبختوں کا گروہ کا گروہ آپ کے گھر کو گھیرے ہوئے تھا اس کے بعد ایک صاحب گھر سے نکلے ان سے پوچھا کہ تم یہاں کیسے گھیرا ڈالے کھڑے ہو انہوں نے کہا محمد ﷺ کے انتظار میں آج اسے زندہ نہیں چھوڑیں گے اس نے کہا واہ واہ وہ تو گئے بھی اور تم سب کے سروں پر خاک ڈالتے ہوئے نکل گئے ہیں۔

یقین نہ ہو تو اپنے سر جھاڑو اب جو سر جھاڑے تو واقعی خاک نکلی، حضور ﷺ کے سامنے جب ابو جہل کی یہ بات دہرائی گئی تو آپ نے فرمایا اس نے ٹھیک کہا فی الواقع میری تابعداری ان کے لئے دونوں جہاں کی عزت کا باعث ہے اور میری نافرمانی ان کے لئے ذلت کا موجب ہے اور یہی ہوگا، ان پر مہر اللہ کی لگ چکی ہے یہ نیک بات کا اثر نہیں لیتے۔ (تفسیر ابن کثیر)

مولانا احمد سعید دھلوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ ہم نے ان کی گردنوں میں طوق ڈال دیئے ہیں اور وہ طوق ان کی ٹھوڑیوں تک پہنچ گئے ہیں جن کی وجہ سے ان کے سر اوپر کو اٹھے کے اٹھے رہ گئے ہیں۔ یعنی ان کے کفر و عناد اور ان کی شقاوت و بدبختی کی مثال ایسی ہے جیسے ہم نے ان کے گلے میں بھاری اور موٹے موٹے طوق ڈال دیئے جن کی وجہ سے ان کے سر نیچے نہیں ہوسکتے کہ یہ سیدھی راہ اختیار کر سکیں کسی جانب التفات ہی نہیں کرسکتے، غرض ان کی بداعمالیاں ان کے گلے کا ہار بن گئی ہیں جو ان

کوراہ حق کی طرف مائل نہیں ہونے دیں گی۔(تفسیر کشف الرحمٰن)

حضرت مولانا ابوالکلام آزاد رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ یعنی طوقوں کی وجہ سے نہ سر نیچے جھکا سکتے ہیں اور نہ ادھر ادھر پھیر سکتے ہیں، اس لیے وہ اپنے سر اٹھائے کھڑے ہیں۔ مراد ضد اور ہٹ دھرمی ہے۔ انسان کے تمام کاموں کی جڑ یقین اور اعتقاد کا استحکام ہے۔ اسی کو شریعت، ایمان، کے لفظ سے تعبیر کرتی ہے خدا کا تصور یا تو انسان کو محبت کی شکل میں اپنی طرف کھینچتا ہے یا خوف کی عظمت و ہیبت دکھلا کر اپنے آگے جھکالیتا ہے لیکن جن کے گلوں میں نفس و شیطان کے طوق پڑ گئے ہیں ان کی فطرت کو عبودیت الٰہی سے گویا اجنبیت ہو گئی ہے۔(تفسیر ترجمان القرآن)

مُقْمَحُونَ: مُقمَحٌ کی جمع ہے، مقمح اصل میں اس اونٹ کو کہتے ہیں کہ جس کا سر پیچھے کی جانب اس طرح باندھ دیا گیا ہو کہ اس کی گردن ایک خاص حد سے نہ نیچے ہو سکے اور نہ اوپر، بالکل یہی حال اس شخص کا ہوتا ہے جس کے گلے میں آہنی طوق ڈال دیا جائے، وہ بھی اپنا سر نہ نیچے کر سکتا ہے نہ اوپر بلکہ ایک خاص زاویہ پر اس کی گردن تنی رہتی ہے۔

کافروں کو اللہ دنیا میں بھی ذلیل کریں گے اور آخرت میں بھی ان کا انجام بہت ہی برا ہو گا، خوفناک اور دہلا دینے والا عذاب انہیں دیا جائے گا، وہاں ایک طوق وزنجیر کا کیا ذکر ہے، قرآن کریم میں کافروں کے انجام کے بارے میں مختلف مقامات پر اللہ تعالیٰ نے آگاہ فرمادیا ہے، علماء کرام نے جہنم کے خوفناک مناظر، ہولناک مناظر جیسے مضامین میں واضح کر دیا ہے کہ اگلے جہان میں کیا ہونے والا ہے۔

حق سے محرومی اور ایمان والوں کی کامیابی

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

وَجَعَلْنَا مِنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ سَدًّا وَّمِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا فَاَغْشَيْنٰهُمْ فَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ ۝{۹} وَسَوَآءٌ عَلَيْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ {۱۰} اِنَّمَا تُنْذِرُ مَنِ اتَّبَعَ الذِّكْرَ وَخَشِيَ الرَّحْمٰنَ بِالْغَيْبِ فَبَشِّرْهُ بِمَغْفِرَةٍ وَّاَجْرٍ كَرِيْمٍ {۱۱} يٰسٓ

جواب ترجمہ: اور ہم نے ان کے آگے آڑ بنادی اور ان کے پیچھے آڑ بنادی سو ہم نے ان کو گھیر دیا لہٰذا وہ نہیں دیکھ سکتے۔ اور ان کے حق میں بات برابر ہے آپ انہیں ڈرائیں یا نہ ڈرائیں ایمان نہیں لائیں گے۔ آپ اسی شخص کو ڈرا سکتے ہیں جو نصیحت کا اتباع کرے اور بن دیکھے رحمن سے ڈرے، سو آپ اسے مغفرت کی اور اجر کریم کی خوشخبری سنا دیجیے۔

خلاصہ تفسیر: ان آیاتِ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے منکرینِ حق کی روحانی حالت کو نہایت بلیغ انداز میں بیان فرمایا ہے، ارشاد ہوا کہ

وَجَعَلْنَا مِنۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ سَدًّا وَّمِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا: ان کے سامنے اور پیچھے رکاوٹیں کھڑی کر دی گئی ہیں اور ان کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا گیا ہے، اس لیے وہ حق کو دیکھنے اور قبول کرنے کی صلاحیت سے محروم ہو چکے ہیں۔

وَسَوَآءٌ عَلَيْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ: اس کا مطلب یہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ابتداءً انہیں زبردستی گمراہ کر دیا، بلکہ جب انہوں نے ضد، تکبر اور مسلسل انکار کا رویہ اختیار کیا تو ان کے دل سخت ہو گئے اور وہ ہدایت کی روشنی سے فائدہ اٹھانے کے قابل نہ رہے، چنانچہ اب انہیں نصیحت کی جائے یا نہ کی جائے، وہ ایمان لانے کے لیے آمادہ نہیں ہوتے، کیونکہ ان کی خواہشاتِ نفس اور ہٹ دھرمی ان کے لیے حق کی راہ میں دیوار بن چکی ہے۔ اس کے برعکس قرآنِ کریم سے حقیقی فائدہ وہی لوگ اٹھاتے ہیں

اِنَّمَا تُنْذِرُ مَنِ اتَّبَعَ الذِّكْرَ وَخَشِيَ الرَّحْمٰنَ بِالْغَيْبِ: جو نصیحت کو قبول کرنے والے، اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والے اور دل سے حق کے طالب ہوتے ہیں، ایسے لوگ تنہائی میں بھی اپنے رب سے خوف رکھتے ہیں، حالانکہ وہاں انہیں کوئی انسان نہیں دیکھ رہا ہوتا، یہی اخلاص اور خشیتِ الٰہی ان کے ایمان کی اصل علامت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو حکم دیا کہ

فَبَشِّرْهُ بِمَغْفِرَةٍ وَّاَجْرٍ كَرِيْمٍ: ایسے اہلِ ایمان کو خوشخبری سنا دیں کہ ان کے گناہ معاف کیے جائیں گے اور آخرت میں ان کے لیے عظیم اجر، یعنی جنت کی دائمی نعمتیں تیار ہیں۔ ان آیات میں یہ حقیقت

واضح کی گئی ہے کہ ہدایت اسی کو نصیب ہوتی ہے جس کے دل میں طلبِ حق، عاجزی اور خوفِ خدا موجود ہو۔

صدقہ جاریہ، باقی رہنے والے اثرات

سوال اس آیت کریمہ کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

اِنَّا نَحْنُ نُحْیِ الْمَوْتٰی وَنَکْتُبُ مَا قَدَّمُوْا وَاٰثَارَھُمْ وَکُلَّ شَیْءٍ اَحْصَیْنٰہُ فِیْٓ اِمَامٍ مُّبِیْنٍ {۱۲} یٰسٓ

جواب ترجمہ: بیشک ہم مردوں کو زندہ کرتے ہیں اور ان لوگوں نے جو آگے بھیجا اسے اور ان کے نشانوں کو لکھ لیتے ہیں، اور ہر چیز کو ہم نے ایک واضح کتاب میں پوری طرح لکھ دیا۔

① بنو سلمہ کا قبیلہ مدینے کے ایک کنارے پر آباد تھا انہوں نے چاہا کہ وہاں سے منتقل ہو کر مسجد نبوی کے قریب جا بسیں اس پر یہ آیت نازل ہوئی اِنَّا نَحْنُ نُحْیِ الْمَوْتٰی وَنَکْتُبُ مَا قَدَّمُوْا اس پر نبی کریم ﷺ نے ان سے کہا کہ تمہارے آثار قدم لکھے جاتے ہیں پھر تم کیوں منتقل ہو رہے ہو؟ (اسباب النزول)

② بنو سلمہ نے رسول اللہ ﷺ سے مسجد نبوی سے اپنے گھروں کے دور ہونے کی شکایت کی اس پر اللہ نے یہ آیت نازل کی، اس پر رسول اللہ ﷺ نے ان سے کہا کہ اپنے گھروں میں رہو تمہارے آثار تو ہر حال میں لکھے جاتے ہیں یعنی مسجد تک آنے والے قدموں کو ثواب تمہارے نام لکھا جاتا ہے۔

اس آیتِ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرتِ کاملہ، قیامت کے دن دوبارہ زندہ کیے جانے اور اعمال کے مکمل حساب کا ذکر فرمایا ہے، ارشاد ہوا کہ بے شک اللہ تعالیٰ ہی مردوں کو دوبارہ زندہ کرے گا تاکہ قیامت کے دن ان کا حساب لیا جائے، دنیا میں انسان جو بھی نیک یا بد عمل کرتا ہے، وہ سب اللہ تعالیٰ کے ہاں محفوظ ہو جاتا ہے اور صرف ظاہری اعمال ہی نہیں بلکہ انسان کے چھوڑے ہوئے اثرات بھی لکھ لیے جاتے ہیں، اگر کوئی شخص اپنے بعد نیکی، علم، صدقۂ جاریہ، دینی خدمت یا ہدایت کا ایسا سلسلہ چھوڑ جائے جس سے لوگ فائدہ اٹھاتے رہیں تو اس کا اجر اسے مسلسل پہنچتا رہتا ہے اور اگر کوئی گمراہی، بدعت، ظلم یا گناہ کا راستہ چھوڑ جائے جس پر لوگ چلتے رہیں تو اس کا وبال بھی اس کے نامۂ اعمال میں شامل رہتا ہے۔

پھر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو ایک واضح کتاب، یعنی لوحِ محفوظ میں محفوظ کر رکھا ہے، کائنات کا کوئی عمل، کوئی لمحہ اور کوئی اثر اللہ تعالیٰ کے علم سے باہر نہیں، اس آیت میں انسان کو اپنی زندگی کے اثرات پر غور کرنے کی دعوت دی گئی ہے کہ وہ ایسا کردار، علم اور عمل چھوڑ کر جائے جو اس کے لیے آخرت میں دائمی نفع کا ذریعہ بنے۔

عصرِ حاضر میں جبکہ ذرائعِ ابلاغ، تحریر، سوشل میڈیا اور فکری اثرات بہت وسیع ہو چکے ہیں، اس آیت کی اہمیت اور بھی بڑھ جاتی ہے، کیونکہ انسان کا ایک قول یا عمل بسا اوقات نسلوں تک اثر انداز ہو سکتا ہے اور اس کا اجر یا گناہ مسلسل اس کے نامۂ اعمال میں لکھا جاتا رہتا ہے۔

انطاکیہ بستی والوں کا عبرت ناک انجام

سوال ان آیات کی روشنی میں انطاکیہ بستی والوں کا عبرت ناک واقعہ بیان کیجیے۔

وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلًا اَصْحٰبَ الْقَرْيَةِ اِذْ جَآءَهَا الْمُرْسَلُوْنَ {۱۳} اِذْ اَرْسَلْنَآ اِلَيْهِمُ اثْنَيْنِ فَكَذَّبُوْهُمَا فَعَزَّزْنَا بِثَالِثٍ فَقَالُوْٓا اِنَّآ اِلَيْكُمْ مُّرْسَلُوْنَ {۱۴} قَالُوْا مَآ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ۙ وَمَآ اَنْزَلَ الرَّحْمٰنُ مِنْ شَيْءٍ ۙ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا تَكْذِبُوْنَ {۱۵} قَالُوْا رَبُّنَا يَعْلَمُ اِنَّآ اِلَيْكُمْ لَمُرْسَلُوْنَ {۱۶} وَمَا عَلَيْنَآ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ {۱۷} قَالُوْٓا اِنَّا تَطَيَّرْنَا بِكُمْ ۚ لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهُوْا لَنَرْجُمَنَّكُمْ وَلَيَمَسَّنَّكُمْ مِّنَّا عَذَابٌ اَلِيْمٌ {۱۸} قَالُوْا طَآئِرُكُمْ مَّعَكُمْ ۭ اَئِنْ ذُكِّرْتُمْ ۭ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُوْنَ {۱۹} وَجَآءَ مِنْ اَقْصَا الْمَدِيْنَةِ رَجُلٌ يَّسْعٰى قَالَ يٰقَوْمِ اتَّبِعُوا الْمُرْسَلِيْنَ {۲۰} اتَّبِعُوْا مَنْ لَّا يَسْـَٔلُكُمْ اَجْرًا وَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ {۲۱} وَمَا لِيَ لَآ اَعْبُدُ الَّذِيْ فَطَرَنِيْ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ {۲۲} ءَاَتَّخِذُ مِنْ دُوْنِهٖٓ اٰلِهَةً اِنْ يُّرِدْنِ الرَّحْمٰنُ بِضُرٍّ لَّا تُغْنِ عَنِّيْ شَفَاعَتُهُمْ شَيْـًٔا وَّلَا يُنْقِذُوْنِ {۲۳} اِنِّيْٓ اِذًا لَّفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ {۲۴} اِنِّيْٓ اٰمَنْتُ بِرَبِّكُمْ فَاسْمَعُوْنِ {۲۵} قِيْلَ ادْخُلِ الْجَنَّةَ ۭ قَالَ يٰلَيْتَ قَوْمِيْ يَعْلَمُوْنَ {۲۶} بِمَا غَفَرَ لِيْ رَبِّيْ وَجَعَلَنِيْ مِنَ الْمُكْرَمِيْنَ {۲۷} وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلٰي قَوْمِهٖ مِنْۢ بَعْدِهٖ مِنْ جُنْدٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَمَا كُنَّا مُنْزِلِيْنَ {۲۸} اِنْ كَانَتْ اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً فَاِذَا هُمْ خٰمِدُوْنَ {۲۹} يٰسٓ

جواب ترجمہ: اور آپ ان کے سامنے بستی والوں کا قصہ بیان کیجیے جبکہ ان کے پاس رسول آئے۔ جبکہ ہم نے ان کے پاس دو پیامبروں کو بھیجا سو انہوں نے جھٹلایا پھر ہم نے تیسرے رسول کے ذریعہ ان کو تقویت دے دی، ان تینوں نے کہا کہ ہم تمہاری طرف بھیجے گئے ہیں۔ ان لوگوں نے کہا کہ تم تو ہماری ہی طرح کے آدمی ہو اور رحمن نے کچھ بھی نازل نہیں کیا تم تو جھوٹ ہی بول رہے ہو۔

انہوں نے کہا بلاشبہ یہ بات واقعی ہے کہ ہم تمہاری طرف بھیجے گئے ہیں۔ اور ہماری ذمہ داری صرف یہی ہے کہ کھول کر بات پہنچادیں۔ ان لوگوں نے کہا کہ بیشک ہم تو تمہیں منحوس سمجھتے ہیں اگر تم باز نہ آئے تو ہم تمہیں پتھر مار مار کر ہلاک کر دیں گے اور ہماری طرف سے تمہیں ضرور ضرور درد ناک تکلیف پہنچے گی۔ انہوں نے کہا کہ تمہاری نحوست تمہارے ساتھ ہے کیا اس بات کو تم نے نحوست سمجھ لیا کہ تم کو نصیحت کی گئی بلکہ بات یہ ہے کہ تم حد سے بڑھ جانے والے لوگ ہو۔

اور ایک شخص اس شہر کے دور والے مقام سے دوڑتا ہوا آیا، اس نے کہا کہ اے میری قوم! ان فرستادہ آدمیوں کا اتباع کرو۔ ایسے لوگوں کی راہ پر چلو جو تم سے کسی اجرت کا سوال نہیں کرتے اور وہ خود ہدایت پر ہیں۔ اور میرے پاس کون سا عذر ہے کہ میں اس کی عبادت نہ کروں جس نے مجھے پیدا فرمایا اور تم سب کو اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ کیا میں اس کے سوا ایسے معبود مان لوں کہ اگر رحمن مجھے کوئی ضرر پہنچانا چاہے تو ان کی سفارش مجھے ذرا بھی کام نہ دے اور نہ وہ مجھے بچا سکیں۔ کیا میں اس کے سوا ایسے معبود مان لوں کہ اگر رحمن مجھے کوئی ضرر پہنچانا چاہے تو ان کی سفارش مجھے ذرا بھی کام نہ دے اور نہ وہ مجھے بچا سکیں۔

بیشک میں تمہارے رب پر ایمان لا چکا سو تم میری بات سنو۔ اس سے کہا گیا کہ جنت میں داخل ہو جا، وہ کہنے لگا کہ کاش میری قوم کو یہ بات معلوم ہو جاتی کہ میرے پروردگار نے مجھے بخش دیا اور مجھے باعزت بندوں میں شامل فرمادیا اور ہم نے اس کے بعد اس کی قوم پر آسمان سے کوئی لشکر نازل نہیں کیا اور نہ ہم اتارنے والے تھے۔ نہیں تھی مگر ایک چیخ سو وہ بجھ کر رہ گئے۔

خلاصہ تفسیر: اللہ تعالیٰ اپنے حبیب نبی کریم ﷺ سے فرمارہے ہیں کہ آپ اپنی قوم کے ان

مشرکوں سے فرمادیں جو آپ ﷺ کی دعوت کو رد کررہے ہیں کہ وہ ان مثالوں سے عبرت پکڑیں، یہاں ایک بستی کا قصہ بیان کیا گیا، جب ان کی طرف انبیاء کرام علیہم السلام کو بھیجا گیا، اللہ نے ان کی طرف دو رسولوں کو بھیجا تاکہ وہ ان کو ایمان باللہ کی دعوت دیں، غیر اللہ کی بندگی اور پوجا چھوڑ دیں، مگر ان بستی والے لوگوں نے دونوں رسولوں کا انکار کر دیا۔

پھر اللہ تعالیٰ نے ان دونوں رسولوں کی قوت بڑھانے کے لیے ایک تیسرا رسول بھی بھیج دیا، اب ان تینوں رسولوں نے مل کر ان بستی والوں سے کہا کہ اے لوگو! ہم تم لوگوں کی طرف رسول بنا کر بھیجے گئے ہیں۔ ان بستی والوں نے رسولوں سے کہا کہ تم تو ہمارے جیسے لوگ ہو، اللہ نے وحی میں سے کوئی چیز نازل نہیں کی، اور نہ ہی تمہیں رسول بنا کر اس نے بھیجا ہے، ان رسولوں نے تاکیدی گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ ہمارا پروردگار وہ ہے جس نے ہمیں رسول بنا کر بھیجا ہے، وہ جانتا ہے کہ ہم تمہاری طرف بھیجے گئے ہیں، ہمارا کام صرف اتنا ہے کہ ہم انتہائی وضاحت اور صفائی کے ساتھ تمہیں پیغام رسالت دے دیں۔

ہم صرف پیغام رساں ہیں، ہدایت ہمارے اختیار میں نہیں ہے، ہدایت تو اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے، جو وحدہ لاشریک ہے، اس پر بستی والوں نے رسولوں کو جواب دیا کہ ہماری نحوست تمہاری وجہ سے ہے، اگر تم ہمیں اپنی دعوت دینے سے باز نہ آئے تو ہم تمہیں پتھر مار مار کر قتل کر دیں گے اور ہماری طرف سے تمہیں دردناک قسم کا عذاب پہنچے گا۔

اس کے جواب میں رسولوں نے کہا کہ تمہاری نحوست تمہارے شرکیہ اعمال اور افعال کی وجہ سے ہے، یہ سب نحوست اور شؤم تم پر لوٹا دیا جائے گا، جس چیز میں تمہارے لیے بھلائی اور خیر ہے اس کی تمہیں نصیحت کی جاتی ہے اور تم کہتے ہو کہ یہ نحوست ہے اور ہمیں سنگسار کرنے اور پتھروں سے مارنے اور عذاب دینے کی بات کرتے ہو؟

رسولوں نے ان بستی والوں سے فرمایا کہ تم وہ لوگ ہو جن کی عادت نافرمانی میں حد سے بڑھنے کی ہے، جھٹلانے میں تم حد سے گزر رہے ہو، اتنے میں شہر کے ایک دور دراز علاقے سے ایک شخص آیا جو

تیز رفتار تھا، یہ شخص اس وقت آیا تھا جب اسے علم ہوا کہ اہل بستی نے رسولوں کو قتل کرنے اور انہیں سزا دینے کا ارادہ کر لیا ہے۔

اس شخص نے لوگوں سے آکر کہا کہ اے میری قوم! جو رسول اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہاری طرف بھیجے گئے ہیں تم ان کی پیروی کرو اور ان کی بات مان لو، یہ لوگ پیغام رسالت لے کر آئے ہیں تم سے کسی قسم کے مال وزر کا مطالبہ لے کر نہیں آئے، جس اللہ وحدہ لاشریک لہ کی عبادت کی طرف تمہیں یہ لوگ بلا رہے ہیں یہ اس پیغام میں ہدایت پر ہیں۔

مجھے کونسی چیز اللہ تعالیٰ کی عبادت سے روکتی ہے جس نے مجھے پیدا کیا اور تم سب لوگوں کو اللہ کی طرف لوٹ کر جانا ہے، کیا میں اللہ کے علاوہ دوسرے معبودوں کی عبادت کروں جو کسی بات کا اختیار نہیں رکھتے، اگر رحمٰن مجھے تکلیف دینا چاہے تو یہ معبودان باطلہ اس تکلیف کو ہٹا سکتے ہیں اور نہ ہی دور کر سکتے ہیں اور نہ جس مصیبت میں میں گرفتار ہوں اس سے مجھے بچا سکتے ہیں، اگر میں ایسا کروں تو واضح غلطی میں پڑ جاؤں۔

میں تمہارے رب پر ایمان لایا ہوں، جو بات میں تمہیں کہتا ہوں اسے توجہ سے سنو، اور ایمان لانے میں میری پیروی کرو، جب اس شخص نے یہ باتیں کہیں تو اس کی قوم اس کی طرف جھپٹی اور اسے مار ڈالا، اللہ تعالیٰ نے اسے جنت میں داخل کر دیا۔

اس کے قتل کے بعد اسے کہا گیا تو جنت میں داخل ہو جا، یہ اس کے اعزاز واکرام میں فرمایا گیا، اس نے جنت کی نعمتوں اور جنت کے اعزاز کو دیکھ کر کہا کہ اے کاش! میری قوم میرے رب کی بخشش کو جانتی کہ اس نے میرے ساتھ بخشش اور اعزاز کا معاملہ فرمایا ہے، اس لیے کہ میں اللہ پر ایمان لایا، میں نے اس کی اطاعت پر صبر کیا، میں نے اس کے رسولوں کی پیروی کی اس لیے قتل کر دیا گیا، تو یہ لوگ بھی اللہ پر ایمان لاتے تو میری طرح جنت میں داخل کر دیے جاتے۔

جب ان لوگوں نے اس شخص کو قتل کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے انہیں عذاب دینے کے لیے آسمانوں سے کوئی لشکر اور سپاہ نہیں بھیجی بلکہ اس سے بھی بہت کمزور ترین شکل میں ان پر عذاب آیا، ان کی

ہلاکت صرف ایک ہی چیخ سے ہوئی، چنانچہ وہ سب لوگ مرے پڑے تھے ان میں سے کوئی بھی نہیں بچا۔

اللہ تعالیٰ نے اصحاب القریہ اور ان دو رسولوں اور تیسرے مدد گار کا ان آیات میں ذکر فرمایا ہے، پھر اس شخص کا ذکر کیا ہے جس کے کانوں کی دہلیز سے یہ آواز ٹکرائی تھی کہ بستی والے شقی اور بدبخت لوگ اللہ کے فرستادہ لوگوں کو موت کے گھاٹ اتارنے لگے ہیں، اس نے آکر لوگوں کو سمجھایا مگر ان لوگوں نے اس کی بات ماننے کے بجائے اسے ہی ٹھکانے لگا دیا۔

مولانا مفتی تقی عثمانی اس آیت کے ذیل میں لکھتے ہیں کہ قرآن کریم نے نہ اس بستی کا نام ذکر فرمایا ہے، اور نہ ان رسولوں کا جو اس بستی میں بھیجے گئے تھے، بعض روایات میں کہا گیا ہے کہ یہ بستی شام کا مشہور شہر انطاکیہ تھی؛ لیکن نہ تو یہ روایتیں مضبوط ہیں اور نہ تاریخی قرائن سے اس کی تصدیق ہوتی ہے۔

دوسری طرف رسول کا لفظ عربی زبان میں ہر اس شخص کے لئے بولا جاتا ہے جو کسی کا پیغام لے کر دوسرے کے پاس جائے، لیکن قرآن کریم میں زیادہ تر یہ لفظ اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے پیغمبروں کے لئے استعمال ہوا ہے، اس لئے ظاہر یہی ہے کہ یہ حضرات انبیا کرام علیہم السلام تھے اور بعض روایات میں ان کے نام بھی صادق، صدوق اور شلوم یا شمعون بتائے گئے ہیں، لیکن یہ روایات بھی زیادہ مضبوط نہیں ہیں۔

اور بعض مفسرین کا خیال یہ ہے کہ یہ حضرات انبیاء علیہم السلام نہیں تھے؛ بلکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے شاگرد تھے جنہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اس بستی میں تبلیغ کے لئے بھیجا تھا، اور مرسلون کا لفظ اپنے لغوی معنیٰ میں استعمال ہوا ہے، لیکن چونکہ یہاں اللہ تعالیٰ نے انہیں بھیجنے کی نسبت اپنی طرف فرمائی ہے، اس لئے ظاہر یہی ہے کہ یہ انبیاء کرام علیہم السلام تھے، شروع میں دو نبی بھیجے گئے تھے، پھر ایک تیسرے پیغمبر بھی بھیجے گئے، بہر حال عبرت کا جو سبق قرآن کریم دینا چاہتا ہے وہ نہ بستی کے تعین پر موقوف ہے اور نہ پیغام لے جانے والوں کی شناخت پر، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ان کے نام نہیں بتائے، لہذا ہمیں بھی اس کی کھوج میں پڑنے کی ضرورت نہیں ہے۔ (توضیح القرآن)

علامہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر در منثور میں جتنے بھی اقوال نقل فرمائے ہیں ان

میں القریۃ سے مراد انطاکیہ بستی لی گئی ہے۔(تفسیر در منثور)علامہ ماوردی رحمۃ اللہ نے حضرات مفسرین کرام رحمہم اللہ کا اتفاق اس بات پر نقل فرمایا ہے کہ یہاں القریۃ بستی سے مراد انطاکیہ ہے۔(تفسیر قرطبی)

معجم البلدان کی تصریح کے مطابق انطاکیہ ملک شام کا مشہور عظیم الشان شہر ہے، جو اپنی شادابی اور استحکام میں معروف ہے، اس کا قلعہ اور شہر پناہ کی دیوار ایک مثالی چیز سمجھی جاتی ہے، اس شہر میں نصاری کے عبادت خانے کنیسہ بے شمار اور بڑے شاندار سونے چاندی کے کام سے مزین ہیں، ساحلی شہر ہے، زمانہ اسلام میں اس کو فاتح شام حضرت امین الامت ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ نے فتح کیا ہے۔

معجم البلدان میں یاقوت حموی نے یہ بھی لکھا ہے کہ حبیب نجار کی قبر بھی انطاکیہ میں معروف ہے، دور دور سے لوگ اس کی زیارت کے لئے آتے ہیں، ان کی تصریح سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ جس قریہ کا ذکر اس آیت میں آیا ہے وہ یہی شہر انطاکیہ ہے۔

ابن کثیر رحمۃ اللہ نے لکھا ہے کہ انطاکیہ ان چار مشہور شہروں میں سے ہے جو دین عیسوی اور نصرانیت کے مرکز سمجھے گئے ہیں، یعنی قدس، رومیہ، اسکندریہ اور انطاکیہ اور فرمایا کہ انطاکیہ سب سے پہلا شہر ہے، جس نے دین مسیح علیہ السلام کو قبول کیا، اسی بنا پر ابن کثیر رحمۃ اللہ کو اس میں تردد ہے کہ جس قریہ کا ذکر اس آیت میں ہے وہ مشہور شہر انطاکیہ ہو، کیونکہ قرآن کریم کی تصریح کے مطابق یہ قریہ منکرین رسالت و نبوت کی بستی تھی اور تاریخی روایات کے مطابق وہ بت پرست مشرکین تھے تو انطاکیہ جو دین مسیح علیہ السلام اور نصرانیت کے قبول کرنے میں سب سے اولیت رکھتا ہے، وہ کیسے اس کا مصداق ہو سکتا ہے۔

نیز قرآن کریم کی مذکورہ آیات ہی سے یہ بھی ثابت ہے کہ اس واقعہ میں اس پوری بستی پر ایسا عذاب آیا کہ ان میں کوئی زندہ نہیں بچا، شہر انطاکیہ کے متعلق تاریخ میں اس کا ایسا کوئی واقعہ منقول نہیں کہ کسی وقت اس کے سارے باشندے بیک وقت مر گئے ہوں، اس لئے ابن کثیر کی رائے میں یا تو اس آیت میں جس قریہ کا ذکر ہے وہ انطاکیہ کے علاوہ کوئی اور بستی ہے یا پھر انطاکیہ نام ہی کی کوئی دوسری بستی ہے جو مشہور شہر انطاکیہ نہیں ہے۔(معارف القرآن للمفتی)

جمہور مفسرین رحمہم اللہ یہ کہتے ہیں کہ اس قصہ میں جس قریہ کا ذکر ہے اس سے شہر انطاکیہ مراد ہے جو شام کے علاقہ میں ایک بستی ہے اور اس قصہ میں جن مرسلین کا ذکر ہے ان سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواری مراد ہیں جو شہر انطاکیہ میں وعظ اور نصیحت اور تبلیغ اور دعوت کی غرض سے آئے تھے۔ تاکہ وہاں کے بت پرستوں کو توحید اور رسالت اور قیامت پر ایمان لانے کی دعوت دیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے رفع الی السماء سے کچھ پہلے ان تین حواریوں کو انطاکیہ کی طرف بھیجا کہ ان کو دین حق کی دعوت دیں اور چونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ان حواریوں کو اللہ کے حکم سے بھیجا تھا اس لئے اِذۡ اَرۡسَلۡنَاۤ اِلَيۡهِمُ اثۡنَيۡنِ میں ان کے ارسال کو خداوند ذوالجلال کی طرف منسوب کیا گیا۔

غرض یہ کہ اس رکوع میں جن کو مرسلین کہا گیا وہ خداوند کے بلاواسطہ رسول نہ تھے بلکہ نائب رسول یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے فرستادہ تھے اور وہ تینوں عیسیٰ علیہ السلام کے مبلغ اور ایلچی تھے ان کی طرف سے لوگوں کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانے کی اور ان کی شریعت کی اتباع کی دعوت دیتے تھے اس لئے اہل قریہ نے ان مبلغین کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا قائم مقام اور وکیل سمجھ کر ان انتم الا بشر مثلنا کہا۔

اہل قریہ کی طرف سے ظاہر میں یہ خطاب حوارین کو تھا مگر درپردہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو تھا اس لئے کہ اصل رسول تو عیسیٰ علیہ السلام تھے اور یہ حواری ان کے وکیل اور قائم مقام اور نمائندہ تھے اور مرسل اور "مرسلین" کے معنی فرستادہ کے ہیں۔ خواہ خدا تعالیٰ کے رسول مرسل ہوں یا کسی نبی کے فرستادہ ہوں، لفظ مرسل کا اطلاق سب پر آیا ہے۔ (معارف القرآن للکاندھلوی)

علامہ طبری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جن تین رسولوں کو اللہ تعالیٰ نے اس بستی میں بھیجا تھا ان کا نام صادق، مصدوق اور شمعون تھا، تیسرا شخص شمعون ہی وہ تھا جس کے ذریعے اللہ نے پہلے دو نبیوں کو مضبوط کیا تھا۔ (قرطبی)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے جو حواری، اپنے قاصد انطاکیہ بستی میں بھیجے (یہ علماء نے لکھا ہے) جب یہ دونوں شہر کے قریب پہنچے تو ایک بوڑھا آدمی بکریاں چراتا ہوا ملا، اس کا نام حبیب نجار تھا، دونوں نے اس کو سلام کیا، بوڑھے نے کہا تم کون ہو؟ قاصدوں نے کہا کہ ہم عیسیٰ علیہ السلام کے قاصد ہیں، وہ تمہیں

بتوں کی پوجا چھوڑ کر رحمن کی عبادت کرنے کی دعوت دے رہا ہے، بوڑھے نے کہا کہ کیا تمہارے پاس کوئی نشانی ہے، قاصدوں نے کہا ہاں ہم اللہ کے حکم سے بیمار کو تندرست اور مادرزاد نابینا اور کوڑھی کو اچھا کر دیتے ہیں، بوڑھے نے کہا کہ میرا بیٹا کئی سالوں سے بیمار ہے، قاصدوں نے کہا چلو ہم کو وہاں لے چلو، ہم بھی اس کو دیکھیں۔ بوڑھا ان دونوں کو لے کر اپنے گھر پہنچا، قاصدوں نے جونہی اس کے بیٹے پر ہاتھ پھیرا وہ اللہ کے حکم سے تندرست ہو کر اٹھ کھڑا ہوا، یہ خبر شہر میں مشہور ہو گئی اور ان کے ہاتھوں سے اللہ نے بہت سارے مریضوں کو شفاء عطا فرمادی۔ (تفسیر بغوی)

انطاکیہ والوں کا ایک بادشاہ تھا، اس کا نام انطیخس تھا، یہ رومی بادشاہ تھا اور بتوں کی پوجا کرتا تھا، وہ کہنے لگے اور یہ خبر بادشاہ کو پہنچی، اس نے ان دونوں کو بلایا اور کہا تم دونوں کون ہو؟ وہ کہنے لگے ہم عیسیٰ علیہ السلام کے بھیجے ہوئے ہیں، بادشاہ نے کہا کس غرض سے آئے ہو؟ ان دونوں نے کہا کہ ہم آپ کو دعوت دیتے ہیں، ایسے معبود کو چھوڑ کر جو نہ سنتا ہے اور نہ دیکھتا ہے، ان کو چھوڑ کر ایسے معبود کی طرف جو سنتا بھی ہے اور دیکھتا بھی ہے۔

بادشاہ نے ان دونوں سے کہا کیا تمہارا کوئی خدا ہمارے خداؤں کے علاوہ ہے۔ قاصدوں نے کہا جی ہاں، جس نے تم کو اور تمہارے معبودوں کو پیدا کیا ہے، بادشاہ نے کہا اٹھ جاؤ میں تمہارے بارے میں سوچوں گا، لوگوں نے ان سے پوچھا اور بازار میں ان کو پکڑ کر مارا۔

وہب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ان دونوں شخصوں کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے انطاکیہ بھیجا، وہ دونوں انطاکیہ پہنچے مگر بادشاہ تک رسائی نہیں ہوئی اور ایک لمبی مدت تک ان کو وہاں ٹھہرنا پڑا، ایک روز بادشاہ برآمد ہوا تو ان دونوں نے اللہ اکبر کہا اور اللہ کا ذکر کیا، بادشاہ نے غضبناک ہو کر دونوں قاصدوں کو قید کر دینے اور سو سو کوڑے مارنے کا حکم دیا، کہا گیا کہ جب ان دونوں قاصدوں کی تکذیب کی گئی اور ان کو سزا دی گئی۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے حواریوں کے سردار شمعون صفا کو ان کے پیچھے ان کی مدد کے لیے روانہ کیا، شمعون بستی میں حلیہ بدل کر پہنچے اور بادشاد کے مصاحبوں سے ربط پیدا کیا، جب بادشاہ کے مصاحب

ان سے مانوس ہو گئے تو انہوں نے اس کی اطلاع بادشاہ تک پہنچادی، بادشاہ نے ان کو بلایا، شمعون ان کے پاس آ گئے، بادشاہ نے ان کی صحبت کو پسند کر لیا اور مانوس ہو گیا اور ان کی عزت کی کچھ مدت کے بعد شمعون نے ایک روز بادشاہ سے کہا مجھے خبر ملی ہے کہ آپ نے دو آدمیوں کو قید خانہ میں بند کر رکھا ہے اور جب انہوں نے آپ کو آپ کے مذہب کے خلاف دعوت دی تو آپ نے ان کو سزا دی اور قید کروادیا۔ کیا آپ نے ان سے کچھ گفتگو بھی کی تھی اور ان کی بات بھی سنی تھی، بادشاہ نے کہا کہ مجھے اتنا غصہ آیا کہ میں ان سے کوئی بات نہ کر سکا۔

شمعون نے کہا اگر بادشاہ مناسب سمجھے تو ان کو طلب فرما کر دریافت کرے کہ وہ کہتے کیا ہیں، شمعون کے مشورہ کے مطابق بادشاہ نے دونوں حواریوں کو طلب کیا، شمعون نے ان دونوں سے دریافت کیا کہ تم کو یہاں کس نے بھیجا ہے؟ قاصدوں نے جواب دیا اللہ نے، جس نے ہر چیز کو پیدا کیا ہے جیسی اس کی مشیت ہوتی ہے حکم دیتا ہے۔ شمعون نے کہا تم دونوں کے پاس کیا دلیل ہے؟

قاصدوں نے کہا جو آپ طلب کریں، یہ سنتے ہی بادشاہ نے حکم دیا تو ایک لڑکے کو لایا گیا جس کی دونوں آنکھوں کے نشان مٹے ہوئے تھے، دونوں آنکھوں کی جگہ سپاٹ تھی جیسے دونوں پیشانی کی طرح ہوں، دونوں حواریوں نے اپنے رب سے دعا کرنی شروع کر دی اور برابر کرتے رہے، آخر دونوں آنکھوں کی جگہ پھٹ گئی، حتیٰ کہ اس کے چہرے پر آنکھوں کی جگہ نکل آئی اور دو گڑھے بن گئے، پھر انہوں نے مٹی سے آنکھوں کے دو ڈھیلے بنائے اور ان کو ان گڑھوں میں رکھ دیا اور وہ لڑکا ان ان آنکھوں سے دیکھنے لگا، بادشاہ یہ منظر دیکھ کر بہت ہی حیران ہوا۔

شمعون نے بادشاہ سے کہا اگر آپ اپنے معبود سے درخواست کریں اور وہ بھی ایسا ہی کر دے تو آپ کو برتری حاصل ہو جائے گی، بادشاہ نے کہا تم سے کچھ چھپی بات نہیں حقیقت یہ ہے کہ ہمارا معبود جس کی ہم پوجا کرتے ہیں نہ سنتا ہے نہ دیکھتا ہے نہ ضرر پہنچاتا ہے نہ نفع دے سکتا ہے۔

شمعون کا قاعدہ یہ تھا کہ بادشاہ جب بتوں کی پوجا کرنے جاتا تو شمعون کثرت سے نماز پڑھتا اور اللہ کے سامنے گڑگڑاتا تھا۔ لوگ یہ سمجھتے تھے کہ یہ ہمارے مذہب پر ہے۔

اس کے بعد بادشاہ نے دونوں حواریوں سے کہا کہ اگر تمہارا خدا جس کی تم پوجا کرتے ہو مردہ کو زندہ کر سکے تو ہم اس کو مان لیں گے، حواریوں نے کہا ہمارا معبود ہر چیز کی قدرت رکھتا ہے۔

بادشاہ نے کہا ایک زمیندار کا بچہ سات دن ہو گئے ہیں مر گیا ہے، اس کا باپ موجود نہیں تھا، ہم نے اس کے باپ کے آنے تک دفن کرنے سے روک دیا ہے، حسب الحکم لوگ میت کو لے آئے، میت بہت بگڑ چکی تھی اور اس کی شکل ڈراؤنی ہو چکی تھی، دونوں حواری اللہ سے اعلانیہ دعا کرنے لگے اور شمعون چپکے چپکے خدا سے دعا مانگتا رہا۔

کچھ دیر کے بعد مردہ اٹھ بیٹھا اور کہا میں سات روز ہوئے شرک کی حالت میں مرا تھا، مجھے آگ کی سات وادیوں میں لیجایا گیا، میں تم کو اس شرک سے ڈراتا ہوں جس میں تم مبتلا ہو، اللہ پر ایمان لے آؤ، پھر اس نے کہا آسمان کے دروازے کھلتے مجھے دکھائی دیئے اور میں نے ایک خوبصورت جوان کو دیکھا جو ان تینوں کی سفارش کر رہا تھا، بادشاہ نے کہا تین کون؟ اس نے کہا شمعون اور یہ دونوں، یہ سن کر اور دیکھ کر بادشاہ کو بڑا تعجب ہوا، شمعون نے جب دیکھ لیا کہ اس کی بات بادشاہ کے اندر گھر کر چکی ہے تو اس کو اسلام کی دعوت دی، بادشاہ اور اس کی قوم کی بڑی تعداد اسلام لے آئی اور بعض لوگوں نے نہیں مانا۔ (تفسیر بغوی)

بعض حضرات نے کہا کہ بادشاہ کی بیٹی مر چکی تھی اور اس کو دفن بھی کر دیا گیا تھا تو شمعون نے بادشاہ سے کہا کہ آپ ان دونوں شخصوں سے کہیں کہ وہ آپ کی لڑکی کو زندہ کر دیں؟

بادشاہ نے دونوں حواریوں سے اپنی لڑکی کو زندہ کر دینے کی درخواست کی فوراً دونوں نماز پڑھنے کھڑے ہو گئے اور اللہ سے دعا کی شمعون بھی دعاء میں ان کے ساتھ شریک تھے مگر چپکے چپکے دعا کر رہے تھے۔ تھوڑی دیر بعد اللہ نے اس عورت کو زندہ کر دیا، قبر پھٹی اور عورت باہر نکل آئی اور کہا خوب جان لو کہ یہ دونوں سچے ہیں اور میرا خیال ہے کہ تم یہ بات نہیں مانو گے۔ پھر اس نے دونوں حواریوں سے درخواست کی کہ وہ اس کو اس کی جگہ واپس کر دیں، پھر ان دونوں نے اس کے سر پر کچھ مٹی ڈالی اور وہ اپنی قبر میں واپس چلی گئی جیسے پہلے تھی۔ (تفسیر بغوی ج ۴ ص ۱۰)

مفسر قرآن امام بغوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ابن اسحاق نے کعب اور وھب سے نقل کیا ہے کہ بادشاہ مسلمان نہیں ہوا تھا، بادشاہ اور اس کی رعایا کے لوگ ان رسولوں کے قتل کے درپے ہوگئے تھے، جب اس بات کی اطلاع حبیب نجار کو پہنچی تو وہ شہر سے دور والے دروازے پر تھا وہاں سے دوڑتا ہوا آیا، اس نے آکر انہیں نصیحت کی کہ وہ ان رسولوں کی بات کو مان لیں، ان پر ایمان لے آئیں۔ (تفسیر بغوی ج ۴ ص ۱۰)

علامہ محمود آلوسی بغدادی رحمہ اللہ اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ ایک قول یہ ہے کہ صاحب یٰسین (حبیب نجار) کو جذام کی بیماری تھی ان کا گھر شہر کے آخری دروازے میں تھا، انہوں نے ستر سال بتوں کی عبادت کی اور ان سے جذام کی بیماری سے نجات کے لئے دعا کرتے رہے اور ان کو اس بیماری سے نجات نہیں مل سکی۔

جب ان کو رسولوں نے اللہ تعالیٰ کی عبادت کی دعوت دی تو انہوں نے پوچھا کیا اس کی کوئی نشانی ہے؟ انہوں نے کہا ہاں ہم اپنے رب سے دعا کریں گے تو اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہے کہ وہ تمہاری اس بیماری کو تم سے دور کر دے، انہوں نے کہا یہ بڑی حیرت کی بات ہو گی میں ستر سال سے ان بتوں کے سامنے دعا کر رہا ہوں اور یہ بت مجھ سے اس بیماری کو دور نہیں کر سکے، تو تمہارا رب صرف ایک دن دعا کرنے سے اس بیماری کو کیسے دور کر دے گا؟ ان رسولوں نے کہا ہمارا رب جو چاہے اس کو کرنے پر قادر ہے اور یہ بت کسی کو کوئی نفع پہنچا سکتے ہیں نہ نقصان پہنچا سکتے ہیں۔

یہ سن کر صاحب یٰسین (حبیب نجار) ایمان لے آئے اور رسولوں نے اپنے رب سبحانہ سے اس کے لئے صحت کی دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے اس سے جذام اور کوڑھ کی بیماری کو اس طرح دور کر دیا کہ گویا اس کو کبھی کوڑھ تھا ہی نہیں۔

پھر وہ محنت مزدوری کرنے لگا اور محنت مزدوری کر کے جتنا کماتا تھا اس میں سے آدھا شام کے وقت ضرورت مندوں کو دے دیتا تھا اور بقیہ نصف اپنے اور اپنے اہل و عیال کے لئے رکھ لیتا تھا، جب اس کی قوم نے رسولوں کو قتل کرنے کا ارادہ کیا تو وہ شہر کے آخری کنارے سے دوڑتا ہوا آیا۔

حبیب نجار نے کہا کہ لوگو! میں تمہارے رب پر ایمان لایا ہوں، تم توجہ سے میری بات سنو، یہ الفاظ حبیب نجار نے کہے ہی تھے کہ لوگ یکبارگی اس پر جھپٹ پڑے، چنانچہ اسے قتل کر ڈالا۔

ابن مسعود رحمہ اللہ نے تو یہاں تک فرمایا کہ ان لوگوں نے حبیب نجار کو اپنے قدموں کے نیچے روند ڈالا، یہاں تک کہ اس کی آنتیں پچھلے راستے سے باہر نکل گئیں۔

حضرت سدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حبیب نجار کو وہ لوگ پتھر مار رہے تھے اور وہ کہہ رہا تھا کہ اے میرے اللہ! میری قوم کو ہدایت عطا فرما، انہوں نے حبیب نجار کو اتنے پتھر مارے کہ انہیں ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا اور موت کے گھاٹ اتار دیا۔

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ انطاکیہ والوں نے حبیب نجار کو جلایا، اسے شہر کی ایک دیوار پر لٹکایا، اس کی قبر لوگوں نے انطاکیہ میں بنائی، پھر اللہ نے اسے جنت میں داخل کر دیا وہ اللہ کے ہاں رزق دیا جاتا ہے۔

اسے کہا گیا کہ تو جنت میں داخل ہو جا، جب وہ جنت کی طرف گیا تو اس وقت اس نے کہا کہ اے کاش! میری قوم یہ بات جان لیتی کہ میرے رب نے مجھے معاف کر دیا ہے، وہ میری بخشش کی خبر جان لیتی، وہ جان لیتی کہ رب نے مجھے عزت والے لوگوں میں کر دیا ہے، حبیب نجار کی یہ آرزو اور تمنا تھی کہ ان کی قوم کو پتا چل جائے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے معاف کر دیا ہے اور عزت والی جگہ عطا کر دی ہے، تاکہ یہ لوگ رسولوں کے دین کی طرف راغب ہو جائیں۔

جب حبیب نجار قتل کر دیے گئے تو اللہ تعالیٰ کو اہل انطاکیہ پر جلال آیا، پھر جلد ہی اللہ نے انہیں پکڑ لیا، حضرت جبریل علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا تو انہوں نے ایک ہی چیخ ماری، جس سے یہ لوگ مر گئے، حبیب نجار کا واقعہ ان لوگوں کے لیے مشعل راہ کا کام دے گا جو صبح وشام اللہ کے دین کی دعوت دیتے ہیں اور ان کو جاہل، بے دین اور سنگدل لوگوں کی کڑوی کسیلی باتیں سننا پڑتی ہیں، انہیں دلبرداشتہ ہو کر دین کی دعوت سے سبکدوش نہیں ہونا چاہیے، بلکہ اپنے مشن اور کاز کے لیے دن رات ایک کرتے رہنا چاہیے، دین کی خاطر پہلے لوگوں کو سخت آزمائشوں سے دوچار ہونا پڑا، سخت دل لوگوں

کے سخت ترین رویے کا انہیں سامنا کرنا پڑا، یہاں تک کہ وہ لوگ جان گنوا بیٹھے، پاتال میں اتر گئے، قبر میں اترتے اترتے بھی ان کی زبانوں پر وہی بات تھی جو وہ اپنی زندگی میں کہتے رہے۔

منکرین رسالت کی ندامت، حیات بعد الموت

سوال ان آیات کا ترجمہ و تفسیر کیجیے۔

يٰحَسْرَةً عَلَى الْعِبَادِ مَا يَأْتِيهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ {۳۰} اَلَمْ يَرَوْا كَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنَ الْقُرُوْنِ اَنَّهُمْ اِلَيْهِمْ لَا يَرْجِعُوْنَ {۳۱} وَاِنْ كُلٌّ لَّمَّا جَمِيْعٌ لَّدَيْنَا مُحْضَرُوْنَ {۳۲} وَاٰيَةٌ لَّهُمُ الْاَرْضُ الْمَيْتَةُ ۚ اَحْيَيْنٰهَا وَاَخْرَجْنَا مِنْهَا حَبًّا فَمِنْهُ يَأْكُلُوْنَ {۳۳} وَجَعَلْنَا فِيْهَا جَنّٰتٍ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّاَعْنَابٍ وَّفَجَّرْنَا فِيْهَا مِنَ الْعُيُوْنِ {۳۴} لِيَأْكُلُوْا مِنْ ثَمَرِهٖ ۙ وَمَا عَمِلَتْهُ اَيْدِيْهِمْ اَفَلَا يَشْكُرُوْنَ {۳۵} سُبْحٰنَ الَّذِيْ خَلَقَ الْاَزْوَاجَ كُلَّهَا مِمَّا تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ وَمِنْ اَنْفُسِهِمْ وَمِمَّا لَا يَعْلَمُوْنَ {۳۶} يٰسٓ

جواب ترجمہ: افسوس ہے بندوں کے حال پر، جب ان کے پاس کوئی رسول آیا تو انہوں نے ضرور اس کا مذاق بنایا، کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ ہم ان سے پہلے بہت سی امتیں ہلاک کر چکے ہیں بیشک وہ ان کی طرف واپس نہیں ہوں گے۔ اور یہ سب مجتمع طور پر ہمارے پاس ضرور حاضر ہوں گے۔ اور ان لوگوں کے لیے ایک نشانی مردہ زمین ہے، ہم نے اسے زندہ کیا اور ہم نے اس سے غلے نکالے سو وہ اس میں سے کھاتے ہیں۔ اور ہم نے اس میں کھجوروں کے اور انگوروں کے باغ پیدا کیے اور ہم نے اس میں چشمے جاری کر دیئے۔ تاکہ وہ اس کے پھلوں سے کھائیں اور اسے ان کے ہاتھوں نے نہیں بنایا، سو کیا وہ شکر ادا نہیں کرتے۔ پاک ہے وہ ذات جس نے زمین سے پیدا ہونے والی چیزوں سے ہر قسم کی چیزیں پیدا فرمائیں اور ان لوگوں کی جانوں میں سے اور ان چیزوں میں سے جنہیں یہ لوگ نہیں جانتے۔

خلاصہ تفسیر: ان آیاتِ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے منکرینِ حق کی حسرت، قیامت کے انجام اور اپنی قدرت کی روشن نشانیوں کو نہایت مؤثر انداز میں بیان فرمایا ہے۔ ارشاد ہوا کہ

يٰحَسْرَةً عَلَى الْعِبَادِ ۚ مَا يَأْتِيهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ: قیامت کے دن وہ

لوگ سخت ندامت اور افسوس میں مبتلا ہوں گے جنہوں نے دنیا میں انبیائے کرام علیہم السلام کا مذاق اڑایا، ان کی دعوت کو جھٹلایا اور حق کے مقابل تکبر اختیار کیا، دنیا میں جب بھی کوئی رسول ان کے پاس آیا تو انہوں نے سنجیدگی سے غور کرنے کے بجائے استہزاء اور تمسخر کا راستہ اپنایا، مگر جب عذابِ الٰہی سامنے آئے گا تو انہیں اپنی کوتاہی اور سرکشی پر شدید حسرت ہوگی، پھر اللہ تعالیٰ نے گزشتہ قوموں کے انجام کی طرف توجہ دلائی کہ

اَلَمْ یَرَوْا کَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنَ الْقُرُوْنِ اَنَّهُمْ اِلَیْهِمْ لَا یَرْجِعُوْنَ: کتنی ہی طاقتور اور ترقی یافتہ قومیں حق کے انکار کے باعث تباہ ہو چکیں اور وہ دوبارہ دنیا میں واپس نہ آسکیں۔

وَاِنْ كُلٌّ لَّمَّا جَمِیْعٌ لَّدَیْنَا مُحْضَرُوْنَ: قیامت کے دن تمام انسان اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر کیے جائیں گے تاکہ ان کے اعمال کا مکمل حساب لیا جائے۔

وَاٰیَةٌ لَّهُمُ الْاَرْضُ الْمَیْتَةُ اَحْیَیْنٰهَا وَاَخْرَجْنَا مِنْهَا حَبًّا فَمِنْهُ یَاْكُلُوْنَ: یہاں اللہ تعالیٰ نے مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے پر اپنی قدرت کی واضح نشانیاں پیش فرمائیں، خشک اور مردہ زمین پر بارش برسا کر اسے سرسبز و شاداب بنا دینا،

وَجَعَلْنَا فِیْهَا جَنّٰتٍ مِّنْ نَّخِیْلٍ وَّاَعْنَابٍ: الخ اس میں باغات، غلے، پھل، کھجوریں، انگور اور چشمے جاری کر دینا اس بات کی روشن دلیل ہے کہ جو رب مردہ زمین کو زندگی دے سکتا ہے، وہ مردہ انسانوں کو بھی دوبارہ زندہ کرنے پر پوری قدرت رکھتا ہے۔

لِیَاْكُلُوْا مِنْ ثَمَرِهٖ وَمَا عَمِلَتْهُ اَیْدِیْهِمْ: انسان ان نعمتوں سے فائدہ اٹھاتا ہے، حالانکہ ان کی تخلیق میں اس کا کوئی اختیار نہیں، اس لیے اس پر لازم ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے اور اس کی وحدانیت کو تسلیم کرے۔ آخر میں اللہ تعالیٰ کی پاکی بیان کی گئی کہ

سُبْحٰنَ الَّذِیْ خَلَقَ الْاَزْوَاجَ كُلَّهَا مِمَّا تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ وَمِنْ اَنْفُسِهِمْ: اسی نے ہر قسم کی مخلوقات کو جوڑوں کی شکل میں پیدا فرمایا، خواہ وہ نباتات ہوں، انسان ہوں یا وہ بے شمار مخلوقات جن کے حقائق سے انسان ابھی تک پوری طرح واقف نہیں ہو سکا۔ یہ آیات انسان کو غور و فکر، شکر گزاری

اور قدرتِ الٰہی کے اعتراف کی دعوت دیتی ہیں۔

گردش آفتاب وماہتاب

سوال ان آیات کریمہ کی تفسیر کیجیے۔

وَاٰيَةٌ لَّهُمُ الَّيْلُ ۖ نَسْلَخُ مِنْهُ النَّهَارَ فَاِذَا هُمْ مُّظْلِمُوْنَ {۳۷} وَالشَّمْسُ تَجْرِيْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ۭ ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ {۳۸} وَالْقَمَرَ قَدَّرْنٰهُ مَنَازِلَ حَتّٰى عَادَ كَالْعُرْجُوْنِ الْقَدِيْمِ {۳۹} لَا الشَّمْسُ يَنْۢبَغِيْ لَهَآ اَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا الَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ ۭ وَكُلٌّ فِيْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ {۴۰} يٰسٓ

جواب ترجمہ: اور ان کے لیے ایک نشانی رات ہے، ہم اس سے دن کو کھینچ لیتے ہیں سو وہ اچانک اندھیرے میں رہ جاتے ہیں۔ اور سورج اپنے ٹھکانے کی طرف چلتا ہے، یہ اس کا مقررہ کیا ہوا ہے جو زبردست علم والا ہے۔ اور اس نے چاند کے لیے منزلیں مقرر کر دیں یہاں تک کہ وہ کھجور کی ٹہنی کی طرح رہ جاتا ہے۔ نہ تو سورج کی مجال ہے کہ چاند کو پکڑ لے اور نہ رات دن سے آگے بڑھ کر پہلے آسکتی ہے اور سب ایک ایک دائرہ میں تیر رہے ہیں۔

خلاصہ تفسیر: دن اور رات کا ایک دوسرے کے پیچھے آنا، رات آئے تو ہر طرف سناٹا اور تاریکی چھا جائے اور دن آئے تو ہر طرف اجالا ہی اجالا ہو جائے، یہ سب اللہ تعالیٰ کی قدرت کی کارفرمائی ہے، یہ سب اسی کی قدرت کا شاہکار عظیم ہے۔

قدرت والا اپنی قدرت دکھاتا ہے رات کی تاریکی سے دن کو چھپاتا ہے، وہ جلدی جلدی دن کو تلاش کرتی آتی ہے، پھر وہی پروردگار رات سے دن کو کھینچ لاتا ہے، دن اختتام پذیر ہوا تو رات نے کالی چادر تان لی، ہر سمت اندھیرا ہی اندھیرا پھیل گیا۔

دن کے چڑھتے ہی سورج اپنی کرنیں زمین پر بکھیرنا شروع کر دیتا ہے، سورج کا طلوع ہوا، وقت زوال ہو یا غروف آفتاب، ان سب کے ساتھ ہی شرعی احکام بھی وابستہ کر دیے گئے، کہ ان تین اوقات میں اہل اسلام کے لیے نماز پڑھنا ممنوع ٹھہرا دیا گیا، غروب آفتاب کے ساتھ روزے کی

افطاری متعلق کر دی۔

قرآن کریم کی آیات دیکھتے جائیں، جہاں دن اور رات کا ذکر کیا وہاں قدرت والے کی قدرت کی صناعی بیان کی گئی ہے، کہ وہ اللہ رات کو دن میں اور دن کو رات میں داخل کر دیتا ہے، یولج باب افعال سے ہے، عربی گرائمر میں ایلاج دو چیزوں میں سے کسی ایک میں کمی کر کے دوسری میں زیادتی کرنے کو کہا جاتا ہے۔

مستقر سے مراد یا تو مستقر مکانی یعنی جائے قرار ہے اور وہ عرش تلے کی وہ سمت ہے پس ایک سورج ہی نہیں بلکہ کل مخلوق عرش کے نیچے ہی ہے اس لئے کہ عرش ساری مخلوق کے اوپر ہے اور سب کو احاطہ کئے ہوئے ہے اور وہ کرہ نہیں ہے جیسے کہ ہئیت داں کہتے ہیں۔ بلکہ وہ مثل قبے کے ہے جس کے پائے ہیں اور جسے چار فرشتے اٹھائے ہوئے ہیں، انسانوں کے سروں کے اوپر والے عالم میں ہے، پس جبکہ سورج فلکی قبے میں ٹھیک ظہر کے وقت ہوتا ہے اس وقت وہ عرش سے بہت قریب ہوتا ہے پھر جب وہ گھوم کر چوتھے فلک میں اسی مقام کے بالمقابل آجاتا ہے یہ آدھی رات کا وقت ہوتا ہے جبکہ وہ عرش سے بہت دور ہو جاتا ہے پس وہ سجدہ کرتا ہے اور طلوع کی اجازت چاہتا ہے جیسا کہ احادیث میں ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ كُنْتُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْمَسْجِدِ عِنْدَ غُرُوبِ الشَّمْسِ، فَقَالَ: يَا أَبَا ذَرٍّ، أَتَدْرِي أَيْنَ تغربُ الشَّمْسُ؟ قُلْتُ: اللهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ. قَالَ: فَإِنَّهَا تَذْهَبُ حَتَّى تَسْجُدَ تَحْتَ الْعَرْشِ، فَذٰلِكَ قَوْلُهُ: {وَالشَّمْسُ تَجْرِي لِمُسْتَقَرٍّ لَهَا ذٰلِكَ تَقْدِيرُ الْعَزِيزِ الْعَلِيمِ}

میں سورج کے غروب ہونے کے وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مسجد میں تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا جانتے ہو یہ سورج کہاں غروب ہوتا ہے؟ میں نے کہا اللہ اور اس کا رسول ہی خوب جانتا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ عرش تلے جا کر اللہ کو سجدہ کرتا ہے پھر آپ نے آیت والشمس الخ، تلاوت کی۔ (بخاری)

ایک دوسری روایت میں ہے کہ آپ سے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے اس آیت کا مطلب پوچھا تو آپ

نے فرمایا کہ مُسْتَقَرُّهَا تَحْتَ الْعَرْشِ اس کی قرار گاہ عرش کے نیچے ہے۔

مسند احمد میں حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کی یہی روایت ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ يَا أَبَا ذَرٍّ، أَتَدْرِي أَيْنَ تَذْهَبُ الشَّمْسُ؟ قُلْتُ: اللهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ. قَالَ: فَإِنَّهَا تَذْهَبُ حَتَّى تَسْجُدَ بَيْنَ يَدَيْ رَبِّهَا عَزَّ وَجَلَّ، فَتَسْتَأْذِنُ فِي الرُّجُوعِ فَيُؤْذَنُ لَهَا، وَكَأَنَّهَا قَدْ قِيلَ لَهَا: ارْجِعِي مِنْ حَيْثُ جِئْتِ. فَتَرْجِعُ إِلَى مَطْلَعِهَا، وَذَلِكَ مُسْتَقَرُّهَا. (مسند احمد)

اے ابوذر! کیا آپ جانتے ہیں کہ یہ سورج کہاں جاتا ہے؟ (ابوذر فرماتے ہیں) میں نے کہا کہ اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم بہت بہتر جانتے ہیں کہ یہ سورج کہاں جاتا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ وہ چلا جاتا ہے یہاں تک کہ اپنے رب جل جلالہ کے سامنے جا کر سجدہ ریز ہو جاتا ہے، پھر وہ اللہ تعالیٰ سے واپس لوٹنے کی اجازت طلب کرتا ہے اور اسے اجازت دی جاتی ہے۔ گویا اس سے کہا جاتا ہے کہ جہاں سے آیا تھا وہیں لوٹ جا، تو وہ اپنے طلوع ہونے کی جگہ سے نکلتا ہے اور یہی اس کا مستقر ہے۔

ایک اور روایت میں کچھ الفاظ کا یہ اضافہ بھی ہے أَتَدْرِي أَيْنَ هٰذَا؟ قُلْتُ: اللهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ قَالَ: فَإِنَّهَا تَذْهَبُ حَتَّى تَسْجُدَ تَحْتَ الْعَرْشِ، فَتَسْتَأْذِنُ فَيُؤْذَنُ لَهَا، وَيُوشِكُ أَنْ تَسْجُدَ فَلَا يُقْبَلُ مِنْهَا، وَتَسْتَأْذِنُ فَلَا يُؤْذَنُ لَهَا، وَيُقَالُ لَهَا ارْجِعِي مِنْ حَيْثُ جِئْتِ فَتَطْلُعُ مِنْ مَغْرِبِهَا،

تم جانتے ہو کہ یہ کہاں ہے؟ (ابوذر کہتے ہیں کہ) میں نے کہا اللہ اور رسول اللہ خوب جانتے ہیں، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ سورج چلا جاتا ہے یہاں تک کہ عرش کے سائے کے نیچے جا کر سجدہ ریز ہو جاتا ہے، پھر وہ دوبارہ طلوع ہونے کی اجازت مانگتا ہے، پھر اسے اجازت دی جاتی ہے، اور قریب ہے کہ یہ سجدہ کرے اور اس کا سجدہ قبول نہ کیا جائے، یہ اجازت مانگے اور اسے اجازت نہ دی جائے، اور اسے یوں کہا جائے کہ تو ادھر ہی لوٹ جا جدھر سے تو آیا ہے، چنانچہ یہ وہ وقت ہو گا جب سورج مشرق کی بجائے مغرب سے طلوع ہو گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سمجھایا کہ اس آیت مبارکہ کے یہی معنیٰ ہیں۔

حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ اس آیت کی تفسیر میں ارشاد فرماتے ہیں إِنَّ الشَّمْسَ تَطْلُعُ

فَتَرُدُّهَا ذُنُوبُ بَنِي آدَمَ، حَتَّى إِذَا غَرَبَتْ سلَّمت وَسَجَدَتْ وَاسْتَأْذَنَتْ فَيُؤْذَنُ لَهَا، حَتَّى إِذَا كَانَ يَوْمٌ غَرَبَتْ فَسَلَّمَتْ وَسَجَدَتْ، وَاسْتَأْذَنَتْ فَلَا يُؤْذِنُ لَهَا، فَتَقُولُ: إِنَّ الْمَسِيرَ بَعِيدٌ وَإِنِّي إِلَّا يُؤْذَنُ لِي لَا أَبْلُغُ، فَتَحْبِسُ مَا شَاءَ اللهُ أَنْ تَحْبِسَ، ثُمَّ يُقَالُ لَهَا: اطْلَعِي مِنْ حَيْثُ غَرَبْتِ قَالَ: فَمِنْ يَوْمَئِذٍ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ لَا يَنْفَعُ نَفْسًا إِيمَانُهَا، لَمْ تَكُنْ آمَنَتْ مِنْ قَبْلُ، أَوْ كَسَبَتْ فِي إِيمَانِهَا خَيْرًا

سورج طلوع ہوتا ہے اسے انسانوں کے گناہ لوٹا دیتے ہیں، یہاں تک کہ وہ وقت آن پہنچے گا جب وہ غروب ہو کر سلام کرے گا اور سجدے میں پڑے گا اور اجازت طلب کرے گا، مگر اسے دوبارہ طلوع ہونے کی اجازت نہیں دی جائے گی، سورج کہے گا کہ مسافت بہت دور کی ہے جب کہ مجھے طلوع ہونے کی اجازت نہیں دی جارہی تو میں پہنچ نہیں سکوں گا، پھر اللہ جتنا چاہیں گے اسے وہاں روکیں گے، پھر اسے کہا جائے گا کہ جہاں سے تو غروب ہوا ہے وہاں سے ہی طلوع ہو جا، راوی کہتے ہیں کہ یہ وہ دن ہو گا جسے قیامت کا دن کہتے ہیں، جس میں کسی ایسے آدمی کو ایمان لانا نفع نہیں دے گا جو اس سے پہلے ایمان نہیں لایا تھا، یا جس نے اپنے ایمان میں کوئی بھلائی اور خیر حاصل نہیں کی تھی۔

حضرت عکرمہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جب سورج غروب ہوتا ہے تو عرش کے نیچے کے سمندر میں داخل ہوتا ہے، اور اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرتا ہے، یہاں تک کہ طلوع ہونے سے دستبرداری کی درخواست کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس سے اس کی وجہ دریافت کرتے ہیں، حالانکہ رب العالمین جانتے ہوتے ہیں کہ یہ ایسا کیوں کہہ رہا ہے، تو سورج کہتا ہے کہ اللہ! جب میں طلوع ہوتا ہوں تو بعض مخلوقات آپ کو چھوڑ کر میری پوجا شروع کر دیتی ہیں، اللہ تعالیٰ اس سے فرماتے ہیں کہ تم طلوع ہو جاؤ تم پر اس کا کوئی گناہ اور بار نہیں ہے، ایسے لوگوں کے لیے دوزخ کافی ہے، میں ایسے لوگوں پر جہنم کو ہزار فرشتوں کے ساتھ بھیجوں گا، جنہوں نے دوزخ کو تھامے ہو گا اور یہی فرشتے ایسے لوگوں کو پکڑ کر دوزخ میں ڈالیں گے۔ (العظمۃ لابی الشیخ، الھیئۃ السنیہ)

حضرت کعب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ جل جلالہ جب چاہیں گے کہ سورج مغرب سے طلوع

ہو تو اس کے قطب کو گھمادیں گے تو اس کا مشرق مغرب بن جائے گا اور مغرب مشرق بن جائے گا۔(العظمۃ، تفسیر در منثور للسیوطی، الھئیۃ السنیہ، تاریخ کبیر)

حضرت میسرہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ہم تک یہ بات پہنچی ہے کہ جب سورج غروب ہو جاتا ہے تو نماز پڑھتا ہے، یعنی اللہ کے حضور میں عاجزی اور انکساری کرتا ہے، اسی طرح چاند بھی، ستارے بھی، رات بھی، دن بھی، فرشتے بھی، جب قیامت کی رات ہو گی تو سورج کو حکم ہو گا کہ اپنی جگہ پر رہو (طلوع نہیں ہونا) جب کہ سورج، چاند، رات، دن، ستارے اور فرشتے سب حاضر ہوں گے اور اپنے رب عزوجل کا حکم سن رہے ہوں گے، اس وقت بات کھل جائے گی کہ زمین والوں کی تباہی و بربادی یقینی ہو گئی ہے۔

تو اس بات کے یقین پر سورج، چاند، ستارے اور فرشتے پہلے کی بہ نسبت اور زیادہ عبادت میں مشغول ہو جائیں گے، زمین والے آپس میں مل جل جائیں گے، جن میں انسان اور پہاڑ پگھلنے لگ جائیں گے، جس طرح تارکول گرم دن میں سخت گرمی کے باعث پگھلتا ہے، اور زمین ریزہ ریزہ ہو جائے گی، جس طرح کہ اس کو چھلنی میں چھان لیا گیا ہو، تو انسان اور جنات وغیرہ زمین سے نکلیں گے اور کہیں سے واپسی کا راستہ نہ پائیں گے، نہ ان کو آسمان پر سورج نظر آئے گا، نہ زمین نظر آئے گی، نہ ستارے دکھائی دیں گے، نہ پہاڑ دکھائی دیں گے اور نہ ہی پانی دکھائی دے گا۔

تو ایک دوسرے سے کہیں گے کہ ہمارے ساتھ زمین کے کناروں تک چلو تا کہ ہماری یہ گھبراہٹ ہم سے دور ہو جائے تو جب وہاں جائیں گے تو اللہ تعالیٰ کو دیکھیں گے کہ اس نے ایک انگشتری کی طرح ان کو اپنے احاطے میں لیا ہوا ہے، اسی سے متعلق قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے گروہ انس و جن کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ اگر تم قدرت رکھتے ہو کہ آسمان و زمین کی حدود سے کہیں باہر نکل جاؤ تو نکل کر دکھاؤ۔(العظمت)

اور اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ مستقر سے مراد اس کے چلنے کی انتہا ہے پوری بلندی جو گرمیوں میں ہوتی ہے اور پوری پستی جو سردی کے موسم میں ہوتی ہے۔ دوسرا قول یہ

ہے کہ آیت کے اس لفظ مستقر سے مراد اس کی چال کا خاتمہ ہے قیامت کے دن اس کی حرکت ختم ہو جائے گی، یہ بے نور ہو جائے گا اور یہ عالم کل کا کل ختم ہو جائے گا۔ یہ مستقر زمانی ہے۔

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں وہ اپنے مستقر پر چلتا ہے یعنی اپنے وقت اور اپنی میعاد پر جس سے تجاوز کر نہیں سکتا جو اس کے راستے سردی کے موسم کے اور گرمی کے موسم کے مقرر ہیں انہی راستوں سے آتا جاتا ہے۔

حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کی قرأت لا مستقر لھا ہے یعنی اس کے لئے سکون و قرار نہیں بلکہ دن رات اللہ تعالیٰ کے حکم سے چلتا رہتا ہے نہ رکے نہ تھکے جیسے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا وَسَخَّرَ لَكُمُ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ دَاۗىِٕبَيْنِ وَسَخَّرَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ یعنی اس نے تمہارے لئے سورج چاند کو مسخر کیا ہے جو نہ تھکیں نہ ٹھہریں قیامت تک چلتے پھرتے ہی رہیں گے۔ (ابراھیم:۳۳)

یہ اندازہ اس اللہ کا ہے جو غالب ہیں جس کی کوئی مخالفت نہیں کر سکتا جس کے حکم کو کوئی ٹال نہیں سکتا، وہ علیم ہے، ہر حرکت و سکون کو جانتا ہے۔ اس نے اپنی حکمت کاملہ سے اس کی چال مقرر کی ہے جس میں نہ اختلاف واقع ہو سکے نہ اس کے برعکس ہو سکے جیسے فرمایا

فَالِقُ الْاِصْبَاحِ وَجَعَلَ الَّيْلَ سَكَنًا وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ حُسْبَانًا ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ (الانعام :۹۶) صبح کا نکالنے والا، جس نے رات کو راحت کا وقت بنایا اور سورج چاند کو حساب سے مقرر کیا، یہ ہے اندازہ غالب ذی علم کا۔

حضرت ابو امامہ الباہلی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا سات فرشتے سورج پر مقرر کیے گئے ہیں، جو اس پر روزانہ برف ڈالتے ہیں اگر وہ ایسا نہ کریں تو سورج کی گرمی جس چیز پر پہنچے اسے جلا کر رکھ دے۔ (العظمت، کشف الخفاء)

پھر فرماتا ہے چاند کی ہم نے منزلیں مقرر کر دی ہیں وہ ایک جداگانہ چال چلتا ہے جس سے مہینے معلوم ہو جائیں جیسے سورج کی چال سے رات دن معلوم ہو جاتے ہیں، جیسے فرمان ہے کہ {يَسْـَٔلُوْنَكَ

عَنِ الأَهِلَّةِ قُلْ هِيَ مَوَاقِيتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ} (الْبَقَرَة: ۱۸۹) لوگ آپ سے چاند کے بارے میں سوال کرتے ہیں تو آپ جواب دیں کہ یہ وقت اور حج کے موسم کو بتانے کے لئے ہے۔

دوسری آیت میں ارشاد ہے {هُوَ الَّذِي جَعَلَ الشَّمْسَ ضِيَاءً وَالْقَمَرَ نُورًا وَقَدَّرَهُ مَنَازِلَ لِتَعْلَمُوا عَدَدَ السِّنِينَ وَالْحِسَابَ} (يُونُس: ۵) اس نے سورج کو ضیاء اور چاند کو نور دیا ہے اور اس کی منزلیں ٹھہرادی ہیں تاکہ تم سالوں کو اور حساب کو معلوم کرلو۔

ایک اور آیت میں ہے {وَجَعَلْنَا اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ آيَتَيْنِ فَمَحَوْنَا آيَةَ اللَّيْلِ وَجَعَلْنَا آيَةَ النَّهَارِ مُبْصِرَةً لِتَبْتَغُوا فَضْلًا مِنْ رَبِّكُمْ وَلِتَعْلَمُوا عَدَدَ السِّنِينَ وَالْحِسَابَ وَكُلَّ شَيْءٍ فَصَّلْنَاهُ تَفْصِيلًا} (الْإِسْرَاء: ۱۲) ہم نے رات اور دن کو دو نشانیاں بنادیا ہے، رات کی نشانی کو ہم نے دھندلا کر دیا ہے اور دن کی نشانی کو روشن کیا ہے تاکہ تم اس میں اپنے رب کی نازل کردہ روزی کو تلاش کر سکو اور برسوں کا شمار اور حساب معلوم کر سکو ہم نے ہر چیز کو خوب تفصیل سے بیان کر دیا ہے۔

ان آیات کی روشنی میں ہمیں پتا چلتا ہے کہ سورج کی چمک دمک اس کے ساتھ مخصوص ہے اور چاند کو چاندنی کے سات خاص کیا گیا ہے۔ ان دونوں کی سیر اور چلنے میں بھی فرق ہے، سورج ہر دن طلوع ہوتا ہے جب کہ دن کے آخر میں غروب ہوتا ہے ایک ہی روشنی کے ساتھ، لیکن وہ موسم سرما اور موسم گرما میں اپنی طلوع گاہوں اور غروب گاہوں میں منتقل ہوتا ہے، اسی سبب سے دن بڑا اور رات چھوٹی ہوتی ہے، پھر دن چھوٹا اور رات بڑی ہوتی ہے، دن کو اس کی بادشاہی قائم کی ہے، سورج دن کا ستارہ ہے۔

اور چاند رات کا ستارہ ہے اس کی منزلیں مقرر ہیں، مہینے کی پہلی رات طلوع ہوتا ہے بہت چھوٹا سا ہوتا ہے، روشنی کم ہوتی ہے، دوسری شب روشنی اس سے بڑھ جاتی ہے اور منزل بھی ترقی کرتی جاتی ہے، پھر جوں جوں بلند ہوتا جاتا ہے روشنی بڑھتی جاتی ہے، گو اس کی روشنی سورج سے لی ہوئی ہوتی ہے، آخر چودھویں رات کو چاند کامل ہو جاتا ہے اور اس کی چاندنی بھی کمال کی ہو جاتی ہے۔

پھر چودھویں رات کے بعد چاند گھٹنا شروع ہوتا ہے اور اسی طرح بتدریج گھٹتے گھٹتے کھجور کی ٹہنی

کی طرح ہو جاتا ہے، جس پر تر کھجوریں لٹکتی ہوں اور وہ خشک ہو کر بل کھا گئی ہو۔ پھر اسے نئے سرے سے اللہ تعالیٰ دوسرے مہینے کی ابتداء میں ظاہر کرتا ہے۔

مہینے کی راتیں: عرب میں چاند کی روشنی کے اعتبار سے مہینے کی راتوں کے نام رکھ لئے گئے ہیں، مثلاً پہلی تین راتوں کا نام غُرَر ہے، اس کے بعد کی تین راتوں کا نام نُفَل ہے، اس کے بعد کی تین راتوں کا نام تُسَع ہے، اس لئے کہ ان کی آخری رات نویں ہوتی ہے، اس کے بعد کی تین راتوں کا نام عُشَر ہے، اس لئے کہ اس کا آغاز دسویں سے ہے، اس کے بعد کی تین راتوں کا نام بِیض ہے، اس لئے کہ ان راتوں میں چاند کی روشنی آخر تک رہا کرتی ہے۔ اس کے بعد کی تین راتوں کا نام ان کے ہاں دُرَع ہے، یہ لفظ دَرعَاءُ کی جمع ہے، ان کا یہ نام اس لئے رکھا ہے کہ سولہویں کو چاند ذرا دیر سے طلوع ہوتا ہے تو تھوڑی دیر تک اندھیرا یعنی سیاہی رہتی ہے اور عرب میں اس بکری کو جس کا سر سیاہ ہو شَاۃ دَرعَاءُ کہتے ہیں، اس کے بعد کی تین راتوں کو ظُلَم کہتے ہیں، اس کے بعد والی تین راتوں کو خَنَادِس کہتے ہیں، پھر اس کے بعد والی تین راتوں کو دَآدِیءُ، پھر اس کے بعد والی تین کو مَحَاق کہتے ہیں، محاق انحماق سے ہے، انحماق کا معنٰی ہے ختم ہو جانا، تو ان تین راتوں کو محاق اس لیے کہتے ہیں کہ ان میں چاند ختم ہو جاتا ہے اور مہینہ بھی ختم ہو جاتا ہے۔ ابو عبید ان میں سے تُسَع اور عُشَر کو قبول نہیں کرتے، ملاحظہ ہو کتاب غریب المصنف۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۶ ص ۵۷۸)

سورج چاند کی حدیں اللہ تعالیٰ نے مقرر کی ہیں، ناممکن ہے کہ کوئی اپنی حد سے ادھر ادھر ہو جائے، یا آگے پیچھے ہو جائے، اس کی بادشاہی کے زمانے میں وہ گم ہے اس کی بادشاہی کے زمانے میں وہ گم ہے۔ حسن بصری رحمہ اللہ کہتے ہیں آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے یہ ارشاد فرمایا کہ سورج کے لیے مناسب نہیں ہے کہ وہ چاند کو پکڑ سکے، یہ چاند رات کو ہے۔ ابن مبارک کا قول ہے ہوا کے پر ہیں اور چاند پانی کے غلاف تلے جگہ کرتا ہے، ابو صالح فرماتے ہیں یہ اس کی روشنی کو اور وہ اس کی روشنی کو پکڑ نہیں سکتا۔

عکرمہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ دونوں کی اپنے اپنے مدار میں بادشاہی ہے، اس لیے رات کو سورج طلوع نہیں ہو سکتا، نہ رات دن سے سبقت کر سکتی ہے، یعنی رات کے بعد

رات نہیں آسکتی بلکہ درمیان میں دن آجائے گا، پس سورج کی سلطنت دن کو ہے اور چاند کی بادشاہت رات کو ہے، رات ادھر سے جاتی ہے ادھر سے دن آتا ہے ایک دوسرے کے تعاقب میں ہیں، لیکن تصادم کا ڈر ہے نہ بے انتظامی کا خطرہ ہے یہ بھی نہیں ہو سکتا کہ صرف دن کی سلطنت ہی قائم رہے، دن ہی دن چلا جائے رات نہ آئے اور نہ ہی اس کے خلاف ہو سکتا ہے، ایک جاتا ہے دوسرا آتا ہے، ہر ایک اپنے اپنے وقت پر غائب و حاضر ہوتا رہتا ہے۔

سب کے سب یعنی سورج چاند دن رات فلک آسمان میں تیر رہے ہیں اور گھومتے پھرتے ہیں۔ بعض لوگ کہتے ہیں فلک مثل چرخے کے تکلے کے ہے بعض کہتے ہیں مثل چکی کے لوہے کے پاٹ کے۔(تفسیر ابن کثیر)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ سورج، چاند اور ستاروں کو بے نور کر کے سمندر میں پھینک دیں گے، پھر ان پر آگ چھوڑ دی جائے گی، جو ان کو پھونک مارے گی اور یہ آگ بن جائیں گے، اسی کے متعلق اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے اور جب سمندر کو بھڑکا دیا جائے گا۔(طبرانی فی الکبیر، الاتحاف للزبیدی، کنز العمال للمتقی)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے سورج اور چاند کو پیدا کیا، پھر ان کو خبر دی کہ وہ دوزخ میں ڈالے جائیں گے تو انہوں نے کوئی جائے پناہ نہ پائی کہ کوئی ان کو دوزخ میں جانے سے روک سکے یا وہ دوزخ سے بچ جائیں۔(العظمت لابی الشیخ)

یہاں یہ بات ذہن نشین رہے کہ سورج اور چاند کو جو اللہ کی طرف سے دوزخ میں ڈالا جائے گا تو یہ بطور سزا کے نہیں ہو گا، یعنی سورج چاند کا کوئی گناہ نہیں ہو گا جس کی انہیں یہ سزا دی جائے گی، بلکہ اللہ تعالیٰ اپنے ان نافرمان بندوں کے گناہوں، بداعمالیوں، بدقماشیوں، سرکشیوں، نافرمانیوں، کفریات، شرکیات، کی سزا کے لیے انہیں دوزخ میں ڈالیں گے، کہ بندگان خدا دن کے اجالوں میں جب سورج کی روشنی اور کرنیں ہر گلی کوچے میں، ہر شہر و بازار میں، ہر قصبہ اور دیہات میں پڑتی تھیں۔

انہیں ہر سمت اجالا ہی اجالا دکھائی دیتا تھا، انہیں دنیا کی ہر چیز اپنی کھلی آنکھوں سے دکھائی دیتی

تھی مگر اللہ کی بیش بہا قدرتیں انہیں دکھائی نہیں دیتی تھیں، وہ دن کے اجالوں میں اللہ کے غضب اور عذاب کو دعوت دیتے تھے، اسی طرح رات کی تاریکی میں وہ نافرمانیوں کی انتہاء کر دیتے تھے، چاند کی چاندنی میں اپنے اللہ کو ناراض کر دیتے تھے، اس لیے اللہ تعالیٰ انہی دونوں مخلوقات کو ان پر بطور عذاب کے دوزخ میں پھینک دیں گے، جس سے انہیں دیا جانے والا عذاب سخت سے سخت ترین ہو جائے گا۔

تفسیر طبری میں علامہ طبری اور العظمت میں ابوالشیخ نے قرآن کریم کی آیت رب المشرقین اور رب المغربین کی تفسیر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ گرمی میں دو مشرق ہیں اور سردی میں دو مغرب ہیں، ان میں تین سو ساٹھ مرتبہ سورج تین سو ساٹھ برجوں پر چلتا ہے، ہر برج کا ایک مطلع ہے، دونوں میں کبھی بھی ایک جگہ سے سورج طلوع نہیں ہوا، مغرب میں بھی تین سو ساٹھ برج ہیں، دو دنوں میں سورج کبھی بھی ایک برج میں غروب نہیں ہوتا۔

تفسیر ابن جریر میں علامہ جریر رحمہ اللہ اور العظمت میں ابوالشیخ رحمہ اللہ والشمس والقمر بحسبان کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ سورج اور چاند حساب سے چلتے ہیں، جب ان کے دن ختم ہو جائیں گے تو یہ زمانہ کا اخیر ہو گا اور یہیں سے فزع اکبر (بڑی گھبراہٹ) شروع ہو جائے گی۔

حضرت سدی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ وہ پہاڑ جس کے پیچھے سے سورج طلوع ہوتا ہے اس کی لمبائی آسمان کی طرف اسی فرسخ ہے، ایک فرسخ قریباً آٹھ کلو میٹر کا ہوتا ہے تو گویا کہ چھ سو ساٹھ کلو میٹر اونچا ہوا۔ (العظمت لابی الشیخ)

تخلیق آفتاب میں رب کی حکمتیں: شیخ الاسلام امام غزالی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جن حکمتوں اور کارناموں کے لیے آفتاب کو پیدا فرمایا ہے اس کا مکمل علم تو اللہ کے سوا کسی کو نہیں ہے، ہم اپنی قدرت اور نظر کے مطابق جتنا جانتے ہیں یہاں لکھتے ہیں، آفتاب کی حرکت سے رات اور دن کا قیام ہے، اگر یہ نہ ہو تو دین کے بہت سے کاموں کا نظام درہم برہم ہو جائے اور دنیا کے بھی بہت سے کام خراب ہو جائیں، روزگار اور معاش کی طلب وسعی میں بڑی دشواری ہو جائے، اگر ساری دنیا میں

اندھیرا ہی اندھیرا ہو تو روشنی سے آنکھیں کیونکر لذت اٹھا سکتی ہیں اور اشیاء کے مختلف رنگ کا امتیاز کیونکر ممکن ہو گا، انسانی جسم کو راحت وآرام کیونکر نصیب ہو گا بلکہ معدے میں غذا کے ہضم کا نظام بھی بگڑ جائے گا، اسی طرح اگر روشنی ہی روشنی ہو اور آفتاب غروب نہ ہو تب بھی بڑی دشواریاں پیدا ہو جائیں گی، رات میں انسان آرام کر کے اپنے دن بھر کے تھکے ماندے جسم کو راحت پہنچا کر دوسرے دن کام کرنے کے قابل بناتا ہے، اگر رات نہ ہو تو ایک طرف کام کرنے کی حرص وآز نفس میں بڑھے گی اور دوسری طرف آرام نصیب نہ ہونے سے جسم میں نئی اور تازہ قوت نہ ہو گی، وہ کافی عرصہ تک کام کرتے رہنے سے مضمحل اور سست ہو جائے گی، اس سے قویٰ میں اضمحلال اور بدن کے انتظام میں اختلال کا پیدا ہو جانا یقینی ہے، اور یہ اسباب انسان کی بیماری کے لیے کافی ہیں، اس طرح وہ جانور جو دن بھر کام کر کے رات کو کام چھوڑ کر آرام کرنے کے لیے تھان پر باندھ دیے جاتے ہیں تاکہ رات بھر آرام کر کے پھر دوسرے دن کام کے قابل ہو جائیں، اتنی گرمی ہو جائے گی کہ زمین پر بسنے والے انسان وجانور اس گرمی کی شدت سے ہلاک ہو جائیں گے۔

سورج طلوع وغروب دونوں ہی اپنی اپنی جگہ پر بڑی مصلحت وحکمت پر مبنی ہیں، نیز دوسری مخلوق کا سکون وراحت اس میں مضمر ہے، جس طرح ایک انسان بجلی کی متواتر روشنی سے گھبرا کر روشنی کو بند کر کے آرام حاصل کرتا ہے اور جب طویل تاریکی سے دل اکتا جاتا ہے تو روشنی کر کے اپنی اضطرابی کیفیت کو تسلی دیتا ہے اور جیسا کہ انسان آگ سے کھانا وغیرہ تیار کر کے خود متمتع ہوتا ہے، پھر دوسروں کو دے دیتا ہے کہ اب وہ اس سے کھانا وغیرہ تیار کر لیں اور دوسرا تیسرے کو اور تیسرا چوتھے کو اسی طرح نظام عالم قائم ہے، روشنی اور تاریکی سردی اور گرمی دونوں مل کر ہی ہمیں پورا پورا فائدہ پہنچاتے ہیں۔

اسی طرف اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں اشارہ فرمایا ہے قُلْ أَرَأَيْتُمْ إِنْ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَيْكُمُ اللَّيْلَ سَرْمَداً إِلَى يَوْمِ الْقِيامَةِ مَنْ إِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَأْتِيكُمْ بِضِياءٍ آپ لوگوں سے فرما دیجیے کہ بھلا یہ تو بتلاؤ کہ اگر اللہ تعالیٰ تم پر ہمیشہ کے لیے قیامت تک رات ہی رہنے دیتے تو کونسا معبود ہے

جو روشنی لائے گا۔

پس جس طرح آفتاب کے طلوع وغروب میں حکمتیں ہیں اسی طرح تقدم وتاخر یعنی تغیر موسم کے اعتبار سے اس کے طلوع وغروب میں اوقات ومقام کا تغیر وتبدل اس میں بھی بڑی حکمتیں پوشیدہ ہیں۔

نباتات وحیوانات کا بہت کچھ نظام آفتاب کی اسی تقدیم وتاخیر سے طلوع وغروب ہونے پر موقوف ہے، فصلوں کا پکنا اور غلہ کا، اور پھلوں کا اپنے وقت پر پک کر تیار ہو جانا بھی اسی پر موقوف ہے اور شب وروز کا موسم کے لحاظ سے کم وبیش ہونا بھی اسی حکمت پر مبنی ہے، اگر طلوع وغروب ایک مقررہ وقت پر ہی ہوا کرے تو رات دن میں یہ کمی بیشی کیونکر ہو سکتی ہے، انسان کی افتاد طبعیت بھی کچھ اسی طرح ہے کہ وہ ہر آن تغیرات وتبدلات کو پسند کرتی ہے اور اس سے لطف اٹھاتی ہے، کل جدید لذیذ اوقات کا پہچاننا اور پھر اس کے مطابق اپنے کاموں کو ترتیب دینا وغیرہ یہ سب امور اسی آفتاب کے طلوع وغروب پر منحصر ہیں۔ دیکھو اللہ نے رات کو راحت وسکون کا سبب اور دن کو طلب معاش، کسب معیشت کے لیے کس حکمت ومصلحت سے بنایا ہے، پھر سال میں موسموں کا تغیر وتبدل اور ان موسموں میں آب وہوا کے اثرات میں تبدیلیاں یہ سب آفتاب ہی کی برکتوں کا ثمرہ ہیں اور آب وہوا میں سردی وگرمی اور رطوبت ویبوست کے اثرات شجر ونباتات اور ان کے پھلوں اور پھولوں پر پڑتے ہیں اور آفتاب کے طلوع وغروب اور موسم کے تغیرات وتبدل اور اس کے اثرات ہی سے بادلوں کا پیدا ہونا اور وقت پر بارش کا ہونا موقوف ہے، جو انسان وحیوانات اور نباتات کے نشاۃ ثانیہ کا موجب ہے۔

انسان کی طبیعتوں میں اختلافات بھی اس کی برکات کا سبب ہے، مزاج میں کمی بیشی اور اعتدال کا پیدا ہونا اس کا دارومدار بھی اسی پر ہے، غرضیکہ امراض کا پیدا ہونا اور دوسرے موسم کے آنے سے امراض کا جاتا رہنا بدنوں میں قوت پیدا ہونا اور کاموں میں از سر نو جدوجہد کا جذبہ عمل پیدا ہونا یہ بھی اسی کے ثمرات ہیں، یہ سب اپنی اپنی جگہ اپنے اپنے اوقات پر تدریجی طور پر کام جاری ہیں، جس میں بیش بہا حکمتیں ومصلحتیں مضمر ہیں، جس پر نظر وغور وفکر سے اس صانع وحکیم کی کاریگری کی داد دینا

پڑتی ہے، کہ اس نے کمال قدرت اور نہایت حکمت سے کیسا نظام عالم بنایا ہے۔ فتبارک اللہ احسن الخالقین

پھر آفتاب کا برجوں میں جانا جس سے سال کے دوروں کا قیام ہے اور اسی سے موسم گرما، موسم سرما، ربیع، حریف، چاروں موسم کا پیدا ہونا موقوف ہے اور اسی سے سال کا حساب اور مہینوں اور دنوں کا شمار اور چیزوں کی مدتوں اور عمروں کا علم اسی پر موقوف ہے۔

تمام جہاں پر آفتاب کے بلند ہونے پر نظر کرو، اللہ نے کس بلیغ حکمت سے اس کو بلند کیا ہے، اگر ایک ہی جگہ پر وہ قائم ہوتا تو اس کی شعاعوں سے زمین کے ایک ہی حصہ کو فائدہ ہوتا، باقی حصے اس کے فیض سے ہمیشہ کے لیے محروم ہوتے اور پھر اس کے اثرات و ثمرات بھی تمام جہاں کو یکساں طور پر نہیں پہنچ سکتے تھے اس کی روشنی ہمیشہ ایک ہی جہت پر پڑتی اور دوسری جہتیں اس سے محروم رہتیں، یہ اللہ کی بلیغ حکمت ہے کہ اس نے آفتاب کو متحرک بنایا، طلوع ہوتے وقت جن اطراف واکناف میں اس کی روشنی پڑتی ہے غروب ہوتے وقت وہاں سایہ ہوتا ہے اور جو حصے طلوع ہوتے وقت روشنی سے محروم تھے اب غروب ہوتے وقت وہ بھی اس کی روشنی سے فیضیاب ہوتے ہیں، اسی طرح سے آفتاب کا فیض سب کو یکساں طور پر حاصل ہوتا ہے۔

اب رات اور دن کی مقداروں پر نظر کرو، اللہ نے کس خوبی سے اس کا نظام رکھا ہے، جس میں عالم کی فلاح و بہبود مد نظر ہے کہ اگر ذرا بھی اس میں فرق آجائے تو اس کا بڑا اثر زمین پر بسنے والی تمام مخلوقات کو کم و بیش پہنچے گا، خواہ وہ حیوانات ہوں یا نباتات، حیوانات کو لے لیجیے کہ جب تک وہ دن کی روشنی دیکھتے رہیں گے کام میں لگے رہیں گے، حتیٰ کہ ان کی قوت کمزور پڑ جائے گی، چوپائے چرنے سے باز نہیں آئیں گے، حد سے کسی چیز کا بڑھنا اس کی ہلاکت کا موجب ہوتا ہے۔

نباتات کو ذرا دیکھیے، حرارت آفتاب اگر متواتر ان پر رہے گی تو نباتات خشک ہو کر جل جائیں گے اور یہی حال رات کے برابر رہنے کا ہے، اگر دن نہ ہو اور رات ہی رہے تو حیوانات اور انسان کے طلب معاش اور کسب معیشت میں اختلال کا موجب ہو گی اور طبعی حرارتیں سرد پڑ جانے سے نباتات و حیوانات کے فساد تلف ہو جانے کا سبب ہو گا، جس طرح کہ اس مقام پر نباتات کا حال ہوتا ہے،

جہاں ہم آفتاب کی روشنی و گرمی پہنچنے کا بندوبست نہ کریں اور اس کی شعاعوں کے اثرات کو وہاں تک نہ پہنچنے دیں۔ (الحکمۃ فی مخلوقات اللہ، مصنف امام غزالی)

چاند کی پیدائش میں اللہ کی حکمتیں: امام غزالی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ اس حکیم مطلق نے جب رات کو وجہ سکون اور راحت بنایا، ہوا کو خوشگوار ٹھنڈا کر دیا تو اس نے رات کو تاریک اور مطلق ظلمت نہیں رکھا، ورنہ رات کی تاریکی میں انسان اپنے ان کاموں کو کیونکر انجام دیتا، جن کے انجام دینے میں وہ روشنی کا محتاج ہے، کیونکہ شدت گرمی یا تنگئ وقت کی وجہ سے کبھی اس کو راتوں کو اپنے دن کے کام انجام دینا ہوتے ہیں، تو چاند کی روشنی سے اس کو بڑی مدد ملتی ہے اور چاند کی ٹھنڈی اور خوشگوار روشنی سے جو بعض راتوں میں اپنی پوری تابانی سے پھیلی ہوتی ہے، انسان کو اس سے نشاط و فرحت حاصل ہوتی ہے اور ان راتوں میں جب چاند کی روشنی پوری نہیں ہوتی، ستاروں کی روشنی سے وہ کمی پوری ہو جاتی ہے، اس کے علاوہ چاند ستاروں سے آسمان کی رونق دوبالا ہو جاتی ہے، دیکھنے والے کو ایک فرحت وانبساط حاصل ہوتا ہے، اللہ کی اس حکمت کو دیکھو کہ اس نے کس خوبی سے رات کی تاریکی کو چاند ستاروں کی ٹھنڈی اور خوشگوار روشنی سے دور کیا تاکہ انسان اپنی ضرورتوں کو پورا کر سکے۔

پھر چاند کی نقل و حرکت پر سالوں اور مہینوں کا علم کس طرح موقوف کیا ہے، یہ اللہ کی بڑی مصلحت و حکمت ہے، ستاروں میں روشنی کے علاوہ اور بھی بہت سی حکمتیں پوشیدہ ہیں، زراعت وکاشت کا بہت کچھ معاملہ چاند ستاروں پر موقوف ہے۔

بحر و بر کے مسافرین کے لیے راہنمائی کا بڑا سبب ہے، بڑے بڑے لق ودق جنگلوں میں رات کی تاریکی میں سفر کرنا اور اسی طرح سمندر کی تاریک راتوں میں راستہ کا معلوم کرنا انہیں ستاروں کے وجود پر موقوف ہے، وَهُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ النُّجُومَ لِتَهْتَدُوا بِهَا فِي ظُلُمَاتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ (۹۷) الانعام) اور وہ اللہ ایسا ہے جس نے تمہارے فائدے کے لیے ستارے بنائے تاکہ تم ان کے ذریعہ اندھیروں میں خشکی میں بھی اور دریا میں بھی راستے معلوم کر سکو۔

آفتاب کی طرح ماہتاب کے طلوع و غروب اور آنے جانے میں اور پھر اس کے پہلے دن طلوع

ہونے اور کم و بیش ہونے اور بعض راتوں میں اس کے غائب ہونے اور بعض اوقات اس کے کسوف بے نور ہونے میں جو حکمتیں پوشیدہ ہیں وہ قدرت الٰہی پر دلیل ہیں، ان کا احاطہ کون کر سکتا ہے؟ (الحکمت فی مخلوقات اللہ للغزالی)

اللہ تعالیٰ کی قدرت، انسان کی ناشکری، منکرین قیامت کا انجام

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

وَاٰيَةٌ لَّهُمْ اَنَّا حَمَلْنَا ذُرِّيَّتَهُمْ فِي الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ {۴۱} وَخَلَقْنَا لَهُمْ مِّنْ مِّثْلِهٖ مَا يَرْكَبُوْنَ {۴۲} وَاِنْ نَّشَاْ نُغْرِقْهُمْ فَلَا صَرِيْخَ لَهُمْ وَلَا هُمْ يُنْقَذُوْنَ {۴۳} اِلَّا رَحْمَةً مِّنَّا وَمَتَاعًا اِلٰى حِيْنٍ {۴۴} وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّقُوْا مَا بَيْنَ اَيْدِيْكُمْ وَمَا خَلْفَكُمْ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ {۴۵} وَمَا تَاْتِيْهِمْ مِّنْ اٰيَةٍ مِّنْ اٰيٰتِ رَبِّهِمْ اِلَّا كَانُوْا عَنْهَا مُعْرِضِيْنَ {۴۶} وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنُطْعِمُ مَنْ لَّوْ يَشَآءُ اللّٰهُ اَطْعَمَهٗٓ ۖ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ {۴۷} وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ {۴۸} يٰسٓ

جواب ترجمہ: اور ان لوگوں کے لیے ایک نشانی یہ ہے کہ ہم نے ان کی اولاد کو بھری ہوئی کشتی میں سوار کیا۔ اور ہم نے ان کے لیے کشتی جیسی چیزیں پیدا کیں جن پر یہ لوگ سوار ہوتے ہیں۔ اور اگر ہم چاہیں تو انہیں ڈبو دیں سو ان کی کوئی بھی فریاد رسی کرنے والا نہ ہو اور نہ انہیں چھٹکارا دیا جائے۔ مگر یہ کہ ہماری مہربانی ہو جائے اور ایک وقت مقررہ تک فائدہ دینا منظور ہو۔ اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ تم اس سے ڈرو جو تمہارے آگے ہے اور جو پیچھے ہے تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔ اور ان کے رب کی نشانیوں میں سے جو نشانی بھی ان کے پاس آتی ہے اس کی طرف سے اعراض کرنے والے بن جاتے ہیں۔ اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اس میں سے خرچ کرو جو اللہ نے تمہیں دیا ہے تو کافر لوگ اہل ایمان سے کہتے ہیں کہ کیا ہم لوگ ان لوگوں کو کھلائیں جنہیں اللہ چاہے تو کھلا دے، بات یہی ہے کہ تم کھلی ہوئی گمراہی میں ہو۔ اور وہ کہتے ہیں کہ یہ وعدہ کب ہو گا اگر تم سچے ہو۔

خلاصہ تفسیر: ان آیاتِ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنی کامل قدرت، بے پایاں رحمت اور انسان پر عظیم احسانات کا ذکر فرمایا ہے، ساتھ ہی مشرکین و منکرینِ آخرت کی ہٹ دھرمی، ناشکری اور تکذیبِ حق کو بھی نمایاں کیا ہے، ارشاد فرمایا کہ

وَاٰيَةٌ لَّهُمْ اَنَّا حَمَلْنَا ذُرِّيَّتَهُمْ فِي الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ: اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور قدرت کی ایک بڑی نشانی یہ ہے کہ اس نے حضرت نوح علیہ السلام کے زمانے میں انسانوں کی نسل کو اس بھری ہوئی کشتی میں سوار کیا جس میں مختلف مخلوقات کے جوڑے موجود تھے۔

وَخَلَقْنَا لَهُمْ مِّنْ مِّثْلِهٖ مَا يَرْكَبُوْنَ: پھر اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے لیے کشتیوں اور سواریوں کی دوسری قسمیں بھی پیدا فرمائیں جن پر وہ سمندروں اور دریاؤں میں سفر کرتے ہیں، یہ سب اس کی عظیم قدرت اور بندوں پر اس کے انعامات کی روشن دلیلیں ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اس سے مراد حضرت نوح علیہ السلام کے بعد دوسری کشتیاں ہیں، حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اونٹ خشکی کے جہاز ہیں۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنی کامل اختیار و حاکمیت کو بیان فرمایا کہ

وَاِنْ نَّشَاْ نُغْرِقْهُمْ فَلَا صَرِيْخَ لَهُمْ وَلَا هُمْ يُنْقَذُوْنَ: اگر ہم چاہیں تو لوگوں کو پانی میں غرق کر دیں، پھر کوئی ایسا نہیں جو انہیں بچا سکے یا ان کی فریاد کو پہنچ سکے۔ آج نہ صرف سمندروں میں بڑے بڑے دیو ہیکل جہازوں پر لوگ بحفاظت و پر امن ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچ جاتے ہیں بلکہ ہوا کے دوش پر اڑتے بڑے بڑے جہازوں پر بھی پر سکون سفر کرتے ہیں، دنیا کے ایک کونے سے دوسرے کونے تک پہنچ جاتے ہیں، بے شمار سہولیات سے لطف اندوز ہوتے ہیں، اللہ ان جہازوں کو زمین پر گرنے سے روکتا ہے، سمندری جہازوں کو ڈوبنے سے بچاتا ہے، کبھی کبھی کہیں کہیں وہ اپنی طاقت و قوت کا کوڑا برساتا ہے، جہاز فضاؤں میں پاش ہو جاتے ہیں، سمندروں میں طغیانی آتی ہے، جوار بھاٹا ہوتا ہے جہاز نہ صرف آپس میں ٹکرا جاتے ہیں بلکہ سمندر کی تہہ میں اتر جاتے ہیں۔

اِلَّا رَحْمَةً مِّنَّا وَمَتَاعًا اِلٰى حِيْنٍ: لیکن اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے انہیں مہلت دیتا ہے تاکہ وہ ایک مقررہ وقت تک دنیا کی نعمتوں سے فائدہ اٹھائیں اور شاید اس مہلت سے نصیحت حاصل کر کے ایمان

لے آئیں۔ پھر کفار و مشرکین کی سنگ دلی اور حق سے اعراض کا ذکر فرمایا کہ

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّقُوْا مَا بَيْنَ اَيْدِيْكُمْ وَمَا خَلْفَكُمْ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ: جب انہیں نصیحت کی جاتی کہ آخرت کے عذاب سے ڈرو اور دنیا کی غفلت سے بچو تاکہ اللہ تعالیٰ تم پر رحم فرمائے، تو وہ اس نصیحت سے منہ موڑ لیتے اور کوئی توجہ نہ دیتے۔

وَمَا تَاْتِيْهِمْ مِّنْ اٰيَةٍ مِّنْ اٰيٰتِ رَبِّهِمْ اِلَّا كَانُوْا عَنْهَا مُعْرِضِيْنَ : اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کی قدرت کی جتنی بھی نشانیاں ان کے سامنے آتیں، وہ غور و فکر کے بجائے ان سے اعراض ہی کرتے رہے۔

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ: اسی طرح جب اہلِ ایمان انہیں اللہ تعالیٰ کے دیے ہوئے مال میں سے فقراء و مساکین پر خرچ کرنے کی دعوت دیتے تو وہ تکبر اور جہالت سے جواب دیتے کہ

قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنُطْعِمُ مَنْ لَّوْ يَشَآءُ اللّٰهُ اَطْعَمَهٗٓ: اگر اللہ چاہتا تو خود ہی انہیں کھلا دیتا، پھر ہم کیوں کھلائیں؟ اس باطل اعتراض کے ذریعے وہ اپنے بخل اور بے رحمی کو تقدیر کے پردے میں چھپانے کی کوشش کرتے تھے۔

اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ: اللہ تعالیٰ نے ان کے اس طرزِ فکر کو کھلی گمراہی قرار دیا، کیونکہ رزق دینا اللہ تعالیٰ کا کام ہے مگر بندوں کو ایک دوسرے کے ساتھ تعاون، ہمدردی اور انفاق کا حکم دیا گیا ہے تاکہ آزمائش اور باہمی رحمت کا نظام قائم رہے۔ آخر میں منکرینِ قیامت کے انکار اور استہزاء کا ذکر فرمایا کہ

وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ: وہ اہلِ ایمان سے کہتے تھے کہ اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو تو بتاؤ یہ قیامت کب آئے گی؟ ان کا یہ سوال حق کی طلب کے لیے نہیں بلکہ انکار، تمسخر اور بعید سمجھنے کے طور پر تھا، حالانکہ قیامت کا آنا یقینی ہے اور اللہ تعالیٰ کے لیے مردوں کو دوبارہ زندہ کرنا ہرگز مشکل نہیں۔

محشر کی ہولناکی اور جزا و سزا

سوال ان آیات مبارکہ کی تفسیر کیجیے۔

مَا يَنْظُرُوْنَ اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً تَاْخُذُهُمْ وَهُمْ يَخِصِّمُوْنَ {۴۹} فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ تَوْصِيَةً

وَّلَآ اِلٰٓى اَهْلِهِمْ يَرْجِعُوْنَ{۵۰}وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَاِذَا هُمْ مِّنَ الْاَجْدَاثِ اِلٰى رَبِّهِمْ يَنْسِلُوْنَ{۵۱}قَالُوْا يٰوَيْلَنَا مَنْۢ بَعَثَنَا مِنْ مَّرْقَدِنَا ۜ هٰذَا مَا وَعَدَ الرَّحْمٰنُ وَصَدَقَ الْمُرْسَلُوْنَ{۵۲}اِنْ كَانَتْ اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً فَاِذَا هُمْ جَمِيْعٌ لَّدَيْنَا مُحْضَرُوْنَ {۵۳} فَالْيَوْمَ لَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْـًٔا وَّلَا تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ{۵۴}یٰس

جواب وہ لوگ بس ایک سخت آواز کے انتظار میں ہیں جو ان کو پکڑ لے اور وہ آپس میں جھگڑ رہے ہوں۔ سو نہ تو وہ کوئی وصیت کر سکیں گے اور نہ اپنے گھروں کے پاس لوٹ کر جا سکیں گے۔ اور صور پھونکا جائے گا سو وہ سب یکایک قبروں سے نکل کر اپنے رب کی طرف جلدی جلدی چلنے لگیں گے۔ وہ کہیں گے کہ ہائے ہماری کم بختی ہمیں کس نے ہماری لیٹنے کی جگہ سے اٹھا دیا، یہ وہی ہے جس کا رحمن نے وعدہ فرمایا اور پیغمبروں نے سچی خبر دی۔ بس وہ ایک چیخ ہو گی سو وہ سب ہمارے پاس حاضر کر دیئے جائیں گے۔ سو اس دن کسی جان پر ذرا سا بھی ظلم نہ ہو گا اور تمہیں صرف انہیں کاموں کا بدلہ ملے گا جو تم کرتے تھے۔

تَاْخُذُهُمْ وَهُمْ يَخِصِّمُوْنَ : یعنی وہ دنیا کے امور میں جھگڑتے ہیں خواہ ان کا تعلق خرید و فروخت سے ہو یا کسی اور چیز سے متعلق، وہ مجالس اور بازاروں میں بحث و مباحثہ کرتے تھے۔

روایت کیا گیا کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قیامت ایسی حالت میں آجائے گی کہ دو آدمی باہم (خرید و فروخت) کپڑا پھیلائے ہوئے ہوں گے، خرید و فروخت میں مشغول ہوں گے، نہ عقد کو ختم کر چکے ہوں گے اور نہ کپڑے کو لپیٹ چکے ہوں گے کہ قیامت آجائے گی اور ایک شخص نے کھانے کے لیے نوالہ اٹھایا ہو گا کہ اس کو کھا نہیں سکے گا کہ قیامت آجائے گی۔ (تفسیر بغوی)

اس وقت جو لوگ مجتمع ہوں گے وہ آپس میں کسی کو کسی کام کی وصیت کرنے کی مہلت نہیں پائیں گے اور جو گھروں سے باہر ہوں گے وہ اپنے گھروں میں واپس آنے کی بھی مہلت نہیں پائیں گے، اسی جگہ مرے کے مرے رہ جائیں گے۔ یہ بیان قیامت کے نفخہ اولیٰ کا ہے، جس سے سارا عالم زمین و آسمان تباہ ہو جائیں گے۔

مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ مَا يَنْظُرُوْنَ اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً یہ ان کفار کا جواب ہے جو استہزاء وانکار کے طور پر مسلمانوں سے پوچھا کرتے تھے کہ تم جس قیامت کے آنے کے قائل ہو وہ کب کس سال اور کس تاریخ میں آئے گی۔ (بیان القرآن)

وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَاِذَا هُمْ مِّنَ الْاَجْدَاثِ اِلٰى رَبِّهِمْ يَنْسِلُوْنَ: اجداث جدث کی جمع ہے، بمعنیٰ قبر اور ینسلون نسلان سے مشتق ہے جس کے معنی تیز چلنے کے ہیں، جیسا کہ ایک دوسری آیت میں یخرجون من الاجداث سراعاً، آیا ہے کہ یہ لوگ اپنی قبروں سے جلدی کرتے ہوئے نکلیں گے۔ اور ایک آیت میں جو ارشاد ہے فَاِذَا هُمْ قِيَامٌ يَّنْظُرُوْنَ، یعنی حشر کے وقت لوگ اپنی قبروں سے اٹھ کر کھڑے دیکھتے رہیں گے، یہ اس کے منافی نہیں۔ کیونکہ ابتداً حیرت سے کھڑے ہو کر دیکھنے کا واقعہ ہو اور بعد میں تیزی سے محشر کی طرف دوڑنا، ان دونوں میں کوئی تضاد نہیں۔ اور جیسا کہ آیات قرآن سے ثابت ہے کہ فرشتے ان سب کو پکار کر میدان حشر میں لائیں گے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کفار کی حاضری محشر اپنی خوشی سے نہیں بلکہ جبری طور پر ہوگی اور فرشتوں کے پکارنے کی وجہ سے دوڑتے ہوئے محشر میں آجائیں گے۔ (معارف القرآن)

قَالُوْا يٰوَيْلَنَا مَنْۢ بَعَثَنَا مِنْ مَّرْقَدِنَا: کفار اگرچہ قبروں میں بھی عذاب قبر میں مبتلا تھے، وہاں کچھ آرام نہ تھا، مگر قیامت کے عذاب کے مقابلہ میں وہ پہلا عذاب کالعدم معلوم ہوگا اس لئے پکاریں گے کہ ہمیں کس نے قبروں سے نکال لیا، وہیں رہتے تو اچھا ہوتا، اس پر فرشتے یا عام مومنین جواب دیں گے۔

هٰذَا مَا وَعَدَ الرَّحْمٰنُ وَصَدَقَ الْمُرْسَلُوْنَ: یعنی یہ وہی قیامت ہے جس کا رحمن نے وعدہ کیا تھا، اور اس کے رسولوں نے اس کی سچی خبر تم کو سنائی تھی، تم نے توجہ نہ دی۔ اس مقام پر اللہ کی صفات میں سے لفظ رحمن اختیار کرنے میں اشارہ ہے کہ اس نے تو اپنی رحمت سے تمہارے لئے اس عذاب سے بچنے کے بہت سامان کئے تھے اور قبل از وقت اس کا وعدہ اور اپنی کتابوں اور انبیاء کے ذریعہ اس کی خبر تک پہنچانا بھی صفت رحمت ہی کا اقتضا تھا۔ (معارف القرآن)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے فَالْيَوْمَ لَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا پس آج نہیں ظلم کیا جائے گا کسی نفس

پر کچھ بھی، اس نے گناہ نہیں کیا اور اس کے کھاتے میں ڈال دیا جائے یا اس نے جرم نہیں کیا اور اسے مجرم بنادیا جائے ایسا ہر گز نہیں ہو گا۔ یا ضابطے کے مطابق اس نے جو نیکیاں کی ہیں وہ نہ لکھی جائیں یا ان کا بدلہ نہ ملے ایسا نہیں ہو گا، دنیا میں لوگ ایک دوسرے پر ظلم کرتے ہیں تو قیامت والے دن مظلوم کو اس کا حق نہ دلوایا جائے ایسا بھی نہیں ہو گا وَلَا تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ اور نہ بدلہ دیا جائے گا تم کو مگر اس چیز کا جو تم کرتے ہو، تم نے نیکی کی نیکی کا بدلہ ملے گا بدی کی بدی کا بدلہ ملے گا ذخیرۃ الجنان)

مشرکین کو جلدی کیوں؟: مشرکین کو ہوش کے ناخن لینے کی ضرورت ہے، یہ دنیا میں جلدی عذاب کے طلب گار بنتے ہیں، جس دن اللہ کی طرف سے صور پھونکا جائے گا تو ساری کائنات موت کے منہ میں چلی جائے گی، یہ لوگ باہمی خرید و فروخت میں مست و مگن ہوں گے، ان کو قیامت کی ہولناکی کا اچانک ہی سامنا کرنا پڑے گا، یہ اپنے اپنے کاموں میں مشغول ہوں گے، ایک دوسرے کو کوئی بات بھی نہ کر سکیں گے۔

یہ ایسی جگہوں پر ہوں گے جہاں سے اپنے گھروں اور اہل و عیال میں بھی واپس نہیں جا سکیں گے، موت انہیں بازاروں میں آن پکڑے گی، پھر جب دوبارہ صور پھونکا جائے گا تو ان کی روحیں ان کے ابدان کے اندر لوٹائی جائیں گی، پھر یہ اپنی قبروں سے جلدی جلدی نکل کر اپنے رب کی طرف چلیں گے۔

کل تک تو یہ منکرین یوم النشور کی صداقت کو جھٹلاتے تھے، عالم شرمساری میں کہیں گے کہ ہم بربادی کے منہ میں چلے گئے، ہمیں ہماری قبروں سے کس نے اٹھایا؟ آج کی ہولناکی دیکھ کر انہیں قبر میں ملنے والا عذاب، قبر میں بچھو کی ڈنک، سانپوں کی پھنکار، فرشتوں کے ہتھوڑوں کی ضربیں بھول جائیں گی، بلکہ وہ قیامت کے دن کی وحشت ناکی کے مقابلے میں بہت ہی ہلکی دکھائی دیں گی، اس لیے انہیں قبر سے نکلنے پر دکھ ہو گا۔

پھر انہیں بتایا جائے گا کہ اے ازلی بدبختو! آج جو کچھ ہو رہا ہے، جس چیز کا تمہیں سامنا کرنا پڑ رہا ہے یہ رحمٰن کے وعدے کی عملی تصویر ہے، اسی لیے تو تمہیں کہا جاتا تھا کہ تم کو ایک دن مرنا ہے اور

مر کر دوبارہ ایک دن تمہیں اٹھنا ہے، مگر تم لوگ دنیا میں اس قدر مست و مگن تھے کہ تمہیں ہنگامہ یوم النشور کی بات مزاح لگتی تھی۔

میدان محشر میں حساب کتاب کیا جائے گا، نیکوکاروں کو ان کی نیکیوں کا صلہ ملے گا، بدکاروں کو ان کے کرتوتوں کی سزا ملے گی، کوئی بھی آج رتی برابر ظلم نہیں کیا جائے گا، کسی کی نیکیاں کم کی جائیں گی اور نہ ہی خواہ مخواہ زیادہ کی جائیں گی، آج کے دن ہر کسی کو اپنے کیے کی جزا و سزا ملے گی۔

اہل جنت کی دائمی مسرت، نعمتوں بھری زندگی

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

اِنَّ اَصۡحٰبَ الۡجَنَّةِ الۡيَوۡمَ فِىۡ شُغُلٍ فٰكِهُوۡنَ ﴿۵۵﴾ هُمۡ وَاَزۡوَاجُهُمۡ فِىۡ ظِلٰلٍ عَلَى الۡاَرَآئِكِ مُتَّكِـُٔوۡنَ ﴿۵۶﴾ لَهُمۡ فِيۡهَا فَاكِهَةٌ وَّلَهُمۡ مَّا يَدَّعُوۡنَ ﴿۵۷﴾ یٰسٓ

جواب ترجمہ: بلاشبہ آج جنت والے اپنے مشغلوں میں خوش ہوں گے۔ وہ اور ان کی بیویاں سایوں میں ہوں گے، مسہریوں پر تکیہ لگائے ہوئے ہوں گے۔ اس میں ان کے لیے میوے ہوں گے اور جو کچھ طلب کریں گے انھیں وہ ملے گا۔

خلاصہ تفسیر: ان آیاتِ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے اہلِ جنت کی خوش نصیبی، دائمی راحت اور بے مثال نعمتوں کا نہایت دلنشین انداز میں ذکر فرمایا ہے۔ ارشاد ہوا کہ

اِنَّ اَصۡحٰبَ الۡجَنَّةِ الۡيَوۡمَ فِىۡ شُغُلٍ فٰكِهُوۡنَ: قیامت کے دن جنتی لوگ ایسی خوشیوں، راحتوں اور نعمتوں میں مشغول ہوں گے کہ انہیں کسی دوسری فکر کی طرف توجہ ہی نہ ہو گی، دنیا کی تمام تکلیفیں، غم اور پریشانیاں ختم ہو چکی ہوں گی اور وہ ہمیشہ باقی رہنے والی نعمتوں اور عظیم کامیابی پر مسرور و شادمان ہوں گے، ان کے دلوں میں نہ کوئی خوف ہو گا، نہ غم، نہ حسرت اور نہ کسی محرومی کا احساس، بلکہ وہ ہر لمحہ اللہ تعالیٰ کے انعامات سے لطف اندوز ہو رہے ہوں گے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی راحت و آسائش کی کیفیت بیان فرمائی کہ

هُمۡ وَاَزۡوَاجُهُمۡ فِىۡ ظِلٰلٍ عَلَى الۡاَرَآئِكِ مُتَّكِـُٔوۡنَ: وہ اور ان کی پاکیزہ بیویاں جنت کے سایہ دار

باغات میں تختوں اور مسندوں پر آرام سے تکیے لگائے بیٹھے ہوں گے، جنت کی فضا سراسر سکون، محبت، اطمینان اور عزت سے بھری ہو گی، وہاں نہ دھوپ کی تپش ہو گی، نہ سردی کی شدت، بلکہ ہر طرف راحت، سرور اور قلبی سکینت کا ماحول ہو گا، اہلِ جنت کو ان کے اہل و عیال سمیت ایسی عزت و تکریم عطا کی جائے گی جو دنیا میں کسی انسان کے تصور سے بھی بلند تر ہے۔ اس کے بعد جنت کی نعمتوں کی وسعت کو بیان فرمایا کہ

لَهُمْ فِيهَا فَاكِهَةٌ وَّلَهُمْ مَّا يَدَّعُوْنَ: ان کے لیے ہر قسم کے عمدہ اور لذیذ پھل موجود ہوں گے، جیسے انگور، انجیر، انار اور بے شمار وہ نعمتیں جن کا انسان دنیا میں صحیح اندازہ بھی نہیں کر سکتا، اہلِ جنت جس چیز کی خواہش کریں گے وہ فوراً انہیں مہیا کر دی جائے گی، نہ کسی نعمت کے ختم ہونے کا اندیشہ ہو گا اور نہ کسی خواہش کے نامکمل رہنے کا خوف، یہ سب اللہ تعالیٰ کے فضل، رحمت اور انعام کا مظہر ہو گا جو اس نے اپنے نیک بندوں کے لیے تیار فرمایا ہے۔

ان آیات میں اہلِ ایمان کے لیے عظیم بشارت اور جنت کے حصول کی ترغیب پائی جاتی ہے کہ انسان دنیا کی عارضی لذتوں کے بجائے آخرت کی دائمی کامیابی کو اپنا مقصد بنائے۔

رب رحیم کا اہل جنت کو سلام

سوال اس آیت کریمہ کا مفہوم اور مطلب واضح کریں۔

سَلٰمٌ ۚ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِيْمٍ {۵۸} يٰسٓ

جواب ترجمہ: رحمت والے پروردگار کی طرف سے انہیں سلام کہا جائے گا۔

خلاصہ تفسیر: اہل جنت کے لیے یوں تو اللہ کی طرف سے بیش بہا نعمتیں ہوں گی، عقل انسانی ان نعمتوں کا اس دنیا میں تصور بھی نہیں کر سکتی، ان نعمتوں کو کسی آنکھ نے دیکھا اور نہ ہی ان کی حقیقت سے کوئی کان آشنا اور نہ ہی ان کا خیال کسی دل پر کھٹکا ہے، بڑی بڑی نعمتوں سے اہل جنت کو جنت میں نوازا اور سرفراز اجائے گا، مگر ان سب پر جو بڑی نعمت ہو گی وہ یہ کہ ان جنت والوں سے ان کا مہربان رب بات کرے گا، رب رحمان ورحیم ان کو سلام کہے گا، رب العالمین کی طرف سے سلام کہے جانے

پر انہیں کامل درجے کی سلامتی نصیب ہو جائے گی۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، بَيْنَا أَهْلُ الْجَنَّةِ فِي نَعِيمِهِمْ إِذْ سَطَعَ لَهُمْ نُورٌ فَرَفَعُوا رُؤُوسَهُمْ، فَإِذَا الرَّبُّ تَعَالَى قَدْ أَشْرَفَ عَلَيْهِمْ مِنْ فَوْقِهِمْ، فَقَالَ: اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ يَا أَهْلَ الْجَنَّةِ، فَذٰلِكَ قَوْلُهُ: سَلَامٌ قَوْلًا مِنْ رَبٍّ رَحِيمٍ (۵۹) فَيَنْظُرُ إِلَيْهِمْ وَيَنْظُرُونَ إِلَيْهِ، فَلَا يَلْتَفِتُونَ إِلَى شَيْءٍ مِنَ النَّعِيمِ مَا دَامُوا يَنْظُرُونَ إِلَيْهِ حَتَّى يَحْتَجِبَ عَنْهُمْ فَيَبْقَى نُورُهُ وَبَرَكَتُهُ عَلَيْهِمْ فِي دِيَارِهِمْ

اہل جنت اپنے عیش میں ہوں گے۔ اسی اثناء میں ایک نوران پر جلوہ افروز ہو گا۔ اہل جنت اپنے سر اٹھا کر دیکھیں گے تو اوپر سے اللہ عزوجل جلوہ افروز نظر آئیں گے اور فرمائے گا اے اہل جنت! تم پر سلام ہو۔ یہی اس آیت میں ہے، سَلَامٌ قَوْلًا مِنْ رَبٍّ رَحِيمٍ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، اہل جنت اس کی طرف دیکھیں گے اور وہ اہل جنت کا نظارہ کرے گا۔ جب تک جنت والے اسے دیکھ رہے ہوں گے کسی اور نعمت کی طرف متوجہ نہیں ہوں گے، یہاں تک کہ وہ ان سے اوجھل ہو جائے گا، پھر اس کا نور، اس کی برکت ان کے گھروں میں رہ جائے گی۔

بعض نے کہا کہ ان کو ان کے گھروں میں سلامتی بھیجی جائے گی اور بعض نے کہا ہے کہ فرشتے ان کو رب کی طرف سے ملائکہ کے ساتھ سلام بھیجیں گے۔

مقاتل کا قول ہے کہ جنت کے ہر دروازے سے ملائکہ یہ کہتے ہوئے داخل ہوں گے۔ اے اہل جنت! تم پر تمہارے رب رحیم کی طرف سے سلامتی ہے دوامی سلامتی ہے۔ (تفسیر بغوی)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں جنتی اپنی نعمتوں میں مشغول ہوں گے کہ اوپر کی جانب سے ایک نور چمکے گا یہ اپنا سر اٹھائیں گے تو اللہ تعالیٰ کے دیدار سے مشرف ہوں گے اور رب فرمائے گا اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ يَا أَهْلَ الْجَنَّةِ یہی معنیٰ ہیں اس آیت سَلَامٌ قَوْلًا مِنْ رَبٍّ رَحِيمٍ کے جنتی صاف طور سے اللہ کو دیکھیں گے اور اللہ انہیں دیکھے گا کسی نعمت کی طرف اس وقت وہ آنکھ بھی نہ اٹھائیں گے یہاں تک کہ حجاب حائل ہو جائے گا اور نور و برکت ان کے پاس باقی رہ جائے گی۔ (ابن کثیر)

بہت ہی خوفناک منظر

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

وَامْتَازُوا الْيَوْمَ اَيُّهَا الْمُجْرِمُوْنَ{۵۹}اَلَمْ اَعْهَدْ اِلَيْكُمْ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اَنْ لَّا تَعْبُدُوا الشَّيْطٰنَ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ{۶۰}وَّ اَنِ اعْبُدُوْنِيْ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ {۶۱}وَلَقَدْ اَضَلَّ مِنْكُمْ جِبِلًّا كَثِيْرًا اَفَلَمْ تَكُوْنُوْا تَعْقِلُوْنَ{۶۲}هٰذِهٖ جَهَنَّمُ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ {۶۳}اِصْلَوْهَا الْيَوْمَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ {۶۴}اَلْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰٓى اَفْوَاهِهِمْ وَتُكَلِّمُنَآ اَيْدِيْهِمْ وَتَشْهَدُ اَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ {۶۵}وَلَوْ نَشَآءُ لَطَمَسْنَا عَلٰٓى اَعْيُنِهِمْ فَاسْتَبَقُوا الصِّرَاطَ فَاَنّٰى يُبْصِرُوْنَ {۶۶}وَلَوْ نَشَآءُ لَمَسَخْنٰهُمْ عَلٰى مَكَانَتِهِمْ فَمَا اسْتَطَاعُوْا مُضِيًّا وَّلَا يَرْجِعُوْنَ {۶۷}يٰسٓ

جواب ترجمہ: اور اے مجرمو! آج علیحدہ ہو جاؤ۔ اے بنی آدم کیا میں نے تمہیں تاکید نہیں کی تھی کہ شیطان کی عبادت مت کرنا، بلاشبہ وہ تمہارا کھلا ہوا دشمن ہے۔ اور میری عبادت کرنا، یہ سیدھا راستہ ہے۔ اور یہ واقعی بات ہے کہ شیطان نے تم میں سے کثیر مخلوق کو گمراہ کر دیا، کیا تم سمجھ نہیں رکھتے تھے۔ یہ جہنم ہے جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا۔ آج تم اس میں داخل ہو جاؤ اپنے کفر کی وجہ سے۔ آج ہم ان کے مونہوں پر مہر لگا دیں گے اور ہم سے ان کے ہاتھ کلام کریں گے اور ان کے پاؤں اس کی گواہی دیں گے جو کچھ وہ کیا کرتے تھے۔ اور اگر ہم چاہتے تو ان کی آنکھوں کو مٹا دیتے سو وہ راستے کی طرف دوڑتے پھرتے سو ان کو کہاں نظر آتا۔ اور اگر ہم چاہتے تو انہیں ان کی جگہ پر مسخ کر دیتے اس طرح پر کہ وہ جہاں ہیں وہیں رہ جاتے جس کی وجہ سے یہ نہ آگے چل سکتے اور نہ پیچھے کو لوٹ سکتے۔

خلاصہ تفسیر: اہل جنت کا اکرام اور انعام بیان فرمانے کے بعد اہل دوزخ کی تباہی اور بربادی کو بیان فرمایا جو قیامت کے دن ان کے سامنے آئے گی، اول تو یہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا ان سے خطاب ہو گا کہ

وَامْتَازُوا الْيَوْمَ اَيُّهَا الْمُجْرِمُوْنَ: اے مجرمو! آج تم علیحدہ ہو جاؤ، دنیا میں تم اہل ایمان کے ساتھ ملے جلے رہتے تھے اور قبروں سے نکل کر بھی میدان حشر میں اکٹھے جمع ہوئے ہو اب تم ان سے

علیحدہ ہو جاؤ کیونکہ ان کو جنت میں جانا ہے اور تم کو دوزخ میں جانا ہے۔ (یہ آیت بہت زیادہ فکر مند بنانے والی ہے، حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ ایک مرتبہ پوری رات نفل نماز میں کھڑے رہے اور اسی آیت مبارکہ کو پڑھتے رہے) اس میں فکر کی بات یہ ہے کہ جس وقت یہ حکم ہو گا اس وقت میں کن لوگوں میں ہوں گا مجرمین میں ہوں گا یا مومنین میں۔ (انوار البیان) کافروں سے یہ خطاب بھی ہو گا

اَلَمْ اَعْهَدْ اِلَيْكُمْ يٰبَنِيْۤ اٰدَمَ اَنْ لَّا تَعْبُدُوا الشَّيْطٰنَ: اے آدم کی اولاد کیا میں نے تمہیں یہ تاکید نہیں کی تھی کہ شیطان کی عبادت مت کرنا یعنی اس کی فرمان برداری مت کرنا اور اس کے کہنے کے مطابق عمل نہ کرنا۔ (انوار البیان)

اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ: بیشک وہ تمہارا کھلا ہوا دشمن ہے۔

وَ اَنِ اعْبُدُوْنِيْ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ: اور تمہیں تاکید کی تھی کہ میری عبادت کرنا یہ سیدھا راستہ ہے (تم اس سیدھے راستہ سے ہٹ گئے)

وَلَقَدْ اَضَلَّ مِنْكُمْ جِبِلًّا كَثِيْرًا اَفَلَمْ تَكُوْنُوْا تَعْقِلُوْنَ: اور یہ بات واقعی ہے کہ شیطان نے تم میں سے بہت سی مخلوق کو گمراہ کر دیا، کیا تم سمجھ نہیں رکھتے تھے، اب اس گمراہی کا بدلہ ملنے کا اعلان کیا جا رہا ہے

هٰذِهٖ جَهَنَّمُ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ: یہ جہنم ہے جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا، کفار کو جہنم دکھائی جائے گی، پھر انہیں اس میں جھونکا جائے گا، قرآن کریم اعلان کرتا ہے کہ انہیں وہاں کہا جائے گا،

اِصْلَوْهَا الْيَوْمَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ: آج اس میں داخل ہو جاؤ اس وجہ سے کہ تم کفر کرتے تھے۔ کافروں کی سزا بیان فرمانے کے بعد ارشاد فرمایا

اَلْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰۤى اَفْوَاهِهِمْ: ہم آج کے دن ان کے مونہوں پر مہر لگا دیں گے۔

وَتُكَلِّمُنَاۤ اَيْدِيْهِمْ: اور ہم سے ان کے ہاتھ کلام کریں گے۔

وَتَشْهَدُ اَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ: اور ان کے پاؤں ان کاموں کی گواہی دیں گے جو وہ کیا کرتے تھے۔ کیسا عجیب منظر ہو گا، جب دنیا میں بولنے والے، چیخنے اور چلانے والے، اسلام اور دین

کے خلاف شبانہ روز اپنی زبانیں کھولنے والے، ہاتھ چلانے والے بولنے سے روک دیے جائیں گے، ان کے ہونٹوں پر مہر خامشی ہو گی، ان کے ہاتھ اور ان کے پاؤں ان کی بداعمالیوں کے خلاف گواہی دیں گے، ایک مقام پر تو یہ بھی فرمایا گیا کہ ان کی بداعمالیوں کا پردہ ان کی زبانیں بھی فاش کریں گی، جو کچھ یہ لوگ کرتے تھے اس پر ان کے ہاتھ اور پاؤں گواہ بن جائیں گے۔

تعارض: یہاں بظاہر تعارض دکھائی دے رہا ہے، کہیں مونہوں پر مہر کا ذکر ہے اور کہیں زبانوں کی گواہی کا ذکر ہو رہا ہے؟

جواب اس میں کوئی تعارض نہیں ہے کیونکہ قیامت کے دن احوال مختلف ہوں گے، کسی وقت ہاتھ پاؤں بلکہ ان کے چمڑے تک ان کے خلاف گواہی دے دیں گے اور زبان نہ بول سکے گی اور جب زبان کھول دی جائے گی تو زبان سے بھی اپنی نافرمانی کے اقراری ہو جائیں گے۔ (انوار البیان)

وَلَوْ نَشَآءُ لَطَمَسْنَا عَلٰٓى اَعْيُنِهِمْ فَاسْتَبَقُوا الصِّرَاطَ فَاَنّٰى يُبْصِرُوْنَ : اگر ہم چاہیں تو ان کی آنکھوں کو ختم کر دیں پھر وہ راستے کی طرف دوڑیں سو ان کو کہاں دکھائی دے۔

وَلَوْ نَشَآءُ لَمَسَخْنٰهُمْ عَلٰى مَكَانَتِهِمْ فَمَا اسْتَطَاعُوْا مُضِيًّا وَّلَا يَرْجِعُوْنَ : اور اگر ہم چاہیں تو ان کی جگہوں پر ہی ان کی صورتوں کو مسخ کر دیں تو انہیں نہ گزرنے کی طاقت رہے نہ واپس ہو سکیں۔

ان دو آیتوں میں یہ بتایا کہ ہم دنیا میں بھی سزا دینے پر قدرت رکھتے ہیں اور ان سزاؤں کی بہت سی صورتیں ہو سکتی ہیں، ان میں سے ایک یہ ہے کہ ہم ان کی آنکھوں کو ختم کر دیں یعنی چہرہ کو سپاٹ بنا دیں آنکھیں باقی ہی نہ رہیں، آگے بڑھنا چاہیں تو کچھ بھی نظر نہ آئے، اسی طرح ہم ان ہی کی جگہ رکھتے ہوئے انہیں مسخ بھی کر سکتے ہیں یعنی ان کی صورتیں بدل سکتے ہیں جیسے گزشتہ امتوں میں سے بعض لوگ بندر اور خنزیر بنا دیئے گئے، جب جانور ہی بن جائیں تو جہاں تھے وہیں رہ جائیں نہ آگے بڑھ سکیں نہ پیچھے ہٹ سکیں، جو مقاصد دنیاویہ لے کر نکلے تھے ان کا ہوش ہی نہ رہے گا۔ (انوار البیان)

انسانی زندگی کے مختلف ادوار

سوال ترجمہ و تفسیر کیجیے، نیز بتایئے کہ آیت میں وَمَنْ نُّعَمِّرْهُ نُنَكِّسْهُ فِي الْخَلْقِ کا کیا معنیٰ ہے؟
وَمَنْ نُّعَمِّرْهُ نُنَكِّسْهُ فِي الْخَلْقِ اَفَلَا يَعْقِلُوْنَ {٦٨} يٰسٓ

جواب ترجمہ: اور ہم جس کو زیادہ عمر دے دیتے ہیں اسے طبعی حالت پر لوٹا دیتے ہیں، کیا یہ لوگ نہیں سمجھتے۔

خلاصہ تفسیر: دنیا کی قلیل عمر و مدت کے پیش نظر کفار اللہ کی بارگاہ میں عذر کر سکتے تھے کہ ہم دنیا میں کوئی لمبا عرصہ نہیں رہے، اگر دنیا میں ایک طویل دور ہمارا گزرتا تو ہمارے ایمان وایقان میں کوئی کمی بیشی نہ ہوتی، ہم سیدھے طریقے سے ایمان لاتے، اللہ ان کے سارے حیلے بہانوں کو یہاں رد کر رہے ہیں کہ ہم نے تمہیں ایک عرصہ تک مہلت دی، عمر دی، بے شمار مواقع دیے، تم پو جوانی آئی، جس میں تمہارے پاس طاقت تھی، قوت تھی، اعضاء صحیح وسالم تھے، اس دور میں تو تم نے کوئی غور وفکر نہیں کیا، عقل وشعور کو استعمال نہیں کیا، پھر تم پر ایک وقت ایسا آیا جب تم کمزور ہو گئے، جوانی اور دور شباب تمہارا ختم ہو گیا، بڑھاپے کی دہلیز پر تم نے قدم رکھ دیے، پھر بڑھاپے میں تمہارے اعضاء و جوارح کمزور ہوتے چلے گئے۔

اس سے پہلے تم چاہتے تو غور وفکر سے کام لے سکتے تھے، ایمان قبول کر سکتے تھے، نیک اعمال کر سکتے تھے، اس عمر میں تم نصیحت قبول کر سکتے تھے، تمہارے پاس ایسا پیغام پہنچ چکا تھا کہ لوگو! اپنی زندگی میں سنبھل جاؤ، سنبھل جانے کا وقت ہے، اعمال میں جڑ جاؤ، نیکیاں کرنے کا وقت ہے، یہاں اللہ تعالیٰ بتا رہے ہیں کہ ہم جس کو لمبی عمر دیتے ہیں تو اس کی جسمانی بناوٹ کو ابتدائی حالت کی طرف پھیر دیتے ہیں۔

انسان ذرا غور کرے، تدبر سے کام لے، انسان اپنی پیدائش کے مختلف مرحلوں کی طرف دیکھے کہ اس کی ابتدا مٹی سے ہوئی، مٹی سے اللہ تعالیٰ نے سبزہ اگایا، سبزہ سے اللہ تعالیٰ نے انسانی غذا بنائی، غذا خون بناتی ہے، پھر نطفہ بناتی ہے، پھر نطفہ رحم مادر میں پہنچ کر جما ہوا خون بن جاتا ہے، پھر بوٹی بن

جاتی ہے، پھر ہڈیاں وجود میں آتی ہیں، ان ہڈیوں پر بوٹیاں چڑھائی جاتی ہیں، پھر ایک مدت میں جب انسان کے اعضاء بن جاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس میں روح ڈالی جاتی ہے۔

شکم مادر میں جب بچے کی صورت مکمل ہو جاتی ہے تو اسے جنین کہا جاتا ہے، جب بچہ جنم لے لے تو اسے ولید کہا جاتا ہے، جب دنیا میں آنے کے بعد اپنی ماں کی چھاتی سے منہ لگا کر دودھ نوش جاں کرے تو اسے رضیع کہا جاتا ہے، جب اس سے بڑھ کر کھانا کھانے لگے تو اسے فطیم کہا جاتا ہے، جب کچھ عمر گزارنے کے بعد کھیل کودنے کی عمر کو پہنچ جائے تو اسے صبی کہا جاتا ہے، جب بچہ انسانی آنکھ کو اچھا لگنے لگے تو اسے غلام کہا جاتا ہے، چہرے مہرے پر بال اگنے لگیں تو اسے مراہق کہا جاتا ہے، جب اس عمر سے آگے نکل کر بلوغ کو پہنچ جائے تو اسے بالغ کہا جاتا ہے، بلوغ سے کچھ آگے بڑھ جائے تو اسے شاب کہا جاتا ہے، عمر میں پختگی آجائے تو اسے رجل کہتے ہیں۔

تیس سال کی عمر کو پہنچ جائے تو اسے کہول کہا جاتا ہے، چالیس سال کی عمر کو پہنچ جائے تو اسے شیخ کہا جاتا ہے، ساٹھ سال کی عمر کو پہنچ جائے تو اسے شیخ فانی کہا جاتا ہے، جب عمر اس سے بھی آگے بڑھ جائے، کمزوری اور لاغرپن ظاہر دکھائی دینے لگے، ہڈیاں چٹخٹانے لگیں، حافظہ بھی ساتھ نہ دے، بھول پن زیادہ ہو جائے، انسان دوسروں کا محتاج ہو جائے تو ایسی عمر کو ارذل العمر کہا جاتا ہے، جس سے حضرت نبی کریم ﷺ نے پناہ مانگی ہے۔

علامہ ابو منصور ثعالبی رحمہ اللہ نے فقہ اللغہ میں انسانی زندگی کے مختلف مراحل کو یوں بیان فرمایا ہے مَا دَامَ فِي الرَّحِمِ فَهُوَ جَنِينٌ، فإذا وُلِدَ فَهُوَ وَلِيدٌ، وَمَا دَامَ لَمْ يَسْتَتِمَّ سَبْعَةَ أَيام فهو صَدِيغٌ لأنهُ لا يَشْتَدُّ صُدْغُهُ إلى تَمَام السَّبْعَةِ، ثُمَّ مَا دَامَ يَرْضعُ فهو رَضِيع. ثُمّ إذا قُطِعَ عَنْهُ اللَّبَنُ فَهُوَ فَطِيم، ثُمَّ إذاَ غَلُظَ وَذَهَبَتْ عَنْهُ تَرَارَةُ الرَّضَاعِ فهُوَ جَحْوَشٌ (فقہ اللغہ وسر العربیہ)

رحم مادر میں ہے تو جنین ہے، پیدا ہو چکا تو ولید ہے، سات دنوں تک صدیع ہے، جب تک دودھ پیتا رہے رضیع ہے، جب دودھ چھوٹ جائے تو فطیم ہے، جب جسم بھر جائے تو جحوش ہے۔ جب بچہ اپنے

قدموں پر چلنا شروع کر دے تو اسے دارج کہتے ہیں، جب بچہ کی لمبائی پانچ بالشت تک پہنچ جائے تو اسے خماسی کہتے ہیں، جب اس کے دودھ کے دانت گر جائیں تو اسے مثغور کہتے ہیں، جب دودھ کے دانت گرنے کے بعد والے دانت نکلیں تو اسے مثغر کہتے ہیں، جب بچہ دس سال سے بڑھ جائے تو اسے مترعرع اور ناشی کہتے ہیں، جب بچہ قریب البلوغ ہو جائے تو اسے یافع اور مراھق کہتے ہیں، جب بچے کو احتلام ہو جائے اور اس کی قوت یکجا ہو جائے تو اسے حزور اور حزور کہتے ہیں، ان تمام ادوار میں اسے غلام کہا جاتا ہے، جب اس کی مونچھیں نکل آئیں تو اسے بقل وجہہ کہا جائے گا، جب جوان ہو جائے تو اسے فتیٰ اور شارخ کہتے ہیں، جب اس کی داڑھی نکل آئے اور جوانی کی پیک کو پہنچ جائے تو اسے مجتمع کہتے ہیں، تیس اور چالیس کے درمیان جب تک رہے گا اسے شاب ہی کہا جائے گا، پھر چالیس سے ساٹھ سال تک والے کو کہول کہا جائے گا، بڑھاپے کی ابتدا ہو گئی تو اس کو شیب کہا جائے گا، جب سر کا کچھ حصہ سفید ہو جائے تو اسے مخلس کہا جائے گا، جب بالوں کی سفیدی سیاہی پر چھا جائے تو اسے اغشم کہا جائے گا، جب بالوں میں سفیدی اور سیاہی خلط ملط ہو جائے تو اسے وخزہ القتیر اور لھزہ کہا جائے گا، جب بڑھاپا بہت زیادہ ہو جائے تو اسے تفشع کہا جائے گا۔

عورتوں کے زندگی کے مختلف مراحل: اسی طرح عورتوں کی زندگی کے مراحل ہیں، چھوٹی عمر کی بچی کو طفلۃ کہتے ہیں، جب کچھ نقل وحرکت کرنے لگتی ہے تو اسے ولیدہ کہتے ہیں، پھر جب اس کی چھاتی ابھرتی ہے تو اسے کاعب کہتے ہیں، پھر جب چھاتی بھرپور انداز میں بھرتی ہے تو اسے ناھد کہتے ہیں، پھر جب عمر کا کچھ حصہ بڑھتا ہے تو اسے معصر کہتے ہیں، پھر جب کچھ بڑی عمر کی ہوتی ہے تو اسے عانس کہتے ہیں، پھر جب جوانی کی درمیانی عمر کو پہنچتی ہے تو اسے خود کہتے ہیں، پھر جب چالیس سال سے عمر بڑھتی ہے تو اسے مسلف کہتے ہیں، پھر جب جوانی اور بڑھاپے کی درمیانی عمر کو پہنچ جائے تو اسے نصف کہتے ہیں، پھر اس کے بعد والی عمر کو پہنچنے پر اسے شہلہ اور کہلہ کہتے ہیں، جب بڑھاپے کی عمر کو پہنچ جائے تو اسے وجلد کہتے ہیں، جب بہت ہی بوڑھی ہو جائے تو اسے شہبرہ کہتے ہیں، جب قوت کم ہو جائے اور یہ بڑی عمر کی ہو جائے تو اسے حیزبون کہتے ہیں، پھر جب دانت گر جائیں اور کمر جھک جائے تو اسے قلعم اور

لطلط کہتے ہیں۔

اس کے بعد انسان کا رخت سفر بندھ جاتا ہے، ملک الموت دستک دیتا ہے اور اس کی روح قفس عنصری سے کھینچ لیتا ہے، روح مسلمان کی ہے تو اعلیٰ علیین کی طرف چڑھ جاتی ہے، اگر روح کافر کی ہے تو سجین کی طرف اترتی ہے، جسم قبر کے سپرد کر دیا جاتا ہے، جو مٹی کا ایک گڑھا ہوتا ہے، یوں انسانی ابتدا بھی مٹی سے ہوئی اور دنیا میں اختتام بھی مٹی سے ہوا۔

ارذل العمر سے تو ہمارے پیارے نبی ﷺ نے بھی پناہ مانگی ہے، اس سے پہلے جب انسان شیخ فانی ہوتا ہے نیک اعمال کرنے سے قاصر ہو جاتا ہے تو ایسے میں شریعت یہ کہتی ہے کہ اگر اس کی نمازیں قضا ہو گئیں تو ان کا فدیہ دیا جائے، اگر اس کے روزے قضا ہو گئے تو ان کا فدیہ دیا جائے، اگر اس پر حج فرض تھا نہیں کر سکا تو اس کا حج بدل کروایا جائے۔

انسان کے تمام ادوار میں قیمتی اور بہترین دور وہ ہے جب انسان جوان ہوتا ہے، جس میں اپنے رب کے حضور قیام و قعود، رکوع و سجود سے قرب حاصل کرتا ہے، ایسے جوان کی جوانی قابل رشک اور قابل داد ہوتی ہے، کسی دانا کا فرمان بھی ہے کہ جوانی میں توبہ کرنا شیوہ پیغمبری ہے، ورنہ بڑھاپے میں تو بڑے بڑے سنگدل موم دل بن جاتے ہیں، بڑے بڑے پاپی حاجی اور نمازی بن جاتے ہیں، بڑے بڑے عیاش اور بد معاش نیک سیرت بن جاتے ہیں۔

جوانی ہی ایک ایسی عمر ہے جس کو انسان کام والی بنا سکتا ہے، اس عمر کی قدر دانی بہت ہی ضروری ہے، اس عمر میں خوب نیکیاں کرنی چاہییں، آقا مدنی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ **اغْتَنِمْ خَمْسًا قَبْلَ خَمْسٍ: شَبَابَكَ قَبْلَ هَرَمِكَ وَصِحَّتَكَ قَبْلَ سَقَمِكَ وَغِنَاكَ قَبْلَ فَقْرِكَ وَفَرَاغَكَ قَبْلَ شُغْلِكَ وَحَيَاتَكَ قَبْلَ مَوْتِكَ** (ترمذی)

پانچ چیزوں کو پانچ چیزوں کے آنے سے پہلے غنیمت جانو، اپنی زندگی کو موت آنے سے پہلے اور اپنی فراغت کو اپنے مشغول ہونے سے پہلے اور اپنی خوشحالی کو اپنی تنگ دستی سے پہلے اور اپنی جوانی کو اپنے بڑھاپے سے پہلے اور اپنی صحت کو اپنی بیماری سے پہلے۔

حضرت ابوبرزہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لَا تَزُوْلُ قَدَمَا عَبْدٍ يَوْمَ الْقِيَامَةِ حَتّٰى يُسْأَلَ عَنْ عُمُرِهٖ فِيمَا أَفْنَاهُ، وَعَنْ عِلْمِهٖ فِيمَ فَعَلَ، وَعَنْ مَالِهٖ مِنْ أَيْنَ اكْتَسَبَهُ وَفِيمَ أَنْفَقَهُ، وَعَنْ جِسْمِهٖ فِيمَ أَبْلَاهُ (ترمذی)

کسی بندے کے قدم قیامت کے دن اس وقت تک ہٹنے نہ پائیں گے جب تک کہ اس سے اس کی عمر کے بارے میں سوال نہ کر لیا جائے کہ تو نے اسے کہاں ختم کیا تھا، اس کے علم کے بارے میں سوال نہ کر لیا جائے کہ اس کے ساتھ کیا کیا تھا؟ اس کے مال کے بارے میں پوچھ نہ لیا جائے کہ اسے کہاں سے کما کر کہاں خرچ کیا تھا؟ اس کے جسم کے بارے میں سوال نہ کیا جائے کہ اسے کہاں فنا کیا تھا؟

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: لَا تَزُوْلُ قَدَمُ ابْنِ آدَمَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مِنْ عِنْدِ رَبِّهٖ حَتّٰى يُسْأَلَ عَنْ خَمْسٍ، عَنْ عُمُرِهٖ فِيمَ أَفْنَاهُ، وَعَنْ شَبَابِهٖ فِيمَ أَبْلَاهُ، وَمَالِهٖ مِنْ أَيْنَ اكْتَسَبَهُ وَفِيمَ أَنْفَقَهُ، وَمَاذَا عَمِلَ فِيمَا عَلِمَ (ترمذی، مسند ابی یعلیٰ، معجم الصغیر)

ابن آدم قیامت کے دن اس وقت تک اپنے رب کے سامنے سے اپنے قدم ہٹا نہیں سکے گا جب تک کہ اس سے پانچ چیزوں کے متعلق سوال نہ کر لیا جائے۔ اس نے اپنی عمر کس چیز میں فنا کی؟ اس نے اپنی جوانی کو کن کاموں میں بوسیدہ کیا؟ اس نے کہاں سے مال حاصل کیا اور کن مصارف میں خرچ کیا؟ اور اس نے اپنے علم کے مطابق کیا عمل کیا؟

انسانی چالیس سال اسلام میں: حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ جس شخص کی عمر اسلام میں چالیس سال تک پہنچا دے، اللہ تعالیٰ اس سے کئی قسم کی بلاؤں کو دور کر دیتا ہے۔ جذام کو، برص کو اور شیطان کے غضب ناک کرنے کو اور اللہ تعالیٰ جس شخص کی عمر اسلام میں پچاس سال تک پہنچا دے، اللہ تعالیٰ اس پر حساب کو آسان کر دیتا ہے۔ (مسند البزار، مجمع الزوائد)

پچاس، ساٹھ، ستر، اسی اور نوے سال والے: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے دوسری روایت ہے، اللہ تعالیٰ جس شخص کی عمر اسلام میں پچاس سال تک پہنچا دے، اللہ تعالیٰ اس سے تخفیف کے ساتھ حساب

لیتا ہے اور اس کو اللہ کی طرف ایسی توبہ اور رجوع عطا فرماتا ہے جو اس کو پسند ہے اور جس شخص کی عمر اللہ تعالیٰ اسلام میں ستر سال تک پہنچادے، اس سے تمام آسمان والے اور زمین والے محبت کرتے ہیں اور جس شخص کی عمر اللہ تعالیٰ اسلام میں اسی (۸۰) سال تک پہنچادے، اللہ تعالیٰ اس کے گناہ مٹادیتا ہے اور اس کی نیکیاں لکھ دیتا ہے اور جس شخص کی عمر اللہ تعالیٰ اسلام میں نوے سال تک پہنچادے تو اللہ تعالیٰ اس کے گناہ بخش دیتا ہے وہ زمین میں اللہ تعالیٰ کا قیدی ہے اور قیامت کے دن وہ اپنے گھر والوں کی شفاعت کرے گا۔ (مسند البزار، مسند احمد)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے جس شخص کی عمر ساٹھ سال تک پہنچادی تو اللہ تعالیٰ نے اس پر حجت پوری کر دی اور اس کا کوئی عذر باقی نہیں رہا۔ (مسند احمد، سنن کبریٰ للبیہقی) حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جس شخص کی عمر ستر (۷۰) سال تک پہنچادی تو عمر میں اس پر اپنی حجت پوری کر دی اور اس کا کوئی عذر نہیں رہا۔ (مستدرک حاکم، الجامع الصغیر)

ارذل العمر کیا ہے؟ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اور اللہ نے تمہیں پیدا کیا پھر وہی تم کو موت دے گا اور تم میں سے بعض کو ارذل (ناکارہ) عمر کی طرف لوٹا دیا جاتا ہے تاکہ انجام کار وہ حصول علم کے بعد کچھ بھی نہ جان سکے۔

حضرت سعد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نمازوں کے بعد ان چیزوں سے پناہ طلب کرتے تھے۔ اے اللہ میں بزدلی سے تیری پناہ میں آتا ہوں۔ اے اللہ! میں اس سے تیری پناہ میں آتا ہوں کہ مجھے ارذل عمر کی طرف لوٹا دیا جائے اور میں دنیا کی آزمائش سے تیری پناہ میں آتا ہوں اور میں عذاب قبر سے تیری پناہ میں آتا ہوں۔ (صحیح البخاری، مسند احمد)

محدثین کرام رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ ارذل العمر کا مطلب یہ ہے کہ انسان اس قدر بوڑھا ہو کہ کم زور ہو کر اپنے بچپن کی ابتدائی حالت کی طرف لوٹ جائے۔ اس کی سماعت اور بصارت کمزور ہو جائے۔ اس کی عقل کام نہ کرے اور سمجھ میں کوئی بات نہ آئے۔ وہ فرائض کو ادا نہ کر سکے اور اپنے

ذاتی کام نہ کر سکے۔ اپنی پاکیزگی اور صفائی کا خیال نہ رکھ سکے اور اپنے گھر والوں پر بوجھ ہو جائے اور وہ اس کی موت کی تمنا کرنے لگیں اور اگر اس شخص کا گھر بار نہ ہو اور وہ بالکل تنہا ہو تو اس سے بڑی اور کیا مصیبت ہو گی؟ (عمدۃ القاری)

ابن قتیبہ رحمہ اللہ نے کہا ارذل عمر کا معنی یہ ہے کہ جن چیزوں کا اسے پہلے علم تھا بڑھاپے کی شدت کی وجہ سے اس کا وہ علم زائل ہو جائے۔ زجاج رحمہ اللہ نے کہا اس کا معنی یہ ہے کہ تم میں سے بعض لوگ اس قدر بوڑھے ہو جائیں گے کہ ان کی عقل فاسد اور خراب ہو جائے گی اور وہ عالم ہونے کے بعد جاہل ہو جائیں گے۔ (زاد المسیر لابن جوزی)

مولانا غلام رسول سعیدی لکھتے ہیں کہ یہ عام لوگوں کا حال ہے کہ چالیس سال کے بعد ان کا دور انحطاط شروع ہو جاتا ہے، ان کی سماعت اور بصارت معمول پر نہیں رہتی اور ان کے اعصاب کمزور ہو جاتے ہیں اور ان کا بدن لاغر ہو جاتا ہے۔ ان کا حافظہ خراب ہو جاتا ہے اور ان کی عقل کام نہیں کرتی، وہ بچوں کی سی باتیں کرنے لگتے ہیں اور ان کی ذہانت اور فطانت ختم ہو جاتی ہے اور جن لوگوں پر اللہ تعالیٰ کا خصوصی کرم ہوتا ہے جیسے علماء اور اولیاء اللہ ہیں، وہ ساٹھ سال کے بعد بھی مضبوط اور توانا ہوتے ہیں، ان کے حواس قائم رہتے ہیں اور ان کا بدن متحرک اور فعال ہوتا ہے۔ ان کے اعصاب قوی اور ان کی عقل و وقار، روشن اور نکات آفریں ہوتی ہے۔ (تفسیر تبیان القرآن)

عطاء نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ارذل العمر کی بات مسلمانوں کے لئے نہیں ہے، مسلمان کی عمر جس قدر زیادہ ہوتی جاتی ہے اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کی عزت اور کرامت بڑھتی جاتی ہے اور اس کی عقل اور معرفت بھی زیادہ ہوتی جاتی ہے اور عکرمہ نے کہا جو شخص قرآن عظیم پڑھتا رہتا ہے وہ ارذل عمر کی طرف نہیں لوٹایا جاتا۔ (زاد المسیر ج ۴ ص ۸۶۴)

سید قطب رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ جب انسان بہت بوڑھا ہو جاتا ہے تو وہ دوبارہ الٹ کر طفل ناتواں بن جاتا ہے، لیکن اس میں بچوں جیسی محبوبیت اور کشش نہیں ہوتی، یوں بوڑھے لوگ پیچھے کی طرف چلتے رہتے ہیں، ان کے پاس جو علم تھا، اسے بھولتے جاتے ہیں، ان کے اعصاب کمزور ہوتے جاتے ہیں۔ ان

کی فکر مضمحل ہوتی جاتی ہے، ان کی قوت برداشت ختم ہوتی جاتی ہے، ایک وقت ایسا آتا ہے کہ ایسا انسان خالص بچہ ہو جاتا ہے، فرق یہ ہوتا ہے کہ بچہ اگر توتلی زبان بھی بولتا ہے تو اچھا لگتا ہے، لوگ اسے دیکھ کر مسکرا دیتے ہیں، وہ اگر کوئی حماقت کرتا ہے تو بھی دیکھنے والے خوش ہوتے ہیں، لیکن بوڑھا توکبیدہ خاطر ہوتا ہے، اس کی حماقتوں کو محض رحم اور احترام ہی سے برداشت کیا جاسکتا ہے۔ اور جوں جوں اس کی قوتیں مضمحل ہوتی ہیں توں توں اس سے حماقتیں سرزد ہوتی ہیں، لوگ اس کے ساتھ مزاح کرتے ہیں، جوں ہی وہ ناتواں ہوتا ہے اس کی کمر ٹیڑھی ہوتی ہے وہ پیچھے ہٹتا چلا جاتا ہے، دونوں صورتوں میں یہ برا انجام ہے جو دعوت اسلام کو جھٹلانے والوں کے انتظار میں ہے، یہ وہ لوگ ہیں جن کو ان کے اعمال کی وجہ سے اللہ نے رشد وہدایت سے محروم کر دیا ہے اور ایمان کی وجہ سے ان کو جو اعزاز ملنے والا تھا، اس سے وہ بے بہرہ رہ گئے۔

مولانا احمد سعید دھلوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ خلقت سے مراد ہے اس کے قوائے مدرک سمع بصر کی طاقت۔ معدے کے ہضم کی حالت اس کا حسن وجمال اس کے چہرے کی بناوٹ وغیرہ سب کو الٹ دیتے ہیں یعنی سب سے تغیر اور انقلاب کر دیتے ہیں، بوڑھا بالکل بچہ بن جاتا ہے جس قسم کا تغیر اور انقلاب فی الاعضاء مشاہد ہے اور دیکھا جاتا ہے کہ آدمی سب کچھ جاننے کے بعد انجان بنا دیا جاتا ہے تو اسی طرح اگر چاہیں تو انسانی اعضاء میں تغیر اور انقلاب کر دیں اور اس کو جانور یا پتھر وغیرہ بنا دیں اور کہیں آنے جانے کے قابل نہ رکھیں۔ (تفسیر کشف الرحمٰن)

شاعری، رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن کریم

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لَهٗ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ وَّقُرْاٰنٌ مُّبِيْنٌ ﴿٦٩﴾ لِّيُنْذِرَ مَنْ كَانَ حَيًّا وَّيَحِقَّ الْقَوْلُ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴿٧٠﴾ يٰسٓ

جواب ترجمہ: اور ہم نے ان کو شعر نہیں سکھایا اور نہ شعر ان کے لائق ہے، وہ تو بس ایک نصیحت ہے اور قرآن مبین ہے۔ تاکہ وہ اسے ڈرائے جو زندہ ہے اور کافروں پر حجت ثابت ہو جائے۔

خلاصہ تفسیر: مشرکین عرب اور خاص کر اہل مکہ جب قرآن مجید سنتے تھے تو یہ جانتے ہوئے کہ نہ اس میں اشعار ہیں نہ شاعرانہ خیالی مضامین ہیں پھر بھی قرآن مجید کے بارے میں یوں کہہ دیتے تھے کہ یہ شاعرانہ باتیں ہیں، ان لوگوں کی تردید کرتے ہوئے فرمایا

وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لَهٗ: ہم نے اپنے نبی ﷺ کو شعر نہیں سکھایا اور نہ شعر کہنا ان کی شان کے لائق ہے، سو جب وہ شعر کہنا جانتے ہی نہیں اور ان کی شان کے لائق ہی نہیں تو تمہارے سامنے شاعرانہ باتیں کیسے بیان کر سکتے ہیں؟ شاعرانہ تخیلات تو جھوٹے ہوتے ہیں، ان میں جب تک ان کہنی نہ ہو اس وقت تک شعر شعر ہی نہیں ہوتا، پھر یوں بھی دیکھنا لازم ہے کہ یہ جو قرآن کریم آپ پیش فرماتے ہیں یہ شعر نہیں ہے نہ اس میں خیالی مضامین ہیں نہ شاعرانہ تک بندیاں ہیں بلکہ لفظی اعتبار سے نہایت فصیح اور بلیغ اور محکم کلام ہے اور معنوی اعتبار سے اس کے مضامین اعلیٰ درجہ کے محقق ہیں اور سراپا سچ ہیں لیکن دشمن جب اعتراض پر آجائے تو اندھا بن جاتا ہے پھر اسے حق اور ناحق کی کچھ تمیز نہیں رہتی۔ (انوار البیان)

اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ وَّقُرْاٰنٌ مُّبِيْنٌ: وہ تو بس ایک نصیحت ہے اور قرآن مبین ہے۔

لِّيُنْذِرَ مَنْ كَانَ حَيًّا: تاکہ وہ اسے ڈرائے جو زندہ ہے یعنی عقل رکھتا ہے اور اسے حق اور ناحق کی سوجھ بوجھ ہے، بے عقلی کی وجہ سے اموات کے درجہ کو نہیں پہنچا۔

وَيَحِقَّ الْقَوْلُ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ: اور کافروں پر حجت ثابت ہو جائے یعنی جب قیامت کے دن کافروں کو عذاب ہونے لگے تو ان کے عذر پیش کرنے پر صاف صاف کہہ دیا جائے کہ تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کا رسول پہنچا اس نے اللہ تعالیٰ کی کتاب سنائی ایمان کی دعوت دی لیکن تم نے نہیں مانا اور خود ہی مستحق عذاب ہوئے، آج کوئی معذرت کام دینے والی نہیں۔ (انوار البیان)

انعاماتِ الٰہی، شرک کی گمراہی، تسلی رسول ﷺ

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا خَلَقْنَا لَهُمْ مِّمَّا عَمِلَتْ اَيْدِيْنَآ اَنْعَامًا فَهُمْ لَهَا مٰلِكُوْنَ ﴿۷۱﴾ وَذَلَّلّٰنٰهَا

لَهُمْ فَمِنْهَا رَكُوْبُهُمْ وَمِنْهَا يَاْكُلُوْنَ {۷۲}وَلَهُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ وَمَشَارِبُ اَفَلَا يَشْكُرُوْنَ {۷۳}وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اٰلِهَةً لَّعَلَّهُمْ يُنْصَرُوْنَ {۷۴}لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ نَصْرَهُمْ وَهُمْ لَهُمْ جُنْدٌ مُّحْضَرُوْنَ {۷۵}فَلَا يَحْزُنْكَ قَوْلُهُمْ اِنَّا نَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ {۷۶} يٰسٓ

جواب ترجمہ: کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ ہم نے ان کے لیے ان چیزوں میں سے جو ہمارے ہاتھوں نے پیدا کیں مویشی پیدا کیے ہیں سو وہ ان کے مالک ہیں۔ اور ہم نے ان مویشیوں کو ان کا فرمان بردار بنادیا ہے سو ان میں سے بعض ایسے ہیں جو ان کی سواریاں ہیں اور بعض ایسے ہیں جنہیں وہ کھاتے ہیں۔ اور ان مویشیوں میں ان کے لیے منافع ہیں اور پینے کی چیزیں ہیں، سو کیا یہ شکر ادا نہیں کرتے۔ اور انہوں نے اللہ کے سوا معبود بنالیے ہیں اس امید پر کہ ان کی مدد کر دی جائے گی۔ وہ ان کی مدد نہیں کر سکتے اور وہ ان کے لیے ایک فریق ہو جائیں گے جو حاضر کر دیئے جائیں گے۔ سو آپ کو ان کی باتیں رنجیدہ نہ کریں بلاشبہ ہم جانتے ہیں جو کچھ یہ لوگ چھپاتے ہیں اور جو ظاہر کرتے ہیں۔

اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا خَلَقْنَا لَهُمْ مِّمَّا عَمِلَتْ اَيْدِيْنَآ اَنْعَامًا فَهُمْ لَهَا مٰلِكُوْنَ: اس آیت میں چوپائے جانوروں کی تخلیق میں انسانی منافع اور ان میں قدرت کی عجیب و غریب صنعت کاری کا ذکر فرمانے کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے ایک اور احسان عظیم کو بتلایا گیا ہے کہ یہ چوپائے جانور جن کی تخلیق میں کسی انسان کا کوئی دخل نہیں، خالص دست قدرت کے بنائے ہوئے ہیں، اللہ تعالیٰ نے صرف یہی نہیں کیا کہ انسان کو ان چوپاؤں سے نفع اٹھانے کا موقع ملا اور اجازت دے دی بلکہ اس کو ان کا مالک بنادیا کہ وہ ان میں ہر طرح کے مالکانہ تصرفات کر سکتے ہیں، خود نفع اٹھائیں یا ان کو فروخت کر کے ان کی قیمت سے فائدہ اٹھائیں۔ (معارف القرآن)

حضرت مفتی شفیع رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ملکیت اشیاء کی اصل علت عطاء حق ہے، نہ سرمایہ محنت، آج کل نئے نئے معاشی ازموں اور نظریات میں یہ بحث چھڑی ہوئی ہے کہ تخلیق اشیاء اور ان کی ملکیت میں سرمایہ اور دولت اصل ہے، یا محنت؟ سرمایہ دارانہ نظام معیشت کے قائل دولت و سرمایہ کو

اصل قرار دیتے ہیں اور سوشلزم اور کمیونزم والے محنت کو اصل علت تخلیق و ملکیت کی قرار دیتے ہیں، قرآن مجید کے اس فیصلے نے بتلا دیا کہ تخلیق اشیاء اور ان کی ملکیت میں دونوں کا کوئی دخل نہیں، تخلیق کسی چیز کی انسان کے قبضہ میں نہیں، وہ براہ راست حق تعالیٰ کا فعل ہے اور عقل کا تقاضا ہے کہ جو کسی چیز کو پیدا کرے وہی اس کا مالک بھی ہو، اس طرح اصل اور حقیقی ملکیت اشیائے عالم میں حق تعالیٰ کی ہے، انسان کی ملکیت کسی بھی چیز میں صرف اللہ تعالیٰ کے عطا کرنے سے ہو سکتی ہے، اللہ تعالیٰ نے اشیاء کی اثبات ملکیت اور انتقال ملکیت کا قانون اپنے پیغمبروں کے ذریعہ نازل فرما دیا ہے، اس قانون کے خلاف کوئی کسی چیز کا مالک نہیں ہو سکتا۔ (معارف القرآن للمفتی)

وَذَلَّلْنٰهَا لَهُمْ فَمِنْهَا رَكُوْبُهُمْ وَمِنْهَا يَأْكُلُوْنَ: اس میں ایک اور احسان و انعام کی طرف اشارہ فرمایا کہ اکثر جانور اونٹ، گھوڑا، ہاتھی، بیل وغیرہ اگر دیکھو تو طاقت میں انسان سے بہت زیادہ ہیں، انسان ان کے مقابلہ میں کمزور ہے، اس کا اثر یہ ہونا چاہیے تھا کہ ان جانوروں پر قابو نہ پا سکتا، مگر حق تعالیٰ نے جیسا ان جانوروں کی تخلیق کا انعام انسان کو بخشا اس طرح یہ بھی فطرت بنا دی کہ ان مست جانوروں کو انسان کے سامنے مسخر اور تابع بنا دیا، ایک لڑکا ایک قوی گھوڑے کے منہ میں لگام ڈال دیتا ہے اور پھر اس کی پشت پر سوار ہو کر جہاں چاہے لیے پھرتا ہے، یہ بات بھی انسان کو کوئی اپنا کمال نہیں، صرف حق تعالیٰ کی عطا اور بخشش ہے۔ (معارف القرآن)

وَلَهُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ وَمَشَارِبُ اَفَلَا يَشْكُرُوْنَ: جانوروں سے حاصل ہونے والے بہت سے فائدوں میں ان کے چمڑوں سے جوتے، موزے اور دوسری مصنوعات کا حاصل ہونا، ان کے بالوں سے گرم لباس کا بنایا جانا، ان کے جسم کے مختلف اجزا سے دواؤں کی تیاری اور بعض جانوروں کے ذریعہ ماحولیات کی حفاظت اور ان میں توازن کی برقراری وغیرہ بھی شامل ہیں۔ (آسان تفسیر رحمانی)

لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ نَصْرَهُمْ وَهُمْ لَهُمْ جُنْدٌ مُّحْضَرُوْنَ: اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مشرکین کے باطل معبودوں کی بے بسی اور قیامت کے دن ان کے عبرتناک انجام کو بیان فرمایا ہے، ساتھ ہی رسولِ اکرم ﷺ کو تسلی اور دلجوئی بھی عطا فرمائی ہے، ارشاد ہوا کہ جن معبودوں کو مشرکین اللہ تعالیٰ کے سوا

اپنا مددگار اور حاجت روا سمجھتے ہیں، وہ نہ تو اپنی مدد کرنے کی طاقت رکھتے ہیں اور نہ اپنے پجاریوں کو کسی مصیبت یا عذاب سے بچاسکتے ہیں، قیامت کے دن یہ سب باطل معبود اور ان کے پرستار اکٹھے عذاب میں حاضر کیے جائیں گے اور وہاں ہر ایک دوسرے سے بیزاری اور لاتعلقی کا اظہار کرے گا، جنہیں دنیا میں مشکل کشا اور نجات دہندہ سمجھا جاتا تھا، وہ خود انتہائی بے بس اور ذلیل حالت میں ہوں گے، اس سے واضح ہوتا ہے کہ حقیقی مددگار، کارساز اور عبادت کے لائق صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب نبی ﷺ کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا کہ

فَلَا يَحْزُنْكَ قَوْلُهُمْ اِنَّا نَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ: کفار و مشرکین کی جھوٹی باتیں، طعنے اور بہتان آپ کو غمگین نہ کریں، وہ کبھی آپ کو شاعر کہتے، کبھی جادوگر اور کبھی آپ کی رسالت کا انکار کرتے تھے، مگر یہ سب ان کی ضد، ہٹ دھرمی اور عناد کا نتیجہ تھا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم ان کے تمام ظاہری اور پوشیدہ اقوال و افعال کو خوب جانتے ہیں، ان کی کوئی بات ہم سے مخفی نہیں، وہ دلوں میں جو بغض، تکبر اور دشمنی چھپائے ہوئے ہیں اور زبان سے جو جھوٹ اور تہمتیں نکالتے ہیں، سب ہمارے علم میں ہے اور ہم انہیں ان کے اعمال کا پورا پورا بدلہ دیں گے۔

ان آیات میں اہلِ ایمان کے لیے یہ سبق بھی موجود ہے کہ حق کے راستے میں مخالفت، طعن و تشنیع اور باطل پروپیگنڈے سے دل برداشتہ نہیں ہونا چاہیے، کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے دین اور اپنے سچے بندوں کا محافظ و مددگار ہے، جبکہ باطل کے تمام سہارے بالآخر ناکام اور بے حقیقت ثابت ہوتے ہیں۔

منکرین بعث کا رد اور اللہ کی کامل قدرت

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

اَوَلَمْ يَرَ الْاِنْسَانُ اَنَّا خَلَقْنٰهُ مِنْ نُّطْفَةٍ فَاِذَا هُوَ خَصِيْمٌ مُّبِيْنٌ {۷۷}وَضَرَبَ لَنَا مَثَلًا وَّنَسِيَ خَلْقَهٗ قَالَ مَنْ يُّحْيِ الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيْمٌ {۷۸}قُلْ يُحْيِيْهَا الَّذِيْٓ اَنْشَاَهَآ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيْمٌ ۙ {۷۹}الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الشَّجَرِ الْاَخْضَرِ نَارًا فَاِذَآ اَنْتُمْ مِّنْهُ تُوْقِدُوْنَ {۸۰}اَوَلَيْسَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِقٰدِرٍ عَلٰٓى اَنْ يَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ ۭ

بَلٰیۚ وَهُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِیْمُ {۸۱} اِنَّمَاۤ اَمْرُهٗۤ اِذَاۤ اَرَادَ شَیْـًٔا اَنْ یَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَیَكُوْنُ {۸۲} فَسُبْحٰنَ الَّذِیْ بِیَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَیْءٍ وَّاِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ {۸۳} یٰسٓ

جواب ترجمہ: کیا انسان کو اس کا علم نہیں ہے کہ ہم نے اسے نطفہ سے پیدا کیا سو اچانک وہ علانیہ طور پر جھگڑالو ہو گیا۔ اور ہمارے بارے میں مثل بیان کرنے لگا اور اپنی پیدائش کو بھول گیا، اس نے کہا کہ ہڈیوں کو کون زندہ کرے گا حالانکہ وہ بوسیدہ ہو چکی ہوں گی، آپ فرما دیجیے کہ انہیں وہی زندہ فرمائے گا جس نے انہیں پہلی مرتبہ پیدا فرمایا اور وہ ہر چیز کا جاننے والا ہے۔ جس نے تمہارے لیے ہرے درخت سے آگ پیدا کی سو اچانک تم اس میں سے جلاتے ہو۔ جس نے آسمانوں کو اور زمین کو پیدا فرمایا کیا وہ اس پر قادر نہیں ہے کہ ان کے جیسے پیدا فرما دے، ہاں وہ قادر ہے اور وہ بڑا پیدا کرنے والا ہے خوب جاننے والا ہے۔ اس کا معمول یہی ہے کہ جب وہ کسی چیز کے پیدا کرنے کا ارادہ فرمائے تو یوں فرما دیتا ہے کہ ہو جا سو وہ ہو جاتی ہے۔ سو پاک ہے وہ ذات جس کے ہاتھ میں ہر چیز کا پورا اختیار ہے اور تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔

خلاصہ تفسیر: ان آیاتِ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے منکرینِ قیامت کے شبہات کا نہایت عقلی، فطری اور مؤثر انداز میں رد فرمایا ہے اور اپنی کامل قدرت، عظیم سلطنت اور بے مثال تخلیقی قوت کو واضح کیا ہے، ارشاد فرمایا کہ

اَوَلَمْ یَرَ الْاِنْسَانُ اَنَّا خَلَقْنٰهُ مِنْ نُّطْفَةٍ فَاِذَا هُوَ خَصِیْمٌ مُّبِیْنٌ: کیا انسان اس حقیقت پر غور نہیں کرتا کہ ہم نے اسے ایک حقیر قطرۂ پانی سے پیدا کیا، پھر وہ مختلف مراحل سے گزرتا ہوا ایک مکمل انسان بن گیا، لیکن اپنی اصل حقیقت کو بھلا کر نہایت جھگڑالو اور حق کا انکار کرنے والا بن بیٹھا، انسان کو چاہیے تھا کہ اپنی پہلی پیدائش پر غور کر کے یہ سمجھ لیتا کہ جس رب نے اسے عدم سے وجود عطا فرمایا، اس کے لیے دوبارہ زندہ کرنا کیسے مشکل ہو سکتا ہے۔

وَضَرَبَ لَنَا مَثَلًا وَّنَسِیَ خَلْقَهٗ قَالَ مَنْ یُّحْیِ الْعِظَامَ وَهِیَ رَمِیْمٌ: پھر اللہ تعالیٰ نے اس شخص کا ذکر فرمایا جس نے بوسیدہ ہڈیوں کو ہاتھ میں لے کر کہا کہ انہیں دوبارہ کون زندہ کرے گا؟ اس

نے اپنی تخلیق کے آغاز کو فراموش کر دیا اور یہ نہ سوچا کہ جو رب پہلی مرتبہ بغیر کسی نمونے کے پیدا کر سکتا ہے، وہ دوبارہ پیدا کرنے پر بدرجۂ اولیٰ قادر ہے۔

شانِ نزول: ابی بن خلف رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک بوسیدہ ہڈی لے کر آیا اور آپ کے سامنے اسے مسل کر ریزہ ریزہ کر دیا اور کہا کہ اے محمد کیا اللہ اس ہڈی کو بوسیدہ ہونے کے بعد بھی اسے زندہ کرے گا آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہاں! اللہ اسے دوبارہ زندہ کرے گا وہ تمہیں موت دے گا پھر زندہ کرے گا اور پھر دوزخ کی آگ میں ڈال دے گا اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (اسباب النزول) اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو حکم فرمایا کہ

قُلْ يُحْيِيهَا الَّذِيٓ اَنْشَاَهَآ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيْمُ ۙ: آپ جواب دے دیجیے کہ انہیں وہی زندہ کرے گا جس نے پہلی بار پیدا کیا تھا اور وہ ہر قسم کی مخلوق کو خوب جاننے والا ہے، اس کے علم سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کی ایک اور نشانی بیان فرمائی کہ

الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الشَّجَرِ الْاَخْضَرِ نَارًا فَاِذَآ اَنْتُمْ مِّنْهُ تُوْقِدُوْنَ: وہی ذات ہے جس نے سبز اور تر درخت سے آگ پیدا کر دی، حالانکہ بظاہر نمی اور آگ ایک دوسرے کی ضد ہیں، جب اللہ تعالیٰ ایک ہی چیز میں دو متضاد صفات جمع کر سکتا ہے تو مردوں کو دوبارہ زندہ کرنا اس کے لیے کیوں مشکل ہو گا؟ یہ مثال انسان کو اس حقیقت کی طرف متوجہ کرتی ہے کہ کائنات کا نظام اللہ تعالیٰ کی کامل حکمت اور قدرت کے تابع ہے، اور اس کی قدرت انسانی عقل کے محدود پیمانوں کی محتاج نہیں۔ پھر فرمایا کہ

اَوَلَيْسَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِقٰدِرٍ عَلٰٓى اَنْ يَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ ۭ بَلٰى وَهُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِيْمُ کیا وہ ذات جس نے آسمانوں اور زمین جیسی عظیم مخلوقات کو پیدا کیا، مردوں کو دوبارہ زندہ کرنے پر قادر نہیں؟ یقیناً وہ اس پر پوری قدرت رکھتا ہے، وہی تو بڑا پیدا کرنے والا اور ہر چیز کا علم رکھنے والا ہے، جب اتنی عظیم کائنات کی تخلیق اس کے لیے مشکل نہیں تو انسان کو دوبارہ پیدا کرنا تو اس کے مقابلے میں بہت آسان ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنے امرِ تکوینی کا بیان فرمایا کہ

اِنَّمَآ اَمْرُهٗٓ اِذَآ اَرَادَ شَيْـــًٔا اَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ: جب وہ کسی چیز کے پیدا کرنے کا ارادہ فرماتا

ہے تو صرف یہ فرماتا ہے: ”ہو جا“ تو وہ فوراً ہو جاتی ہے، نہ اسے کسی مددگار کی ضرورت ہوتی ہے، نہ کسی سامان اور نہ وقت و مشقت کی، زندگی، موت، بعث، رزق اور پوری کائنات کا نظام اسی کے حکم سے قائم ہے۔ آخر میں اللہ تعالیٰ نے اپنی پاکی اور عظمت بیان فرمائی کہ

فَسُبْحٰنَ الَّذِیْ بِیَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَیْءٍ وَّاِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ: وہ ہر قسم کی کمزوری، عجز اور شرک سے پاک ہے، تمام چیزوں کی بادشاہی اور اختیار اسی کے ہاتھ میں ہے، وہ جس طرح چاہے تصرف فرماتا ہے اور قیامت کے دن سب کو اسی کی بارگاہ میں لوٹ کر جانا ہے جہاں ہر شخص کو اس کے اعمال کا پورا بدلہ دیا جائے گا۔ ان آیات میں توحید، عقیدۂ آخرت اور قدرتِ الٰہی کے نہایت مضبوط دلائل موجود ہیں، جو انسان کو غور و فکر اور ایمان کی دعوت دیتے ہیں۔

الحمدللہ آج سورۃ یاسین کی منتخب آیات سے متعلق سوالات اور جوابات کا سلسلہ مکمل ہوا ہے، آج بڑا برکت والا دن ہے، آج حجاج کرام عرفات کے میدان میں پہنچ کر فریضہ حج ادا کریں گے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی ان کی برکات سے وافر حصہ نصیب فرمائے، جو دعائیں حجاج کی قبول ہوں ہمارا بھی ان میں حصہ ہو جائے۔ اللہ ہماری اس تفسیری کاوش کو اپنی جناب میں شرف قبولیت عطا کرے۔ آمین بحرمۃ سید المرسلین و علی آلہ واصحابہ واھل بیتہ وذریاتہ اجمعین الی یوم الدین۔

بندہ عاجز و فقیر، خادم اسلام، محمود الرشید عباسی حدوٹی

8 ذوالحج 1338ھ، 31 / اگست 2013ء، بارہ بج کر 22 منٹ شب۔

جامعہ رشیدیہ مناواں لاہور۔

اضافات جدیدہ، حال وارد فقیر خانہ حدوٹ۔ مری

۱۰ ذوالحج ۱۴۴۷ھ، ۲۷ مئی ۲۰۲۶ء بروز بدھ، ساڑھے دس بجے شب

سورۃ الصافات (تعارف)

سوال سورۃ الصافات کا تعارف کروائیے۔

جواب سورۃ الصافات قرآنِ مجید کی ایک عظیم الشان مکی سورت ہے، جو اپنے پُر جلال اسلوب، توحیدِ خالص کے مضبوط دلائل، قیامت کے مؤثر مناظر اور انبیاءِ کرام علیہم السلام کے ایمان افروز واقعات کی وجہ سے خصوصی اہمیت رکھتی ہے، جمہور مفسرین کے نزدیک یہ مکمل طور پر مکی سورت ہے۔ امام ابن جوزی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ سورۃ الصافات بالاتفاق مکمل مکی سورت ہے، اسی طرح امام ثعلبی رحمہ اللہ نے بھی اس کے مکی ہونے پر اجماع نقل کیا ہے، بصریین کے نزدیک اس کی آیات کی تعداد ۱۸۱ ہے۔

وجہ تسمیہ: اس سورت کا آغاز نہایت پُر ہیبت اور عظمت والے انداز سے ہوتا ہے، جہاں اللہ تعالیٰ نے صفیں باندھنے والے فرشتوں، اللہ کے حکم سے ڈانٹنے والوں اور اس کی تلاوت کرنے والوں کی قسم کھا کر اپنی وحدانیت کا اعلان فرمایا: إِنَّ إِلٰهَكُمْ لَوَاحِدٌ یعنی بے شک تمہارا معبود ایک ہی ہے، اسی مناسبت سے اس سورت کا نام "الصافات" رکھا گیا، جو پہلی آیت کے لفظ وَالصَّافَّاتِ صَفًّا سے ماخوذ ہے۔ امام قاسمی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ نام ملائکہ کی ان صفات کی وجہ سے رکھا گیا جن میں ان کی صف بندی اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا ذکر ہے۔ اکثر مفسرین کے نزدیک "الصافات"، "الزاجرات" اور "التالیات" سے مراد ملائکہ ہی ہیں، جو اللہ تعالیٰ کے حکم کے تابع رہتے ہیں اور اس کی عبادت و تسبیح میں مشغول رہتے ہیں۔

مضامین: سورۃ الصافات کا مرکزی مضمون توحیدِ الٰہی کا اثبات اور شرک کی مکمل تردید ہے، سورت میں مشرکینِ عرب کے باطل عقائد، فرشتوں کے متعلق ان کے غلط تصورات اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ دوسروں کو شریک ٹھہرانے کی شدید مذمت کی گئی ہے، ساتھ ہی یہ حقیقت واضح کی گئی ہے کہ ملائکہ اللہ تعالیٰ کے مقرب بندے ہیں، معبود نہیں، اس سورت میں قیامت کے مناظر، جنت و جہنم کے احوال اور اہلِ ایمان و اہلِ کفر کے انجام کو نہایت مؤثر اور دل ہلا دینے والے انداز میں بیان کیا گیا ہے تاکہ انسان اپنے انجام پر غور کرے اور حق کو قبول کرے۔

اس سورت کا ایک نمایاں پہلو انبیاءِ کرام علیہم السلام کے مبارک واقعات ہیں، حضرت نوح، ابراہیم، اسماعیل، اسحاق، موسیٰ، ہارون، الیاس، لوط اور یونس علیہم السلام کے ایمان افروز واقعات ذکر کیے گئے ہیں، ان واقعات میں انبیاء علیہم السلام کی دعوتِ توحید، ان کی استقامت، اللہ تعالیٰ کی نصرت اور منکرین کی ہلاکت کو بار بار نمایاں کیا گیا ہے، خصوصاً حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قربانی اور اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے ہر چیز قربان کر دینے کا واقعہ نہایت مؤثر انداز میں بیان ہوا ہے، جو اطاعت و تسلیم کا عظیم نمونہ ہے۔

فرشتوں کی قسمیں

سوال ان آیات کا ترجمہ و تفسیر کریں، نیز بتائیں کہ یہاں کن لوگوں کی قسمیں کھائی گئی ہیں؟

وَالصّٰٓفّٰتِ صَفًّا {۱} فَالزّٰجِرٰتِ زَجْرًا {۲} فَالتّٰلِيٰتِ ذِكْرًا {۳} الصافات.

جواب قسم ہے صف بنا کر کھڑے ہونے والے فرشتوں کی، پھر ان فرشتوں کی جو بندش کرنے والے ہیں، پھر ان فرشتوں کی جو ذکر کی تلاوت کرنے والے ہیں۔

خلاصہ تفسیر: حضرت ابن عباس، حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما کا فرمان ہے کہ تُصَفُّ فِي السَّمَاءِ كَصُفُوفِ الْخَلْقِ فِي الدُّنْيَا لِلصَّلَاةِ فرشتے آسمان میں اسی طرح صف باندھتے ہیں جس طرح دنیا میں مخلوقات نماز کے لیے صفیں باندھتی ہیں۔

الصافات سے لے کر التالیات تک سے مراد فرشتے ہیں، ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ فضا میں اپنے پروں کو صف در صف کیے ہوتے ہیں، وہ فضا میں کھڑے ہیں یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ انہیں اس چیز کا حکم دیتا ہے جو وہ ارادہ فرماتا ہے یہ اسی طرح ہے جس طرح غلام اپنے مالکوں کے سامنے صفیں بنائے کھڑے ہوتے ہیں۔ (تفسیر قرطبی)

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اس سے مراد یہ ہے کہ وہ اپنے رب کے حضور نماز کے لئے صفیں بنائے ہوئے ہیں، ایک قول یہ کیا گیا ہے: صافات سے مراد پرندے ہیں اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے، أَوَلَمْ يَرَوْا إِلَى الطَّيْرِ فَوْقَهُمْ صَافَّاتٍ (الملك ۱۹) اور صف کا معنیٰ ہے جمعیت کو ایک لائن میں ترتیب دینا جس طرح نماز میں صف باندھی جاتی ہے اور صافات جمع الجمع

ہے، عربی زبان میں یوں کہا جاتا ہے: جَمَاعَةٌ صَافَّةٌ پھر اس کی جمع صافات بنائی جاتی ہے۔

امام قشیری رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ الصَّافَّاتُ جَمَاعَةُ النَّاسِ الْمُؤْمِنِينَ إِذَا قَامُوا صَفًّا فِي الصَّلَاةِ أَوْ فِي الجهاد. الصافات سے مراد مومنوں کی جماعت ہے، جب وہ نماز یا جہاد میں صف میں کھڑے ہوتے ہیں، صف بنا کر کھڑے ہونے والے فرشتوں کی عظمت شان ہے کہ رب تعالیٰ ان کی قسم کھا رہا ہے، رحمت دو عالم ﷺ کے پیارے ارشادات میں فرشتوں کی صفوں کا ذکر ملتا ہے۔

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے اور آپ نے فرمایا أَلَا تَصُفُّونَ كَمَا تَصُفُّ الْمَلَائِكَةُ عِنْدَ رَبِّهِمْ؟ تم اس طرح صف کیوں نہیں باندھتے جس طرح فرشتے اپنے رب کے سامنے صف باندھتے ہیں! ہم نے پوچھا یا رسول اللہ! فرشتے اپنے رب کے سامنے کس طرح صف باندھتے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا يُتِمُّونَ الصُّفُوفَ الْمُتَقَدِّمَةَ وَيَتَرَاصُّونَ فِي الصَّفِّ وہ پہلی صفوں کو مکمل کرتے ہیں پھر اس سے متصل صفوں کو پورا کرتے ہیں۔ (مسلم) حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا فُضِّلْنَا عَلَى النَّاسِ بِثَلَاثٍ: جُعِلَتْ صُفُوفُنَا كَصُفُوفِ الْمَلَائِكَةِ، وَجُعِلَتْ لَنَا الْأَرْضُ كُلُّهَا مَسْجِدًا وَجُعِلَتْ تُرْبَتُهَا لَنَا طَهُورًا إِذَا لَمْ نَجِدِ الْمَاءَ

ہمیں لوگوں پر تین وجوہ سے فضیلت دی گئی ہے، ہماری صفیں فرشتوں کی صفوں کی طرح بنائی گئی ہیں اور ہمارے لیے تمام روئے زمین کو مسجد بنا دیا گیا ہے۔ اور تمام روئے زمین کی مٹی کو ہمارے لیے تیمم کا آلہ بنا دیا گیا ہے۔ (مسلم)

اس آیت میں فرشتوں کی فضیلت ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کی قسم کھائی ہے اور اس آیت میں نماز میں صف باندھنے کی فضیلت ہے اور نماز میں صفیں باندھنے کی فضیلت میں آپ ﷺ کے مبارک ارشادات ہیں۔

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُسَوِّي صُفُوفَنَا حَتَّى كَأَنَّمَا يُسَوِّي بِهَا الْقِدَاحَ حَتَّى رَأَى أَنَّا قَدْ عَقَلْنَا عَنْهُ، ثُمَّ خَرَجَ

يَوْمًا فَقَامَ، حَتَّى كَادَ يُكَبِّرُ فَرَأَى رَجُلًا بَادِيًا صَدْرُهُ مِنَ الصَّفِّ، فَقَالَ: «عِبَادَ اللهِ لَتُسَوُّنَّ صُفُوفَكُمْ، أَوْ لَيُخَالِفَنَّ اللهُ بَيْنَ وُجُوهِكُمْ (مسلم)

رسول اللہ ﷺ ہماری صفیں درست کرتے تھے گویا تیروں کو سیدھا کر کے رکھا جاتا ہے، حتیٰ کہ آپ ﷺ کے خیال میں ہم نے اس کو سمجھ لیا، پھر ایک دن آپ باہر نکلے اور تکبیر پڑھنے والے تھے کہ آپ نے دیکھا کہ ایک آدمی کا سینہ صف سے بار نکلا ہوا تھا، آپ ﷺ نے فرمایا اے اللہ کے بندو! تم اپنی صفوں کو ہموار رکھا کرو ورنہ تمہارے چہروں کو الٹا کر دے گا (یا مسخ کر دے گا)۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نماز کی اقامت کہی گئی، رسول اللہ ﷺ سامنے تشریف لائے اور فرمایا أَقِيمُوا صُفُوفَكُمْ وَتَرَاصُّوا، فَإِنِّي أَرَاكُمْ مِنْ وَرَاءِ ظَهْرِي (نسائی) تم اپنی صفیں قائم کرو اور مل کر کھڑے ہو جاؤ، پس بیشک میں تم کو اپنی پشت کے پیچھے سے بھی دیکھتا ہوں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے نماز میں صف کو قائم کرو کیونکہ صف کو قائم کرنا نماز کے حسن میں سے ہے۔

فَالزَّاجِرَاتِ زَجْراً: حضرت ابن عباس، حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما، مسروق رحمہ اللہ اور دوسرے علماء کے نزدیک فالزاجرت سے مراد فرشتے ہیں انہیں یہ نام اس لئے دیا گیا کیونکہ وہ بادلوں کو جھڑکتے ہیں اور انہیں ہانکتے ہیں، یہ سدی رحمہ اللہ کا قول ہے یا اس لئے کیونکہ نصیحتوں کے ذریعے معاصی سے جھڑکتے ہیں۔

حضرت قتادہ رحمہ اللہ نے فرمایا کہ هِيَ زَوَاجِرُ الْقُرْآنِ اس سے مراد قرآن کے زواجر ہیں۔ امام رازی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ الْمُرَادُ مِنْهُ أَنَّ الْمَلَائِكَةَ لَهُمْ تَأْثِيرَاتٌ فِي قُلُوبِ بَنِي آدَمَ عَلَى سَبِيلِ الْإِلْهَامَاتِ فَهُمْ يَزْجُرُونَهُمْ عَنِ الْمَعَاصِي زَجْرًا لَعَلَّ الْمَلَائِكَةَ أَيْضًا يَزْجُرُونَ الشَّيَاطِينَ عَنِ التَّعَرُّضِ لِبَنِي آدَمَ بِالشَّرِّ وَالْإِيذَاءِ،

فرشتوں کی بنو آدم علیہ السلام کے دلوں میں تاثیر ہوتی ہے وہ ان کے دلوں میں الہامات کے ذریعہ تاثیر کر کے ان کو گناہوں سے روکتے ہیں اور ان پر ملامت کرتے ہیں اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ شیاطین کو

زجر اور ملامت کرتے ہوں کہ تم کیوں انسانوں کو برے کاموں پر اکساتے ہو (النکت والعیون ج ۵ ص ۳۷، تفسیر کبیر ج ۲۶ ص ۳۱۴)

فَالتّٰلِيٰتِ ذِكْرًا: سے مراد وہ فرشتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی کتاب کو پڑھتے ہیں، یہ عبد اللہ بن مسعود حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، حضرت حسن بصری، مجاہد، جبیر اور سدی رحمہم اللہ کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد حضرت جبریل امین علیہ السلام ہیں، جمع کا صیغہ اس لیے ذکر کیا گیا ہے کیونکہ وہ فرشتوں میں سے سب سے بڑے ہیں تو وہ لشکروں اور پیروکاروں سے خالی نہیں ہوتے۔

حضرت قتادہ رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اَلْمُرَادُ كُلُّ مَنْ تَلَا ذِكْرَ اللّٰهِ تَعَالٰى وَ كُتُبَهُ، اس سے مراد وہ تمام افراد ہیں جو اللہ تعالیٰ کے قرآن اور اس کی کتابوں کی تلاوت کرتے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد قرآن کی آیات ہیں، آیات کی صفت تلاوت سے اسی طرح لگائی گئی ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے إِنَّ هٰذَا الْقُرْآنَ يَقُصُّ عَلٰى بَنِيٓ إِسْرَائِيلَ (النمل: ۷۶)

علامہ قشیری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ وَيَجُوزُ أَنْ يُقَالَ لِآيَاتِ الْقُرْآنِ تَالِيَاتٌ، لِأَنَّ بَعْضَ الْحُرُوفِ يَتْبَعُ بَعْضًا قران کی آیات کو تالیات کہنا اس لئے بھی جائز ہے کیونکہ بعض حروف بعض کے پیچھے ہوتے ہیں۔ عربی میں تالی کا معنیٰ کسی کا کسی کے پیچھے پیچھے چلنا۔

علامہ ماوردی رحمہ اللہ نے یہ ذکر کیا ہے کہ أَنَّ الْمُرَادَ بِالتَّالِيَاتِ الْأَنْبِيَاءُ يَتْلُونَ الذِّكْرَ عَلٰى أُمَمِهِمْ تالیات سے مراد انبیاء ہیں جو وحی کو اپنی اپنی امت کی طرف تلاوت کرتے ہیں۔

شیخ عبد الحق اپنی تفسیر حقانی رحمہ اللہ میں لکھتے ہیں کہ مشرکین مکہ بت پرستی کرتے تھے، ستاروں کو بھی قضاء و قدر میں شریک جانتے تھے، جس پر وہ غیب دانی کا دعویٰ کرتے تھے اور ان شیاطین کی نذر و نیاز کروایا کرتے تھے اور قیامت کے بھی منکر تھے، ان سب باتوں کا رد اس سورۃ میں کرتا ہے اور پہلے دلائل سے رد کر چکا تھا، مگر مخاطبین کو وثوق دلانے کے لیے کلام کو قسم کے ساتھ شروع کرتا ہے۔ فَقَالَ وَالصَّافَّاتِ صَفًّا الخ تین چیزوں کی قسم کھاتا ہے۔ اول صَافَّات یعنی صف باندھنے والے، دوسرے زَاجِرَات زجر کرنے والے، ڈانٹنے اور روکنے والے، تیسرے تَالِيَات ذکر اذکار

کرنے والے۔

اب یا تو ان تینوں چیزوں سے ایک شے مراد ہے، یہ تینوں اس کے وصف ہیں یا تین چیزیں جد اجدا اول صورت میں علماء کے کئی قول ہیں۔ اول یہ کہ ملائکہ مراد ہیں، کیونکہ وہ آسمانوں میں عبادت کے لیے صف بستہ کھڑے رہتے یا حکم الٰہی کی تعمیل کے لیے صف بستہ رہتے ہیں اور ملائکہ ہی بادلوں کو ہانکتے اور ڈانٹتے ہیں یا یہ کہ شیاطین کو بنی آدم کے تکلیف دینے سے ڈانٹتے ہیں یا یہ کہ الہامات کے طور پر ملائکہ کو قلوب بنی آدم تک تاثیرات ہیں، وہ ان کو معاصی سے روکتے ہیں جس طرح کہ شیاطین آمادہ کرتے ہیں اور وہی ذکر الٰہی میں مصروف رہا کرتے ہیں۔

یا اس سے نیک لوگ مراد ہیں جو جہاد و جماعت میں صف باندھ کر کھڑے ہوتے ہیں اور کفار کو گمراہی سے روکتے اور مخالفین کو ڈانٹتے ہیں اور تلاوت قرآن کرتے ہیں۔

دوسری صورت میں بھی کئی احتمال ہیں، ان چیزوں کی قسم کھا کر فرماتا ہے۔ اِنَّ اِلٰهَكُمْ لَوَاحِدٌ الخ کہ تمہارا ایک ہی رب ہے، وہی آسمانوں اور زمین کا رب ہے۔ ستارے رب نہیں بلکہ اِنَّا زَيَّنَّا ان کو تو ہم نے آسمان کی زینت بنادیا ہے اور وہ شیاطین کے لیے اوپر جانے سے محافظ بھی ہیں، اسی قسم کا مضمون قرآن مجید میں کئی ایک جگہ آیا ہے۔

ابو البرکات محمود نسفی رحمہ اللہ لکھتے ہیں ان علمائے عاملین کے نفوس کی قسم کھائی گئی جو تہجد میں اپنے قدم جمانے والے اور اسی طرح دیگر نمازوں میں۔ پھر جو مواعظ و نصائح سے ڈانٹ ڈپٹ کر کے معاصی سے روکنے والے ہیں پھر اللہ تعالیٰ کی آیات کی تلاوت، شرائع و احکامات کو پڑھانے والے ہیں، غازیوں کی جانوں کی قسم اٹھائی ہے جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں صف باندھ کر جہاد میں مصروف ہیں۔ اور جہادی گھوڑوں کو تیز و سست چلانے کیلئے ڈانٹنے والے ہیں۔ اور اس حالت میں بھی ذکر الٰہی میں مصروف و مشغول رہتے ہیں۔ (مدارک التنزیل)

خلاصہ کلام یہ ہے کہ ان صفوں سے کون سی صفیں مراد ہیں؟ ① نمازیوں کی صفیں مراد ہیں کہ نمازی جب صف باندھتے ہیں قطار بنا کر اور شیطان اور نفس امارہ کو جھڑکتے ہیں پھر اللہ تعالیٰ کا ذکر اور

تلاوت کرتے ہیں۔ اللہ اکبر کہہ کر نماز شروع کرتے ہیں۔ شیطان کو جھڑکتے ہیں، برے دوستوں کو جھڑکتے ہیں کہ ہم نماز کے لئے جارہے ہیں۔

② اس سے فرشتوں کی جماعتیں مراد ہیں جو اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل کے لئے ہر وقت صف بستہ منتظر رہتی ہیں فَالزّٰجِرٰتِ زَجْرًا اور ڈانٹ پلانے والوں کی جھڑک کر، فرشتوں کی جماعتیں شیاطین کو ڈانٹ پلاتی ہیں ان کو بھگاتی ہیں تاکہ وہ اوپر جاکر عالم بالا کی بات نہ سن سکیں یا بادلوں کو فرشتے زجر کرتے ہیں۔

ترمذی شریف کی روایت ہے کہ فرشتے بادلوں کو کوڑے مارتے ہیں اور جدھر بارش برسانا مقصود ہوتی ہے ادھر ہانک کرلے جاتے ہیں اور ساتھ ساتھ سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ سُبْحَانَ اللّٰہِ الْعَظِیْمِ کی تسبیح بھی پڑھتے ہیں۔

③ اس سے مجاہدین کی صفیں مراد ہیں، مجاہدین کی جماعتوں کی قطار اندر قطار صفیں باندھنے کی قسم ہے پھر جھڑکتے ہیں کافروں کو جھڑکنا اور اللہ تعالیٰ کے ذکر کو بلند کرتے ہیں، نعرہ تکبیر لگاتے ہیں اور دوسرے اذکار بھی کرتے ہیں۔

معبود ایک، مشارق و مغارب کا رب

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

اِنَّ اِلٰهَكُمْ لَوَاحِدٌ{۴}رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَرَبُّ الْمَشَارِقِ{۵} الصافات

جواب ترجمہ: بلاشبہ تمہارا معبود ایک ہے۔ جو رب ہے آسمانوں کا اور زمین کا اور جو کچھ ان کے درمیان ہے، اور رب ہے مشارق کا۔

خلاصہ تفسیر: پہلی تین آیات میں قسم کھائی گئی ہے، یہ آیت جواب قسم ہے، ان تمام چیزوں کی قسم اٹھا کر اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اِنَّ اِلٰهَكُمْ لَوَاحِدٌ بیشک تمہارا معبود ایک ہی ہے، نمازی نماز اللہ اکبر سے شروع کرکے، مجاہد جہاد اللہ اکبر سے شروع کرکے، فرشتے سبحان اللہ وبحمدہ سبحان اللہ العظیم کی

تسبیح پڑھ کر اپنے قول و فعل سے ثابت کرتے ہیں کہ معبود ایک ہی ہے اور وہ اللہ ہے۔

یہاں قرآن کریم نے فرشتوں کی یہ تین صفات ذکر کر کے بندگی کے تمام اوصاف کو جمع کر دیا ہے، یعنی عبادت کے لیے صف بستہ رہنا، طاغوتی طاقتوں کو اللہ کی نافرمانی سے روکنا اور اللہ کے احکام و مواعظ کو خود پڑھنا اور دوسروں کو پہنچانا اور ظاہر ہے بندگی کا کوئی عمل ان تین شعبوں سے خالی نہیں ہو سکتا، لہٰذا چاروں کا مفہوم یہ ہو گیا کہ "جو فرشتے تمام اوصاف بندگی کے حامل ہیں ان کی قسم، تمہارا معبود برحق ایک ہی ہے"۔ (معارف القرآن للمفتی) پھر اس معبود کی صفت بیان کرتے ہوئے فرمایا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَرَبُّ الْمَشَارِقِ: وہ آسمانوں کا اور زمین کا رب ہے اور جو کچھ ان کے درمیان ہے ان کا بھی رب ہے اور مشارق کا بھی رب ہے، مشارق مشرق کی جمع ہے، یہاں رَبُّ الْمَشَارِقِ فرمایا ہے اور سورۃ المعارج میں فَلَآ اُقْسِمُ بِرَبِّ الْمَشٰرِقِ وَالْمَغٰرِبِ فرمایا ہے اور سورۃ الرحمن میں رَبُّ الْمَشْرِقَيْنِ وَرَبُّ الْمَغْرِبَيْنِ فرمایا ہے۔

مشارق اور مغارب جمع ہے اور الْمَشْرِقَيْنِ اور الْمَغْرِبَيْنِ تثنیہ ہیں اور سورۃ المزمل میں رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ فرمایا ہے، اس میں واحد کا صیغہ تو جنس کے اعتبار سے ہے اور تثنیہ سردی اور گرمی کے موسموں کے اعتبار سے کیونکہ سردی کے دنوں میں آفتاب کے طلوع اور غروب ہونے کی جگہ اس جگہ کے علاوہ ہے جو گرمی میں غروب ہونے اور طلوع ہونے کی جگہ ہے اور جمع اس اعتبار سے ہیں کہ مشرق اور مغرب بدلتے رہتے ہیں۔ (انوار البیان)

قسم کھانے کی حکمتیں

سورۃ الصافات کی ابتدائی آیات میں اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کی مختلف صفات کا ذکر کرتے ہوئے قسم ارشاد فرمائی ہے، یہ اسلوبِ قرآن اپنے اندر نہایت گہری حکمت اور عظیم معانی رکھتا ہے، اس سورت کا مرکزی مضمون توحیدِ خالص کا اثبات اور مشرکانہ عقائد کی تردید ہے، خصوصاً اہلِ مکہ کے اس باطل عقیدے کی نفی مقصود ہے جس میں وہ فرشتوں کو اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں قرار دیتے تھے۔

چنانچہ سورت کے آغاز ہی میں فرشتوں کے ان اوصاف کو بیان کر دیا گیا جو ان کی کامل بندگی،

اطاعت اور عبودیت کو ظاہر کرتے ہیں، وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے صفیں باندھتے ہیں، اس کے فرمان کے مطابق ڈانٹتے اور نظم قائم رکھتے ہیں اور اس کی یاد و تلاوت میں مشغول رہتے ہیں، گویا قرآنِ کریم نے ابتدا ہی میں واضح کر دیا کہ جو مخلوق سراپا بندگی اور اطاعت ہو، وہ اُلوہیت یا خدائی کا درجہ کیسے حاصل کر سکتی ہے؟ اس طرح فرشتوں کی یہی صفات عقیدۂ توحید کی روشن دلیل بن جاتی ہیں۔

قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ نے مختلف مواقع پر اپنی ذات، اپنی صفات اور اپنی مخلوقات کی قسمیں ذکر فرمائی ہیں، ان قسموں کا مقصد انسان کے دل میں حقائقِ ایمان کو زیادہ مؤکد اور راسخ کرنا ہے، عربی زبان اور انسانی معاشرت میں قسم کو کسی بات کی تاکید اور یقین دہانی کا مؤثر ذریعہ سمجھا جاتا ہے، اسی لیے قرآنِ مجید نے بھی انسان کے مانوس اسلوب کو اختیار کرتے ہوئے حقائق کو زیادہ قوت کے ساتھ بیان فرمایا، اللہ تعالیٰ کو کسی بات کے اثبات کے لیے قسم کھانے کی ضرورت نہیں، کیونکہ اس کا ہر فرمان بذاتِ خود سراسر حق اور قطعی سچائی ہے، لیکن اپنی رحمت، شفقت اور بندوں کی ہدایت کے پیشِ نظر اس نے ایسا اسلوب اختیار فرمایا جو انسانی ذہن پر زیادہ اثر انداز ہو اور ان کے دلوں میں یقین پیدا کرے۔

قرآنِ حکیم میں کبھی اللہ تعالیٰ نے اپنی ذاتِ اقدس کی قسم ارشاد فرمائی، جیسے: فَوَرَبِّ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ اور کبھی اپنی مخلوقات کی، مخلوقات کی قسم دراصل ان عظیم نشانیوں کی طرف توجہ دلانا ہوتی ہے جو اللہ تعالیٰ کی قدرت، حکمت اور وحدانیت پر دلالت کرتی ہیں۔

بعض اوقات قسم کے ذریعے کسی مخلوق کی عظمت اور فضیلت کو نمایاں کرنا مقصود ہوتا ہے اور بعض مواقع پر اس کے فوائد، عجائبِ تخلیق یا اس کے اندر پوشیدہ قدرتِ الٰہی کے آثار کو اجاگر کرنا مطلوب ہوتا ہے، اسی طرح اکثر ایسا بھی ہوتا ہے کہ جس چیز کی قسم کھائی جاتی ہے، اس کا مضمونِ قسم کے ساتھ ایک گہرا معنوی تعلق ہوتا ہے۔

سورۃ الصافات میں فرشتوں کی قسم کے بعد فوراً فرمایا گیا، إِنَّ إِلٰهَكُمْ لَوَاحِدٌ، یعنی بے شک تمہارا معبود ایک ہی ہے، یہی اس قسم کا اصل جواب اور مرکزی پیغام ہے، فرشتوں کی صف بندی، ان

کی اطاعت اور اللہ تعالیٰ کے حکم کے سامنے ان کی عاجزی دراصل اس حقیقت کو واضح کرتی ہے کہ پوری کائنات ایک ہی رب کے حکم کے تابع ہے، لہٰذا عبادت، بندگی اور الوہیت کا حق بھی صرف اسی ایک ذات کو حاصل ہے۔

قرآنِ مجید کے اس اسلوب سے یہ حقیقت بھی واضح ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قسمیں عام انسانوں کی قسموں کی مانند نہیں، انسان جب قسم کھاتا ہے تو اپنے سے بڑی اور معزز ہستی کا سہارا لیتا ہے، جبکہ اللہ تعالیٰ سے بڑی کوئی ہستی نہیں، اس لیے اس کی قسمیں اس کی عظمتِ شان، اس کی قدرت کے مظاہر اور اس کی مخلوقات میں پوشیدہ نشانیوں کی طرف رہنمائی کرتی ہیں، البتہ شریعت نے انسانوں کے لیے غیر اللہ کی قسم کھانے کو ممنوع قرار دیا ہے، کیونکہ بندگی اور تعظیم کا اعلیٰ ترین درجہ صرف اللہ تعالیٰ ہی کے لیے مخصوص ہے۔

ابتدائی آیات میں فرشتوں کی صفات کے ذکر کے بعد توحید کے دلائل بیان کیے گئے ہیں، تاکہ انسان کائنات کے نظم، ملائکہ کی اطاعت اور اللہ تعالیٰ کی قدرت میں غور کرکے اس حقیقت کو پہچان لے کہ پوری کائنات کا خالق، مالک اور معبود صرف ایک اللہ تعالیٰ ہے، جس کا کوئی شریک نہیں۔

جنات، نجوم اور شہاب ثاقب

سوال کیا شیاطین ملاء اعلیٰ میں پہنچ کر فرشتوں کی باتیں سننے کی طاقت رکھتے ہیں؟ نیز ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

اِنَّا زَیَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْیَا بِزِیْنَةِ الْكَوَاكِبِ{۶}وَحِفْظًا مِّنْ كُلِّ شَیْطٰنٍ مَّارِدٍ{۷}لَا یَسَّمَّعُوْنَ اِلَى الْمَلَاِ الْاَعْلٰى وَیُقْذَفُوْنَ مِنْ كُلِّ جَانِبٍ{۸}دُحُوْرًا وَّلَهُمْ عَذَابٌ وَّاصِبٌ{۹}اِلَّا مَنْ خَطِفَ الْخَطْفَةَ فَاَتْبَعَهٗ شِهَابٌ ثَاقِبٌ{۱۰} الصافات

جواب ترجمہ: بیشک ہم نے نزدیک والے آسمان کو ستاروں کی شکل میں ایک سجاوٹ عطا کی ہے۔ اور ہر شریر شیطان سے حفاظت کا ذریعہ بنایا ہے۔ وہ اوپر کے جہان کی باتیں نہیں سن سکتے، اور ہر طرف سے ان پر مار پڑتی ہے۔ انہیں دھکے دیے جاتے ہیں اور ان کو (آخرت میں) دائمی عذاب ہوگا۔

البتہ جو کوئی کچھ اچک لے جائے تو ایک روشن شعلہ اس کا پیچھا کرتا ہے۔

خلاصہ تفسیر: اللہ تعالیٰ نے آسمان دنیا کو ستاروں کے ساتھ مزین کیا اور خوبصورت بنایا ہے، ان ستاروں کو اللہ تعالیٰ نے ہر سرکش، باغی اور راندہ درگاہ شیطان سے محفوظ بنایا ہے، شیاطین ملاء اعلیٰ یعنی آسمانوں تک اور آسمان میں رہنے والے فرشتوں تک رسائی کی طاقت نہیں رکھتے، اور نہ ہی شیاطین وہ کچھ سن سکتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اپنی وحی ان فرشتوں کی طرف بھیجنا ہوتی ہے۔

اگر یہ کوئی اس طرح کی حرکت کریں تو ان پر ہر طرف سے انگارے پھینکے جاتے ہیں، جنہیں شہاب ثاقب کہا جاتا ہے، یہ اس لیے کیا جاتا ہے تاکہ انہیں وحی کی باتیں سننے سے روکا جاسکے، ان کو آخرت میں دائمی اور المناک عذاب دیا جائے گا، ہاں قرآن کریم میں اس قدر موجود ہے کہ محافظوں اور نگہبانوں سے عجلت اور سرعت میں اگر یہ کوئی بات سن کر اچک لے جائیں تو وہ ہو سکتا ہے۔

پھر یہ اپنے سے نیچے والے تک وہ بات پہنچا دیتے ہیں، اسی طرح وہ اپنے سے نیچے والے کو مطلع کر دیتا ہے، اسی طرح وہ اپنے سے نیچے والے کو مطلع کر دیتا ہے، بہت دفعہ شہاب اس بات کو دوسرے تک پہنچانے سے پہلے انہیں پالیتا ہے، کئی بار شہاب کے پہنچنے سے پہلے ہی اللہ کی قدرت سے وہ سنی ہوئی بات نیچے والے کو پہنچا دیتا ہے، جو سب سے نیچے سننے والا ہوتا ہے وہ کاہنوں اور نجومیوں تک وہ بات پہنچا دیتا ہے، پھر وہ اس کے ساتھ سو جھوٹ ملا کر پھیلاتے ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ كَانَ لِلشَّيَاطِينِ مَقَاعِدُ فِي السَّمَاءِ فَكَانُوا يَسْتَمِعُونَ الْوَحْيَ قَالَ: وَكَانَتِ النُّجُومُ لَا تَجْرِي، وَكَانَتِ الشَّيَاطِينُ لَا تُرْمَى قَالَ: فَإِذَا سَمِعُوا الْوَحْيَ نَزَلُوا إِلَى الْأَرْضِ، فَزَادُوا فِي الْكَلِمَةِ تِسْعًا قَالَ: فَلَمَّا بُعِثَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، جعل الشَّيْطَانُ إِذَا قَعَدَ مَقْعَدَهُ جَاءَ شِهَابٌ فَلَمْ يُخْطِئْهُ حَتَّى يُحْرِقَهُ قَالَ: فَشَكَوْا ذَلِكَ إِلَى إِبْلِيسَ، فَقَالَ: مَا هُوَ إِلَّا مِنْ أَمْرٍ حَدَثَ قَالَ: فَبَثَّ جُنُودَهُ، فَإِذَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَائِمٌ يُصَلِّي بَيْنَ جَبَلَيْ نَخْلَةَ قَالَ وَكِيعٌ: يَعْنِي بَطْنَ نَخْلَةَ قَالَ: فَرَجَعُوا إِلَى إِبْلِيسَ فَأَخْبَرُوهُ، فَقَالَ: هٰذَا الَّذِي حَدَثَ (ابن کثیر)

شیاطین پہلے جاکر آسمانوں میں بیٹھتے تھے اور وحی سن لیتے تھے اس وقت ان پر تارے نہیں ٹوٹتے تھے یہ وہاں کی وحی سن کر زمین پر آکر ایک کی دس دس کر کے کاہنوں کے کانوں میں پھونکتے تھے، جب حضور ﷺ کو نبوت ملی پھر شیطانوں کا آسمان پر جانا موقوف ہوا، اب یہ جاتے ہیں تو ان پر آگ کے شعلے پھینکے جاتے ہیں اور انہیں جلا دیا جاتا ہے، انہوں نے اس نو پید اامر کی خبر جب ابلیس ملعون کو دی تو اس نے کہا کہ کسی اہم نئے کام کی وجہ سے اس قدر احتیاط و حفاظت کی گئی ہے چنانچہ خبر رسانوں کی جماعتیں اس نے روئے زمین پر پھیلا دیں تو جو جماعت حجاز کی طرف گئی تھی اس نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ نخلہ کی دونوں پہاڑیوں کے درمیان نماز ادا کر رہے ہیں اس نے جاکر ابلیس کو یہ خبر دی اس نے کہا بس یہی وجہ ہے جو تمہارا آسمانوں پر جانا موقوف ہوا۔

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے اصحاب میں سے ایک انصاری نے بیان کیا کہ ایک رات کو وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک ستارہ ٹوٹا اور اس کی روشنی پھیلی، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مَاذَا كُنْتُمْ تَقُولُونَ فِي الْجَاهِلِيَّةِ، إِذَا رُمِيَ بِمِثْلِ هٰذَا؟ زمانہ جاہلیت میں تم اس حادثہ کے متعلق کیا کہتے تھے؟ صحابہ نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسول زیادہ جانتے ہیں، ہم یہ کہتے تھے کہ آج رات کوئی بہت بڑا آدمی پیدا ہوا ہے یا کوئی بہت بڑا آدمی فوت ہو گیا ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

فَإِنَّهَا لَا يُرْمَى بِهَا لِمَوْتِ أَحَدٍ وَلَا لِحَيَاتِهِ، وَلٰكِنْ رَبُّنَا تَبَارَكَ وَتَعَالَى اسْمُهُ، إِذَا قَضَى أَمْرًا سَبَّحَ حَمَلَةُ الْعَرْشِ، ثُمَّ سَبَّحَ أَهْلُ السَّمَاءِ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ، حَتَّى يَبْلُغَ التَّسْبِيحُ أَهْلَ هٰذِهِ السَّمَاءِ الدُّنْيَا

ستارہ اس وجہ سے نہیں ٹوٹتا کہ کوئی مرتا ہے یا پیدا ہوتا ہے، لیکن ہمارا رب تبارک و تعالیٰ جب کسی امر کا فیصلہ کرتا ہے تو حاملین عرش فرشتے سبحان اللہ کہتے ہیں، پھر جو ان کے قریب آسمان کے فرشتے ہیں سبحان اللہ کہتے ہیں، حتیٰ کے ان کی تسبیح آسمان دنیا کے فرشتوں تک پہنچتی ہے، پھر حاملین عرش کے قریب والے حاملین عرش سے کہتے ہیں: تمہارے رب نے کیا فرمایا ہے؟ پھر وہ خبر دیتے ہیں کہ اللہ

تعالیٰ نے کیا فرمایا ہے، پھر آسمان کے بعض فرشتے بھی دوسروں کو بتاتے ہیں (کہ اللہ تعالیٰ نے کیا فرمایا ہے) حتیٰ کہ آسمان دنیا تک خبر پہنچتی ہے پھر جن اس سنی ہوئی بات کو لے اڑتے ہیں اور اسے (کاہنوں کے کانوں میں) پھونک دیتے ہیں، پس اگر وہ اسی طرح خبر دیں تو وہ سچ ہوتی ہے لیکن وہ اس میں اپنی مرضی سے کچھ اور ملا دیتے ہیں۔ (صحیح مسلم)

آسمان دنیا کا ستاروں سے مزین ہونا: الصّٰفّٰت:٦ میں یہ بتایا ہے کہ ہم نے آسمان دنیا کو جو ستاروں سے مزین کیا ہے اس کی دو وجہ ہیں ہیں ایک زینت اور آرائش اور دوسری وجہ ہے آسمان کو چوری چھپے فرشتوں کی باتیں سننے والے سرکش شیطانوں سے محفوظ کرنا۔

آسمان دنیا کی ستاروں سے مزین ہونے کی کیفیت کی حسب ذیل وجوہ ہیں: ① نور اور روشنی آنکھوں کو بھاتی ہے اور جب آسمان کی سطح پر یہ روشنیوں کا جال نظر آتا ہے تو بہت حسین و جمیل لگتا ہے۔ ② مختلف ستاروں کے اجتماع سے عجیب و غریب اشکال بن جاتی ہیں کہیں پر شیر کی شکل بن جاتی ہے، کہیں بکری کی کہیں میزان کی اور کہیں ڈول کی علیٰ ہٰذا القیاس ان ہی شکلوں کے اعتبار سے بارہ برجوں کے نام رکھے گئے ہیں۔ ③ جب اندھیری رات میں انسان آسمان کی نیلی سطح پر ان چمکتی ہوئی روشنیوں کو دیکھتا ہے تو یہ اس کو بہت حسین لگتی ہیں۔

آسمان پر ستاروں کے متعلق جدید ترین تحقیق یہ ہے، یہ کائنات ہمارے اندازوں سے کہیں زیادہ وسیع و عریض ہے، مٹھی بھر ریت میں بھی دس ہزار ذرات ہوتے ہیں اور یہ تعداد برہنہ آنکھ سے نظر آنے والے ستاروں سے زیادہ ہے، لیکن جو بھی سیارے ہم دیکھ سکتے ہیں وہ دراصل ستاروں کی تعداد سے انتہائی کم ہیں۔ رات کو ہم جو کچھ آسمان پر ملاحظہ کرتے ہیں، وہ قریبی ستاروں کا افق ہے، جب کہ کون و مکاں کا دامن لامحدود ستاروں سے لبریز ہے۔ کائنات میں موجود کل ستارے زمین پر موجود تمام ساحلوں کے تمام ریت کے ذرات سے بھی زیادہ تعداد میں ہیں۔ (تفسیر تبیان القرآن)

ماہرین فلکیات کی اکثریت اس امر پر متفق ہے کہ ہماری اور دوسری کہکشاؤں میں ایسے سورج موجود ہو سکتے ہیں جنہوں نے اپنے سیاروں پر مشتمل اپنے نظام شمسی بھی تشکیل دیئے ہوں، جن میں

شاید زمین جیسے سیارے ہوں اور ان میں حیات اور نشوونما کے لیے ساز گار ماحول بھی موجود ہو۔

۱۹۴۰ء کے عشرے میں امریکی ماہر فلکیات فرینگ ڈریگ نے ہماری دودھیا، کہکشاں میں ایسے سیاروں کی تعداد کے تعین کے لیے کہ جہاں حامل فہم وادراک مخلوق پائی جاسکتی ہے ایک کلّیہ وضع کیا۔ اس بنیاد پر بہت سے ایسے ماہرین نے جو دوسرے سیاروں میں غیر ارضی تہذیب کی موجودگی کے بارے میں خاصے پُر امید ہیں، صرف ملکی وے میں جس کے ایک کنارے پر ہمارے نظام شمسی کا وجود ہے، ایک لاکھ پچیس ہزار سیاروں کا اندازہ لگایا ہے جہاں زندگی پائی جاسکتی ہے۔

ہماری کہکشاں میں تقریباً چار سو بلین سورجوں کی موجودگی اور ان کے درمیان نامیاتی سالمات کا پایا جانا اسی خیال کو مزید تقویت عطا کرتا ہے، سائنس دانوں کے مطابق نظام شمسی کی پیدائش چار ارب سال قبل ہوئی تھی۔ اس عرصے کے دوران مادرارض پر ”ہومیواسپین “یعنی زیرک انسان وجود ہیں آیا۔ اس طرح دوسرے سیاروں پر بھی اس طرح کی زندگی پروان چڑھ سکتی ہے۔ (جنگ سنڈے میگزین ۳۰ مارچ ۲۰۰۳ء، بحوالہ تفسیر تبیان القرآن)

کاہنوں کی اقسام: علامہ یحییٰ بن شرف نودی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے حضرت قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ عرب میں کہانت کی تین قسمیں تھیں، ① کسی انسان کا جِنّ دوست ہوتا تھا وہ آسمان سے خبریں سن کر آتا اور اس شخص کو بتادیتا، ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مبعوث ہونے کے بعد یہ قسم باطل ہوگئی۔ ② جِن زمین کے گردونواح اور اطراف میں پھر کر اس کی خبریں اپنے دوستوں کو بیان کرتا، اس قسم کا وجود بعید نہیں ہے، معتزلہ اور بعض متکلمین نے ان دونوں قسموں کا انکار کیا ہے، لیکن اس قسم کے وجود میں کوئی استحالہ اور بعد نہیں ہے اور ان کی خبر کبھی سچ ہوتی ہے اور کبھی جھوٹ اور شرعاً ان کی خبر سننا اور اس کی تصدیق کرنا ممنوع ہے۔

③ اللہ تعالیٰ نے بعض لوگوں میں ایک قوت پیدا کی ہے (جس سے وہ مستقبل کے امور کو جان لیتے ہیں) لیکن ان کی خبروں میں زیادہ تر جھوٹ ہوتا ہے، اس فن کے ماہر کو عراف کہتے ہیں، عراف وہ شخص ہے جو بعض اسباب اور مقدمات سے بعض چیزوں کی معرفت حاصل کرتا ہے، ان تمام اقسام کو

کہانت کہا جاتا ہے اور شریعت نے ان سب کی تکذیب کی ہے اور ایسے لوگوں کے پاس جانے سے منع کیا ہے۔ (شرح مسلم بحوالہ تبیان القرآن)

کاہن کی تعریف اور کاہن کے پاس جانے کا شرعی حکم: امام مازری رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ کاہن وہ لوگ ہیں جن کے متعلق مشرکین کا یہ زعم تھا کہ ان کے دلوں میں جو امور ڈالے جاتے ہیں ان سے ان کو غیب کا علم ہو جاتا ہے اور جو شخص علم غیب کا دعویٰ کرتا ہے شریعت نے اس کو جھوٹا قرار دیا ہے اور ان کی تصدیق کرنے سے منع کیا ہے۔

قاضی عیاض کے نزدیک کاہنوں کی چار قسمیں ہیں۔ جن سے تین کا علامہ نووی نے ذکر کیا ہے اور جو قسم انہوں نے نہیں ذکر کی وہ یہ ہے، کاہن قیاس سے کسی ہونے والے کام کا اندازہ لگاتے ہیں اور اس قیاس کے لیے اللہ تعالیٰ نے ان میں ایک قوت پیدا کی ہے، لیکن اس باب میں ان کے اندازے اکثر جھوٹے ثابت ہوتے ہیں۔ (تبیان القرآن)

اس کے بعد قاضی عیاض رحمہ اللہ لکھتے ہیں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص کسی عراف (کاہن) کے پاس گیا اور اس سے کسی چیز کے متعلق سوال کیا اس کی چالیس دنوں کی نمازیں نہیں قبول کی جاتیں۔ (صحیح مسلم)

اس کی شرح میں قاضی عیاض رحمہ اللہ لکھتے ہیں، اہل سنت کا مذہب یہ ہے کہ گناہوں سے نیکیاں برباد نہیں ہوتیں اور کفر اور ارتداد کے سوا اور کسی چیز سے عمل ضائع نہیں ہوتے، سو اس حدیث کا معنیٰ یہ ہے کہ اس کی چالیس دن کی نمازوں سے اللہ تعالیٰ راضی نہیں ہوتا اور ان کے اجر کو زیادہ نہیں کرتا، البتہ ان دنوں کی نمازیں ادا ہو جاتی ہیں اور اس سے فرض ساقط ہو جاتا ہے۔

اس حدیث کی مثل یہ ہے: حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے خمر (انگور کی شراب) کو پیا اس کی چالیس دن کی نمازیں قبول نہیں ہوتیں، اگر وہ توبہ کرے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرمالیتا ہے اور اگر وہ دوبارہ شراب پیے تو اللہ تعالیٰ اس کی چالیس دن کی نمازیں قبول نہیں فرماتا، پھر اگر توبہ کرے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرمالیتا ہے اور

اگر پھر سہ بارہ شراب پیئے تو اللہ تعالیٰ اس کی چالیس دن کی نمازیں قبول نہیں فرماتا، پھر اگر توبہ کرے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرمالیتا ہے، پھر اگر وہ چوتھی بار شراب پیئے تو اللہ تعالیٰ اس کی چالیس دن کی نمازیں قبول نہیں فرماتا، پھر اگر توبہ کرے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول نہیں فرماتا اور اس کو (آخرت میں) الخبال کے دریا سے پلائے گا، ان سے کہا گیا اے ابو عبد الرحمن! الخبال کا دریا کیا ہے، انہوں نے کہا وہ دوزخیوں کی پیپ کا دریا ہے۔ (سنن ترمذی، بحوالہ تبیان القرآن)

ان دونوں حدیثوں میں خصوصیت کے ساتھ چالیس دنوں کا ذکر ہے، سو یہ حکمت شرعیہ کے اسرار سے ہے کیونکہ چالیس دن کے بعد رحم میں نطفہ بنتا ہے اور پھر چالیس دن کے بعد وہ نطفہ جما ہوا خون بنتا ہے اور پھر چالیس دن کے بعد گوشت پہنایا جاتا ہے اور پھر چالیس دن کے بعد اس میں روح پھونکی جاتی ہے۔ (صحیح البخاری صحیح مسلم) اس طرح انسان کے طبعی اوصاف چالیس دن میں متغیر ہوتے ہیں اور چالیس دن بعد ایک صفت سے دوسری صفت میں منتقل ہوتا ہے۔ (اکمال المعلم بفوائد مسلم بحوالہ تفسیر تبیان القرآن)

شہاب ثاقب: شہاب کے دو معنیٰ ہیں۔ ایک لغوی اور ایک اصطلاحی۔ لغت میں شہاب چمکنے والی آگ کو کہتے ہیں الشھاب فی اللغۃ النار الساطعۃ اس کے ساتھ یہاں مبین کی صفت مذکور ہے یعنی ظاہر اور بعض دیگر مقامات پر اس کو ثاقب کی صفت سے موصوف کیا گیا ہے۔ جس کا معنیٰ ہے چھیدنے والا۔ یعنی ایسی تیز آگ جو ہر چیز میں سے سوراخ کر کے گزر جاتی ہے اور اصطلاح میں اس روشنی کو کہتے ہیں جو فضا میں شام کے بعد لمبی لکیر کی طرح نمودار ہوتی ہے اور پھر آناً فاناً غائب ہو جاتی ہے۔ اس شہاب کی حقیقت کیا ہے۔ جدید علم فلکیات کے ماہرین خود بھی وثوق سے اس کے متعلق کچھ نہیں کہہ سکتے۔ وہ کہتے ہیں کہ آج تک ہم اپنی تحقیق سے جس نتیجہ پر پہنچے ہیں۔ وہ یہ ہے کہ نظام شمسی کا کوئی چھوٹا سا تارا ٹوٹتا ہے جس کے اجزاء جب ہوا کے کرہ میں داخل ہوتے ہیں تو رگڑ سے بھڑک اٹھتے ہیں۔ (تفسیر ضیاء القرآن سورۃ الحجر آیت ۱۸)

انسائیکلوپیڈیا بریٹانیکا میں ہے کہ ہم شہاب ثاقب کی ماہیت کے متعلق آج جو بہترین توجیہ بیان کرسکتے ہیں وہ یہ ہے کہ نظام شمسی کا کوئی چھوٹا سا تارا ٹوٹتا ہے، اس ٹوٹنے والے تارے کا بیشتر حصہ ہماری فضا میں پہنچنے سے پہلے یا تو گرد بن جاتا ہے یا بخارات میں تبدیل ہو کر اڑ جاتا ہے اور اقل قلیل ہماری فضا میں پہنچ کر دکھائی دیتا ہے اور اس کے کئی ٹکڑے زمین پر بھی گر پڑتے ہیں۔

شہاب ثاقب کے ٹکڑے مختلف عجائب خانوں میں موجود ہیں، سب سے بڑے ٹکڑے کا وزن چالیس ٹن تقریباً ۱۱۲۰ من ہے اور یہ ٹکڑا جنوب مغربی افریقہ میں ہے، اس سے کم وزن کا ایک ٹکڑا جو گرین لینڈ میں گرا تھا اس کا وزن ۳۶ ۱/۲ ٹن ہے، اسے کمانڈر پیری وہاں سے اٹھوا کر نیویارک لے آئے (انسائیکلوپیڈیا گرولیر ENCY-GROLIER)

اٹھارھویں صدی میں پیرس کی سائنس اکیڈمی نے شہاب ثاقب کا انکار کر دیا تھا اور وہ اس نتیجے پر پہنچے کہ یہ سارے نمونے جو مختلف عجائب گھروں میں ہیں سب فرضی ہیں اور جن لوگوں نے ان کے گرنے کی چشم دید شہادتیں دی ہیں انہوں نے جھوٹ بولا ہے۔

لیکن اٹھارہ سو تین میں پیرس کے قریب ہی تین ہزار شہاب ثاقب کا مینہ برسا۔ اس طرح قدرت نے ان سائنسدانوں کے غرور کو توڑا اور ان کی کم علمی کا پردہ فاش کر دیا۔ (انسائیکلوپیڈیا بریٹانیکا جلد ۱۵ ص ۳۴۱۔ بحوالہ تفسیر ضیاء القرآن)

قدیم یونانی فلاسفہ اس بات کے قائل تھے کہ شہاب ثاقب دراصل کوئی زمینی مادہ ہوتا ہے جو بخارات کے ساتھ اوپر چلا جاتا ہے اور کرہ نار کے قریب پہنچ کر جل اٹھتا ہے، لیکن قرآن کریم کے ظاہری الفاظ سے یہ معلوم ہوتا ہے "شہاب ثاقب" کوئی زمینی مادہ نہیں، بلکہ عالم بالا ہی میں پیدا ہونے والی کوئی چیز ہے۔

قدیم مفسرین اس موقع پر یہ کہتے آئے ہیں کہ یونانی فلاسفہ کا یہ خیال کہ "شہاب ثاقب" کوئی زمینی مادہ ہے محض قیاس اور تخمینہ پر مبنی ہے، اس لئے اس سے قرآن پر کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا، اس کے علاوہ اگر کوئی زمینی مادہ اوپر جاکر مشتعل ہو جاتا ہو تو قرآن کریم سے اس کی بھی کوئی منافات نہیں۔

لیکن آج کی جدید سائنسی تحقیقات نے یہ سوال ہی ختم کر دیا ہے۔ موجودہ سائنسدانوں کا خیال یہ ہے کہ شہاب ثاقب ان گنت ستاروں ہی کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے ہوتے ہیں، اور عموماً بڑی بڑی اینٹوں کے برابر، اور یہ ان گنت ٹکڑے فضا میں رہتے ہیں۔ انہی کا ایک مجموعہ "اسد یہ" کہلاتا ہے جو سورج کے گرد دھلیلہ کی شکل میں گردش کرتا رہتا ہے، اور اس کا ایک دورہ ۳۳ سال میں پورا ہوتا ہے۔

ان ٹکڑوں میں روشنی ان کی تیز رفتاری اور خلائی اجرام کی رگڑ سے پیدا ہوتی ہے، یہ ٹکڑے ۱۰ اگست اور ۲۷ نومبر کی راتوں میں زیادہ گرتے ہیں، اور ۲۰ اپریل، ۲۸ نومبر، ۱۸ اکتوبر، اور ۶، ۹، ۱۳ دسمبر کی راتوں میں کم ہو جاتے ہیں۔ (تفسیر الجواہر للطنطاوی، ص۵، ج۸، بحوالہ معارف القرآن للمفتی)

جدید سائنس کی یہ تحقیق قرآنی اسلوب بیان کے زیادہ مطابق ہے، البتہ جو لوگ شہاب ثاقب کے ذریعہ شیطانوں کے مارے جانے کو بعید از قیاس سمجھتے ہیں ان کے بارے میں طنطاوی مرحوم نے الجواہر میں بڑی اچھی بات لکھی ہے کہ ہمارے آباء واجداد اور حکماء کو بھی یہ بات گراں محسوس ہوتی تھی کہ قرآن کریم ان کے زمانہ کے علم فلکیات کے خلاف کوئی بات کہے، لیکن مفسرین اس بات پر راضی نہیں ہوئے کہ ان کے فلسفیانہ نظریات کو قبول کر کے قرآن کو چھوڑ دیں، اس کے بجائے انہوں نے ان فلسفیانہ نظریات کو چھوڑا اور قرآن کے ساتھ رہے۔

کچھ عرصہ کے بعد خود بخود ثابت ہو گیا کہ قدیم یونانی فلاسفہ کا خیال بالکل باطل اور غلط تھا، اب بتایئے کہ اگر ہم یہ تسلیم کر لیں کہ یہ ستارے شیطانوں کو جلاتے، مارتے اور تکلیف پہنچاتے ہیں تو اس میں کونسی رکاوٹ ہے؟ ہم قرآن کریم کے اس بیان کو تسلیم کرتے ہوئے مستقبل کے انتظار میں ہیں، (جب سائنس بھی اس حقیقت کو تسلیم کر لے گی) (جواہر، ص۴، ج۸)

حضرت مفتی شفیع رحمہ اللہ یہ حوالہ جات نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں یہاں آسمانوں، ستاروں اور شہاب ثاقب کا تذکرہ کرنے سے ایک مقصد تو توحید کا اثبات ہے کہ جس ذات نے یکہ و تنہا اتنے زبردست آفاقی انتظامات کئے ہوئے ہیں، وہی لائق عبادت بھی ہے۔ دوسرے اسی دلیل میں ان

لوگوں کے خیال کی تردید بھی کر دی گئی ہے جو شیطانوں کو دیوتا یا معبود قرار دیتے ہیں اور جتا دیا گیا ہے کہ یہ تو ایک مردود و مقہور مخلوق ہیں، ان کو خدائی سے کیا واسطہ ؟(معارف القرآن)

منکرین قیامت کی ہٹ دھرمی

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

فَاسْتَفْتِهِمْ اَهُمْ اَشَدُّ خَلْقًا اَمْ مَّنْ خَلَقْنَا ؕ اِنَّا خَلَقْنٰهُمْ مِّنْ طِيْنٍ لَّازِبٍ {۱۱}بَلْ عَجِبْتَ وَيَسْخَرُوْنَ {۱۲}وَاِذَا ذُكِّرُوْا لَا يَذْكُرُوْنَ {۱۳}وَاِذَا رَاَوْا اٰيَةً يَّسْتَسْخِرُوْنَ {۱۴}وَقَالُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ {۱۵}ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ {۱۶}اَوَاٰبَآؤُنَا الْاَوَّلُوْنَ {۱۷}قُلْ نَعَمْ وَاَنْتُمْ دَاخِرُوْنَ{۱۸}الصافات

جواب ترجمہ: سو آپ ان سے دریافت کر لیجیے کیا وہ پیدائش کے اعتبار سے زیادہ سخت ہیں یا ہماری پیدا کی ہوئی دوسری چیزیں، بیشک انہیں ہم نے چپکتی ہوئی مٹی سے پیدا کیا ہے۔ بلکہ آپ تعجب کرتے ہیں اور وہ لوگ تمسخر کرتے ہیں۔ اور جب انہیں نصیحت کی جاتی ہے تو نصیحت کو نہیں سمجھتے۔ اور جب وہ کوئی معجزہ دیکھتے ہیں تو ہنسی اڑاتے ہیں۔ اور انہوں نے کہا کہ یہ کھلے ہوئے جادو کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔ کیا جب ہم مر جائیں گے اور ہم مٹی اور ہڈیاں ہو جائیں گے تو کیا ہم پھر اٹھائے جائیں گے۔ کیا ہمارے پرانے باپ دادے بھی۔ آپ فرما دیجیے ہاں اور تم ذلیل ہو گے۔

خلاصہ تفسیر: ان آیاتِ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے منکرینِ قیامت کے باطل شبہات کا رد کرتے ہوئے اپنی کامل قدرت اور انسان کی اصل حقیقت کو واضح فرمایا ہے، ارشاد ہوا کہ

فَاسْتَفْتِهِمْ اَهُمْ اَشَدُّ خَلْقًا اَمْ مَّنْ خَلَقْنَا: اے میرے حبیب ﷺ! ان کفار سے پوچھیے کہ کیا ان کی تخلیق زیادہ مشکل ہے یا آسمانوں، زمین اور عظیم مخلوقات کی؟ ظاہر ہے کہ جس اللہ تعالیٰ نے اتنی عظیم کائنات کو پیدا فرمایا، اس کے لیے انسان کو دوبارہ زندہ کرنا ہرگز مشکل نہیں، پھر انسان کی تخلیق کی حقیقت بیان فرمائی کہ

اِنَّا خَلَقْنٰهُمْ مِّنْ طِيْنٍ لَّازِبٍ: اسے ایک چپچپے گارے سے پیدا کیا گیا، جب اس کی ابتدا ہی ایک کمزور اور حقیر مادے سے ہوئی تو وہ دوبارہ پیدا کیے جانے کو کیوں بعید سمجھتا ہے؟ اس کے بعد رسولِ اکرم ﷺ کی حیرت کا ذکر فرمایا کہ

بَلْ عَجِبْتَ وَيَسْخَرُوْنَ: آپ اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ اور اس کے عجیب نظام پر بھی تعجب فرماتے تھے اور اس بات پر بھی حیران ہوتے تھے کہ مشرکین اتنے واضح دلائل کے باوجود قیامت کا انکار کر رہے ہیں، لیکن ان کی حالت یہ تھی کہ وہ حق بات سن کر غور و فکر کرنے کے بجائے مذاق اور تمسخر کا راستہ اختیار کرتے تھے۔

وَاِذَا ذُكِّرُوْا لَا يَذْكُرُوْنَ: جب انہیں نصیحت کی جاتی تو ان کے دل نرم نہ ہوتے اور نہ وہ عبرت حاصل کرتے، کیونکہ مسلسل سرکشی نے ان کے دلوں کو سخت کر دیا تھا۔

وَاِذَا رَاَوْا اٰيَةً يَّسْتَسْخِرُوْنَ: اسی طرح جب وہ نبی کریم ﷺ کے معجزات اور صداقت کی نشانیاں دیکھتے تو ایمان لانے کے بجائے ان کا مذاق اڑاتے اور کہتے کہ

وَقَالُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ: یہ تو کھلا جادو ہے۔ پھر وہ مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کیے جانے کو انتہائی بعید سمجھتے ہوئے کہتے کہ

ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ: کیا جب ہم مٹی اور بوسیدہ ہڈیاں بن جائیں گے تو دوبارہ زندہ کیے جائیں گے؟ اپنے بارے میں بھی استہزائیہ انداز میں پوچھتے، اپنے آباؤاجداد کے بارے میں تمسخر آمیز لب و لہجہ میں سوال کرتے تھے کہ

اَوَاٰبَآؤُنَا الْاَوَّلُوْنَ: اور کیا ہمارے وہ آباء و اجداد بھی دوبارہ اٹھائے جائیں گے جو صدیوں پہلے مر چکے ہیں؟ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو حکم فرمایا کہ

قُلْ نَعَمْ وَاَنْتُمْ دَاخِرُوْنَ: آپ ﷺ ان کے جواب میں صاف کہہ دیجیے کہ ہاں! تم سب ضرور دوبارہ زندہ کیے جاؤ گے اور تمہارے اگلے تمام لوگ بھی اٹھائے جائیں گے، اس وقت تم بڑی ذلت، بے بسی اور عاجزی کی حالت میں اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضر ہو گے، اس دن نہ تمہارا تکبر باقی رہے گا اور

نہ دنیا کی طاقت و غرور، بلکہ ہر شخص اپنے اعمال کے حساب کے لیے رب العالمین کے حضور کھڑا ہو گا۔

قیامت کی ہولناکی

سوال آیت مبارکہ کا ترجمہ کریں، نیز یہ بتائیں کہ زَجْرَةٌ وَّاحِدَةٌ کا کیا معنٰی ہے؟

فَاِنَّمَا هِيَ زَجْرَةٌ وَّاحِدَةٌ فَاِذَا هُمْ يَنْظُرُوْنَ {۱۹} الصافات

جواب ترجمہ: بس وہ تو ایک ہی زور دار آواز ہو گی، جس کے بعد وہ اچانک (سارے ہولناک مناظر) دیکھنے لگیں گے۔

زَجْرَةٌ: اس کے عربی زبان میں کئی معانی آتے ہیں ان میں سے ایک معنٰی یہ ہے کہ مویشیوں کو چلنے پر آمادہ کرنے کے لئے ایسی آوازیں نکالنا جنہیں سن کر وہ اٹھ کھڑے ہوں، یہاں اس سے مراد دوسرا صور ہے جو حضرت اسرافیل علیہ السلام مردوں کو زندہ کرنے کے لئے پھونکیں گے اور اس کو زَجْرَةٌ سے اس لئے تعبیر فرمایا گیا ہے کہ جس طرح مویشیوں کو اٹھا کر چلانے کے لئے کچھ آوازیں نکالی جاتی ہیں اسی طرح مردوں کو زندہ کرنے کے لئے یہ صور پھونکا جائے گا۔ (قرطبی)

اللہ تعالیٰ قیامت برپا کرنے کا فیصلہ فرمائے گا جس کا دن اور وقت مقرر کیا جا چکا ہے، جوں ہی وہ دن اور گھڑی آئے گی تو اسرافیل فرشتہ کو صور پھونکنے کا حکم ہو گا، صور میں پھونک مارنے کی دیر ہو گی تو زمین میں ایسے زلزلے ہوں گے جس سے پہاڑ روئی کی طرح اڑنے شروع ہوں گے، دیکھتے ہی دیکھتے ہر چیز فنا ہو جائے گی، اس کے بعد نہ معلوم کتنی مدت مخلوق فنا رہے گی، اس کے بعد اسرافیل کو زندہ کیا جائے گا اسے دوبارہ صور میں پھونک مارنے کا حکم ہو گا، اس کے پھونک مارنے کے ساتھ ہی لوگ قبروں سے اٹھنا شروع ہوں گے، اس وقت قیامت کے منکروں کو یقین ہو جائے گا کہ یہ تو وہی دن ہے جس کی ہم تکذیب کیا کرتے تھے، کہیں گے کہ ہم پر افسوس یہ تو فیصلے کا دن آ پہنچا ہے۔ (فہم القرآن)

قیامت کی حسرت، فیصلے کا دن

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

وَقَالُوْا يٰوَيْلَنَا هٰذَا يَوْمُ الدِّيْنِ{۲۰}هٰذَا يَوْمُ الْفَصْلِ الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ {۲۱} اُحْشُرُوا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا وَاَزْوَاجَهُمْ وَمَا كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ{۲۲}مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَاهْدُوْهُمْ اِلٰى صِرَاطِ الْجَحِيْمِ{۲۳}الصافات

جواب ترجمہ: اور یوں کہیں گے کہ ہائے ہماری کم بختی یہ تو روز جزا ہے۔ یہ فیصلہ کا دن ہے جس کو تم جھٹلایا کرتے تھے۔ ظالموں کو اور ان کے ہم مشربوں کو جمع کرلو اور ان معبودوں کو جن کی وہ لوگ عبادت کرتے تھے۔ اللہ کو چھوڑ کر عبادت کیا کرتے تھے، پھر انہیں دوزخ کا راستہ دکھادو۔

خلاصہ تفسیر: ان آیاتِ مبارکہ میں قیامت کے دن منکرینِ آخرت کی شدید حسرت، ندامت اور ذلت آمیز انجام کا نقشہ نہایت مؤثر انداز میں پیش کیا گیا ہے، ارشاد فرمایا کہ

وَقَالُوْا يٰوَيْلَنَا هٰذَا يَوْمُ الدِّيْنِ: جب قیامت برپا ہوگی اور کفار اپنی آنکھوں سے عذاب اور حساب وکتاب کے مناظر دیکھیں گے تو گھبرا کر پکار اٹھیں گے: ہائے ہماری تباہی! یہ تو جزا و سزا کا دن ہے، وہی دن جس میں انسان کو دنیا کے اعمال کا بدلہ دیا جائے گا، دنیا میں وہ جس قیامت کا مذاق اڑاتے اور اسے بعید سمجھتے تھے، آج وہی حقیقت ان کے سامنے پوری شدت کے ساتھ ظاہر ہوچکی ہوگی، پھر انہیں جواب دیا جائے گا کہ

هٰذَا يَوْمُ الْفَصْلِ الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ: یہی وہ فیصلے کا دن ہے جسے تم دنیا میں جھٹلاتے اور اس کا انکار کرتے تھے، آج ہر شخص کے درمیان عدل کے ساتھ فیصلہ ہوگا، حق و باطل الگ کردیے جائیں گے اور ہر انسان اپنے اعمال کے مطابق انجام کو پہنچے گا، اس دن نہ کسی کا انکار کام آئے گا اور نہ کوئی جھوٹا سہارا فائدہ دے سکے گا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ فرشتوں کو حکم فرمائے گا کہ

اُحْشُرُوا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا وَاَزْوَاجَهُمْ وَمَا كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ: ان ظالم مشرکوں کو، ان کے ہم عقیدہ ساتھیوں کو اور ان تمام لوگوں کو جمع کرو جو ان کے باطل عقائد اور تکذیب میں شریک تھے۔

مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَاهْدُوْهُمْ اِلٰى صِرَاطِ الْجَحِيْمِ: ساتھ ہی ان کے ان معبودوں کو بھی اکٹھا کرو جنہیں یہ اللہ تعالیٰ کے سوا پوجتے تھے، خواہ وہ بت ہوں یا دیگر باطل سہارے، پھر انہیں جہنم کا راستہ

دکھاؤ اور ذلت ورسوائی کے ساتھ اس کی طرف ہانک کر لے جاؤ، کیونکہ یہی ان کا دائمی ٹھکانا ہے۔

ان آیات میں یہ حقیقت نہایت واضح انداز میں بیان کی گئی ہے کہ دنیا میں انسان جن عقائد اور اعمال کو اختیار کرتا ہے، آخرت میں اسی کے مطابق اس کا انجام ہو گا، باطل معبود، جھوٹے نظریات اور دنیاوی سہارے قیامت کے دن کسی کے کام نہیں آئیں گے، وہاں صرف ایمان، توحید اور اعمالِ صالحہ ہی نجات کا ذریعہ ہوں گے، یہ آیات انسان کو غفلت سے بیدار کرتی اور آخرت کی جواب دہی کا احساس دلاتی ہیں۔

ندائے محشر! مجرموں کو روکو

سوال اس آیت کریمہ کی تفسیر کیجیے

وَقِفُوهُمْ إِنَّهُم مَّسْئُولُونَ{۲۴}الصافات.

جواب ترجمہ: اور ذرا انہیں ٹھہراؤ، ان سے کچھ پوچھا جائے گا۔

خلاصہ تفسیر: فرشتے جب ان مجرموں کو جہنم کی طرف لے کر جارہے ہوں گے تو انہیں حکم ملے گا کہ انہیں کچھ دیر کے لیے روکو، ان سے کچھ پوچھنا ہے، یہ لے جائے جانے والے سب وہ لوگ ہیں جن میں ایک سے ایک بڑا باغی اور سرکش رہ چکا ہے اور ان کے تکبر کا عالم یہ تھا کہ یہ اپنے پٹھے پر ہاتھ نہیں دھرنے دیتے تھے اور اللہ تعالیٰ کے رسول کی کسی بات کو اہمیت دینے کے لیے تیار نہ تھے۔

اور پھر یہ عام لوگ نہیں ان میں بیشتر لوگ دنیا میں بڑے سے بڑے مناصب پر فائز رہے ہیں۔ کوئی دنیوی جاہ و جلال کا دعویدار تھا اور کوئی علم و فضل میں کمالات کا، کسی کو اپنی مشیخیت پر ناز تھا اور کسی کو اپنے حسب و نسب کی برتری پر، لیکن آج یہ سب سر جھکائے خاموشی سے اس طرح حکم میں بندھے چلے جارہے ہوں گے کہ سب کی ہیکڑی نکل چکی ہو گی اور ہر ایک سراپا اطاعت بنا ہوا ہو گا۔

چنانچہ انہیں روک کر ان سے یہ پوچھا جائے گا کہ دنیا میں تم ایک دوسرے کے معاون و مددگار تھے، تم نے ہر برائی کو فروغ دینے میں ایک دوسرے سے بڑھ کر حصہ لیا، تم میں اگر ایک قائد تھا تو دوسرے لوگ اس کی قیادت کا ایندھن بنے ہوئے تھے۔ اس کے لیے نعرے لگاتے، جھنڈے

اٹھاتے اور اس کی سربلندی کے لیے پسینہ بہاتے اور مال صرف کرتے تھے اور قائد اپنے پیروکاروں کی خاطر کیسے کیسے دکھ برداشت کرتے تھے۔ لیکن اپنی قیادت پر حرف نہیں آنے دیتے تھے۔

لیکن آج تم سب تنہا تنہا ایک دوسرے سے بیگانہ اپنی فکر میں مگن چلے جارہے ہو، آخر تم میں یہ تبدیلی کیوں آئی؟ اور پھر دوسرے لوگ جو ان شامت زدوں کا نظارہ کررہے ہوں گے انہیں متوجہ کرکے فرمایا گیا ہے کہ ذرا انہیں دیکھو کہ یہ تو پوری طرح اپنے آپ کو سپرد کیے دے رہے ہیں، اپنی سرکشی کو بھول کر مکمل طور پر سپر انداز ہوچکے ہیں، انہیں اپنے دائیں بائیں کا کوئی ہوش نہیں، کل تک وہ جن کے لیے جان کھپاتے تھے آج انہیں پوچھنے کے لیے بھی تیار نہیں، ہر شخص کو اپنے انجام کی فکر ہے۔

دراصل یہ نقشہ کھینچ کر قریش کو توجہ دلائی جارہی ہے کہ تم آج اپنے جن تعلقات اور علاقات پر نازاں ہو اور جن وابستگیوں سے تم نے اپنے گروہ بنا رکھے ہیں قیامت کے دن ان میں سے ہر چیز ٹوٹ پھوٹ جائے گی۔ وہاں ہر ایک کو اپنے اعمال کا جواب دینا ہے۔ اس لیے آج سوچ لو کہ کل تمہارے ساتھ کیا گزرنے والی ہے تاکہ آج اس کی کوئی تجویز کرسکو۔ (روح القرآن)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مَنْ دَعَا دَعَا إِلَى شَيْءٍ إِلَّا كَانَ مَوْقُوفًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ لَازِمًا بِهِ لَا يُفَارِقُهُ وَإِنْ دَعَا رَجُلٌ رَجُلاً جس داعی نے بھی کسی چیز کی طرف بلایا ہوگا تو وہ قیامت کے دن روکا جائے گا وہ اس کے ساتھ چمٹا ہوگا اس سے جدا نہیں ہوگا اگرچہ ایک آدمی نے دعوت نہ دی ہوگی دوسرے آدمی کو پھر یہ آیت پڑھی وَقِفُوهُمْ إِنَّهُمْ مَسْؤُلُونَ (تفسیر درمنثور)

اہلِ ضلال کی باہمی ملامت اور اہلِ ایمان کی دائمی نعمتیں

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

مَا لَكُمْ لَا تَنَاصَرُوْنَ {۲۵} بَلْ هُمُ الْيَوْمَ مُسْتَسْلِمُوْنَ {۲۶} وَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ يَّتَسَآءَلُوْنَ {۲۷} قَالُوْٓا اِنَّكُمْ كُنْتُمْ تَاْتُوْنَنَا عَنِ الْيَمِيْنِ {۲۸} قَالُوْا بَلْ لَّمْ تَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ {۲۹} وَمَا كَانَ لَنَا عَلَيْكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ ۚ بَلْ كُنْتُمْ قَوْمًا طٰغِيْنَ {۳۰}

فَحَقَّ عَلَيْنَا قَوْلُ رَبِّنَآ اِنَّا لَذَآئِقُوْنَ {۳۱}فَاَغْوَيْنٰكُمْ اِنَّا كُنَّا غٰوِيْنَ {۳۲}فَاِنَّهُمْ يَوْمَئِذٍ فِي الْعَذَابِ مُشْتَرِكُوْنَ {۳۳}اِنَّا كَذٰلِكَ نَفْعَلُ بِالْمُجْرِمِيْنَ {۳۴}اِنَّهُمْ كَانُوْٓا اِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ يَسْتَكْبِرُوْنَ {۳۵}وَيَقُوْلُوْنَ اَئِنَّا لَتَارِكُوْٓا اٰلِهَتِنَا لِشَاعِرٍ مَّجْنُوْنٍ {۳۶}بَلْ جَآءَ بِالْحَقِّ وَصَدَّقَ الْمُرْسَلِيْنَ{۳۷}اِنَّكُمْ لَذَآئِقُوا الْعَذَابِ الْاَلِيْمِ {۳۸} وَمَا تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ{۳۹}اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ{۴۰}اُولٰٓئِكَ لَهُمْ رِزْقٌ مَّعْلُوْمٌ{۴۱}فَوَاكِهُ وَهُمْ مُّكْرَمُوْنَ{۴۲}فِيْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ{۴۳}عَلٰى سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِيْنَ {۴۴}الصافات

جواب ترجمہ: کیا بات ہے کہ تم ایک دوسرے کی مدد نہیں کرتے۔ بلکہ وہ آج سب کے سب ہار مانے ہوئے ہوں گے۔ ان میں سے بعض بعض کی طرف متوجہ ہو کر ایک دوسرے سے سوال کریں گے۔ کہیں گے کہ بیشک تم ہمارے پاس بڑے زور دار طریقے سے آیا کرتے تھے۔ متبوعین کہیں گے بلکہ بات یہ ہے کہ تم خود ہی ایمان لانے والے نہ تھے۔ اور تم پر ہمارا کوئی زور نہیں تھا بلکہ بات یہ ہے کہ تم سرکشی کرنے والے تھے۔ سو ہم پر ہمارے رب کی بات ثابت ہو گئی، بلاشبہ ہم سب جھکنے والے ہیں۔ سو بلاشبہ ہم نے تمہیں بہکایا بیشک ہم خود ہی گمراہ تھے۔ سو بلاشبہ وہ لوگ آج کے دن عذاب میں شریک ہوں گے۔

بلاشبہ ہم مجرموں کے ساتھ ایسا ہی کیا کرتے ہیں۔ یقینی بات ہے کہ ان کا ڈھنگ یہ تھا کہ جب ان سے کہا جاتا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے تو تکبر کیا کرتے تھے۔ اور کہتے تھے کیا ہم ایک ایسے شخص کی وجہ سے اپنے معبودوں کو چھوڑ دیں جو شاعر ہے دیوانہ ہے۔ بلکہ بات یہ ہے کہ وہ سچ لے کر آیا اور دوسرے پیغمبروں کی تصدیق کی۔ بلاشبہ تم دردناک عذاب کو چکھنے والے ہو۔ اور تمہیں انہی کاموں کا بدلہ دیا جائے گا جو تم کیا کرتے تھے۔ ہاں جو اللہ کے مخلص بندے ہیں ان کا حال دوسرا ہو گا۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کے لیے رزق معلوم۔ یعنی میوے ہیں۔ اور وہ نعمت کے باغوں میں باعزت رہیں گے۔ آمنے سامنے تختوں پر بیٹھے ہوں گے۔

خلاصہ تفسیر: قیامت کے دن جب کفار و مشرکین عذاب کے سامنے کھڑے ہوں گے تو انہیں بطورِ توبیخ کہا جائے گا کہ آج تم ایک دوسرے کی مدد کیوں نہیں کرتے؟ حالانکہ دنیا میں تم ایک دوسرے کے بڑے حمایتی بنتے تھے اور اپنے باطل معبودوں سے نصرت کی امید رکھتے تھے؟ مگر اس دن سب لوگ اللہ تعالیٰ کے حکم کے سامنے بے بس، ذلیل اور عاجز ہوں گے، نہ کوئی کسی کی مدد کر سکے گا اور نہ کوئی باطل سہارا کام آئے گا، پھر وہ آپس میں جھگڑنے اور ایک دوسرے پر الزام لگانے لگیں گے۔

کمزور اور تابع لوگ اپنے سرداروں اور گمراہ رہنماؤں سے کہیں گے کہ تم ہمیں دین اور خیر خواہی کے نام پر بہکاتے رہے، تم نے ہمارے سامنے کفر، شرک اور معصیت کو خوبصورت بنا کر پیش کیا اور ہمیں انبیاءِ کرام علیہم السلام کی دعوتِ حق سے دور رکھا۔

اس پر ان کے سردار جواب دیں گے کہ تم خود بھی ایمان لانے والے نہ تھے، ہم نے تمہیں زبردستی گمراہ نہیں کیا، بلکہ تم خود سرکشی اور گمراہی میں حد سے بڑھے ہوئے تھے، پھر سب اس حقیقت کا اعتراف کریں گے کہ اللہ تعالیٰ کا عذاب ان سب پر ثابت ہو چکا ہے، کیونکہ گمراہ کرنے والے بھی خود گمراہ تھے اور دوسروں کو بھی اسی راستے پر لے گئے، اس طرح قیامت کے دن تابع اور متبوع، دونوں عذاب میں شریک ہوں گے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہی معاملہ ہر مجرم کے ساتھ ہو گا، کیونکہ ان کا اصل جرم یہ تھا کہ جب انہیں لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰه کی دعوت دی جاتی تو وہ تکبر کرتے اور کہتے کہ کیا ہم ایک شاعر اور مجنون کے کہنے پر اپنے معبودوں کو چھوڑ دیں؟ انہوں نے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹے الزامات لگائے، حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نہ شاعر تھے نہ مجنون، بلکہ آپ حق لے کر آئے تھے اور تمام انبیاءِ سابقین علیہم السلام کی تعلیمات کی تصدیق کرنے والے تھے، چنانچہ ایسے مشرکین کے لیے قیامت میں دردناک عذاب ہو گا اور انہیں ان کے اعمال ہی کا بدلہ دیا جائے گا۔

البتہ اللہ تعالیٰ کے مخلص بندے اس عذاب سے محفوظ ہوں گے، ان کے لیے جنت میں پاکیزہ، دائمی اور عزت والا رزق ہو گا، انہیں عمدہ پھل، بے شمار نعمتیں اور دائمی راحتیں عطا کی جائیں گی، وہ

نعمتوں بھری جنتوں میں عزت و اکرام کے ساتھ تختوں پر آمنے سامنے بیٹھے ہوں گے، ان کے دل کینہ و حسد سے پاک ہوں گے اور وہ کامل محبت، سکون اور سرور کی زندگی گزاریں گے، یہ اہلِ ایمان کے لیے عظیم بشارت ہے کہ دنیا کی وقتی آزمائشوں کے بعد انہیں ایسی ابدی نعمتیں نصیب ہوں گی جن کا نہ کبھی خاتمہ ہو گا اور نہ کمی۔

جنت کا جام لذیذ

سوال اس آیت کریمہ کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

يُطَافُ عَلَيْهِمْ بِكَأْسٍ مِّنْ مَّعِيْنٍۢ {۴۵} الصافات

جواب ان کے پاس شراب کا ایسا جام لایا جائے گا جو بہتی ہوئی شراب سے بھرا ہوا ہو گا۔

خلاصہ تفسیر: صاحب روح القرآن لکھتے ہیں "مجلسی زندگی کا لازمی حصہ اہل عرب میں تمام اہل مجلس کی شراب نوشی تھی، قیمتی سے قیمتی شراب مجلسوں میں مہیا کرنے کی کوشش کی جاتی تھی اور پھر نہایت اہتمام سے شراب کے جام گردش میں لائے جاتے تھے، اسلام نے عربوں کی زندگی میں جو تبدیلیاں پیدا کیں اور جسے انسانی زندگی کے لیے نمونہ بنایا وہ، وہ زندگی تھی جس میں عیش و عشرت، اسراف و تبذیر، بے خودی پیدا کرنے والے ماکولات و مشروبات اور مقصد زندگی سے بے پرواہ کرنے والی مصروفیات سے روک دیا گیا تھا۔ اور لہو و لعب اور عیش و نشاط کے تمام مشاغل ان لوگوں کو جنت میں بطور انعام دینے کا وعدہ کیا گیا جو دنیا میں ان سے دستکش رہ کر مجاہدانہ زندگی گزاریں گے۔

چنانچہ اہل جنت کی مجلسی زندگی کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا گیا ہے کہ وہ لوگ جب اپنی بیش قیمت مسانید پر براجمان ہو کر مجلس طرازی میں مصروف ہوں گے تو ان کی مجلس میں شراب کے جام مسلسل گردش میں رہیں گے۔

جام کے لیے كَأْسٍ کا لفظ استعمال کیا گیا ہے، یہ لفظ عربی زبان میں ظرف اور مظروف یعنی پیالہ اور شراب دونوں کے لیے استعمال ہوتا ہے اور شراب کے لیے مَّعِيْنٍ کا لفظ آیا ہے جس کا اطلاق ایسی مہنگی شراب پر بھی ہوتا ہے جو خالص اور بے آمیز ہو اور ان چشموں پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے جہاں

سے شراب ابلتی ہے۔

دنیا میں تو ایسے چشموں کا وجود نہیں، لیکن قیامت کے دن اہل جنت کے لیے ایسے چشمے اور نہریں رواں کی جائیں گی جس میں پھلوں سے کشید کی ہوئی شراب نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ شراب ابلے گی اور بہے گی اور اس کے لطف و لذت کا آج تصور کرنا بھی مشکل ہے۔ اس کا رنگ سفید اور نہایت چمکدار ہو گا۔ اور وہ شراب لذیذ ہی نہیں بلکہ سراپا لذت ہو گی۔ (روح القرآن)

کَاْسٍ کا لفظ صرف شراب سے بھرے ہوئے پیالہ یا گلاس کے لئے مستعمل ہے، جسے ہماری زبان میں جام یا ساغر کہتے ہیں، دودھ یا پانی سے بھرے ہوئے پیالہ کو **کَاْسٍ** نہیں کہہ سکتے اور اگر یہ پیالہ خالی ہو اور شیشے کا ہو تو اسے **قَدَحٌ** کہتے ہیں، چمڑے کا ہو تو **عَلْبَۃٌ** اور مٹی کا ہو تو **مُوْکِنٌ** اور **مَعِیْنٌ** دراصل صاف شفاف نتھرے، خوش ذائقہ، میٹھے اور ٹھنڈے پانی کو کہتے ہیں، مگر جب **معین** کے ساتھ **کَاْس** کا لفظ آئے تو **معین** سے مراد یہی صفات رکھنے والی شراب ہو گی۔ کیونکہ **کَاْس** کا لفظ شراب کے بھرے ہوئے پیالہ کے لئے ہی مخصوص ہے۔ (تیسیر القرآن) **کَاْس** شراب کے بھرے ہوئے جام کو اور **قَدَحٌ** خالی جام کو کہتے ہیں **مَعِیْن** کے معنی ہیں، جاری چشمہ، مطلب یہ ہے کہ جاری چشمے کی طرح، جنت میں شراب ہر وقت میسر ہو گی۔ (تفسیر مکہ)

غلمانِ جنت تازہ بتازہ، سفید شفاف، لذت و سرور سے بھرپور شراب کے لبریز ساغروں سے اہل جنت کی تواضع کریں گے، **معین**، جاری، یہ شراب، شراب کی ان نہروں میں سے ہو گی جو جنت میں رواں ہو گی۔ (جواہر القرآن)

یہاں یہ نہیں بتایا گیا کہ شراب کے یہ ساغر لے کر جنتیوں کے درمیان گردش کون کرے گا۔ اس کی تفصیل دوسرے مقامات پر ارشاد ہوئی ہے **وَ یَطُوْفُ عَلَیْھِمْ غِلْمَانٌ لَّھُمْ کَاَنَّھُمْ لُؤْ لُؤٌ مَّکْنُوْنٌ**، اور ان کی خدمت کے لیے گردش کریں گے ان کے خادم لڑکے، ایسے خوبصورت جیسے صدف میں چھپے ہوئے موتی (الطور، آیت ۲۴)۔

وَیَطُوْفُ عَلَیْھِمْ وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُوْنَ اِذَا رَاَیْتَھُمْ حَسِبْتَھُمْ لُؤْ لُؤًا مَّنْثُوْرًا، اور ان کی

خدمت کے لیے گردش کریں گے ایسے لڑکے جو ہمیشہ لڑکے ہی رہنے والے ہیں۔ تم انہیں دیکھو تو سمجھو کہ موتی بکھیر دیے گئے ہیں (الدہر، آیت ۱۹)

پھر اس کی مزید تفصیل حضرت اَنَس رضی اللہ عنہ اور حضرت سَمُرَہ بن جندُب رضی اللہ عنہ کی ان روایات میں ملتی ہے جو انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کی ہیں، ان میں بتایا گیا ہے کہ مشرکین کے بچے اہل جنت کے خادم ہوں گے (ابو داؤد طَیالسی، طبرانی، بزّار)

یہ روایات اگرچہ سنداً ضعیف ہیں، لیکن متعدد دوسری احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جو بچے سن رشد کو نہیں پہنچے ہیں وہ جنت میں جائیں گے، پھر یہ بھی احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جن بچوں کے والدین جنتی ہوں گے وہ اپنے ماں باپ کے ساتھ رہیں گے تاکہ ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں، اس کے بعد لامحالہ وہ بچے رہ جاتے ہیں جن کے ماں باپ جنتی نہ ہوں گے، سو ان کے متعلق یہ بات معقول معلوم ہوتی ہے کہ وہ اہل جنت کے خادم بنادیے جائیں۔ (تفہیم القرآن)

شراب جنت کی خوبیاں

سوال اس آیت کریمہ کی تفسیر کیجیے

بَيْضَآءَ لَذَّةٍ لِّلشّٰرِبِيْنَ {۴۶} لَا فِيْهَا غَوْلٌ وَّلَا هُمْ عَنْهَا يُنْزَفُوْنَ {۴۷} الصافات

جواب ترجمہ: وہ شراب سفید ہوگی پینے والوں کے لیے لذیذ ہوگی۔ نہ اس سے درد سر ہوگا اور نہ اس سے عقل میں فتور آئے گا۔

خلاصہ تفسیر: بَيْضَآءَ لَذَّةٍ لِّلشّٰرِبِيْنَ اس آیتِ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے اہلِ جنت کو عطا کی جانے والی پاکیزہ شراب کی ایک حسین صفت بیان فرمائی ہے۔ ارشاد ہوا کہ وہ شراب نہایت سفید، شفاف اور دلکش ہوگی اور اسے پینے والے کامل لذت اور سرور محسوس کریں گے، دنیا کی شراب کی طرح اس میں نہ کوئی گندگی ہوگی، نہ تلخی، نہ نشہ آور خرابی اور نہ عقل و شعور کو زائل کرنے والی کوئی کیفیت، بلکہ وہ سراسر راحت، خوشی اور پاکیزہ لذت کا باعث ہوگی۔

جنت کی نعمتیں دنیا کی نعمتوں سے ظاہری ناموں میں اگرچہ مشابہ معلوم ہوتی ہیں، لیکن حقیقت، کیفیت اور لذت کے اعتبار سے ان کا کوئی مقابلہ نہیں، دنیا کی شراب انسان کے جسم و عقل کو نقصان پہنچاتی ہے، جبکہ جنت کی شراب اہلِ جنت کے لیے خالص نعمت، راحت اور مسرت کا ذریعہ ہو گی، اس کا رنگ نہایت صاف و سفید ہو گا، جو اس کی پاکیزگی، لطافت اور حسن کی علامت ہے اور اسے پینے والا ہر شخص اس سے کامل خوشی اور دائمی سرور حاصل کرے گا۔

اس آیت میں اہلِ ایمان کے لیے یہ بشارت بھی ہے کہ جو لوگ دنیا میں اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے حرام چیزوں سے بچتے ہیں، اللہ تعالیٰ آخرت میں انہیں ایسی پاکیزہ اور اعلیٰ نعمتیں عطا فرمائے گا جو ہر طرح کی تکلیف اور نقصان سے پاک ہوں گی۔

لَا فِيْهَا غَوْلٌ: یعنی دنیا کی شراب کی طرح اس سے عقل میں فتور نہ آئے گا، **غَوْلٌ** کا لفظ ہلاک کرنے اور بگاڑنے کے معنی میں آتا ہے، **غَالَ، يَغُوْلُ** سے ہے خرابی، **غَال** تباہ کر دیا، بگاڑ دیا، مطلب یہ ہے کہ دنیوی شراب کی طرح جنت کی شراب میں کوئی خرابی نہیں ہو گی، نہ پیٹ میں اینٹھن ہو گی، نہ درد سر، نہ قے، نہ پیشاب، نہ ہوش و خرد کا بگاڑ۔

وَلَا هُمْ عَنْهَا يُنْزَفُوْنَ: نہ اس سے ان کو نشہ چڑھے گا، یہ نزف الشارب سے لیا گیا ہے جبکہ اس کی عقل چلی جائے، نشے والے کو نزیف اور منزوف یعنی مسلوب العقل کہا جاتا ہے۔

يُنْزَفُوْنَ، نَزِف الشارب پینے والے کی عقل جاتی رہی۔ **اَنْزَفَ الشارب** (باب افعال سے) پینے والے کی عقل یا شراب ختم ہو گئی۔ **نَزْفٌ** کا اصل لغوی ترجمہ ہے کسی چیز کا ختم ہو جانا، یہ لازم بھی ہے اور متعدی بھی، کذا فی القاموس۔ نزف سے باب افعال کا وزن معنی کی کثرت اور شدت پر دلالت کرتا ہے، یعنی خمر جنت کے پینے سے پینے والوں کی عقل بالکل زائل نہیں ہو گی اور نہ وہ پینا ختم کریں گے۔ عقل کا بگاڑ اور مشروب کا ختم ہو جانا پینے والے کیلئے بہت ہی تکلیف دہ ہوتا ہے۔ (مظہری)

امام شعبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کے پینے سے ان کی عقل پر پردہ نہیں پڑے گا، کلبی رحمہ اللہ کا قول ہے کہ جنت کی شراب پی کر کوئی گناہ نہیں کر سکے گا، قتادہ رحمہ اللہ نے اس کا معنی کیا ہے کہ اس کو

پیٹ کی بیماری نہیں لگے گی، حسن رحمہ اللہ کا قول ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ سر میں کوئی خرابی پیدا نہیں ہو گی۔

اہل معانی کہتے ہیں کہ غول کا معنیٰ ہے پوشیدہ بیماری کا لگ جانا جیسے کہا جاتا ہے، اغتالہ اغتیالاً، جس کے کام میں خفیہ طور پر فساد برپا کیا جائے اور دنیا کی شراب میں مختلف قسم کی انواع میں فساد ہوتا ہے۔ ان میں سے نشہ، عقل کا زائل ہو جانا بطن کا جاری ہونا، قے کا آنا، بار بار پیشاب کا آنا، جب کہ جنت کی شراب سے کسی قسم کی کوئی تکلیف نہیں ہو گی، نَزَفَ الرَّجُل کہا جاتا ہے جس کی عقل پر پردہ پڑ جائے اور نزیف کہا جاتا ہے جب اس کو نشہ آجائے اور جن حضرات کے نزدیک زاء کے کسرہ کے ساتھ ہے، ان کے نزدیک اس کا معنی یہ ہے کہ اس کا پینا ان کی عقل کو زائل نہیں کرے گا۔ جیسے انزف الرجل اس شخص کی عقل ختم ہو گئی یا شراب ختم ہو گئی جب کہ وہ شراب کو پی لے۔

اس میں صرف سرور ہی سرور، لذت ہی لذت، لطافت ہی لطافت ہو گی۔ نشہ، خمار دوران سر، وغیرہ کی ساری تکلیف دہ کیفیات سے جو دنیا کی لطیف سے لطیف شرابوں کا بھی جزو ہوتی ہیں، وہ یکسر خالی ہو گی، غرض یہ کہ دنیا کی شرابوں اور اس شراب طہور کے درمیان بجز نام کے اور کوئی چیز مشترک نہ ہو گی۔ (تفسیر ماجدی)

لَعَمْرِی لَئِنْ أَنْزَفْتُمْ أَوْ صَحَوْتُمْ ... لَبِئْسَ النَّدَامَى كُنْتُمْ آلَ أَبْجَرَا

اہل جنت کی پاکباز بیویاں

سوال اس آیت کریمہ کی تفسیر کیجیے

وَعِنْدَهُمْ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ عِيْنٌ {۴۸} كَاَنَّهُنَّ بَيْضٌ مَّكْنُوْنٌ {۴۹} الصافات.

جواب ترجمہ: اور ان کے پاس بڑی آنکھوں والی بیویاں ہوں گی جن کی نظریں نیچی ہوں گی۔ (ان کا بے داغ وجود) ایسا لگے گا جیسے وہ (گرد و غبار سے) چھپا کر رکھے ہوئے انڈے ہوں۔

خلاصہ تفسیر: اہل جنت کے پاس نیچی نگاہوں والی شرمیلی نظروں والی پاک دامن عفیفہ حوریں ہیں جن کی نگاہ اپنے خاوندوں کے چہرے کے سوا کبھی کسی کے چہرے پر نہیں پڑتی اور نہ پڑے گی۔ بڑی

بڑی موٹی موٹی رسیلی آنکھیں ہیں حسن صورت حسن سیرت دونوں چیزیں ان میں موجود ہیں۔

جس طرح حضرت زلیخا نے حضرت یوسف علیہ السلام میں یہ دونوں خوبیاں دیکھیں، عورتوں نے جب انہیں طعنے دینے شروع کئے تو ایک دن سب کو بلا کر بٹھالیا اور حضرت یوسف علیہ السلام کا پورا بناؤ سنگھار کرا کر بلایا عورتوں کی نگاہیں ان کے جمال کو دیکھ کر خیرہ ہو گئیں اور بے ساختہ ان کے منہ سے نکل گیا کہ یہ تو فرشتہ ہیں۔

اسی وقت کہا یہی تو ہیں جن کے بارے میں تم سب مجھے ملامت کر رہی تھیں واللہ میں نے ان کو ہر چند اپنی طرف مائل کرنا چاہا لیکن یہ پاک دامن ہی رہا۔ یہ باوجود جمال ظاہری کے حسن باطنی بھی رکھتا ہے، بڑا پاکباز امین پارسا متقی پرہیز گار ہے۔

اسی طرح حوریں ہیں کہ جمال ظاہری کے ساتھ ہی باطنی خوبی بھی اپنے اندر رکھتی ہیں۔ پھر ان کا مزید حسن بیان ہو رہا ہے کہ ان کا گورا گورا جسم اور بھبو کا سا رنگ ایسا چمکیلا دلکش اور جاذب نظر ہے کہ گویا محفوظ موتی، جس تک کسی کا ہاتھ نہ پہنچا ہو، جو سیپ سے نہ نکلا ہو جسے زمانے کی ہوا نہ لگی ہو جو اپنی آبداری میں بے مثل ہو ایسے ہی ان کے اچھوتے جسم ہیں، یہ بھی کہا گیا کہ گویا وہ انڈے کی طرح ہیں۔ انڈے کے اوپر کے چھلکے کے نیچے چھوٹے چھلکے جیسے ان کے بدن ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر)

ایک حدیث میں ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے سوال پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حور عین سے مراد بہت بڑی آنکھوں والی سیاہ پلکوں والی حوریں ہیں۔ پھر پوچھا بیض مکنون سے کیا مراد ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا رِقَّتُهُنَّ كَرِقَّةِ الْجِلْدَةِ الَّتِي رَأَيْتَهَا فِي دَاخِلِ الْبَيْضَةِ، التی تلی القشر وهی الغِرْقِئ انڈے کے اندر کی سفید جھلی کی طرح نرم و نازک ہیں۔

ابن ابی حاتم میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں أَنَا أَوَّلُ النَّاسِ خُرُوجًا إِذَا بُعِثُوا، وَأَنَا خَطِيبُهُمْ إِذَا وَفَدُوا، وَأَنَا مُبَشِّرُهُمْ إِذَا حَزِنُوا، وَأَنَا شَفِيعُهُمْ إِذَا حُبِسُوا، لِوَاءُ الْحَمْدِ يَوْمَئِذٍ بِيَدِي، وَأَنَا أَكْرَمُ وَلَدِ آدَمَ عَلَى رَبِّي عَزَّ وَجَلَّ وَلَا فَخْرَ، يَطُوفُ عَلَيَّ أَلْفُ خَادِمٍ كَأَنَّهُنَّ الْبَيْضُ الْمَكْنُونُ (بیہقی فی دلائل النبوۃ)

جب لوگ قبروں سے اٹھائے جائیں گے تو سب سے پہلے میں کھڑا کیا جاؤں گا اور جبکہ وہ جناب باری میں پیش ہوں گے تو میں ان کا خطیب بنوں گا اور جب وہ غمگین ہو رہے ہوں گے تو میں انہیں خوشخبریاں سنانے والا ہوں گا اور ان کا سفارشی بنوں گا جب کہ یہ رکے ہوئے ہوں گے۔ حمد کا جھنڈا اس دن میرے ہاتھ میں ہو گا۔ حضرت آدم کی اولاد میں سے سب سے زیادہ اللہ کے ہاں اکرام و عزت والا میں ہوں یہ میں بطور فخر کے نہیں کہہ رہا۔ میرے آگے پیچھے قیام کے دن ایک ہزار خادم گھوم رہے ہوں گے جو مثل چھپے ہوئے انڈوں یا اچھوت موتیوں کے ہوں گے۔

انسان کی کوئی لذت و خوشی بھی عورت کے بغیر مکمل نہیں ہوتی اس وجہ سے جنت کی نعمتوں کے بعد یہ ان حوروں کا ذکر ہوا جو اہل جنت کو ملیں گی۔

جنت کے ذکر میں آپ نے دیکھا کہ عربوں کے خاص ذوق کا لحاظ ہے اس لئے کہ وہی قرآن کے مخاطب اول تھے اسی طرح حوروں کے ذکر میں بھی تشبیہ و تعریف کے وہی الفاظ استعمال ہوئے ہیں جو شعرائے عرب کنواریوں اور نازنینوں کے لئے استعمال کرتے تھے۔

قَاصِرَاتُ الطَّرْفِ: کے اصل معنی ہیں نگاہیں نیچی رکھنے والیاں یہ ان کے باحیا ہونے کی تعبیر ہے۔ اہل عرب عورت کا سب سے بڑا حسن اس کی حیا کو قرار دیتے تھے۔ **عین** جمع ہے **اعین** کی یعنی وہ بڑی آنکھوں والیاں غزال چشم ہوں گی۔

كَاَنَّهُنَّ بَيْضٌ مَّكْنُوْنٌ: بیض مکنون سے شتر مرغ کے انڈے مراد ہیں۔ کلام عرب میں نازنینوں کی تشبیہ شتر مرغ کے انڈوں سے بکثرت ملتی ہے اور غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس تشبیہ میں عفت، صیانت اور رنگ تینوں چیزوں کا لحاظ رکھتے ہیں۔ مکنون سے ان کے اچھوتے ہونے کی طرف اشارہ ہے۔

یہ امر یہاں ملحوظ رہے کہ جس طرح اہل عرب کنواریوں کی حفاظت میں بڑے غیور و حساس تھے اسی طرح شتر مرغ بھی اپنے انڈوں کی حفاظت میں جان لڑا دیتا ہے۔ تشبیہ میں یہاں سنہرے رنگ کے انڈے مراد ہیں۔ نازنینوں کے سنہرے رنگ کا شعرائے عرب بہت ذکر کرتے ہیں۔ مشرقہ کے

لئے وصفراء کی صفت ان کے ہاں بہت معروف ہے۔ (تدبر قرآن)

اہل جنت کے باہمی سوالات

سوال ان آیات کریمات کی تفسیر کیجیے

فَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ يَّتَسَآءَلُوْنَ {۵۰} قَالَ قَآئِلٌ مِّنْهُمْ اِنِّيْ كَانَ لِيْ قَرِيْنٌ {۵۱} يَّقُوْلُ اَئِنَّكَ لَمِنَ الْمُصَدِّقِيْنَ {۵۲} ءَاِذَا مِتْنَا وَ كُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا لَمَدِيْنُوْنَ {۵۳} قَالَ هَلْ اَنْتُمْ مُّطَّلِعُوْنَ {۵۴} فَاطَّلَعَ فَرَاٰهُ فِيْ سَوَآءِ الْجَحِيْمِ {۵۵} قَالَ تَاللّٰهِ اِنْ كِدْتَّ لَتُرْدِيْنِ {۵۶} وَلَوْلَا نِعْمَةُ رَبِّيْ لَكُنْتُ مِنَ الْمُحْضَرِيْنَ {۵۷} اَفَمَا نَحْنُ بِمَيِّتِيْنَ {۵۸} اِلَّا مَوْتَتَنَا الْاُوْلٰى وَمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِيْنَ {۵۹} اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ {۶۰} لِمِثْلِ هٰذَا فَلْيَعْمَلِ الْعٰمِلُوْنَ {۶۱} الصافات

جواب ترجمہ: پھر جنتی لوگ ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہو کر آپس میں سوالات کریں گے۔ ان میں سے ایک کہنے والا کہے گا کہ میرا ایک ساتھی تھا۔ جو (مجھ سے) کہا کرتا تھا کہ کیا تم واقعی ان لوگوں میں سے ہو جو (آخرت کی زندگی کو) سچ مانتے ہیں؟ کیا جب ہم مٹی اور ہڈیوں میں تبدیل ہو جائیں گے تو کیا واقعی ہمیں (اپنے کاموں کا) بدلہ دیا جائے گا؟ وہ جنتی (دوسرے جنتیوں سے) کہے گا کہ کیا تم (میرے اس ساتھی) کو جھانک کر دیکھنا چاہتے ہو؟ پھر وہ خود (دوزخ میں) جھانک کر دیکھے گا تو اسے دوزخ کے بیچوں بیچ نظر آئے گا۔ وہ جنتی (اس سے) کہے گا کہ اللہ کی قسم! تم تو مجھے بالکل ہی برباد کرنے لگے تھے اور اگر میرے پروردگار کا فضل شامل حال نہ ہوتا تو اور لوگوں کے ساتھ بھی مجھے دھر لیا جاتا۔ (پھر وہ خوشی کے عالم میں اپنے جنتی ساتھیوں سے کہے گا) اچھا تو کیا اب ہمیں موت نہیں آئے گی؟ سوائے اس موت کے جو ہمیں پہلے آچکی؟ اور ہمیں عذاب بھی نہیں ہو گا؟ حقیقت یہ ہے کہ زبردست کامیابی یہی ہے۔ اسی جیسی کامیابی کے لیے عمل کرنے والوں کو عمل کرنا چاہیے۔

خلاصہ تفسیر: اہل جنت کے عمومی حالات بیان فرمانے کے بعد ایک جنتی کا خاص طور پر تذکرہ کیا گیا ہے، کہ وہ جنت کی مجلس میں پہنچنے کے بعد اپنے ایک کافر دوست کو یاد کرے گا جو دنیا میں آخرت کا

منکر تھا اور پھر اللہ تعالیٰ کی اجازت سے اسے جہنم کے اندر جھانک کر اس سے باتیں کرنے کا موقع دیا جائے گا، قرآن کریم میں اس شخص کا کچھ نام و پتہ نہیں بتایا گیا۔ اس لئے یقین کے ساتھ نہیں کہا جاسکتا کہ یہ کون ہو گا؟ تاہم بعض مفسرین نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ اس مومن شخص کا نام یہوداہ اور اس کے کافر ملاقاتی کا نام مطروس ہے۔ (تفسیر مظہری)

علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ جب جنتی موج مزے اڑاتے ہوئے، بے فکری اور فارغ البالی کے ساتھ جنت کے بلند و بالا خانوں میں عیش و عشرت کے ساتھ آپس میں مل جل کر تختوں پر تکئے لگائے بیٹھے ہوں گے ہزارہا پری جمال خدام سلیقہ شعاری سے کمربستہ خدمت پر مامور ہوں گے، حکم احکام دے رہے ہوں گے، قسم قسم کے کھانے پینے پہننے اوڑھنے اور طرح طرح کی لذتوں سے فائدہ حاصل کرنے میں مصروف ہوں گے۔

دور شراب طہور چل رہا ہو گا وہاں باتوں ہی باتوں میں یہ ذکر نکل آئے گا کہ دنیا میں کیا کیا گذری؟ کیسے کیسے دن کٹے؟

اس پر ایک شخص کہے گا میری سنو میرا شیطان میرا ایک مشرک ساتھی تھا جو مجھ سے اکثر کہا کرتا تھا کہ تعجب سا تعجب ہے کہ تو اس بات کو مانتا ہے کہ جب ہم مر کر مٹی میں مل کر مٹی ہو جائیں، ہم کھوکھلی بوسیدہ سڑی گلی ہڈی بن جائیں، اس کے بعد بھی ہم حساب کتاب جزا سزا کے لیے اٹھائے جائیں گے، مجھے وہ شخص جنت میں تو نظر آتا نہیں کیا عجب کہ وہ جہنم میں گیا ہو تو اگر چاہو تو میرے ساتھ چل کر جھانک کر دیکھ لو جہنم میں اس کی کیا درگت ہو رہی ہے؟

اب جو جھانکتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ وہ شخص سر تا پا جل رہا ہے، خود وہ آگ بن رہا ہے، جہنم کے درمیان میں کھڑا ہے اور بے بسی کے ساتھ جل بھن رہا ہے اور ایک اسے ہی کیا دیکھے گا کہ تمام بڑے بڑے لوگوں سے جہنم بھرا ہے۔

کعب احبار رحمہ اللہ فرماتے ہیں جنت میں اسے دیکھتے ہی کہے گا کہ حضرت! آپ نے تو وہ پھندا ڈالا تھا کہ مجھے تباہ ہی کر ڈالتے لیکن اللہ کا شکر ہے کہ اس نے تمہارے پنجے سے چھڑا دیا، اگر اللہ تعالیٰ کا فضل و

کرم میرے شامل حال نہ ہوتا تو بڑی بری درگت ہوتی اور میں بھی تیرے ساتھ کھنچا کھنچا یہیں جہنم میں آجاتا اور جلتا رہتا۔ اللہ کا شکر ہے کہ اس نے تیری تیز کلامی چرب زبانی سے مجھے عافیت میں رکھا اور تیرے اثر سے مجھے محفوظ رکھا۔ تو نے تو فتنے بپا کرنے میں کوئی کمی باقی نہیں رکھی تھی۔

اب مومن ایک اور بات کہتا ہے جس میں اس کی اپنی تسکین اور کامیابی کی خبر ہے کہ وہ پہلی موت تو مر چکا ہے اب ہمیشہ کے گھر میں ہے نہ یہاں اس پر موت ہے نہ خوف ہے نہ عذاب ہے نہ وبال ہے اور یہی بہترین کامیابی فلاح ابدی ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا فرمان ہے کہ جنتیوں سے کہا جائے گا کہ اپنے اعمال کے بدلے اپنی پسند کا جتنا چاہے کھاؤ پیو اس میں اشارہ ہے اس امر کی طرف کہ جنتی جنت میں مریں گے نہیں تو وہ یہ سن کر سوال کریں گے کہ کیا اب ہمیں موت تو نہیں آنے کی۔ کسی وقت عذاب تو نہیں ہو گا؟ تو جواب ملے گا نہیں ہر گز نہیں، چونکہ انہیں کھٹکا تھا کہ موت آکر یہ لذتیں فوت نہ کر دے جب یہ دھڑکا ہی جاتا رہا تو وہ سکون کا سانس لے کر کہیں گے شکر ہے یہ تو کھلی کامیابی ہے اور بڑی ہی مقصد یاوری ہے۔

اس کے بعد فرمایا ایسے ہی بدلے کے لیے عاملوں کو عمل کرنا چاہیے قتادہ تو فرماتے ہیں یہ اہل جنت کا مقولہ ہے۔ امام ابن جریر فرماتے ہیں اللہ کا فرمان ہے مطلب یہ ہے کہ ان جیسی نعمتوں اور رحمتوں کے حاصل کرنے کے لیے لوگوں کو دنیا میں بھرپور رغبت کے ساتھ عمل کرنا چاہیے، تاکہ انجام کار ان نعمتوں کو حاصل کر سکیں۔ (ابن کثیر)

علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ نے اسی کے ساتھ ملتا جلتا ایک قصہ اور لکھا ہے کہ دو شخص آپس میں شریک تھے ان کے پاس آٹھ ہزار اشرفیاں جمع ہو گئیں ایک چونکہ پیشے حرفے سے واقف تھا اور دوسرا ناواقف تھا اس لیے اس واقف کار نے ناواقف سے کہا کہ اب ہمارا نباہ مشکل ہے آپ اپنا حق لے کر الگ ہو جایئے کیونکہ آپ کام کاج سے ناواقف ہیں۔

چنانچہ دونوں نے اپنے اپنے حصے الگ الگ کر لیے اور جدا جدا ہو گئے۔ پھر اس حرفے والے نے بادشاہ کے مر جانے کے بعد اس کا شاہی محل ایک ہزار دینار میں خریدا اور اپنے اس ساتھی کو بلا کر اسے

دکھایا اور کہا بتاؤ میں نے کیسی چیز لی؟

اس نے بڑی تعریف کی اور یہاں سے باہر چلا گیا، اللہ تعالیٰ سے دعا کی اور کہا اللہ اس میرے ساتھی نے تو ایک ہزار دینار کا قصر دنیاوی خرید کیا ہے اور میں تجھ سے جنت کا محل چاہتا ہوں میں تیرے نام پر تیرے مسکین بندوں پر ایک ہزار اشرفی خرچ کرتا ہوں چنانچہ اس نے ایک ہزار دینار اللہ کی راہ میں خرچ کر دیئے، پھر اس دنیادار شخص نے ایک زمانہ کے بعد ایک ہزار دینار خرچ کر کے اپنا نکاح کیا ، دعوت میں اپنے اس پرانے شریک کو بھی بلایا اور اس سے ذکر کیا کہ میں نے ایک ہزار دینار خرچ کر کے اس عورت سے شادی کی ہے۔

اس نے اس کی بھی تعریف کی، باہر آکر اللہ تعالیٰ کی راہ میں ایک ہزار دینار دیئے اور اللہ تعالیٰ سے عرض کی کہ یاالٰہی! میرے ساتھی نے اتنی ہی رقم خرچ کر کے یہاں ایک عورت حاصل کی ہے اور اس رقم سے تجھ سے میں حور عین کا طالب ہوں اور وہ رقم اللہ کی راہ میں صدقہ کر دی۔

پھر کچھ مدت کے بعد اس نے اسے بلا کر کہا کہ دو ہزار کے دو باغ میں نے خرید کئے ہیں دیکھ لو کیسے ہیں ؟ اس نے دیکھ کر بہت تعریف کی اور باہر آکر اپنی عادت کے مطابق جناب باری تعالیٰ میں عرض کی کہ اے اللہ! میرے ساتھی نے دو ہزار کے دو باغ یہاں کے خریدے ہیں میں تجھ سے جنت کے دو باغ چاہتا ہوں اور یہ دو ہزار دینار تیرے نام پر صدقہ ہیں، چنانچہ اس رقم کو مستحقین میں تقسیم کر دیا۔

پھر فرشتہ ان دونوں کو فوت کر کے لے گیا، اس صدقہ کرنے والے کو جنت کے ایک محل میں پہنچایا گیا، جہاں پر ایک بہترین حسین عورت بھی اسے ملی اور اسے دو باغ بھی دیئے گئے اور وہ وہ نعمتیں ملیں جنہیں بجز اللہ کے اور کوئی نہیں جانتا تھا، تو اسے اس وقت اپنا وہ ساتھی یاد آگیا، فرشتے نے بتایا کہ وہ تو جہنم میں ہے، تم اگر چاہو تو جھانک کر اسے دیکھ سکتے ہو۔

اس نے جب اسے بیچ جہنم میں جلتا دیکھا تو اس نے کہا کہ قریب تھا کہ تو مجھے بھی چکمہ دے جاتا اور یہ تو رب کی مہربانی ہوئی کہ میں بچ گیا۔

ایک روایت میں ہے کہ تین تین ہزار دینار تھے، ایک کافر تھا ایک مومن تھا جب یہ مومن

اپنی کل رقم راہ اللہ خرچ کر چکا تو ٹوکری سر پر رکھ کر کدال پھاوڑا لے کر مزدوری کے لیے چلا، اسے ایک شخص ملا اور کہا اگر تو میرے جانوروں کی دیکھ بھال کرے اور گوبر اٹھائے تو میں تجھے کھانے پینے کو دے دوں گا، اس نے منظور کر لیا اور کام شروع کر دیا، لیکن یہ شخص بڑا بے رحم، بدگمان تھا جہاں اس نے کسی جانور کو بیمار یا دبلا پتلا دیکھا اس مسکین کی گردن توڑتا خوب مارتا پیٹتا اور کہتا کہ اس کا دانہ تو چرا لیتا ہو گا، اس مسلمان سے یہ سختی برداشت نہ کی گئی تو ایک دن اس نے اپنے دل میں خیال کیا کہ میں اپنے کافر شریک کے ہاں چلا جاؤں، اس کی کھیتی ہے، باغات ہیں، وہاں کام کاج کر دوں گا اور وہ مجھے روٹی ٹکڑا دے دیا کرے گا اور مجھے کیا لینا دینا ہے؟

وہاں جو پہنچا تو شاہی ٹھاٹھ دیکھ کر حیران ہو گیا، ایک بلند بالا محل ہے دربان ڈیوڑھی اور پہرے دار کی چوکی دار غلام لونڈیاں سب موجود ہیں، یہ ٹھٹکا اور دربانوں نے اسے روکا، اس نے ہر چند کہا کہ تم اپنے مالک سے میرا ذکر تو کرو انہوں نے کہا اب وقت نہیں تم ایک کونے میں پڑے رہو، صبح جب وہ نکلیں تو خود سلام کر لینا اگر تم سچے ہو تو وہ تمہیں پہچان ہی لیں گے ورنہ ہمارے ہاتھوں تمہاری پوری مرمت ہو جائے گی۔

اس مسکین کو یہی کرنا پڑا، جو کمبل کا ٹکڑا یہ جسم سے لپیٹے ہوئے تھا اسی کو اس نے اپنا اوڑھنا بچھونا بنایا اور ایک کونے میں دبک کر پڑ گیا، صبح کے وقت اس کے راستے پر جا کھڑا ہوا، جب وہ نکلا اور اس پر نگاہ پڑی تو تعجب کرتے ہوئے پوچھا کہ ہیں؟ یہ کیا حالت ہے مال کا کیا ہوا؟ اس نے کہا وہ کچھ نہ پوچھ اس وقت تو میرا کام جو ہے اسے پورا کر دو یعنی مجھے اجازت دو کہ میں تمہاری کھیتی باڑی کا کام مثل اور نوکروں کے کروں اور آپ مجھے صرف کھانا دے دیا کیجئے اور جب یہ کمبل پھٹ ٹوٹ جائے تو ایک کمبل اور خرید دینا۔

اس نے کہا نہیں نہیں میں اس سے بہتر سلوک تمہارے ساتھ کرنے کے لیے تیار ہوں لیکن پہلے تم یہ بتاؤ کہ اس رقم کو تم نے کیا کیا؟ کہا میں نے اسے ایک شخص کو قرض دیا ہے۔ کہا کسے؟ کہا ایسے کو جو نہ لے کر مکرے نہ دینے سے انکار کرے کہا وہ کون ہے؟ اس نے جواب دیا وہ اللہ تعالیٰ ہے جو میرا

اور تیرارب ہے۔

یہ سنتے ہی اس کافر نے اس مسلمان کے ہاتھ سے ہاتھ چھڑالیا اور اس سے کہا احمق ہو، اہے یہ ہو بھی سکتا ہے کہ ہم مر کر مٹی ہو کر پھر جئیں اور اللہ ہمیں بدلے دے؟ جاجب تو ایسا ہی بودا اور ایسے عقیدوں والا ہے تو مجھے تجھ سے کوئی سروکار نہیں۔

یوں وہ کافر مزے اڑاتا رہا اور یہ مومن سختی سے دن گزارتا رہا، یہاں تک کہ دونوں کو موت آگئی۔ مسلمان کو جنت میں جو جو نعمتیں اور رحمتیں ملیں وہ اندازو شمار سے زیادہ تھیں اس نے جو دیکھا کہ حد نظر سے بلکہ ساری دنیا سے زیادہ تو زمین ہے اور بے شمار درخت اور باغات ہیں اور جابجانہریں اور چشمے ہیں تو پوچھا یہ سب کیا ہے؟ جواب ملا یہ سب آپ کا ہے۔

کہا سبحان اللہ! اللہ کی یہ تو بڑی ہی مہربانی ہے، اب جو آگے بڑھا تو اس قدر لونڈی غلام دیکھے کہ گنتی نہیں ہو سکتی، پوچھا یہ کس کے ہیں؟ کہا گیا سب آپ کے، اسے اور تعجب اور خوشی ہوئی، پھر جو آگے بڑھا تو سرخ یاقوت کے محل نظر آئے ایک موتی کا محل، ہر ہر محل میں کئی کئی حور عین، ساتھ ہی اطلاع ہوئی کہ یہ سب بھی آپ کا ہے پھر تو اس کی باچھیں کھل گئیں۔

کہنے لگا اللہ جانے میرا وہ کافر ساتھی کہاں ہو گا؟ اللہ اسے دکھائے گا کہ وہ بیچ جہنم میں جل رہا ہے۔ اب ان میں وہ باتیں ہوں گی جن کا ذکر یہاں ہوا ہے پس مومن پر دنیا میں جو بلائیں آئی تھیں انہیں وہ یاد کرے گا تو موت سے زیادہ بھاری بلا اسے کوئی نظر نہ آئے گی۔ (تفسیر ابن کثیر)

شجرہ زقوم کا کیا مطلب ہے؟

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

اَذٰلِكَ خَيْرٌ نُّزُلًا اَمْ شَجَرَةُ الزَّقُّوْمِ (٦٢) اِنَّا جَعَلْنٰهَا فِتْنَةً لِّلظّٰلِمِيْنَ (٦٣) اِنَّهَا شَجَرَةٌ تَخْرُجُ فِيْٓ اَصْلِ الْجَحِيْمِ (٦٤) طَلْعُهَا كَاَنَّهٗ رُءُوْسُ الشَّيٰطِيْنِ (٦٥) فَاِنَّهُمْ لَاٰكِلُوْنَ مِنْهَا فَمَالِـُٔوْنَ مِنْهَا الْبُطُوْنَ (٦٦) ثُمَّ اِنَّ لَهُمْ عَلَيْهَا لَشَوْبًا مِّنْ حَمِيْمٍ (٦٧) الصافات.

جواب ترجمہ: بھلا یہ مہمانی اچھی ہے، یا زقوم کا درخت؟ ہم نے اس درخت کو ان ظالموں کے لیے

ایک آزمائش بنادیا ہے۔ دراصل وہ درخت ہی ایسا ہے جو درزخ کی تہہ سے نکلتا ہے۔ اس کا خوشہ ایسا ہے جیسے شیطانوں کے سر۔ چنانچہ دوزخی لوگ اسی میں سے خوراک حاصل کریں گے، اور اسی سے پیٹ بھریں گے۔ پھر انہیں اس کے اوپر سے کھولتے ہوئے پانی کا آمیزہ ملے گا۔

خلاصہ تفسیر: اس آیت میں نُزُل کا لفظ ہے، نُزُل کا معنٰی ہے کسی چیز کا بلندی سے نیچے گرنا، گھر آنے والے یعنی مہمان کو نازل کہا جاتا ہے اور مہمان کی ضیافت کے لیے جو کھانے پینے کی چیزیں پیش کی جاتی ہیں ان کو نُزُل کہتے ہیں، قرآن مجید میں ہے نُزُلًا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ (آل عمران: ۱۹۸) یہ اللہ کی طرف سے مہمانی ہے أَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فَلَهُمْ جَنَّاتُ الْمَأْوَى نُزُلًا بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ (السجدہ: ۱۹) رہے وہ لوگ جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے تو ان کی رہائش کے لیے باغات ہیں یہ ان کے نیک کاموں کی جزاء کی مہمانی ہے۔

زقوم نام کا ایک درخت جزیرہ عرب کے علاقہ تہامہ میں پایا جاتا ہے، اور علامہ آلوسی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ یہ دوسرے بنجر صحراؤں میں بھی ہوتا ہے۔ بعض حضرات نے فرمایا ہے یہ وہی درخت ہے جسے اردو میں "تھوہڑ" کہتے ہیں، اسی کے قریب قریب کا ایک اور درخت ہندوستان میں "ناگ پھن" کے نام سے معروف ہے۔ بعض حضرات نے اس کو زقوم قرار دیا ہے اور یہ زیادہ قرین قیاس ہے۔ (معارف القرآن) آیت میں شجرۃ الزقوم کا لفظ ہے اس کا معنٰی ہے تھوہر کا درخت، یہ دوزخ میں سخت بدذائقہ درخت ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لَوْ أَنَّ قَطْرَةً مِنَ الزَّقُّومِ قُطِرَتْ فِي دَارِ الدُّنْيَا لَأَفْسَدَتْ عَلَى أَهْلِ الدُّنْيَا مَعَايِشَهُمْ، فَكَيْفَ بِمَنْ يَكُونُ طَعَامَهُ؟ (ترمذی) اگر درخت زقوم کا ایک قطرہ بھی دنیاوالوں پر گرادیا جائے تو ان کی زندگی فاسد ہو جائے گی تو ان لوگوں کا کیا حال ہو گا جن کا طعام ہی زقوم ہو گا۔

اس میں اختلاف ہے کہ شجرۃ الزقوم دنیا کے درختوں سے ہے یا نہیں اور اہل عرب اس کو پہچانتے تھے یا نہیں؟ ایک قول یہ ہے کہ یہ دنیا کا معروف درخت ہے یہ سخت کڑوا اور بدذائقہ ہوتا

ہے،اس کو توڑنے سے اس میں سے زہریلا دودھ نکلتا ہے جو اگر جسم پر لگ جائے تو وہاں پر ورم آجاتا ہے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ یہ دنیا میں معروف درخت نہیں ہے، جب شجرۃ الزقوم کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی تو کفار قریش نے کہا ہم اس درخت کو نہیں پہچانتے۔

ابن الزبعری نے کہا زقوم بربر والوں کی زبان میں مکھن اور کھجور کو کہتے ہیں، ابو جہل لعنہ اللہ نے اپنی باندی سے کہا: میرے لیے مکھن اور کھجور لاؤ، پھر اپنے اصحاب سے کہا لو اس کو کھاؤ، (سیدنا) محمد ﷺ ہم کو اس سے ڈراتے ہیں کہ یہ درخت دوزخ میں اگتا ہے حالانکہ آگ درخت کو جلا دیتی ہے اس نے آپ کا مذاق اڑاتے ہوئے کہا جس چیز سے (سیدنا) محمد ﷺ ڈرا رہے ہیں وہ تو دراصل مکھن اور کھجور ہے۔ (تفسیر تبیان القرآن)

کفار وغیرہ نے یہ اعتراض کیا تھا کہ آگ تو درخت کو جلا دیتی ہے پھر دوزخ میں درخت کیسے ہو سکتا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے اس اعتراض کے جواب میں یہ آیت نازل فرمائی کہ اللہ تعالیٰ نے اس درخت کو پیدا ہی دوزخ کی جڑ میں کیا ہے چونکہ اس درخت کی اصل آگ ہے اس لیے یہ آگ میں ہی پھلا پھولا ہے، اس کی نظیر یہ ہے کہ مچھلی پانی میں زندہ رہتی ہے اور پانی میں غرق نہیں ہوتی جب کہ دوسرے جاندار پانی میں غرق ہو جاتے ہیں اللہ تعالیٰ مالک اور خالق ہے وہ چاہے تو پانی میں زندہ مخلوق پیدا کر دے اور وہ چاہے تو آگ میں زندہ مخلوق پیدا کر دے۔ (تفسیر تبیان القرآن)

اشکال: اللہ تعالیٰ نے اس کے شگوفوں کو شیطانوں کے سر کی طرح قرار دیا ہے، اس بارے میں علامہ غلام رسول لکھتے ہیں کہ اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ کفار نے شیطانوں کے سروں کو تو نہیں دیکھا تھا پھر شجرۃ الزقوم کے شگوفوں کو شیطانوں کے سروں سے تشبیہ دینے کا کیا فائدہ ہے؟ اس کے حسب ذیل جوابات ہیں:

جواب ① شیطانوں کے سروں کی بدہئیتی اور بدصورتی ان کے دلوں اور دماغوں میں جاگزیں تھی ہر چند کہ انہوں نے شیطانوں کے سروں کو نہیں دیکھا تھا پھر بھی ان کے خیالوں میں وہ بہت بھیانک اور ڈراؤنے تھے جیسے لوگ ان دیکھے غول بیابان سے ڈرتے ہیں اور بچے بھوتوں، چڑیلوں اور

ڈائنوں سے ڈرتے ہیں اور جس طرح لوگوں کے دماغوں میں یہ مرکوز ہے کہ پری بہت حسین ہوتی ہے اس لیے وہ کسی حسین لڑکی کو پری کہتے ہیں اگرچہ انہوں نے پری کو نہیں دیکھا یا جس طرح وہ کسی نیک آدمی کو فرشتہ کہتے ہیں اگرچہ انہوں نے فرشتہ کو نہیں دیکھا۔

جواب ② اس سے مراد سانپ کے سر ہیں اور عرب کے لوگ سانپ کے سر کو بہت دہشت ناک خیال کرتے تھے۔

جواب ③ مقاتل رحمہ اللہ نے کہا کہ مکہ اور یمن کے راستہ میں ڈراؤنے درخت ہیں جن کو عرب کے لوگ شیطان کے سر کہتے تھے۔ (تفسیر تبیان القرآن)

اہل دوزخ اس درخت سے کھائیں گے، اللہ نے اسے گناہ گاروں کے لیے کھانے کی چیز قرار دیا ہے، یہ شکم سیر ہو کر زقوم کے درخت سے کھائیں گے، یہ درخت بہت ہی کڑوا اور بہت ہی بدذائقہ ہو گا، سخت ترین بھوک انہیں ستا رہی ہو گی، وہ اس کڑوے، کسیلے اور بدذائقہ درخت سے کھائیں گے، حالانکہ کڑوا، کسیلا، بدذائقہ درخت اور اس کا پھل کھانا کوئی آسان کام نہیں ہے، مگر دنیا میں سخت بھوک اور پیاس کا ستایا ہوا، مردار بھی کھا جاتا ہے، گندی چیزیں کھا جاتا ہے تاکہ کسی طرح اس کے پیٹ کی دوزخ بجھ سکے، بھوک کی شدت مٹ سکے۔

پھر اللہ کے فرشتے ان کو زبردستی اس درخت کے پھل کھانے کا کہیں گے وہ اسے نہیں کھانا چاہیں گے مگر فرشتے انہیں وہ جبری طور پر انہیں کھلائیں گے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ان کے لیے پیپ کی آمیزش والا گرم، کھولتا ہوا پانی ہو گا، جب شجرہ زقوم کا کڑوا، کسیلا، بدذائقہ پھل کھا کر ان کا پیٹ بھر جائے گا تو اس کے بعد انہیں شدت کی پیاس ستائے گی، ان کو پیاس دور کرنے کے لیے کوئی چیز نہیں ملے گی، اللہ تعالیٰ انہیں پیپ ملا ہوا گرم پانی دیں گے، قرآن کریم میں اس مقام پر شوباً من حمیم فرمایا گیا ہے، شوبا اسے کہتے ہیں جس میں کسی چیز کی آمیزش ہو، چاہے اس میں لہو کی آمیزش ہو، چاہے اس میں پیپ کی آمیزش ہو، چاہے اس میں کسی اور چیز کی ملاوٹ ہو، یا تھوہر جیسے بدذائقہ، بدمزہ، کڑوے اور کسیلے درخت کے پھلوں کی آمیزش ہو، وہ

پانی اس قدر سخت گرم ہو گا کہ ان کے پیٹوں کو جلا دے گا اور ان کی انتڑیوں کو کاٹ ڈالے گا، یہ پانی ان کو کافی تاخیر سے پلایا جائے گا تاکہ ان کو مزید عذاب ہو، پہلے اللہ تعالیٰ نے ان کے کھانے کا عذاب ہونا بتایا اور اس آیت میں ان کے مشروب کا عذاب ہونا بتایا۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ انہیں پھر دوزخ کی طرف لوٹنا ہو گا، اس کی وضاحت کرتے ہوئے امام تفسیر حضرت مقاتل ارشاد فرماتے ہیں کہ شَجَرَةُ الزَّقُّوم سے ملے ہوئے گرم پانی کو پینے کے بعد پھر ان کا دوزخ کی طرف لوٹنا ہو گا، اس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ خون و پیپ سے آمیزش والا گرم پانی پینے کے وقت وہ لوگ دوزخ میں نہیں ہوں گے، یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ یہ آمیزش والا پانی دوزخ سے باہر کسی جگہ پر ہے، جو دوزخ ہی کا کوئی خاص حصہ ہے، جیسے جانوروں کو پانی پلانے کے لیے کسی خاص جگہ پر لیجایا جاتا ہے، اسی طرح جہنمیوں کو کھولتا ہوا، آمیزش شدہ گرم پانی پلانے کے لیے دوزخ ہی کے کسی خاص حصہ میں لیجایا جائے گا، جہاں انہیں کھولتا ہوا آمیزش والا پانی پلایا جائے گا۔

دوزخیوں کے لیے دوزخ میں چلے جانا، جہنم کی سخت ترین گرمی میں داخل ہو جانا ہی کتنا بڑا بھیانک عذاب تھا، پانی اور وہ بھی گرم، کھولتا ہوا، پیپ اور خون ملا ہوا انہیں کیوں پلایا جائے گا، اس کی وجہ اگلی آیت میں واضح کر دی گئی کہ وہ اپنے ان آباؤ اجداد کے پیروکار تھے جو راہ حق سے ہٹے ہوئے تھے، جو حق و صداقت کو چھوڑ کر محض اپنے بڑوں کی اندھی تقلید کرتے تھے، حق کو واضح کرنے والے دلائل، اندھوں کو چشم بصیرت دینے والے براہین، کور باطنوں کی دنیا بدل دینے والے معجزات ان پر کسی قسم کا اثر نہیں کرتے تھے، یہ اس قدر سنگدل تھے۔

یہ الٰہی اوامر اور تعلیمات انبیاء کرام علیہم السلام کا انکار کرتے تھے، اس لیے انہیں جہنم میں بھی گرم ترین، کھولتا ہوا، آمیزش شدہ اور ملاوٹ والا، آنتیں جلا دینے والا، اندرونی دنیا کو تباہ کر دینے والا پانی پلایا جائے گا۔

آباء پرستی کی گمراہی، منکرین کا عبرتناک انجام

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

ثُمَّ اِنَّ مَرْجِعَهُمْ لَاِلَى الْجَحِيْمِ {٦٨} اِنَّهُمْ اَلْفَوْا اٰبَآءَهُمْ ضَآلِّيْنَ {٦٩} فَهُمْ عَلٰٓى اٰثٰرِهِمْ يُهْرَعُوْنَ {٧٠} وَلَقَدْ ضَلَّ قَبْلَهُمْ اَكْثَرُ الْاَوَّلِيْنَ {٧١} وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا فِيْهِمْ مُّنْذِرِيْنَ {٧٢} فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُنْذَرِيْنَ {٧٣} اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ {٧٤} الصافات

جواب ترجمہ: پھر بلاشبہ ان کا لوٹنا دوزخ کی طرف ہو گا۔ بیشک انہوں نے باپ دادوں کو گمراہی کی حالت میں پایا۔ پھر ان کے نقش قدم پر تیزی کے ساتھ چلتے رہے۔ اور یہ واقعی بات ہے کہ ان سے پہلے اگلے لوگوں میں سے اکثر گمراہ ہو چکے ہیں۔ اور یہ بات واقعی ہے کہ ہم نے ان میں ڈرانے والے بھیجے ہیں۔ سو دیکھ لیجیے جن کو ڈرایا گیا ان کا کیا انجام ہوا۔ سوائے اللہ کے مخلص بندوں کے۔

خلاصہ تفسیر: ان آیاتِ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے کفار و مشرکین کی گمراہی کی ایک بڑی وجہ بیان فرمائی ہے کہ انہوں نے حق و باطل کو پرکھنے کے بجائے اندھی تقلید کا راستہ اختیار کیا۔ ارشاد فرمایا کہ

ثُمَّ اِنَّ مَرْجِعَهُمْ لَاِلَى الْجَحِيْمِ: جہنم کے عذاب کے بعد بھی ان کی واپسی دوبارہ اسی دہکتی آگ کی طرف ہو گی، یعنی وہ ایک عذاب سے دوسرے عذاب کی طرف منتقل ہوتے رہیں گے، اس سے قیامت کے عذاب کی شدت اور ہولناکی واضح ہوتی ہے کہ وہاں کفار کے لیے کسی لمحے راحت یا نجات نہ ہو گی۔ پھر فرمایا کہ

اِنَّهُمْ اَلْفَوْا اٰبَآءَهُمْ ضَآلِّيْنَ ۝ فَهُمْ عَلٰٓى اٰثٰرِهِمْ يُهْرَعُوْنَ: ان لوگوں نے اپنے آباء و اجداد کو گمراہی پر پایا اور بغیر کسی دلیل و برہان کے انہی کے نقشِ قدم پر چل پڑے، انہوں نے عقل، فطرت اور انبیاءِ کرام علیہم السلام کی دعوت پر غور کرنے کے بجائے صرف خاندانی رسم و رواج اور آبائی عقائد کو حق سمجھ لیا، یہی اندھی تقلید انہیں کفر و شرک کی گہرائیوں میں لے گئی، اللہ تعالیٰ نے واضح فرمایا کہ

وَلَقَدْ ضَلَّ قَبْلَهُمْ اَكْثَرُ الْاَوَّلِيْنَ: یہ کوئی نئی بات نہیں، بلکہ ان سے پہلے بھی بہت سی قومیں اسی طرح گمراہ ہو چکی ہیں۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا فِيْهِمْ مُّنْذِرِيْنَ: ان کے پاس بھی اللہ تعالیٰ نے رسول بھیجے تھے جو انہیں عذابِ الٰہی سے ڈراتے اور توحید و ہدایت کی دعوت دیتے تھے، مگر انہوں نے انکار اور تکذیب کا راستہ اختیار

کیا، اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ اور تمام انسانوں کو گزشتہ قوموں کے انجام پر غور کرنے کی دعوت دی کہ دیکھو،

فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُنْذَرِيْنَ: جن لوگوں نے اپنے رسولوں کی بات نہ مانی، ان کا انجام کس قدر ہولناک ہوا، دنیا میں بھی وہ ذلیل ورسوا ہوئے اور آخرت میں ہمیشہ کے لیے جہنم کا ایندھن بن گئے۔

اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ: البتہ وہ لوگ اس عذاب سے محفوظ رہے جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے لیے خالص کرلیا، یعنی جنہوں نے اخلاص کے ساتھ ایمان قبول کیا، انبیاءِ کرام علیہم السلام کی اطاعت کی اور حق کو پہچان کر اس کے سامنے سرِ تسلیم خم کردیا، یہی لوگ دنیا و آخرت کی حقیقی کامیابی اور نجات پانے والے ہیں۔

حضرت نوح علیہ السلام کا ذکر خیر جاری رہے گا

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

وَلَقَدْ نَادٰىنَا نُوْحٌ فَلَنِعْمَ الْمُجِيْبُوْنَ {۷۵} وَنَجَّيْنٰهُ وَاَهْلَهٗ مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيْمِ {۷۶} وَجَعَلْنَا ذُرِّيَّتَهٗ هُمُ الْبٰقِيْنَ {۷۷} وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْاٰخِرِيْنَ {۷۸} سَلٰمٌ عَلٰى نُوْحٍ فِي الْعٰلَمِيْنَ {۷۹} اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ {۸۰} اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ {۸۱} ثُمَّ اَغْرَقْنَا الْاٰخَرِيْنَ {۸۲} الصافات

جواب ترجمہ: اور یہ بات واقعی ہے کہ نوح نے ہمیں پکارا سو ہم کیا ہی خوب ہیں فریاد سننے والے۔ اور ہم نے نوح کو اور اس کے گھر والوں کو بڑے غم سے نجات دی۔ اور ہم نے اس کی ذریت کو باقی رہنے دیا۔ اور ہم نے ان کے لیے بعد کے آنے والوں میں یہ بات رہنے دی۔ کہ نوح پر سلام ہے جہانوں میں۔ بلاشبہ ہم مخلصین کو ایسا ہی بدلہ دیا کرتے ہیں۔ بلاشبہ وہ ہمارے مومن بندوں میں ہیں۔ پھر ہم نے دوسرے لوگوں کو غرق کردیا۔

خلاصہ تفسیر: حضرت نوح علیہ السلام اپنی قوم میں ساڑھے نو سو سال تک رہے اور ہر وقت انہیں سمجھاتے بجھاتے رہے لیکن قوم گمراہی پر جمی رہی سوائے چند پاک باز لوگوں کے کوئی ایمان نہ لایا، بلکہ ستاتے اور تکلیفیں دیتے رہے، آخر کار اللہ کے رسول نے تنگ آکر رب سے دعا کی کہ اللہ میں عاجز آگیا

تو میری مدد کر۔

اللہ کا غضب ان پر نازل ہوا اور تمام کفار کو تہ آب اور غرق کر دیا، تو فرماتا ہے کہ نوح نے تنگ آکر ہماری جناب میں دعا کی، ہم تو ہیں ہی بہترین طور پر دعاؤں کے قبول کرنے والے فوراً ان کی دعا قبول فرمالی اور اس تکذیب و ایذاء سے جو انہیں کفار سے روز مرہ پہنچ رہی تھی ہم نے بچالیا اور انہی کی اولاد سے پھر دنیا بسی، کیونکہ وہی باقی بچے تھے۔

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں تمام لوگ حضرت نوح علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں، ترمذی کی مرفوع حدیث میں اس آیت کی تفسیر میں ہے کہ سام، حام اور یافث کی اولاد پھیلی اور باقی رہی، مسند میں یہ بھی ہے کہ سام سارے عرب کے باپ ہیں اور حام تمام حبش کے اور یافث تمام روم کے۔

اس حدیث میں رومیوں سے مراد روم اول یعنی یونانی ہیں۔ جو رومی بن لیطی بن یوناں بن یافث بن نوح کی طرف منسوب ہیں۔ حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کے ایک لڑکے سام کی اولاد عرب، فارس اور رومی ہیں اور یافث کی اولاد ترک، صقالبہ اور یاجوج ماجوج ہیں اور حام کی اولاد قبطی، سوڈانی اور بربری ہیں۔

وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْآخِرِينَ: حضرت نوح علیہ السلام کی بھلائی اور ان کا ذکر خیر ان کے بعد کے لوگوں میں اللہ کی طرف سے زندہ رہا، تمام انبیاء علیہم السلام کی حق گوئی کا نتیجہ یہی ہوتا ہے ہمیشہ ان پر لوگ سلام بھیجتے رہیں گے اور ان کی تعریفیں بیان کرتے رہیں گے۔

سَلٰمٌ عَلٰى نُوْحٍ فِي الْعٰلَمِيْنَ: حضرت نوح علیہ السلام پر سلام ہو، یہ گویا اگلے جملے کی تفسیر ہے یعنی ان کا ذکر بھلائی سے باقی رہنے کے معنی یہ ہیں کہ ہر امت ان پر سلام بھیجتی رہتی ہے، ہماری یہ عادت ہے کہ جو شخص خلوص کے ساتھ ہماری عبادت و اطاعت پر جم جائے ہم بھی اس کا ذکر جمیل بعد والوں میں ہمیشہ کے لیے باقی رکھتے ہیں۔

حضرت نوح علیہ السلام یقین و ایمان رکھنے والوں توحید پر جم جانے والوں میں سے تھے، نوح علیہ السلام اور نوح والوں کا تو یہ واقعہ ہوا، لیکن نوح کے مخالفین غارت اور غرق کر دیئے گئے، ایک آنکھ جھپکنے والی

ان میں باقی نہ بچی، ایک خبر رساں زندہ نہ رہا، نشان تک باقی نہ بچا، ہاں ان کی ہڈیاں اور برائیاں رہ گئیں جن کی وجہ سے مخلوق کی زبان پر ان کے یہ بدترین افسانے چڑھ گئے۔ (ابن کثیر)

قتادہ رحمہ اللہ نے کہا اس کا معنی یہ ہے کہ بعد میں آنے والی نسلوں میں اللہ تعالیٰ نے ان کے ذکر خیر کو جاری رکھا، مجاہد نے کہا اس کا معنی یہ ہے کہ بعد میں آنے والے انبیاء ان کی تعریف اور تحسین فرماتے رہے، فراء رحمہ اللہ نے کہا اس سے وہ ذکر خیر مراد ہے جس کا ذکر اس سے پہلی آیت میں کیا گیا ہے اور اس کا معنی ہے ہماری طرف سے نوح علیہ السلام پر تمام جہانوں میں سلام ہو اور اس کا ایک معنی یہ ہے کہ قیامت تک لوگ ان پر صلوٰۃ پڑھتے رہیں گے ان کا ذکر برائی سے نہیں کیا جائے گا اور بعد میں آنے والے ہر نبی کو وہی وصیت کی گئی جو حضرت نوح علیہ السلام کو کی گئی تھی۔ (الشوریٰ:۱۳)

یہ حضرت نوح علیہ السلام کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے تحسین و آفرین اور دنیا و آخرت دونوں میں برکت و سلامتی کی بشارت ہے کہ اس دنیا میں جو مقام اس کو حاصل ہوا وہ اس سے پہلے کسی کو حاصل نہیں ہوا، تمام خلق میں یہ بازی اسی نے جیتی۔

ابراہیمی توحید و بت شکنی

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

وَاِنَّ مِنْ شِيْعَتِهٖ لَاِبْرٰهِيْمَ {۸۳} اِذْ جَآءَ رَبَّهٗ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ {۸۴} اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖ مَاذَا تَعْبُدُوْنَ {۸۵} اَئِفْكًا اٰلِهَةً دُوْنَ اللّٰهِ تُرِيْدُوْنَ {۸۶} فَمَا ظَنُّكُمْ بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ {۸۷} فَنَظَرَ نَظْرَةً فِي النُّجُوْمِ {۸۸} فَقَالَ اِنِّيْ سَقِيْمٌ {۸۹} فَتَوَلَّوْا عَنْهُ مُدْبِرِيْنَ {۹۰} فَرَاغَ اِلٰٓى اٰلِهَتِهِمْ فَقَالَ اَلَا تَاْكُلُوْنَ {۹۱} مَا لَكُمْ لَا تَنْطِقُوْنَ {۹۲} فَرَاغَ عَلَيْهِمْ ضَرْبًۢا بِالْيَمِيْنِ {۹۳} فَاَقْبَلُوْٓا اِلَيْهِ يَزِفُّوْنَ {۹۴} قَالَ اَتَعْبُدُوْنَ مَا تَنْحِتُوْنَ {۹۵} وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ {۹۶} قَالُوا ابْنُوْا لَهٗ بُنْيَانًا فَاَلْقُوْهُ فِي الْجَحِيْمِ {۹۷} فَاَرَادُوْا بِهٖ كَيْدًا فَجَعَلْنٰهُمُ الْاَسْفَلِيْنَ {۹۸} وَقَالَ اِنِّيْ ذَاهِبٌ اِلٰى رَبِّيْ سَيَهْدِيْنِ {۹۹} رَبِّ هَبْ لِيْ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ {۱۰۰} فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِيْمٍ {۱۰۱} الصافات

جواب ترجمہ: اور بلاشبہ نوح کا اتباع کرنے والوں میں ابراہیم بھی تھے۔ جب وہ اپنے رب کے پاس قلب سلیم لے کر آئے۔ جبکہ انہوں نے اپنے باپ سے اور اپنی قوم سے کہا تم لوگ کس چیز کی عبادت کرتے ہو۔ کیا اللہ کو چھوڑ کر جھوٹ موٹ کے معبودوں کو چاہتے ہو۔ سو رب العالمین کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے۔ پھر ایک نظر اٹھا کر ستاروں کو دیکھا۔ اور کہہ دیا کہ بیشک میں بیمار ہوں۔ سو وہ لوگ ان سے پشت پھیر کر چلے گئے۔ سو وہ ان کے بتوں کی طرف متوجہ ہوئے سو کہا کیا تم کھاتے نہیں ہو۔ تم کو کیا ہوا تم بولتے نہیں۔ پھر ان پر قوت کے ساتھ متوجہ ہو کر مارنے لگے۔ سو وہ لوگ ان کے پاس دوڑتے ہوئے آئے۔ انہوں نے کہا کیا تم اس چیز کی پوجا کرتے ہو جسے خود تراشتے ہو۔ اور اللہ نے تمہیں پیدا فرمایا ہے اور ان چیزوں کو بھی جنہیں تم بناتے ہو۔ کہنے لگے کہ اس کے لیے ایک مکان بناؤ پھر اسے دہکتی ہوئی آگ میں ڈال دو۔ سو انہوں نے ان کے ساتھ برا برتاؤ کرنے کا ارادہ کیا سو ہم نے ان لوگوں کو نیچا دیکھنے والا بنا دیا۔ اور ابراہیم نے کہا کہ بلاشبہ میں اپنے رب کی طرف جانے والا ہوں وہ عنقریب مجھے راہ بتادے گا۔ اے میرے رب مجھے نیک فرزند عطا فرما۔ سو ہم نے انہیں حلم والے لڑکے کی بشارت دی۔

خلاصہ تفسیر: حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی انہی برگزیدہ انبیاءِ کرام علیہم السلام میں سے تھے جو توحیدِ الٰہی کی دعوت لے کر مبعوث ہوئے، آپ علیہ السلام اپنے رب کے حضور ایک نہایت پاکیزہ، مخلص اور شرک سے محفوظ دل کے ساتھ حاضر ہوئے تھے، آپ نے اپنی قوم اور اپنے والد کو نہایت حکیمانہ انداز میں سمجھایا اور فرمایا کہ تم یہ کن باطل معبودوں کی عبادت کر رہے ہو؟ کیا تم اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر جھوٹے اور خود ساختہ معبودوں کے سامنے جھکتے ہو؟

پھر آپ نے انہیں متنبہ فرمایا کہ جب تم رب العالمین کے سامنے حاضر ہوگے تو اس وقت تمہارا کیا گمان ہوگا، اور وہ تمہارے اس شرک کے ساتھ کیا معاملہ فرمائے گا؟ لیکن قوم اپنی ہٹ دھرمی پر قائم رہی، چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ایک تدبیر کے طور پر ستاروں کی طرف دیکھا اور فرمایا کہ میں بیمار ہوں، تاکہ وہ اپنی قوم کے مذہبی میلے میں شریک نہ ہوں۔ جب لوگ چلے گئے تو آپ تنہائی میں ان

کے بتوں کے پاس پہنچے اور بطورِ تمسخر ان سے فرمایا کہ تم کھاتے کیوں نہیں؟ بولتے کیوں نہیں؟

پھر آپ نے اپنی قوت سے ان بتوں کو توڑ ڈالا، تاکہ قوم پر واضح ہو جائے کہ جو اپنے آپ کو نہ بچا سکیں وہ معبود نہیں ہو سکتے، جب قوم دوڑتی ہوئی آئی تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے نہایت جرأت سے فرمایا کہ کیا تم ان چیزوں کی عبادت کرتے ہو جنہیں خود اپنے ہاتھوں سے تراشتے ہو؟ حالانکہ اللہ تعالیٰ ہی نے تمہیں بھی پیدا کیا اور تمہارے اعمال اور تمہاری بنائی ہوئی چیزوں کو بھی اسی نے وجود بخشا ہے، اس لیے عبادت کا مستحق صرف وہی ایک رب ہے۔

جب مشرکین حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دلائل کا جواب نہ دے سکے تو انہوں نے طاقت اور ظلم کا راستہ اختیار کیا، انہوں نے فیصلہ کیا کہ ایک عظیم آگ بھڑکا کر ابراہیم علیہ السلام کو اس میں ڈال دیا جائے تاکہ ان کی دعوت ہمیشہ کے لیے ختم ہو جائے، چنانچہ انہوں نے ایک بڑی آگ تیار کی اور آپ کو اس میں پھینک دیا، لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرتِ کاملہ سے آگ کو حکم دیا کہ وہ ابراہیم علیہ السلام کے لیے ٹھنڈی اور سلامتی والی بن جائے۔

اس طرح مشرکین کی تمام تدبیریں ناکام ہو گئیں اور وہ خود ذلیل و خاسر ہو کر رہ گئے، اس واقعے کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ میں اپنے رب کی طرف ہجرت کرتا ہوں، وہی مجھے صحیح راستہ دکھائے گا، آپ نے اپنے وطن، قوم اور تمام دنیاوی تعلقات کو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے چھوڑ دیا اور دعا کی کہ اے میرے رب! مجھے ایک صالح بیٹا عطا فرما جو اس تنہائی اور غربت میں میرا مددگار ہو۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا قبول فرمائی اور آپ کو ایک بردبار اور عظیم الشان بیٹے کی خوشخبری عطا فرمائی، یعنی حضرت اسماعیل علیہ السلام، جو بعد میں صبر، اطاعت اور قربانی کی عظیم مثال بنے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا خواب اور بیٹے کا جواب

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ قَالَ يٰبُنَيَّ اِنِّيْٓ اَرٰى فِي الْمَنَامِ اَنِّيْٓ اَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰى ۭ قَالَ يٰٓاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ ۡ سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَاۗءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۰۲﴾ فَلَمَّآ اَسْلَمَا وَتَلَّهٗ

لِلْجَبِيْنِ{۱۰۳}وَنَادَيْنٰهُ اَنْ يّٰاِبْرٰهِيْمُ{۱۰۴}قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْيَآ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِى الْمُحْسِنِيْنَ{۱۰۵}اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْبَلٰٓؤُا الْمُبِيْنُ{۱۰۶}وَفَدَيْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِيْمٍ{۱۰۷} وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِى الْاٰخِرِيْنَ {۱۰۸}سَلٰمٌ عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ {۱۰۹} كَذٰلِكَ نَجْزِى الْمُحْسِنِيْنَ {۱۱۰}اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ {۱۱۱}الصافات.

جواب ترجمہ: پھر جب وہ لڑکا ابراہیم کے ساتھ چلنے پھرنے کے قابل ہو گیا تو انہوں نے کہا: بیٹے! میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ تمہیں ذبح کر رہا ہوں، اب سوچ کر بتاؤ، تمہاری کیا رائے ہے؟ بیٹے نے کہا: اباجان! آپ وہی کیجیے جس کا آپ کو حکم دیا جارہا ہے۔ انشاء اللہ آپ مجھے صبر کرنے والوں میں سے پائیں گے۔ چنانچہ (وہ عجیب منظر تھا) جب دونوں نے سر جھکا دیا، اور باپ نے بیٹے کو پیشانی کے بل گرایا۔ اور ہم نے انہیں آواز دی کہ: اے ابراہیم! تم نے خواب کو سچ کر دکھایا۔ یقیناً ہم نیکی کرنے والوں کو اسی طرح صلہ دیتے ہیں۔ یقیناً یہ ایک کھلا ہوا امتحان تھا۔ اور ہم نے ایک عظیم ذبیحہ کا فدیہ دے کر اس بچے کو بچالیا۔ اور جو لوگ ان کے بعد آئے ان میں یہ روایت قائم کی۔ (کہ وہ یہ کہا کریں کہ) سلام ہو ابراہیم پر۔ ہم نیکی کرنے والوں کو اسی طرح صلہ دیتے ہیں۔ بیشک وہ ہمارے مومن بندوں میں سے تھے۔

خلاصہ تفسیر: جب حضرت اسماعیل علیہ السلام بڑے ہوئے، چلنے پھرنے کے قابل ہو گئے، اپنے والد ابراہیم کے ساتھ چلنے پھرنے لگے تو ان کے والد ابراہیم علیہ السلام نے انہیں بتایا کہ میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ میں تجھے ذبح کر رہا ہوں، اب تو بتا تیرا خیال ہے؟ تیری کیا رائے ہے؟ چونکہ حضرات انبیاء کرام کا خواب حق ہوتا ہے۔

یہ بات سن کر اپنے رب کی رضا کے متلاشی اور اپنے والد کے فرمانبردار اور تابعدار بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام نے کہا اللہ کی اطاعت پر اپنے والد کے ساتھ تعاون کرتے ہوئے فرمایا مجھے ذبح کرنے سے متعلق جو حکم اللہ تعالیٰ نے آپ کو دیا ہے اسے پورا کیجیے، اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا تو آپ مجھے صبر کرنے والوں، اطاعت کرنے والوں میں سے پائیں گے۔

جب دونوں باپ اور بیٹا اللہ کے حکم کو پورا کرنے کے لیے تیار ہو گئے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹے کو اس کی پیشانی کی بل زمین پر رکھ دیا، تاکہ انہیں ذبح کریں، اس سخت مشقت کے لمحے اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آواز دی کہ اے ابراہیم! آپ کو جس بات کا حکم دیا گیا تھا آپ نے اسے پورا کر دیا ہے، آپ نے اپنا خواب سچ کر دکھایا، ہم آپ کو آپ کی نیکوکاری کا صلہ دے رہے ہیں، ایسا ہم آپ جیسے ان لوگوں کے ساتھ کیا کرتے ہیں جو آپ کی طرح اچھائی کرتے ہیں، پھر ہم ان نیکوکاروں، مخلصوں کو دنیا اور آخرت کے مصائب و شدائد سے خلاصی دیا کرتے ہیں۔

آپ کو جو اپنے لخت جگر کو ذبح کرنے کا حکم دیا گیا تھا یہ ایک سخت قسم کی آزمائش تھی جس سے آپ کے صدق ایمان کو ظاہر کرنا مقصود تھا، ہم نے اسماعیل کو بچا کر اس کی جگہ ایک عظیم دنبہ ذبح کروا دیا، یہ اللہ کی طرف سے ابراہیم علیہ السلام کے لیے شکرانہ تھا، اور ان کے لیے ہر آفت سے سلامتی کی دعا تھی، جس طرح ہم نے ابراہیم کو اپنی اطاعت کرنے اور حکم ماننے کا صلہ دیا اسی طرح ہم اپنے نیکوکار بندوں کو بدلہ دیا کرتے ہیں۔

ذبیح اللہ کون ہے؟

سوال ذبیح اللہ کون ہے؟

جواب ذبیح اللہ کون ہے؟ یہ ایک معرکۃ لآراء مسئلہ ہے جس پر یہودیوں اور مسلمانوں کے اپنے اپنے دلائل ہیں، خلیل اللہ جب اپنی قوم کی ہدایت سے مایوس ہو گئے، بڑی بڑی قدرتی نشانیاں دیکھ کر بھی جب انہیں ایمان نصیب نہ ہوا تو آپ نے ان سے ہٹ جانا پسند فرمایا اور اعلان کر دیا کہ میں اب تم میں سے ہجرت کر جاؤں گا میرا رب ہے۔ ساتھ ہی اپنے رب سے اپنے ہاں اولاد ہونے کی دعا مانگی تاکہ وہی توحید میں آپ کا ساتھ دے، اسی وقت دعا قبول ہوتی ہے اور ایک بردبار بچے کی بشارت دی جاتی، یہ حضرت اسماعیل علیہ السلام تھے یہی آپ کے لیے صاحبزادے تھے اسحاق علیہ السلام سے بڑے تھے۔

اسے تو اہل کتاب بھی مانتے ہیں بلکہ ان کی کتب میں موجود ہے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی پیدائش کے وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر چھیاسی سال کی تھی اور جس وقت حضرت اسحاق علیہ السلام

پیدا ہوتے ہیں اس وقت آپ کی عمر ننانوے برس کی تھی۔ بلکہ ان کی اپنی کتاب میں تو یہ بھی ہے کہ جناب ابراہیم علیہ السلام کو اپنے اکلوتے فرزند کو ذبح کرنے کا حکم ہوا تھا۔ (تفسیر ابن کثیر)

لیکن صرف اس لیے کہ یہ لوگ خود تو نبی اللہ حضرت اسحاق علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں اور نبی اللہ و ذبیح اللہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے عرب ہیں، انہیں نے واقعہ کی اصلیت بدل دی اور اس فضیلت کو حضرت اسماعیل علیہ السلام سے ہٹا کر حضرت اسحاق علیہ السلام کو دے دیا اور بے جا تاویلیں کرتے اللہ کے کلام کو بدل ڈالا اور کہا ہماری کتاب میں لفظ وحید ک ہے اس سے مراد اکلوتا نہیں بلکہ جو تیرے پاس اس وقت اکیلا ہے وہ ہے۔ یہ اس لیے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام تو اپنی والدہ کے ساتھ مکہ میں تھے یہاں خلیل اللہ کے ساتھ صرف حضرت اسحاق علیہ السلام تھے، لیکن یہ بالکل غلط ہے۔

وحید اسی کو کہا جاتا ہے جو اکلوتا ہو اس کا اور کوئی بھائی نہ ہو، پھر یہاں ایک بات اور بھی ہے کہ اکلوتے اور پہلوٹھی کے بچے کے ساتھ جو محبت ہوتی اور اس کے جو لاڈ پیار ہوتے ہیں عموماً دوسری اولاد کے ہونے پر پھر وہ باقی نہیں رہتے، اس لیے اس کے ذبیحہ کا حکم امتحان اور آزمائش کی زبردست کڑی ہے۔ ہم اسے مانتے ہیں کہ بعض سلف بھی اس کے قائل ہوئے ہیں کہ ذبیح اللہ حضرت اسحاق علیہ السلام تھے یہاں تک کہ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم سے بھی یہ مروی ہے لیکن یہ چیز کتاب و سنت سے ثابت نہیں ہوتی۔ بلکہ خیال یہ ہے کہ بنو اسرائیل کی ایک شہرت دی ہوئی بات کو ان حضرات نے بھی بے دلیل اپنے ہاں لے لیا دور کیوں جائیں کتاب اللہ کے الفاظ میں ہی غور کر لیجیے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی بشارت کا غلام حلیم کہہ کر ذکر ہوا اور پھر اللہ کی راہ میں ذبح کے لیے تیار ہونے کا ذکر ہوا۔

اس تمام بیان کو ختم کر کے پھر نبی صالح حضرت اسحاق علیہ السلام کی پیدائش کی بشارت کا بیان ہوا اور فرشتوں نے بشارت اسحاق کے موقع پر غلام علیم فرمایا تھا، اسی طرح قرآن میں ہے بشارت اسحاق کے ساتھ ہی ہے، (وَمِنْ وَّرَاءِ اِسْحٰقَ يَعْقُوْبَ هود : ۷۱) یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی حیات میں ہی حضرت اسحاق علیہ السلام کے ہاں حضرت یعقوب پیدا ہوں گے یعنی ان کی تو نسل جاری رہنے کا پہلے ہی علم کرایا جا چکا تھا اب انہیں ذبح کرنے کا حکم کیسے دیا جاتا؟

البتہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کا وصف یہاں پر بردباری کا بیان کیا گیا ہے، جو ذبیح کے لیے نہایت مناسب ہے، اب حضرت اسماعیل علیہ السلام بڑے ہوگئے اپنے والد کے ساتھ چلنے پھرنے کے قابل ہوگئے، آپ اس وقت مع اپنی والدہ محترمہ کے فاران میں تھے حضرت ابراہیم علیہ السلام عموماً وہاں جاتے آتے رہتے تھے یہ مذکور ہے کہ براق پر جاتے تھے اور اس جملے کے یہ معنی بھی ہیں کہ جوانی کے لگ بھگ ہوگئے لڑکپن کا زمانہ نکل گیا اور باپ کی طرح چلنے پھرنے کام کاج کرنے کے قابل بن گئے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خواب دیکھا کہ گویا آپ اپنے پیارے بچے کو ذبح کر رہے ہیں، رُؤْيَا الْأَنْبِيَاءِ فِي الْمَنَامِ وَحْيٌ انبیاء کے خواب وحی ہوتے ہیں اور اس کی دلیل یہی آیت ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

ایک مرفوع روایت میں بھی یہ ہے۔ پس اللہ کے رسول نے اپنے لخت جگر کی آزمائش کے لیے کہ اچانک وہ گھبرا نہ اٹھے، اپنا ارادہ ان کے سامنے ظاہر کیا، وہاں کیا تھا، وہ بھی اسی درخت کے پھل تھے نبی ابن نبی تھے جواب دیتے ہیں اب پھر دیر کیوں لگا رہے ہو یہ باتیں بھی پوچھنے کی ہوتی ہیں جو حکم ہوا ہے اسے فوراً کر ڈالیے اور اگر میری نسبت کھٹکا ہو تو زبانی اطمینان کیا کروں چھری رکھئے خود معلوم ہو جائے گا کہ میں کیسا کچھ صابر ہوں، انشاء اللہ میرا صبر آپ کا جی خوش کر دے گا، سبحان اللہ جو کہا تھا وہی کر کے دکھایا اور صادق الوعد ہونے کا سرٹیفیکٹ اللہ کی طرف سے حاصل کر ہی لیا، آخر باپ بیٹا دونوں حکم اللہ کی اطاعت کے لیے جان بکف تیار ہو جاتے ہیں باپ بچے کو ذبح کرنے کے لیے تیار ہو جاتا ہے اور باپ اپنے نور چشم لخت جگر کو منہ کے بل زمین پر گراتے ہیں تاکہ ذبح کے وقت منہ دیکھ کر محبت نہ آجائے اور ہاتھ سست نہ پڑ جائے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ لَمَّا أُمِرَ إِبْرَاهِيمُ بِالْمَنَاسِكِ عَرَضَ لَهُ الشَّيْطَانُ عِنْدَ السَّعْيِ، فَسَابَقَهُ فَسَبَقَهُ إِبْرَاهِيمُ، ثُمَّ ذَهَبَ بِهِ جِبْرِيلُ إِلَى جَمْرَةِ الْعَقَبَةِ، فَعَرَضَ لَهُ الشَّيْطَانُ، فَرَمَاهُ بِسَبْعِ حَصَيَاتٍ حَتَّى ذَهَبَ، ثُمَّ عَرَضَ لَهُ عِنْدَ الْجَمْرَةِ الْوُسْطَى فَرَمَاهُ بِسَبْعِ حَصَيَاتٍ، وثَمّ تَلَّه لِلْجَبِينِ، (مسند احمد)

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنی نور نظر کو ذبح کرنے کے لیے بحکم اللہ لے چلے تو سعی کے وقت شیطان

سامنے آیا لیکن حضرت ابراہیم علیہ السلام اس سے آگے بڑھ گئے، پھر حضرت جبریل علیہ السلام کے ساتھ آپ جمرہ عقبہ پر پہنچے تو پھر شیطان سامنے آیا آپ نے اسے سات کنکریاں ماریں۔ پھر جمرہ وسطی کے پاس آیا پھر وہاں سات کنکریاں ماریں، پھر آگے بڑھ کر اپنے پیارے بچے کو اللہ کے نام پر ذبح کرنے کے لیے نیچے پچھاڑا۔

ذبیح اللہ کے پاک جسم پر اس وقت سفید چادر تھی، کہنے لگے ابا جی! اسے اتار لیجیے تاکہ اس میں آپ مجھے کفنا سکیں، اس وقت بیٹے کو ننگا کرتے وقت باپ کا عجب حال تھا کہ

آواز آئی {أَنْ يَا إِبْرَاهِيمُ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّؤْيَا} بس ابراہیم خواب کو سچا کر چکے، مڑ کر دیکھا تو ایک مینڈھا سفید رنگ کا بڑے بڑے سینگوں اور صاف آنکھوں والا نظر پڑا۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں لَقَدْ رَأَيْتُنَا نَتْبَعُ ذَلِكَ الضَّرْبَ مِنَ الْكِبَاشِ اسی لیے ہم اس قسم کے مینڈھے (چھترے) چن چن کر قربانی کے لیے لیتے تھے۔

اس کی بابت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں یہ جنتی چھترا تھا جو وہاں چالیس سال سے کھاپی رہا تھا، اسے دیکھ کر آپ اپنے بچے کو چھوڑ کر اس کے پیچھے ہو لیے۔ جمرہ اولی پر آکر سات کنکریاں پھینکیں پھر وہ بھاگ کر جمرہ وسطی پر آگیا، سات کنکریاں ماریں اور وہاں سے منحر (ذبح گاہ) میں لاکر ذبح کیا اس کے سینگ سر سمیت ابتداء اسلام کے زمانہ تک کعبے کے پرنالے کے پاس لٹکتے رہے تھے پھر سوکھ گئے۔

ایک مرتبہ حضرت کعب رضی اللہ عنہ بیٹھے ہوئے باتیں کر رہے تھے، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ تو حدیثیں بیان کر رہے تھے اور حضرت کعب رضی اللہ عنہ کتاب کے قصے بیان کر رہے تھے، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ إِنَّ لِكُلِّ نَبِيٍّ دَعْوَةً مُسْتَجَابَةً، وَإِنِّي قَدْ خَبَأْتُ دَعْوَتِي شَفَاعَةً لِأُمَّتِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ (عبد الرزاق) ہر نبی کے لیے ایک دعا قبول شدہ ہے اور میں نے اپنی اس مقبول دعا کو پوشیدہ کر کے رکھ چھوڑا ہے اپنی امت کی شفاعت کے لیے۔

اور فرمانے لگے تم پر میرے ماں باپ فدا ہوں یا فرمایا حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر میرے ماں باپ صدقے

جائیں پھر حضرت کعب رضی اللہ عنہ نے حضرت ابراہیم خلیل علیہ السلام کا قصہ سنایا کہ جب آپ اپنے لڑکے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو ذبح کرنے کے لیے مستعد ہو گئے تو شیطان نے کہا اگر میں اس وقت انہیں نہ بہکا سکا تو مجھے ان سے عمر بھر کے لیے مایوس ہو جانا چاہیے۔

پہلے تو یہ حضرت سارہ کے پاس آیا اور پوچھا کہ ابراہیم تمہارے لڑکے کو کہاں لے گئے ہیں؟ مائی صاحبہ نے جواب دیا اپنے کسی کام پر لے گئے ہیں اس نے کہا نہیں بلکہ وہ ذبح کرنے کے لیے لے گئے ہیں مائی صاحبہ نے فرمایا وہ اسے کیوں ذبح کرنے لگے؟ لعین نے کہا وہ کہتے ہیں اللہ کی طرف سے یہی حکم ہے جواب ملا فَقَدْ أَحْسَنَ أَنْ يُطِيعَ رَبَّهُ پھر تو یہی بہتر ہے کہ وہ جلدی سے اللہ کے حکم کی بجا آوری سے فارغ ہو لیں۔

یہاں سے نامراد ہو کر بچے کے پاس آیا اور کہا تمہارے ابا تمہیں کہاں لے جاتے ہیں۔؟ فرمایا اپنے کام کے لیے کہا نہیں بلکہ وہ تجھے ذبح کرنے کے لیے لے جا رہے ہیں، فرمایا یہ کیوں؟ کہا اس لیے کہ وہ سمجھتے ہیں اللہ کا انہیں حکم ہے، کہا فَوَاللّٰهِ لَئِنْ كَانَ اللّٰهُ أَمَرَهُ بِذٰلِكَ لَيَفْعَلَنَّ، پھر تو واللہ انہیں اس کام میں بہت جلدی کرنی چاہیے۔

ان سے بھی مایوس ہو کر یہ ملعون خلیل اللہ کے پاس پہنچا۔ ان سے کہا بچے کو کہاں لے جا رہے ہو؟ جواب دیا اپنے کام کے لیے ملعون نے کہا نہیں بلکہ تم تو اسے ذبح کرنے کے لیے جا رہے ہو؟ آپ نے فرمایا یہ کیوں؟ بولا اس لیے کہ تمہارا خیال ہے کہ اللہ کا حکم تمہیں یونہی ہے، آپ نے فرمایا لَئِنْ كَانَ اللّٰهُ أَمَرَنِي بِذٰلِكَ لَأَفْعَلَنَّ اللہ کی قسم پھر تو میں ضرور ہی اسے ذبح کر ڈالوں گا۔ اب ابلیس مایوس ہو گیا۔

ذبیح اللہ تو حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں، محل ذبح منیٰ ہے اور وہ مکہ میں ہے اور حضرت اسماعیل علیہ السلام یہیں تھے نہ کہ حضرت اسحاق، وہ تو شہر کنعان میں تھے جو شام ہے، جب حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے پیارے بچے کو ذبح کرنے کے لیے لٹا دیتے ہیں جناب باری سے ندا آتی ہے کہ بس ابراہیم تم اپنے خواب کو پورا کر چکے۔

سدی سے روایت ہے کہ أَنَّهُ أَمَرَّ السِّكِّينَ عَلَى رَقَبَتِهِ فَلَمْ تَقْطَعْ شَيْئًا، بَلْ حَالَ بَيْنَهَا وَبَيْنَهُ صَفِيحَةٌ مِنْ نُحَاسٍ جب خلیل اللہ نے ذبیح اللہ کے حلق پر چھری پھیری تو گردن تانبے کی ہوگئی اور نہ کٹی اور یہ آواز آئی۔ ہم اسی طرح نیک کاروں کو بدلہ دیتے ہیں۔ یعنی سختیوں سے بچالیتے ہیں اور چھٹکارا کر دیتے ہیں۔ جیسے فرمایا

{وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلْ لَهُ مَخْرَجًا. وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ وَمَنْ يَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ فَهُوَ حَسْبُهُ إِنَّ اللَّهَ بَالِغُ أَمْرِهِ قَدْ جَعَلَ اللَّهُ لِكُلِّ شَيْءٍ قَدْرًا} (الطَّلَاقِ:۲، ۳)

اللہ سے ڈرتے رہنے والوں کے لیے اللہ تعالیٰ چھٹکارے کی صورت نکال ہی دیتا ہے اور اسے ایسی طرح روزی پہنچاتا ہے کہ اس کے گمان و وہم میں بھی نہ ہو، اللہ پر بھروسہ کرنے والوں کو اللہ ہی کافی ہے اللہ اپنے کاموں کو مکمل کر کے چھوڑتا ہے ہر چیز کا اس نے ایک اندازہ مقرر کر رکھا ہے۔

ارشاد فرمایا یہ تو صرف ایک آزمائش تھی کھلا امتحان تھا کہ ادھر حکم ہوا ادھر تیاری ہوئی، اسی لیے جناب خلیل اللہ علیہ السلام کی تعریف میں قرآن میں ہے ابراہیم بڑا ہی وفادار تھا، بڑے ذبیح کے ساتھ ان کا فدیہ ہم نے دیا، سفید رنگ بڑی آنکھوں اور بڑے سینگوں والا عمدہ خوراک سے پلا ہوا مینڈھا فدیئے میں دیا گیا جو ببول کے درخت سے بندھا ہوا ملا، جو جنت میں چالیس سال چرتا رہا، منیٰ میں ثبیر کے پاس جو چٹان ہے اس پر یہ جانور ذبح کیا گیا یہ ممیاتا ہوا اوپر سے اترا تھا، یہی وہ مینڈھا ہے جسے ہابیل نے اللہ کی راہ میں قربان کیا تھا، اس کی اون قدرے سرخی مائل تھی اس کا نام جریر تھا، بعض کہتے ہیں مقام ابراہیم پر اسے ذبح کیا، کوئی کہتا ہے منیٰ میں منحر پر۔

ایک شخص نے اپنے تئیں راہ اللہ میں ذبح کرنے کی منت مانی تھی تو حضرت ابن عباس نے اسے ایک سو اونٹ ذبح کرنے کا فتویٰ دیا تھا لیکن پھر فرماتے تھے کہ اگر میں اسے ایک بھیڑ ذبح کرنے کو کہتا تب بھی کافی تھا کیونکہ کتاب اللہ میں ہے کہ حضرت ذبیح اللہ کا فدیہ اسی سے دیا گیا تھا۔ اکثر لوگوں کا یہی قول ہے بعض کہتے ہیں یہ پہاڑی بکرا تھا۔ کوئی کہتا ہے نر ہرن تھا۔ (تفسیر ابن کثیر)

مسند احمد میں ہے کہ حضرت عثمان بن طلحہ کو بلا کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا إِنِّي كنتُ رَأَيْتُ قَرْنَيِ

الْكَبْشِ، حِينَ دَخَلْتُ الْبَيْتَ، فَنَسِيتُ أَنْ آمُرَكَ أَنْ تُخَمِّرَهُمَا، فَخَمِّرْهُمَا، فَإِنَّهُ لَا يَنْبَغِي أَنْ يَكُونَ فِي الْبَيْتِ شَيْءٌ يَشْغَلُ الْمُصَلِّيَ (مسند احمد)

میں نے بھیڑ کے سینگ بیت اللہ شریف میں داخلے کے وقت اندر دیکھے تھے اور مجھے یاد نہ رہا کہ میں تجھے ان کے ڈھانک دینے کا حکم دوں، جاؤ اسے ڈھک دو بیت اللہ میں کوئی ایسی چیز نہ ہونی چاہئے جو نمازی کو اپنی طرف متوجہ کرلے۔

حضرت سفیان فرماتے ہیں کہ لَمْ يَزَلْ قَرْنَا الْكَبْشِ مُعَلَّقَيْنِ فِي الْبَيْتِ حَتَّى احْتَرَقَ الْبَيْتُ، فَاحْتَرَقَا اس بھیڑ کے دو سینگ بیت اللہ میں ہی رہے، یہاں تک کہ ایک مرتبہ بیت اللہ میں آگ لگی اس میں وہ دونوں جل گئے۔ (مسند احمد) اس روایت کو نقل کرنے کے بعد علامہ ابن کثیر لکھتے ہیں، یہ واقعہ بھی اس امر کی دلیل ہے کہ ذبیح اللہ حضرت اسماعیل علیہ السلام تھے اسی وجہ سے ان کی اولاد قریش تک یہ سینگ برابر اور مسلسل چلے آئے یہاں تک کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ نے مبعوث فرمایا۔

علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر میں دونوں طرح کی روایات نقل فرمائی ہیں، وہ روایات بھی نقل کی ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ ذبیح اللہ حضرت اسحاق علیہ السلام ہیں، مگر ان کے آخر میں ان روایات پر سخت جرح کرتے ہوئے ان کے روات پر سخت تنقید کی ہے، اس کے بعد انہوں نے وہ روایات نقل کی ہیں جن سے واضح طور پر پتا چلتا ہے کہ ذبیح اللہ حضرت اسماعیل علیہ السلام ہی تھے اور یہی ٹھیک اور بالکل درست بھی ہے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما یہی فرماتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ الْمُفْدَى إِسْمَاعِيلُ، عَلَيْهِ السَّلَامُ، وَزَعَمَتِ الْيَهُودُ أَنَّهُ إِسْحَاقُ، وَكَذَبَتِ الْيَهُودُ (تفسیر طبری، تفسیر ابن کثیر) ذبیح حضرت اسماعیل علیہ السلام ہی تھے مگر یہودی حضرت اسحاق علیہ السلام کا نام جھوٹ موٹ لیتے ہیں، ابن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں ذبیح اللہ حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں، ابن نجیح رحمہ اللہ کہتے ہیں ذبیح اللہ حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں، شعبی رحمہ اللہ کہتے ہیں ذبیح اللہ حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں۔

حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ أَنَّهُ كَانَ لَا يَشُكُّ فِي ذَلِكَ: أَنَّ الَّذِي أُمِرَ بِذَبْحِهِ مِنِ ابْنَيْ

إِبْرَاهِيمَ إِسْمَاعِيلُ اس میں تو کوئی شک کی بات ہی نہیں ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے جسے ذبح کرنے کا حکم دیا گیا وہ حضرت اسماعیل علیہ السلام ہی تھے۔

محمد بن اسحاق رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں نے محمد بن کعب قرظی رحمہ اللہ کو یوں کہتے ہوئے سنا کہ

إِنَّ الَّذِي أَمَرَ اللهُ إِبْرَاهِيمَ بذبحه مِنِ ابْنَيْهِ إِسْمَاعِيلُ. وَإِنَّا لَنَجِدُ ذَلِكَ فِي كِتَابِ اللهِ وَذٰلِكَ أَنَّ اللهَ حِينَ فَرَغَ مِنْ قِصَّةِ الْمَذْبُوحِ مِنِ ابْنَيْ إِبْرَاهِيمَ قَالَ: {وَبَشَّرْنَاهُ بِإِسْحَاقَ نَبِيًّا مِنَ الصَّالِحِينَ}

اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کے بیٹوں میں سے جس بیٹے کو ذبح کرنے کا حکم دیا تھا وہ اسماعیل علیہ السلام تھے، یہ بات ہمیں اللہ کی کتاب میں ملتی ہے، وہ اس طرح کہ جب اللہ تعالیٰ ابراہیم علیہ السلام کے مذبوح بیٹے کے قصہ سے فارغ ہوئے تو فرمایا کہ ہم نے اسے اسحاق کی خوشخبری دی جو نیکوکار نبیوں میں سے تھے۔

محمد بن کعب قرظی رحمہ اللہ نے یہ بات حضرت عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ کے سامنے بھی بیان کر دی تھی کہ ذبح ہونے والے اسماعیل علیہ السلام تھے، اس کے بعد حضرت اسحاق علیہ السلام کی خوشخبری دی گئی تھی، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا یہ بہت صاف دلیل ہے میرا ذہن یہاں نہیں پہنچا تھا گو یہ میں بھی جانتا تھا کہ ذبیح اللہ حضرت اسماعیل علیہ السلام ہی ہیں پھر شاہ اسلام نے شام کے ایک یہودی عالم سے پوچھا جو مسلمان ہو گئے تھے کہ تم اس بارے میں کیا علم رکھتے ہو انہوں نے فرمایا امیر المسلمین سچ تو یہی ہے کہ جن کے ذبح کرنے کا حکم دیا گیا وہ حضرت اسماعیل علیہ السلام ہی تھے لیکن چونکہ عرب ان کی اولاد میں سے ہیں تو یہ بزرگی ان کی طرف لوٹتی ہے اس حسد کے بارے میں یہودیوں نے اسے بدل دیا اور حضرت اسحاق علیہ السلام کا نام لے دیا۔

حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے بیٹے حضرت عبد اللہ کہتے ہیں کہ سَأَلْتُ أَبِي عَنِ الذَّبِيحِ، مَنْ هُوَ؟ إِسْمَاعِيلُ أَوْ إِسْحَاقُ؟ فَقَالَ: إِسْمَاعِيلُ، میں نے اپنے والد سے جب یہ مسئلہ پوچھا کہ ذبیح کون ہے، اسماعیل یا اسحاق؟ تو آپ نے جواب دیا کہ ذبح ہونے والے حضرت اسماعیل علیہ السلام ہی تھے۔ (کتاب الزہد)

شام میں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے سامنے یہ بحث چھڑی کہ ذبیح اللہ کون ہیں ؟ تو آپ نے فرمایا خوب ہوا جو یہ معاملہ مجھ جیسے باخبر شخص کے پاس آیا سنو ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھے جب ایک شخص آپ کے پاس آیا اور کہنے لگا اے اللہ کی راہ میں دو ذبح ہونے والوں کی نسل کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم مجھے بھی مال غنیمت میں سے کچھ دلوایئے اس پر آپ ہنس دیئے، ایک تو ذبیح اللہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والد عبد اللہ تھے دوسرے حضرت اسماعیل علیہ السلام جن کی نسل میں سے آپ ہیں۔

حضرت اسحاق علیہ السلام

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

وَبَشَّرْنٰهُ بِاِسْحٰقَ نَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ {۱۱۲} وَبٰرَكْنَا عَلَيْهِ وَعَلٰٓى اِسْحٰقَ ۭ وَمِنْ ذُرِّيَّتِهِمَا مُحْسِنٌ وَّظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ مُبِيْنٌ {۱۱۳} الصافات

جواب ترجمہ: اور ہم نے انہیں اسحاق کی بشارت دی کہ وہ نبی ہوں گے صالحین میں سے ہوں گے اور ہم نے ابراہیم پر اور اسحاق پر برکت دی، اور ان کی نسل میں سے اچھے لوگ ہیں اور ایسے لوگ بھی ہیں جو صریحاً اپنی جان پر ظلم کرنے والے ہیں۔

خلاصہ تفسیر: حضرت اسماعیل علیہ السلام کی عظیم قربانی اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بے مثال اطاعت کے بعد اللہ تعالیٰ نے انہیں ایک اور عظیم نعمت سے نوازا، چنانچہ ارشاد فرمایا کہ ہم نے انہیں ایک دوسرے بیٹے، حضرت اسحاق علیہ السلام کی خوشخبری دی، جو اللہ تعالیٰ کے نبی اور نیک بندے ہوں گے۔

یہ بشارت دراصل حضرت ابراہیم علیہ السلام کی کامل فرمانبرداری، اخلاص اور اللہ تعالیٰ کے حکم کے سامنے اپنے سب سے محبوب بیٹے کو قربان کرنے کے جذبے کا عظیم صلہ تھا، اللہ تعالیٰ نے اپنے خلیل علیہ السلام کو یہ اعزاز عطا فرمایا کہ ان کی نسل میں نبوت، ہدایت اور خیر و برکت کا سلسلہ جاری فرمایا۔

پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم اور حضرت اسحاق علیہما السلام پر اپنی خاص برکتوں کے نزول کا ذکر فرمایا، ان برکتوں میں ایمان، نبوت، صالح اولاد، کثرتِ نسل اور دنیا و آخرت کی بے شمار نعمتیں شامل تھیں، چنانچہ ان دونوں بزرگ ہستیوں کی نسل سے بہت سے انبیاءِ کرام علیہم السلام مبعوث ہوئے اور

ہدایت کا نور دنیا میں پھیلا، تاہم اللہ تعالیٰ نے یہ حقیقت بھی واضح فرمادی کہ نسل اور نسب انسان کے لیے کافی نہیں، بلکہ اصل معیار ایمان اور عمل ہے، اسی لیے ان کی اولاد میں بعض لوگ ایسے بھی ہوئے جو اپنے رب کی اطاعت گزار، نیک اور محسن بنے، جبکہ بعض نے کفر، نافرمانی اور گناہوں کے ذریعے اپنی جانوں پر کھلا ظلم کیا، اس میں انسان کے لیے یہ سبق ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں اور نیک خاندان میں پیدا ہونے کے باوجود کامیابی صرف اسی کو حاصل ہوتی ہے جو ایمان، اطاعت اور تقویٰ کا راستہ اختیار کرے۔

تذکرہ حضرت موسیٰ وھارون علیہما السلام

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

وَلَقَدْ مَنَنَّا عَلٰى مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ {۱۱۴} وَنَجَّيْنٰهُمَا وَقَوْمَهُمَا مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيْمِ {۱۱۵} وَنَصَرْنٰهُمْ فَكَانُوْا هُمُ الْغٰلِبِيْنَ {۱۱۶} وَاٰتَيْنٰهُمَا الْكِتٰبَ الْمُسْتَبِيْنَ {۱۱۷} وَهَدَيْنٰهُمَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ {۱۱۸} وَتَرَكْنَا عَلَيْهِمَا فِي الْاٰخِرِيْنَ {۱۱۹} سَلٰمٌ عَلٰى مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ {۱۲۰} اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ {۱۲۱} اِنَّهُمَا مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ {۱۲۲} الصافات

جواب ترجمہ: اور یہ واقعی بات ہے کہ ہم نے موسیٰ اور ہارون پر احسان کیا۔ اور ان دونوں کو اور ان کی قوم کو بڑی بے چینی سے نجات دی۔ اور ہم نے ان کی مدد کی سو وہی غالب ہونے والے تھے۔ اور ہم نے انہیں واضح طور پر بیان کرنے والی کتاب دی۔ اور ہم نے انہیں صراط مستقیم کی ہدایت کی۔ اور ہم نے بعد میں آنے والوں میں ان دونوں کے بارے میں یہ بات چھوڑ دی۔ کہ سلام ہو موسیٰ پر اور ہارون پر۔ بلاشبہ ہم اسی طرح مخلصین کو صلہ دیا کرتے ہیں۔ بیشک وہ ہمارے مومن بندوں میں سے تھے۔

خلاصہ تفسیر: اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام پر اپنی عظیم نعمتوں اور خاص انعامات کا ذکر فرمایا ہے، ارشاد ہوا کہ ہم نے ان دونوں بھائیوں کو نبوت جیسی عظیم دولت عطا فرمائی اور بنی اسرائیل کو فرعون کی غلامی، ظلم و ستم اور ذلت آمیز زندگی سے نجات دی۔

فرعون نے انہیں سخت مصیبتوں میں مبتلا کر رکھا تھا، مگر اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے انہیں اس کے ظلم سے آزاد فرمایا اور سمندر میں غرق ہونے سے بھی بچایا، پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام اور ان کی قوم کی مدد فرمائی، یہاں تک کہ فرعون اور اس کے لشکروں پر انہیں غلبہ حاصل ہو گیا، یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت اور اپنے نیک بندوں کی نصرت کا روشن مظہر تھا، اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان دونوں حضرات کو تورات عطا فرمائی، جو ایک واضح، روشن اور ہدایت سے بھرپور کتاب تھی، جس میں حق و باطل کے درمیان صاف فرق بیان کیا گیا تھا۔

پھر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کو سیدھے راستے کی ہدایت عطا فرمائی، یعنی ایسے دین کی طرف رہنمائی کی جو ہر قسم کی کجی اور گمراہی سے پاک تھا اور اللہ تعالیٰ کی رضا تک پہنچانے والا تھا، ساتھ ہی اللہ تعالیٰ نے بعد کی آنے والی امتوں میں ان دونوں کا ذکرِ خیر باقی رکھا۔

چنانچہ آج بھی اہلِ ایمان ان کا ادب و احترام کرتے اور ان پر سلام بھیجتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان پر اپنی طرف سے سلامتی، رحمت اور عزت نازل فرمائی، پھر ارشاد ہوا کہ ہم اپنے نیک اور مخلص بندوں کو اسی طرح بہترین جزا عطا کرتے ہیں، بے شک حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام ہمارے کامل ایمان والے بندوں میں سے تھے، جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل کیا اور اس کی رضا کے لیے اپنی زندگیاں وقف کر دیں۔

ان آیات میں اہلِ ایمان کے لیے یہ درس ہے کہ جو لوگ اخلاص، صبر اور اطاعت کا راستہ اختیار کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ انہیں دنیا و آخرت میں عزت، نصرت اور دائمی کامیابی عطا فرماتا ہے۔

تذکرہ حضرت الیاس علیہ السلام

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

وَاِنَّ اِلْيَاسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ{۱۲۳}اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖٓ اَلَا تَتَّقُوْنَ{۱۲۴}اَتَدْعُوْنَ بَعْلًا وَّتَذَرُوْنَ اَحْسَنَ الْخَالِقِيْنَ{۱۲۵}اللّٰهَ رَبَّكُمْ وَرَبَّ اٰبَآئِكُمُ الْاَوَّلِيْنَ{۱۲۶}فَكَذَّبُوْهُ فَاِنَّهُمْ لَمُحْضَرُوْنَ{۱۲۷}اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ{۱۲۸}وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْاٰخِرِيْنَ

{۱۲۹}سَلٰمٌ عَلٰٓى اِلْ يَاسِيْنَ{۱۳۰}اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِى الْمُحْسِنِيْنَ{۱۳۱}اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ{۱۳۲}الصافات

جواب ترجمہ: اور بلاشبہ الیاس پیغمبروں میں سے ہیں۔ جبکہ انہوں نے اپنی قوم سے کہا کیا تم نہیں ڈرتے۔ کیا بعل کی عبادت کرتے ہو اور احسن الخالقین کو چھوڑے ہوئے ہو۔ جو اللہ ہے جو تمہارا رب ہے اور تمہارے باپ دادوں کا رب ہے۔ سو ان لوگوں نے انہیں جھٹلایا لہٰذا وہ ضرور حاضر کیے جائیں گے۔ سوائے اللہ کے مخلص بندوں کے۔ اور بعد میں آنے والوں میں ان کے بارے میں یہ بات چھوڑ دی۔ کہ سلام ہو الیاس پر۔ بلاشبہ ہم مخلصین کو ایسے ہی صلہ دیا کرتے ہیں۔ بیشک وہ ہمارے مومن بندوں میں سے تھے۔

خلاصہ تفسیر: حضرت الیاس علیہ السلام بھی اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ رسولوں میں سے تھے جنہیں نبوت و رسالت کی عظیم نعمت عطا کی گئی، حضرت الیاس علیہ السلام بنی اسرائیل کی طرف مبعوث کیے گئے تھے، مفسرین کے مطابق آپ کا علاقہ شام (موجودہ شام و فلسطین کے بعض حصے) تھا، خصوصاً شہر بعلبک اور اس کے نواحی علاقے، وہاں کے لوگ "بَعل" نامی ایک مشہور بت کی عبادت کرتے تھے، اسی لیے قرآنِ کریم میں فرمایا گیا: أَتَدْعُونَ بَعْلًا وَتَذَرُونَ أَحْسَنَ الْخَالِقِينَ کیا تم بعل کو پکارتے ہو اور سب سے بہتر پیدا کرنے والے اللہ کو چھوڑ دیتے ہو؟ حضرت الیاس علیہ السلام نے اپنی قوم کو توحید، عبادتِ الٰہی اور شرک سے توبہ کی دعوت دی، مگر اکثر لوگوں نے آپ کی تکذیب کی۔

قرآنِ کریم نے صراحت کے ساتھ ایمان لانے والوں کی تعداد بیان نہیں فرمائی، البتہ یہ واضح فرمایا کہ: إِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِينَ، سوائے اللہ کے مخلص بندوں کے، یعنی ایک قلیل جماعت ایمان لے آئی تھی جو اخلاص کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتی تھی، جبکہ اکثریت اپنے شرک اور بعل پرستی پر قائم رہی۔

بعض تاریخی روایات میں ایمان لانے والوں کی تعداد بہت کم بیان کی گئی ہے، لیکن ان روایات کی قطعی سند موجود نہیں، اس لیے احتیاط یہی ہے کہ وہی بات بیان کی جائے جو قرآن و معتبر تفاسیر سے

ثابت ہے کہ آپ پر تھوڑے لوگ ایمان لائے اور اکثر قوم نے انکار کیا۔

آپ علیہ السلام نے اپنی قوم کو نہایت اخلاص کے ساتھ توحید کی دعوت دی اور فرمایا کہ کیا تم اللہ تعالیٰ سے نہیں ڈرتے؟ کیا تم اس کی عبادت چھوڑ کر "بعل" نامی بت کی پرستش کرتے ہو، حالانکہ اللہ تعالیٰ ہی سب سے بہتر پیدا فرمانے والا ہے؟ وہی تمہارا رب ہے اور تمہارے پہلے آباء واجداد کا بھی رب ہے، اسی نے تم سب کو پیدا فرمایا، اس لیے عبادت اور بندگی کا حق بھی صرف اسی ایک ذات کو حاصل ہے۔

حضرت الیاس علیہ السلام نے اپنی قوم کو سمجھایا کہ بے جان بت نہ نفع پہنچا سکتے ہیں اور نہ نقصان، لہٰذا انہیں معبود بنانا کھلی گمراہی ہے، مگر قوم نے اپنی ہٹ دھرمی اور سرکشی کی بنا پر آپ کی دعوت کو جھٹلا دیا، جس کے نتیجے میں وہ اللہ تعالیٰ کے عذاب کے مستحق بن گئے۔

البتہ ان میں سے وہ لوگ نجات پا گئے جو ایمان لائے اور خالص اللہ تعالیٰ کی عبادت اختیار کی، پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت الیاس علیہ السلام کا ذکرِ خیر بعد کی امتوں میں باقی رکھا، چنانچہ اہلِ ایمان ہمیشہ ان پر سلام بھیجتے اور ان کی عظمت کا اعتراف کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان پر اپنی طرف سے سلامتی، رحمت اور عزت نازل فرمائی۔

اس کے بعد ارشاد ہوا کہ ہم اپنے نیک اور مخلص بندوں کو اسی طرح بہترین جزا عطا کرتے ہیں، بے شک حضرت الیاس علیہ السلام ہمارے سچے اور کامل ایمان والے بندوں میں سے تھے۔

ان آیات میں یہ سبق موجود ہے کہ انبیاءِ کرام علیہم السلام کی دعوت ہمیشہ توحید، تقویٰ اور اخلاص پر مبنی رہی ہے، اور جو لوگ ایمان و اطاعت کا راستہ اختیار کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ انہیں دنیا و آخرت میں عزت اور کامیابی عطا فرماتا ہے۔

تذکرہ حضرت لوط علیہ السلام

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

وَاِنَّ لُوْطًا لَّمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ {۱۳۳} اِذْ نَجَّيْنٰهُ وَاَهْلَهٗٓ اَجْمَعِيْنَ {۱۳۴} اِلَّا عَجُوْزًا فِي الْغٰبِرِيْنَ {۱۳۵} ثُمَّ دَمَّرْنَا الْاٰخَرِيْنَ {۱۳۶} وَاِنَّكُمْ لَتَمُرُّوْنَ عَلَيْهِمْ مُّصْبِحِيْنَ {۱۳۷} وَبِالَّيْلِ اَفَلَا

تَعْقِلُوْنَ{۱۳۸} الصافات

جواب ترجمہ: اور بلاشبہ لوط پیغمبروں میں سے ہیں۔ جبکہ ہم نے انہیں اور ان کے گھر والوں کو نجات دی۔ سوائے بوڑھی عورت کے وہ باقی رہ جانے والوں میں سے تھی۔ پھر ہم نے دوسرے لوگوں کو ہلاک کر دیا۔ اور بلاشبہ تم ان پر ضرور گزرتے ہو صبح کے وقت۔ اور رات کو سو کیا تم سمجھ نہیں رکھتے۔

خلاصہ تفسیر: حضرت لوط علیہ السلام بھی اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ رسولوں میں سے تھے، جنہیں اپنی قوم کی ہدایت کے لیے مبعوث فرمایا گیا تھا، آپ علیہ السلام اپنی قوم کو ایمان، پاکیزگی اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی دعوت دیتے رہے اور انہیں اس بدترین بے حیائی اور فحاشی سے روکتے رہے جس میں وہ مبتلا ہو چکے تھے، مگر قوم نے آپ علیہ السلام کی دعوت کو قبول کرنے کے بجائے تکذیب، سرکشی اور گناہ پر اصرار کیا، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے حضرت لوط علیہ السلام اور ان کے اہلِ ایمان گھر والوں کو عذاب سے محفوظ فرمالیا، لیکن آپ کی بیوی چونکہ ایمان سے محروم اور قوم کے کفر و فساد میں شریک تھی، اس لیے وہ بھی عذاب سے نہ بچ سکی اور ہلاک ہونے والوں میں شامل ہو گئی، اس سے واضح ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں اصل معیار ایمان اور عمل ہے، محض خاندانی تعلق نجات کا سبب نہیں بنتا۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے باقی تمام مجرموں کو سخت عذاب کے ذریعے ہلاک کر دیا، کیونکہ انہوں نے اپنے نبی کی تکذیب کی، حق کو جھٹلایا اور کھلی بے حیائی میں مبتلا رہے۔

پھر اہلِ مکہ کو عبرت دلائی گئی کہ تم اپنے تجارتی سفروں میں شام جاتے ہوئے صبح و شام ان بستیوں کے کھنڈرات کے پاس سے گزرتے ہو، جہاں کبھی یہ نافرمان قوم آباد تھی، کیا تم ان آثار کو دیکھ کر عقل سے کام نہیں لیتے اور عبرت حاصل نہیں کرتے؟

یہ آیات انسان کو متنبہ کرتی ہیں کہ کفر، تکذیبِ رسالت اور اخلاقی بے راہ روی آخر کار انسان کو تباہی اور عذابِ الٰہی تک پہنچا دیتی ہے، جبکہ نجات صرف ایمان، پاکیزگی اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں ہے۔

حضرت یونس علیہ السلام کا واقعہ

سوال حضرت یونس علیہ السلام کا واقعہ پر روشنی ڈالیے۔

وَاِنَّ يُوْنُسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ{۱۳۹}اِذْ اَبَقَ اِلَى الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ{۱۴۰}فَسَاهَمَ فَكَانَ مِنَ الْمُدْحَضِيْنَ{۱۴۱}فَالْتَقَمَهُ الْحُوْتُ وَهُوَ مُلِيْمٌ{۱۴۲}فَلَوْلَآ اَنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُسَبِّحِيْنَ{۱۴۳}لَلَبِثَ فِيْ بَطْنِهٖٓ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ{۱۴۴}فَنَبَذْنٰهُ بِالْعَرَآءِ وَهُوَ سَقِيْمٌ{۱۴۵}وَاَنْۢبَتْنَا عَلَيْهِ شَجَرَةً مِّنْ يَّقْطِيْنٍ{۱۴۶}وَاَرْسَلْنٰهُ اِلٰى مِائَةِ اَلْفٍ اَوْ يَزِيْدُوْنَ{۱۴۷}فَاٰمَنُوْا فَمَتَّعْنٰهُمْ اِلٰى حِيْنٍ{۱۴۸}الصافات.

جواب ترجمہ: اور بلاشبہ یونس پیغمبروں میں سے ہیں۔ جب وہ بھری ہوئی کشتی کی طرف بھاگ کر چلے گئے۔ سو قرعہ ڈالا سو وہ ہار جانے والوں میں سے ہوگئے۔ پھر مچھلی نے انہیں نگل لیا، جبکہ وہ اپنے آپ کو ملامت کر رہے تھے۔ سو اگر وہ تسبیح کرنے والوں میں سے نہ ہوتے۔ تو وہ اس دن تک اسی مچھلی کے پیٹ میں رہتے جس دن مردوں کو زندہ کیا جائے گا۔ پھر ہم نے انہیں ایسی حالت میں ایک کھلے میدان میں لا کر ڈال دیا کہ وہ بیمار تھے۔ اور ان کے اوپر ایک بیل دار درخت اگا دیا۔ اور ہم نے انہیں ایک لاکھ، بلکہ اس سے بھی زیادہ لوگوں کے پاس پیغمبر بنا کر بھیجا تھا۔ پھر وہ ایمان لے آئے تھے اس لیے ہم نے انہیں ایک زمانے تک زندگی سے فائدہ اٹھانے کا موقع دیا۔

خلاصہ تفسیر: مختلف مقامات پر اللہ تعالیٰ نے حضرت یونس علیہ السلام کا واقعہ بیان فرمایا ہے، ان کے نام پر قرآن کریم میں ایک پوری سورت بھی نازل فرمائی ہے، مگر اس مقام پر حضرت یونس علیہ السلام کا واقعہ اللہ تعالیٰ نے یوں بیان فرمایا ہے،

حضرت یونس علیہ السلام کے قصہ کے ذیل میں شیخ الحدیث مولانا سرفراز خان صفدر اپنے دروس ذخیرۃ الجنان میں ارشاد فرماتے ہیں کہ حضرت یونس علیہ السلام عراق کے صوبہ موصل کے شہر نینوا کے رہنے والے تھے۔ آج بھی اس شہر کا نام نینوا ہے، اس کی آبادی ایک لاکھ بیس ہزار کے قریب تھی۔ ان کے والد کا نام متی تھا، یونس بن متی علیہ السلام، انہوں نے شادی بھی کی، اللہ تعالیٰ نے دو بیٹے عطا فرمائے، نبوت عطا فرمائی اور حکم ہوا کہ اپنی قوم کو تبلیغ کرو۔

عرصہ دراز تک تبلیغ کرتے رہے مگر قوم بڑی ضدی اور ہٹ دھرم تھی حق کو قبول نہ کیا، اللہ

تعالیٰ کی طرف سے حکم آیا کہ قوم سے کہہ دو کہ اگر تم میری بات نہیں مانو گے تو تم پر عذاب آئے گا۔ حضرت یونس علیہ السلام نے جب مجمع میں یہ حکم سنایا تو ایک آدمی نے کھڑے ہو کر سوال کیا کب تک آئے گا؟

فرمایا تین دن میں آجائے گا اور ایک روایت میں ہے کہ چالیس دنوں میں آجائے گا، یہ یونس علیہ السلام نے اپنی طرف سے کہا اللہ تعالیٰ کی طرف سے دنوں کی تعیین نہیں تھی۔ یہ یونس علیہ السلام کی اجتہادی لغزش تھی اور خطا تھی۔

پھر خیال فرمایا کہ ان پر عذاب تو آنا ہے لہٰذا میں اپنی بیوی اور بچوں کو لے کر یہاں سے چلا جاؤں کہ کہیں ہم پر عذاب نہ آجائے حالانکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ابھی جانے کا حکم نہیں آیا تھا، یہ خطا تھی جس پر گرفت ہوئی۔

وہاں سے جانے کی ایک وجہ یہ بھی لکھی ہے کہ خیال فرمایا رب تعالیٰ کی طرف سے تو مطلقاً عذاب کی دھمکی تھی دنوں کی تعیین تو میں نے اپنی طرف سے کی ہے رب تعالیٰ تو میرا پابند نہیں ہے اگر تین دن یا چالیس دنوں میں عذاب نہ آیا تو لوگ مجھے تنگ کریں گے۔ تو شرم کے مارے بیوی بچوں کو لے کر چل پڑے۔

آبادی سے کافی دور نکل گئے تو دیکھا اگلی طرف سے کچھ لوگ اکٹھے ہو کر آرہے ہیں، قریب آکر انہوں نے کہا کہ ہم نے بی بی کو لے کر جانا ہے۔ فرمایا دیکھو! میں اللہ تعالیٰ کا پیغمبر ہوں یہ میری بیوی ہے میرے ساتھ زیادتی نہ کرو، بڑی منت سماجت کی مگر انہوں نے ایک نہ سنی اور بیوی کو پکڑ کر لے گئے۔ وہ روتی اور چیخیں مارتی رہی مگر بے بس تھی۔

اب دونوں بیٹوں کو لے کر چل پڑے، ایک کی عمر گیارہ سال اور دوسرے کی آٹھ سال کے قریب تھی، آگے تیز رو پہاڑی نالہ یا نہر تھی بچوں کو تیرنا نہیں آتا تھا خیال فرمایا کہ ایک کو پہلے دوسرے کنارے چھوڑ کر آؤں پھر دوسرے کو لے جاؤں گا، ایک بچے کو کندھے پر بٹھا کر لے جا رہے تھے کہ پیچھے والے بیٹے کو بھیڑیے نے پکڑا اس کی چیخ نکلی پیچھے مڑ کر دیکھا تو جسم کا نپا تو کندھے پر جو بچہ تھا وہ بھی نہر میں گر گیا۔ ایک کو بھیڑیا اٹھا کر لے گیا اور دوسرے کو نہر بہا کر لے گئی۔ انتہائی کوشش

کے باوجود دونوں قابو نہ آسکے۔ آگے چلے تو دریا آگیا۔ (ذخیرۃ الجنان)

عام مفسرین کرام تو فرماتے ہیں کہ دریائے دجلہ تھا، علامہ آلوسی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ دریائے فرات تھا، دونوں مشہور دریا ہیں، دوسری طرف جانے کے لئے کشتی تیار تھی یونس بھی کشتی میں بیٹھ گئے۔ کشتی تھوڑی سی چلنے کے بعد ڈانواں ڈول ہوگئی (ڈولنے لگی) ملاحوں نے کہا کہ ہمارا تجربہ ہے کہ کشتی اس طرح اس وقت ہوتی ہے کہ جب کوئی غلام اپنے آقا سے بھاگ کر آتا ہے۔ یونس علیہ السلام نے کہا کہ وہ غلام میں ہوں جو اپنے آقا کی مرضی کے بغیر آیا ہوں۔

کشتی والوں کو یقین نہ آیا کہ شکل وصورت دنیا کے غلاموں جیسی نہیں تھی، قرعہ اندازی کی گئی تو اس میں یونس علیہ السلام کا نام آیا، سب نے اٹھا کر ان کو دریائے فرات میں پھینک دیا، مچھلی نے پہلے سے منہ کھولا ہوا تھا وہ ان کو نگل گئی۔

اللہ تعالیٰ نے مچھلی کو حکم دیا کہ ان کو ہضم نہیں کرنا یہ تیری خوراک نہیں ہے، یہ پیٹ ان کے لئے قید خانہ ہے، پھر تفسیروں میں تین دن بھی لکھے ہیں، آٹھ دن بھی اور بیس دن اور چالیس دن بھی لکھے ہیں کہ اتنے دن یونس علیہ السلام مچھلی کے پیٹ میں رہے، اگر ایک دن بھی پیٹ میں رہے ہوتے تو کیا وہ کم تھا کہ ہمیں بخار ہو جائے تو حرکت کرنے کے قابل نہیں رہتے اور مچھلی کے پیٹ میں تو نہ خوراک نہ تازہ آب وہوا۔

حضرت یونس علیہ السلام کا وظیفہ: مچھلی کے پیٹ میں یونس علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کو پکارا فَنَادٰى فِي الظُّلُمٰتِ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحٰنَكَ إِنِّي كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِينَ (الانبیاء: ۸۷) پس پکارا یونس علیہ السلام نے اندھیروں میں کہ نہیں کوئی معبود سوا تیرے، تیری ذات پاک ہے بیشک میں ہی قصوروار ہوں۔"

دریا کا اندھیرا، مچھلی کے پیٹ کا اندھیرا، اوپر بادل تھے بادلوں کا اندھیرا، اتنے اندھیروں میں اللہ تعالیٰ کے پیغمبر نے اللہ تعالیٰ کو پکارا، اللہ تعالیٰ نے مچھلی کو حکم دیا کہ ان کو دریا کے کنارے ڈال دو، مچھلی نے اگالی کے طریقے پر کنارے پر ڈال دیا۔

حرکت کرنے کے قابل نہیں تھے، بھوک اور تازہ آب وہوا نہ ملنے کی وجہ سے انتہائی کمزور ہوگئے، بڑی سخت دھوپ تھی، اللہ تعالیٰ نے فوراً کدو کا بیل دار درخت پیدا کیا اس کے چوڑے پتوں نے ان پر سایہ کیا کہ دھوپ کی وجہ سے ان کو تکلیف نہ ہو، ایک ہرنی کا بچہ گم ہو گیا تھا وہ دیوانہ وار پھر رہی تھی پتے ہلے تو اس نے سمجھا کہ میرا بچہ یہاں ہے، یونس نے اس کا دودھ پیا، دو تین دن صبح شام آکر دودھ پلاتی رہی، تازہ ہوا لگی چلنے پھرنے کے قابل ہوئے اٹھ کر چلے تو دیکھا کہ مسافروں کا ایک قافلہ ہے ان کے پاس ایک لڑکا ہے دیکھ کر فرمایا کہ یہ تو میرا لخت جگر ہے۔

قافلے والوں نے کہا کہ ہم نے اس کو بھیڑیئے سے چھڑوایا ہے اور اب وارث کی تلاش میں تھے، بیٹا ان سے وصول کیا اور فرمایا کہ میرا ایک بیٹا نہر میں بہہ گیا تھا، ان مسافروں نے بتایا کہ فلاں مقام پر کچھ لوگ رہتے ہیں انہوں نے ہمیں بتایا ہے کہ ہم نے ایک بچہ نہر سے پکڑا ہے اس کا وارث ملے تو ہمیں اطلاع دینا، چنانچہ دوسرا بچہ بھی مل گیا، بچوں کو ملنے کی خوشی بھی تھی اور بیوی کی جدائی کا صدمہ بھی تھا۔

چلتے چلتے دیکھا تو وہی قافلہ جنہوں نے بیوی چھینی تھی سامنے سے آرہا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے فرشتے تھے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے امتحان تھا اہل قافلہ نے بیوی ان کے حوالے کی، حضرت یونس علیہ السلام نے اندھیروں میں مچھلی کے پیٹ کے اندر اللہ تعالیٰ کو پکارا تو اللہ تعالیٰ نے نجات دی۔ (ذخیرۃ الجنان)

حدیث پاک میں آتا ہے دَعوَتُ المَکرُوب دَعوَۃُ ذِی النُّونُ پریشان آدمی کی دعا مچھلی والے کی دعا ہے۔ یعنی جب کوئی آدمی پریشان ہو تو یونس علیہ السلام والی دعا کرے لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَانَكَ إِنِّي كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِينَ تو اللہ تعالیٰ اس کی پریشانی دور کر دیں گے۔

اور قرآن پاک میں بھی ہے وَكَذَٰلِكَ نُنْجِي الْمُؤْمِنِينَ (الانبیاء :۸۸) اور اسی طرح ہم نجات دیتے ہیں ایمان والوں کو۔

یونس ادھر امتحان میں اور قوم نے جب عذاب کے آثار دیکھے تو سب مرد عورتیں، بوڑھے، بچے، جوان، بیمار تندرست، باہر آکر گڑگڑائے، رب تعالیٰ سے معافی مانگی، توبہ کی کہ اے پروردگار!

ہمارا پیغمبر بھیج اب ہم نافرمانی نہیں کریں گے، اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمائی اور یہ واحد قوم ہے جس سے عذاب ٹلا۔

حضرت یونس علیہ السلام کو جب بیوی بچے مل گئے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ آپ کی قوم کی توبہ میں نے قبول کرلی ہے اب تم جاکر ان کو تبلیغ کرو۔ (ذخیرۃ الجنان)

مشرکین کے عقائد باطلہ کی تردید

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

فَاسْتَفْتِهِمْ اَلِرَبِّكَ الْبَنَاتُ وَلَهُمُ الْبَنُوْنَ{۱۴۹}اَمْ خَلَقْنَا الْمَلٰٓئِكَةَ اِنَاثًا وَّهُمْ شٰهِدُوْنَ{۱۵۰}اَلَآ اِنَّهُمْ مِّنْ اِفْكِهِمْ لَيَقُوْلُوْنَ{۱۵۱}وَلَدَ اللّٰهُ وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ {۱۵۲} اَصْطَفَى الْبَنَاتِ عَلَى الْبَنِيْنَ{۱۵۳}مَا لَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ{۱۵۴}اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ {۱۵۵}اَمْ لَكُمْ سُلْطٰنٌ مُّبِيْنٌ {۱۵۶}فَاْتُوْا بِكِتٰبِكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ {۱۵۷} الصافات

خلاصہ تفسیر: ان آیاتِ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے مشرکینِ عرب کے ایک نہایت باطل اور بے بنیاد عقیدے کی تردید فرمائی ہے، وہ فرشتوں کو اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں قرار دیتے تھے، حالانکہ خود اپنی زندگی میں بیٹیوں کو ناپسند کرتے اور بیٹوں کو باعثِ فخر سمجھتے تھے، اللہ تعالیٰ نے ان کے اس تضاد کو نمایاں کرتے ہوئے فرمایا کہ کیا تم اللہ کے لیے وہ چیز پسند کرتے ہو جسے خود اپنے لیے پسند نہیں کرتے اور اپنے لیے وہ چیز منتخب کرتے ہو جسے بہتر سمجھتے ہو؟ یہ کیسی ناانصافی اور کیسا عجیب فیصلہ ہے؟ اگر تمہارے نزدیک بیٹے فضیلت اور عزت کا باعث ہیں تو پھر اللہ تعالیٰ کے لیے بیٹیوں کا تصور کیوں اختیار کرتے ہو؟ اس سوال کے ذریعے قرآنِ کریم نے ان کے عقیدے کی کمزوری اور بے بنیاد ہونے کو واضح کردیا۔

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم نے فرشتوں کو مؤنث قرار دیا، حالانکہ تم ان کی پیدائش کے وقت موجود نہ تھے اور نہ ہی تمہارے پاس اس دعوے کی کوئی علمی بنیاد ہے، یہ محض جھوٹ، گمان اور اللہ تعالیٰ پر افترا پردازی ہے، حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اولاد سے پاک ہے، نہ اس کا کوئی بیٹا ہے اور نہ بیٹی، مشرکین کا یہ دعویٰ سراسر جھوٹ اور بہتان ہے، اس کے بعد انہیں چیلنج دیا گیا کہ اگر ان کے پاس اپنے

اس عقیدے کی کوئی آسمانی کتاب، کوئی اِلہامی دلیل یا کسی رسول کی تعلیم موجود ہے تو اسے پیش کریں، لیکن ظاہر ہے کہ ان کے پاس ایسی کوئی دلیل نہیں تھی، کیونکہ تمام انبیاءِ کرام علیہم السلام نے ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت، بے نیازی اور اس کے ہر قسم کے شریک، اولاد اور مشابہت سے پاک ہونے کی تعلیم دی ہے۔

ان آیات میں یہ اصول واضح کیا گیا ہے کہ عقائد کی بنیاد محض خواہشات، رسم و رواج یا گمان پر نہیں بلکہ وحیِ الٰہی اور قطعی دلائل پر ہونی چاہیے۔

بد عقیدہ لوگوں کے خیالات

سوال اس آیت کی تفسیر کیجیے، نیز بتایئے کہ اَلْجِنَّةِ کا کیا معنیٰ ہے

وَجَعَلُوا بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْجِنَّةِ نَسَبًا وَلَقَدْ عَلِمَتِ الْجِنَّةُ إِنَّهُمْ لَمُحْضَرُونَ {۱۵۸} الصافات

جواب ترجمہ: اور انہوں نے اللہ کے اور جنات کے درمیان رشتہ داری قرار دے دی، حالانکہ جنات کو معلوم ہے کہ وہ ضرور حاضر کیے جائیں گے۔

خلاصہ تفسیر: حضرت مولانا سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ اس آیت کے ذیل میں فرماتے ہیں کہ گزشتہ زمانوں کی طرح آج بھی مجرم قومیں موجود ہیں اور ان جیسے گندے اور غلط عقائد بھی آج موجود ہیں۔ ان کے غلط عقائد میں سے ایک عقیدہ یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ صاحب اولاد ہے۔ یہود نے کہا عُزَيْرٌ ابْنُ اللهِ عزیر علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہیں اور نصاریٰ نے کہا مَسِيحُ ابْنُ اللهِ عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے بیٹے ہیں، عرب کے مشرکوں نے کہا کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں۔ (ذخیرۃ الجنان)

ان جاہلوں سے پوچھا کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں تو ان کی مائیں کون ہیں؟ تو بخاری شریف میں روایت ہے کہ ان جاہلوں نے کہا کہ جنات میں جو پریاں ہیں یہ فرشتوں کی مائیں ہیں۔ تو جب فرشتے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہوئیں اور پریاں ان کی مائیں ہوئیں تو اس سے اللہ تعالیٰ کے ساتھ رشتہ خود بخود ظاہر ہو گیا۔

اس کی اللہ تعالیٰ تردید فرماتے ہیں، فرمایا وَجَعَلُوا بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْجِنَّةِ نَسَبًا اور بنایا انہوں نے اللہ تعالیٰ اور جنوں کے درمیان رشتہ وَلَقَدْ عَلِمَتِ الْجِنَّةُ إِنَّهُمْ لَمُحْضَرُونَ اور البتہ تحقیق جنات

جانتے ہیں کہ بیشک وہ البتہ حاضر کیے جائیں گے دوزخ میں۔ (ذخیرۃ الجنان)

مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ اس جملے کی ایک تفسیر تو یہ ہے کہ یہ مشرکین عرب کے اس فاسد عقیدے کا بیان ہے کہ جنات کی سردار زادیاں فرشتوں کی مائیں ہیں، گویا معاذ اللہ جنات کی سردار زادیوں سے اللہ تعالیٰ کا زوجیت کا تعلق ہے، اور اسی تعلق کے نتیجے میں فرشتے وجود میں آئے ہیں۔ چنانچہ ایک تفسیری روایت میں ہے کہ جب مشرکین عرب نے فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں قرار دیا تو حضرت ابو بکر نے پوچھا کہ ان کی ماں کون ہے؟ انہوں نے جواب میں کہا کہ جنات کی سردار زادیاں (تفسیر ابن کثیر، ص ۳۲ ج ۴)

لیکن اس تفسیر پر یہ اشکال رہتا ہے کہ آیت میں اللہ تعالیٰ اور جنات کے درمیان نسبی تعلق کا ذکر ہے اور زوجیت کا تعلق نسبی نہیں ہوتا، اس لئے ایک دوسری تفسیر یہاں زیادہ راجح معلوم ہوتی ہے جو حضرت ابن عباس، حسن بصری اور ضحاک سے منقول ہے، اور وہ یہ کہ بعض اہل عرب کا عقیدہ یہ بھی تھا کہ معاذ اللہ ابلیس اللہ تعالیٰ کا بھائی ہے، اللہ تعالیٰ خالق خیر ہے اور وہ خالق شر، یہاں اسی باطل عقیدے کی تردید کی گئی ہے (ملاحظہ ہو تفسیر ابن کثیر و قرطبی و کبیر) الْجِنَّةِ سے یہاں مراد فرشتے ہیں۔ (بیضاوی، جلالین) اکثر اہل تفسیر یہ کہتے ہیں کہ یہاں الْجِنَّة سے مراد فرشتے ہیں۔ (قرطبی)

معبودانِ مشرکین کی بے بسی

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يَصِفُوْنَ {۱۵۹} اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ {۱۶۰} فَاِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ {۱۶۱} مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ بِفٰتِنِيْنَ {۱۶۲} اِلَّا مَنْ هُوَ صَالِ الْجَحِيْمِ {۱۶۳} الصافات

جواب ترجمہ: اللہ ان باتوں سے پاک ہے جو وہ بیان کرتے ہیں۔ مگر وہ جو اللہ کے خاص بندے ہیں۔ سو بلاشبہ تم اور تمہارے معبود، اللہ تعالیٰ سے کسی کو نہیں پھیر سکتے، مگر اسی کو جو دوزخ میں داخل ہونے والا ہے۔

خلاصہ تفسیر: تو جو جہنم میں جائیں گے ان کا رب تعالیٰ کے ساتھ کیا رشتہ ہے؟ سبحان اللہ اللہ تعالیٰ کی ذات پاک ہے عَمَّا يَصِفُونَ اس چیز سے جو وہ بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہیں بیٹیاں ہیں، اللہ تعالیٰ اس سے پاک ہے نہ اس کا بیٹا ہے نہ بیٹی ہے نہ بیوی نہ اس کا جنات کے ساتھ رشتہ ہے اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِينَ مگر جو اللہ تعالیٰ کے مخلص بندے ہیں جنات میں سے، انسانوں میں، مومن متقی ہیں وہ دوزخ سے بچا لیے جائیں گے۔ جیسے انسانوں میں مومن کافر، نیک بد ہیں جنات میں بھی مومن کافر نیک بد ہیں۔ (ذخیرۃ الجنان) اللہ تعالیٰ نے مشرکین اور ان کے باطل معبودوں کی بے بسی کو واضح کرتے ہوئے فرمایا کہ

فَاِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ ۝ مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ بِفٰتِنِيْنَ: اے مشرکو! تم اور وہ تمام معبود جنہیں تم اللہ تعالیٰ کے سوا پوجتے ہو، کسی شخص کو اپنی طاقت اور اختیار سے راہِ حق سے گمراہ نہیں کرسکتے، تمہاری دعوتِ باطل، تمہارے فریب اور تمہارے معبودوں کی حیثیت اس سے زیادہ نہیں کہ وہ صرف ظاہری اسباب بنیں، لیکن کسی کے دل میں ہدایت یا گمراہی پیدا کرنا تمہارے اختیار میں نہیں، یہ اختیار صرف اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے، جو ہر چیز کا مالک اور مدبر ہے۔

اِلَّا مَنْ هُوَ صَالِ الْجَحِيْمِ: البتہ وہی لوگ تمہارے باطل راستے کی طرف مائل ہوتے ہیں جنہوں نے اپنی سرکشی، ہٹ دھرمی اور حق سے اعراض کے ذریعے خود کو عذابِ الٰہی کا مستحق بنالیا ہو، ایسے لوگوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا فیصلہ نافذ ہو جاتا ہے اور وہ اپنے اختیار سے کفر و گمراہی کو اختیار کرکے جہنم کے راستے پر چل پڑتے ہیں۔

اس کا یہ مطلب نہیں کہ مشرکین یا ان کے معبود کسی کو زبردستی گمراہ کرسکتے ہیں، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ہدایت اور گمراہی کا اصل اختیار اللہ تعالیٰ کے پاس ہے اور وہ اپنے عدل و حکمت کے مطابق ہر شخص کے ساتھ معاملہ فرماتا ہے۔

ان آیات سے یہ سبق ملتا ہے کہ بندے کو ہمیشہ اللہ تعالیٰ سے ہدایت کی دعا مانگنی چاہیے اور کسی مخلوق کی طاقت یا اثر کو اس حد تک نہیں سمجھنا چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ارادے اور فیصلے سے مستقل

طور پر کسی کو ہدایت یا گمراہی دے سکے۔

فرشتوں کے اوصاف

سوال ان آیات میں کیا بیان کیا گیا ہے؟

وَمَا مِنَّآ اِلَّا لَهٗ مَقَامٌ مَّعْلُوْمٌ (۱۶۴)وَّاِنَّا لَنَحْنُ الصَّآفُّوْنَ (۱۶۵)وَاِنَّا لَنَحْنُ الْمُسَبِّحُوْنَ (۱۶۶)الصافات

جواب ترجمہ: اور (فرشتے تو یہ کہتے ہیں کہ) ہم میں سے ہر ایک کا ایک معین مقام ہے۔ اور ہم تو (اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں) صف باندھے رہتے ہیں۔ اور ہم تو اللہ کی پاکی بیان کرتے رہتے ہیں۔

خلاصہ تفسیر: فرشتوں کی اپنی زبانی ان کے فرائض اور ڈیوٹیاں بیان کی جارہی ہیں، فرشتے کہتے ہیں کہ ہم میں سے ہر ایک کے لئے ایک مقرر جگہ اور ایک مقام عبادت مخصوص ہے جس سے نہ ہم ہٹ سکتے ہیں نہ اس میں کمی بیشی کرسکتے ہیں۔

حضرت نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ أَطَّتِ السَّمَآءُ وحُقَّ لَهَا أَنْ تَئِطَّ، لَيْسَ فِيهَا مَوْضِعَ قَدَمٍ إِلَّا عَلَيْهِ مَلَكٌ رَاكِعٌ أَوْ سَاجِدٌ (ابن کثیر) آسمان چرچرا رہا ہے اور واقع میں اسے چرچرانا بھی چاہئے، اس میں ایک قدم رکھنے جتنی جگہ بھی خالی نہیں جہاں کوئی نہ کوئی فرشتہ رکوع سجدے میں پڑا ہوا نہ ہو۔ پھر آپ نے ان تینوں آیتوں کی تلاوت کی۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت نبی کریم ﷺ نے فرمایا مَا مِنَ السَّمَاءِ الدُّنْيَا مَوْضِعٌ إِلَّا عَلَيْهِ مَلَكٌ سَاجِدٌ أَوْ قَائِمٌ (العظمت للشیخ) آسمان دنیا میں تھوڑی سی جگہ بھی خالی نہیں ہے جہاں کوئی فرشتہ سجدے میں یا قیام میں نہ ہو۔

ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں إِنَّ فِي السَّمَاوَاتِ لَسَمَاءٍ مَا فِيهَا مَوْضِعُ شِبْرٍ إِلَّا عَلَيْهِ جَبْهَةُ مَلَكٍ أَوْ قَدَمَاهُ، ایک بالشت بھر جگہ آسمانوں میں ایسی نہیں جہاں پر کسی نہ کسی فرشتے کے قدم یا پیشانی نہ ہو۔

حضرت قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ كَانُوا يُصَلُّونَ الرِّجَالُ وَالنِّسَاءُ جَمِيعًا، حَتَّى نَزَلَتْ: {وَمَا مِنَّا إِلَّا لَهُ مَقَامٌ مَعْلُومٌ}، فَتَقَدَّمَ الرجال وتأخر النساء پہلے تو مرد عورت ایک ساتھ نماز پڑھتے تھے لیکن اس آیت کے نزول کے بعد مردوں کو آگے بڑھادیا گیا اور عورتوں کو پیچھے کر دیا گیا اور ہم سب فرشتے صف بستہ عبادت اللہ کی کیا کرتے ہیں۔

ولید بن عبد اللہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ كَانُوا لَا يُصَفُّونَ فِي الصَّلَاةِ حَتَّى نَزَلَتْ: {وَإِنَّا لَنَحْنُ الصَّافُّونَ}، فَصُفُّوا، اس آیت کے نازل ہونے تک نماز کی صفیں نہیں تھیں پھر صفیں مقرر ہو گئیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ اقامت کے بعد لوگوں کی طرف منہ کر کے فرماتے تھے أَقِيمُوا صُفُوفَكُمْ، اسْتَوُوا قِيَامًا، يُرِيدُ اللَّهُ بِكُمْ هَدْيَ الْمَلَائِكَةِ، صفیں ٹھیک درست کرلو سیدھے کھڑے ہو جاؤ اللہ تعالیٰ تم سے بھی فرشتوں کی طرح صف بندی چاہتا ہے۔ جیسے وہ فرماتے ہیں وَإِنَّا لَنَحْنُ الصَّافُّونَ (الصافات:۱۶۵) (ابن ابی حاتم) اے فلاں آگے بڑھ اے فلاں پیچھے ہٹ۔ پھر آپ آگے بڑھ کر نماز شروع کرتے۔

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ جُعلت صُفُوفُنَا كَصُفُوفِ الْمَلَائِكَةِ، وَجُعِلَتْ لَنَا الْأَرْضُ مَسْجِدًا، وَتُرْبَتُهَا طَهُورًا، ہمیں تین فضیلتیں ایسی دی گئی ہیں جن میں اور کوئی ہمارے ساتھ نہیں۔ ہماری صفیں فرشتوں جیسی بنائی گئیں، ہمارے لئے ساری زمین مسجد بنائی گئی اور ہمارے لئے زمین کی مٹی پاک کرنے والی بنائی گئی۔

وَإِنَّا لَنَحْنُ الْمُسَبِّحُونَ: ہم اللہ کی تسبیح اور پاکی بیان کرنے والے ہیں، اس کی بزرگی اور بڑائی بیان کرتے ہیں، تمام نقصانوں سے اسے پاک مانتے ہیں، ہم سب فرشتے اس کے غلام ہیں اس کے محتاج ہیں اس کے سامنے اپنی پستی اور عاجزی کا اظہار کرنے والے ہیں، پس یہ تینوں اوصاف فرشتوں کے ہیں۔

مشرکین کی بدعہدی

سوال ان آیات کی تفسیر کیجیے

وَإِنْ كَانُوا لَيَقُولُونَ {۱۶۷} لَوْ أَنَّ عِنْدَنَا ذِكْرًا مِّنَ الْأَوَّلِينَ {۱۶۸} لَكُنَّا عِبَادَ اللَّهِ

الْمُخْلَصِيْنَ {۱۶۹}فَكَفَرُوْا بِهٖ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ {۱۷۰}الصافات

جواب ترجمہ: اور یہ (کافر) لوگ پہلے تو یہ کہا کرتے تھے۔ کہ اگر ہمارے پاس پچھلے لوگوں کی طرح کوئی نصیحت کی کتاب ہوتی۔ تو ہم بھی ضرور اللہ کے برگزیدہ بندوں میں شامل ہوتے۔ پھر بھی انہوں نے کفر کی روش اپنائی ہے۔ اس لیے انہیں سب پتہ چل جائے گا۔

خلاصہ تفسیر: حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ مشرکین عرب کی ایک بدعہدی کا ذکر کرتے ہیں کہ یہ لوگ نبی کریم ﷺ کے مبعوث ہونے سے پہلے یہود و نصاریٰ کی سرکشی اور ہلاکت کا حال سن کر یہ کہا کرتے تھے کہ اگر پہلوں کی طرح ہمارے پاس بھی توریت و انجیل جیسی کوئی کتاب ہوتی تو ہم بھی اللہ کے خالص فرمانبردار بندے ہوتے اور خوب اس پر عمل کرتے لیکن جب توریت و انجیل سے بڑھ کر ان کی ہدایت کے لئے قرآن نازل ہوا اور نبی کریم ان کی طرف مبعوث ہوئے تو منکر ہوگئے اور آنحضرت ﷺ کی تکذیب اور مخالفت پر تل گئے بڑی شرم کی بات ہے کہ اپنے قول و قرار اور اپنی تمنا سے یکلخت برگشتہ ہوگئے

{وَأَقْسَمُوا بِاللّٰهِ جَهْدَ أَيْمَانِهِمْ لَئِنْ جَاءَهُمْ نَذِيرٌ لَيَكُونُنَّ أَهْدَى مِنْ إِحْدَى الْأُمَمِ فَلَمَّا جَاءَهُمْ نَذِيرٌ مَا زَادَهُمْ إِلَّا نُفُورًا} (فَاطِرَ: ۴۲)أَنْ تَقُولُوا إِنَّمَا أُنْزِلَ الْكِتَابُ عَلَى طَائِفَتَيْنِ مِنْ قَبْلِنَا وَإِنْ كُنَّا عَنْ دِرَاسَتِهِمْ لَغَافِلِينَ،

مطلب یہ ہے کہ جس چیز کی یہ لوگ پہلے سے تمنا کیا کرتے تھے جب وہ ان کے سامنے آئی تو اس سے متنفر اور بیزار ہوگئے ان آیات میں وعدہ سے انحراف پر وعید اکید اور تہدید شدید ہے چنانچہ فرماتے ہیں

اور تحقیق یہ کفار مکہ آپ ﷺ کے مبعوث ہونے سے پہلے یہ کہا کرتے تھے کہ اگر پہلے لوگوں کی طرح ہمارے پاس بھی کوئی کتاب ہوئی جس سے ہم پند و نصیحت حاصل کرتے جیسے یہود و نصاریٰ کے پاس اللہ کی کتابیں آئیں تو ہم اللہ کے خالص بندے ہوتے۔

پس جب ہم نے ان کی ہدایت کے لئے یہ قرآن بھیجا جو تمام آسمانی کتابوں سے بڑھ کر ہے تو اس

سے منکر ہو گئے اور اپنے گذشتہ قول و قرار سے یکلخت منحرف ہو گئے پس قریب ہی میں اپنے کفر کے انجام کو جان لیں گے کہ اپنی مخالفت میں ناکام ہوں گے اور وقتی طور پر جو ان کو قوت اور شوکت حاصل ہے وہ عنقریب ختم ہو جائیں گی اور اللہ نے اپنے نبی سے جو اپنے دین کے غلبہ کا وعدہ کیا ہے ضرور اللہ اس کو پورا کرے گا۔ (معارف القرآن للکاندھلوی)

حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں اور یہ لوگ (یعنی کفار عرب آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے) کہا کرتے تھے کہ اگر ہمارے پاس کوئی نصیحت (کی کتاب) پہلے لوگوں (کی کتابوں) کے طور پر آتی (یعنی جیسے یہود و نصاریٰ کے پاس رسول اور کتابیں آئیں، اگر ہمارے لئے ایسا ہوتا) تو ہم اللہ کے خاص بندے ہوتے (یعنی اس کتاب کی تصدیق اور اس پر عمل کرتے، ان کی طرح تکذیب اور مخالفت نہ کرتے) پھر (جب) وہ نصیحت کی کتاب رسول کے ذریعہ سے ان کو پہنچی تو) یہ لوگ اس کا انکار کرنے لگے (اور اپنا وہ عہد توڑ دیا) سو (خیر) اب ان کو (اس کا انجام) معلوم ہوا جاتا ہے (چنانچہ مرتے ہی کفر کا انجام سامنے آگیا، اور بعض سزائیں موت سے پہلے بھی مل گئیں) (بیان القرآن)

اللہ کا لشکر غالب رہتا ہے

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِيْنَ {۱۷۱} اِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُوْرُوْنَ {۱۷۲} وَاِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ {۱۷۳} (الصافات)

جواب ترجمہ: اور ہم پہلے ہی اپنے پیغمبر بندوں کے بارے میں یہ بات طے کر چکے ہیں۔ کہ یقینی طور پر ان کی مدد کی جائے گی۔ اور حقیقت یہ ہے کہ ہمارے لشکر کے لوگ ہی غالب رہتے ہیں۔

خلاصہ تفسیر: حضرت مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ ان آیتوں کا مفہوم یہ ہے کہ ہم نے یہ بات پہلے سے طے کر رکھی ہے کہ ہمارے خاص بندے یعنی پیغمبر ہی غالب ہوتے ہیں۔

اشکال: بعض پیغمبروں کو دنیا میں غلبہ حاصل نہیں ہوا۔

جواب اس کا جواب یہ ہے کہ معلوم پیغمبروں میں اکثریت تو ایسے ہی حضرات کی ہے جن کی قومیں

انہیں جھٹلا کر عذاب میں مبتلا ہوئیں اور ان حضرات کو عذاب سے محفوظ رکھا گیا صرف چند انبیاء علیہم السلام ایسے ہیں جنہیں دنیا میں آخر وقت تک بظاہر مادی طور پر غلبہ نہ مل سکا، لیکن دلیل وحجت کے میدان میں ہمیشہ وہی سربلند رہے، اور نظریاتی فتح ہمیشہ انہی کو حاصل ہوئی، ہاں اس سربلندی کے مادی آثار کسی خاص حکمت مثلاً آزمائش وغیرہ کی وجہ سے آخرت تک موخر کر دیئے گئے۔

لہٰذا بقول حضرت تھانوی رحمہ اللہ اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی ذلیل رہزن کسی بڑے حاکم افسر کے ساتھ سفر کی حالت میں لوٹ مار کرنے لگے، مگر وہ حاکم اپنی خداداد عالی دماغی کی وجہ سے ہرگز اس ذلیل رہزن کی خوشامد نہیں کرے گا، حتیٰ کہ جب وہ حاکم اپنے دارالحکومت میں پہنچے گا اس رہزن کو گرفتار کر کے سزا دے گا، لہٰذا اس عارضی غلبہ کی وجہ سے نہ اس رہزن کو حاکم کہہ سکتے ہیں اور نہ اس افسر کو محکوم، بلکہ اصلی حالت کے اعتبار سے وہ رہزن اس غلبہ میں بھی محکوم ہے اور وہ افسر اس مغلوبیت میں بھی حاکم ہے، اسی بات کو حضرت ابن عباس نے ایک مختصر اور سلیس عنوان سے تعبیر فرمایا ہے، اِن لَّم یُنصَرُوا فِی الدُّنیَا یُنصَرُوا فِی الآخِرَۃِ (بیان القرآن تفسیر سورۃ مائدہ)

لیکن یہ بات ہمیشہ ذہن میں رکھنی چاہئے کہ یہ غلبہ، خواہ دنیا میں ہو یا آخرت میں کسی قوم کو محض خصوصیات نسلی یا دین کے ساتھ محض نام کے تعلق سے حاصل نہیں ہوتا، بلکہ یہ اس وقت ہوتا ہے جب انسان اپنے آپ کو "اللہ کے لشکر" کا ایک فرد بنالے، جس کا لازمی مطلب یہ ہے کہ وہ ہر شعبہ زندگی میں اللہ کی اطاعت کو اپنا مقصد حیات بنائے ہوئے ہو۔ یہاں جُندَنَا (ہمارا لشکر) کا لفظ بتا رہا ہے کہ جو شخص اسلام قبول کرے اسے اپنی ساری زندگی نفس اور شیطان کی طاقتوں سے جنگ کرنے میں خرچ کرنے کا معاہدہ کرنا ہوگا اور اس کا غلبہ خواہ مادی ہو یا اخلاقی، دنیا میں ہو یا آخرت میں، اسی شرط پر موقوف ہے۔ (معارف القرآن)

وَإِنَّ جُندَنَا لَهُمُ الْغَالِبُونَ: یاد رکھو ہمارا لشکر ہی غالب رہے گا، انجام کار انہی کے ہاتھ رہے گا، تو ایک وقت مقررہ تک صبر واستقامت سے معاملہ دیکھتا رہ ان کی ایذاؤں پر صبر کر ہم تجھے ان سب پر غالب کر دیں گے، دنیا نے دیکھ لیا کہ یہی ہوا ابھی تو انہیں دیکھتا رہ کہ کس طرح اللہ کی پکڑ ان پر نازل

ہوتی ہے ؟ اور کس طرح یہ ذلت و توہین کے ساتھ پکڑ لئے جاتے ہیں ؟ یہ خود ان تمام رسوائیوں کو ابھی ابھی دیکھ لیں گے۔

عجب سا تعجب ہے کہ یہ طرح طرح کے چھوٹے چھوٹے عذابوں کی گرفت کے باوجود ابھی تک بڑے عذاب کو محال جانتے ہوئے کہتے ہیں کہ وہ کب آئے گا ؟ پس انہیں جواب ملتا ہے کہ جب عذاب ان کے میدانوں میں، محلوں میں، انگنائیوں میں آئے گا وہ دن ان پر بڑا ہی بھاری دن ہو گا۔ یہ ہلاک اور برباد کر دیئے جائیں گے۔

عذاب الٰہی کی وعید، رسولوں پر سلام

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

فَتَوَلَّ عَنْهُمْ حَتّٰى حِيْنٍ{۱۷۴}وَّاَبْصِرْهُمْ فَسَوْفَ يُبْصِرُوْنَ{۱۷۵}اَفَبِعَذَابِنَا يَسْتَعْجِلُوْنَ {۱۷۶}فَاِذَا نَزَلَ بِسَاحَتِهِمْ فَسَآءَ صَبَاحُ الْمُنْذَرِيْنَ {۱۷۷}وَتَوَلَّ عَنْهُمْ حَتّٰى حِيْنٍ {۱۷۸}وَّاَبْصِرْ فَسَوْفَ يُبْصِرُوْنَ{۱۷۹}سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ{۱۸۰} وَسَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ {۱۸۱}وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ {۱۸۲}الصافات

جواب ترجمہ: سو آپ مختصر زمانہ تک ان سے اعراض فرمایئے۔ اور ان کو دیکھتے رہیے سو عنقریب وہ بھی دیکھ لیں گے۔ کیا وہ ہمارے عذاب کے لیے جلدی مچا رہے ہیں۔ سو جب وہ ان کے میدان میں نازل ہو جائے گا تو ان لوگوں کی صبح بری ہو گی جن کو ڈرایا جا چکا تھا۔ اور تھوڑے زمانہ تک آپ ان سے اعراض کیجیے۔ اور ان کو دیکھتے رہیے سو عنقریب وہ بھی دیکھ لیں گے۔ آپ کا رب جو رب العزت ہے ان باتوں سے پاک ہے جو یہ لوگ بیان کرتے ہیں۔ اور سلام ہو پیغمبروں پر۔ اور سب تعریف ہے اللہ کے لیے جو رب العالمین ہے۔

خلاصہ تفسیر: ان آیاتِ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا کہ آپ ان ضدی اور ہٹ دھرم مشرکین سے وقتی طور پر اعراض فرمائیں اور ان کے انجام کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیں، ان کی سرکشی اور تکذیب کا وقتِ حساب مقرر ہے اور جب اللہ تعالیٰ کا فیصلہ نافذ ہو گا تو

انہیں اپنے اعمال کا انجام ضرور دیکھنا پڑے گا۔

آپ ان کے حال پر نظر رکھیں، کیونکہ عنقریب یہ لوگ اس عذاب کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے جس کا وہ مذاق اڑاتے اور جس کے آنے میں جلدی مچاتے تھے، اللہ تعالیٰ نے ان کے اس رویے پر تعجب کا اظہار فرمایا کہ وہ عذابِ الٰہی کو جلد طلب کرتے ہیں، حالانکہ جب وہ عذاب ان پر نازل ہو گا تو ان کی صبح نہایت بدترین صبح ہو گی۔

اس وقت نہ ان کا غرور باقی رہے گا، نہ ان کی قوت و شوکت اور نہ ان کے باطل معبود ان کے کسی کام آسکیں گے، پھر دوبارہ نبی کریم ﷺ کو اطمینان دلایا گیا کہ آپ ان سے کنارہ کش رہیں اور انتظار کریں، کیونکہ جس حقیقت کو آپ دیکھ رہے ہیں، بہت جلد یہ بھی اسے دیکھ لیں گے۔

سورت کے اختتام پر اللہ تعالیٰ نے اپنی پاکی، عظمت اور کمالِ قدرت کا اعلان فرمایا، ارشاد ہوا کہ آپ کا رب، جو تمام قوتوں اور اقتدار کا مالک ہے، ان تمام عیوب اور جھوٹے اوصاف سے پاک ہے جو مشرکین اس کی طرف منسوب کرتے ہیں۔

پھر تمام انبیاءِ کرام علیہم السلام پر سلام بھیجا گیا، کیونکہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کا پیغام پوری امانت و دیانت کے ساتھ لوگوں تک پہنچایا اور حق کی دعوت میں ہر طرح کی قربانیاں دیں، آخر میں اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کی گئی کہ ہر قسم کی تعریف، بزرگی اور کمال اسی کے لیے ہے، کیونکہ وہی تمام جہانوں کا رب، مالک، پروردگار اور حقیقی معبود ہے، یوں سورۃ الصافات کا اختتام توحید، رسالت اور ربِ کائنات کی حمد و تمجید پر ہوتا ہے، جو اس پوری سورت کے مرکزی پیغام کا نہایت جامع اور بلیغ خلاصہ ہے۔

الحمدللہ: آج اللہ تعالیٰ کے خصوصی فضل و کرم سے سورۃ الصافات کی تفسیر مکمل ہوئی ہے، اللہ تعالیٰ اسے اپنی بارگاہ عالیہ میں قبول و منظور فرمائے۔ آمین بحرمۃ سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ واہل بیتہ وذریاتہ اجمعین الی یوم الدین

شالیمار حادثہ: میرے احباب اور متعلقین کو یہ پڑھ کر دکھ اور افسوس ہو گا کہ مؤرخہ ۲۱ ستمبر ۲۰۱۷ء کی دوپہر کو بندہ ناچیز کا شالیمار باغ چوک میں روڈ ایکسیڈنٹ ہو گیا تھا، جس میں میری

تین پسلیاں اور ہنسلی کی ہڈی فیکچر ہوگئی تھی، شالیمار ہسپتال کے ایمر جنسی وارڈ میں پہنچایا گیا، جہاں ڈاکٹروں نے ایکسرے وغیرہ کرنے کے بعد دوا تجویز کی اور گھر بھیج دیا۔

اس کے بعد جراح کو دکھایا تو اس نے پٹیاں باندھ کر دیسی علاج کرنا شروع کیا، جو ۲۳ ستمبر ۲۰۱۷ء سے لے کر تاہنوز جاری ہے، آج ۶ نومبر ۲۰۱۷ء ہے، ڈیڑھ ماہ کا عرصہ گزر گیا ہے، میں چارپائی پر ہی ہوں، ماہ نامہ ''آب حیات'' لاہور، ماہ نامہ ''تحفہ خواتین'' لاہور، ماہ نامہ ''صدائے جمعیت'' لاہور، ماہ نامہ ''اشاعت اسلام'' نیو مری چار رسالے اس حال میں اس عرصہ میں میری علالت کے دوران ہی زیور طباعت سے آراستہ ہوتے رہے۔

شروع شروع میں تو کام بالکل نہیں کر سکتا تھا، تقریباً چند دنوں سے دوسرے ہاتھ نے حرکت شروع کی ہے، جس سے اب دونوں ہاتھ کمپیوٹر کے کی بورڈ پر آسانی سے چلنا شروع ہوئے ہیں، ورنہ پہلے صرف ایک ہاتھ سے ہی کی بورڈ پر لفظ ڈھونڈ ڈھونڈ کر لکھتا تھا، جو لوگ کمپیوٹر پر کام کرتے ہیں انہیں اچھی طرح اندازہ ہے کہ ایک ہاتھ سے کمپیوٹر پر کام کرنا کتنا مشکل اور دشوار ہے۔

اللہ تعالیٰ کی مدد، نصرت، رحمت اور خاص الخاص مہربانی سے اب اپنا تحریری کام پھر سے شروع ہو رہا ہے، جو کافی دنوں سے کچھ موقوف موقوف دکھائی دے رہا تھا، اب بھی میری پوزیشن کوئی ملاحظہ کرے تو دیکھ سکتا ہے اس وقت میری پسلیاں مضبوط پٹی کے ساتھ بندھی ہوئی ہیں، میری ہنسلی کی ہڈی بندھی ہوئی ہے، میں پوری طرح صحت یاب نہیں ہوں، لیکن مطالعہ معارف الفرقان کی سورۃ الصافات اپنے اختتام پر پہنچ رہی ہے۔

جیسا کہ میری تحریریں پڑھنے والے جانتے ہیں کہ یہ سارا تحریری کام بفضل اللہ تعالیٰ اسی کی مدد اور نصرت سے ہو رہا ہے، کئی سالوں سے یہ تفسیری کام جاری و ساری ہے، اللہ تعالیٰ اپنے محبوب نبی کریم ﷺ کے صدقے میں مجھے تادم واپسیں اپنے دین کے ساتھ وابستہ رکھے، اپنے دین پر عمل کرنے اور اپنے دین کا کام اخلاص کے ساتھ کرنے کی توفیق عطا فرمائے رکھے۔

ہمیں کوشش اور ہمت کرتے ہوئے اشاعت اسلام میں اپنی سرگرمیاں تیز سے تیز تر کر دینا

چاہییں، دین سے دور بھاگنے والوں کو دین کے قریب کریں، دین دشمنوں کو احسن انداز میں سمجھا بجھا کر دین کے سایہ رحمت میں لانے کی جدوجہد کریں، اس سلسلہ میں کسی مصلحت، کسی مداہنت کا شکار نہ ہوں، بلکہ اپنے کو کھپادیں اور لگادیں جس طرح لگانے اور کھپانے کا حق ہے۔

میں اپنے تمام دوست احباب سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ میری صحت وعافیت کے لیے دعا کریں تاکہ مکمل صحت یابی کے بعد اپنے بقیہ تحریری کام پایہ تکمیل تک پہنچاسکوں، اللہ تعالیٰ ہم سب کی دست گیری اور یاوری فرمائے۔

خادم اسلام، محمود الرشید حدوٹی

جامعہ رشیدیہ غوث گارڈن ۲، مناواں لاہور

۸ نومبر ۲۰۱۷ء، بروز بدھ، رات ۱۲ بج کر ۱۰ منٹ

اضافات جدیدہ: ۳۰ مئی ۲۰۲۶ء ۴ ذوالحج ۱۴۴۷ھ، بروز ہفتہ، ایک بجے دن

حال وارد کاشانہ فقیر حدوٹ مری

سورۃ ص (تعارف)

سوال سورۃ ص کا تعارف کروائیے۔

جواب سورۃ ص قرآنِ مجید کی ایک جلیل القدر مکی سورت ہے جو نزولِ قرآن کے ابتدائی دور میں نازل ہوئی، مکی سورتوں کی طرح اس سورت کا بنیادی موضوع عقیدۂ توحید، رسالتِ محمدی ﷺ اور آخرت کا اثبات ہے، سورت کا آغاز قرآنِ حکیم کی قسم سے ہوتا ہے، جس کے ذریعے اس حقیقت کو مؤکد کیا گیا ہے کہ یہ عظیم کتاب اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کردہ حق ہے اور حضرت محمد ﷺ اللہ کے سچے رسول ہیں، اگرچہ کفارِ مکہ تکبر، عناد اور ہٹ دھرمی کی بنا پر اس دعوت کو قبول کرنے سے گریز کر رہے تھے، لیکن قرآنِ کریم ان کے شبہات کا مدلل جواب دیتا اور انہیں ایمان کی دعوت دیتا ہے۔

سورۃ ص میں مشرکینِ مکہ کے اس تعجب اور انکار کا ذکر کیا گیا ہے کہ ایک ہی معبود کی عبادت کا حکم کیوں دیا جا رہا ہے۔ انہوں نے کہا أَجَعَلَ الْآلِهَةَ إِلٰهًا وَاحِدًا إِنَّ هٰذَا لَشَيْءٌ عُجَابٌ، یعنی کیا اس نے اتنے معبودوں کو ایک ہی معبود بنا دیا؟ یہ تو بڑی عجیب بات ہے، سورت میں اس باطل سوچ کی تردید کرتے ہوئے توحیدِ خالص کی حقانیت کو واضح کیا گیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ کائنات کا خالق، مالک اور مدبر صرف ایک اللہ تعالیٰ ہے۔

اس سورت میں سابقہ سرکش اور منکر قوموں کا تذکرہ بھی کیا گیا ہے تاکہ اہلِ مکہ عبرت حاصل کریں، قومِ نوح، عاد، فرعون اور دیگر منکر اقوام کے انجام کا ذکر کرکے واضح کیا گیا ہے کہ حق کو جھٹلانے اور انبیاء علیہم السلام کی مخالفت کرنے والوں کا انجام ہمیشہ ہلاکت اور رسوائی رہا ہے، اس کے ساتھ نبی کریم ﷺ کو تسلی دینے کے لیے متعدد انبیاءِ کرام علیہم السلام کے ایمان افروز واقعات بیان کیے گئے ہیں۔ حضرت داؤد علیہ السلام، حضرت سلیمان علیہ السلام، حضرت ایوب علیہ السلام، حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت اسحاق علیہ السلام، حضرت یعقوب علیہ السلام، حضرت اسماعیل علیہ السلام اور حضرت ذوالکفل علیہ السلام کے تذکرے اس مقصد کے لیے لائے گئے ہیں کہ دعوتِ حق کے راستے میں آنے والی آزمائشوں پر صبر کیا جائے اور اللہ تعالیٰ کی نصرت پر کامل یقین رکھا جائے۔

سورۃ ص میں اللہ تعالیٰ کی قدرت، حکمت اور وحدانیت کے دلائل بھی بیان کیے گئے ہیں، آسمانوں اور زمین کی تخلیق، نظامِ کائنات اور انسان کی ذمہ داری کی طرف توجہ دلا کر یہ حقیقت واضح کی گئی ہے کہ یہ دنیا بے مقصد پیدا نہیں کی گئی، ایک دن ضرور آئے گا جب تمام انسان اللہ تعالیٰ کے حضور حاضر ہوں گے اور ان کے اعمال کا حساب لیا جائے گا، اسی لیے سورت میں جنت و جہنم کے احوال، اہلِ ایمان کی کامیابی اور اہلِ کفر کی ناکامی کو بھی نمایاں کیا گیا ہے۔

سورت کے آخری حصے میں حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق، ابلیس کے تکبر اور اس کی نافرمانی کا ذکر کیا گیا ہے، اس واقعے کے ذریعے واضح کیا گیا ہے کہ تکبر انسان کو حق سے محروم کر دیتا ہے، جبکہ عاجزی اور اطاعت اللہ تعالیٰ کی قربت کا ذریعہ بنتی ہے، یوں سورۃ ص توحید، رسالت، آخرت، صبر، اطاعت اور انجامِ کار کے عظیم مضامین پر مشتمل ایک جامع اور مؤثر سورت ہے۔

وجہِ تسمیہ: اس سورت کا نام ''ص'' ہے، جو اس کی پہلی آیت میں مذکور حروفِ مقطعات میں سے ایک حرف ہے :صٓ وَالْقُرْآنِ ذِي الذِّكْرِ مفسرین کے نزدیک یہ نام اسی ابتدائی حرف سے ماخوذ ہے۔

اہم مضامین: توحیدِ الٰہی کا اثبات اور شرک کی تردید، رسالتِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کی حقانیت اور کفار کے اعتراضات کا جواب، سابقہ سرکش اقوام کے انجام سے عبرت دلانا، حضرت داؤد، سلیمان، ایوب، ابراہیم، اسحاق، یعقوب، اسماعیل اور ذوالکفل علیہم السلام کے واقعات، صبر، استقامت اور اللہ تعالیٰ پر توکل کی تعلیم، اللہ تعالیٰ کی قدرت، حکمت اور نظامِ کائنات کے دلائل، قیامت، حساب و کتاب، جنت اور جہنم کا بیان، حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق اور ابلیس کے تکبر کا واقعہ۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی اور دعوتِ حق پر ثابت قدم رہنے کی تلقین۔

مختصراً، سورۃ ص ایک ایسی عظیم مکی سورت ہے جو توحید، رسالت، آخرت اور انبیاءِ کرام علیہم السلام کی سیرتِ مبارکہ کے ذریعے انسان کو ایمان، اطاعت اور اللہ تعالیٰ کی بندگی کی طرف دعوت دیتی ہے۔

حقانیت قرآن، تکبر کفار، ہلاک شدہ اقوام

سوال ان آیات کریمہ کی تفسیر کیجیے۔

صٓ وَالْقُرْاٰنِ ذِی الذِّكْرِ ﴿۱﴾ بَلِ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا فِیْ عِزَّةٍ وَّشِقَاقٍ ﴿۲﴾ كَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ قَرْنٍ فَنَادَوْا وَّلَاتَ حِیْنَ مَنَاصٍ ﴿۳﴾ ص

جواب ترجمہ: ص۔ قسم ہے نصیحت بھرے قرآن کی۔ کہ جن لوگوں نے کفر اپنالیا ہے، وہ کسی اور وجہ سے نہیں، بلکہ اس لیے اپنایا ہے کہ وہ بڑائی کے گھمنڈ اور ہٹ دھرمی میں مبتلا ہیں۔ اور ان سے پہلے ہم نے کتنی قوموں کو ہلاک کیا، تو انہوں نے اس وقت آوازیں دیں جب چھٹکارے کا وقت رہا ہی نہیں تھا۔

خلاصہ تفسیر: سورۃ ص کا آغاز حرفِ مقطع صٓ سے ہوتا ہے، حروفِ مقطعات کے بارے میں اہلِ تفسیر نے مختلف اقوال نقل کیے ہیں، بعض مفسرین کے نزدیک یہ قرآنِ کریم کے اعجاز کی طرف اشارہ ہیں کہ یہ عظیم کتاب انہی حروف سے مرکب ہے جو عربوں کی روزمرہ زبان کا حصہ ہیں، لیکن اس کے باوجود تمام عرب اپنی فصاحت وبلاغت کے باوجود اس جیسا کلام پیش کرنے سے عاجز رہے۔

بعض حضرات نے فرمایا کہ "ص" اللہ تعالیٰ کے بعض اسمائے حسنیٰ، مثلاً صادق الوعد، صمد اور صبور کی طرف اشارہ ہے، جبکہ بعض کے نزدیک اس کا حقیقی مفہوم اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے، بہرحال اس حرف کے ذریعے قرآنِ کریم کی عظمت اور اس کے معجزانہ ہونے کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔

وَالْقُرْاٰنِ ذِی الذِّكْرِ: اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے "ذکر" یعنی نصیحت، ہدایت اور عظمت والے قرآن کی قسم کھائی ہے، قرآنِ مجید انسانوں کے لیے یاد دہانی، نصیحت، شرف اور دنیا و آخرت کی کامیابی کا سرچشمہ ہے، اگرچہ آیت میں جوابِ قسم صراحتاً مذکور نہیں، لیکن مفہوم یہ ہے کہ یہ قرآن سراسر حق ہے اور حضرت محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے سچے رسول ہیں، آپ ﷺ کی رسالت، قرآن کے وحیِ الٰہی ہونے اور دعوتِ توحید کی صداقت میں کوئی شبہ نہیں، لیکن کفارِ مکہ اس حقیقت کو قبول کرنے کے لیے تیار نہ تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ

بَلِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِيْ عِزَّةٍ وَّشِقَاقٍ: انکارِ حق کی اصل وجہ دلائل کی کمی نہیں بلکہ عِزَّةٍ وَّشِقَاقٍ یعنی تکبر، غرور اور ضد ہے، کفارِ مکہ یہ سمجھتے تھے کہ اگر نبوت کسی کو ملنی چاہیے تھی تو وہ ان کے بڑے سرداروں اور مالدار لوگوں کو ملتی، جبکہ حضرت محمد ﷺ ظاہری جاہ و حشمت اور دنیاوی اقتدار کے مالک نہ تھے، اسی باطل تصور کی بنا پر وہ آپ ﷺ کی دعوت کو قبول کرنے کے بجائے اس کی مخالفت کرتے اور حق کے مقابلے میں ہٹ دھرمی اختیار کرتے تھے۔

روایات میں آتا ہے کہ جب قریش کے سرداروں نے حضرت ابو طالب کے پاس حاضر ہو کر نبی کریم ﷺ کی شکایت کی تو آپ ﷺ نے ان کے سامنے صرف ایک کلمہ پیش کیا لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰه، آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر وہ اسے قبول کرلیں تو عرب ان کے تابع ہو جائیں گے اور عجم بھی ان کی عظمت تسلیم کرے گا، لیکن انہوں نے حیرت اور انکار سے کہا :أَجَعَلَ الْآلِهَةَ إِلٰهًا وَاحِدًا کیا اس نے تمام معبودوں کو ایک معبود بنا دیا؟ ان کے نزدیک اصل رکاوٹ دلیل نہیں بلکہ اپنی روایات، سرداری اور باطل عقائد سے وابستگی تھی، پھر اللہ تعالیٰ نے انہیں گزشتہ اقوام کے انجام سے خبردار فرمایا کہ

كَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ قَرْنٍ فَنَادَوْا وَّلَاتَ حِيْنَ مَنَاصٍ :ان سے پہلے بھی کتنی ہی قومیں اپنے انبیاء کی تکذیب، تکبر اور سرکشی کی وجہ سے ہلاک کی جاچکی ہیں، جب اللہ تعالیٰ کا عذاب ان پر نازل ہوا تو انہوں نے چیخ و پکار کی، فریادیں کیں، توبہ کی صدائیں بلند کیں اور نجات کے راستے تلاش کیے، لیکن اس وقت مہلت ختم ہو چکی تھی۔ اس لیے فرمایا وَّلَاتَ حِيْنَ مَنَاصٍ یعنی وہ وقت فرار، نجات یا توبہ کی قبولیت کا نہ تھا، جب اللہ تعالیٰ کا فیصلہ نافذ ہو جاتا ہے تو پھر انسان کی فریاد اور پشیمانی اسے عذاب سے نہیں بچا سکتی۔

ان آیات میں اہلِ مکہ اور تمام منکرینِ حق کے لیے ایک عظیم تنبیہ ہے کہ حق کو تکبر اور ضد کی وجہ سے رد نہ کریں، اللہ تعالیٰ کی سنت یہ ہے کہ وہ مہلت تو دیتا ہے، لیکن جب لوگ مسلسل انکار اور سرکشی پر قائم رہیں تو پھر اس کی گرفت آجاتی ہے، اس لیے کامیابی اسی میں ہے کہ انسان قرآنِ کریم کی نصیحت کو قبول کرے، اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر ایمان لائے اور رسولِ اکرم ﷺ کی اطاعت اختیار

کرے، اس سے پہلے کہ پشیمانی کا وہ وقت آجائے جب ندامت تو ہو گی مگر نجات کا کوئی راستہ باقی نہ رہے گا۔

رسول اللہ ﷺ کی دعوت توحید پر مشرکین کا اعتراض

سوال ان آیات کا ترجمہ اور خلاصہ تفسیر بیان کیجیے۔

وَعَجِبُوْٓا اَنْ جَآءَهُمْ مُّنْذِرٌ مِّنْهُمْ وَقَالَ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا سٰحِرٌ كَذَّابٌ{۴} اَجَعَلَ الْاٰلِهَةَ اِلٰهًا وَّاحِدًا اِنَّ هٰذَا لَشَيْءٌ عُجَابٌ{۵}وَانْطَلَقَ الْمَلَاُ مِنْهُمْ اَنِ امْشُوْا وَاصْبِرُوْا عَلٰٓى اٰلِهَتِكُمْ ۖ اِنَّ هٰذَا لَشَيْءٌ يُّرَادُ {۶} مَا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِي الْمِلَّةِ الْاٰخِرَةِ اِنْ هٰذَآ اِلَّا اخْتِلَاقٌ {۷} ءَاُنْزِلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ مِنْۢ بَيْنِنَا ۭ بَلْ هُمْ فِيْ شَكٍّ مِّنْ ذِكْرِيْ ۭ بَلْ لَّمَّا يَذُوْقُوْا عَذَابِ {۸}اَمْ عِنْدَهُمْ خَزَاۗىِٕنُ رَحْمَةِ رَبِّكَ الْعَزِيْزِ الْوَهَّابِ ۙ{۹}اَمْ لَهُمْ مُّلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۡ فَلْيَرْتَقُوْا فِي الْاَسْبَابِ{۱۰}جُنْدٌ مَّا هُنَالِكَ مَهْزُوْمٌ مِّنَ الْاَحْزَابِ {۱۱} كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ وَّعَادٌ وَّفِرْعَوْنُ ذُو الْاَوْتَادِ {۱۲}وَثَمُوْدُ وَقَوْمُ لُوْطٍ وَّاَصْحٰبُ لْــَٔيْكَةِ ۭ اُولٰۗىِٕكَ الْاَحْزَابُ{۱۳}اِنْ كُلٌّ اِلَّا كَذَّبَ الرُّسُلَ فَحَقَّ عِقَابِ {۱۴}وَمَا يَنْظُرُ هٰٓؤُلَاۗءِ اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً مَّا لَهَا مِنْ فَوَاقٍ {۱۵}صٓ

جواب ترجمہ: اور ان لوگوں نے اس بات کا تعجب کیا کہ ان کے پاس انہیں میں سے ایک ڈرانے والا آگیا اور کافروں نے کہا کہ یہ شخص جادوگر ہے بڑا جھوٹا ہے۔ کیا اس نے سارے معبودوں کو ایک ہی معبود بنا دیا۔ بیشک یہ تو بڑی عجیب بات ہے۔ اور ان کے بڑے لوگ یہ کہتے ہوئے چلے گئے کہ چلو اور اپنے معبودوں پر جمے رہو۔ بلاشبہ یہ ایسی بات ہے جس میں کوئی مقصد ہے۔ ہم نے یہ بات گزشتہ مذہب میں نہیں سنی، بس یہ تو گھڑی ہوئی بات ہے۔ کیا ہمارے درمیان سے اسی شخص پر کلام نازل ہوا۔ بلکہ بات یہ ہے کہ یہ لوگ میری وحی کی وجہ سے شک میں ہیں، بلکہ بات یہ ہے کہ انہوں نے میرا عذاب نہیں چکھا۔ کیا ان کے پاس آپ کے رب کے خزانے ہیں جو غالب ہے بخشش فرمانے والا ہے۔ کیا ان کے لیے آسمانوں کا اور زمین کا اور جو کچھ ان کے درمیان ہے ان کا اختیار حاصل ہے۔ سو چاہیے کہ سیڑھیاں لگا کر چڑھ جائیں۔ اس مقام پر لوگوں کی ایک بھیڑ ہے جو شکست خوردہ جماعتوں میں سے

ہے۔ ان سے پہلے قوم نوح نے عاد نے اور فرعون نے جو میخوں والا تھا۔ اور ثمود نے اور لوط کی قوم نے اور ایکہ والوں نے جھٹلایا وہ گروہ یہی لوگ تھے۔ یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے رسولوں کو جھٹلایا، سو میرا عذاب واقع ہو گیا۔ اور یہ لوگ بس ایک زوردار چیخ کے انتظار میں ہیں جس میں دم لینے کی گنجائش نہ ہو گی۔

خلاصہ تفسیر: مشرکینِ مکہ کے لیے سب سے زیادہ تعجب اور حیرت کی بات یہ تھی کہ انہی میں سے ایک انسان، حضرت محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے رسول بن کر آئے اور انہیں شرک و کفر کے انجام سے ڈرانے لگے, انہوں نے آپ ﷺ کی صداقت پر دلالت کرنے والے واضح دلائل دیکھنے کے باوجود آپ کو جادوگر اور جھوٹا قرار دیا۔

ان کے نزدیک سب سے بڑا اعتراض یہ تھا کہ متعدد معبودوں کو چھوڑ کر صرف ایک اللہ کی عبادت کا حکم کیسے دیا جا سکتا ہے، چنانچہ ان کے سردار اور رؤساء اپنی قوم کو اکساتے ہوئے کہتے تھے کہ محمد ﷺ کے دین میں داخل نہ ہو، اپنے معبودوں کی عبادت پر ثابت قدم رہو، کیونکہ ان کے خیال میں یہ دعوتِ توحید محض اقتدار اور برتری حاصل کرنے کی ایک تدبیر ہے۔

وہ یہ بھی کہتے تھے کہ نہ تو انہوں نے اپنے آباء و اجداد کے دین میں ایسی بات سنی ہے اور نہ ہی سابقہ مذاہب میں، اس لیے یہ سب محض گھڑا ہوا جھوٹ ہے، مزید برآں ان کا تکبر اس حد تک بڑھ گیا تھا کہ وہ اعتراض کرتے تھے کہ آخر ہم جیسے بڑے سرداروں کو چھوڑ کر وحی اور نبوت صرف محمد ﷺ ہی کو کیوں عطا کی گئی؟

اللہ تعالیٰ نے ان کے اس باطل اعتراض کا جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ نبوت اور وحی اللہ کے فضل اور رحمت کے خزانے ہیں، وہ جسے چاہے اپنی حکمت کے مطابق عطا فرماتا ہے، نہ آسمان و زمین کی بادشاہی ان کے ہاتھ میں ہے اور نہ ہی اللہ کے فیصلوں پر انہیں کوئی اختیار حاصل ہے، لہٰذا انہیں اللہ کی تقسیم پر اعتراض کرنے کا کوئی حق نہیں۔

اللہ تعالیٰ نے کفارِ مکہ کو متنبہ فرمایا کہ وہ اپنی ظاہری قوت اور تعداد پر ہرگز مغرور نہ ہوں، کیونکہ وہ بھی سابقہ باطل لشکروں کی طرح شکست خوردہ ہونے والے ہیں، ان سے پہلے بھی بہت سی طاقتور

قوموں نے اپنے رسولوں کی تکذیب کی تھی، جن میں قومِ نوح، قومِ عاد، فرعونِ مصر، قومِ ثمود، قومِ لوط اور قومِ شعیب شامل ہیں، یہ سب مختلف زمانوں کے وہ گروہ تھے جو حق کے مقابلے میں متحد ہو گئے تھے، مگر آخر کار اللہ کے عذاب سے نہ بچ سکے۔

ان میں سے ہر قوم نے اپنے نبی کی تکذیب کی، جس کے نتیجے میں اللہ کا وعدۂ عذاب ان پر پورا ہوا اور وہ عبرتناک انجام سے دوچار ہوئی، اسی طرح مکہ کے یہ منکرین بھی اگر اپنے کفر اور سرکشی پر قائم رہے تو ان کا انجام بھی مختلف نہ ہو گا، فی الحال انہیں مہلت دی جارہی ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ صرف اس آخری اور فیصلہ کن نفخۂ صور کے منتظر ہیں جس کے بعد قیامت برپا ہو گی اور انکارِ حق پر قائم رہنے والوں کے لیے عذابِ الٰہی کا دروازہ کھل جائے گا، یوں یہ آیات دعوتِ توحید کی حقانیت، نبوتِ محمدی ﷺ کی صداقت اور تاریخِ اقوام سے حاصل ہونے والے عبرت آموز اسباق کو نہایت مؤثر انداز میں بیان کرتی ہیں۔

دنیا میں ہی نامۂ اعمال دینے کا احمقانہ مطالبہ

سوال اس آیت کریمہ کی تفسیر کیجیے، نیز بتایئے کہ اس آیت مبارکہ میں قِطَّنَا کا کیا معنیٰ ہے؟

وَقَالُوْا رَبَّنَا عَجِّلْ لَّنَا قِطَّنَا قَبْلَ يَوْمِ الْحِسَابِ{١٦}ص

جواب ترجمہ: اور ان لوگوں نے کہا کہ اے ہمارے رب ہمارا حصہ حساب کے دن سے پہلے ہمیں دے دیجیے۔

شانِ نزول: مشرکین مکہ نے آنحضرت ﷺ سے جب یہ سنا کہ قیامت کے دن دائیں اور بائیں ہاتھ میں نامہ اعمال دیئے جائیں گے اور جو لوگ جنت میں جائیں گے۔ ان کو بڑی بڑی نعمتیں ملیں گی، تو مسخراپن سے وہ مشرک یہ کہتے تھے کہ وہ جنت کی نعمتیں دنیا میں ہی ہم آنکھوں سے دیکھ لیں تو شاید ہم کو کچھ یقین آئے گا اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

خلاصہ تفسیر: حضرت سعید بن جبیر رحمہ اللہ کے قول کے موافق آیت کا وہی مطلب ہے جس کا ذکر اوپر گزرا کہ وہ لوگ مسخراپن سے سیدھے ہاتھ میں نامہ اعمال کا آجانا اور اس کے ذریعہ سے جنت کی

نعمتوں کو یا الٹے ہاتھ میں نامہ اعمال آکر دوزخ کے عذاب کو دنیا میں ہی دیکھ لینا چاہتے تھے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو مخاطب کر کے فرمایا۔ کہ ان لوگوں کے مسخراپن پر صبر کیا جائے۔

صحیح سند سے ترمذی ابن ماجہ صحیح ابن حبان اور مستدرک حاکم میں سفیان بن عبد اللہ ثقفی سے روایت ہے۔ جس میں اللہ کے رسول ﷺ نے اپنی زبان کو انگلیوں میں پکڑ کر یہ فرمایا کہ یہ زبان بھی آدمی کے حق میں بڑے خوف کی چیز ہے۔

اس حدیث کو آیت کے اس ٹکڑے کی تفسیر میں بڑا دخل ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ بت پرستی کے وبال کے علاوہ مشرکین مکہ اس وبال میں بھی قیامت کے دن پکڑے جائیں گے۔ کہ مسخراپن کے طور پر ایسی باتیں منہ سے نکالتے تھے جس کا ذکر آیت کے اس ٹکڑے میں ہے۔ (در منثور، ترمذی)

یہ مطالبہ عذاب کے معاملے میں ان کی رعونت کا بیان ہے کہ یہ پیغمبر ﷺ کی تکذیب کے جوش میں یہاں تک کہہ گزرے کہ اے رب! اگر یہ شخص اپنے اس دعوے میں سچا ہے کہ ہم نے اس کی تکذیب کی تو ہم پر کوئی عذاب آجائے گا تو وہ عذاب قیامت سے پہلے ہی ہم پر آجائے تاکہ اس کی سچائی ثابت ہو جائے۔ اگر یہ سچا ہے اور (نعوذ باللہ) اس کا جھوٹ ثابت ہو جائے اگر یہ جھوٹا ہے جیسا کہ ہم سمجھتے ہیں۔ قریش کے اس مطالبہ کا ذکر سورۃ انفال میں بھی بدیں الفاظ گزر چکا ہے۔

وَإِذْ قَالُوا اللّٰهُمَّ إِنْ كَانَ هَذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَأَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِنَ السَّمَاءِ أَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ أَلِيمٍ (۳۲) الانفال

اور جب کہ انہوں نے کہا، اے اللہ، اگر یہی حق ہو تیرے پاس سے تو ہم پر پتھر برسا دے آسمان سے یا کوئی اور دردناک عذاب ہم پر نازل کر۔ (تدبر قرآن)

قِطَّنَا: قط اصل میں اس دستاویز کو کہتے ہیں جس کے ذریعہ کسی کو انعام دینے کا وعدہ کیا گیا ہو۔ پھر یہ لفظ مطلق حصہ کے معنی میں بھی استعمال ہونے لگا۔ یہاں یہی معنیٰ مراد ہیں کہ آخرت کی جزا و سزا سے جو کچھ ہمیں حصہ ملنا ہے وہ یہاں دلوا دیجئے، قط اس صحیفہ کو کہا جاتا ہے جس میں سب کچھ شمار کر دیا گیا ہو۔ کلبی کا بیان ہے کہ جب سورۃ الحاقہ نازل ہوئی، **فَأَمَّا مَنْ أُوتِيَ كِتَابَهُ بِيَمِينِهِ فَيَقُولُ**

هَاؤُمُ اقْرَءُوا كِتَابِيَهْ (۱۹) الحاقہ) وَأَمَّا مَنْ أُوتِيَ كِتَابَهُ بِشِمَالِهِ فَيَقُولُ يَالَيْتَنِي لَمْ أُوتَ كِتَابِيَهْ (۲۵) تو مکہ کے کافروں نے مذاق اڑاتے ہوئے کہا، اے ہمارے رب ہمارا لکھا ہوا تو ابھی دے دے۔ حضرت سعید بن جبیر تابعی رحمہ اللہ نے کہا کہ کافروں کی مراد یہ تھی کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم جس جنت کا ذکر فرماتے ہیں، اس کے اندر ہمارا جو نصیب اور حصہ ہو وہ ہم کو یہیں دیدے۔

حضرت داؤد علیہ السلام کی فضیلت

سوال فضل خداوندی بر نبی داؤد قرآنی آیات کی روشنی میں بیان فرمایئے۔

اِصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَاذْكُرْ عَبْدَنَا دَاوٗدَ ذَا الْاَيْدِ اِنَّهٗۤ اَوَّابٌ {۱۷} اِنَّا سَخَّرْنَا الْجِبَالَ مَعَهٗ يُسَبِّحْنَ بِالْعَشِيِّ وَالْاِشْرَاقِ {۱۸} وَالطَّيْرَ مَحْشُوْرَةً كُلٌّ لَّهٗۤ اَوَّابٌ {۱۹} وَشَدَدْنَا مُلْكَهٗ وَاٰتَيْنٰهُ الْحِكْمَةَ وَفَصْلَ الْخِطَابِ {۲۰} ص

جواب ترجمہ: یہ لوگ جو کچھ کہتے ہیں اس پر صبر کیجیے اور ہمارے بندہ داؤد کو یاد کیجیے جو قوت والے تھے بیشک وہ رجوع کرنے والے تھے۔ بیشک، ہم نے ان کے ساتھ پہاڑوں کو مسخر کر دیا، وہ تسبیح میں مشغول ہوتے تھے شام کو اور اشراق کے وقت۔ اور پرندوں کو مسخر کر دیا جو جمع کیے ہوئے تھے سب اس کی طرف رجوع کرنے والے تھے۔ اور ہم نے ان کے ملک کو مضبوط کر دیا اور انہیں حکمت دے دی اور فصل خطاب دے دیا۔

خلاصہ تفسیر: اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے حضرت داؤد علیہ السلام پر یہ فضل فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے پہاڑوں کو ان کے تابع فرمان کر دیا تھا، جب حضرت داؤد علیہ السلام تسبیح پڑھتے تو وہ پہاڑ بھی ان کے ساتھ تسبیح پڑھا کرتے تھے، یہ کام دن کے ابتدائی حصہ میں بھی ہوتا تھا اور دن کے آخری حصہ میں بھی ہوتا تھا۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کو غیر معمولی جسامت اور حسن عطا فرمایا تھا اور بہت شیریں آواز عطا فرمائی تھی، ان کے حسن اور ان کی آواز سے متاثر ہو کر تمام پہاڑ اور تمام پرندے ان کے ساتھ مل کر اللہ تعالیٰ کی حمد اور اس کی تسبیح کرتے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کی سلطنت کو قوت دی تھی، ان کا رعب اور دبدبہ تھا، ان کی ہیبت

اور شان وشوکت تھی، اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کو نبوت کی نعمت سے سرفراز فرمایا تھا، بات کرنے کا سلیقہ اور انداز عطا فرمایا تھا، حکمت بھری گفتگو کرنے کا ملکہ عطا فرمایا تھا۔

قرآن کریم میں اس مقام پر اللہ تعالیٰ نے ہمارے پیارے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی اور داؤد علیہ السلام کو یاد کرنے کی ترغیب دی، حالانکہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ساری کائنات کے سردار ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم رحمت للعالمین ہیں، آپ کو اللہ تعالیٰ نے سارے نبیوں کا سردار بنایا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن کریم نے دوسرے مقام پر خاتم النبیین قرار دیا، اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت داؤد علیہ السلام کی طرف توجہ دلائی، ہمارے خیال میں یہ بھی حضرت داؤد علیہ السلام کا ایک بہت بڑا اعزاز ہے کہ رحمت دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم کی توجہ ان کی طرف دلائی گئی۔

حضرات مفسرین کرام رحمہم اللہ نے نہایت عرق ریزی اور محنت سے یہاں حضرت داؤد علیہ السلام کے فضائل ومناقب کا ذکر کیا ہے، مکہ کے رہنے والے کفار ایسی سخت اور تکلیف دہ باتیں کرتے تھے جس کے باعث نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم رنجیدہ اور کبیدہ خاطر ہوتے تھے، اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت داؤد کے تذکرے کے ساتھ تسلی دی کہ اگر مکہ کے رہنے والے کفار آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے منکر ہیں، تو پرواہ کی ضرورت نہیں ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کس چیز کی کمی ہے، یہ لوگ مال ودولت کی کمی اور فقر ومستی کے باعث آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا تمسخر اڑاتے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مزاح کرتے ہیں، حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے ہم نے جن لوگوں کو نبوت کے عظیم منصب سے نوازا تھا ان میں حضرت داؤد علیہ السلام کو دیکھیے کہ ان کے پاس بہت بڑی سلطنت تھی، عظیم الشان بادشاہ تھے، اس سب کچھ کے ہوتے ہوئے بھی وہ غم ورنج سے محفوظ نہ رہے، تو بادشاہی کا مل جانا، سلطنت کا قدموں تلے آجانا تخت شاہی کا بچھ جانا غموں کو دور کرنے کا سبب نہیں ہے، اس لیے ان کے مطاعن کی پرواہ کرنے کی چنداں ضرورت نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ نے یہاں حضرت داؤد علیہ السلام کو اپنا بندہ قرار دیا، داؤد کی بندگی کی نسبت جو اللہ نے اپنی طرف کی ہے یہ ان کے اعزاز اور افتخار میں اضافہ کر رہی ہے، جس طرح اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کے کئی مقامات پر سرور دوجہاں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بندگی کی نسبت اپنی طرف کی ہے، اس سے

ان کی عظمت کو چار چاند لگانا مقصود ہے۔

رب تعالیٰ نے معاندین اسلام اور مخالفین قرآن کریم کو چیلنج دیتے وقت نبی کریم ﷺ کے لیے فرمایا کہ اگر تمہیں اس کتاب میں شک وشبہ ہے جو ہم نے اپنے بندے پر اتاری تو تم اس جیسی کوئی سورت لے آؤ۔

سورۃ الفرقان میں فرمایا کہ وہ ذات برکت والی ہے جس نے اپنے بندے پر حق وباطل کے درمیان فرق کرنے والی کتاب اتاری ہے، واقعہ معراج کے بیان میں سورۃ الاسراء کی ابتدائی آیت میں اللہ نے اپنے حبیب کو اپنا بندہ قرار دیا۔

رب رب ہے، وہ عرش وفرش، لوح وقلم اور کرسی کا رب ہے، وہ زمین وآسمان کا رب ہے، وہ جہانوں کا رب ہے، وہ ساری کائنات کا نہ صرف یکے وتنہا مالک ومختار ہے بلکہ رب بھی ہے، مگر کیا عجیب بات ہے کہ اسے نہ مالک عرش وفرش ہونے پر ناز ہے، نہ رب کرسی وقلم ہونے پر ناز ہے، نہ اسے کل جہاں کے مالک ومختار ہونے پر ناز ہے اسے اگر ناز ہے تو اپنے حبیب نبی کریم ﷺ کے رب ہونے پر ناز ہے، قرآن کریم میں ایک مقام پر ایسا شاندار جملہ فرمایا کہ تیرے رب کی قسم! حالانکہ اللہ تعالیٰ تو ساری کائنات کا رب ہے جیسا کہ سورۃ الفاتحہ کے شروع میں ہی اپنے کو جہانوں کا رب فرمایا، مگر جہاں جہاں اللہ نے اپنے حبیب کو اپنا بندہ فرمایا وہاں انداز ہی بہت عجیب ہے۔

حضرت داؤد علیہ السلام کی قوت وطاقت کو اللہ نے ذَا الْاَیْدِ کے لفظ میں بیان فرمایا کہ وہ طاقتور شخص تھے، حدیث شریف میں ان کی عبادت کا تذکرہ ملتا ہے کہ وہ وہ عبادت کو انجام دینے سے اور گناہوں سے باز رہنے میں بہت طاقت ور تھے، حضرت قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت داؤد علیہ السلام کو عبادت کی قوت اور دین کی فقہ عطا کی گئی تھی۔

حضرت نبی کریم ﷺ نے حضرت داؤد علیہ السلام کی فضیلت بیان کرتے ہوئے واضح فرمایا کہ أَحَبُّ الصِّيَامِ إِلَى اللهِ صِيَامُ دَاوُدَ، كَانَ يَصُومُ يَوْمًا وَيُفْطِرُ يَوْمًا، وَأَحَبُّ الصَّلَاةِ إِلَى اللهِ صَلَاةُ دَاوُدَ، كَانَ يَنَامُ نِصْفَ اللَّيْلِ وَيَقُومُ ثُلُثَهُ، وَيَنَامُ سُدُسَهُ (بخاری)

اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ روزے حضرت داؤد علیہ السلام کے روزے تھے، وہ ایک دن روزہ رکھتے اور ایک دن افطار کرتے اور سب سے زیادہ پسندیدہ نماز حضرت داؤد علیہ السلام کی نماز تھی، وہ نصف رات تک سوتے پھر تہائی رات قیام کرتے تھے، پھر رات کے بقیہ چھٹے حصے میں سوتے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کی شان بیان کرتے ہوئے انہیں اواب قرار دیا، اواب کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنے اللہ کی طرف رجوع کرنے والے تھے، وہ اپنی ضروریات، اپنی حاجات، اپنی مہمات میں اور اپنے تمام امور میں اپنے پیدا کرنے والے رب کی طرف رجوع کرتے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کی ایک فضیلت قرآن کریم میں یہ بیان فرمائی کہ ہم نے پہاڑوں کو ان کے تابع کر دیا تھا کہ وہ شام کو اور دن چڑھے ان کے ساتھ تسبیح کریں، پہاڑوں کے تسبیح کرنے کا یہ معنیٰ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پہاڑوں میں حیات، عقل، قدرت اور نطق کو پیدا کر دیا تھا اور اس وقت وہ پہاڑ اس طرح اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتے تھے جس طرح زندہ اور عقل والی مخلوق اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتی ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کی فضیلت یوں بیان فرمائی کہ حضرت داؤد علیہ السلام کو غیر معمولی جسامت اور حسن عطا فرمایا تھا اور بہت شیریں آواز عطا فرمائی تھی، ان کے حسن اور ان کی آواز سے متاثر ہو کر تمام پہاڑ اور تمام پرندے ان کے ساتھ مل کر اللہ تعالیٰ کی حمد اور اس کی تسبیح کرتے تھے اور پہاڑوں میں اللہ تعالیٰ نے محبت کا اثر بھی رکھا ہے اور نطق اور تسبیح کرنے کی صلاحیت بھی رکھی ہے، پہاڑوں میں محبت کی کیفیت رکھی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے پہاڑوں کو حضرت داؤد علیہ السلام کے لئے مسخر کر دیا تھا، جہاں حضرت داؤد علیہ السلام جاتے تھے، پہاڑ بھی ان کے ساتھ جاتے تھے اور پہاڑوں کا حضرت داؤد علیہ السلام کے ساتھ چلنا ان کی تسبیح قرار دیا گیا کیونکہ پہاڑوں کا حضرت داؤد علیہ السلام کے ساتھ چلنا اللہ تعالیٰ کی قدرت اور حکمت پر دلالت کرتا ہے۔

اس آیت میں حضرت داؤد علیہ السلام کی فضیلت یہ ہے کہ پہاڑ آپ کے ساتھ اَلْعَشِیِّ یعنی شام کے وقت اور اَلْاِشْرَاق یعنی صبح کے وقت تسبیح کرتے تھے۔

حضرت داؤد علیہ السلام کی ایک فضیلت یہ بیان کی گئی ہے کہ پہاڑ اور پرندے سب ان کی طرف رجوع

کرنے والے تھے، حضرت داؤد علیہ السلام جب تسبیح کرتے تھے تو پہاڑ اور پرندے بھی ان کے ساتھ تسبیح کرتے تھے اور اس سے پہلے جو فرمایا تھا: ہم نے پہاڑوں کو ان کے تابع کر دیا تھا کہ وہ شام کو اور دن چڑھے ان کے ساتھ تسبیح پڑھیں اور جمع شدہ پرندے بھی، پہلے جملے میں اور اس جملے میں فرق یہ ہے کہ پہلے جملے سے معلوم ہوتا تھا کہ پہاڑ اور پرندے ان کے ساتھ تسبیح پڑھتے ہیں، لیکن اس جملے سے یہ معلوم نہیں ہوتا تھا کہ وہ ہمیشہ تسبیح پڑھتے ہیں اور جب جملہ اسمیہ کے ساتھ فرمایا : كُلٌّ لَّهُ أَوَّابٌ سب ان کی طرف رجوع کرنے والے تھے تو معلوم ہوا کہ پہاڑ اور پرندے ان کے ساتھ ہمیشہ تسبیح کرتے تھے۔ (تفسیر تبیان القرآن)

مذکورالصدر تفسیر اس تقدیر پر ہے کہ " کل لہ " میں ضمیر حضرت داؤد علیہ السلام کی طرف لوٹ رہی ہو اور اگر یہ ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹ رہی ہو تو پھر اس کا معنیٰ ہو گا: حضرت داؤد علیہ السلام، پہاڑ اور پرندے سب اللہ کی طرف لوٹنے والے اور اس کی تسبیح کرنے والے تھے۔ (تفسیر تبیان القرآن)

جب حضرت داؤد علیہ السلام کی آواز پہاڑوں تک پہنچتی تو وہ ان کی آواز کی لذت سے جھومنے لگتے اور جب پرندے ان کی آواز سنتے تو وہ بھی ان کے ساتھ سُر ملانے لگتے۔

بعض عارفین نے کہا ہے کہ پہاڑ اور پرندے حضرت داؤد علیہ السلام کی تسبیح کے ساتھ اس لئے تسبیح کرتے تھے تاکہ ان کی تسبیحات کا اجر و ثواب بھی حضرت داؤد علیہ السلام کو مل جائے، حضرت داؤد علیہ السلام جب حمد اور تسبیح کے معنیٰ میں بہت غور کرتے تھے تو وہ حمد اور تسبیح آپ کے اعضاء میں سرایت کر جاتی تھی، کیونکہ یہ اعضاء آپ کی روح کے مظاہر تھے، پھر آپ کے اعضاء سے حمد اور تسبیح کی صورت پہاڑوں اور پرندوں میں سرایت کر جاتی تھی، کیونکہ یہ اعضاء آپ کی روح کے مظاہر تھے، پھر آپ کے اعضاء سے حمد اور تسبیح کی صورت پہاڑوں اور پرندوں میں سرایت کر جاتی تھی، اس وجہ سے پہاڑ اور پرندے بھی آپ کی تسبیح کے ساتھ تسبیح کرتے تھے، اس وجہ سے ان کی تسبیح کا فائدہ بھی آپ کی طرف لوٹتا تھا، شام کے وقت اور دن چڑھنے کے وقت اس تسبیح کا ذکر کیا گیا ہے کیونکہ ان اوقات میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کے انوار اور اس کی برکت کے آثار بہت عظیم ہوتے ہیں کیونکہ جو مقربین اللہ تعالیٰ کی

تجلیات میں مستغرق اور مخمور ہوتے ہیں وہ اس وقت اپنے استغراق اور خمار سے باہر آجاتے ہیں اور شام کے وقت میں نماز پڑھنے والے اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنی حاجات پیش کرتے ہیں اور اس سے مناجات کرتے ہیں۔(تبیان القرآن)

داؤد علیہ السلام کی فضیلت میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ وَشَدَدْنَا مُلْكَهٗ اور ہم نے ان کی سلطنت کو مضبوط کر دیا، ان کی سلطنت کو مضبوط کرنے کا ایک محمل یہ ہے کہ چار ہزار آدمیوں کا لشکر دن رات ان کی سلطنت کی حفاظت کرتا تھا اور اس کا دوسرا محمل یہ ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام جن مقدمات کا فیصلہ کرتے تھے ان کی وجہ سے تمام لوگوں پر ان کی ہیبت چھا گئی تھی۔

علامہ ابن جوزی رحمہ اللہ نے بیان فرمایا کہ حضرت داؤد علیہ السلام کی سلطنت کو مضبوط کرنے کے فرمان میں دو قول ہیں ایک یہ ہے کہ ان کے لیے پہرے دار اور لشکر مقرر فرمائے تھے، ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ہر رات چھتیس ہزار مرد ان کی پہرہ داری کرتے تھے، دوسرا قول یہ ہے کہ ان کی ہیبت لوگوں کے دلوں میں ڈال دی گئی تھی۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ بنی اسرائیل کے ایک شخص نے ان کے ایک بڑے آدمی پر کوئی زیادتی کی، پھر وہ دونوں حضرت داؤد علیہ السلام کے سامنے پیش ہوئے، جس نے زیادتی کی تھی اس نے اپنے فریق مخالف کے متعلق کہا: اس شخص نے میری ایک گائے غصب کرلی ہے، حضرت داؤد علیہ السلام نے اس سے پوچھا تو اس نے اس بات کا انکار کیا، پھر آپ نے مدعی سے کہا: تم گواہ پیش کرو، اس کے پاس کوئی گواہ نہیں تھا، پھر حضرت داؤد نے ان دونوں سے کہا: ابھی تم چلے جاؤ، میں تمہارے معاملے میں غور کروں گا، وہ دونوں چلے گئے، حضرت داؤد علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے خواب میں یہ وحی کی کہ جس شخص کے خلاف دعویٰ کیا گیا ہے آپ اس کو قتل کر دیں۔

حضرت داؤد علیہ السلام نے سوچا: یہ تو خواب ہے، میں اس معاملہ میں جلدی نہیں کروں گا۔ اللہ تعالیٰ نے دوبارہ ان کو خواب میں وحی کی کہ اس شخص کو قتل کر دیں، پھر اللہ تعالیٰ نے تیسری بار ان کو خواب میں حکم دیا کہ وہ اس کو قتل کر دیں، ورنہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان پر عتاب ہو گا۔

پھر حضرت داؤد علیہ السلام نے اس شخص کو بلوا کر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر یہ وحی کی ہے کہ میں تجھ کو قتل کر دوں، اس شخص کہا: آپ مجھے بغیر گواہ کے اور بغیر کسی ثبوت کے قتل کر دیں گے؟

حضرت داؤد علیہ السلام نے فرمایا: ہاں! میں تم میں اللہ تعالیٰ کا حکم نافذ کروں گا، جب اس شخص کو یہ یقین ہو گیا کہ حضرت داؤد علیہ السلام اس کو قتل کر دیں گے، تب اس شخص نے کہا: آپ عجلت نہ کریں حتیٰ کہ میں آپ کو اصل واقعہ کی خبر دے دوں، بیشک اللہ کی قسم! میں نے اس معاملہ میں کوئی جرم نہیں کیا اور نہ اس وجہ سے میں گرفت میں آیا ہوں، بلکہ میں نے اس شخص کے والد کو دھوکے سے قتل کر دیا تھا، سو اس وجہ سے مجھے قتل کرنے کا حکم دیا گیا ہے، پھر حضرت داؤد علیہ السلام کے حکم سے اس کو قتل کر دیا گیا اور یہ اللہ تعالیٰ کے اس قول کی تفسیر ہے: وشد دنا ملکہ۔ (جامع البیان ، تبیان القرآن)

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری رحمۃ اللہ فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے کہ ہم نے داؤد کی سلطنت کو مضبوط کر دیا اور یہ قید نہیں لگائی کہ ان سلطنت کو لشکر سے مضبوط کیا ہے اور نہ یہ قید لگائی ہے کہ بنی اسرائیل پر ان کی ہیبت طاری کر کے ان کے لشکر کو مضبوط کیا ہے، اس لئے اولیٰ یہ ہے کہ ان کی سلطنت کی مضبوطی کو کسی خاص قسم کے ساتھ مقید نہ کیا جائے اور اس کو اپنے عموم پر رکھا جائے۔ (جامع البیان ج ۲۳ ص ۱۶۵، تبیان القرآن)

اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کی ایک فضیلت یہ بیان فرمائی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو حکمت عطا فرمائی، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَاٰتَيْنٰهُ الْحِكْمَةَ ہم نے ان کو حکمت عطا فرمائی۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: قرآن کی حکمت ہے: حلال اور حرام کو جاننا، ایک تعریف یہ کی گئی ہے کہ علوم شریعت اور طریقت کو حکمت کہتے ہیں، حضرات مفسرین کرام رحمۃ اللہ نے حکمت کے کئی محامل بیان کیے ہیں، ایک مطلب یہ بیان کیا گیا ہے کہ حکمت یہ ہے کہ علم کے تقاضے کے مطابق عمل کیا جائے، دوسرا حکمت کا مفہوم یہ بیان کیا گیا ہے کہ انسان اپنی طاقت کے مطابق اس چیز کو حاصل کرے جو نفس الامر اور واقع میں برحق ہو، تیسرا حکمت کا مفہوم یہ بیان کیا گیا ہے کہ ہر وہ کلام جو حق کے موافق ہو وہ حکمت ہے۔

حکمت کا چوتھا مفہوم یہ ہے کہ ہر وہ کلام جو حق کے موافق ہو وہ حکمت ہے، پانچواں مفہوم حکمت کا یہ ہے کہ ہر چیز کو اپنے مقام پر رکھنا حکمت ہے، حکمت کا چھٹا مفہوم یہ ہے کہ جس چیز کا انجام قابل تعریف ہو وہ حکمت ہے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کی شان و فضیلت بیان کرتے ہوئے ان کو دیا گیا فصل الخطاب کا ذکر فرمایا ہے، فصل الخطاب کے بارے میں حضرات مفسرین کرام رحمہم اللہ نے کئی مطالب بیان فرمائے ہیں۔ امام رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ فصل الخطاب یہ ہے کہ جو بات ان کے دل میں آتی تھی اور جو بات ان کے خیال میں گزرتی تھی اس کی تعبیر و بیان پر قدرت رکھتے تھے، کوئی چیز کسی چیز کے ساتھ خلط ملط اور گڈ مڈ نہیں کرتے تھے، بات کرتے تھے تو ہر چیز جدا جدا الگ الگ صاف صاف سمجھ میں آتی تھی۔

امام رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس مقام پر اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کے جو دس فضائل و مناقب بیان فرمائے ان میں سے دسویں اور آخری فضیلت یہی ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ فصل الخطاب کا مطلب ہے عدل و انصاف کے ساتھ فیصلے کرنا، حضرت قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ فصل الخطاب سے مراد یہ ہے کہ مدعی کو گواہ پیش کرنے کا مکلف کرنا اور مدعیٰ علیہ پر قسم لازم کرنا۔

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ فصل الخطاب سے مراد یہ ہے کہ خطبہ کے بعد امابعد کہنا اور سب سے پہلے خطبہ میں امابعد کے الفاظ حضرات داؤد علیہ السلام ہی نے استعمال کیے تھے۔ (تفسیر زادالمسیر لابن القیم الجوزی) صاحب النکت والعیون فرماتے ہیں کہ سیاق وسباق کے درمیان فرق کرنے کا نام فصل الخطاب ہے۔

علامہ سید محمود آلوسی رحمہ اللہ لکھتے ہیں حکمت سے مراد ہے نبوت اور کمال علم اور پختہ علم، ایک قول ہے: اس سے مراد زبور ہے اور علم الشرائع اور ایک قول یہ ہے کہ ہر وہ کلام جو حکمت کے موافق ہو وہ حکمت ہے اور فصل خطاب سے مراد ہے دو فریقوں کے درمیان حق کو باطل سے متمیز اور ممتاز کر دینا، یا اس سے مراد وہ کلام ہے جو صحیح اور فاسد کے درمیان فارق اور فیصلہ کن ہو اور یہ حضرت داؤد علیہ السلام کا وہ کلام ہے جو وہ مقدمات کے فیصلوں اور سلطنت کی تدبیروں اور مشوروں کے متعلق

کرتے تھے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ فصل خطاب سے مراد ایسا کلام ہو جو متوسط ہو، نہ اس قدر مختصر ہو کہ اس سے اصل مراد واضح نہ ہو اور نہ اس قدر طویل ہو جس سے مخاطب اکتا جائے اور ملول خاطر ہو۔

امام ابن ابی حاتم رحمہ اللہ اور دیلمی رحمہ اللہ نے حضرت موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ اس سے مراد امابعد کے کلمات ہیں اور سب سے پہلے حضرت داؤد علیہ السلام نے یہ کلمات کہے تھے، امابعد کے کلمات حمد اور صلوٰۃ یا اللہ عزوجل کے ذکر کے بعد کہے جاتے اور ان کا معنیٰ یہ ہوتا ہے کہ حمد اور صلوٰۃ کے بعد یہ معلوم ہونا چاہیے یا حمد اور صلوٰۃ کے بعد یہ بیان کیا جاتا ہے اور امابعد سے مراد یہ مخصوص کلمات نہیں ہیں، کیونکہ یہ عربی زبان کے الفاظ ہیں اور حضرت داؤد علیہ السلام خود عرب تھے نہ عربوں کے نبی تھے اور نہ وہ عربی زبان میں کلام کرتے تھے، بلکہ اس سے مراد ان کی زبان کے وہ کلمات ہیں جو "امابعد" کا مفہوم ادا کرتے ہوں اور میرے نزدیک راجح یہ ہے کہ فصل خطاب سے مراد ایسا خطاب ہے جو کسی مقدمہ کے فریقین کے درمیان حق کو باطل سے اور صواب کو خطاء سے اور صحیح کو غلط سے متمیز اور ممتاز کر دے اور یہ بہت زیادہ علم اور فہم اور افہام اور تفہیم کی خداداد صلاحیت پر موقوف ہے۔ (روح المعانی ج ۲۳ ص ۲۶۱، ۲۶۰)

حضرت داؤد علیہ السلام کی آزمائش

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

وَهَلْ اَتٰىكَ نَبَؤُا الْخَصْمِ اِذْ تَسَوَّرُوا الْمِحْرَابَ {۲۱} اِذْ دَخَلُوْا عَلٰى دَاوٗدَ فَفَزِعَ مِنْهُمْ قَالُوْا لَا تَخَفْ خَصْمٰنِ بَغٰى بَعْضُنَا عَلٰى بَعْضٍ فَاحْكُمْ بَيْنَنَا بِالْحَقِّ وَلَا تُشْطِطْ وَاهْدِنَآ اِلٰى سَوَآءِ الصِّرَاطِ {۲۲} اِنَّ هٰذَآ اَخِيْ لَهٗ تِسْعٌ وَّتِسْعُوْنَ نَعْجَةً وَّلِيَ نَعْجَةٌ وَّاحِدَةٌ فَقَالَ اَكْفِلْنِيْهَا وَعَزَّنِيْ فِي الْخِطَابِ {۲۳} قَالَ لَقَدْ ظَلَمَكَ بِسُؤَالِ نَعْجَتِكَ اِلٰى نِعَاجِهٖ وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ الْخُلَطَآءِ لَيَبْغِيْ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَقَلِيْلٌ مَّا هُمْ وَظَنَّ دَاوٗدُ اَنَّمَا فَتَنّٰهُ فَاسْتَغْفَرَ رَبَّهٗ وَخَرَّ رَاكِعًا وَّاَنَابَ {۲۴} فَغَفَرْنَا لَهٗ ذٰلِكَ وَاِنَّ لَهٗ عِنْدَنَا لَزُلْفٰى وَحُسْنَ مَاٰبٍ {۲۵} يٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِيْفَةً فِي الْاَرْضِ

فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اِنَّ الَّذِيْنَ يَضِلُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ۢ بِمَا نَسُوْا يَوْمَ الْحِسَابِ {۲۶}ص

جواب ترجمہ: اور کیا تمہیں ان مقدمہ والوں کی خبر پہنچی ہے جب وہ دیوار پر چڑھ کر عبادت گاہ میں گھس آئے تھے؟ جب وہ داؤد کے پاس پہنچے تو داؤد ان سے گھبرا گئے۔ انہوں نے کہا ڈریے نہیں، ہم ایک جھگڑے کے دو فریق ہیں، ہم میں سے ایک نے دوسرے کے ساتھ زیادتی کی ہے۔ اب آپ ہمارے درمیان ٹھیک ٹھیک فیصلہ کر دیجیے اور زیادتی نہ کیجیے، اور ہمیں ٹھیک ٹھیک راستہ بتا دیجیے۔ یہ میرا بھائی ہے، اس کے پاس ننانوے دنبیاں ہیں، اور میرے پاس ایک ہی دنبی ہے، اب یہ کہتا ہے کہ وہ بھی میرے حوالے کرو، اور اس نے زور بیان سے مجھے دبا لیا ہے۔ داؤد نے کہا: اس نے اپنی دنبیوں میں شامل کرنے کے لیے تمہاری دنبی کا جو مطالبہ کیا ہے اس میں یقیناً تم پر ظلم کیا ہے۔ اور بہت سے لوگ جن کے درمیان شرکت ہوتی ہے وہ ایک دوسرے کے ساتھ زیادتی کرتے ہیں، سوائے ان کے جو ایمان لائے ہیں، اور جنہوں نے نیک عمل کیے ہیں، اور وہ بہت کم ہیں۔

اور داؤد کو خیال آیا کہ ہم نے دراصل ان کی آزمائش کی ہے، اس لیے انہوں نے اپنے پروردگار سے معافی مانگی، جھک کر سجدے میں گر گئے اور اللہ سے لو لگائی۔ چنانچہ ہم نے اس معاملہ میں انہیں معافی دے دی۔ اور حقیقت یہ ہے کہ ان کو ہمارے پاس خاص تقرب حاصل ہے اور بہترین ٹھکانا۔ اے داؤد! ہم نے تمہیں زمین میں خلیفہ بنایا ہے، لہذا تم لوگوں کے درمیان برحق فیصلے کرو، اور نفسانی خواہش کے پیچھے نہ چلو، ورنہ وہ تمہیں اللہ کے راستے سے بھٹکا دے گی۔ یقین رکھو کہ جو لوگ اللہ کے راستے سے بھٹک جاتے ہیں، ان کے لیے سخت عذاب ہے، کیونکہ انہوں نے حساب کے دن کو بھلا دیا تھا۔

خلاصہ تفسیر: اللہ تعالیٰ اپنے حبیب نبی کریم ﷺ کو مطلع فرما رہے ہیں کہ اے میرے حبیب! کیا آپ کو ان دو متخاصمین کی خبر پہنچی ہے جنہوں نے داؤد علیہ السلام کی جائے عبادت کی دیوار پھلانگی تھی؟ جب وہ داؤد علیہ السلام کے پاس پہنچے تو حضرت داؤد علیہ السلام گھبرا گئے، تو ان متخاصمین نے حضرت داؤد علیہ السلام سے کہا کہ آپ گھبرائیے نہیں ہم دونوں ایک دوسرے کے متخاصم ہیں، جنہوں نے ایک دوسرے پر ظلم

کیا ہے، اس لیے آپ ہمارے درمیان عدل وانصاف کے ساتھ فیصلہ کیجیے، فیصلے میں ہمارے اوپر ظلم نہ کیجیے، درست راستے کی طرف ہماری راہنمائی کیجیے، ان میں سے ایک شخص نے کہا کہ یہ میرا بھائی ہے جس کے پاس ننانوے دنبیاں ہیں، جب کہ میرے پاس تو صرف ایک ہی دنبی ہے، میرا یہ ننانوے دنبیوں والا بھائی طمع رکھتا ہے کہ وہ میری ایک دنبی بھی لے لے، اس نے اسے کہا کہ وہ دنبی بھی مجھے دے دے، دلیل میں بھی اس نے مجھ پر غلبہ پالیا ہے۔

حضرت داؤد علیہ السلام نے فرمایا کہ تیرے اس بھائی نے تجھ پر ظلم کیا ہے جس نے اپنی ننانوے دنبیوں کے ساتھ تیری یہ دنبی بھی ملانے کا سوال کیا ہے، اور بہت سے شرکاء ایک دوسرے پر ظلم کرتے ہیں، ایک دوسرے پر زیادتی کرتے ہیں، ایک دوسرے کا حق لینا چاہتا ہے، مگر نیکوکار لوگ ایسا نہیں کرتے، یہ لوگ تھوڑے ہی ہیں، اس لیے ان لوگوں کو ایک دوسرے پر زیادتی نہیں کرنا چاہیے۔

حضرت داؤد علیہ السلام کو اس بات کا خیال آیا کہ اللہ تعالیٰ نے اس خصومت اور جھگڑے کے باعث انہیں امتحان میں ڈالا ہے، اس کے بعد وہ اپنے رب سے استغفار کرنے لگے اور سجدہ ریز ہو گئے، تاکہ اللہ تعالیٰ کا قرب ملے، انہوں نے اللہ کی طرف رجوع کیا اور توبہ کی، اس پر اللہ تعالیٰ نے انہیں پروانہ عفوودرگزر عطا کیا۔

حضرت مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ ان آیتوں میں باری تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کا واقعہ ذکر فرمایا ہے، قرآن کریم میں یہ واقعہ جس انداز سے بیان کیا گیا ہے، اس سے صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی عبادت گاہ میں دو فریقوں کو جھگڑتے ہوئے بھیج کر ان کا کوئی امتحان کیا تھا، حضرت داؤد علیہ السلام نے اس امتحان پر متنبہ ہو کر اللہ تعالیٰ سے استغفار کیا اور سجدے میں گر پڑے، اور اللہ تعالیٰ نے ان کی مغفرت فرمادی۔ (معارف القرآن)

قرآن کریم کا اصل مقصد چونکہ یہاں یہ بیان کرنا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام اپنے ہر معاملے میں اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع فرماتے تھے، اور کبھی ذرا سی لغزش بھی ہو جائے تو فوراً استغفار کی طرف متوجہ ہوتے تھے۔ اس لئے یہاں یہ تفصیل بیان نہیں کی گئی کہ وہ امتحان کیا تھا؟ حضرت داؤد علیہ السلام

سے وہ کونسی لغزش ہوئی تھی جس سے انہوں نے استغفار کیا؟اور جسے اللہ تعالیٰ نے معاف فرمادیا۔

اسی لئے بعض محقق اور محتاط مفسرین نے ان آیات کی تشریح میں یہ فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خاص حکمت و مصلحت سے اپنے جلیل القدر پیغمبر کی اس لغزش اور امتحان کی تفصیل کو کھول کر بیان نہیں فرمایا، اس لئے ہمیں بھی اس کے پیچھے نہیں پڑنا چاہئے۔ اور جتنی بات قرآن کریم میں مذکور ہے، صرف اسی بات پر ایمان رکھنا چاہئے۔ (معارف)

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ جیسے محقق مفسر نے اپنی تفسیر میں اسی پر عمل کرتے ہوئے واقعہ کی تفصیلات سے خاموشی اختیار کی ہے اور کوئی شک نہیں کہ یہ سب سے زیادہ محتاط اور سلامتی کا راستہ ہے۔ اسی لئے علماء سلف سے منقول ہے کہ اَبْهِمُوا مَا اَبْهَمَهُ اللّٰهُ، یعنی جس چیز کو اللہ نے مبہم چھوڑا ہے تم بھی اس کو مبہم رہنے دو، اسی میں حکمت و مصلحت ہے اور یہ ظاہر ہے کہ اس سے مراد ایسے معاملات کا ابہام ہے جن سے ہمارے عمل اور حلال و حرام کا تعلق نہ ہو اور جن معاملات سے مسلمانوں کے عمل کا تعلق ہو اس ابہام کو خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قول و عمل سے رفع کر دیا ہے۔

البتہ دوسرے مفسرین نے روایات و آثار کی روشنی میں اس امتحان اور آزمائش کو متعین کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس سلسلہ میں ایک عامیانہ روایت تو یہ مشہور ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کی نظر ایک مرتبہ اپنے ایک فوجی افسر اوریا کی بیوی پر پڑ گئی تھی، جس سے ان کے دل میں اس کے ساتھ نکاح کرنے کی خواہش پیدا ہوئی اور انہوں نے اوریا کو قتل کرانے کی غرض سے اسے خطرناک ترین مشن سونپ دیا جس میں وہ شہید ہو گیا اور بعد میں آپ نے اس کی بیوی سے شادی کر لی، اس عمل پر تنبیہ کرنے کے لئے یہ دو فرشتے انسانی شکل میں بھیجے گئے۔

لیکن یہ روایت بلاشبہ ان خرافات میں سے ہے جو یہودیوں کے زیر اثر مسلمانوں میں بھی پھیل گئی تھیں، یہ روایت دراصل بائبل کی کتاب سموئیل دوم باب نمبر ۱۱ سے ماخوذ ہے، فرق صرف اتنا ہے کہ بائبل میں کھلم کھلا حضرت داؤد علیہ السلام پر یہ الزام لگایا گیا ہے کہ انہوں نے معاذ اللہ اوریا کی بیوی سے نکاح سے قبل ہی زنا کا ارتکاب کیا تھا اور ان تفسیری روایتوں میں زنا کے جز کو حذف کر دیا گیا ہے،

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کسی نے اس اسرائیلی روایت کو دیکھا اور اس میں سے زنا کے قصے کو نکال کر اسے قرآن کریم کی مذکورہ آیتوں پر چسپاں کر دیا، حالانکہ یہ کتاب سموئیل ہی سرے سے بے اصل ہے اور یہ روایت قطعی کذب وافتراء کی حیثیت رکھتی ہے، اسی وجہ سے تمام محقق مفسرین نے اس کی سخت تردید کی ہے۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کے علاوہ علامہ ابن جوزی رحمہ اللہ، قاضی ابو السعود رحمہ اللہ، قاضی بیضاوی رحمہ اللہ، قاضی عیاض رحمہ اللہ، امام رازی رحمہ اللہ، علامہ ابو حیان اندلسی رحمہ اللہ، خازن رحمہ اللہ، زمخشری، ابن حزم رحمہ اللہ، علامہ خفاجی رحمہ اللہ، ابو تمام اور علامہ آلوسی رحمہ اللہ وغیرہ نے بھی اسے کذب وافتراء قرار دیا ہے۔ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں

بعض مفسرین رحمہم اللہ نے یہاں ایک قصہ ذکر کیا ہے جس کا اکثر حصہ اسرائیلیات سے ماخوذ ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارے میں کوئی ایسی بات ثابت نہیں جس کا اتباع واجب ہو، صرف ابن ابی حاتم رحمہ اللہ نے یہاں ایک حدیث روایت کی ہے۔ مگر اس کی سند صحیح نہیں ہے۔

غرض بہت سے دلائل کی روشنی میں جن کی کچھ تفصیل امام رازی رحمہ اللہ کی تفسیر کبیر اور ابن جوزی رحمہ اللہ کی زاد المسیر وغیرہ میں موجود ہے، یہ روایت تو اس آیت کی تفسیر میں قطعاً خارج از بحث ہو جاتی ہے۔

حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ نے اس آزمائش اور لغزش کی تشریح اس طرح فرمائی ہے کہ مقدمہ کے یہ دو فریق دیوار پھاند کر داخل ہوئے، اور طرز مخاطبت بھی انتہائی گستاخانہ اختیار کیا کہ شروع ہی میں حضرت داؤد علیہ السلام کو انصاف کرنے اور ظلم نہ کرنے کی نصیحتیں شروع کر دیں، اس انداز کی گستاخی کی بناء پر کوئی عام آدمی ہوتا تو انہیں جواب دینے کے بجائے الٹی سزا دیتا، اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کا یہ امتحان فرمایا کہ وہ بھی غصہ میں آکر انہیں سزا دیتے ہیں یا پیغمبرانہ عفو و تحمل سے کام لے کر ان کی بات سنتے ہیں۔

حضرت داؤد علیہ السلام اس امتحان میں پورا اترے، لیکن اتنی سی فروگذاشت ہو گئی کہ فیصلہ سناتے

وقت ظالم کو خطاب کرنے کے بجائے مظلوم کو مخاطب فرمایا۔ جس سے ایک گونہ جانبداری مترشح ہوتی تھی مگر اس پر فوراً متنبہ ہوا اور سجدے میں گر گئے اور اللہ تعالیٰ نے انہیں معاف فرمادیا۔(بیان القرآن)

حضرت مفتی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ بعض مفسرین رحمہم اللہ نے لغزش کی یہ تشریح کی ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے مدعا علیہ کو خاموش دیکھا تو اس کا بیان سنے بغیر صرف مدعی کی بات سن کر اپنی نصیحت میں ایسی باتیں فرمائیں جن سے فی الجملہ مدعی کی تائید ہوتی تھی، حالانکہ پہلے مدعا علیہ سے پوچھنا چاہئے تھا کہ اس کا موقف کیا ہے؟ حضرت داؤد علیہ السلام کا یہ ارشاد اگرچہ صرف ناصحانہ انداز میں تھا اور ابھی تک مقدمہ کے فیصلے کی نوبت نہیں آئی تھی، تاہم ان جیسے جلیل القدر پیغمبر کے شایان شان نہیں تھا، اسی بات پر آپ بعد میں متنبہ ہو کر سجدہ ریز ہوئے۔(روح المعانی)

بعض حضرات نے فرمایا کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے اپنا نظم اوقات ایسا بنایا ہوا تھا کہ چوبیس گھنٹے میں ہر وقت گھر کا کوئی نہ کوئی فرد عبادت، ذکر اور تسبیح میں مشغول رہتا تھا، ایک روز انہوں نے باری تعالیٰ سے عرض کیا کہ پروردگار! دن اور رات کی کوئی گھڑی ایسی نہیں گزرتی جس میں داؤد کے گھر والوں میں سے کوئی نہ کوئی آپ کی عبادت، نماز اور تسبیح و ذکر میں مشغول نہ ہو، باری تعالیٰ نے فرمایا کہ داؤد! یہ سب کچھ میری توفیق سے ہے، اگر میری مدد شامل حال نہ ہو تو یہ بات تمہارے بس کی نہیں ہے، اور ایک دن میں تمہیں تمہارے حال پر چھوڑ دوں گا۔

اس کے بعد یہ واقعہ پیش آیا کہ وہ وقت حضرت داؤد علیہ السلام کے مشغول عبادت ہونے کا تھا۔ اس ناگہانی قضیہ سے ان کے اوقات کا نظام مختل ہو گیا حضرت داؤد علیہ السلام جھگڑا چکانے میں مشغول ہو گئے، آل داؤد علیہ السلام کا کوئی اور فرد بھی اس وقت عبادت اور ذکر الٰہی میں مصروف نہ تھا، اس سے حضرت داؤد علیہ السلام کو تنبہ ہوا کہ وہ فخریہ کلمہ جو زبان سے نکل گیا تھا، یہ مجھ سے غلطی ہوئی تھی، اس لئے آپ نے استغفار فرمایا اور سجدہ ریز ہو گئے۔ اس توجیہ کی تائید حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے ایک ارشاد سے بھی ہوتی ہے جو مستدرک حاکم میں صحیح سند کے ساتھ منقول ہے۔(احکام القرآن)

ان تمام تشریحات میں یہ بات مشترکہ طور پر تسلیم کی گئی ہے کہ مقدمہ فرضی نہیں، بلکہ حقیقی

تھا اور صورت مقدمہ کا حضرت داؤد علیہ السلام کی آزمائش یا لغزش سے کوئی تعلق نہیں تھا، اس کے بر خلاف بہت سے مفسرین نے اس کی ایسی تشریح فرمائی ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ مقدمہ کے یہ فریقین انسان نہیں، بلکہ فرشتے تھے، اور انہیں اللہ تعالیٰ نے اس لئے بھیجا تھا کہ وہ ایسی فرضی صورت مقدمہ پیش کریں جس سے حضرت داؤد علیہ السلام کو اپنی لغزش پر تنبہ ہو جائے۔

چنانچہ ان حضرات کا یہ کہنا ہے کہ اوریا کو قتل کرانے اور اس کی بیوی سے نکاح کر لینے کا وہ قصہ تو غلط ہے، لیکن حقیقت حال یہ تھی کہ بنی اسرائیل میں سے کسی شخص سے یہ فرمائش کرنا معیوب نہیں سمجھا جاتا تھا کہ " تم اپنی بیوی کو طلاق دے کر اس کا نکاح مجھ سے کر دو " اس زمانے میں اس فرمائش کا عام رواج بھی تھا۔ اور یہ بات خلاف مروت بھی نہ سمجھی جاتی تھی۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے اسی بنا پر اور یا سے یہی فرمائش کی تھی، جس پر اللہ تعالیٰ نے یہ دو فرشتے بھیج کر آپ کو تنبیہ فرمائی اور بعض حضرات نے فرمایا کہ بات صرف اتنی تھی کہ اوریا نے ایک عورت کو نکاح کا پیغام دیا ہوا تھا، حضرت داؤد علیہ السلام نے بھی اسی عورت کو اپنا پیغام دے دیا، اس سے اوریا کو بہت رنج ہوا اللہ تعالیٰ نے اس پر تنبیہ کے لئے یہ دو فرشتے بھیجے اور ایک لطیف پیرایہ میں اس لغزش پر تنبیہ فرمائی۔ (معارف القرآن)

قاضی ابو یعلی رحمہ اللہ نے اس توجیہ پر قرآن کریم کے الفاظ **وَعَزَّنِيْ فِي الْخِطَابِ**، سے استدلال فرمایا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ یہ جملہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ یہ معاملہ محض خِطبہ (منگنی) کے سلسلہ میں بھی آیا تھا اور ابھی حضرت داؤد علیہ السلام نے اس سے نکاح نہیں فرمایا تھا۔ (زاد المسیر)

اکثر مفسرین نے ان آخری دو تشریحات کو ترجیح دی ہے اور ان کی تائید بعض آثار صحابہ رضی اللہ عنہم سے بھی ہوتی ہے۔ (ملاحظہ ہو روح المعانی، تفسیر ابی السعود، تفسیر کبیر وغیرہ)

لیکن واقعہ یہ ہے کہ اس آزمائش اور لغزش کی تفصیل نہ قرآن کریم سے ثابت ہے، نہ کسی صحیح حدیث سے، اس لئے اتنی بات تو طے شدہ ہے کہ اوریا کو قتل کروانے کا جو قصہ مشہور ہے وہ غلط ہے، لیکن اصل واقعہ کے بارے میں مذکورہ بالا تمام احتمالات موجود ہیں اور ان میں سے کسی ایک کو قطعی اور یقینی نہیں کہا جا سکتا، لہٰذا اسلامتی کی راہ وہی ہے جو حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے اختیار کی کہ جس بات کو

اللہ تعالیٰ نے مبہم چھوڑا ہے، ہم اپنے قیاسات اور اندازوں کے ذریعہ اس کی تفصیل کی کوشش نہ کریں، جبکہ اس سے ہمارے کسی عمل کا تعلق نہیں، اس ابہام میں بھی یقیناً کوئی حکمت ہے، لہٰذا صرف اتنے واقعہ پر ایمان رکھا جائے جو قرآن کریم میں مذکور ہے، باقی تفصیلات کو اللہ کے حوالے کیا جائے۔ البتہ اس واقعہ سے متعدد عملی فوائد حاصل ہوتے ہیں زیادہ توجہ ان کی طرف دینی چاہئے۔

اِذْ تَسَوَّرُوا الْمِحْرَابَ: جب وہ محراب کی دیوار پھاند کر داخل ہوئے، محراب دراصل بالاخانے یا کسی مکان کے سامنے کے حصہ کو کہتے ہیں، پھر خاص طور سے مسجد یا عبادت خانے کے سامنے کے حصہ کو کہا جانے لگا، قرآن کریم میں یہ لفظ عبادت گاہ کے معنیٰ میں استعمال ہوا ہے، علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ مسجد کے دائرہ نما محرابیں جیسی آج کل معروف ہیں، یہ عہد نبوی میں موجود نہیں تھیں (روح المعانی، بحوالہ معارف القرآن للمفتی)

علامہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر میں ایک روایت نقل کی ہے جس میں حضرت داؤد علیہ السلام کی آزمائش سے متعلق ذکر ہے عبد بن حمید رحمہ اللہ نے کعب رحمہ اللہ سے روایت کیا کہ اللہ کے نبی داؤد علیہ السلام نے چالیس دن سجدہ کیا اور چالیس راتیں اپنے سر کو نہیں اٹھایا یہاں تک کہ ان کے آنسوؤں بند اور خشک ہوگئے آپ نے جب آخری دعا کی اس وقت بھی آپ سجدہ میں تھے عرض کیا اے میرے رب! مجھے عافیت عطا فرمایئے جبکہ میں نے آپ سے آزمائش کا سوال کیا تھا جب آپ نے مجھے آزمائش میں ڈالا تو میں نے صبر نہ کیا اگر آپ مجھے عذاب دیں تو میں اس کا اہل ہوں اگر آپ میری مغفرت فرمائیں تو آپ اس کے اہل ہیں۔

اور اچانک جبریل علیہ السلام ان کے سر کے پاس کھڑے تھے فرمایا: اے داؤد! اللہ تعالیٰ نے آپ کی مغفرت فرمادی ہے اپنا سر اٹھایئے مگر انہوں نے ان کی طرف توجہ نہ کی اور اپنے رب سے مناجات کرتے رہے، سجدے کی حالت میں عرض کیا، اے میرے رب! آپ نے کس طرح میری مغفرت فرمادی جبکہ آپ تو انصاف کرنے والے ہیں، فرمایا جب قیامت کا دن ہوگا میں تجھ کو اوریا کی طرف بھیج دوں گا پھر میں تجھے اس سے مانگ لوں گا تو وہ تجھ کو مجھے ہبہ کردے گا تو میں اس کے بدلہ میں جنت دوں گا۔

عرض کیا، اے میرے رب! اب میں نے جان لیا کہ آپ نے واقعی میری مغفرت فرمادی آپ نے اپنے سر کو اٹھایا تو وہ خشک ہو چکا تھا اس کے اٹھانے کی آپ میں طاقت نہ تھی۔ جبرئیل علیہ السلام نے ان کے بعض بالوں کو چھوا تو وہ پھیل گئے اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی بھیجی: اے داؤد! میں نے تیرے لئے اوریا کی عورت حلال کر دی ہے تو آپ نے اس سے شادی کر لی تو سلیمان علیہ السلام پیدا ہوئے پھر اس عورت کے ہاں نہ اس سے پہلے اور نہ اس کے بعد کوئی ولادت ہوئی۔

کعب رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اللہ کی قسم داؤد علیہ السلام اس کے بعد گرم دن میں روزہ رکھتے تھے پانی کو اپنے منہ کے قریب کرتے تو اپنی غلطی یاد آجاتی تو آپ کے آنسو پانی میں گرتے تو آپ اسے بہا دیتے پھر اسے واپس کر دیتے اور نہ پیتے۔ (در منثور)

کائنات کی حکمت، عدل الٰہی، برکت قرآن

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

وَمَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا بَاطِلًا ۭ ذٰلِكَ ظَنُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۚ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنَ النَّارِ {۲۷} اَمْ نَجْعَلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَالْمُفْسِدِيْنَ فِي الْاَرْضِ اَمْ نَجْعَلُ الْمُتَّقِيْنَ كَالْفُجَّارِ {۲۸} كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ مُبٰرَكٌ لِّيَدَّبَّرُوْٓا اٰيٰتِهٖ وَلِيَتَذَكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ {۲۹} ص

جواب ترجمہ: اور ہم نے آسمان اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے بلا حکمت پیدا نہیں کیا، یہ گمان ان لوگوں کا ہے جنہوں نے کفر کیا، سو ان لوگوں کے لیے ہلاکت ہے یعنی دوزخ کا داخلہ ہے۔ جو لوگ ایمان لائے اور اعمال صالحہ کیے ہم انہیں ان لوگوں کی طرح کر دیں گے جو زمین میں فساد کرنے والے ہیں، کیا ہم متقیوں کو فاجروں کی طرح کر دیں گے۔ یہ کتاب ہے جو ہم نے آپ کی طرف نازل کی ہے مبارک ہے تاکہ یہ لوگ اس کی آیات میں غور کریں اور تاکہ عقل والے نصیحت حاصل کریں۔

خلاصہ تفسیر: حضرت داؤد علیہ السلام کے واقعے اور عدل و انصاف کے بارے میں ہدایات بیان کرنے کے بعد قرآنِ کریم ایک نہایت اہم عقیدہ کی طرف توجہ دلاتا ہے، جو درحقیقت تمام انبیائے کرام

علیہم السلام کی دعوت کا مرکزی نکتہ ہے، یعنی آخرت، جزاو سزا اور عدلِ الٰہی کا اثبات، ارشاد فرمایا، ہم نے آسمان وزمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے، اسے بے مقصد اور عبث پیدا نہیں کیا، اس عظیم کائنات کی تخلیق کسی کھیل، تماشے یا بے فائدہ مشغلے کے لیے نہیں ہوئی بلکہ اس کے پیچھے اللہ تعالیٰ کی کامل حکمت اور عظیم مصلحت کارفرما ہے۔

انسان کو عقل واختیار دے کر دنیا میں بھیجنا، انبیاء ورسل علیہم السلام کی بعثت، احکامِ الٰہی کا نزول اور نیکی وبدی کے راستوں کا واضح کرنا اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ ایک دن حساب وکتاب بھی ہو، اگر مرنے کے بعد کوئی جزاو سزا نہ ہو تو پوری تخلیق بے معنی اور بے مقصد بن جاتی ہے اور یہی وہ باطل گمان ہے جسے اللہ تعالیٰ نے کفار کا نظریہ قرار دیا ہے۔

چونکہ منکرینِ آخرت درحقیقت کائنات کی حکمت اور مقصدیت کا انکار کرتے ہیں، اس لیے ان کے لیے جہنم کی ہلاکت اور عذاب کی وعید سنائی گئی ہے، اس کے بعد اللہ تعالیٰ اپنی صفتِ عدل کو بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ کیا ایمان لانے والوں اور نیک اعمال کرنے والوں کو زمین میں فساد برپا کرنے والوں کے برابر کر دیا جائے گا؟ یا کیا متقی اور پرہیز گار لوگوں کا انجام فاسق وفاجر افراد جیسا ہو سکتا ہے؟ ہرگز نہیں، عدلِ الٰہی کا تقاضا ہے کہ نیک وبد، مصلح ومفسد اور مطیع ونافرمان کے نتائج ایک جیسے نہ ہوں، یہی حقیقت قیامت، جنت اور جہنم کے برحق ہونے کی ایک روشن دلیل ہے۔

ان بنیادی حقائق کے بیان کے بعد اللہ تعالیٰ قرآنِ کریم کی عظمت اور اس کے نزول کے مقصد کو واضح فرماتا ہے، یہ ایک بابرکت کتاب ہے جسے ہم نے آپ کی طرف نازل کیا ہے تاکہ لوگ اس کی آیات میں غور وفکر کریں اور اہلِ عقل نصیحت حاصل کریں، یعنی قرآنِ کریم محض تلاوت کے لیے نہیں بلکہ تدبر، تفکر اور عملی رہنمائی کے لیے نازل کیا گیا ہے، اس کی برکت یہ ہے کہ یہ عقائد کی اصلاح کرتا، دلوں کو زندہ کرتا، اخلاق کو سنوارتا اور انسان کو دنیا وآخرت کی کامیابی کا راستہ دکھاتا ہے۔

سیاق وسباق کے اعتبار سے یہ آیات سابقہ انبیاء علیہم السلام خصوصاً حضرت داؤد علیہ السلام کے واقعات سے جڑی ہوئی ہیں، کیونکہ وہاں عدل، توبہ اور اللہ کی طرف رجوع کا ذکر تھا، جبکہ یہاں اس عدل کی عقلی

بنیاد بیان کی گئی ہے کہ جب اللہ نے کائنات کو حکمت کے ساتھ پیدا کیا ہے تو لازماً ایک دن ایسا آئے گا جب ہر شخص کو اس کے اعمال کا پورا بدلہ دیا جائے گا، پھر اس حقیقت تک پہنچنے اور اس پر یقین پیدا کرنے کا سب سے بڑا ذریعہ قرآنِ کریم ہے، جو اہلِ بصیرت کو غور و فکر کی دعوت دے کر ایمان، یقین اور عملِ صالح کی راہ پر گامزن کرتا ہے۔ یوں یہ آیات کائنات کی مقصدیت، عدلِ الٰہی، آخرت کے اثبات اور قرآنِ کریم کی ہدایت و برکت کو ایک جامع اور مربوط مضمون میں سمو دیتی ہیں۔

حضرت سلیمان علیہ السلام اور گھوڑوں کا واقعہ

سوال عمدہ گھوڑوں اور حضرت سلیمان علیہ السلام کا واقعہ ان آیات کی روشنی میں بیان کیجیے۔

وَوَهَبْنَا لِدَاوٗدَ سُلَيْمٰنَ ۭ نِعْمَ الْعَبْدُ ۭ اِنَّهٗٓ اَوَّابٌ {۳۰} اِذْ عُرِضَ عَلَيْهِ بِالْعَشِيِّ الصّٰفِنٰتُ الْجِيَادُ {۳۱} فَقَالَ اِنِّىْٓ اَحْبَبْتُ حُبَّ الْخَيْرِ عَنْ ذِكْرِ رَبِّىْ ۚ حَتّٰى تَوَارَتْ بِالْحِجَابِ {۳۲} رُدُّوْهَا عَلَىَّ ۭ فَطَفِقَ مَسْحًۢا بِالسُّوْقِ وَالْاَعْنَاقِ {۳۳} ص

جواب ترجمہ: اور ہم نے داؤد کو سلیمان (بیٹا) عطا کیا، وہ بہترین بندے تھے، واقعی وہ اللہ سے خوب لو لگائے ہوئے تھے۔ (وہ ایک یاد گار وقت تھا) جب ان کے سامنے شام کے وقت اچھی نسل کے عمدہ گھوڑے پیش کیے گئے۔ تو انہوں نے کہا: میں نے اس دولت کی محبت اپنے پروردگار کی یاد ہی کی وجہ سے اختیار کی ہے۔ یہاں تک کہ وہ اوٹ میں چھپ گئے۔ (اس پر انہوں نے کہا) ان کو میرے پاس واپس لے آؤ، چنانچہ وہ (ان کی) پنڈلیوں اور گردنوں پر ہاتھ پھیرنے لگے۔

خلاصہ تفسیر: قرآن کریم بتاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کو حضرت سلیمان علیہ السلام جیسا بیٹا عطا فرمایا، اللہ نے سلیمان علیہ السلام کے ذریعے داؤد علیہ السلام پر انعام کیا، سلیمان علیہ السلام کے ذریعے داؤد علیہ السلام کی آنکھوں کی ٹھنڈک کا سامان کیا گیا، پھر ان کے بارے میں فرمایا گیا کہ وہ اچھے بندے تھے، وہ اللہ کی طرف بہت زیادہ رجوع کرنے والے تھے، توجہ الی اللہ کرنے والے تھے، اس لیے ان کا ذکر کیجیے جب ان کے سامنے تیز رفتار عمدہ گھوڑے پیش کیے گئے، جو تین ٹانگوں پر کھڑے ہوتے اور چوتھی ٹانگ

اوپر اٹھائے ہوئے تھے، ان گھوڑوں کا یہ انداز عصر سے لے کر غروب آفتاب رہتا تھا، تفاسیر میں کہیں ان گھوڑوں کی تعداد بیس لکھی ہوئی ہے اور کہیں بیس ہزار لکھی ہوئی ہے۔

جب اللہ تعالیٰ نے داؤد علیہ السلام کو سلیمان بیٹا عطا فرمایا تو داؤد علیہ السلام نے ان سے فرمایا اے میرے بیٹے! سب سے اچھی چیز کیا ہے؟ عرض کیا: اللہ کا سکینہ اور ایمان، پھر پوچھا: کون سی چیز سب سے زیادہ بری ہے؟ عرض کیا: ایمان کے بعد کفر اختیار کرنا، پھر پوچھا: سب سے میٹھی چیز کیا ہے؟ فرمایا: اللہ کی رحمت اس کے بندوں کے درمیان، پھر پوچھا کونسی چیز زیادہ ٹھنڈی ہے (یعنی ٹھنڈک کا باعث ہے؟) فرمایا: لوگوں کو اللہ تعالیٰ کا معاف کرنا اور لوگوں کا ایک دوسرے کو معاف کرنا۔ داؤد علیہ السلام نے فرمایا تو نبی ہے۔ (ابن ابی حاتم عن مکحول، تفسیر در منثور)

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے داؤد علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی کہ میں تیرے بیٹے سے سات باتوں کے بارے میں سوال کرنے والا ہوں اگر اس نے تجھ کو بتادیا تو اس کو علم اور نبوت کا وارث بنادوں گا۔ داؤد علیہ السلام نے ان سے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے میری طرف وحی بھیجی ہے کہ میں تجھ سے سات چیزوں کے بارے میں سوال کروں، اگر تو نے مجھے بتادیا تو میں تجھ کو علم اور نبوت کا وارث بنادوں گا۔

عرض کیا: مجھ سے سوال کرو جو چاہو، داؤد علیہ السلام نے پوچھا: مجھے بتاؤ شہد سے کونسی چیز (زیادہ) میٹھی ہے؟ اور کون سی چیز برف سے زیادہ ٹھنڈی ہے؟ اور کونسی چیز ریشم سے زیادہ نرم ہے؟ اور کونسی چیز ہے جس کا اثر پانی میں نہیں دیکھا جاسکتا؟ اور کونسی چیز ہے جس کا اثر صفاء (یعنی ملائم پتھر) میں نہیں دیکھا جاسکتا؟ اور کونسی چیز ہے جس کا اثر آسمان میں نہیں دیکھا جاسکتا؟ اوجو چیز موٹا کرے سرسبز اور خشک سالی میں؟

سلیمان علیہ السلام نے (جواب دیتے ہوئے) فرمایا: وہ چیز جو شہد سے زیادہ میٹھی ہے وہ اللہ کی رحمت ہے ان دو آدمیوں کے لئے جو آپس میں اللہ کے لئے محبت رکھتے ہیں، وہ چیز جو برف سے زیادہ ٹھنڈی ہے وہ اللہ کا کلام ہے جب وہ کھٹکھٹائے اللہ تعالیٰ کے اولیاء کے دلوں کو، وہ چیز جو ریشم سے زیادہ نرم ہے وہ

اللہ کی حکمت ہے جب اولیاء آپس میں اس کا ذکر کریں، وہ چیز جس کا اثر پانی میں نہیں دیکھا جاسکتا وہ کشتی ہے جو گذر جاتی ہے تو اس کا اثر نہیں دیکھا جاسکتا، وہ چیز جس کا اثر چٹان پر دکھائی نہیں دیتا وہ چیونٹی ہے جو پتھر پر چلتی ہے اور اس کا اثر دکھائی نہیں دیتا، وہ چیز جس کا اثر آسمان میں دکھائی نہیں دیتا وہ پرندہ ہے جو اڑتا ہے اور اس کا اثر آسمان میں دکھائی نہیں دیتا اور وہ چیز جو موٹی ہوتی ہے خشک سالی اور سرسبزی میں تو وہ مؤمن ہے، جب اللہ تعالیٰ اس کو عطا فرماتے ہیں تو وہ شکر کرتا ہے اور جب مصیبت میں مبتلا کیا جاتا ہے تو صبر کرتا ہے اس کا دل آلودگی سے پاک اور چمکدار ہے۔

فرمایا اپنے بیٹے کی طرف دیکھ اور اس سے چودہ چیزوں کے بارے میں سوال کر اگر وہ تجھ کو بتادے تو اس کو علم اور نبوت کا وارث بنادے اس سے سوال کیا تو انہوں نے عرض کیا مجھے پڑھانے والا کوئی نہیں، داؤد علیہ السلام نے فرمایا: مجھے بتاؤ اے میرے بیٹے! تیری عقل کہاں ہے؟ حضرت سلیمان علیہ السلام نے عرض کیا: دماغ میں۔

حضرت داؤد علیہ السلام نے پوچھا حیا کی جگہ کہاں ہے؟ حضرت سلیمان علیہ السلام نے عرض کیا: دونوں آنکھیں، حضرت داؤد علیہ السلام نے پوچھا باطل کی جگہ کہاں ہے؟ حضرت سلیمان علیہ السلام نے عرض کیا: دونوں کان، حضرت داؤد علیہ السلام نے پوچھا: تیری غلطیوں کا دروازہ کہاں ہے؟ حضرت سلیمان علیہ السلام نے عرض کیا: زبان، حضرت داؤد علیہ السلام نے پوچھا: تیرا راستہ کہاں ہے؟ حضرت سلیمان علیہ السلام نے عرض کیا دونوں نتھنے۔

حضرت داؤد علیہ السلام نے پوچھا ادب اور بیان کی جگہ کہاں ہے؟ حضرت سلیمان علیہ السلام نے عرض کیا: دونوں گردے، حضرت داؤد علیہ السلام نے پوچھا تیری بدخلقی اور سخت کلامی کا دروازہ کہاں ہے؟ حضرت سلیمان علیہ السلام نے عرض کیا: جگر، حضرت داؤد علیہ السلام نے پوچھا: تیری ہوا کی جگہ کہاں ہے؟ حضرت سلیمان علیہ السلام نے عرض کیا: پھیپڑا۔

حضرت داؤد علیہ السلام نے پوچھا: تیری خوشی کا دروازہ کہاں ہے؟ حضرت سلیمان علیہ السلام نے عرض کیا: تلی، حضرت داؤد علیہ السلام نے پوچھا: تیری کمائی کا دروازہ کہاں ہے؟ حضرت سلیمان علیہ السلام نے عرض کیا:

دونوں ہاتھ، حضرت داؤد علیہ السلام نے پوچھا: تیرے کھڑے ہونے کا دروازہ کہاں ہے؟ حضرت سلیمان علیہ السلام نے عرض کیا: دونوں ٹانگیں۔

حضرت داؤد علیہ السلام نے پوچھا شہوت کا دروازہ کہاں ہے؟ حضرت سلیمان علیہ السلام نے عرض کیا: شرم گاہ، حضرت داؤد علیہ السلام نے پوچھا: تیری اولاد کا دروزاہ کہاں ہے؟ حضرت سلیمان علیہ السلام نے عرض کیا: ریڑھ کی ہڈی، حضرت داؤد علیہ السلام نے پوچھا: علم اور فہم اور حکمت کا دروازہ کہاں ہے؟ حضرت سلیمان علیہ السلام نے عرض کیا: دل، جب دل ٹھیک ہو تو سب اعضاء ٹھیک ہو جاتے ہیں۔ اور جب دل بگڑ جائے تو سارا جسم بگڑ جاتا ہے۔ (حکیم ترمذی، در منثور)

حضرت مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام گھوڑوں کے معائنہ میں ایسے مشغول ہوئے کہ عصر کا وقت جو نماز پڑھنے کا معمول تھا وہ چھوٹ گیا، بعد میں متنبہ ہو کر آپ نے ان تمام گھوڑوں کو ذبح کر ڈالا کہ ان کی وجہ سے یاد الٰہی میں خلل واقع ہوا تھا۔

یہ نماز نفلی بھی ہو سکتی ہے اور اس صورت میں کوئی اشکال نہیں، کیونکہ انبیاء علیہم السلام اتنی غفلت کی بھی تلافی کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ فرض نماز ہو، اور معائنہ میں لگ کر بھول طاری ہو گئی ہو، بھول جانے کی صورت میں فرض نماز کے قضا ہونے سے گناہ تو نہیں ہوتا۔ لیکن حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنے بلند منصب کے پیش نظر اس کا بھی تدارک فرمایا۔ (معارف القرآن)

حضرت سلیمان علیہ السلام کے گھوڑوں کی تعداد کے متعلق مختلف اقوال بیان کیے گئے ہیں، جو ارباب تفسیر نے نقل فرمائے ہیں، مقاتل رحمہ اللہ نے کہا: حضرت سلیمان علیہ السلام اپنے والد حضرت داؤد علیہ السلام کی طرف سے ایک ہزار گھوڑوں کے وارث ہوئے تھے، اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام تو کسی کو اپنے مال کا وارث نہیں بناتے، اس کا جواب یہ ہے کہ وارثت سے مراد یہ ہے کہ وہ ایک ہزار گھوڑوں کے انتظام کے متولی تھے۔ حسن بصری رحمہ اللہ، ضحاک رحمہ اللہ، ابن زید رحمہ اللہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سلیمان علیہ السلام کے پاس پروں والے ایک سو گھوڑے تھے۔ (الجامع لاحکام القرآن)

پروں والے گھوڑوں کی تائید میں یہ حدیث ہے: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ

ﷺ غزوہ تبوک یا غزوہ خیبر سے واپس آئے اور ان کے طاق (الماری) پر پردہ پڑا ہوا تھا، ہوا کے جھونکے سے طاق پر پڑے ہوئے پردہ کی ایک جانب کھل گئی اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی الماری میں رکھی ہوئی گڑیاں نظر آئیں، آپ نے پوچھا: اے عائشہ! یہ کیا ہے؟ انہوں نے کہا: یہ میری بیٹیاں ہیں اور آپ نے گڑیوں کے درمیان کپڑے کی دھجیوں سے بنائے ہوئے گھوڑے کو دیکھا جس کے دو پر بھی بنائے ہوئے تھے، آپ نے پوچھا: میں ان گڑیوں کے وسط میں کیا چیز دیکھ رہا ہوں؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: یہ گھوڑا ہے۔

آپ نے پوچھا: اس کے اوپر کیا چیز بنی ہوئی ہے؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: یہ اس کے دو پر ہیں۔ آپ نے پوچھا: گھوڑے کے پر ہیں؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: کیا آپ نے نہیں سنا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے گھوڑوں کے پر تھے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: یہ سن کر آپ اس قدر ہنسے کہ میں نے آپ کی ڈاڑھیں دیکھیں۔ (سنن ابو داؤد)

اس مقام پر حضرت سلیمان علیہ السلام کی گھوڑوں کے ساتھ مشغولیت کا ذکر ہے، گھوڑوں کے ساتھ مشغولیت کی حضرات مفسرین کرام رحمہم اللہ نے یہ توجیہ کی ہے حضرت سلیمان علیہ السلام نے کہا، بیشک میں نے خیر (نیک مال) کی محبت اپنے رب کے ذکر کی وجہ سے اختیار کی ہے، اس آیت میں حضرت سلیمان علیہ السلام نے گھوڑوں پر خیر کا اطلاق فرمایا ہے، اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ ہمارے نبی سیدنا محمد ﷺ نے بھی گھوڑوں پر خیر کا اطلاق فرمایا ہے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: گھوڑوں کی پیشانیوں میں قیامت تک خیر ہے۔ (بخاری، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ) حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: گھوڑوں کی پیشانیوں میں خیر رکھ دی گئی ہے۔ (بخاری، نسائی، مسلم)

حضرت سلیمان علیہ السلام کا منشاء یہ تھا کہ چونکہ گھوڑوں پر سوار ہو کر دشمنانِ اسلام کے خلاف جہاد کیا جاتا ہے اور گھوڑوں کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کا دین سربلند ہوتا ہے اس لیے میں گھوڑوں سے محبت رکھتا ہوں۔

قرآن کریم میں یہ ہے حتیٰ کہ جب وہ گھوڑے نگاہ سے اوجھل ہو گئے تو اس نے حکم دیا کہ ان

(گھوڑوں) کو دوبارہ میرے سامنے لاؤ، پھر وہ ان کی پنڈلیوں اور گردنوں پر ہاتھ پھیرنے لگے۔

علامہ ابو عبد اللہ قرطبی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا ایک گول میدان تھا جس میں وہ گھوڑوں کا مقابلہ کرایا کرتے تھے، حتیٰ کہ جب وہ گھوڑے دور نکل کر ان کی آنکھوں سے اوجھل ہو گئے اور اس کا معنیٰ یہ نہیں ہے کہ سورج غائب ہو گیا اور ان کی نگاہوں سے اوجھل ہو گیا، کیونکہ اس آیت میں پہلے سورج کا ذکر نہیں ہے کہ اس کی طرف ضمیر لوٹائی جائے، البتہ گھوڑوں کا ذکر ہے، اس لیے اس کا معنیٰ یہ ہے کہ وہ گھوڑے ان کی نظر سے غائب اور اوجھل ہو گئے اور نحاس رحمۃ اللہ نے یہ ذکر کیا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نماز پڑھ رہے تھے تو ان کے پاس مال غنیمت سے حاصل شدہ گھوڑے لائے گئے تاکہ وہ ان کا معائنہ کریں۔

حضرت سلیمان علیہ السلام اس وقت نماز پڑھ رہے تھے، انہوں نے اشارہ کیا کہ ان گھوڑوں کو ان کے اصطبلوں میں پہنچا دیا جائے، حتیٰ کہ وہ گھوڑے ان کی نظر سے اوجھل ہو گئے اور جب حضرت سلیمان علیہ السلام نماز سے فارغ ہو گئے تو آپ نے فرمایا: ان گھوڑوں کو دوبارہ میرے پاس لاؤ، پھر آپ ان کی گردنوں اور پنڈلیوں پر ہاتھ پھیرنے لگے اور آپ کا ان کی گردنوں پر ہاتھ پھیرنا ان کے اکرام کے لیے تھا، تاکہ لوگوں کو یہ معلوم ہو جائے کہ اگر کوئی بڑا اور باوقار آدمی گھوڑوں کی گردنوں اور پنڈلیوں پر ہاتھ پھیرے تو یہ کام اس کے مقام اور وقار کے خلاف نہیں ہے۔ (الجامع الاحکام)

حضرات مفسرین کرام رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام گھوڑوں کے معائنہ میں اس قدر مشغول ہوئے کہ سورج غروب ہو گیا اور آپ کی نماز قضاء ہو گئی، پھر اس کے غم اور غصہ میں آپ نے گھوڑوں کی گردنوں اور پنڈلیوں کو کاٹ ڈالا۔

علامہ ابن جوزی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو گھوڑے دکھائے جاتے رہے اور وہ ان کے معائنہ میں اس قدر منہمک ہوئے کہ سورج غروب ہو گیا اور ان کی عصر کی نماز قضاء ہو گئی اور ان کی لوگوں پر اس قدر ہیبت تھی کہ کوئی شخص یہ جرأت نہ کر سکا کہ ان کو عصر کی نماز یاد دلاتا، پس حضرت سلیمان علیہ السلام بھول گئے اور جب سورج غروب ہو گیا تو ان کو یاد آیا کہ انہوں نے عصر کی نماز

نہیں پڑھی اور اس وقت انہوں نے یہ کہا: بیشک میں نے نیک مال (یعنی گھوڑوں) کی محبت کو اپنے رب کے ذکر پر ترجیح دی، حتیٰ کہ جب سورج ان کی نگاہ سے اوجھل ہو گیا تو انہوں نے حکم دیا کہ ان گھوڑوں کو دوبارہ ان کے سامنے لاؤ، پھر وہ ان کی پنڈلیوں اور گردنوں پر تلوار سے ہاتھ مارنے لگے۔

حضرات مفسرین کرام رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ اپنے رب کے ذکر سے ان کی مراد عصر کی نماز ہے، حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی یہی رائے ہے، زجاج رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے معلوم نہیں کہ عصر کی نماز ان پر فرض تھی یا نہیں، مگر یہ کہ جس وقت ان کے سامنے گھوڑے پیش کیے گئے تھے اس وقت وہ اپنے رب کا ذکر کیا کرتے تھے۔

حَتّٰى تَوَارَتْ بِالْحِجَابِ: سے مراد یہ ہے کہ سورج ان کی نظروں سے چھپ گیا، ہر چند کہ اس سے پہلے اس آیت میں سورج کا ذکر نہیں حتیٰ کہ اس کی طرف **تَوَارَتْ** کی ضمیر مستتر لوٹائی جائے، مگر سورج کے ذکر پر اس آیت میں قرینہ ہے کیونکہ **اِذْعُرِضَ عَلَيْهِ بِالْعَشِيِّ الصّٰفِنٰتُ الْجِيَادُ** (ص:۳۱) جب اس کے سامنے ڈھلے سدھے ہوئے تیز رفتار گھوڑے پیش کیے گئے۔

زوال کے بعد سے غروب آفتاب تک کے وقت کو **اَلْعَشِي** کہا جاتا ہے، اس کا معنیٰ ہے: غروب آفتاب تک ان کو گھوڑے دکھائے جاتے رہے، اس کے بعد جس کے متعلق فرمایا ہے "وہ چھپ گیا" تو ظاہر ہے وہ سورج ہی ہو سکتا ہے، پس سورج کا ذکر اس سے پہلے **اَلْعَشِي** کے ضمن میں موجود ہے، حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا تھا: "ان گھوڑوں کو دوبارہ میرے سامنے لاؤ۔

مفسرین رحمہم اللہ نے اس کی تفسیر میں کہا ہے کہ گھوڑوں کے معائنہ میں مشغول ہونے کی وجہ سے ان کی نماز قضا ہو گئی اور انہوں نے وقت گزرنے کے بعد نماز پڑھی، اس پر غم اور غصہ کی وجہ سے انہوں نے کہا: کہ گھوڑوں کو دوبارہ میرے سامنے لاؤ، پھر وہ ان کی پنڈلیوں اور گردنوں پر ہاتھ مارنے لگے۔

اور اس کی تفسیر میں تین قول ہیں، ① حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے گھوڑوں کی پنڈلیوں اور گردنوں پر تلوار سے وار کیے اور ان کی پنڈلیوں اور گردنوں کو کاٹ ڈالا۔ (معجم اوسط، مجمع الزوائد)

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے سمندر سے پروں والے گھوڑے نکالے گئے، وہ ظہر کی نماز پڑھنے کے بعد اپنے تخت پر بیٹھ گئے اور ان کا معائنہ کرنے لگے حتیٰ کہ سورج غروب ہو گیا اور ان کی عصر کی نماز فوت ہو گئی، ان کی ہیبت اور ان کے رعب کی وجہ سے کسی نے ان کو عصر کی نماز پر متنبہ نہیں کیا۔

جب نماز قضا ہو گئی تو انہوں نے دوبارہ گھوڑوں کو منگوایا اور اللہ عزوجل کا قرب اور اس کی رضا حاصل کرنے کے لیے ان گھوڑوں کی پنڈلیوں اور ان کی گردنوں کو تلوار سے کاٹ ڈالا کیونکہ ان میں مشغول ہونے کی وجہ سے ان کی عصر کی نماز رہ گئی تھی اور گھوڑوں کو کاٹنا ان کے لیے مباح تھا، اگرچہ ہم پر حرام ہے۔ جیسا کہ ہمارے لیے جانوروں کو ذبح کرنا مباح ہے۔ (تفسیر بغوی ج ۴ ص ۶۷)

② حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام گھوڑوں کی محبت کی وجہ سے ان کی پنڈلیوں اور گردنوں پر پیار سے ہاتھ پھیر رہے تھے۔ (ابو یعلیٰ)

③ حضرت ثعلبی رحمہ اللہ نے نقل فرمایا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے لوہے کو گرم کر کے ان کی پنڈلیوں اور گردنوں پر داغ لگایا۔ ان تین اقوال میں اول مفسرین کرام رحمہم اللہ کے ہاں راجح ہے۔

مفسر قرآن کریم قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ لکھتے ہیں **فَطَفِقَ مَسحًا بِالسُّوقِ وَالاَعنَاقِ** (گھوڑے واپس آ گئے) تو ان کی پنڈلیوں اور گردنوں پر (تلوار سے ہاتھ) صاف کرنا شروع کر دیا، یعنی حضرت سلیمان نے تلوار سے گھوڑوں کی پنڈلیاں اور گردنیں کاٹنی شروع کر دیں، **مَسَحَ عَلٰی وَرِیدِہٖ** اس کی گردن مار دی، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما حسن رحمہ اللہ، قتادہ رحمہ اللہ، مقاتل رحمہ اللہ اور اکثر اہل تفسیر رحمہم اللہ نے یہی معنیٰ بیان کئے ہیں۔

ابن المنذر رحمہ اللہ نے بطریق ابن جریج بیان کیا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: حضرت سلیمان علیہ السلام نے تلوار سے ان کی پنڈلیاں کاٹ دیں، طبرانی رحمہ اللہ نے الاوسط میں اور اسماعیل رحمہ اللہ نے معجم میں اور ابن مردویہ رحمہ اللہ نے عمدہ سند کے ساتھ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تلوار سے ان کی پنڈلیاں اور گردنیں باذن خدا کاٹ دیں، اس عمل کا

باعث تھا ذکر خدا سے غافل رہ جانے کے گناہ سے توبہ کرنا، قرب خدا کے حصول کی طلب اور مرضی رب پالینے کا جذبہ۔

حسن رحمہ اللہ نے کہا: جب حضرت سلیمان علیہ السلام نے گھوڑوں کو قتل کر دیا تو ان کے عوض اللہ نے آپ کو ایسی سواری عنایت کی جو گھوڑوں سے بہتر اور ان سے زیادہ تیز رفتار تھی، یعنی ہوا کو آپ کا تابع حکم بنا دیا، بعض اہل تفسیر رحمہم اللہ نے لکھا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے گھوڑوں کو ذبح کر کے ان کا گوشت خیرات کر دیا، گھوڑے کا گوشت ان کی شریعت میں حلال تھا، ہماری شریعت میں بقول جمہور حلال ہے، صرف امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک مکروہ ہے۔ (مظہری)

قاضی ثناء اللہ رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ زہری نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ایک قول نقل کیا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے جو رُدُّوْهَا عَلَيَّ کہا تھا، وہ فرشتوں سے کہا تھا، یعنی آفتاب پر مؤکل جو ملائکہ تھے، بحکم خدا ان سے کہا تھا کہ سورج کو واپس لوٹا لاؤ کہ میں عصر کی نماز پڑھ لوں، چنانچہ فرشتے سورج کو واپس لوٹا لائے اور آپ نے عصر کی نماز بروقت پڑھ لی۔

زہری رحمہ اللہ اور ابن کیسان رحمہ اللہ نے یہ مطلب بیان کیا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام گھوڑوں کی گردنوں اور پنڈلیوں پر، ان پر پڑا ہوا غبار صاف کرنے کیلئے محبت اور پیار سے ہاتھ پھیرنے لگے۔

بغوی رحمہ اللہ نے لکھا ہے: یہ تفسیر ضعیف ہے، مشہور پہلا ہی قول ہے، میں کہتا ہوں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے بطور افسوس کہا تھا: اِنِّيْٓ اَحْبَبْتُ حُبَّ الْخَيْرِ عَنْ ذِكْرِ رَبِّيْ حَتّٰى تَوَارَتْ بِالْحِجَابِ آپ کا یہ قول زہری کی تفسیر کو غلط ثابت کر رہا ہے۔ (تفسیر مظہری)

حضرت سلیمان علیہ السلام کی آزمائش

سوال اس آیت کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے، سلیمانی آزمائش کا ذکر بھی کیجیے۔

وَلَقَدْ فَتَنَّا سُلَيْمٰنَ وَاَلْقَيْنَا عَلٰى كُرْسِيِّهٖ جَسَدًا ثُمَّ اَنَابَ {۳۴} ص

جواب ترجمہ: اور یہ بھی واقعہ ہے کہ ہم نے سلیمان کی ایک آزمائش کی تھی اور ان کی کرسی پر ایک دھڑ لا کر ڈال دیا تھا۔ پھر انہوں نے (اللہ سے) رجوع کیا۔

خلاصہ تفسیر: اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے سلیمان علیہ السلام کو آزمائش میں مبتلا کیا، اللہ نے انہیں کیوں آزمائش میں ڈالا؟ اور وہ آزمائش کیا تھی؟ اس آزمائش سے انہیں کس طرح نجات ملی؟ یہ وہ سوالات ہیں جن کے جواب سے قرآن کریم خاموش ہے، یہاں صرف آپ کے رجوع الی اللہ اور انابت الی اللہ کی بات کی گئی ہے، تفاسیر میں حضرات مفسرین نے اس آیت کے ذیل میں ایسے ایسے واقعات لکھے ہیں جو اپنی جگہ پر حیران کن ہیں، بعض مفسرین نے وہ واقعات نقل کر دیے اور ساتھ ہی ان کی اسنادی حیثیت پر خوب جرح کرتے ہوئے ان واقعات کو اسرائیلی واقعات کہہ دیا ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ ایک مرتبہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے کہا تھا کہ آج رات میں اپنی تمام ازواج کے پاس جاؤں گا اور ہر زوجہ سے اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرنے والا بیٹا پیدا ہو گا لیکن وہ انشاء اللہ کہنا بھول گئے تو صرف ایک ناتمام اور ادھورا بچہ پیدا ہوا۔

مفسر قرآن شیخ عبدالحق رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ وَاَلْقَيْنَا عَلٰى كُرْسِيِّهٖ جَسَدًا ثُمَّ اَنَابَ اور اس کی کرسی یعنی تخت پر ہم نے ایک جسم ڈال دیا پھر وہ رجوع ہوا، بعض کہتے ہیں یہ دو واقعہ ہیں، وَلَقَدْ فَتَنَّا ایک اور اَلْقَيْنَا دوسرا، قرآن مجید میں اور کسی حدیث میں جہاں تک کہ محدثین نے تلاش کیا ان دونوں واقعوں کی کوئی بھی تفصیل نہیں کہ آزمائش سلیمان علیہ السلام کی کس بات میں تھی اور ان کے تخت پر جسم ڈالنے اور سلیمان علیہ السلام کے رجوع ہونے سے کیا مراد ہے؟

ہاں مفسروں نے بعض اہل کتاب کے قصہ گوؤں سے دو قصہ ضرور نقل کئے ہیں، گو ان قصوں کو ان اہل کتاب کے قصہ گوؤں سے بعض محدثین نے احتیاط اور سند متصل سے نقل کیا ہے جس لیے بعض ناواقف مفسر اس کو صحیح حدیث سمجھ گئے، مگر پھر بھی وہ قصے ہی رہے جو قصہ گوؤں کے منہ سے نکلے ہوئے ہیں نہ کہ مشکوٰۃِ نبوت سے ظاہر ہوئے۔

پہلا قصہ یہ ہے کہ سلیمان علیہ السلام کے محل میں شاہ مصر وغیرہ بت پرست قوموں کی بیٹیاں تھیں، جن کو بیویاں بنا رکھا تھا اور ان پر عاشق تھے، ان کی خاطر سے ان کی پرستش کے لیے بت خانہ بھی تعمیر کرا دیے تھے اور آپ بھی شریک ہوتے تھے۔ اس پر خدا نے ان کی سرزنش کی، یہ بات اول کتاب

السلاطین کے گیارہویں باب میں لکھی ہوئی ہے۔

دوسرے قصہ کی بابت یوں نقل کیا ہے کہ سلیمان علیہ السلام کے پاس ایک انگوٹھی تھی جس کے سبب اس کی سلطنت قائم تھی، حمام میں جاتے وقت اس کو اتار کر کسی خادمہ کو دے دیتے تھے جس کا نام بعض نے امینہ بتلایا ہے، ایک بار جو حمام میں گئے اور انگوٹھی اس کو دی تو ایک جن جس کو صخر کہتے تھے، سلیمان علیہ السلام کی شکل میں نمودار ہوا اور امینہ سے انگوٹھی لے کر تخت پر آبیٹھا، سلیمان علیہ السلام کو لوگوں نے دھکے دے کر نکال دیا پھر جو چند روز بعد اس کی کمینی باتوں سے پہچانا کہ یہ سلیمان علیہ السلام نہیں تو وہ بھاگا اور سمندر میں انگوٹھی پھینک گیا ادھر سلیمان علیہ السلام ماہی گیروں کے ہاں نوکر ہو گئے، ایک مچھلی کے پیٹ میں سے وہ انگوٹھی برآمد ہوئی، اس کو پہننا تھا کہ پھر اقبال لوٹ آیا، سب لوگ مطیع ہو گئے۔

ان خرافات کا کچھ ٹھکانا ہے، اگر یوں ہی جن و شیاطین انبیاء تو کیا اور بھی کسی کی شکل میں ظاہر ہوا کریں تو دنیا کے تمام کاروبار معطل ہو جاویں اور کچھ بھی کسی کا اعتبار نہ رہے۔ ہمارے نزدیک یہ دو قصے نہیں ہیں، ایک ہی واقعہ کی طرف اشارہ ہے، ہر چند اہل کتاب کی الہامی کتابیں صحیح و غلط کا مجموعہ ہیں، مگر تاہم غور کرنے سے ان میں سے اصل بات بھی نکل آتی ہے۔

اصل بات اس قدر معلوم ہوتی ہے کہ خدا تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو دنیا کے بیشمار سامان و اسباب عطاء کئے تھے اور ان کی سلطنت کا زمانہ بنی اسرائیل اور آس پاس کے بادشاہوں کے لیے بڑے امن و چین کا زمانہ تھا، ان کے عہد میں جنگ و جدل کی بھی بہت کم نوبت آتی تھی، سونا چاندی اور گھوڑے اور جواہرات بکثرت تھے۔ بادشاہوں کی بیٹیاں بھی آپ کے پاس آئیں، سباء کی شہزادی اور شاہ مصر کی بیٹی وغیرہ اور یہ عورتیں سب ایک مذہب کی نہ تھیں، ان میں سے بعض بت پرست بھی ہوں گی اور اسی مصلحت کے لیے خدا نے بنی اسرائیل کے سرداروں کو غیر قوموں کی عورتوں کے رکھنے کی ممانعت کر دی تھی۔

کچھ عجب نہیں کہ ان میں سے کسی نے کوئی بت ہی بنالیا ہو جس کی سلیمان علیہ السلام کو بعد میں خبر ہوئی اور انہوں نے توڑ ڈالنے کا حکم دیا مگر ان کے گھر میں گو ان کی بے خبری سے ہوا ہو، ایسا ہونا بھی ان کی

شان نبوت کے برخلاف ہے، البتہ یہ باتیں سلیمان کے حق میں آزمائش کی تھیں اور حقیقت میں کثرت مال و اسباب زن و فرزند انسان کے لیے بڑی آزمائش ہے اور بڑا فتنہ کَمَا قَالَ تَعَالٰی اِنَّمَا اَمْوَالُکُمْ وَاَوْلَادُکُمْ فِتْنَةٌ سلیمان کی ذراسی غفلت ان کے لیے بڑی قابل عتاب بات تھی، جس پر متنبہ کرنے کے لیے خدا نے رودمی ہدہد کو سلیمان کے مقابلہ میں ابھارا جس نے شاہ مصر کی مدد سے سلیمان کا مقابلہ کیا اور خوب لڑتا رہا اور اسی طرح الیدع کے بیٹے رزوں کو ابھارا وہ بھی مخالف تخت ہو گیا۔ تیسرا شخص یربعام مخالف کھڑا ہو گیا جو سلیمان کا نوکر تھا۔ (الکتاب السلاطین الاسباب)

تخت کے برخلاف ایسے شخصوں کا کھڑا ہونا جنہوں نے ملک کو تہ وبالا کر دیا ہو گا، بیشک تخت پر جسم یعنی بوجھ پڑ جانے کا باعث ہے، جسم ڈالنا محاورہ ہے، اس کے بوجھل اور کمزور ہونے سے ثم اناب مگر حضرت سلیمان علیہ السلام متنبہ ہوئے، خدا کے آگے گریہ وزاری کی خدا نے اس کے دشمنوں کو پامال کر دیا۔ اس حادثہ کے بعد سلیمان علیہ السلام نے یہ دعا کی رَبِّ اغْفِرْلِی کہ میری غفلت کو معاف کر دے۔ وَهَبْ لِی مُلْكًا لَّا يَنْۢبَغِی لِاَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِیْ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ کہ مجھے ایسی بادشاہت عطا کر کہ میرے بعد جو میرے جانشین ہوں ان سب سے بڑھ کر ہو اور ایسا ہوا بھی کہ سلیمان علیہ السلام کے بعد پھر کوئی بنی اسرائیل میں سے ایسا بادشاہ نہ ہوا بلکہ سب عہد سلیمانی کو یاد کرتے رہے۔ یہ حسد کے طور پر نہیں کہ مجھے ایسا دے اور کسی کو نہ دے بلکہ آپ سمجھ گئے کہ اس قسم کی سلطنت کا میرے بعد کوئی متحمل نہ ہو گا یا یہ معنی کہ میرے بعد اور کوئی اس پر دست تطاول دراز نہ کرے، یعنی پھر کوئی معارض نہ کھڑا ہو (ابو السعود)

امام رازی رحمہ اللہ اس واقعہ کے متعلق یوں تفسیر کرتے ہیں کہ سلیمان علیہ السلام سخت بیمار ہو گئے تھے اور تخت پر گویا ان کا دھڑ بے جان کے بٹھایا جاتا اور عرب ضعیف کو کہتے ہیں، لَحْمٌ عَلٰی وَضْمٍ وَجَسَدٌ بِلَا رُوْحٍ یہ ان کی آزمائش تھی اور تخت پر جسم ڈالنے کے یہ معنی ہیں، ثُمَّ اَنَابَ اَیْ رَجَعَ اِلٰی حَالِ الصِّحَّةِ کہ پھر تندرست ہو گئے۔ تندرست ہو کر سمجھ گئے کہ دنیا سدا کسی کے پاس نہیں رہتی، ایک دوسری جگہ جانا ہے، اس لیے مغفرت کی دعا کی اور پھر سلطنت ابدی کی دعا مانگی۔

سلیمان علیہ السلام پر اللہ کا فضل واحسان

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِیْ وَهَبْ لِیْ مُلْكًا لَّا یَنْۢبَغِیْ لِاَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِیْ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ {۳۵} فَسَخَّرْنَا لَهُ الرِّیْحَ تَجْرِیْ بِاَمْرِهٖ رُخَآءً حَیْثُ اَصَابَ {۳۶} وَالشَّیٰطِیْنَ كُلَّ بَنَّآءٍ وَّغَوَّاصٍ {۳۷} وَّاٰخَرِیْنَ مُقَرَّنِیْنَ فِی الْاَصْفَادِ {۳۸} هٰذَا عَطَآؤُنَا فَامْنُنْ اَوْ اَمْسِكْ بِغَیْرِ حِسَابٍ {۳۹} وَاِنَّ لَهٗ عِنْدَنَا لَزُلْفٰی وَحُسْنَ مَاٰبٍ {۴۰} ص

جواب ترجمہ: عرض کیا اے میرے رب میری مغفرت فرما اور مجھے ایسا ملک عطا کیجیے جو میرے بعد کسی دوسرے کو میسر نہ ہو، بلاشبہ آپ بڑے دینے والے ہیں۔ چنانچہ ہم نے ہوا کو ان کے قابو میں کر دیا جو ان کے حکم سے جہاں وہ چاہتے ہموار ہو کر چلا کرتی تھی۔ اور شریر جنات بھی ان کے قابو میں دے دیے تھے، جن میں ہر طرح کے معمار اور غوطہ خور شامل تھے۔ اور کچھ وہ جنات جو زنجیروں میں جکڑے ہوئے تھے۔ (اور ان سے کہا تھا کہ) یہ ہمارا عطیہ ہے، اب تمہیں اختیار ہے کہ احسان کر کے کسی کو کچھ دو، یا اپنے پاس رکھو، تم پر کسی حساب کی ذمہ داری نہیں ہے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ ان کو ہمارے پاس خاص تقرب حاصل ہے، اور بہترین ٹھکانا۔

خلاصہ تفسیر: گھوڑوں کے واقعہ اور اللہ تعالیٰ کی طرف کامل رجوع کے ذکر کے بعد حضرت سلیمان علیہ السلام نے نہایت عاجزی اور انکساری کے ساتھ اپنے رب کے حضور دعا کی، اے میرے رب! میری مغفرت فرما اور مجھے ایسی بادشاہت عطا فرما جو میرے بعد کسی کے لیے سزاوار نہ ہو، بے شک تو ہی سب سے زیادہ عطا فرمانے والا ہے، اس دعا میں سب سے پہلے حضرت سلیمان علیہ السلام نے مغفرت کی درخواست کی، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کے مقرب بندے اور برگزیدہ انبیاء علیہم السلام بھی ہر وقت اللہ تعالیٰ کی رحمت اور بخشش کے محتاج ہونے کا اظہار کرتے ہیں، حالانکہ انبیائے کرام علیہم السلام گناہوں سے محفوظ ہوتے ہیں، لیکن ان کی یہ استغفار و توبہ اللہ کے حضور مزید عاجزی، عبودیت اور قربِ الٰہی کے اظہار کے لیے ہوتی ہے۔

اس کے بعد حضرت سلیمان علیہ السلام نے ایک ایسی بے مثال سلطنت کی دعا کی جو اللہ تعالیٰ کی خصوصی عطا اور معجزانہ شان کی حامل ہو، اس سے مراد محض دنیاوی اقتدار حاصل کرنا نہیں تھا بلکہ ایسی حکومت کا طلب کرنا تھا جو نبوت کی صداقت، اللہ کی قدرت اور دینِ حق کے غلبے کی روشن دلیل بن جائے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول فرمائی اور انہیں ایسی عظیم سلطنت عطا فرمائی جس میں انسانوں، جنات، پرندوں اور ہواؤں تک کو ان کے تابع کر دیا گیا، یہ ایک ایسا امتیازی اعزاز تھا جو کسی دوسرے بادشاہ یا نبی کو اس شان کے ساتھ عطا نہیں ہوا۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کا یہ مطالبہ حسد، تکبر یا دنیا طلبی پر مبنی نہ تھا بلکہ اللہ کی نعمت کے اظہار، دین کی سربلندی اور نبوت کے معجزے کے طور پر تھا، آیت کے آخر میں إِنَّكَ أَنْتَ الْوَهَّابُ فرما کر انہوں نے اس حقیقت کا اعتراف کیا کہ ہر نعمت، ہر اقتدار اور ہر فضیلت کا اصل مالک اللہ تعالیٰ ہی ہے، جو اپنی حکمت کے مطابق جسے چاہتا ہے بے حساب عطا فرماتا ہے۔

اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ دعا مانگتے وقت اللہ تعالیٰ کی مناسب صفات کا واسطہ دینا اور اس کی عطا و بخشش پر کامل یقین رکھنا قبولیتِ دعا کے اہم اسباب میں سے ہے۔

فَسَخَّرْنَا لَهُ الرِّيحَ تَجْرِي بِأَمْرِهِ رُخَاءً حَيْثُ أَصَابَ: حضرت سلیمان علیہ السلام نے جب اللہ تعالیٰ سے ایک ایسی بے مثال سلطنت کی دعا کی جو ان کے بعد کسی کو نصیب نہ ہو، تو اللہ تعالیٰ نے اپنی شانِ وہابیت کے مطابق ان کی دعا قبول فرمالی، چنانچہ اس آیت میں اس قبولیت کی ایک عظیم نشانی کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ ہم نے ہوا کو ان کے تابع کر دیا، جو ان کے حکم سے نہایت نرمی اور فرمانبرداری کے ساتھ چلتی تھی اور انہیں جہاں جانا ہوتا وہاں پہنچا دیتی تھی، عام طور پر ہوا اپنی تیز رفتاری اور قوت کے باعث اضطراب اور بے چینی پیدا کرتی ہے، لیکن حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے یہ ایک ایسی مطیع مخلوق بن گئی تھی جو اپنی غیر معمولی طاقت کے باوجود نہایت نرم اور آرام دہ انداز میں ان کی خدمت انجام دیتی تھی۔

یہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا ایک عظیم معجزہ تھا کہ ہوا ان کے حکم کی پابند تھی اور وہ اس کے ذریعے مختصر وقت میں طویل مسافتیں طے کر لیتے تھے، قرآنِ کریم کی دیگر آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ

تعالیٰ نے ان کے لیے ہوا کو اس طرح مسخر کر دیا تھا کہ وہ ان کے لشکروں اور سامان کو بھی اٹھا کر دور دراز علاقوں تک لے جاتی تھی۔

اس واقعہ سے اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے بلند مقامِ نبوت کا اظہار ہوتا ہے، ساتھ ہی یہ حقیقت بھی واضح ہوتی ہے کہ کائنات کی تمام قوتیں اللہ تعالیٰ کے قبضۂ قدرت میں ہیں، وہ جب چاہے اپنی کسی مخلوق کو دوسری مخلوق کے تابع کر دے۔

اس آیت میں اہلِ ایمان کے لیے یہ سبق بھی ہے کہ عزت، اقتدار اور کامیابی کے حقیقی اسباب اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہیں اور جب وہ اپنے کسی بندے پر خصوصی فضل فرمانا چاہتا ہے تو فطرت کی بڑی سے بڑی قوتیں بھی اس کی خدمت پر مامور ہو جاتی ہیں، یوں ہوا کی تسخیر حضرت سلیمان علیہ السلام کو عطا کردہ ان عظیم نعمتوں میں سے ایک تھی جو ان کی منفرد سلطنت اور اللہ تعالیٰ کی بے پایاں عطا کا روشن مظہر تھیں۔

قرآن کریم میں اس مقام پر حضرت سلیمان علیہ السلام کی تابع فرمان ہوا کے لیے لفظ رخاء استعمال کیا گیا ہے، رخاء کا عربی زبان میں معنیٰ اور مفہوم نرمی اور ملائمت کا ہے، دوسرے مقام پر سورۃ الانبیاء ۸۱ میں اللہ تعالیٰ نے اس ہوا کو تند و تیز سے تعبیر فرمایا ہے، جو اس زمین کی طرف چلتی تھی جس میں اللہ نے برکت رکھی تھی۔

اشکال اور جواب اشکال: بعض دماغوں کے لیے یہاں یہ سمجھنا مشکل ہو جاتا ہے کہ وہ ہوا جو سلیمان علیہ السلام کے تابع تھی وہ تند و تیز تھی یا نرم و ملائم تھی؟ ان کو سمجھانے کے لیے اہل علم حضرات فرماتے ہیں کہ ان دونوں آیات میں کسی قسم کا کوئی تعارض نہیں ہے، اس لیے کہ جو ہوا حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے مسخر کی گئی تھی وہ نرم اور ملائم تھی، مگر قوت اور طاقت کے لحاظ سے وہ تند و تیز تھی، ہم یوں بھی اس کی تعبیر کر سکتے ہیں کہ وہ ہوا حضرت سلیمان علیہ السلام کی منشاء اور مرضی کے مطابق نرم و ملائم تھی، مگر کبھی وہ تند و تیز بھی ہو جایا کرتی تھی، اس لیے ان دونوں آیات میں کوئی تعارض اور اشکال نہیں ہے۔

وَالشَّيٰطِيْنَ كُلَّ بَنَّآءٍ وَّغَوَّاصٍ: اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کی دعا قبول فرما کر انہیں ایسی عظیم الشان سلطنت عطا فرمائی جو ان کی نبوت کا معجزہ اور اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ کا مظہر تھی، اس

سلطنت کی ایک نمایاں خصوصیت یہ تھی کہ شیاطین اور جنات بھی آپ کے تابع فرمان بنا دیے گئے تھے، چنانچہ اس آیت میں بیان فرمایا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے شیاطین کو حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے مسخر کر دیا تھا اور وہ آپ کے حکم کے مطابق مختلف خدمات انجام دیتے تھے، ان میں بعض ماہر معمار تھے جو عظیم الشان عمارتیں، قلعے، عبادت گاہیں اور دیگر تعمیراتی منصوبے مکمل کرتے تھے، جبکہ بعض ایسے غوطہ خور تھے جو سمندروں میں اتر کر قیمتی موتی، جواہرات اور دیگر نادر اشیاء نکال کر لاتے تھے، یہ تمام کام حضرت سلیمان علیہ السلام کے حکم اور اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ قدرت کے تحت انجام پاتے تھے۔

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو صرف انسانوں پر ہی نہیں بلکہ جنات اور شیاطین کی ایک بڑی جماعت پر بھی تصرف اور اقتدار عطا فرمایا تھا، یہ اختیار ذاتی نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کردہ ایک خصوصی معجزہ تھا، شیاطین جیسی سرکش مخلوق کا مکمل طور پر فرمانبردار ہو جانا اس بات کی روشن دلیل ہے کہ کائنات کی ہر قوت اللہ تعالیٰ کے قبضۂ قدرت میں ہے اور وہ جسے چاہے اپنی حکمت کے مطابق غیر معمولی اختیارات عطا فرما دیتا ہے۔

اس آیت میں اہلِ ایمان کے لیے یہ سبق بھی موجود ہے کہ اللہ تعالیٰ جب اپنے کسی بندے کو عزت، اقتدار اور غلبہ عطا کرنا چاہے تو ظاہری اسباب سے کہیں بڑھ کر ایسے ذرائع پیدا فرما دیتا ہے جن کا انسان تصور بھی نہیں کر سکتا، حضرت سلیمان علیہ السلام کی یہ سلطنت اللہ تعالیٰ کی بے پایاں عطا، نبوت کی صداقت اور ربِّ کریم کی کامل قدرت کی ایک عظیم نشانی تھی۔

وَاٰخَرِيْنَ مُقَرَّنِيْنَ فِي الْاَصْفَادِ: اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کی دعا قبول فرما کر انہیں ایسی عظیم سلطنت عطا کی جس کی مثال تاریخ میں نہیں ملتی، اس سلطنت کی ایک نمایاں خصوصیت یہ تھی کہ جنات اور شیاطین بھی آپ کے تابع اور فرمانبردار بنا دیے گئے تھے، چنانچہ اس آیت میں فرمایا گیا کہ بعض سرکش اور نافرمان شیاطین ایسے تھے جو زنجیروں اور بیڑیوں میں جکڑے ہوئے تھے۔

بیڑیوں میں جکڑے ہوئے کا مطلب یہ ہے کہ انہیں ایک دوسرے کے ساتھ یا بیڑیوں اور طوقوں کے ذریعے باندھ دیا گیا تھا، تاکہ وہ فساد، سرکشی اور لوگوں کو نقصان پہنچانے سے باز رہیں، یہ

حضرت سلیمان علیہ السلام کو عطا کردہ ان خصوصی معجزات میں سے تھا جو ان کی نبوت اور اللہ تعالیٰ کی عظیم قدرت کی روشن دلیل تھے۔

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام شیاطین یکساں حیثیت کے حامل نہ تھے، جو شیاطین حضرت سلیمان علیہ السلام کے احکام کے مطابق تعمیری اور مفید کام انجام دیتے تھے، انہیں کام پر لگایا جاتا تھا، جبکہ جو سرکش اور نافرمان ہوتے تھے انہیں قید کر دیا جاتا تھا۔

اس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو ایسی غیر معمولی سلطنت عطا فرمائی جس میں انسانوں، جنات، ہواؤں اور دیگر مخلوقات پر بھی انہیں تصرف حاصل تھا، یہ واقعہ اس حقیقت کو واضح کرتا ہے کہ کائنات کی تمام قوتیں اللہ تعالیٰ کے قبضۂ قدرت میں ہیں، وہ جس بندے کو چاہے اپنے حکم سے ان پر اقتدار عطا فرما دیتا ہے، نیز اس میں اہلِ ایمان کے لیے یہ سبق بھی ہے کہ اصل طاقت اور غلبہ مادی اسباب میں نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی نصرت اور اس کے عطا کردہ اختیارات میں پوشیدہ ہے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کی یہ بے مثال حکومت درحقیقت اللہ تعالیٰ کی صفتِ اَلْوَهَّابُ کا ایک عظیم مظہر تھی، جس کے ذریعے اللہ نے اپنے نبی کو دنیا میں عزت، غلبہ اور نبوت کے معجزات سے سرفراز فرمایا۔

جنات کی جسامت پر اعتراض کا جواب: جن جنات کو زنجیروں سے جکڑا گیا ان کی جسامت پر ایک اعتراض کا جواب: اس جگہ یہ اعتراض ہوتا ہے کہ ان دو آیتوں میں جن جنات کا ذکر کیا گیا ہے وہ بہت سخت کام کر لیتے تھے، اونچی اونچی عمارتیں بناتے تھے، سمندر میں غوطے لگاتے تھے اور بعض کو زنجیروں سے باندھ کر رکھا جاتا تھا، ان جنات کے جسم کثیف تھے یا لطیف تھے؟ اگر ان کے اجسام کثیف تھے تو ہم کو نظر آنے چاہیے تھے، کیونکہ جسم کثیف کو انسان کی آنکھ دیکھ لیتی ہے اور اگر کہا جائے کہ وہ کثافت کے باوجود نظر نہیں آتے تھے تو کوئی کہہ سکتا ہے کہ ہو سکتا ہے ہمارے سامنے بڑے بڑے پہاڑ اور جنگلات ہوں اور ہمیں نظر نہ آرہے ہوں تو جس طرح یہ صحیح نہیں ہے اسی طرح یہ کہنا بھی صحیح نہیں کہ ہمارے سامنے جنات جسم کثیف میں موجود ہوں اور ہمیں نظر نہ آرہے ہوں

اور اگر یہ کہا جائے کہ ان جنات کا جسم لطیف ہے اور لطافت سختی کے منافی ہے، تو پھر یہ کہنا صحیح نہیں ہو گا کہ وہ جنات قوت شدیدہ کے حامل ہیں اور وہ ان کاموں کو کر گزرتے ہیں جن پر عام بشر اور انسان قادر نہیں ہوتے، کیونکہ جسم لطیف کا اقوام بہت ضعیف ہوتا ہے اور معمولی مزاحمت کے بعد اس کے اجزاء پھٹ جاتے ہیں، لہٰذا وہ ثقیل اشیاء کو اٹھانے اور سخت کاموں کے کرنے پر قادر نہیں ہو گا، نیز جب ان جنات کا جسم لطیف ہو گا تو پھر ان کو طوق اور زنجیروں کے ساتھ جکڑنا بھی ممکن نہیں ہو گا۔

جواب اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ ان جنات کے اجسام لطیف ہیں لیکن لطافت، صلابت اور سختی کے منافی نہیں ہے، پس چونکہ وہ اجسام لطیف ہیں اس لیے وہ دکھائی نہیں دیتے، اور چونکہ ان میں صلابت اور سختی ہے اس لیے ان کو طوق اور زنجیروں کے ساتھ جکڑنا ممکن ہے، اسی طرح ان کا بھاری چیزوں کو اٹھانا اور سخت اور دشوار کاموں کو کرنا بھی ممکن ہے، کیا یہ مشاہدہ نہیں ہے کہ سخت اور تیز آندھی بڑے بڑے تناور درختوں کو جڑ سے اٹھا کر پھینک دیتی ہے اور مضبوط بجلی کے کھمبوں کو گرا دیتی ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ان جنات کے اجسام کثیف ہوں اور وہ سخت اور دشوار کاموں پر قادر ہوں اور ان کو طوق اور زنجیروں کے ساتھ جکڑنا بھی ممکن ہو اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے زمانہ میں وہ لوگوں کو دکھائی دیتے ہوں اور ہمارے زمانہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنی کسی حکمت کی وجہ سے ان کا دکھائی دینا ممتنع کر دیا ہو۔ (تفسیر تبیان القرآن)

هٰذَا عَطَآؤُنَا فَامْنُنْ اَوْ اَمْسِكْ بِغَيْرِ حِسَابٍ: یعنی اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو مال و دولت، سلطنت و حکومت، جنات و ہواؤں پر تو قدرت عطا فرمائی ہی تھی، لیکن مزید انعام یہ فرمایا گیا کہ آپ کو ان نعمتوں کے بارے میں کسی خاص حکم کا پابند نہیں بنایا گیا تھا، بلکہ انہیں پورا اختیار دیا گیا کہ وہ اس میں جس طرح چاہیں تصرف کریں، جو چاہیں خود لیں اور جو چاہیں دوسروں کو دیں، جن جناتوں کو قید کرنا چاہیں، ان کو قید کریں اور جن کو رہا کرنا چاہیں، ان کو رہا کر دیں۔ (آسان تفسیر)

وَاِنَّ لَهٗ عِنْدَنَا لَزُلْفٰى وَحُسْنَ مَاٰبٍ: اور حقیقت یہ ہے کہ ان کو ہمارے پاس خاص تقرب حاصل ہے، اور بہترین ٹھکانا، اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو بے مثال سلطنت، ہوا کی تسخیر، جنات و

شیاطین کی فرمانبرداری اور بے شمار دینی و دنیاوی نعمتوں سے نوازنے کے بعد ان کے اصل مقام و مرتبہ کو بیان فرمایا، ارشاد ہوا کہ بلاشبہ سلیمان ہمارے نزدیک بڑے مقرب بندوں میں سے ہیں اور ان کے لیے بہترین ٹھکانہ ہے، اس آیت سے واضح ہوتا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی عظمت کا اصل سبب ان کی سلطنت، اقتدار اور ظاہری شان و شوکت نہیں تھی، بلکہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان کا قرب، اخلاص، اطاعت اور بندگی تھی، دنیا کی عظیم ترین حکومت بھی اس وقت باعثِ عزت بنتی ہے جب وہ اللہ تعالیٰ کی رضا اور دین کی خدمت کے لیے استعمال ہو اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی زندگی اسی حقیقت کا روشن نمونہ تھی۔

اس آیت میں ایک اہم اصولی حقیقت کی طرف بھی توجہ دلائی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اصل کامیابی دنیاوی اقتدار یا مادی وسائل نہیں بلکہ قربِ الٰہی اور حسنِ انجام ہے، حضرت سلیمان علیہ السلام کو دنیا میں غیر معمولی اقتدار ملا، لیکن ان کی سب سے بڑی فضیلت یہ تھی کہ وہ اللہ تعالیٰ کے محبوب اور مقرب بندوں میں شمار ہوتے تھے۔

حُسْنَ مَآبٍ: سے مراد آخرت کا بہترین ٹھکانہ، یعنی جنت اور اللہ تعالیٰ کی دائمی رضا ہے، گویا ان آیات کے اختتام پر یہ حقیقت بیان کر دی گئی کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو دنیا کی بادشاہی بھی نصیب ہوئی اور آخرت کی کامیابی بھی، کیونکہ انہوں نے ہر نعمت کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت، شکر گزاری اور دین کی سربلندی کے لیے استعمال کیا، اس میں اہلِ ایمان کے لیے یہ سبق ہے کہ دنیا کی نعمتیں اور اقتدار اسی وقت حقیقی کامیابی بن سکتے ہیں جب وہ انسان کو اللہ تعالیٰ کے قرب اور آخرت کی فلاح تک پہنچانے کا ذریعہ بنیں۔

حضرت ایوب اور صبر ایوب علیہ السلام

سوال قرآنی آیات کی روشنی میں حضرت ایوب علیہ السلام اور صبر ایوب علیہ السلام پر روشنی ڈالیے۔

وَاذْكُرْ عَبْدَنَآ اَيُّوْبَ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗٓ اَنِّيْ مَسَّنِيَ الشَّيْطٰنُ بِنُصْبٍ وَّعَذَابٍ {۴۱} اُرْكُضْ بِرِجْلِكَ هٰذَا مُغْتَسَلٌۢ بَارِدٌ وَّشَرَابٌ {۴۲} وَوَهَبْنَا لَهٗٓ اَهْلَهٗ وَمِثْلَهُمْ مَّعَهُمْ رَحْمَةً مِّنَّا

وَذِكْرٰى لِاُولِي الْاَلْبَابِ {۴۳}وَخُذْ بِيَدِكَ ضِغْثًا فَاضْرِبْ بِّهٖ وَلَا تَحْنَثْ اِنَّا وَجَدْنٰهُ صَابِرًا ؕ نِعْمَ الْعَبْدُ اِنَّهٗۤ اَوَّابٌ {۴۴}ص

جواب ترجمہ: اور ہمارے بندے ایوب کو یاد کرو، جب انہوں نے اپنے پروردگار کو پکارا تھا کہ: شیطان مجھے دکھ اور آزار لگا گیا ہے۔ (ہم نے ان سے کہا) اپنا پاؤں زمین پر مارو، لو! یہ ٹھنڈا پانی ہے نہانے کے لیے بھی اور پینے کے لیے بھی۔ اور (اس طرح) ہم نے انہیں ان کے گھر والے بھی عطا کر دیے۔ اور ان کے ساتھ اتنے ہی اور بھی۔ تاکہ ان پر ہماری رحمت ہو، اور عقل والوں کے لیے ایک یاد گار نصیحت۔ اور (ہم نے ان سے یہ بھی کہا کہ) اپنے ہاتھ میں تنکوں کا ایک مٹھالو، اور اس سے مار دو، اور اپنی قسم مت توڑو۔ حقیقت یہ ہے کہ ہم نے انہیں بڑا صبر کرنے والا پایا، وہ بہترین بندے تھے، واقعہ وہ اللہ سے خوب لو لگائے ہوئے تھے۔

خلاصہ تفسیر: اللہ تعالیٰ اپنے حبیب نبی کریم ﷺ سے فرمارہے ہیں کہ اے میرے حبیب! میرے رسول! ہمارے بندے ایوب کا تذکرہ کیجیے، جب انہوں نے اپنے پروردگار کی بارگاہ میں التجا کی کہ شیطان نے مجھے تکلیف اور مشقت میں ڈال دیا ہے، میرے جسم میں اذیت پہنچائی، میرے مال اور میری آل واولاد کو نقصان پہنچایا، پھر ہم نے انہیں کہا کہ اپنا پاؤں زمین پر ماریے، جہاں سے آپ کے لیے ٹھنڈے پانی کا ایک چشمہ نکلے گا، اس سے آپ نوش کریں اور غسل بھی کریں، یوں آپ کی ظاہری اور اندرونی تکلیف جاتی رہے گی، یوں ہم نے ان سے اس تکلیف کو دور کیا، ہم نے انہیں اعزاز عطا کیا، انہیں آل واولاد لوٹائی، جو کچھ ان کا نقصان ہوا تھا وہ دگنا کر کے انہیں عطا کیا۔

اس سب کچھ کو اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت اور اکرام بتایا، یہ سب کچھ صبر ایوب کی وجہ سے تھا، اس واقعہ عجیبہ میں عبرت کا سامان ہے، عقل سلیم رکھنے والوں کے لیے نصیحت ہے، تاکہ انہیں پتا چل جائے کہ صبر کا پھل میٹھا ہوتا ہے، صبر وثبات کے بعد غم وھم کے دریچے بند ہو جاتے ہیں، مشکلات ومصائب کے دروازے بند ہو جاتے ہیں، فرحت، خوشی اور سرور کے دروازے چوپٹ کھل جایا کرتے ہیں۔

اسی دوران جب ایوب علیہ السلام نے قسم اٹھائی تھی کہ میں صحت یاب ہونے کے بعد اپنی بیوی کو سو

درے ماروں گا تو اللہ نے اس مشکل میں ساتھ دینے والی بیوی کو اس طرح بچایا کہ ایوب علیہ السلام سے فرمایا کہ وہ جھاڑو کی تیلیاں لے کر اپنی مٹھی میں رکھیں اور ان سے اپنی بیوی کو وہ قسم پوری کرنے کے لیے ماریں، تاکہ ان کی قسم پوری ہو جائے اور اس نیک وصالحہ عورت کو تکلیف بھی نہ پہنچے، اللہ تعالیٰ نے ایوب علیہ السلام کے صبر پر ان کی تعریف کی کہ وہ صابر کرنے والے بندے تھے، بہترین بندے تھے، وہ اللہ کی اطاعت کرنے والے اور خوب رجوع الی اللہ کرنے والے تھے۔

ایوب علیہ السلام کیسے صابر انسان تھے؟ ان کا صبر ضرب المثل بن گیا ہے، اللہ نے ان کے صبر کی تعریف کی ہے، کیسا عجیب صبر تھا کہ مال برباد ہو گیا اولادیں مر گئیں جسم مریض ہو گیا یہاں تک کہ سوئی کے ناکے کے برابر سارے جسم میں ایسی جگہ نہ تھی جہاں بیماری نہ ہو صرف دل سلامت رہ گیا اور پھر فقیری اور مفلسی کا یہ حال تھا کہ ایک وقت کا کھانا پاس نہ تھا کوئی نہ تھا جو خبر گیر ہوتا سوائے ایک بیوی صاحبہ کے جن کے دل میں خوف اللہ تھا اور اپنے خاوند اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت تھی۔

ایوب علیہ السلام کی بیوی لوگوں کا کام کاج کر کے اپنا اور اپنے میاں کا پیٹ پالتی تھیں آٹھ سال تک یہی حال رہا حالانکہ اس سے پہلے ان سے بڑھ کر مالدار کوئی نہ تھا، اولاد بھی بکثرت تھی اور دنیا کی ہر راحت موجود تھی۔ اب ہر چیز چھین لی گئی تھی اور شہر کا کوڑا کرکٹ جہاں ڈالا جاتا تھا وہیں آپ کو لا بٹھایا تھا۔

اسی حال میں ایک دو دن نہیں سال دو سال نہیں آٹھ سال کامل گذارے اپنے اور غیر سب نے منہ پھیر لیا تھا، خیریت پوچھنے والا بھی کوئی نہ تھا، صرف آپ کی یہی ایک بیوی صاحبہ تھیں جو ہر وقت دن اور رات آپ کی خدمت میں کمربستہ تھیں۔

ہاں پیٹ پالنے کے لئے محنت مزدوری کے وقت آپ کے پاس سے چلی جاتی تھیں یہاں تک کہ دن پھرے اور اچھا وقت آگیا تو رب العالمین الہ المرسلین کی طرف تضرع وزاری کی اور کپکپاتے ہوئے کلیجے سے دل سے دعا کی کہ اے میرے پالنہار اللہ! مجھے دکھ نے تڑپا دیا ہے اور تو ارحم الراحمین ہے یہاں جو دعا ہے اس میں جسمانی تکلیف اور مال واولاد کے دکھ درد کا ذکر کیا۔

اسی وقت رحیم وکریم اللہ نے اس دعا کو قبول فرمایا اور حکم ہوا کہ زمین پر اپنا پاؤں مارو، پاؤں کے

لگتے ہی وہاں ایک چشمہ ابلنے لگا حکم ہوا کہ اس پانی سے غسل کرلو، غسل کرتے ہی بدن کی تمام بیماری اس طرح جاتی رہی گویا تھی ہی نہیں، پھر حکم ہوا کہ اور جگہ ایڑی لگاؤ وہاں پاؤں مارتے ہی دوسرا چشمہ جاری ہو گیا حکم ہوا کہ اس کا پانی پی لو اس پانی کے پیتے ہی اندرونی بیماریاں بھی جاتی رہیں اور ظاہر و باطن کی عافیت اور کامل تندرستی حاصل ہو گئی۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا إِنَّ نَبِيَّ اللهِ أَيُّوبَ عَلَيْهِ السَّلَامُ لَبِثَ بِهِ بَلَاؤُهُ ثَمَانِيَ عَشْرَةَ سَنَةً فَرَفَضَهُ الْقَرِيبُ وَالْبَعِيدُ إِلَّا رَجُلَيْنِ كَانَا مِنْ أَخَصِّ إِخْوَانِهِ بِهِ كَانَا يَغْدُوَانِ إِلَيْهِ وَيَرُوحَانِ (ابن جریر، ابن ابی حاتم، ابن کثیر)

اٹھارہ سال تک اللہ کے یہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم دکھ درد میں مبتلا رہے اپنے اور غیر سب نے چھوڑ دیا ہاں آپ کے مخلص دوست صبح شام خیریت خبر کے لئے آجایا کرتے تھے۔

ایک مرتبہ ایک نے دوسرے سے کہا میرا خیال یہ ہے کہ ایوب نے اللہ کی کوئی بڑی نافرمانی کی ہے کہ اٹھارہ سال سے اس بلا میں پڑا ہوا ہے اور اللہ اس پر رحم کرے اس دوسرے شخص نے شام کو حضرت ایوب علیہ السلام سے اس کی یہ بات ذکر کر دی۔ آپ کو سخت رنج ہوا۔

اس پر حضرت ایوب علیہ السلام نے فرمایا کہ لَا أَدْرِي مَا تَقُولُ غَيْرَ أَنَّ اللهَ يَعْلَمُ أَنِّي كُنْتُ أَمُرُّ عَلَى الرَّجُلَيْنِ يَتَنَازَعَانِ فَيَذْكُرَانِ اللهَ عَزَّ وَجَلَّ، فَأَرْجِعُ إِلَى بَيْتِي فَأُكَفِّرُ عَنْهُمَا، كَرَاهِيَةَ أَنْ يَذْكُرَا اللهَ إِلَّا فِي حَقٍّ، میں نہیں جانتا کہ وہ ایسا کیوں کہتے ہیں۔ اللہ خوب جانتا ہے، میری یہ حالت تھی کہ جب دو شخصوں کو آپس میں جھگڑتے دیکھا اور دونوں اللہ کو بیچ میں لاتے تو مجھ سے یہ نہ دیکھا جاتا کہ اللہ تعالیٰ کے عزیز نام کی اس طرح یاد کی جائے کیونکہ دو میں سے ایک تو ضرور مجرم ہو گا اور دونوں اللہ کا نام لے رہے ہیں تو میں اپنے پاس سے دے دلا کر ان کے جھگڑے کو ختم کر دیتا کہ اللہ کے نام کی بے ادبی نہ ہو۔

آپ سے اس وقت چلا پھرا بلکہ اٹھا بیٹھا بھی نہیں جاتا تھا پاخانے کے بعد آپ کی بیوی صاحبہ آپ کو اٹھا کر لاتی تھیں، ایک مرتبہ وہ نہیں تھیں آپ کو بہت تکلیف ہوئی اور دعا کی اور اللہ کی طرف سے

وحی ہوئی کہ زمین پر لات مار دو، بہت دیر کے بعد جب آپ کی بیوی صاحبہ آئیں تو دیکھا کہ مریض تو ہے نہیں کوئی اور شخص تندرست نورانی چہرے والا بیٹھا ہوا ہے پہچان نہ سکیں اور دریافت کرنے لگیں کہ أَيْ بَارَكَ اللهُ فِيكَ هَلْ رَأَيْتَ نَبِيَّ اللهِ هَذَا الْمُبْتَلَى فَوَاللهِ عَلَى ذٰلِكَ مَا رَأَيْتُ رَجُلًا أَشْبَهَ بِهِ مِنْكَ إِذْ كَانَ صَحِيحًا اے اللہ کے نیک بندے، یہاں اللہ کے ایک نبی جو درد دکھ میں مبتلا تھے انہیں دیکھا ہے؟ واللہ کہ جب وہ تندرست تھے تو قریب قریب تم جیسے ہی تھے، تب آپ نے فرمایا وہ میں ہی ہوں۔

راوی کہتا ہے کہ وَكَانَ لَهُ أَنْدَرَانِ أَنْدَرُ لِلْقَمْحِ وَأَنْدَرُ لِلشَّعِيرِ فَبَعَثَ اللهُ سَحَابَتَيْنِ فَلَمَّا كَانَتْ إِحْدَاهُمَا عَلَى أَنْدَرِ الْقَمْحِ أَفْرَغَتْ فِيهِ الذَّهَبَ حَتَّى فَاضَ وَأَفْرَغَتِ الْأُخْرَى فِي أَنْدَرِ الشَّعِيرِ حَتَّى فَاضَ آپ کی دو کوٹھیاں تھیں ایک گیہوں کیلئے اور ایک جو کے لئے۔ اللہ تعالیٰ نے دو ابر بھیجے ایک میں سونا برسا اور ایک کوٹھی اناج کی اس سے بھر گئی دوسرے میں سے بھی سونا برسا اور دوسری کوٹھی اس سے بھر گئی (ابن جریر)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں بَيْنَمَا أَيُّوبُ يَغْتَسِلُ عُرْيَانًا خَرَّ عَلَيْهِ جَرَادٌ مِنْ ذَهَبٍ فَجَعَلَ أَيُّوبُ يَحْثُو فِي ثَوْبِهِ فَنَادَاهُ رَبُّهُ يَا أَيُّوبُ أَلَمْ أَكُنْ أَغْنَيْتُكَ عَمَّا تَرَى؟ قَالَ: بَلَى يَا رَبِّ وَلَكِنْ لَا غِنَى بِي عَنْ بَرَكَتِكَ (احمد، بخاری، ابن کثیر)

حضرت ایوب علیہ السلام ننگے ہو کر نہا رہے تھے جو آسمان سے سونے کی ٹڈیاں برسنے لگیں آپ نے جلدی جلدی انہیں اپنے کپڑے میں سمیٹنا شروع کیا تو اللہ تعالیٰ نے آواز دی کہ اے ایوب! کیا میں نے تمہیں غنی اور بے پرواہ نہیں کر رکھا؟ آپ نے جواب دیا ہاں الٰہی! بیشک تو نے مجھے بہت کچھ دے رکھا ہے میں سب سے غنی اور بے نیاز ہوں لیکن تیری رحمت سے بے نیاز نہیں ہوں بلکہ اس کا تو پورا محتاج ہوں۔

پس اللہ تعالیٰ نے اپنے اس صابر پیغمبر ﷺ کو نیک بدلہ اور بہتر جزائیں عطا فرمائیں، اولاد بھی دی اور اسی کے مثل اور بھی دی بلکہ مردہ اولاد اللہ نے زندہ کر دی اور اتنی ہی اور نئی دی، یہ تھا اللہ کا رحم جو ان کے صبر و استقلال رجوع الی اللہ تواضع اور انکساری کے بدلے اللہ نے انہیں دیا اور عقلمندوں کے

لئے نصیحت و عبرت ہے وہ جان لیتے ہیں کہ صبر کا انجام کشادگی ہے اور رحمت و راحت ہے، بعض لوگوں کا بیان ہے کہ حضرت ایوب علیہ السلام اپنی بیوی کے کسی کام کی وجہ سے ان پر ناراض ہوگئے تھے، بعض کہتے ہیں وہ اپنے بالوں کی ایک لٹ بیچ کر ان کے لئے کھانا لائی تھیں اس پر آپ ناراض ہوئے تھے اور قسم کھائی تھی کہ شفا کے بعد سو کوڑے ماریں گے۔

دوسروں نے وجہ ناراضگی اور بیان کی ہے، جبکہ آپ تندرست اور صحیح سالم ہوگئے تو ارادہ کیا کہ اپنی قسم کو پورا کریں لیکن ایسی نیک صفت عورت اس سزا کے لائق نہ تھیں جو حضرت ایوب نے طے کر رکھی تھی جس عورت نے اس وقت خدمت کی جبکہ کوئی ساتھ نہ تھا۔

اسی لئے رب العالمین ارحم الراحمین نے ان پر رحم کیا اور اپنے نبی علیہ السلام کو حکم دیا کہ قسم پوری کرنے کے لئے کھجور کا ایک خوشہ لے لو جس میں ایک سو سیخیں ہوں اور ایک انہیں مار دو اس صورت میں قسم کا خلاف نہ ہوگا اور ایک ایسی صابرہ شاکرہ نیک بیوی پر سزا بھی نہ ہوگی، یہی دستور الٰہی ہے کہ وہ اپنے نیک بندوں کو جو اس سے ڈرتے رہتے ہیں برائیوں اور بدیوں سے محفوظ رکھتا ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ حضرت ایوب علیہ السلام کی ثناء وصفت بیان فرماتا ہے کہ ہم نے انہیں بڑا صابر و ضابط پایا وہ بڑا نیک اور اچھا بندہ ثابت ہوا، اس کے دل میں ہماری سچی محبت تھی وہ ہماری ہی طرف جھکتا رہا اور ہمیں سے لو لگائے رہا، اسی لئے اللہ کا فرمان ہے کہ جو اللہ سے ڈرتا رہتا ہے اللہ اس کے لئے چھٹکارے کی صورت نکال دیتا ہے اور اسے ایسی جگہ سے روزی پہنچاتا ہے جو اس کے خیال میں بھی نہ ہو، اللہ پر توکل رکھنے والوں کو اللہ کافی ہے، اللہ اپنے کام میں پورا اترتا ہے اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کا ایک اندازہ مقرر کر رکھا ہے۔

حضرت ابراہیم، اسحاق، یعقوب علیہم السلام کا تذکرہ

سوال اس آیت مبارکہ میں حضرت ابراہیم، حضرت اسحاق اور حضرت یعقوب علیہم السلام کا ذکر ہے، ان حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے بارے میں کچھ بتایئے، نیز یہ بتایئے کہ یہاں آیت میں موجود أُولِي الْأَيْدِي وَالْأَبْصَارِ، بِخَالِصَةٍ ذِكْرَى الدَّارِ کا کیا مفہوم اور مطلب ہے؟

وَاذْكُرْ عِبَادَنَا إِبْرَاهِيمَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ أُولِي الْأَيْدِي وَالْأَبْصَارِ {۴۵} إِنَّا أَخْلَصْنَاهُمْ

بِخَالِصَةٍ ذِكْرَى الدَّارِ {۴۶} وَإِنَّهُمْ عِنْدَنَا لَمِنَ الْمُصْطَفَيْنَ الْأَخْيَارِ {۴۷} ص

جواب ترجمہ: اور ہمارے بندوں ابراہیم، اسحاق اور یعقوب کو یاد کرو جو (نیک عمل کرنے والے) ہاتھ اور (دیکھنے والی) آنکھیں رکھتے تھے۔ ہم نے انہیں ایک خاص وصف کے لیے چن لیا تھا، جو (آخرت کے) حقیقی گھر کی یاد تھی۔

أُولِي الْأَيْدِي وَالْأَبْصَارِ: اس کے لفظی معنی یہ ہیں کہ وہ ہاتھوں اور نگاہوں والے تھے، مطلب یہ ہے کہ اپنی فکری اور عملی توانائیاں اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں صرف کرتے تھے، اس سے اس بات کی طرف اشارہ کر دیا کہ اعضاء انسانی کا اصل مصرف یہ ہے کہ وہ اطاعت الٰہی میں خرچ ہوں، اور جو اعضاء اس میں خرچ نہ ہوں ان کا ہونا نہ ہونا برابر ہے۔ (معارف القرآن)

یہ لوگ صرف اولی الاید والابصار ہی نہیں تھے بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کو ایسی قوت اور طاقت ودیعت کی گئی تھی جس کی بدولت وہ اللہ کی اطاعت اور فرمانبرداری میں اپنی ساری صلاحیتیں لگادیتے تھے، اسی طرح اللہ تعالیٰ نے انہیں عقابی نگاہیں ہی نہیں دی تھیں بلکہ دین میں بصیرت بھی عطا فرمائی تھی۔

مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں قوت علمیہ اور قوت عملیہ سے نوازا اور سرفراز اہوا تھا۔ (بیان القرآن) جمہور قراء رحمہ اللہ کے نزدیک اَلْاَیْدِی یا کے ساتھ ہے جو ید کی جمع ہے اور ید کے معنیٰ ہاتھ کے ہیں، تو اس لحاظ سے اُولی الاَیدی سے عملی قوت والا ہونا مراد ہے۔

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اس کی تفسیر میں یہی فرمایا کرتے اَلْقُوَّةُ فِی الْعِبَادَةِ اور اَلْاَبْصَار سے مراد اَلْفِقْه فِی الدِّین لیتے ہیں، بعض علماء نے یَدٌ کو بمعنیٰ نعمت لیا ہے کہ یہ حضرات بڑے انعامات اور نعمتوں والے تھے۔ (معارف للکاندھلوی) اُولی الاَیدی یعنی اطاعت خداوندی میں مستعد و طاقتور اور دین و معرفت الٰہیہ میں بصیرت مند تھے۔ (تفسیر مظہری)

بِخَالِصَةٍ ذِكْرَى الدَّارِ: امام تفسیر حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم نے انہیں ایسا بنایا کہ وہ آخرت کے لیے کام کرتے تھے، اس کے علاوہ انہیں کسی چیز کا غم و ھم نہیں تھا، اسی

طرح حضرت سدی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ وہ آخرت کو یاد کرتے تھے اور اسی کے لیے عمل کرتے تھے، حضرت مالک بن دینار رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں سے دنیا کی محبت کھینچ لی تھی، دنیا کی یاد ان کے دلوں سے نکال دی تھی اور انہیں آخرت کی محبت اور اس کی یاد کے لیے چن لیا تھا۔

اللہ تعالیٰ نے ان چنید شخصیات کو خاصہ عظیمہ کے ساتھ مختص کیا تھا، ان کے دلوں میں آخرت کی یاد رکھ دی تھی، وہ اللہ کی اطاعت کے ساتھ آخرت کے لیے عمل کرتے تھے، نہ صرف یہ کہ خود ایسا کرتے تھے بلکہ لوگوں کو بھی اس کی طرف دعوت دیتے تھے اور انہیں آخرت یاد دلاتے تھے۔

تذکرہ خیر حضرت اسماعیل، الیسع اور ذوالکفل علیہم السلام

سوال اس آیت کا ترجمہ اور مختصر تفسیر کیجیے۔

وَاذْكُرْ اِسْمٰعِيْلَ وَالْيَسَعَ وَذَا الْكِفْلِ ؕ وَكُلٌّ مِّنَ الْاَخْيَارِ ﴿۴۸﴾ ص

جواب ترجمہ: اور یاد کیجیے اسماعیل کو اور الیسع کو اور ذوالکفل کو اور یہ سب اچھے لوگوں میں سے تھے۔

خلاصہ تفسیر: اللہ تعالیٰ نے سورۂ ص میں متعدد انبیائے کرام علیہم السلام کے حالات اور فضائل بیان کرنے کے بعد رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا کہ حضرت اسماعیل، حضرت الیسع اور حضرت ذوالکفل علیہم السلام کا بھی خیر و احترام کے ساتھ ذکر کیجیے، یہ وہ برگزیدہ ہستیاں ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کی خدمت، ہدایتِ خلق اور اطاعتِ الٰہی کے لیے منتخب فرمایا تھا۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام صبر، وفاداری اور تسلیم و رضا کے عظیم پیکر تھے، انہوں نے اللہ تعالیٰ کے حکم کے سامنے کامل اطاعت کا نمونہ پیش کیا اور اپنی پوری زندگی دعوتِ توحید کے لیے وقف رکھی، اسی طرح حضرت الیسع علیہ السلام اور حضرت ذوالکفل علیہ السلام بھی انبیائے کرام علیہم السلام یا اللہ کے برگزیدہ صالح بندوں میں شمار ہوتے ہیں، جنہوں نے اپنے زمانے میں دینِ حق کی تبلیغ، اصلاحِ امت اور اطاعتِ الٰہی کی ذمہ داریاں نہایت اخلاص کے ساتھ انجام دیں۔

آیت کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے ان سب کے بارے میں فرمایا :وَكُلٌّ مِّنَ الْأَخْيَارِ یعنی یہ سب اللہ تعالیٰ کے منتخب، نیک اور بہترین بندوں میں سے تھے، اس مختصر مگر جامع جملے میں ان حضرات کے عظیم مقام، بلند اخلاق اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان کی محبوبیت کو بیان کر دیا گیا ہے۔

اس آیت کا مقصد رسول اللہ ﷺ اور اہلِ ایمان کو یہ یاد دلانا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے مقرب بندوں کی زندگیوں میں صبر، استقامت، اخلاص اور دین کی خدمت مشترک اوصاف ہیں، جو لوگ ان صفات کو اختیار کرتے ہیں وہ بھی اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کے مستحق بنتے ہیں، چنانچہ ان انبیائے کرام علیہم السلام کا تذکرہ محض تاریخی بیان نہیں بلکہ اہلِ ایمان کے لیے عملی نمونہ اور ہدایت کا سرچشمہ ہے، تاکہ وہ بھی ان برگزیدہ ہستیوں کے نقشِ قدم پر چل کر اللہ تعالیٰ کی رضا اور قرب حاصل کرنے کی کوشش کریں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر خیر

حضرت ابراہیم علیہ السلام تارخ کے لخت جگر تھے، ان کا شجرہ نسب یہ ہے، تارخ بن ناخور بن ساروغ بن راعو بن فالغ بن عابر بن شالح بن افخشاذ بن سام بن نوح علیہ السلام۔

حافظ ابن عساکر نے اپنی تاریخ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی والدہ کا نام امیلہ تھا، ابراہیم علیہ السلام دمشق کی برزہ نامی بستی میں پیدا ہوئے، یہ پہاڑی علاقہ تھا، جسے قاسیون کہا جاتا تھا، بعض کہتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام عراق کے مشہور مقام بابل میں پیدا ہوئے تھے، اسی کو درست بھی کہا گیا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے سارہ نامی عورت سے شادی کی، سارہ بانجھ تھیں، انہیں اولاد نہیں ہوتی تھی، اہل تاریخ کہتے ہیں کہ تارخ اپنے بیٹے ابراہیم اور اپنی بہو سارہ، اپنے بھتیجے لوط بن ھاران کو لے کر کلدانیوں کی سرزمین سے کنعانیوں کی سرزمین کی طرف چلے گئے، وہاں آپ حران نامی جگہ میں ٹھہرے، وہاں دوران قیام تارخ کا انتقال ہو گیا، اس وقت تارخ کی عمر ڈھائی سو سال تھی۔

علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ یہ بات اس پر دلالت کرتی ہے کہ آپ کا جائے ولادت حران نہیں تھا بلکہ ان کی جائے ولادت ارض کلدانیون تھی، یہ بابل کی سرزمین ہے اور اس کے اڑوس پڑوس

کی۔ پھر ان لوگوں نے سرزمین کنعان کی طرف سفر شروع کیا، یہ سرزمین بیت المقدس تھی، یہاں آپ لوگ حران میں ٹھہرے، اس زمانے میں اس سرزمین کو کشدانیون کہا جاتا تھا، اسی طرح سرزمین کو جزیرہ اور شام بھی کہا جاتا تھا، یہ لوگ سات ستاروں کی پوجا پاٹ کرتے تھے۔

جن لوگوں نے شہر دمشق کو آباد کیا تھا یہ لوگ اسی دین پر تھے، وہ قطب شمالی کا استقبال کیا کرتے تھے اور سات ستاروں کی پوجا کیا کرتے تھے، یہی وجہ تھی کہ دمشق کے ہر دروازے پر دیو ہیکل سات ستاروں کی شبیہ رکھی ہوئی تھیں، وہ ان ستاروں کے لیے عیدیں اور قربانیاں کرتے تھے، اسی طرح حران والے بھی ان ستاروں اور بتوں کی پوجا کرتے تھے۔

علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ اس زمانے میں روئے زمین پر کفار ہی رہتے تھے، سوائے ابراہیم، ان کی بیوی اور ان کے بھتیجے لوط علیہ السلام کے، حضرت ابراہیم علیہ السلام وہ شخص تھے جن کو اللہ تعالیٰ نے ان شرارتوں سے دور رکھا ہوا تھا، اللہ تعالیٰ نے انہی کے ذریعے اس گمراہی کو باطل قرار دیا۔ (البدایہ)

اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ان کی چھوٹی عمر میں ہی رشد وہدایت کی تھی، پھر انہیں رسول بنایا، پھر اللہ تعالیٰ نے انہیں یہ اعزاز بخشا کہ انہیں بڑی عمر میں اپنا خلیل بنایا، جیسا کہ سورۃ الانبیاء کی آیت ۵۱ میں اللہ تعالیٰ نے واضح فرمایا ہے، اللہ تعالیٰ نے انہیں اسحاق اور یعقوب عطا کیے، اللہ نے ان کو نبوت سے سرفراز فرمایا اور صحیفے عطا فرمائے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں کئی مقامات پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر فرمایا، ان کے نام پر قرآن کریم میں ایک مکمل سورۃ نازل فرمائی، ان کے والد کے بارے میں ایک طبقہ کی رائے یہ ہے کہ وہ بتوں کی پرستش کیا کرتے تھے، ایک طبقہ کہتا ہے کہ بت پرستی کرنے والے ان کے چچا تھے، ان کے والد نہیں تھے، قرآن کریم میں ان کے والد کے لیے لفظ اب استعمال ہوا ہے، اس پر کہا جاتا ہے کہ والد کا لفظ خاص اپنے باپ کے لیے استعمال ہوتا ہے جب کہ اب کا لفظ چچا کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔ واللہ اعلم

قرآن کریم میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نصیحت کا ذکر کیا گیا ہے کہ وہ لوگوں کو نصیحت کرتے تھے

اسی طرح وہ اپنے ابا کو بھی نصیحت کیا کرتے تھے جو بتوں کی پوجا کیا کرتے تھے، ابراہیم علیہ السلام کے لیے قرآن کریم کہتا ہے کہ وہ صدیق یعنی سچے نبی تھے، وہ اپنے ابا کو نصیحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اے میرے اباجان! آپ ان چیزوں کی عبادت کیوں کرتے ہیں جو سنتے ہیں اور نہ ہی دیکھتے ہیں اور نہ ہی وہ آپ کو کسی چیز میں کچھ کام آسکتے ہیں۔

اسی طرح قرآن کریم بتاتا ہے کہ انہوں نے اپنے ابا سے کہا کہ اے میرے اباجان! میرے پاس وہ علم آیا ہے جو آپ کے پاس نہیں آیا، اس لیے آپ میری اتباع اور پیروی کریں میں آپ کی سیدھے راستے کی طرف راہنمائی کروں گا، اے میرے اباجان! شیطان کی عبادت نہ کریں، کیونکہ شیطان رحمٰن کا نافرمان ہے، اے میرے اباجان! مجھے ڈر لگتا ہے کہ آپ کو کہیں اللہ کی طرف سے عذاب پہنچے اور آپ شیطان کے دوستوں میں سے ہو جائیں۔

ابا نے کہا کہ تو میرے معبودوں سے روگردانی کرتا ہے، منہ پھیرتا ہے، اگر تو اپنے اس مشن سے باز نہ آیا تو میں تجھے پتھر ماروں گا اور تو مجھے ہمیشہ چھوڑ دے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ آپ کو سلام، میں اپنے رب سے آپ کے لیے بخشش کی دعا کروں گا، میرا رب مہربان ہے، میں آپ کو چھوڑ رہا ہوں اور ان کو جن کی آپ اللہ تعالیٰ کے علاوہ عبادت کرتے ہیں، میں تو اپنے پروردگار کو پکارتا ہوں اور میں اپنے رب کی پکار سے محروم نہیں رہوں گا۔

ابراہیم علیہ السلام اپنے ابا سے گفتگو بھی کرتے رہے اور مجادلہ بھی، مگر انہیں انتہائی عمدہ عبارات سے مخاطب کرتے رہے، بہت ہی عمدہ پیرائے میں انہیں بتوں کی پوجا پاٹ سے آگاہ کرتے اور ان کا بطلان ثابت کرتے رہے، کہ یہ بت جن کی پرستش میں آپ مشغول ہیں وہ تو اس قدر بے بس اور کمزور ہیں کہ وہ سن سکتے ہیں اور نہ ہی دیکھ سکتے ہیں، جب یہ اس قدر بے بس ہیں تو تمہارے کام کیسے آسکتے ہیں؟

ابراہیم علیہ السلام اپنی صغر سنی کے زمانے کی باتیں اپنے ابا کے سامنے بیان کرتے کہ اللہ کا مجھ پر اس قدر احسان ہے کہ اس نے مجھے ایسا علم دیا جو آپ کو نہیں دیا گیا، اس لیے آپ میری پیروی اور اتباع کریں تو میں سیدھا راستہ آپ کو دکھادوں گا، آپ نے صراط سوی کا ذکر کیا، جس کا مطلب یہ ہے کہ

بالکل سیدھا، واضح، آسان اور یکسوئی والا راستہ، جو آپ کو دنیا اور آخرت میں خیر کی طرف لے جائے گا۔

جب بیٹے نے یہ رشد و ہدایت بھرا پیغام دیا اور ابا کی راہنمائی کی تو یہ نصیحت ان کے باپ نے قبول نہیں کی، الٹا ابراہیم علیہ السلام کو دھمکایا اور ڈرایا اور سنگسار کرنے کی دھمکی دی، ہمیشہ کے لیے چھوڑنے کا کہا۔ ابا کی طرف سے اس قسم کی گفتگو کے بعد ہی ابراہیم علیہ السلام نے ایک فیصلہ کن بات ارشاد فرمائی تھی کہ آپ پر سلامتی ہو، یعنی میری طرف سے آپ کو کوئی ایسی بات نہیں پہنچے گی جو ناپسندیدہ ہو، اور نہ ہی میری طرف سے آپ کو کوئی اذیت اور تکلیف پہنچے گی بلکہ آپ میری طرف سے سلامتی اور حفاظت میں رہیں گے، اس سے بڑھ کر ابراہیم علیہ السلام نے باپ کے لیے خیر اور بھلائی میں اضافہ کرتے ہوئے فرمایا کہ میں اپنے مہربان رب سے آپ کے لیے استغفار اور بخشش مانگتا رہوں گا۔

علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ اپنی کتاب البدایہ والنہایہ میں لکھتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے ابا کے لیے وعدہ کے مطابق دعا کرتے رہے، جب ان کے سامنے یہ بات کھل کر آگئی کہ یہ اللہ تعالیٰ کا دشمن ہے تو پھر انہوں نے برأت کا اظہار کر دیا، جیسے قرآن کریم میں بھی اللہ تعالیٰ نے واضح فرمایا

وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ إِبْرَاهِيمَ لِأَبِيهِ إِلَّا عَنْ مَوْعِدَةٍ وَعَدَهَا إِيَّاهُ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهُ أَنَّهُ عَدُوٌّ لِلَّهِ تَبَرَّأَ مِنْهُ إِنَّ إِبْرَاهِيمَ لَأَوَّاهٌ حَلِيمٌ، اور ابراہیم نے اپنے باپ کے لیے جو مغفرت کی دعا مانگی تھی، اس کی وجہ اس کے سوا کچھ نہیں تھی کہ انہوں نے اس (باپ) سے ایک وعدہ کر لیا تھا۔ پھر جب ان پر یہ بات واضح ہو گئی کہ وہ اللہ کا دشمن ہے، تو وہ اس سے دستبردار ہو گئے۔ حقیقت یہ ہے کہ ابراہیم بڑی آہیں بھرنے والے، بڑے بردبار تھے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ يَلْقَى إِبْرَاهِيمُ أَبَاهُ آزَرَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَعَلَى وَجْهِ آزَرَ قَتَرَةٌ وَغَبَرَةٌ فَيَقُولُ لَهُ إِبْرَاهِيمُ أَلَمْ أَقُلْ لَكَ لَا تَعْصِنِي فَيَقُولُ لَهُ أَبُوهُ فَالْيَوْمَ لَا أَعْصِيكَ فَيَقُولُ إِبْرَاهِيمُ يَا رَبِّ إِنَّكَ وَعَدْتَنِي أَنْ لَا تُخْزِنِي يَوْمَ يُبْعَثُونَ وَأَيُّ خِزْيٍ أَخْزَى مِنْ أَبِي الْأَبْعَدِ فَيَقُولُ اللَّهُ إِنِّي حَرَّمْتُ الْجَنَّةَ عَلَى الْكَافِرِينَ (بخاری)

حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے ابا سے قیامت کے دن ملاقات کریں گے تو ان کے چہرے پر تارکول اور غبار ہو گی تو ابراہیم علیہ السلام اس سے کہیں گے کہ کیا میں نے آپ کو کہا نہیں تھا کہ میری نافرمانی نہ کریں، پھر ان کے ابا انہیں کہیں گے کہ میں آج آپ کی نافرمانی نہیں کروں گا، ابراہیم علیہ السلام فرمائیں گے کہ اے میرے رب! آپ نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ میں تجھے قیامت کے دن رسوا نہیں کروں گا تو آج میرے ابا سے بڑھ کر کیا رسوائی ہو گی؟ پھر اللہ تعالیٰ فرمائیں گے میں نے کافروں پر جنت حرام کر دی ہے۔

پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کہا جائے گا کہ يَا إِبْرَاهِيمُ مَا تَحتَ رِجلَيكَ فَيَنظُرُ فَإِذَا هوَ بِذِيخٍ مُتَلَطِّخٍ فَيُؤخَذُ بِقَوَائِمِهِ فَيُلقَى فِي النَّارِ (بخاری) پھر ابراہیم سے کہا جائے گا اے ابراہیم علیہ السلام (دیکھو) تمہارے پاؤں کے نیچے کیا ہے وہ دیکھیں گے تو ایک مذبوح جانور خون میں لتھڑا ہوا پائینگے اس جانور کے پیروں کو پکڑ کر دوزخ میں ڈالا جائے گا۔

قرآن کریم میں سورۃ الانعام کی آیت ۷۴ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ابراہیم نے اپنے ابا آزر سے کہا کہ آپ نے بتوں کو معبود بنایا ہے، میں آپ کو اور آپ کی قوم کو گمراہی میں دیکھتا ہوں۔

علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ البدایہ والنہایہ میں لکھتے ہیں کہ اس آیت سے پتا چلتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ابا کا نام آزر تھا، جبکہ جمہور اہل نسب جن میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بھی ہیں فرماتے ہیں کہ ابراہیم علیہ السلام کے ابا کا نام تارح تھا، جب کہ اہل کتاب کے ہاں تارخ یعنی نقطے والی خاء کے ساتھ ہے، بعض یہ کہتے ہیں کہ وہ جس بت کی پوجا کرتا تھا اس کا نام آزر تھا، اسی کے نام سے اس کا لقب آزر تھا، جب کہ ابن جریر کہتے ہیں کہ اس کا نام آزر تھا، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ دو عَلَم ہوں ان میں سے ایک لقب ہو اور دوسرا نام ہو۔

آزر کو نام اور لقب بنانے پر علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ نے البدایہ والنہایہ میں احتمال کا اظہار فرمایا ہے، حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم جن شرکیہ کاموں میں مشغول تھی ان سے نکالنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کی راہنمائی کی، قرآنی الفاظ کے مطابق اللہ تعالیٰ نے آسمان وزمین کی سلطنت انہیں دکھائی ، تاکہ ان کا ایقان پہلے سے زیادہ ہو جائے، رات کی تاریکی چھائی تو اللہ نے انہیں مزید راہ سجھائی، چاند کی

چاندنی پھیلی تو اللہ نے مزید راہیں روشن کر دیں، سورج کی کرنیں بکھریں تو اللہ نے پہلے سے زیادہ راہنمائی کر دی، ساری نظارگی کے بعد آپ پکار اٹھے کہ اے میری قوم! تمہارے شرک اور شرکیات سے بالکل بری ہوں،

پھر ایک ایسا توحیدی کلام پیش کیا جو آج بھی قرآن کریم کی روشن آیات میں دیکھا جاسکتا ہے، کہ إِنِّي وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِي فَطَرَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ حَنِيفاً وَمَا أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِينَ میں اپنے رب کی طرف متوجہ ہوا جس نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا، یکسو ہو کر، اور میں شرک کرنے والوں میں سے نہیں ہوں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ان کی قوم نے اللہ کی ذات کے بارے میں جھگڑا کیا، تو اس پر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے لوگوں سے کہا کہ کیا تم مجھ سے اللہ کے بارے میں جھگڑا کرتے ہو جس نے مجھے ہدایت دی ہے، اور مجھے ان چیزوں سے کوئی ڈر اور خوف نہیں ہے جن کو تم اللہ کا شریک ٹھہراتے ہو، اور میں ان چیزوں سے ڈر بھی کیسے سکتا ہوں جن کو تم شریک ٹھہراتے ہو، اور تمہیں بھی خوف خدا نہیں ہے کہ تم ان کو اللہ کا شریک ٹھہراتے ہو جن کے بارے میں اس نے تمہارے لیے کوئی دلیل نہیں نازل کی، اگر تمہیں کچھ علم ہے تو بتاؤ کہ دو گروہوں میں سے کون سا گروہ امن کا زیادہ حق دار ہے، ان میں سے جو ایمان لائے اور اپنے ایمان کو کسی ظلم کے ساتھ خلط ملط بھی نہیں کیا، یہی لوگ امن والے ہیں اور یہی لوگ ہدایت یافتہ ہیں۔ (سورۃ الانعام)

اللہ تعالیٰ اپنے ادلہ اور براہین کے ذکر کے بعد ارشاد فرماتے ہیں کہ ہم نے دلائل ابراہیم کو عطا کیے ان کی قوم پر، ہم جسے چاہتے ہیں اس کے درجات کو بلند کرتے ہیں۔

اجرام فلکیہ کے ذکر کے بعد جب ابراہیم علیہ السلام اللہ کی طرف متوجہ ہوئے تو واضح کر دیا کہ یہ روشن ستارے کسی بھی صورت میں الہ اور معبود بننے کی صلاحیت نہیں رکھتے اور نہ ہی یہ اس کے لائق ہیں کہ انہیں اللہ تعالیٰ کا شریک وساجھی ٹھہرایا جائے، اس لیے کہ یہ مخلوق ہے، یہ مربوب ہیں یہ مصنوع ہیں، یہ مدبر ہیں، یہ مسخر ہیں جو کبھی طلوع ہوتے ہیں اور کبھی غروب ہوتے ہیں، پھر اس دنیا کی

آنکھوں سے اوجھل ہو جاتے ہیں، حالانکہ رب تعالیٰ سے تو کوئی چیز چھپ نہیں سکتی۔

اللہ ایسی ہستی ہے جس سے کوئی چیز چھپ نہیں سکتی، وہ دائم اور باقی ذات ہے، اس پر زوال نہیں آئے گا، اس کے سوا کوئی بندگی اور پرستش کے لائق نہیں ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم کے سامنے ستاروں کا ابتدائی دور ذکر کیا جب ان میں کواکب کی صلاحیت نہیں تھی، ابھی وہ زہرہ کی شکل میں وجود میں نہیں آئے تھے، جب ان کو ترقی ملی تو چاند کی شکل بن گئی، جو ستاروں سے زیادہ روشن اور ان کے حسن سے زیادہ ابہیٰ ہے، پھر جب اسے ترقی ملی تو سورج کو وجود ملا، جو تمام مشاہداتی اجرام سے زیادہ روشن ہے، ضیاء کے لحاظ سے، سنا کے اعتبار سے اور بہاء کے لحاظ سے، اس کے بعد پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے انہیں بیان کیا کہ ستارے تابع فرمان ہیں، مسخر ہیں، مسیر ہیں، مقدر ہیں، مربوب ہیں اور مصنوع ہیں جیسے رب تعالیٰ نے آگاہ فرمایا کہ

وَمِنْ آيَاتِهِ اللَّيْلُ وَالنَّهَارُ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ لَا تَسْجُدُوا لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ وَاسْجُدُوا لِلَّهِ الَّذِي خَلَقَهُنَّ إِنْ كُنْتُمْ إِيَّاهُ تَعْبُدُونَ [فصلت: ۳۷] اور اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں رات اور دن، سورج اور چاند، اس لیے تم سورج، چاند کو سجدہ نہ کرو بلکہ اللہ ہی کو سجدہ کرو جس نے انہیں پیدا کیا ہے اگر تم اسی کی عبادت کرنا چاہتے ہو۔

ابراہیم علیہ السلام ایمان وایقان کی بلند ترین سطح پر تھے، شکوک وشبہات سے بالکل پاک تھے، وہ اپنی قوم کی ذہنی سطح کو مد نظر رکھتے ہوئے ان کی تربیت فرما رہے تھے، اسی لیے ان ستاروں کے ڈوب جانے کے بعد لوگوں کو سمجھایا کہ ان ڈوب جانے والوں اور آنکھوں سے غائب ہو جانے والی چیزوں کی تم پوجا کرتے ہو، مجھے ان کی کوئی پرواہ نہیں ہے، جن کی تم اللہ کے سوا پوجا کرتے ہو، جو کچھ بھی نفع نہیں دے سکتے اور نہ ہی کچھ سن سکتے ہیں اور نہ ہی کوئی چیز سمجھ سکتے ہیں بلکہ یہ مربوب ہیں، ان کا کوئی رب ہے، یہ تابع فرماں ہیں ان کو مسخر کرنے والی کوئی ذات ہے، یہ کواکب وسیارات، یہ شمس وقمر یہ مصنوع ہیں ان کا کوئی صانع ہے۔

قرآن کریم جن ابراہیمی پند ونصائح کا بیان دے رہا ہے یہ یقیناً اہل حران کے لیے تھے، اس لیے

کہ وہی لوگ ان کی پوجا کیا کرتے تھے، اسی طرح اہل بابل بت پرست تھے، وہ جب اپنے ایک میلے کی طرف نکلے تھے تو ابراہیم علیہ السلام نے ان کے بتوں کو ملاحظہ کرتے ہوئے ان کو توڑ ڈالا تھا، ان کو تہس نہس کر دیا تھا، پھر ان کا باطل ہونا واضح کیا تھا، جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا

وَقَالَ إِنَّمَا اتَّخَذْتُمْ مِنْ دُونِ اللهِ أَوْثَانًا مَوَدَّةَ بَيْنِكُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ثُمَّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يَكْفُرُ بَعْضُكُمْ بِبَعْضٍ وَيَلْعَنُ بَعْضُكُمْ بَعْضًا وَمَأْوَاكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُمْ مِنْ نَاصِرِينَ (العنکبوت: ۲۵)

اور ابراہیم نے کہا کہ تم نے جو اللہ کو چھوڑ کر بتوں کو معبود بنالیا ہے یہ تمہاری آپس کی دوستی کی وجہ سے ہے جو دنیا والی زندگی میں ہے، پھر قیامت کے دن تم ایک دوسرے کے مخالف ہو گے اور تم میں سے بعض بعض پر لعنت کریں گے اور تمہارا ٹھکانا دوزخ ہو گا اور تمہاری مدد کرنے والے بالکل نہ ہوں گے۔

ابراہیم علیہ السلام توحید کے بہت بڑے علمبردار تھے، آپ نے اپنے ابا اور اپنی قوم کو جب بت پرستی میں مبتلا دیکھا تو وہ ان کو سمجھاتے رہتے تھے کہ آپ لوگ ان خود تراشیدہ مورتیوں کے سامنے کیوں معتکف ہیں؟ کیوں ان کے سامنے جھکے ہوئے ہیں؟ جب وہ کہتے ہیں کہ ہماری مجبوری ہے کہ ہمارے آباؤ اجداد ان کے پرستار تھے، ان کے معتکف تھے، ہمیں بھی مجبوراً رسم آبا زندہ رکھنا پڑی، تو ابراہیم علیہ السلام انہیں بتاتے کہ تمہارے آباؤ اجداد تو کھلی گمراہی میں پڑے ہوئے تھے، تو کیا تم ان گمراہ آباؤ اجداد کی پیروی کرو گے؟ وہ کہتے کہ جی آپ حق لائے ہیں یا ہمارے ساتھ مزاح کر رہے ہیں؟ ابراہیم علیہ السلام فرماتے کہ سچی بات یہی ہے کہ تمہارا اور آسمان وزمین کا رب وہ ہے جس نے انہیں پیدا کیا ہے، اور میں اس بات پر گواہی بھی دے دوں گا۔

توحید کے علمبردار سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے قسم کھا کر فرمایا کہ میں تمہارے بتوں کے ساتھ کوئی تدبیر کروں گا جب تم پیٹھ پھیر کر کہیں چلے جاؤ گے، چنانچہ اس اعلان کی پاسداری کرتے ہوئے توحید کے علمبردار حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان بتوں کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے، مگر اتمام حجت کے لیے ایک بڑے بت کو یونہی چھوڑ دیا، تاکہ جب وہ واپس آکر یہ منظر اپنی آنکھوں سے دیکھیں تو سمجھ جائیں۔

جب یہ لوگ اپنے میلے وغیرہ سے واپس پہنچے تو کیا دیکھتے ہیں کہ ان کے بت منہ کے بل اوندھے پڑے ہوئے ہیں، ٹکڑے ٹکڑے دکھائی دے رہے ہیں، تو چیخ وپکار کی اور آسمان سر پر اٹھالیا کہ ہمارے معبودوں کے ساتھ یہ حرکت کس نے کی؟ کہیں سے پتانہ چلا تو کہنے لگے کہ ایک نوجوان ہے جس کا نام ابراہیم ہے وہ ہمارے ان معبودوں کا بہت تذکرہ کرتا رہتا ہے، لگتا یوں ہے کہ یہ سارا اسی کا کیا دھرا ہے۔

اس اعلان کے بعد انہوں نے کہا کہ اسے لوگوں کے سامنے لایا جائے، تاکہ یہ لوگ دیکھ لیں، پھر ان لوگوں نے ابراہیم علیہ السلام سے سوال کیا کہ کیا آپ نے ہمارے معبودوں کے ساتھ ایسا کیا ہے؟ ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا یہ ان کا بڑا موجود ہے اسی سے پوچھ لو اگر یہ بات کرتے ہیں تو تمہیں جواب دے دیں گے کہ یہ تباہی کس نے مچائی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اس بات کو سن کر سب نے اپنے سر جھکا لیے اور کہنے لگے کہ تم جانتے ہو کہ یہ بات تو نہیں کرتے، اس پر ابراہیم علیہ السلام نے انہیں اس موقع پر بھی سمجھایا کہ پھر تم ان کی پوجا پاٹ کیوں کرتے ہو جو تمہیں کچھ نفع نہیں دے سکتے، نہ تمہیں کوئی نقصان دے سکتے ہیں، تم کیوں اللہ کے سوا ان کی پوجا کرتے ہو، تم سمجھتے کیوں نہیں؟ یہی وہ موقع تھا جب شرک کے ایوانوں میں بھونچال آیا، شرک گاہوں پر زلزلہ بپا ہوا، انہوں نے بیک زبان ہو کر کہا کہ اس کو جلادو اور اگر تم کر سکتے ہو تو اپنے معبودوں کی دستگیری کرو، پھر جب ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالا گیا تو اللہ تعالیٰ نے نار نمرودی کو حکم دیا کہ وہ ابراہیم علیہ السلام پر ٹھنڈی اور سلامتی والی بن جائے۔

ابراہیم علیہ السلام بلاخوف لومۃ لائم اللہ کی وحدانیت کا درس دیتے رہے، اللہ کا تعارف کرواتے رہے، آپ ہی نے ببانگ دھل فرمایا تھا کہ میرا اللہ وہ ہے جس نے مجھے پیدا کیا اور وہی میری راہنمائی کرتا ہے، وہی مجھے کھلاتا ہے اور وہی مجھے پلاتا ہے، جب میں بیمار ہو جاؤں تو وہ ذات مجھے شفا دیتی ہے، وہی ذات مجھے مارے گی اور وہی ذات مجھے مارنے کے بعد زندہ کرے گی اور مجھے یقین ہے کہ وہ مجھے معافی کا پروانہ عطا فرمائے گا اور میری خطاؤں سے درگزر کر دے گا، ابراہیم علیہ السلام نے بارگاہ رب العالمین میں دعا بھی فرمائی تھی کہ مجھے نیکوکاروں کے ساتھ شامل کیا جائے۔

حضرت اسحاق علیہ السلام کا ذکر خیر

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو اسحاق علیہ السلام کی بشارت دی وہ نیکوکار انبیاء علیہم السلام میں سے تھے اور ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو برکت سے نوازا اور اسحاق کو برکت سے نوازا، اور ان کی اولاد میں سے کچھ نیکوکار اور کچھ کھلے طور پر اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے ذریعے یہ بشارت حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت سارہ کو دی تھی، یہ اس وقت کی بات ہے جب اللہ تعالیٰ نے قوم لوط کو تباہ کرنے کے لیے انہیں بھیجا تھا، قوم لوط نے اس سرزمین پر کفر اور فجور کا ارتکاب کیا تھا، اللہ تعالیٰ نے انہیں صفحہ ہستی سے مٹانے اور ان کے نظام کو تاراج کرنے کے لیے فرشتے بھیجے تھے۔

جب یہ فرشتے بیٹے کی خوشخبری سنانے کے لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے گھر پہنچے تو انہیں سلام کیا، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کے سلام کا جواب دیا، کچھ دیر وہاں ٹھہرے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام بچھڑا بھون کے ان کے لیے لے آئے اور سامنے رکھ دیا، مگر ان لوگوں نے کھانے کی طرف ہاتھ نہ بڑھایا، اس بات نے ابراہیم علیہ السلام کو پریشان کر دیا، وہ دل ہی دل میں ڈرے کہ کہیں یہ کوئی دشمن نہ ہو، چنانچہ ان فرشتوں نے انہیں فرمایا کہ آپ ڈریے نہیں کیونکہ ہم تو قوم لوط کی طرف بھیجے گئے ہیں، ہم تو آپ کو صرف بیٹے کی خوشخبری سنانے کے لیے آپ کے ہاں آئے ہیں۔

اس دوران ابراہیم علیہ السلام کی بیوی ان کے قریب کھڑی تھی، وہ فرشتوں کی زبان سے بیٹے کی بشارت سن کر ہنس دی، اور کہنے لگیں کہ اے خرابی! میں بڑھاپے میں بیٹا جنوں گی؟ میرے شوہر نامدار تو بوڑھے ہو چکے ہیں، یہ تو عجیب بات ہوئی، فرشتوں نے کہا کہ کیا آپ اللہ کے حکم پر تعجب کر رہی ہیں، اے گھر والو! اللہ تعالیٰ کی تم پر رحمتیں اور برکتیں ہوں، وہ قابل تعریف ہے وہ بزرگی والا ہے۔

ایک مقام پر اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں ارشاد فرماتے ہیں کہ اے میرے حبیب! ان لوگوں کو ذرا ابراہیم علیہ السلام کے مہمانوں کے بارے میں تو اطلاع دیں، جب وہ ان کے پاس آئے تو انہوں نے آتے ہی ابراہیم علیہ السلام کو سلام کیا، ابراہیم علیہ السلام نے ان کی آمد پر انہیں بتایا کہ ہم تمہاری آمد پر ڈر رہے ہیں، اس پر

فرشتوں نے کہا کہ آپ ڈریے نہیں ہم تو آپ کو ایک جانکار بیٹے کی خوشخبری سنانے آئے ہیں۔

ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ اب تم ہمیں خوشخبری سنانے آئے ہو جب بڑھاپے کی دہلیز پر پہنچ چکا ہوں، انہوں نے کہا کہ ہم آپ کو سچی خوشخبری دے رہے ہیں، آپ مایوس نہ ہوں، ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ کی رحمت سے مایوس نہیں ہوں، کیونکہ اس کی رحمت سے مایوس وہی لوگ ہوتے ہیں جو گمراہ ہوتے ہیں۔

علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جن فرشتوں کو اللہ تعالیٰ نے بھیجا تھا وہ تین فرشتے تھے، ان میں ایک جبریل علیہ السلام تھے، دوسرے میکائیل علیہ السلام تھے اور تیسرے اسرافیل علیہ السلام تھے، جب یہ فرشتے ابراہیم علیہ السلام کے پاس پہنچے تو ابراہیم نے انہیں مہمان سمجھا، پھر ان کی مہمان نوازی میں مصروف ہوگئے، ان مہمانوں کے لیے موٹا تازہ بچھڑا بھونا، جب بچھڑا بھوننے کے بعد ان کے قریب کیا تو انہوں نے اسے کھایا اور نہ ہی اس کی طرف ہاتھ بڑھایا۔

یہ فرشتے تھے، انہیں کھانے کی طرف، اس بچھڑے کی طرف ہاتھ بڑھانے کی ضرورت نہیں تھی، جب انہوں نے کھانے کی طرف ہاتھ نہیں بڑھایا تو اس بات نے ابراہیم علیہ السلام کو خوف میں مبتلا کیا، ان کے خوف اور ڈر کو دیکھ کر فرشتوں نے تسلی دی کہ آپ ڈریے نہیں ہم تو لوط علیہ السلام کی طرف بھیجے ہوئے ہیں تاکہ ہم ان کی بستی کو تباہ کریں۔

جب فرشتوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بیٹے اسحاق علیہ السلام اور اسحاق علیہ السلام کے بعد یعقوب علیہ السلام کی بشارت دی تو یہ بشارت سنتے ہی ان کی بیوی نے اپنے چہرے پر ہاتھ مارا، جس طرح تعجب کے وقت عورتیں اپنے دونوں ہاتھ جوڑ کر منہ پر رکھتی ہی، بیوی اس وقت مہمانوں کے پاس ہی کھڑی تھیں۔

قرآن کریم بتاتا ہے کہ فرشتوں نے حضرت اسحاق علیہ السلام کے بعد حضرت یعقوب علیہ السلام کے آنے کی بشارت دی تھی، حضرت محمد بن کعب القرظی رحمہ اللہ نے اسی سے استدلال کیا ہے کہ ذبیح حضرت اسماعیل علیہ السلام تھے نہ کہ حضرت اسحاق علیہ السلام، اس لیے کہ اسحاق علیہ السلام کے بعد حضرت یعقوب علیہ السلام کی بشارت دی گئی تھی، اگر اسحاق علیہ السلام اسی عالم میں ذبح ہو جاتے تو اسحاق علیہ السلام کی بشارت کا مقصد ہی نہیں

رہ جاتا، یعقوب کا لفظ عقب سے ہے، عقب کا معنٰی ہے بعد میں آنے والا۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے فرمایا کہ اے ابراہیم! کیا سارا تیری بیوی نہیں ہے؟ اس کا نام سارا نہ پکارا جائے بلکہ اس کو سارہ کہا جائے، میں اس کی وجہ سے تجھے برکت دوں گا، میں اس میں سے تجھے بیٹا دوں گا، میں اسے برکت دوں گا، اس میں سے بادشاہ اور قبائل ہوں گے، یہ سن کر ابراہیم علیہ السلام سجدہ میں گر گئے، اور یہ کہتے ہوئے ہنسے کہ سو سال سے زیادہ عمر ہو چکی ہے، سارہ کی عمر نوے سال ہو چکی ہے وہ کیسے بچہ جنے گی، میرے ہاں بیٹا کیسے ہو گا؟

حضرت اسماعیل علیہ السلام کی پیدائش کے چودہ سال بعد حضرت اسحاق علیہ السلام پیدا ہوئے، اسحاق اصل تلفظ کے اعتبار سے عبرانی زبان کے یضحق سے ہے، اس کا معنٰی ہے ہنسنا، فرشتوں نے جب ان کی بشارت دی تو ابراہیم علیہ السلام متعجب ہوئے تھے اور حضرت سارہ کی ہنسی نکل گئی تھی، اسی وجہ سے ان کا نام اسحاق رکھا گیا۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام اور حضرت اسحاق علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے شہرت دی اور تاج نبوت بھی ان کے سر پر سجایا گیا، حضرت اسحاق علیہ السلام کی عمر جب چالیس سال ہوئی تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کی شادی اپنے بھتیجے بتوئیل بن ناحور کی بیٹی رفقا کے ساتھ کر دی، رفقا بانجھ تھیں، مگر حضرت اسحاق علیہ السلام کی دعا سے اللہ تعالیٰ نے انہیں جڑواں بیٹے عطا فرمائے، ان میں سے ایک کا نام عیسو تھا اور دوسرے کا نام یعقوب تھا، اس وقت حضرت اسحاق علیہ السلام کی عمر ۶۰ سال تھی۔

روم والے لوگ عیسو کی اولاد ہیں، حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد میں سے بنی اسرائیل ہیں، اس لیے کہ یعقوب علیہ السلام پیدائش میں اپنے بھائی عیسو سے بعد میں دنیا میں اس طرح تشریف لائے کہ انہوں نے عیسو کی ایڑی پکڑی ہوئی تھی، ایڑی کو عربی میں عقب کہتے ہیں، اسی لیے ان کا نام یعقوب رکھا گیا، مگر جس نام نے شہرت پائی وہ اسرائیل تھا، اسی لیے ان کی اولاد کو بنی اسرائیل کہا جاتا ہے۔

حضرت اسحاق علیہ السلام ایک سو اسی سال زندہ رہے، ارض مقدسہ میں ان کا وصال ہوا اور اپنے باپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس دفن کئے گئے پھر جب سارہ کا وصال ہوا تو حضرت نے قنطورا بنت یقطن

کنعانیہ سے نکاح کیا اس سے آپ کی یہ اولاد ہوئی۔ مدین، مدائن، نہشان، زمران، شبوخ، پھر آپ کا وصال ہوا، حضرت ابراہیم علیہ السلام کے وصال اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش کے درمیان دو ہزار چھ سو سال کا فاصلہ تھا۔ یہود اس سے چار سو سال کم کرتے تھے۔

حضرت یعقوب علیہ السلام کا ذکر خیر

حضرت یعقوب علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پوتے تھے، جلیل القدر پیغمبر تھے، ان کی والدہ کا نام رفقا تھا، اپنی والدہ کے بہت لاڈلے اور چہیتے تھے، جب کہ عیسو جو حضرت یعقوب علیہ السلام کے ساتھ جڑواں پیدا ہوئے تھے اپنے ابا کے بہت لاڈلے اور چہیتے تھے۔ یعقوب کی وجہ تسمیہ بیان کی جا چکی ہے، ان کا نام اسرائیل تھا، اسرا کا معنٰی بندہ جب کہ ایل کا معنٰی اللہ، اسرائیل کا معنٰی ہوا اللہ کا بندہ۔

حضرت یعقوب علیہ السلام اپنی والدہ کے کہنے پر فدان چلے گئے تھے، جہاں ان کے ماموں ابان رہتے تھے، تو ان کے ماموں نے ان سے عہد لیا کہ اگر وہ ۱۰ سال ان کے ہاں رہ کر ان کی بکریاں چرائیں تو وہ اس مدت کو مہر قرار دے کر اپنی بیٹی سے ان کی شادی کر دیں گے، چنانچہ یعقوب نے اس مدت کو پورا کر لیا تو بموجب وعدہ لابان نے اپنی بڑی بیٹی "لیا" سے ان کا نکاح کرنا چاہا مگر یعقوب نے اپنا رجحان طبع ان کی چھوٹی بیٹی راحیل کی طرف ظاہر کیا، لابان نے یہ عذر پیش کیا کہ ہمارے دستور کے مطابق بڑی لڑکی کے نکاح سے پہلے چھوٹی لڑکی کا نکاح نہیں ہو سکتا، لہذا تم اسی رشتہ کو منظور کرو، اور اگر تم دس سال مزید میری خدمت کرو تو راحیل بھی تمہارے نکاح میں دی جا سکے گی، (اس زمانہ میں دو بہنوں کا نکاح میں جمع ہونا شرعاً ممنوع نہیں تھا)

چنانچہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے اس مدت کو بھی پورا کیا اور راحیل سے بھی شادی کر لی، ان دونوں بہنوں کے علاوہ "لیا" کی باندی "زلفا" اور راحیل کی باندی "بلہا" بھی آپ کی زوجیت میں آ گئیں اور ان سب سے اولاد ہوئی، "لابان" نے یعقوب کو ۲۰ سال اپنے پاس رکھنے کے بعد بہت مال و متاع اور جانوروں کے ریوڑ دے کر رخصت کیا۔

اللہ تعالیٰ نے اہل کنعان کی طرف یعقوب علیہ السلام کو نبی بنا کر بھیجا، جب آپ کی عمر مبارک چالیس

سال کو پہنچی تو اللہ تعالیٰ نے تاج نبوت ان کے سر پر سجایا، اللہ کی طرف سے حکم آیا کہ تم اہل کنعان کی طرف نبی ہو، اب یہاں سے جا کر وہاں دعوت و تبلیغ کا کام شروع کر دیا، اور شریعت ابراہیمی کے مطابق وہاں کے لوگوں کو دعوت دینے کا حکم دیا گیا تھا، اسی حکم کی تعمیل میں حضرت یعقوب علیہ السلام کئی سال تک یہاں دعوت کا کام کرتے رہے۔

کنعان دو پہاڑوں کے درمیان میں واقع تھا، یہاں کے رہنے والے لوگوں کے لیے یہ جگہ تنگ تھی، چنانچہ انہوں نے حضرت یعقوب علیہ السلام سے جگہ کی تنگ دامنی کی شکایت کی، حضرت یعقوب علیہ السلام نے اس شکایت پر اللہ کی بارگاہ میں دعا فرمائی، اللہ نے دعا قبول فرمائی، حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے دونوں ہاتھوں سے ان پہاڑوں کی طرف اشارہ کیا تو وہ دونوں پہاڑ اپنی جگہ سے کھسک گئے اور اہل کنعان کے لیے جگہ کھلی ہو گئی۔

ایک بار آپ کا بیٹا یہودا قوم عمالقہ کے ساتھ جنگ کر رہا تھا، دوران جنگ یہودا کا برچھا ٹوٹ گیا، اس نے اپنے ابا یعقوب علیہ السلام کو آواز دی، جب کہ یعقوب ۷۰ فرسخ کے فاصلے پر تھے، حضرت یعقوب علیہ السلام تک یہ آواز پہنچی، آپ نے اتنی دور سے اسے برچھا پھینکا جو اس تک جا پہنچا تھا۔

علماء نے حضرت یعقوب علیہ السلام کے معجزات کے ضمن میں تحریر کیا ہے کہ ایک بار سلجم بن دارہ آپ کے پاس آیا، یہ کنعان کا بادشاہ تھا، وہ اپنے لشکر سمیت حضرت یعقوب علیہ السلام کے پاس آیا تھا، ان سے آکر اس نے پوچھا کہ آپ کس کی اجازت سے یہاں آئے ہیں؟ حضرت یعقوب علیہ السلام نے جواب دیا کہ میں حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کا پوتا ہوں، میں اللہ کا نبی ہوں، میں اپنے اللہ کے حکم سے یہاں آیا ہوں، تاکہ تجھے اور تیری قوم کو ایمان کی دعوت دوں، اگر تو اس دعوت کو قبول کر لے تو یہ تیرے حق میں بہتر ہے، ورنہ دوسری صورت میں تیرے خلاف جہاد کروں گا۔

بادشاہ یہ سن کر طیش میں آیا، اور کہنے لگا کہ تمہارے پاس لشکر کہاں ہے کہ تو مجھ سے لڑائی کرے گا؟ اس پر حضرت یعقوب علیہ السلام نے شمعون سے کہا کہ میں اس بادشاہ کے ساتھ اللہ کی مدد سے فرشتوں اور اپنی اولاد کے ہمراہ جہاد کروں گا۔

اس کے بعد آپ نے بادشاہ کو ایمان کی دعوت دی، جسے اس نے قبول نہ کیا اس پر حضرت یعقوب نے اپنی اولاد کو اس سے جہاد کرنے کا حکم دیا، چنانچہ شمعون بن یعقوب یکے و تنہا اس کے قلعہ کے دروازے پر جا بیٹھا اور اللہ تعالیٰ سے دعا کی اے اللہ! اس قلعہ کو ہمارے لیے کھول دیجیے، آپ بہترین کھولنے والے ہیں، میں اللہ کے نام کے ساتھ شروع کرتا ہوں، جو ابراہیم، اسحاق اور یعقوب علیہم السلام کا پروردگار ہے، یہ کہہ کر قلعہ کے دروازہ پر اپنا داہنا پاؤں اس زور سے مارا کہ تمام قلعہ میں زلزلہ آگیا، اس قلعہ کی تمام دیواریں زمین بوس ہو گئیں اور سارے لوگ نیچے دب کر مر گئے۔

حضرت یعقوب علیہ السلام کے بارہ بیٹے تھے، جنہیں قرآن کریم "اسباط" کا نام دیتا ہے، سبط عربی زبان میں اس درخت کو کہتے ہیں جس کی شاخیں بہت زیادہ ہوں، ان کو بھی اسباط اس لیے کہا گیا کہ ان بارہ بیٹوں سے آگے بہت اولاد پیدا ہوئی، حضرت یعقوب علیہ السلام کی ساری اولاد بن یامین کے علاوہ ان کے ماموں کے ہاں فدان میں ہی پیدا ہوئی، بن یامین فلسطین میں پیدا ہوئے۔

حضرت یعقوب علیہ السلام کے بیٹے یوسف علیہ السلام کے سر پر اللہ نے تاج نبوت سجایا تھا، جنہوں نے خواب میں دیکھا تھا کہ گیارہ ستارے اور چاند و سورج ان کے لیے سجدہ ریزی میں مشغول ہیں، اس خواب کی تعبیر یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے یوسف علیہ السلام کو تخت پر بٹھایا تھا، نبوت دی تھی، والدین اور بھائیوں کو ان کی خدمت میں پہنچایا گیا تھا۔

حضرت یوسف علیہ السلام اپنے ابا کے بہت ہی پیارے، لاڈلے اور چہیتے تھے، باقی اولاد کی بہ نسبت ان سے بہت ہی پیار تھا، یہی وجہ تھی کہ بھائی حسد کی آگ میں جلتے بھنتے تھے، اسی لیے انہوں نے انہیں بھلا پھسلا کر والد سے دور کر دیا، پھر ایک گم نام کنویں میں ڈال دیا، وہاں سے قافلے والے انہیں لے کر مصر پہنچے، جہاں عزیز مصر کے ہاں رہے، پھر وہاں ایک ناکردہ جرم کی سزا کے طور پر جیل چلے گئے، رہائی کے بعد اللہ نے تاج نبوت ان کے سر پر سجایا۔

یعقوب علیہ السلام کو اپنے بیٹے یوسف علیہ السلام کی جدائی پر سخت دکھ اور صدمہ پہنچا، آپ بیٹے کی جدائی پر سخت روئے، آپ نے آنسو بہائے، ایک وقت آیا کہ آپ کی آنکھوں سے بینائی بھی چلی گئی تھی، ابن

عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کے مطابق حضرت یعقوب علیہ السلام نے شہر سے باہر الگ گھر بنایا ہوا تھا تاکہ ان کے رونے کی آواز کسی کو سنائی نہ دے، جب رات کا سناٹا چھا جاتا تو اس گھر میں آجاتے تھے جہاں دروازے بند کر کے یوسف علیہ السلام کو یاد کر کے روتے اور تڑپتے رہتے تھے، ساری ساری رات ایسے ہی گزر جاتی اور صبح ہو جاتی، قرآن کریم کی سورۃ یوسف میں حضرت یعقوب علیہ السلام کی بینائی چلی جانے کا ذکر موجود ہے۔

جب یوسف علیہ السلام مصر کے حکمران بن گئے تو اس کے بعد ایک قدرتی تدبیر کے باعث ان کے والدین مصر پہنچائے گئے، جب حضرت یوسف علیہ السلام کو اپنے والدین کی اطلاع پہنچی کہ وہ مصر کے قریب پہنچ چکے ہیں تو اپنے والدین کے استقبال کے لیے شہر سے باہر نکل کر آئے تھے، عرصہ دراز کی جدائی کے بعد جب یعقوب علیہ السلام نے اپنے لخت جگر یوسف علیہ السلام کو اپنے سینے سے چمٹا لیا، اس کے بعد یوسف علیہ السلام نے دربار لگایا اور اپنے والدین کو اپنے ساتھ تخت پر بٹھایا، دستور کے مطابق تمام درباریوں نے آپ کو سجدہ کیا، اسی دوران ان کے والدین بھی سجدہ میں گر گئے۔

علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ اپنی تاریخ البدایہ والنہایہ میں لکھتے ہیں کہ یعقوب علیہ السلام وہ پہلے شخص تھے جنہوں نے مسجد اقصیٰ تعمیر کی تھی، یہ مسجد ایلیا میں تعمیر کی گئی تھی، جس کا شرف اللہ نے یعقوب علیہ السلام کو بخشا تھا، یہ تعمیر خانہ کعبہ کی تعمیر کے بعد ہوئی تھی، مسجد الحرام کے بعد چالیس سال کا عرصہ گزر چکا تھا، اس کے بعد مسجد اقصیٰ تعمیر کی گئی تھی۔

متقین کے لیے جنت کی دائمی نعمتیں

سوال قرآن کریم کی اس آیت مبارکہ کی تفسیر کیجیے۔

هٰذَا ذِكْرٌ وَإِنَّ لِلْمُتَّقِينَ لَحُسْنَ مَآبٍ {۴۹} جَنّٰتِ عَدْنٍ مُّفَتَّحَةً لَّهُمُ الْأَبْوَابُ {۵۰} مُتَّكِـِٔينَ فِيهَا يَدْعُونَ فِيهَا بِفَاكِهَةٍ كَثِيرَةٍ وَّشَرَابٍ {۵۱} وَعِندَهُمْ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ أَتْرَابٌ {۵۲} هٰذَا مَا تُوعَدُونَ لِيَوْمِ الْحِسَابِ {۵۳} إِنَّ هٰذَا لَرِزْقُنَا مَا لَهُ مِن نَّفَادٍ {۵۴} ص

جواب ترجمہ: یہ ایک نصیحت ہے اور بلاشبہ پرہیزگاروں کے لیے اچھا ٹھکانا ہے۔ ہمیشہ رہنے کے

باغ ہیں ان کے لیے دروازے کھلے ہوں گے۔ وہ ان میں تکیہ لگائے ہوئے ہوں گے، وہ وہاں بہت سے میوے اور پینے کی چیزیں طلب کریں گے۔ اور ان کے پاس نیچی نگاہ والی ہم عمر بیویاں ہوں گی۔ یہ وہ ہے جس کا تم سے روز حساب آنے پر وعدہ کیا جاتا تھا۔ بلاشبہ یہ ہمارا رزق ہے جس کو ختم ہونا ہی نہیں۔

خلاصہ تفسیر: اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد، حضرت سلیمان، حضرت ایوب اور دیگر انبیائے کرام علیہم السلام کے مبارک تذکروں کے بعد فرمایا کہ یہ سب نصیحت، عبرت اور خیر کا پیغام ہے اور جس طرح ان برگزیدہ بندوں کو اللہ تعالیٰ کے قرب اور رضا کا مقام حاصل ہوا، اسی طرح تمام اہلِ تقویٰ کے لیے بھی آخرت میں نہایت عمدہ انجام اور بہترین ٹھکانہ تیار کیا گیا ہے۔

چنانچہ ارشاد فرمایا کہ متقی لوگوں کے لیے دائمی رہائش کی ایسی جنتیں ہیں جن کے دروازے ان کے استقبال اور عزت افزائی کے لیے پہلے ہی کھول دیے جائیں گے، وہاں وہ نہایت آرام و سکون کے ساتھ آراستہ تختوں اور مسندوں پر تکیہ لگائے بیٹھے ہوں گے، انہیں کسی قسم کی مشقت، پریشانی یا محرومی کا سامنا نہیں ہوگا، بلکہ وہ جو کچھ چاہیں گے فوراً حاضر کر دیا جائے گا، طرح طرح کے لذیذ اور عمدہ پھل، نفیس مشروبات اور دل کو خوش کرنے والی ہر نعمت ان کے لیے میسر ہوگی، یہ منظر اس بات کو ظاہر کرتا ہے کہ جنت سراسر راحت، عزت اور اطمینان کا مقام ہے، جہاں اہلِ ایمان اپنی دنیاوی جدوجہد اور اطاعتِ الٰہی کا بہترین صلہ پائیں گے۔

مزید فرمایا کہ ان جنتوں میں ان کے لیے پاکیزہ اور حسین ازواج بھی ہوں گی جو اپنے شوہروں سے کامل محبت اور وفاداری رکھنے والی ہوں گی اور ان کی توجہ کسی اور کی طرف نہ ہوگی، ان سب کے درمیان محبت، پاکیزگی اور قلبی سکون کی کامل فضا قائم ہوگی۔

پھر اللہ تعالیٰ متقین کو مخاطب کر کے فرماتا ہے کہ یہی وہ نعمتیں ہیں جن کا تم سے دنیا میں وعدہ کیا جاتا تھا اور جنہیں تم نے ایمان، تقویٰ اور اعمالِ صالحہ کے ذریعے حاصل کیا ہے۔

آخر میں اس حقیقت کو نہایت تاکید کے ساتھ بیان فرمایا کہ یہ تمام نعمتیں اللہ تعالیٰ کا عطا کردہ رزق ہیں اور دنیا کے رزق کی طرح عارضی یا ختم ہونے والی نہیں بلکہ ہمیشہ باقی رہنے والی ہیں، نہ ان

میں کمی آئے گی، نہ ان کا خاتمہ ہو گا اور نہ اہلِ جنت ان سے محروم ہوں گے، اس طرح یہ آیات اہلِ تقویٰ کو جنت کی دائمی نعمتوں، اللہ تعالیٰ کی رضا اور ابدی کامیابی کی بشارت دے کر ایمان و عملِ صالح پر ثابت قدم رہنے کی ترغیب دیتی ہیں۔

اہل جنت کے مقابلے میں اہل جہنم کا انجام

سوال ان آیات کی تفسیر کیجیے۔

هٰذَا ۭ وَاِنَّ لِلطّٰغِيْنَ لَشَرَّ مَاٰبٍ {۵۵} جَهَنَّمَ يَصْلَوْنَهَا ۚ فَبِئْسَ الْمِهَادُ {۵۶} هٰذَا ۙ فَلْيَذُوْقُوْهُ حَمِيْمٌ وَّغَسَّاقٌ {۵۷} وَّاٰخَرُ مِنْ شَكْلِهٖٓ اَزْوَاجٌ {۵۸} ص

جواب ترجمہ: اس بات کو سمجھ لو، اور بلاشبہ سرکشوں کے لیے برا ٹھکانا ہے۔ وہ جہنم ہے۔ جس میں وہ داخل ہوں گے سو وہ برا بچھونا ہے۔ یہ عذاب ہے۔ سو تم اس کو چکھ لو، حمیم ہے اور غساق ہے۔ اور اس کے سوا اس طرح کی انواع عذاب ہیں۔

لغوی تحقیق: **الطَّاغِيْنَ**: لفظ طاغین، طغیان سے مشتق ہے، جس کے معنی حد سے تجاوز کرنے، سرکشی اختیار کرنے اور اللہ کے احکام سے بغاوت کرنے کے ہیں، یہاں اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو کفر، شرک اور معصیت میں حد سے بڑھ گئے۔ **شَرَّ مَاٰبٍ**: مَآب، مادہ اَوب سے ہے جس کے معنی لوٹنے اور واپس آنے کے ہیں۔ شر مآب کا مطلب ہے نہایت برا ٹھکانہ اور انتہائی بدترین انجام۔

جَهَنَّمَ يَصْلَوْنَهَا: یصْلَوْنَ، صَلِیَ سے مشتق ہے، جس کے معنی آگ میں داخل ہو کر اس کی تپش برداشت کرنے کے ہیں۔ یعنی وہ جہنم کی آگ میں جلتے رہیں گے۔ **حَمِيْمٌ**: انتہائی کھولتے ہوئے گرم پانی کو حمیم کہا جاتا ہے، عربی لغت میں یہ اس پانی کے لیے استعمال ہوتا ہے جو شدتِ حرارت کی آخری حد کو پہنچ چکا ہو۔ **غَسَّاقٌ**: یہ لفظ غَسَقَ سے نکلا ہے، جس کے معنی بہنے اور ٹپکنے کے ہیں۔ مفسرین نے اس سے مراد جہنمیوں کے جسموں سے بہنے والا پیپ، خون اور نہایت بدبودار مادہ لیا ہے۔

اَزْوَاجٌ: لغوی اعتبار سے ازواج کے معنی اقسام اور انواع کے ہیں، یہاں مراد عذاب کی مختلف قسمیں اور متعدد صورتیں ہیں۔

خلاصہ تفسیر: متقین کے لیے جنت کی دائمی نعمتوں کا ذکر کرنے کے بعد قرآنِ کریم اب کفار، فجار اور حدودِ الٰہی سے تجاوز کرنے والوں کے انجام کو بیان کرتا ہے تاکہ ترغیب اور ترہیب دونوں پہلو سامنے رہیں۔ ارشاد فرمایا کہ

هٰذَا وَاِنَّ لِلطّٰغِيْنَ لَشَرَّ مَاٰبٍ: جس طرح اہلِ تقویٰ کے لیے بہترین ٹھکانہ اور ابدی راحتیں ہیں، اسی طرح کفر، شرک اور نافرمانی میں مبتلا لوگوں کے لیے نہایت برا انجام مقدر ہے۔

جَهَنَّمَ يَصْلَوْنَهَا فَبِئْسَ الْمِهَادُ: ان کا آخری ٹھکانہ جہنم ہو گا، جہاں وہ اس کی شدید گرمی، بھڑکتی ہوئی آگ اور ہولناک عذاب کا سامنا کریں گے، ان کے لیے جہنم ہی بستر اور آرام گاہ ہو گی، حالانکہ وہ ایسی آرام گاہ ہے جو راحت کے بجائے دائمی تکلیف اور اذیت کا مرکز ہے، اس کے بعد جہنمیوں کے مشروبات کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا گیا کہ

هٰذَا فَلْيَذُوْقُوْهُ حَمِيْمٌ وَّغَسَّاقٌ: انہیں کھولتا ہوا پانی اور زخموں اور جسموں سے بہنے والا پیپ پلایا جائے گا، یہ ایسا مشروب ہو گا جو پیاس بجھانے کے بجائے مزید عذاب اور اذیت کا سبب بنے گا، حمیم اس پانی کو کہتے ہیں جس کی حرارت اور گرمی انتہا کو پہنچ چکی ہو۔ اور غساق کہتے ہیں اس ٹھنڈک کو جس کی سردی انتہا کو پہنچ چکی ہو۔ پس ایک طرف آگ کا گرم عذاب دوسری جانب ٹھنڈک کا سرد عذاب اور اسی طرح قسم قسم کے، جوڑ جوڑ کے عذاب، جو ایک دوسرے کی ضد ہوں۔

مسند احمد میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں لَوْ أَنَّ دَلْوًا مِنْ غَسَّاقٍ يُهْرَاقُ فِي الدُّنْيَا لأنتن أهل الدنيا اگر ایک ڈول غساق کا دنیا میں بہایا جائے تو تمام اہل دنیا بدبودار ہو جائیں۔

حضرت کعب احبار رحمہ اللہ فرماتے ہیں غَسَّاقٌ: عَيْنٌ فِي جَهَنَّمَ يَسِيلُ إِلَيْهَا حُمَةُ كُلِّ ذَاتِ حُمَةٍ مِنْ حَيَّةٍ وَعَقْرَبٍ وَغَيْرِ ذَلِكَ فَيَسْتَنْقِعُ فَيُؤْتَى بِالْآدَمِيِّ فَيُغْمَسُ فِيهَا غَمْسَةً وَاحِدَةً فَيَخْرُجُ وَقَدْ سَقَطَ جِلْدُهُ وَلَحْمُهُ عَنِ الْعِظَامِ وَيَتَعَلَّقُ جِلْدُهُ وَلَحْمُهُ فِي كَعْبَيْهِ وَعَقِبَيْهِ وَيُجَرُّ لَحْمُهُ كَمَا يَجُرُّ الرَّجُلُ ثَوْبَهُ (ابن ابی حاتم)

غساق نامی جہنم میں ایک نہر ہے جس میں سانپ بچھو وغیرہ کا زہر جمع ہوتا ہے پھر وہ گرم ہو کر ابلنے لگتا

ہے اس میں جہنمیوں کو غوطے دیئے جائیں گے جس سے ان کا سارا گوشت پوست جھڑ جائے گا اور پنڈلیوں میں لٹک جائے گا۔ جسے وہ اس طرح گھسیٹتے پھریں گے جیسے کوئی شخص اپنا کپڑا گھسیٹ رہا ہو (ابن ابی حاتم)

غرض سردی کا عذاب الگ ہو گا، گرمی کا الگ ہو گا، حمیم پینے کو، زقوم کھانے کو دیا جاتا ہے اور کبھی آگ کے پہاڑوں پر چڑھایا جاتا ہے تو کبھی آگ کے گڑھوں میں دھکیلا جاتا ہے اللہ ہمیں بچائے۔

امام ابو جعفر طبری رحمہ اللہ نے غساق کی تفسیر میں حسب ذیل اقوال ذکر کیے ہیں، قتادہ رحمہ اللہ نے کہا: دوزخیوں کی کھال اور ان کے گوشت کے درمیان سے جو پانی بہتا ہوا نکلے گا وہ غساق ہے، سدی رحمہ اللہ نے کہا: دوزخیوں کی آنکھوں سے جو آنسو بہتے ہوئے نکلیں گے وہ غساق ہے، ابن زید نے کہا: دوزخیوں کی پیپ کو گرم کر کے ایک حوض میں جمع کر دیا جائے گا اس کو غساق کہتے ہیں۔

حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ نے کہا: وہ بہت گاڑھی پیپ ہے، اگر اس کا ایک قطرہ مغرب میں ڈال دیا جائے تو اس سے پورا مشرق بدبودار ہو جائے گا اور اگر اس کا ایک قطرہ مشرق میں ڈال دیا جائے تو اس سے پورا مغرب بدبودار ہو جائے گا، مجاہد رحمہ اللہ نے کہا: وہ اتنا زیادہ ٹھنڈا پانی ہے کہ وہ ٹھنڈک کی وجہ سے پیا نہیں جا سکتا، عبد اللہ بن بریدہ رحمہ اللہ نے کہا: وہ سخت بدبودار پانی ہے، کعب رحمہ اللہ نے کہا: وہ ہر زہریلے جانور مثلاً سانپ اور بچھو کا پسینہ ہے، یہ زہریلا پسینہ ایک چشمہ میں بہتا ہوا آئے گا۔ (جامع البیان)

وَاٰخَرُ مِنْ شَكْلِهٖۤ اَزْوَاجٌ: جہنم کا عذاب صرف ایک نوعیت کا نہیں ہو گا بلکہ اس کے علاوہ بھی اسی قسم کے بے شمار اور متنوع عذاب ان کے لیے تیار ہوں گے، جن سے وہ مسلسل دوچار رہیں گے، اس کا مطلب ہے اور اسی طرح کا دوسرا عذاب ہے، حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا: اس سے مراد زمہریر ہے، یعنی سخت ٹھنڈک کا طبقہ، اس آیت میں شَكْلِ کا لفظ ہے، اس کا معنٰی ہے اس قسم کا اور شکل کا معنی عورت کا بناؤ سنگھار بھی ہوتا ہے اور اس کا میک اَپ، ابن زید رحمہ اللہ نے کہا شَكْل کا معنی ہے شبیہ، یعنی اس کے مشابہ عذاب، جس کا نام اللہ نے ازواج رکھا ہے اور اس کا الگ نام نہیں رکھا،

حسن بصری رحمہ اللہ نے کہا اس رنگ کے عذاب، مختلف اقسام کے عذاب۔ قتادہ رحمہ اللہ نے کہا اس کا معنٰی ہے عذاب کے جوڑے، ابن زید رحمہ اللہ نے کہا، اس کا معنٰی ہے دوزخ کے عذاب کے جوڑے، (جامع البیان)

مشہور محدث حافظ ابن رجب حنبلی رحمہ اللہ نے جہنم کے احوال سے متعلق عربی زبان میں ایک کتاب تحریر فرمائی تھی، جس کا نام "التخویف من النار والتعریف بحال دارالبوار" اس میں انہوں نے اٹھارہویں باب میں دوزخیوں کے کھانے پینے کا ذکر کیا ہے، جس میں قرآنی آیات کے حوالے بھی ہیں اور نبوی ارشادات بھی ہیں۔

اس میں سورۃ الدخان کی آیت نقل فرمائی جس میں بتایا گیا ہے کہ شجرۃ الزقوم دوزخیوں کا کھانا ہے، گناہ گار اس سے کھائیں گے، یہ مجرمین کا کھانا ہو گا، جو تلچھٹ کی طرح ہو گا، وہ پیٹ میں ایسا کھولے گا جیسے تیز گرم پانی کھولتا ہے۔

سورۃ الصافات کی ایک آیت میں شجرۃ الزقوم کا ذکر ہے، جو دوزخ والوں کا کھانا ہے، اسی طرح سورۃ الواقعہ میں بھی دوزخیوں کے کھانے کے لیے جس درخت کا ذکر ہے وہ زقوم ہے، رحمت دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے زقوم کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ اگر زقوم کا ایک قطرہ اس دنیا میں گرا دیا جائے تو تمام دنیا والوں کی عیش و عشرت تباہ ہو جائے۔ (ترمذی، ابن ماجہ، ابن حبان) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ زقوم کا درخت جہنم کی جڑ سے نکلتا ہے۔ حضرت حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کی جڑ جہنم کے نچلے طبقے میں ہے اور ٹہنیاں جہنم کے تمام طبقات میں پھیلی ہوئی ہیں۔

دوزخ والے لوگ زقوم سے پیٹ بھر کر کھائیں گے، زقوم ان کے پیٹ میں اس طرح کھولے گا، جوش مارے گا جیسے اُبلتا اور کھولتا ہوا پانی جوش مارتا ہے اور کھولتا ہے، زقوم کھانے کے بعد انہیں کھولتا ہوا پانی پلایا جائے گا، یہ پانی وہ پیاسے اونٹ کی طرح پئیں گے، پیاسا اونٹ بھی وہ جسے زیادہ پینے کی بیماری لگ جاتی ہے، جو کبھی سیر نہیں ہوتا، یہاں تک کہ پانی پیتے پیتے وہ مر جاتا ہے، دوزخیوں کی بھی یہی کیفیت ہو گی وہ بھی یہ کھولتا ہوا، ابلتا ہوا پانی پیتے پیتے سیر اب نہیں ہوں گے۔

دوزخیوں کو دوزخ میں جب بھوک لگے گی تو وہ فریاد کریں گے، تو ان کی فریاد رسی زقوم کے

درخت سے کی جائے گی، جب وہ اسے کھائیں گے تو ان کے چہروں کے چمڑے ادھڑ جائیں گے، زقوم کھانے کے بعد ان پر پیاس مسلط کر دی جائے گی، پھر جب ان کی پیاس نہیں بجھے گی تو مزید فریاد کریں گے، اس کے بعد پھر انہیں یہی کھولتا ابلتا ہوا پانی پلایا جائے گا، جب وہ اس اُبلتے اور کھولتے ہوئے پانی کو اپنے منہ کے قریب لے جائیں گے تو اس کی گرمی اور بھاپ کی وجہ سے ان کے چہرے جل جائیں گے، اسے پینے کی وجہ سے ان کے معدوں میں موجود چیزوں کو پگھلا دے گا، ان کو لوہے کے ہتھوڑوں سے ضربیں لگائی جائیں گی، جن سے ان کا ہر عضو اسی وقت گر جائے گا، پھر دوبارہ لوٹا دیا جائے گا، یہ لوگ دوزخ میں موت کو پکارتے رہیں گے۔

دوزخیوں کے کھانے: قرآن کریم کی سورۃ المزمل میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ إِنَّ لَدَيْنَا أَنْكَالًا وَجَحِيمًا (۱۲) وَطَعَامًا ذَا غُصَّةٍ وَعَذَابًا أَلِيمًا (۱۳) المزمل ہمارے ہاں یہاں بیڑیاں اور دوزخ ہے اور گلے میں پھنس جانے والا کھانا اور دردناک عذاب ہے۔

اسی طرح سورۃ الغاشیہ میں ارشاد ہے لَيْسَ لَهُمْ طَعَامٌ إِلَّا مِنْ ضَرِيعٍ (۶) لَا يُسْمِنُ وَلَا يُغْنِي مِنْ جُوعٍ (۷) ان دوزخیوں کو کانٹے دار جھاڑی کے اور کوئی کھانا نصیب نہیں ہو گا، جو کھانے والوں کو موٹا کرے گا اور نہ ہی ان کی بھوک مٹائے گی۔ (سورۃ الغاشیہ) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ طعاما ذا غصہ ایسا کانٹا ہے جو حلق کو چمٹ جائے گا، نیچے اترے گا اور نہ ہی باہر نکلے گا۔

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا يُلْقَى عَلَى أَهْلِ النَّارِ الْجُوعُ فَيَعْدِلُ مَا هُمْ فِيهِ مِنَ الْعَذَابِ فَيَسْتَغِيثُونَ فَيُغَاثُونَ بِطَعَامٍ مِنْ ضَرِيعٍ لاَ يُسْمِنُ وَلاَ يُغْنِي مِنْ جُوعٍ، فَيَسْتَغِيثُونَ بِالطَّعَامِ فَيُغَاثُونَ بِطَعَامٍ ذِي غُصَّةٍ، فَيَذْكُرُونَ أَنَّهُمْ كَانُوا يُجِيزُونَ الغَصَصَ فِي الدُّنْيَا بِالشَّرَابِ فَيَسْتَغِيثُونَ بِالشَّرَابِ فَيُرْفَعُ إِلَيْهِمُ الحَمِيمُ بِكَلاَلِيبِ الحَدِيدِ، فَإِذَا دَنَتْ مِنْ وُجُوهِهِمْ شَوَتْ وُجُوهَهُمْ، فَإِذَا دَخَلَتْ بُطُونَهُمْ قَطَّعَتْ مَا فِي بُطُونِهِمْ (ترمذی)

جہنم والوں پر بھوک کا عذاب مسلط کیا جائے گا، جو ان کے عذاب جہنم کے برابر سخت ہو جائے گا، تو وہ

فریاد کریں گے تو ان کی فریاد کانٹے دار جھاڑی کے کھانے سے کی جائے گی، جو انہیں موٹا کریں گے اور نہ ہی ان کی بھوک کو مٹائے گا، پھر دوبارہ کھانے کی فریاد کریں گے تو طعام ذی غصہ کے ساتھ ان کی فریاد رسی کی جائے گی، تو انہیں یاد آئے گا کہ ہم دنیا میں گلو گیر کھانے کو پانی کے ساتھ نیچے اتارتے تھے تو وہ پانی مانگیں گے تو انہیں لوہے کے کنڈوں میں کھولتا ابلتا ہوا پانی دیا جائے گا، جب وہ پانی ان کے مونہوں کے قریب ہو گا تو ان کے چہروں کو بھون ڈالے گا اور جب ان کے پیٹ میں پہنچے گا تو جو کچھ ان کے پیٹ میں ہو گا اسے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے گا۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی سورۃ الحاقہ میں ارشاد فرمایا کہ فَلَيْسَ لَهُ الْيَوْمَ هَاهُنَا حَمِيمٌ (۳۵) وَلَا طَعَامٌ إِلَّا مِنْ غِسْلِينٍ (۳۶) (الحاقہ) کوئی کھانے کی چیز ان کو نصیب نہیں ہو گی، سوائے دوزخیوں کے دھواں (پیپ) کے یعنی بجز ایک ایسی چیز کے جو کراہت وصورت میں مثل غسلین کے ہو گی جس سے زخم دھوئے گئے ہوں، اس سے مقصد یہ ہے کہ انہیں مرغوب کھانے نہیں ملیں گے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ غسلین کا مفہوم دوزخیوں کی پیپ ہے اور ایک دوسری روایت میں ہے کہ غسلین وہ خون اور پانی ہے جو دوزخیوں کے گوشت سے بہے گا اور یہی انہیں کھانے کے لیے دیا جائے گا۔

حضرت مقاتل رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جب پیپ اور خون جسم سے نکلے گا تو دوزخی اس کی طرف اس کو کھانے کے لیے جلدی سے لپکیں گے، پہلے اس کے کہ اسے آگ نہ کھا جائے، حضرت قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ غِسلِین کھانوں میں سے بدترین کھانا ہو گا، یحییٰ بن سلام کہتے ہیں کہ غِسلِین دوزخیوں کے پیٹ کا دھون ہو گا، حضرت کعب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگر غسلین کا ایک ڈول مشرق میں پھینکا جائے تو اس کی تپش سے مغرب میں رہنے والوں کی کھوپڑیاں ابلنے لگیں۔ (التخویف من النار)

بعض دوزخی تو ایسے ہوں گے جو اپنے ہی گوشت نوچ نوچ کر کھائیں گے، سورۃ الواقعہ میں دوزخیوں کے لیے فرمایا گیا کہ انہیں کھولتا اور ابلتا ہوا پانی پینا پڑے گا، سورۃ محمد میں فرمایا گیا کہ انہیں

کھولتا اور ابلتا ہوا پانی پینے کو دیا جائے گا تو وہ ان کی انتڑیوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے گا، سورۃ نباء میں ارشاد ہے لَا يَذُوقُونَ فِيهَا بَرْدًا وَلَا شَرَابًا (۲۴) إِلَّا حَمِيمًا وَغَسَّاقًا (۲۵) جہنم والے اس جہنم میں کسی قسم کی ٹھنڈک کا مزہ چکھیں گے اور نہ ہی پینے کی چیز کا، جس سے پیاس بجھے سوائے گرم پانی اور پیپ کے۔

یہاں سورۃ ص میں واضح فرمایا گیا کہ یہ کھولتا ابلتا ہوا پانی اور پیپ موجود ہے سو یہ لوگ اسے چکھیں گے اور اس کے علاوہ اور بھی اس قسم کی ناگوار اور موجب آزار طرح طرح کی چیزیں موجود ہیں، سورۃ ابراہیم میں فرمایا کہ وَيُسْقَىٰ مِن مَّاءٍ صَدِيدٍ (۱۶) يَتَجَرَّعُهُ وَلَا يَكَادُ يُسِيغُهُ (ابراھیم) اور اس کو دوزخ میں ایسا پانی پینے کو دیا جائے گا جو کہ پیپ کے اور لہو کے مشابہ ہو گا جس کو غایت تشنگی کی وجہ سے گھونٹ گھونٹ کر کے پیوے گا اور غایت حرارت اور کراہت کی وجہ سے گلے سے آسانی کے ساتھ اتارنے کی کوئی صورت نہ ہو گی۔

سورۃ الکہف میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ وَإِن يَسْتَغِيثُوا يُغَاثُوا بِمَاءٍ كَالْمُهْلِ يَشْوِي الْوُجُوهَ بِئْسَ الشَّرَابُ وَسَاءَتْ مُرْتَفَقًا اور اگر پیاس سے فریاد کریں گے تو ایسے پانی سے ان کی فریاد رسی کی جائے گی جو مکروہ صورت ہونے میں تیل کی تلچھٹ کی طرح ہو گا اور تیز گرم ایسا ہو گا کہ پاس لاتے ہی مونہوں کو بھون ڈالے گا، یہاں تک کہ چہرے کی کھال اتر کر گر پڑے گی کیا ہی برا پانی ہو گا اور دوزخ بھی کیا ہی بری جگہ ہو گی۔ (سورۃ الکہف ۲۹)

علامہ ابن رجب حنبلی رحمہ اللہ نے التخویف من النار میں لکھا کہ دوزخیوں کو پینے کے چار قسم کا پانی ملے گا، ان میں پہلی قسم کھولتا ہوا پانی، دوسری قسم غساق، تیسری قسم صدید، چوتھی قسم تیل کی تلچھٹ جیسا پانی، حضرت ضحاک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ کھولتا ابلتا ہوا پانی جو دوزخ والوں کو پلایا جائے گا یہ تب سے جوش مار رہا ہے جب سے اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا اور اس وقت تک جوش مارتا رہے گا یہاں تک کہ اسے دوزخیوں کو پلایا اور ان کے سروں پر پلٹا جائے۔

ابن زید رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حمیم وہ پانی ہے جو دوزخیوں کی آنکھوں سے جہنم میں نکلے گا اور

حوضوں میں جمع ہو گا یہی ان کو پلایا جائے گا۔ قرآن کریم کی سورۃ رحمٰن میں اللہ تعالیٰ نے اس گرم پانی کے لیے حمیم آن کا لفظ استعمال فرمایا ہے، اس کی وضاحت اور تفسیر کرتے ہوئے حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ وہ چیز جو حرارت میں انتہاء کو پہنچ جائے اس کے بعد حرارت کے بڑھنے کا کوئی امکان نہ ہو تو عرب والے اسے حمیم آن سے تعبیر کرتے تھے، اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں جو من عین آنیہ فرمایا ہے، اس گرم چشمہ کو اللہ تعالیٰ نے اس وقت سے بھڑکایا ہوا ہے، جب سے جہنم کو پیدا فرمایا ہے، اس کی گرمی انتہاء کو پہنچ چکی ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ غساق وہ پیپ ہے جو کافر کی جلد اور گوشت کے درمیان سے بہے گی۔

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ غساق وہ غلیظ پیپ ہے اگر اس کا ایک قطرہ مغرب میں بہایا جائے تو مشرق والوں کو بدبودار کر دے اور اگر مشرق میں بہایا جائے تو وہ مغرب والوں کو بدبودار کر دے۔ حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ غساق وہ پیپ ہے کہ اس کی سخت ٹھنڈک کی وجہ سے اس کے صرف چکھنے کی بھی طاقت نہیں ہو گی۔

جہنم والوں کو صدید پلائی جائے گی، جو آنتوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے جائے پاخانہ سے گزر جائے گی، حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ دوزخ والوں کو پیپ پلائی جائے گی جسے وہ گھونٹ گھونٹ کر کے پئیں گے۔

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ کی ترمذی میں روایت ہے، جو ویسقیٰ من ماء صدید یتجرعہ کی تفسیر کرتی ہے يُقَرَّبُ إِلَيْهِ فيَتَكرّهه، فَإِذَا قُرِّبَ مِنْهُ شَوَى وجهَه وَوَقَعَتْ فروةُ رَأْسِهِ، فَإِذَا شَرِبَهُ قَطَّعَ أَمْعَاءَهُ، يَقُولُ اللهُ تَعَالَى: {وَإِنْ يَسْتَغِيثُوا يُغَاثُوا بِمَاءٍ كَالْمُهْلِ يَشْوِي الْوُجُوهَ بِئْسَ الشَّرَابُ} (تفسیر ابن کثیر)

کافر اسے اپنے منہ کے قریب کرے گا اور اس سے اپنا منہ لگائے گا پس جب اسے قریب لائے گا تو اس کا منہ بھون دیا جائے گا، اور اس کے سر کی کھال گر پڑے گی، پس جب اسے پیئے گا تو اس کی آنتوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے گا، یہاں تک کہ اس کی جائے پائخانہ سے گزر جائے گا، اس کے

متعلق اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں انہیں کھولتا ہوا گرم پانی پلایا جائے گا، جو ان کی انتڑیوں کو ریزہ ریزہ کر دے گا اور یہ بھی اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا اور اگر وہ فریاد کریں گے تو ان کی فریاد اسی پیپ جیسے پانی سے کی جائے گی جو چہروں کو بھون ڈالے گا اور یہ برا پینا ہو گا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جہنم میں پیپ کی کچھ وادیاں ہیں، ان سے پیپ کو کوزوں میں ڈالا جائے گا پھر مونہوں پر پلٹا جائے گا۔ (تخویف من النار) حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا إِنَّ عَلَى اللهِ عَزَّ وَجَلَّ عَهْدًا لِمَنْ يَشْرَبُ الْمُسْكِرَ أَنْ يَسْقِيَهُ مِنْ طِينَةِ الْخَبَالِ قَالُوا: يَا رَسُولَ اللهِ، وَمَا طِينَةُ الْخَبَالِ؟ قَالَ: عَرَقُ أَهْلِ النَّارِ أَوْ عُصَارَةُ أَهْلِ النَّارِ (مسلم)

اللہ تعالیٰ پر (اس کی اپنی مرضی سے) یہ بات لازم ہے اس آدمی کے لیے جو نشہ کی چیزوں کو پیئے گا تو اللہ تعالیٰ اسے طینۃ الخبال سے ضرور پلائیں گے، صحابہ نے پوچھا، یارسول اللہ! یہ طینۃ الخبال کیا چیز ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ دوزخیوں کا پسینہ یا ان کا نچوڑ ہو گا۔

مسلم شریف کی اس روایت میں طینۃ الخبال کے الفاظ آئے ہیں، جب کہ مسند احمد، نسائی، ابن ماجہ اور صحیح ابن حبان میں طینۃ الخبال کی جگہ طینۃ النہر کے الفاظ آئے ہیں، کہ یہ دوزخیوں کی پیپ کی نہر ہے۔

حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مَن مَاتَ وَهوَ مُدمِنُ خَمر، سَقَاهُ اللهُ مِن نَهرِ الغُوطَة، قِيلَ وَمَا نَهرُ الغُوطَة؟ قَالَ نَهر يَخرُجُ مِن فُرُوجِ المُومِسَاتِ، يُؤذِي أَهلَ النَّار نَتن فُرُوجهم

جو آدمی اس حال میں مرا کہ وہ شراب کا عادی تھا، اللہ تعالیٰ اسے نہر الغوطہ سے پلائیں گے، کہا گیا نہر الغوطہ کیا ہے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک نہر ہے جو بدکار عورتوں کی پیشاب گاہوں سے نکلتی ہے، ان کی پیشاب گاہوں کی بدبو دوزخیوں کو تکلیف (اور عذاب میں) مبتلا کر دے گی۔ (التخویف من النار)

حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے فرمان کالمہل یشوی الوجوہ کی تفسیر میں فرمایا کہ یہ زیتون کی تلچھٹ کی طرح ہے، جب کافر اسے اپنے منہ کے قریب کرے گا تو منہ

کی کھال گر پڑے گی، حضرت ضحاک رحمہ اللہ فرماتے ہیں، بیت المال سے تھوڑی سی چاندی کو پگھلایا پھر اہل مسجد کے پاس بھیجا اور فرمایا جو آدمی پسند کرے کہ وہ مہل کو دیکھے تو وہ اسے دیکھ لے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر جہنم سے جلتے ہوئے پانی کا ایک ڈول لیا جائے اور اسے زمین کے درمیان میں رکھ دیا جائے تو اس کی بدبو دار ہوا اور گرمی کی شدت مشرق و مغرب کے درمیان کی سب چیزوں کو تکلیف میں مبتلا کر دے۔

امام اوزاعی رحمہ اللہ نے فرمایا مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ جبریل علیہ السلام نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بتلایا کہ اگر جہنم کی پینے کی کسی چیز سے ایک ڈول زمین کے تمام پانی میں پلٹ دیا جائے تو جو بھی اسے چکھے گا وہ اسے قتل کر ڈالے گا۔

اہل دوزخ کے درمیان دوزخ میں لڑائی

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

هٰذَا فَوْجٌ مُّقْتَحِمٌ مَّعَكُمْ لَا مَرْحَبًا بِهِمْ اِنَّهُمْ صَالُوا النَّارِ {۵۹}قَالُوْا بَلْ اَنْتُمْ لَا مَرْحَبًا بِكُمْ اَنْتُمْ قَدَّمْتُمُوْهُ لَنَا فَبِئْسَ الْقَرَارُ {۶۰}قَالُوْا رَبَّنَا مَنْ قَدَّمَ لَنَا هٰذَا فَزِدْهُ عَذَابًا ضِعْفًا فِي النَّارِ {۶۱}وَقَالُوْا مَا لَنَا لَا نَرٰى رِجَالًا كُنَّا نَعُدُّهُمْ مِّنَ الْاَشْرَارِ {۶۲}اَتَّخَذْنٰهُمْ سِخْرِيًّا اَمْ زَاغَتْ عَنْهُمُ الْاَبْصَارُ {۶۳}اِنَّ ذٰلِكَ لَحَقٌّ تَخَاصُمُ اَهْلِ النَّارِ {۶۴}صٓ

جواب ترجمہ: (جب وہ اپنے پیروکاروں کو آتا دیکھیں گے تو ایک دوسرے سے کہیں گے) یہ ایک اور لشکر ہے جو تمہارے ساتھ گھسا چلا آرہا ہے، پھٹکار ہو ان پر، یہ سب آگ میں جلنے والے ہیں۔ وہ (آنے والے) کہیں گے: نہیں، بلکہ پھٹکار تم پر ہو، تم ہی تو یہ مصیبت ہمارے آگے لائے ہو، اب تو یہی بدترین جگہ ہے جس میں رہنا ہو گا۔ (پھر وہ اللہ تعالیٰ سے کہیں گے کہ) اے ہمارے پروردگار! جو شخص بھی یہ مصیبت ہمارے آگے لایا ہے، اسے دوزخ میں دوگنا عذاب دیجیے۔ اور وہ (ایک دوسرے سے) کہیں گے: کیا بات ہے کہ ہمیں وہ لوگ (یہاں دوزخ میں) نظر نہیں آرہے جنہیں ہم برے

لوگوں میں شمار کرتے تھے؟ کیا ہم نے ان کا (ناحق) مذاق اڑایا تھا، یا انہیں دیکھنے سے نگاہوں کی غلطی لگ رہی ہے؟ یقیناً دوزخیوں کے آپس میں جھگڑنے کی یہ ساری باتیں بالکل سچی ہیں جو ہو کر رہیں گی۔

لغوی تحقیق: **فَوْجٌ**: فوج جماعت اور گروہ کو کہتے ہیں۔ جہنم میں آنے والے مختلف گروہوں کے لیے یہ لفظ استعمال ہوا ہے۔ **لَا مَرْحَبًا بِهِمْ**: مرحباً، رَحُبَ سے مشتق ہے، جس کے معنی کشادگی اور فراخی کے ہیں، یہ عربوں کے ہاں استقبال اور خوش آمدید کے لیے بولا جاتا تھا، یہاں اس کا منفی استعمال ہے، یعنی "ان کے لیے کوئی خوش آمدید نہیں۔

ضِعْفًا: دوگنا یا کئی گنا بڑھا ہوا عذاب۔ پیروکار اپنے گمراہ کرنے والے سرداروں کے لیے عذاب میں اضافے کی درخواست کریں گے۔ **الْأَشْرَارِ**: شَرّ سے مشتق ہے، جس کے معنی برائی اور فساد کے ہیں۔ یہاں مراد وہ لوگ ہیں جنہیں کفار دنیا میں حقیر اور گمراہ سمجھتے تھے، حالانکہ وہ اللہ کے مقرب بندے تھے۔ **سِخْرِيًّا**: تمسخر، مذاق اور استہزاء کے معنی میں آتا ہے، کفار دنیا میں اہلِ ایمان کا مذاق اڑاتے تھے، لیکن قیامت کے دن انہیں اپنی اس روش پر شدید ندامت ہو گی۔

تَخَاصُمُ: باہمی جھگڑا، نزاع اور ایک دوسرے پر الزام عائد کرنا، آیت کے آخر میں اہلِ جہنم کی اسی باہمی مخاصمت کو ایک یقینی اور برحق حقیقت قرار دیا گیا ہے۔

خلاصہ تفسیر: قرآنی اسلوب نگارش کا حسن و جمال ہے کہ وہ جہاں اہل ایمان کے لیے جنت کی بیش بہا نعمتوں کا اظہار کرتا ہے تو ساتھ ہی دوزخیوں کے انجام بد کا بھی عمدہ پیرائے میں ذکر کرتا ہے، فرمایا **هٰذَا فَوْجٌ مُّقْتَحِمٌ مَّعَكُمْ لَا مَرْحَبًا بِهِمْ**: جب یہ سرکش اور باغی طاغی دوزخ میں داخل ہوں گے تو ایک دوسرے کو گالیاں دے رہے ہوں گے، ایک دوسرے کو کہیں گے کہ دوزخ والوں کی ایک جماعت ہے جو تمہارے ساتھ داخل ہو گی، پھر وہ دوسرے انہیں جواب دیں گے ان کے لیے کوئی گنجائش اور مرحبا نہیں ہے اور نہ ہی ان کے لیے کوئی وسعت ہے، نہ ان کا استقبال ہو گا، نہ انہیں کوئی مرحبا کہنے والا ہو گا۔

اِنَّهُمْ صَالُوا النَّارِ: یہ لوگ دوزخ میں داخل ہوں گے۔

قَالُوْا بَلْ اَنْتُمْ لَا مَرْحَبًا بِكُمْ اَنْتُمْ قَدَّمْتُمُوْهُ لَنَا فَبِئْسَ الْقَرَارُ: سرکشوں کے پیروکار واتباع ان سے کہیں گے کہ آج تمہیں کوئی مرحبا نہیں کہا جائے گا، اس لیے کہ تم ہی وہ لوگ ہو جنہوں نے ہمارے لیے دوزخ کی رہائش گاہیں ہمارے آگے بھیجی ہیں، یہ اس لیے ہمارے لیے مقدر ہوا ہے کہ تم نے ہمیں دنیا میں گمراہ کیا تھا، تمہارے بہکانے اور راہ سے ہٹانے کی وجہ سے یہ ہوا ہے، یہ تو بہت ہی برا ٹھکانہ ہے۔

قَالُوْا رَبَّنَا مَنْ قَدَّمَ لَنَا هٰذَا فَزِدْهُ عَذَابًا ضِعْفًا فِي النَّارِ: گمراہوں اور سرکشوں کے یہ پیروکار اللہ کی بارگاہ میں عرض کناں ہوں گے کہ اے ہمارے پروردگار! جنہوں نے ہمیں دنیا میں راہ ہدایت سے ہٹا کر چاہ ضلال میں ڈالا تھا آج ان کے عذاب کو دوزخ میں دگنا کر دے۔

پھر کہیں گے کہ اے باری تعالیٰ جس نے ہمارے لئے یہ مصیبت، یہ عذاب آگے بھیجا، تو اسے دوگنا عذاب کر۔ جیسے فرمان ہے قَالَتْ اُخْرٰىهُمْ لِاُوْلٰىهُمْ رَبَّنَا هٰٓؤُلَآءِ اَضَلُّوْنَا فَاٰتِهِمْ عَذَابًا ضِعْفًا مِّنَ النَّارِ قَالَ لِكُلٍّ ضِعْفٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَعْلَمُوْنَ (الاعراف:۳۸)

یعنی پچھلے پہلوں کے لئے کہیں گے کہ پروردگار انہوں نے ہمیں گمراہ کر دیا تو انہیں آگ کا دگنا عذاب کر، اللہ فرمائے گا ہر ایک کے لئے دگنا ہی ہے لیکن تم نہیں جانتے، یعنی ہر ایک کے لئے ایسا عذاب ہے جس کی انتہا اسی کے لئے ہے۔

وَقَالُوْا مَا لَنَا لَا نَرٰى رِجَالًا كُنَّا نَعُدُّهُمْ مِّنَ الْاَشْرَارِ: مسلمانوں، ایمان والوں، اللہ اور رسول اللہ ﷺ کے پیروکاروں کو دوزخ میں نہ دیکھ کر دوزخ والے چپ نہیں رہیں گے، وہ بھی اپنی زبانوں کو حرکت دیں گے اور کہیں گے کہ ہمیں کیا ہو گیا کہ ہم ان لوگوں کو دوزخ میں نہیں دیکھ رہے جنہیں ہم دنیا میں شریر اور بدبخت شمار کیا کرتے تھے کیا ہماری طرف سے انہیں حقیر جاننا اور ان کے ساتھ ٹھٹھا مذاق کرنا غلطی تھا؟ یا وہ لوگ دوزخ میں ہمارے ساتھ ہی ہیں، اور ہماری نگاہیں ان سے بھٹک گئی ہیں، انہیں دیکھ نہیں پا رہی ہیں؟

چونکہ کفار وہاں مومنوں کو نہ پائیں گے جنہیں اپنے خیال میں بہکا ہوا جانتے تھے تو اس میں ذکر

کریں گے کہ اس کی وجہ کیا ہے؟ ہمیں مسلمان جہنم میں نظر نہیں آتے؟ حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ابو جہل کہے گا کہ بلال عمار صہیب وغیرہ وغیرہ کہاں ہیں؟ وہ تو نظر ہی نہیں آتے غرض ہر کافر یہی کہے گا کہ وہ لوگ جنہیں دنیا میں ہم شریر گنتے تھے وہ آج یہاں نظر نہیں آتے۔

اَتَّخَذْنٰهُمْ سِخْرِيًّا اَمْ زَاغَتْ عَنْهُمُ الْاَبْصَارُ: کیا ہماری ہی غلطی تھی کہ ہم انہیں دنیا میں مذاق میں اڑاتے تھے؟ لیکن نہیں ایسا تو نہ تھا وہ ہوں گے تو جہنم میں ہی لیکن کہیں ادھر ادھر ہوں گے ہماری نگاہ میں نہیں پڑتے۔

اِنَّ ذٰلِكَ لَحَقٌّ تَخَاصُمُ اَهْلِ النَّارِ: پھر فرماتا ہے اے نبی ﷺ جو خبر میں تمہیں دے رہا ہوں کہ جہنمی اسی طرح لڑیں جھگڑیں گے اور آپس میں ایک دوسرے پر لعن طعن کریں گے یہ بالکل سچی واقعی اور ٹھیک خبر ہے جس میں کوئی شک وشبہ نہیں۔

رسول اللہ ﷺ کی دعوت توحید، رب کی صفات کمال

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا مُنْذِرٌ وَّمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّا اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ {٦٥} رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا الْعَزِيْزُ الْغَفَّارُ {٦٦} ص

جواب ترجمہ: آپ فرما دیجیے کہ میں تو صرف ڈرانے والا ہوں اور اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں جو واحد ہے قہار ہے۔ وہ آسمانوں کا اور زمین کا اور جو کچھ ان کے اندر ہے ان سب کا رب ہے، عزیز ہے، غفار ہے۔

خلاصہ تفسیر: اہلِ جنت اور اہلِ جہنم کے انجام، نیز قیامت کے دن کفار کے باہمی جھگڑوں کا ذکر کرنے کے بعد قرآنِ کریم دوبارہ دعوتِ توحید کے بنیادی مضمون کی طرف لوٹتا ہے، اللہ تعالیٰ اپنے نبی ﷺ کو حکم دیتا ہے کہ

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا مُنْذِرٌ: آپ انکار کرنے والوں سے صاف صاف فرما دیں کہ میرا اصل منصب تمہیں اللہ کے عذاب سے خبردار کرنا اور حق کی طرف بلانا ہے، میں اپنی طرف سے کوئی نئی بات پیش نہیں کرتا

بلکہ تمہیں اس حقیقت سے آگاہ کرتا ہوں کہ عبادت، بندگی، اطاعت اور الوہیت کا حق صرف ایک اللہ کو حاصل ہے۔

وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّا اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ: وہ اپنی ذات، صفات اور اختیارات میں یکتا ہے، اس کا کوئی شریک اور ہمسر نہیں، وہ اَلْوَاحِد ہے، یعنی اپنی ذات میں منفرد اور بے مثال اور اَلْقَهَّار ہے، یعنی ایسا غالب اور مقتدر کہ پوری کائنات اس کے حکم کے سامنے سرِ تسلیم خم کیے ہوئے ہے، آسمانوں کی وسعتیں ہوں یا زمین کی مخلوقات، سب اسی کے اقتدار اور تصرف کے تابع ہیں، اس لیے عقل اور انصاف کا تقاضا یہی ہے کہ بندگی بھی اسی ایک رب کے لیے مخصوص کی جائے اور ہر قسم کے شرک اور باطل معبودوں سے اجتناب کیا جائے۔ پھر اللہ تعالیٰ اپنی ربوبیت اور عظمت کی مزید وضاحت کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ

رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا الْعَزِيْزُ الْغَفَّارُ: وہی آسمانوں کا رب، زمین کا رب اور ان دونوں کے درمیان موجود تمام مخلوقات کا پروردگار ہے، پوری کائنات کی تخلیق، تدبیر اور نظامِ حکومت اسی کے قبضۂ قدرت میں ہے، وہ اَلْعَزِيْز ہے، یعنی ایسا زبردست اور غالب کہ کوئی اس کی قدرت کا مقابلہ نہیں کر سکتا اور نہ کوئی اس کے فیصلوں کو روک سکتا ہے، اس کی قوت و حکمت کے سامنے تمام طاقتیں ہیچ ہیں، لیکن اس عظیم قدرت کے ساتھ ساتھ وہ اَلْغَفَّار بھی ہے، یعنی اپنے بندوں کی بار بار توبہ قبول کرنے والا اور ان کے گناہوں کو کثرت سے معاف فرمانے والا، اس طرح ان آیات میں خوف اور امید، جلال اور جمال، قدرت اور رحمت کو ایک ساتھ جمع کر دیا گیا ہے۔

بڑی خبر سے کیا مراد ہے؟

سوال یہ آیات کس بارے میں گفتگو کر رہی ہیں، اس کی وضاحت فرمائی جائے۔

قُلْ هُوَ نَبَؤٌا عَظِيْمٌ {٦٧} اَنْتُمْ عَنْهُ مُعْرِضُوْنَ {٦٨} ص

جواب ترجمہ: آپ فرما دیجیے کہ یہ بڑی خبر ہے۔ جس سے تم منہ موڑے ہوئے ہو۔

خلاصہ تفسیر: نباء عظیم یعنی بڑی خبر کیا ہے؟ اس میں کئی احتمال ہیں ① اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی

عبادت کا مستحق نہیں ہے، وہ واحد ہے اور سب پر غالب ہے، یہ بہت بڑی خبر ہے۔ ② سیدنا محمد ﷺ اللہ کے نبی اور رسول ہیں، یہ بہت بڑی خبر ہے۔ ③ قرآن مجید وحی الٰہی ہے اور یہ معجز کلام ہے، یہ بہت بڑی خبر ہے۔ ④ قیامت برحق ہے، صور پھونکنے کے بعد یہ تمام کائنات فنا ہو جائے گی، پھر دوسرے صور کے بعد سب لوگ زندہ کیے جائیں گے اور اللہ تعالیٰ کے سامنے حساب اور کتاب کے لیے پیش کیے جائیں گے، پھر ہر شخص کو اس کے اعمال کے مطابق جزا اور سزا دی جائے گی، یہ بہت بڑی خبر ہے۔

اس سورت کے شروع میں ان چاروں چیزوں کی خبر دی گئی ہے اور یہ بہت عظیم اور اہم خبر ہے اور کفار مکہ ان خبروں کو نبی ﷺ سے بار بار سننے کے باوجود ان خبروں سے اعراض کرتے تھے، بلکہ ان خبروں کا انکار اور ان کی تکذیب کرتے تھے۔

ان چیزوں کی خبر اس قدر اہم اور اس قدر عظیم ہے کہ اگر ان کا انکار کر دیا جائے تو انسان دنیا میں مذمت اور ملامت کا اور آخرت میں عقاب اور عذاب کا مستحق ہوتا ہے اور اگر ان چیزوں کی تصدیق کرے، ان پر ایمان لے آئے اور ایمان کے تقاضوں پر عمل کرے تو دنیا میں اس کی تعریف کی جاتی ہے اور آخرت میں اللہ اپنے فضل سے اس کو اجر و ثواب عطا فرمائے گا اور جنات الفردوس میں اس کو داخل فرمائے گا۔ اس لیے عقل سلیم یہ واجب کرتی ہے کہ ان کے متعلق سستی اور تساہل سے کام نہ لیا جائے، ان پر کامل غور و فکر کیا جائے اور محض باپ دادا کی اندھی تقلید کی وجہ سے ان کا انکار نہ کیا جائے۔ (تبیان القرآن)

تخلیق آدم علیہ السلام کا علم بذریعہ وحی

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

مَا كَانَ لِيَ مِنْ عِلْمٍ بِالْمَلَإِ الْأَعْلَىٰ إِذْ يَخْتَصِمُونَ {٦٩} إِنْ يُوحَىٰ إِلَيَّ إِلَّا أَنَّمَا أَنَا نَذِيرٌ مُبِينٌ {٧٠} ص

جواب ترجمہ: مجھے ملا اعلیٰ کا کچھ علم نہیں ہے جبکہ وہ آپس میں گفتگو کرتے ہیں۔ میری طرف تو

صرف یہ وحی بھیجی گئی ہے کہ میں واضح طور پر ڈرانے والا ہوں۔

خلاصہ تفسیر: ان آیاتِ کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ کی رسالت کی صداقت پر ایک روشن دلیل بیان فرمائی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے کہ

مَا كَانَ لِيَ مِنْ عِلْمٍ بِالْمَلَإِ الْأَعْلَىٰ إِذْ يَخْتَصِمُونَ: آپ ﷺ ان واقعات کے عینی شاہد نہ تھے جو حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کے وقت عالمِ بالا میں پیش آئے تھے، نہ آپ کو فرشتوں کے باہمی مکالمات اور ان امور کا کوئی ذاتی علم تھا، آپ ﷺ کو ان غیبی حقائق کا علم صرف اس لیے حاصل ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعے آپ کو ان سے آگاہ فرمایا۔

چنانچہ نبی کریم ﷺ کو حکم دیا گیا کہ آپ ان منکرین سے فرما دیں، مجھے ملأِ اعلیٰ (فرشتوں کی جماعت) کے اس باہمی تذکرے اور گفتگو کا کوئی علم نہ تھا جو حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کے موقع پر ہوئی تھی، اگر اللہ تعالیٰ بذریعۂ وحی مجھے اس کی خبر نہ دیتا، یہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ قرآنِ کریم اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کردہ وحی ہے، کیونکہ ایک اُمّی نبی ایسے غیبی اور تاریخی حقائق اپنی طرف سے بیان نہیں کر سکتا۔ اس کے بعد فرمایا،

إِنْ يُوحَىٰ إِلَيَّ إِلَّا أَنَّمَا أَنَا نَذِيرٌ مُبِينٌ: مجھ پر تو صرف یہی وحی کی جاتی ہے کہ میں تمہیں کھلے طور پر اللہ کے عذاب سے ڈرانے والا ہوں، یعنی میری بعثت کا مقصد لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی توحید کی طرف بلانا، شرک و کفر کے انجام سے خبردار کرنا اور آخرت کی جوابدہی سے آگاہ کرنا ہے، میں جو کچھ بیان کرتا ہوں وہ اپنی طرف سے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی وحی کے مطابق بیان کرتا ہوں۔

ہدایات و فوائد: ① انبیائے کرام علیہم السلام غیب کا ذاتی علم نہیں رکھتے، بلکہ جتنا علم اللہ تعالیٰ عطا فرماتا ہے اسی قدر جانتے ہیں۔ ② قرآنِ کریم کی بیان کردہ غیبی خبریں اس کے الہامی اور ربانی ہونے کی واضح دلیل ہیں۔ ③ نبی اکرم ﷺ کی رسالت کی ایک بڑی نشانی یہ ہے کہ آپ نے گزشتہ امتوں اور عالمِ بالا کے ایسے حقائق بیان فرمائے جن تک انسانی ذرائع سے رسائی ممکن نہ تھی۔ ④ انبیائے کرام کا بنیادی فریضہ لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے خبردار کرنا اور انہیں راہِ ہدایت دکھانا ہے۔ ⑤ وحیِ الٰہی ہی

دین کا اصل ماخذ ہے، اس لیے عقائد و احکام میں اسی کی پیروی لازم ہے۔

یہ آیات کفارِ مکہ کے اس شبہے کا ازالہ کرتی ہیں کہ قرآن کسی انسان کا کلام ہے، اور واضح کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کو یہ تمام معلومات براہِ راست وحیِ الٰہی کے ذریعے حاصل ہوئی ہیں، لہٰذا آپ کی دعوت حق اور آپ کا پیغام اللہ رب العزت کی طرف سے نازل کردہ ہے۔

تخلیق آدم علیہ السلام و سرکشی ابلیس

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

اِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّيْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ طِيْنٍ {۷۱} فَاِذَا سَوَّيْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِيْنَ {۷۲} فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ {۷۳} اِلَّآ اِبْلِيْسَ اِسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ {۷۴} قَالَ يٰٓاِبْلِيْسُ مَا مَنَعَكَ اَنْ تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتُ بِيَدَيَّ اَسْتَكْبَرْتَ اَمْ كُنْتَ مِنَ الْعَالِيْنَ {۷۵} قَالَ اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ {۷۶} قَالَ فَاخْرُجْ مِنْهَا فَاِنَّكَ رَجِيْمٌ {۷۷} وَّاِنَّ عَلَيْكَ لَعْنَتِيْٓ اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ {۷۸} قَالَ رَبِّ فَاَنْظِرْنِيْٓ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ {۷۹} قَالَ فَاِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ {۸۰} اِلٰى يَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُوْمِ {۸۱} قَالَ فَبِعِزَّتِكَ لَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ {۸۲} اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ {۸۳} قَالَ فَالْحَقُّ وَالْحَقَّ اَقُوْلُ {۸۴} لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكَ وَمِمَّنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ اَجْمَعِيْنَ {۸۵} صٓ

جواب ترجمہ: جب کہ آپ کے رب نے فرشتوں سے فرمایا کہ بیشک میں کیچڑ سے ایک بشر کو پیدا کرنے والا ہوں۔ سو جب میں اسے پوری طرح بنادوں اور اس میں اپنی روح پھونک دوں تو اس کے لیے سجدہ میں گر پڑنا۔ سو سارے فرشتوں نے سجدہ کیا۔ مگر ابلیس نے نہ کیا اس نے تکبر کیا اور وہ کافروں میں سے تھا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے ابلیس تجھے اس بات سے کس چیز نے روکا تو اسے سجدہ کرے جسے میں نے اپنے ہاتھوں سے پیدا کیا ہے کیا تو نے تکبر کیا یہ کہ تو بڑے درجے والوں میں سے ہے۔ ابلیس نے کہا کہ میں اس سے بہتر ہوں مجھے آپ نے آگ سے اور اسے کیچڑ سے پیدا کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا سو تو یہاں سے نکل جا کیونکہ بلاشبہ تو مردود ہے۔ اور قیامت کے دن تک تجھ پر لعنت ہے۔ ابلیس نے کہا کہ اے میرے رب مجھے اس دن تک مہلت دیجیے جس دن لوگ اٹھائے جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ بیشک وقت معلوم کے دن تک تجھے مہلت دی گئی۔ ایک وقت مقرر تک۔ ابلیس نے کہا سو آپ کی عزت کی قسم میں ان سب کو ضرور گمراہ کروں گا۔ سوائے آپ کے ان بندوں کے جو منتخب ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں سچ کہتا ہوں اور سچ ہی کہا کرتا ہوں۔ میں جہنم کو تجھ سے اور ان سب لوگوں سے ضرور بھر دوں گا جو تیرے پیچھے چلیں گے۔

خلاصہ تفسیر: اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو اس عظیم واقعہ کی یاد دہانی کرائی جو حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کے وقت پیش آیا، اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو خبر دی کہ وہ مٹی سے ایک بشر پیدا کرنے والے ہیں، پھر جب آدم علیہ السلام کی تخلیق مکمل ہو گئی، ان کے جسم کو درست اور متناسب بنایا گیا اور اللہ تعالیٰ نے ان میں روح پھونک دی تو فرشتوں کو حکم دیا گیا کہ وہ تعظیمی سجدہ کریں۔

چنانچہ تمام فرشتوں نے بلا چون و چرا اللہ کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے سجدہ کر لیا، لیکن ابلیس نے تکبر اور غرور کی بنا پر انکار کر دیا، جب اللہ تعالیٰ نے اس سے پوچھا کہ میرے ہاتھوں سے پیدا کیے ہوئے آدم کو سجدہ کرنے سے تجھے کس چیز نے روکا؟ تو اس نے اپنی گمراہی کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ میں آدم سے بہتر ہوں، کیونکہ مجھے آگ سے اور اسے مٹی سے پیدا کیا گیا ہے، اس باطل قیاس اور حکمِ الٰہی کے مقابلے میں تکبر کی وجہ سے وہ مردود قرار پایا اور اللہ تعالیٰ نے اسے اپنی رحمت سے دور کر کے جنت سے نکال دیا۔

اپنی لعنت اور رسوائی کے بعد ابلیس نے اللہ تعالیٰ سے قیامت تک مہلت طلب کی، جو اسے ایک مقررہ وقت تک دے دی گئی، تب اس نے قسم کھا کر اعلان کیا کہ وہ بنی آدم کو گمراہ کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑے گا، البتہ اللہ تعالیٰ کے مخلص بندوں پر اس کا زور نہیں چلے گا، اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے اپنے قطعی اور اٹل فیصلے کا اعلان فرمایا کہ جہنم کو ابلیس اور ان تمام انسانوں سے بھر دیا جائے گا جو اس کی پیروی کرتے ہوئے کفر، نافرمانی اور سرکشی کا راستہ اختیار کریں گے۔

اس واقعہ میں انسانیت کے لیے بڑا سبق ہے کہ تکبر، حسد اور حکمِ الٰہی سے روگردانی انسان کو اللہ کی رحمت سے محروم کر دیتی ہے، جبکہ اخلاص، اطاعت اور بندگی انسان کو شیطان کے فتنوں سے محفوظ رکھتی اور اللہ تعالیٰ کی رضا اور کامیابی کا مستحق بناتی ہے۔

اخلاصِ رسالت، عالمگیر نصیحت، حقانیتِ قرآن

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

قُلْ مَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِيْنَ {۸۶} اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ {۸۷} وَلَتَعْلَمُنَّ نَبَاَهٗ بَعْدَ حِيْنٍ {۸۸} ص

جواب ترجمہ: آپ فرما دیجیے کہ میں تم سے اس پر کوئی معاوضہ طلب نہیں کرتا اور نہ میں تکلف کرنے والوں میں سے ہوں۔ یہ تو صرف جہان والوں کے لیے ایک نصیحت ہے۔ اور کچھ عرصہ کے بعد تم اس کا حال ضرور جان لوگے۔

خلاصہ تفسیر: سورۂ ص کی اختتامی آیات میں اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کی دعوت کے خلوص اور قرآنِ کریم کی عالمگیر حیثیت کو نہایت مؤثر انداز میں بیان فرمایا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے کہ

قُلْ مَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ: آپ ﷺ ان مشرکین سے صاف کہہ دیں کہ میں تمہیں جو نصیحت، ہدایت اور اللہ کا پیغام پہنچا رہا ہوں، اس پر تم سے کسی قسم کے اجر، صلے یا دنیاوی منفعت کا مطالبہ نہیں کرتا، میری دعوت کسی ذاتی غرض، اقتدار، شہرت یا مالی فائدے کے لیے نہیں، بلکہ محض اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل اور اس کی مخلوق کی خیر خواہی کے لیے ہے۔ مزید فرمایا کہ

وَمَآ اَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِيْنَ: میں ان لوگوں میں سے نہیں جو بناوٹ، تصنع اور خود ساختہ باتوں کا سہارا لیتے ہیں، میں جو کچھ بیان کرتا ہوں وہ وحیِ الٰہی پر مبنی ہے، اس میں اپنی طرف سے کوئی اضافہ یا کمی نہیں کرتا، یہ انبیائے کرام علیہم السلام کی ایک نمایاں صفت ہے کہ وہ اللہ کا پیغام پوری امانت اور دیانت کے ساتھ لوگوں تک پہنچاتے ہیں اور اس کے بدلے میں کسی دنیاوی معاوضے کے طلبگار نہیں ہوتے، اس کے بعد قرآنِ کریم کی حقیقت واضح کرتے ہوئے فرمایا کہ

اِنۡ هُوَ اِلَّا ذِكۡرٌ لِّلۡعٰلَمِيۡنَ: یہ کتاب تمام انسانوں اور جنات کے لیے سراسر نصیحت، ہدایت اور یاد دہانی ہے، اس کا پیغام کسی خاص قوم، نسل یا زمانے تک محدود نہیں بلکہ پوری مکلف مخلوق کے لیے ہے، پھر منکرین کو تنبیہ کی گئی کہ

وَلَتَعۡلَمُنَّ نَبَاَهٗ بَعۡدَ حِيۡنٍ: عنقریب انہیں اس قرآن کی خبروں اور اس کے وعدوں کی سچائی معلوم ہو جائے گی، دنیا میں بھی اسلام کی صداقت اور قرآن کی حقانیت کے آثار ظاہر ہوں گے اور موت کے بعد تو ہر شخص اپنی آنکھوں سے آخرت، حساب و کتاب، جنت و جہنم اور قرآن کے بیان کردہ تمام حقائق کو دیکھ لے گا، اس وقت انہیں یقین ہو جائے گا کہ رسول اللہ ﷺ نے جو کچھ بتایا تھا وہ سراسر حق اور سچ تھا۔

سورۂ ص کا یہ اختتام درحقیقت رسالتِ محمدیہ ﷺ کے اخلاص، قرآنِ کریم کی عالمگیریت اور آخرت کی یقینی حقیقت کا جامع اعلان ہے، جو ہر دور کے انسان کو غور و فکر اور حق کی پیروی کی دعوت دیتا ہے۔

الحمدللہ ثم الحمدللہ آج سورۃ ص کے مضامین کی تفسیر مکمل ہوئی ہے، اللہ تعالیٰ اس کاوش کو بلا استحقاق قبول فرمالے اور اسے ہماری نجات کا سامان کر دے، اللہ تعالیٰ اس جدوجہد کو اپنے پیارے نبی حضرت محمد عربی ﷺ کے صدقے قبول و منظور فرمائے، آمین بحرمۃ النبی الکریم و علی آلہ واصحابہ واھل بیتہ وذریاتہ اجمعین

خادم اسلام، محمود الرشید حدوٹی

جامعہ رشیدیہ مناواں لاہور

۱۰ ربیع الاول ۱۴۳۹ھ، بمطابق ۲۹ نومبر ۲۰۱۷ء، ۱۰ بجے شب

اضافات و ترمیمات جدیدہ۔ یکم جون ۲۰۲۶ء بروز پیر، شب ساڑھے گیارہ بجے

حال وارد کاشانہ فقیر، حدوٹ۔ مری

سورۃ الزمر (تعارف)

سوال سورۃ الزمر کا تعارف کروایئے۔

جواب سورۂ الزمر قرآنِ کریم کی انتالیسویں سورت ہے اور جمہور مفسرین کے نزدیک مکی سورت ہے، اس کی آیات کی تعداد میں اختلاف پایا جاتا ہے؛ بعض علماء کے نزدیک یہ ۷۵ آیات پر مشتمل ہے جبکہ بعض نے ۷۲ آیات شمار کی ہیں، یہ سورت مکی دور میں نازل ہوئی، جب توحید، رسالت اور آخرت کے عقائد کو دلائل وبراہین کے ساتھ واضح کیا جارہا تھا، اگرچہ بعض مفسرین نے آیت قُلْ يَا عِبَادِيَ الَّذِينَ أَسْرَفُوا عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ اور اس کے بعد کی چند آیات کو مدنی قرار دیا ہے، تاہم پوری سورت کا عمومی مزاج مکی سورتوں ہی کا ہے۔

وجہِ تسمیہ: اس سورت کا نام الزمر اس میں مذکور اس عظیم منظر کی وجہ سے رکھا گیا ہے جس میں قیامت کے دن لوگوں کو ان کے اعمال کے مطابق گروہ در گروہ (زُمَر) جنت اور جہنم کی طرف لے جانے کا ذکر کیا گیا ہے، اہلِ ایمان عزت واکرام کے ساتھ جنت کی طرف روانہ کیے جائیں گے، جبکہ کفار ومشرکین ذلت ورسوائی کے ساتھ جہنم کی طرف ہانکے جائیں گے، اسی مناسبت سے اس سورت کا نام الزمر رکھا گیا، جو جزاوسزا اور عدلِ الٰہی کے کامل ظہور کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

بعض مفسرین نے اسے "سورۃ الغرف" بھی کہا ہے، کیونکہ اس میں جنت کے ان بلند وبالا محلات اور بالاخانوں کا ذکر ہے جو متقین اور مخلص بندوں کے لیے تیار کیے گئے ہیں۔

اس سورت کا مرکزی مضمون توحیدِ خالص، اخلاصِ عبادت، قیامت، جزاوسزا اور اللہ تعالیٰ کی رحمت ومغفرت ہے، اس میں قرآنِ کریم کی عظمت، اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیاں، انسان کی تخلیق کے مراحل، مؤمن وکافر کے مختلف انجام اور قیامت کے ہولناک وعظیم مناظر نہایت مؤثر انداز میں بیان کیے گئے ہیں، گویا یہ سورت انسان کے آغازِ حیات سے لے کر انجامِ آخرت تک کے احوال کا جامع نقشہ پیش کرتی ہے۔

اہم مضامین: ① اخلاصِ توحید کا جامع بیان: سورت کے آغاز ہی میں اللہ تعالیٰ نے اعلان فرمایا کہ

عبادت، اطاعت، دعا اور بندگی صرف اسی کے لیے خالص ہونی چاہیے اور شرک تمام اعمال کو ضائع کر دیتا ہے۔

② اللہ تعالیٰ کی قدرت کے دلائل: آسمانوں اور زمین کی تخلیق، رات اور دن کے نظام، بارش، نباتات اور انسانی تخلیق کے مختلف مراحل کو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کے دلائل کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔

③ مؤمن اور کافر کا تقابل: سورت میں بار بار یہ حقیقت واضح کی گئی ہے کہ اہلِ ایمان اور اہلِ کفر، فرمانبردار اور نافرمان، علم والے اور جاہل، ہرگز برابر نہیں ہو سکتے۔

④ رحمتِ الٰہی کا عظیم اعلان: آیت قُلْ يَا عِبَادِيَ الَّذِينَ أَسْرَفُوا عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ میں گناہ گاروں کے لیے توبہ اور مغفرت کا دروازہ کھولتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے اپنی بے پایاں رحمت کا اعلان فرمایا، جسے قرآنِ کریم کی سب سے زیادہ امید افزا آیات میں شمار کیا جاتا ہے۔

⑤ نفخِ صور اور قیامت کے مناظر: اس سورت میں صور پھونکے جانے، تمام مخلوقات کے فنا ہونے، دوبارہ زندہ کیے جانے، حساب و کتاب اور اللہ تعالیٰ کی عدالت کے قیام کا نہایت مؤثر نقشہ کھینچا گیا ہے۔

⑥ اہلِ جنت اور اہلِ جہنم کے قافلے: سورت کے اختتام پر جنت اور جہنم کی طرف جانے والے گروہوں کا تفصیلی ذکر ہے، جس سے سورت کے نام "الزمر" کی مناسبت بھی واضح ہوتی ہے۔

فضیلتِ سورت: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ اکثر رات کو سورۂ بنی اسرائیل (الإسراء) اور سورۂ الزمر کی تلاوت فرمایا کرتے تھے، جس سے اس سورت کی اہمیت اور فضیلت کا اندازہ ہوتا ہے۔

مختصراً، سورۂ الزمر توحید، اخلاص، توبہ، رحمتِ الٰہی، قیامت اور جزا و سزا کے مضامین پر مشتمل ایک جامع مکی سورت ہے، جو انسان کو شرک سے بچنے، اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے اور آخرت کی کامیابی کے لیے تیار ہونے کی دعوت دیتی ہے۔

اللہ کی طرف سے نازل کردہ کتاب

سوال ان آیات کی تفسیر کیجیے۔

تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ۝{۱} اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ فَاعْبُدِ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّيْنَ {۲} الزمر

جواب ترجمہ: یہ کتاب اللہ کی طرف سے نازل کی جارہی ہے، جو بڑے اقتدار کا مالک ہے، بہت حکمت والا ہے۔ (اے پیغمبر) بیشک یہ کتاب ہم نے تم پر برحق نازل کی ہے، اس لیے اللہ کی اس طرح عبادت کرو کہ بندگی خالص اسی کے لیے ہو۔

خلاصہ تفسیر: یہ کتاب اللہ تعالیٰ کی طرف سے اتاری ہوئی ہے، اللہ تعالیٰ غالب ہے اور حکمت والا ہے، اس کے غالب ہونے کا تقاضا یہ تھا کہ جو اس کو، اس کی اتاری ہوئی کتاب کو، اس کے بھیجے ہوئے رسولوں کا انکار کرے، انہیں جھٹلائے وہ انہیں سزا دے، مگر چونکہ وہ صرف غالب ہی نہیں ہے بلکہ وہ حکیم بھی ہے، اس کے تمام کام حکمت پر مبنی ہوتے ہیں، وہ جب کسی مجرم کو سزا نہیں دیتا، کسی منکر کا فوری ایکشن نہیں لیتا اور مہلت دیتا رہتا ہے یہ اس کی حکمت کا تقاضا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم نے یہ کتاب آپ کی طرف اتاری ہے، یہ حق اور سچ پر مبنی کتاب ہے، اس میں سچ ہی سچ ہے، اس لیے اس میں جو کچھ کہا جارہا ہے، جو کچھ کہا گیا ہے اس کے مطابق خالص اعتقاد رکھتے ہوئے عبادت کیجیے، اس ارشاد کے اولین مخاطب نبی کریم ﷺ ہیں، پھر ان کے ہمراہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں، اسی طرح ان کے بعد قیامت کی صبح تک آنے والے امتیوں کے لیے یہ پیغام ہے، کہ اچھے اور خالص اعتقاد کے تحت اللہ کی بندگی اور عبادت کرو۔

خالص عبادت سے مراد ایسی عبادت ہے جو ریاکاری سے پاک ہو، جو شرک کی آمیزش سے پاک ہو، جو لوگ کسی مقام پر اللہ کی بندگی زور وشور سے کرتے ہیں اور کسی مقام پر اللہ کی مخلوق کی پوجا پاٹ کرتے ہیں یہ خالص اور مخلص عبادت گزار نہیں ہے اور نہ ہی ان کی عبادت اللہ کی منشاء کے مطابق ہے۔

جن لوگوں نے اللہ کی خالص عبادت چھوڑ کر اس کے سوا دوسرے لوگوں کو شریک ٹھہرا رکھا

ہے وہ مشرک ہیں اور مشرک ایسی پلید اور ناپاک مخلوق ہے اللہ کی طرف سے اس کی کبھی بھی، کسی بھی صورت میں بخشش نہیں ہوتی۔

مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ لفظ دین کے معنیٰ اس جگہ عبادت کے ہیں یا اطاعت کے، جو تمام احکام دینیہ کی پابندی کو عام اور شامل ہے۔ اس کے پہلے جملہ میں رسول اللہ ﷺ کو خطاب کر کے حکم دیا گیا ہے کہ اللہ کی عبادت و اطاعت کو خالص اسی کے لئے کریں جس میں کسی غیر اللہ کے شرک یا ریاء و نمود کا شائبہ نہ ہو۔ دوسرا جملہ اسی کی تاکید کے لئے ہے کہ خالص دین صرف اللہ ہی کے لئے سزاوار ہے۔ اس کے سوا اور کوئی مستحق نہیں۔ (معارف القرآن)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میں بعض اوقات کوئی صدقہ و خیرات کرتا ہوں یا کسی پر احسان کرتا ہوں جس میں میری نیت اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کی بھی ہوتی ہے اور یہ بھی کہ لوگ میری تعریف و ثناء کریں گے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا وَالَّذِی نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِیَدِهٖ لَا یَقْبَلُ اللّٰهُ شَیْئًا شُورِكَ فِیهِ

قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں محمد کی جان ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی ایسی چیز کو قبول نہیں فرماتے، جس میں کسی غیر کو شریک کیا گیا ہو۔ پھر آپ نے آیت مذکورہ بطور استدلال کے تلاوت فرمائی، اَلَا لِلّٰهِ الدِّیْنُ الْخَالِصُ۔ (قرطبی)

انسانی اعمال اللہ کے ہاں اخلاص کی مقدار کے مطابق قبول ہوتے ہیں، قرآن کریم کی بہت سی آیات میں یہ بات موجود ہے کہ اللہ کے ہاں اعمال کو گنا نہیں بلکہ ان کا وزن کیا جائے گا، جن کے اعمال کا وزن بھاری ہو گا وہ کامیاب لوگ ہوں گے، جن کے اعمال کا وزن ہلکا ہو گا وہ ناکام لوگ ہوں گے، جیسے سورۃ القارعہ میں بھی واضح کیا گیا ہے اور اعمال میں وزن خلوص کے ساتھ بنتا ہے، یہاں اللہ تعالیٰ نے مخلصاً کا لفظ استعمال فرمایا ہے، مخلص وہی ہے جو شرک و ریاکاری سے محفوظ رہ کر اللہ کی بندگی کرے، حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس میں بہت ہی احتیاط کرتے تھے کہ کہیں ان کی طرف سے دکھلاوے کا کام نہ ہو جائے۔

مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جو مسلمانوں کی صف اول ہیں ان کے اعمال و ریاضت کی تعداد کچھ زیادہ نظر نہ آئے گی مگر اس کے باوجود ان کا ایک ادنیٰ عمل باقی امت کے بڑے بڑے اعمال سے فائق ہونے کی وجہ ان کا کمال ایمان اور کمال اخلاص ہی تو ہے۔ (معارف القرآن)

علامہ ابن جوزی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ خالص دین وہی ہے جو شرک سے محفوظ ہے، جہاں شرک کی آمیزش ہو گی وہ دین اللہ نہیں ہے جس کا اللہ نے حکم دیا ہے۔ (تفسیر زادالمسیر) وہ فرماتے ہیں کہ مخلصاً منصوب علی الحال ہے، اللہ کا حکم یہ ہے کہ تم اس کی عبادت اس طرح کرو جو شرک سے پاک ہو۔ (زادالمسیر)

اللہ تک رسائی کے لیے واسطے

سوال اس آیت مبارکہ کی تفسیر کیجیے۔

اَلَا لِلّٰهِ الدِّيْنُ الْخَالِصُ ۭ وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَاۗءَ ۘ مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ فِيْ مَا هُمْ فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ مَنْ هُوَ كٰذِبٌ كَفَّارٌ ۝ {۳} الزمر

جواب ترجمہ: یاد رکھو کہ خالص بندگی اللہ ہی کا حق ہے۔ اور جن لوگوں نے اس کے بجائے دوسرے رکھوالے بنا لیے ہیں۔ (یہ کہہ کر کہ) ہم ان کی عبادت صرف اس لیے کرتے ہیں کہ یہ ہمیں اللہ سے قریب کر دیں۔ ان کے درمیان اللہ ان باتوں کا فیصلہ کرے گا جن میں وہ اختلاف کر رہے ہیں۔ یقین رکھو کہ اللہ کسی ایسے شخص کو راستے پر نہیں لاتا جو جھوٹا ہو، کفر پر جما ہوا ہو۔

معبودان باطلہ کو پکارنے والے، ان کی پوجا کرنے والے، ان کو حاجت روا اور مشکل کشا سمجھنے والے ان کی پرستش اس لیے کرتے ہیں کہ یہ لوگ ہمیں ہمارے پروردگار کے قریب کر دیں گے، یعنی ہماری حاجتیں یا ہماری عبادتیں اللہ کی بارگاہ میں پیش کر دیں، جس طرح دنیا میں وزیروں اور بادشاہوں کے درباروں میں سفارشوں سے کام چلایا جاتا ہے،

اللہ تعالیٰ واضح فرما رہے ہیں کہ معبودان باطلہ کی پوجا اور پرستش کرنے والوں اور ایمان والوں

کے درمیان پائے جانے والے اختلافات کا فیصلہ اللہ تعالیٰ بروز محشر کر دیں گے، جو لوگ توحیدی تھے اللہ ان کے لیے فیصلہ فرمائیں گے کہ یہ جنت میں جائیں گے اور جو مشرک ہوں گے ان کے لیے اللہ تعالیٰ فیصلہ فرمائیں گے کہ یہ دوزخ میں جائیں گے، اس لیے اگر یہ اس دنیا میں تسلیم نہیں کرتے تو پریشان ہونے اور تعجب کرنے کی بالکل ضرورت نہیں ہے، روز حساب آنے والا ہے، غلط عقائد اور نظریات پر چلنے والے خود ہی بھگت لیں گے۔

مولانا عاشق الٰہی رحمۃ اللہ لکھتے ہیں کہ خبردار دین خالص اللہ ہی کے لیے (یعنی سب بندوں پر فرض ہے کہ موحد بنے رہیں۔) اس کے بعد مشرکین کی ایک بڑی گمراہی اور ان کے جھوٹے دعوے کا تذکرہ فرمایا اور وہ یہ کہ جن لوگوں نے اللہ کے سوا اولیاء بنا رکھے ہیں۔ یعنی شرکاء تجویز کر رکھے ہیں وہ ان کے بارے میں کہتے ہیں کہ ہم تو ان کی عبادت اس لیے کرتے ہیں کہ یہ ہمیں اللہ کا مقرب بنا دیں گے یعنی ہماری عبادات کو اللہ کے حضور میں پیش کر دیں گے یا ہماری حاجت روائی کے لیے سفارش کر دیں گے۔

بات یہ ہے کہ شیطان بڑا چالاک ہے گمراہ کرنے میں ماہر ہے اس سلسلہ کے داؤ پیچ خوب جانتا ہے جب لوگوں کو شرک پر ڈالا اور حضرات انبیاء کرام علیہم السلام اور ان کے داعیوں نے توحید کی طرف بلایا اور شرک کی برائی بیان کی تو مشرکین کی سمجھ میں کچھ بات آنے لگی لہٰذا شیطان نے انہیں یہ پٹی پڑھا دی کہ تمہارا یہ غیر اللہ کی عبادت کرنا توحید کے خلاف نہیں ہے بلکہ یہ توحید ہی کی ایک صورت ہے اللہ تعالیٰ کے علاوہ جن کی عبادت کرتے ہو یہ اللہ تعالیٰ کے خاص بندے ہیں جب تک کوئی واسطہ نہ ہو تو اللہ تعالیٰ کی ذات عالی تک تم کہاں پہنچ سکتے ہو۔

اللہ کے سوا جن معبودوں کی عبادت کرتے ہو یہ تو وسائط ہیں اللہ تعالیٰ کے ہاں تمہاری سفارش کر دیں گے لہٰذا یہ بھی ایک طرح سے اللہ تعالیٰ ہی کی عبادت ہوئی اور اس کی ذات عالی تک پہنچنے کا ایک ذریعہ ہوا، دیکھو دنیا میں چھوٹے موٹے وزیروں سے کام لینا ہو تو سفارش کی ضرورت پڑتی ہے جب بلاواسطہ مخلوق تک بات نہیں پہنچ سکتی تو خالق تعالیٰ کی ذات عالی تک بلاواسطہ تمہاری پہنچ کیسے

ہو سکتی ہے شیطان کی یہ بات مشرکین کے دلوں میں اتر گئی اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ شرک کو چھوڑو اللہ کی عبادت کرو تو وہ یہی جواب دیتے ہیں کہ ہم تو ان کی عبادت اس لیے کرتے ہیں کہ ہمیں اللہ تعالیٰ تک پہنچا دیں گے۔

جو قومیں فرشتوں کو، جنات کو، بتوں کو، پوجتی ہیں اور ان کے علاوہ جو قبر پرست ہیں، یہی بات کہتے ہیں کہ ہم جو ان کی قبروں کو سجدہ کرتے ہیں اور ان کی نیازیں مانتے ہیں یہ کوئی توحید کے خلاف نہیں یہ قبر والے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سفارش کر کے ہمیں بخشوا دیں گے انہیں شرک بھاتا ہے جو دوزخ میں لے جانے والا ہے اور توحید کی بات بری لگتی ہے اَلَا سَآءَ مَا یَحْکُمُوْنَ اللہ جل شانہٗ نے ارشاد فرمایا اِنَّ اللّٰہَ یَحْکُمُ بَیْنَہُمْ فِیْ مَا ھُمْ فِیْہِ یَخْتَلِفُوْنَ، لوگ جس چیز میں اختلاف کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کے درمیان فیصلہ فرما دے گا، دلائل کے ذریعہ دنیا میں بھی حق اور باطل کا فیصلہ فرما دیا ہے قیامت کے روز عملی طور پر فیصلہ فرما دے گا کہ اہل حق کو جنت میں اور کفر و شرک والوں کو دوزخ میں بھیج دے گا۔ (تفسیر انوار البیان) پھر فرمایا

اِنَّ اللّٰہَ لَا یَھْدِیْ مَنْ ھُوَ کَاذِبٌ کَفَّارٌ: بلاشبہ اللہ اس شخص کو ہدایت نہیں دیتا جو جھوٹا ہو اور کافر ہو، ہدایت کی دو صورتیں ہیں ایک ہدایت کا راستہ بتا دینا وہ تو سبھی کے لیے ہے اور ایک حق قبول کرنے کی حد تک پہنچا دینا یہ ہدایت ان لوگوں کو نہیں ہوتی جن میں عناد ہو اقوال کفریہ اور عقائد کفریہ پر اصرار ہو اور حق کی طلب نہ ہو یہاں وہی ہدایت مراد ہے جسے علمی زبان میں ایصال الی المطلوب سے تعبیر کیا جاتا ہے، (ایضا)

ڈاکٹر غلام مرتضیٰ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ الفاظ پر غور کریں گے تو ہمیں معلوم ہو گا کہ موجودہ زمانے اور اس زمانے میں دی جانے والی دلیلوں میں کوئی فرق نہیں ہے، ہم چونکہ قرآن مجید نہیں پڑھتے، اس لئے ہمیں حقیقت کا علم نہیں ہوتا، قرآن مجید انسان کے اس رویئے کو شرک قرار دے رہا ہے کہ اللہ کی ذات جو سمیع و بصیر ہے، شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے، اس تک رسائی کے لئے تم تو واسطے ڈھونڈتے پھرتے ہو، کیا یہ درمیانی واسطے اللہ سے زیادہ رحیم اور کریم ہیں یا اللہ کے مقابلے

میں تمہاری زیادہ دیکھ بھال کرتے ہیں یا ان کی سفارش کی وجہ سے اللہ رحمان ورحیم بن جائے گا؟

ظاہر ہے، ایسا ہرگز نہیں بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ان واسطوں کو ڈھونڈنا اللہ تعالیٰ کی شان میں گستاخی ہے۔ کیونکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم ان واسطوں کو اللہ سے زیادہ مہربان خیال کرتے ہیں۔ جبکہ حقیقت اس کے برعکس ہے۔

ذرا غور کیجئے کہ اگر کوئی شخص ایسے دو افراد کا تعارف کروائے جو پہلے سے ایک دوسرے کے بہت قریب ہوں یا کوئی شخص باپ کے پاس اس کے بیٹے کی سفارش کرے تو کیا یہ باپ کی توہین نہیں ہے؟ یا باپ کو اپنے فرائض سے غافل ظاہر کرنا نہیں ہے؟

شفاعت کی حقیقت: ہر عقل و شعور رکھنے والا آدمی اس کو غلط قرار دے گا۔ البتہ یہ ہے کہ تربیت و تزکیہ کرنے والے، دین پہنچانے والے نبی کا ایک خاص مقام ہے لیکن وہ بھی معبود نہیں کیونکہ جب اللہ کی عبادت کی بات ہو گی تو براہ راست اللہ کو پکارا جائے گا اور انبیاء بھی یہی سکھاتے ہیں، اس کلام سے یہ غلط فہمی ہرگز نہ ہونی چاہئے کہ یہاں شفاعت کا انکار یا نفی ہو رہی ہے بلکہ شفاعت کی حقیقت بیان ہو رہی ہے کیونکہ شفاعت بھی اللہ کا فیصلہ ہے اور یہ بھی اللہ کا فیصلہ ہے کہ کوئی بھی اس وقت تک شفاعت نہیں کر سکتا جب تک اللہ تعالیٰ کا حکم نہ ہو۔ کیونکہ شفاعت کی وجہ سے شفاعت کرنے والے کو ایک عزت والا مقام دیا جا رہا ہے، یہ ایسے ہی ہے کہ کوئی حکومت یا ادارہ کسی کام کا فیصلہ کر چکے اور اسی دوران میں کسی کی سفارش آجائے تو اس بہانے سفارش کرنے والے کی عزت افزائی کر دی جاتی ہے۔

قیامت میں بھی جو سفارش ہو گی وہ اللہ ہی کا احسان ہے اللہ کا کرم اور رحمت کا نتیجہ ہو گا۔

حدیث شریف میں ایک بات اس قدر حیران کن اور دل خوش کرنے والی ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ انبیاء و صلحاء کی سفارش قبول فرمائیں گے۔ وہ لوگ جن کے دل میں رتی پھر بھی ایمان ہے، ان کی سفارش کوئی نہیں کرے گا۔ اللہ تعالیٰ ان سے پوچھیں گے تمہاری سفارش کوئی نہیں کرتا؟ وہ کہیں گے: اللہ! "ہماری شفاعت کرنے والا کوئی بھی نہیں" اور اب وہ اس انتظار میں ہوں گے کہ انہیں عذاب کے حوالے کر دیا جائے، اللہ رب العزت ان سے فرمائیں گے: "جس کا کوئی نہ ہو، اس کا میں

ہوتا ہوں، میری رحمت تو موجود ہے، میں تمہیں اپنی رحمت سے معاف کرتا ہوں۔ (انوار القرآن)

مولانا ابو الکلام آزاد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ کفار کا عقیدہ تھا کہ خالق اللہ ہی ہے اور وہی اصل معبود ہے لیکن اس کی بارگاہ بہت بلند ہے اور اس تک بلاواسطہ ہماری رسائی نہیں ہو سکتی اس لیے ہم بزرگ ہستیوں کو ذریعہ بناتے ہیں تاکہ یہ ہماری دعائیں اور التجائیں اللہ تک پہنچا دیں یہی بات بالعموم دنیا بھر کے مشرکین کہتے آئے ہیں۔ (تفسیر ترجمان القرآن)

شرکِ اولاد کی تردید، تخلیق کائنات

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

لَوْ اَرَادَ اللّٰهُ اَنْ يَّتَّخِذَ وَلَدًا لَّاصْطَفٰى مِمَّا يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ سُبْحٰنَهٗ هُوَ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ {۴} خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ يُكَوِّرُ الَّيْلَ عَلَى النَّهَارِ وَيُكَوِّرُ النَّهَارَ عَلَى الَّيْلِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ كُلٌّ يَّجْرِيْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى اَلَا هُوَ الْعَزِيْزُ الْغَفَّارُ {۵} الزمر

جواب ترجمہ: اگر اللہ چاہتا کہ کسی کو اولاد بنائے تو جسے چاہتا اپنی مخلوق میں سے منتخب فرما لیتا وہ پاک ہے وہ اللہ ہے، تنہا ہے، زبردست ہے۔ اس نے آسمانوں کو اور زمین کو حق کے ساتھ پیدا فرمایا وہ رات کو دن پر لپیٹتا ہے اور دن کو رات پر لپیٹتا ہے اور اس نے چاند اور سورج کو مسخر فرمایا ہے، ہر ایک وقت مقرر تک جاری ہے، خبردار وہ زبردست ہے بڑا بخشنے والا ہے۔

خلاصہ تفسیر: اللہ تعالیٰ نے اس آیتِ کریمہ میں مشرکین کے اس باطل عقیدے کی سختی سے تردید فرمائی ہے کہ اس کی کوئی اولاد ہے، ارشاد فرمایا کہ

لَوْ اَرَادَ اللّٰهُ اَنْ يَّتَّخِذَ وَلَدًا لَّاصْطَفٰى مِمَّا يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ: اگر بالفرض اللہ تعالیٰ اولاد بنانا چاہتا تو اپنی مخلوق میں سے جسے چاہتا منتخب کر لیتا، لیکن وہ ایسی تمام نسبتوں سے پاک، منزہ اور بلند ہے، اولاد کی حاجت اسی کو ہوتی ہے جو اپنی بقا، مدد یا نسل کے تسلسل کا محتاج ہو، جبکہ اللہ تعالیٰ ازلی و ابدی، بے نیاز اور ہر قسم کی احتیاج سے پاک ہے، لہٰذا اس کے لیے اولاد کا تصور ہی باطل ہے۔ پھر فرمایا کہ

سُبْحٰنَهٗ هُوَ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ: وہ ذات عالی شان ان باتوں سے پاک ہے، جن کی نسبت یہ

باطل عقائد والے لوگ اس کی طرف کرتے ہیں، وہ اپنی ذات، صفات اور افعال میں یکتا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں اور وہی ایسا غالب و قہار ہے جس کے سامنے تمام مخلوقات عاجز اور محکوم ہیں، جب وہ ہر چیز پر کامل اقتدار رکھنے والا اور ہر قسم کی کمزوری سے منزہ ہے تو اس کے لیے اولاد ثابت کرنا اس کی شانِ الوہیت کے منافی ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنی وحدانیت اور قدرت کی چند عظیم نشانیاں بیان فرمائیں۔ ارشاد فرمایا کہ

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ: اس نے آسمانوں اور زمین کو عظیم حکمت اور مصلحت کے ساتھ پیدا کیا ہے، نہ کہ کھیل تماشے یا بے مقصد طور پر، پھر اپنی قدرت کا یہ حیرت انگیز نظام بیان کیا کہ

یُكَوِّرُ الَّیْلَ عَلَى النَّهَارِ وَیُكَوِّرُ النَّهَارَ عَلَى الَّیْلِ: وہ رات کو دن پر اور دن کو رات پر لپیٹ دیتا ہے، ایک آتا ہے تو دوسرا رخصت ہو جاتا ہے اور یوں زمانے کا پورا نظام نہایت نظم و ضبط کے ساتھ چلتا رہتا ہے۔ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ كُلٌّ یَّجْرِیْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى: اسی نے سورج اور چاند کو مسخر کر رکھا ہے، جو اس کے مقرر کردہ قانون کے مطابق اپنے اپنے مدار میں گردش کر رہے ہیں اور ایک معین وقت تک اپنا فریضہ انجام دیتے رہیں گے، یہاں تک کہ دنیا کا مقررہ وقت پورا ہو جائے گا، ان عظیم نشانیوں کے بیان کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنی دو جلیل القدر صفات کا ذکر فرمایا کہ وہ

اَلَا هُوَ الْعَزِیْزُ الْغَفَّارُ: وہ ذات عالی شان العزیز ہے، یعنی کامل غلبہ اور اقتدار کا مالک، جس کے مقابلے میں کوئی طاقت ٹھہر نہیں سکتی اور الغفار ہے، یعنی اپنے ان بندوں کے گناہوں کو کثرت سے معاف فرمانے والا جو سچے دل سے توبہ کر کے اس کی طرف رجوع کرتے ہیں, اس میں بندوں کے لیے یہ پیغام ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی قدرت و عظمت کو پہچانیں، شرک سے بچیں اور اس کی مغفرت کے دروازے سے فائدہ اٹھائیں۔

اللہ تعالیٰ جگہ جگہ اپنی قدرت، کمال، طاقت اور کاریگری کی مثالیں بیان فرما کر انسانوں کو اس طرف متوجہ کرتے ہیں کہ وہ اس عالی ذات سے غافل نہ ہوں، وہ ہمہ وقت ان پر نظر کیے ہوئے ہے، ہمہ وقت بندگان خدا اس کی تخلیقات پر غور و فکر کرتے رہیں۔

انسان و حیوان کی پیدائش

سوال قرآن کریم کی اس آیت مبارکہ کی تفسیر کیجیے۔

خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَاَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ الْاَنْعَامِ ثَمٰنِيَةَ اَزْوَاجٍ يَخْلُقُكُمْ فِيْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ خَلْقًا مِّنْۢ بَعْدِ خَلْقٍ فِيْ ظُلُمٰتٍ ثَلٰثٍ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَاَنّٰى تُصْرَفُوْنَ {٦} الزمر

جواب ترجمہ: اس نے تم سب کو ایک شخص سے پیدا کیا پھر اسی سے اس کا جوڑا بنایا، اور تمہارے لیے مویشیوں میں سے آٹھ جوڑے پیدا کیے وہ تمہاری تخلیق تمہاری ماؤں کے پیٹ میں اس طرح کرتا ہے کہ تین اندھیروں کے درمیان تم بناوٹ کے ایک مرحلے کے بعد دوسرے مرحلے سے گزرتے ہو۔ وہ ہے اللہ جو تمہارا پروردگار ہے۔ ساری بادشاہی اسی کی ہے، اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے۔ پھر بھی تمہارا منہ آخر کوئی کہاں سے موڑ دیتا ہے؟

خلاصہ تفسیر: رب تعالیٰ نے ان آیات میں تخلیق انسانی کا ذکر فرمایا ہے، نفس واحدہ سے پیدائش کا ذکر کیا گیا ہے، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ

خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا: تمہارے رب نے تمہیں آدم علیہ السلام سے پیدا کیا، آدم علیہ السلام کی بائیں پسلی سے حضرت حواء کو باہر نکالا۔

وَاَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ الْاَنْعَامِ ثَمٰنِيَةَ اَزْوَاجٍ: اسی طرح تمہارے جانوروں کی آٹھ اقسام بنائیں، ان میں مذکر بھی ہیں اور مؤنث بھی ہیں، اونٹ بھی ہیں، گائے بھی، دنبے اور بھیڑیں بھی ہیں۔

اور اس نے چوپایوں میں سے تمہارے لیے آٹھ نر اور مادہ اتارے۔ اس آیت میں چوپایوں کے لیے انعام کا لفظ اور عربی میں انعام کا لفظ چار قسم کے جانوروں کے لیے مخصوص ہے ① اونٹ ② بیل ③ دنبہ ④ بکرا اور چار ان کی مادہ ہیں، پس نر اور مادہ مل کر یہ آٹھ جوڑے ہوگئے۔ اس آیت میں فرمایا ہے اس نے تمہارے لیے آٹھ نر اور مادہ نازل کیے ہیں۔

حالانکہ یہ جانور اوپر سے نہیں نازل ہوئے بلکہ زمین پر ہی ان کی پیداوار اور افزائش ہوتی ہے،

اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان سے پانی نازل کیا اور اس پانی سے ہی زمین سے سبزہ اور چارا اگتا ہے جس کو کھانے کی وجہ سے ان جانوروں کی افزائش ہوتی ہے۔

يَخْلُقُكُمْ فِيْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ خَلْقًا مِّنْۢ بَعْدِ خَلْقٍ فِيْ ظُلُمٰتٍ ثَلٰثٍ: وہ تمہیں تمہاری ماں کے پیٹ میں تین اندھیروں کے اندر عدم سے وجود میں لاتا ہے۔ وہ تمہاری ماؤں کے پیٹ میں تمہاری تخلیق فرماتا ہے، ایک تخلیق کے بعد دوسری تخلیق، تین تاریکیوں میں، اللہ تعالیٰ نے ماں کے پیٹ میں انسان کی بتدریج تخلیق کی ہے، پہلے انسان کے نطفہ کو جما ہوا خون بناتا ہے، پھر اس کو گوشت کی بوٹی بنا دیتا ہے، پھر اس میں ہڈیاں پہنا دی جاتی ہیں، پھر اس میں روح پھونک دی جاتی ہے۔

نیز فرمایا، یہ تخلیق تین تاریکیوں میں ہوتی ہے، ایک تاریکی پیٹ کی ہوتی ہے، دوسری تاریکی رحم کی ہوتی ہے اور تیسری تاریکی اس جھلی کی ہوتی ہے جس میں بچہ لپٹا ہوا ہوتا ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ایک تاریکی صلب (پیٹھ) کی ہو، دوسری تاریکی پیٹ کی ہو اور تیسری تاریکی رحم کی ہو۔

ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ: یہی اللہ ہے جو تمہارا رب ہے، اسی کی سلطنت ہے، اس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے، گویا کہ اللہ تعالیٰ یوں فرماتا ہے: جس نے تم کو پیدا کیا اور تم کو حسین و جمیل صورت دی اور تم پر انواع و اقسام کی ظاہری اور باطنی نعمتیں نازل کیں اور تم کو اپنی توحید کی دعوت دی اور تم کو یہ بشارت دی کہ اگر تم نے میری اطاعت اور عبادت کی تو میں تم کو جنت عطا کروں گا اور جنت میں تمہیں میری رضا اور میرا دیدار حاصل ہو گا، پھر کیا وجہ ہے تم میری بشارت پر کان نہیں دھرتے اور میری دعوت قبول نہیں کرتے۔

فَاَنّٰى تُصْرَفُوْنَ: سو تم کہاں بھٹک رہے ہو، تم کو بتا دیا ہے کہ ساری کائنات میری ہی سلطنت ہے اور میرا ہی تصرف ہے، میرے سامنے سب عاجز اور مجبور ہیں، قادر اور قہار میں ہی ہوں، پھر تم جن بتوں کے آگے ہاتھ پھیلا رہے ہو، جن سے مدد طلب کرتے ہو اور مرادیں مانگتے ہو، وہ سب بے جان اجسام ہیں، تو تم کہاں بھٹک رہے ہو، اللہ ہی خالق اور مالک ہے، اس کا حق ہے کہ اس کی عبادت کی جائے، تم اس کی عبادت کو چھوڑ کر کس کی پرستش کر رہے ہو۔ (تبیان القرآن)

اللہ کی بے نیازی، شکر کی اہمیت

سوال اس آیت کریمہ کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

اِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنْكُمْ وَلَا يَرْضٰى لِعِبَادِهِ الْكُفْرَ وَاِنْ تَشْكُرُوْا يَرْضَهُ لَكُمْ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ مَّرْجِعُكُمْ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ {۷} الزمر

جواب ترجمہ: اگر تم کفر کرو سو بلاشبہ اللہ تم سے بے نیاز ہے۔ اور وہ اپنے بندوں کے لیے کفر کو پسند نہیں فرماتا اور اگر تم شکر کرو تو وہ اس کو تمہارے لیے پسند فرماتا ہے اور کوئی بوجھ اٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا پھر تمہیں اپنے رب کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ سو وہ تمہیں تمہارے سب اعمال جتادے گا بلاشبہ وہ سینوں کی باتوں کا جاننے والا ہے۔

خلاصہ تفسیر: اس آیتِ کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے انسان کو اس کے ایمان و کفر کے حقیقی انجام سے آگاہ کرتے ہوئے اپنی کامل بے نیازی اور بندوں کی ذمہ داری کو واضح فرمایا ہے، ارشاد ہوتا ہے کہ

اِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنْكُمْ: اگر لوگ کفر اختیار کریں اور اپنے رب کی نعمتوں کا انکار کریں تو اس سے اللہ تعالیٰ کو کوئی نقصان نہیں پہنچتا، کیونکہ وہ اپنی ذات میں بے نیاز ہے اور کسی کے ایمان کا محتاج نہیں، بندوں کا ایمان و اطاعت خود انہی کے فائدے کے لیے ہے، جبکہ کفر و نافرمانی کا وبال بھی انہی پر لوٹتا ہے۔ اگرچہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اختیار عطا فرمایا ہے، لیکن

وَلَا يَرْضٰى لِعِبَادِهِ الْكُفْرَ: وہ اپنے بندوں کے لیے کفر کو پسند نہیں کرتا اور نہ ہی اس کا حکم دیتا ہے، کیونکہ وہ ہر قسم کی بے حیائی، برائی اور گمراہی سے پاک ہے۔ علامہ قرطبی رحمہ اللہ نے اس آیت کے ذیل میں ایک نہایت اہم اعتقادی مسئلہ بیان فرمایا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے یعنی اگر تم کفر کرو تو اللہ تعالیٰ تم سے بے نیاز ہے اور وہ اپنے بندوں کے لیے کفر کو پسند نہیں کرتا، اس سے معلوم ہوا کہ کفر اللہ تعالیٰ کی محبوب اور پسندیدہ چیز نہیں، بلکہ وہ اپنے بندوں کے لیے ایمان، اطاعت اور شکر کو پسند فرماتا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور سدی رحمہ اللہ کے نزدیک یہاں عِبَادِهٖ سے مراد خاص طور پر مومن

بندے ہیں، یعنی اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندوں کے لیے کفر کو پسند نہیں کرتا، قرآنِ کریم میں بعض مقامات پر عِبَادِی کا لفظ خصوصی طور پر اہلِ ایمان کے لیے استعمال ہوا ہے، جیسے :إِنَّ عِبَادِي لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطَانٌ اور عَيْنًا يَشْرَبُ بِهَا عِبَادُ اللّٰهِ تاہم جمہور مفسرین کے نزدیک آیت کا مفہوم عام ہے، یعنی اللہ تعالیٰ کسی بھی بندے کے لیے کفر کو پسند نہیں کرتا، کیونکہ اس نے تمام انسانوں کو ایمان اور ہدایت کی دعوت دی ہے۔

ارادہ اور رضا میں فرق: علامہ قرطبی رحمہ اللہ نے اس مقام پر اہلِ سنت والجماعت کے ایک بنیادی عقیدے کی وضاحت بھی فرمائی ہے اور وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کی ارادہ (مشیت) اور رضا (پسندیدگی) دو الگ صفات ہیں، بعض لوگوں نے یہ سمجھا کہ جس چیز کو اللہ تعالیٰ چاہتا ہے، لازماً اسے پسند بھی کرتا ہے، لیکن اہلِ سنت کے نزدیک یہ ضروری نہیں۔

اس کی وضاحت یہ ہے کہ دنیا میں جو کچھ واقع ہوتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی مشیت اور ارادے کے بغیر نہیں ہو سکتا، اس لیے کافر کا کفر بھی اللہ تعالیٰ کے علم اور مشیت کے تحت واقع ہوتا ہے، لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ اللہ تعالیٰ کفر کو پسند کرتا ہے یا اس سے محبت رکھتا ہے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ابلیس کو پیدا کیا، حالانکہ وہ ابلیس کے کفر، سرکشی اور نافرمانی سے راضی نہیں، اسی طرح کفر کا وقوع اللہ تعالیٰ کی مشیتِ کونیہ کے تحت ہوتا ہے، مگر وہ شرعاً اور دینی اعتبار سے کفر کو ناپسند کرتا ہے اور بندوں کو اس سے منع فرماتا ہے۔

لہٰذا آیت کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کفر کو پسند نہیں کرتا، نہ اس سے محبت رکھتا ہے اور نہ اس کا حکم دیتا ہے، لیکن اپنی حکمتِ کاملہ کے تحت اس کے وقوع کو ہونے دیتا ہے تاکہ آزمائش، اختیار، جزا و سزا اور عدلِ الٰہی کے تقاضے پورے ہوں، یہی اہلِ سنت والجماعت کا معتدل اور متوازن عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مشیت ہر چیز کو محیط ہے، لیکن اس کی رضا صرف ایمان، اطاعت اور نیکی کے ساتھ وابستہ ہے۔

وَإِنْ تَشْكُرُوا يَرْضَهُ لَكُمْ: اس کے برعکس اگر بندے اس کی نعمتوں کا شکر ادا کریں، اس پر ایمان لائیں اور اس کی اطاعت اختیار کریں تو اللہ تعالیٰ ان کے اس طرزِ عمل سے راضی ہوتا ہے اور انہیں

بہترین اجر و ثواب عطا فرماتا ہے۔ اس آیت میں ایک عظیم اصولِ عدل بھی بیان کیا گیا ہے کہ

وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی: کوئی شخص دوسرے کے گناہوں کا بوجھ نہیں اٹھائے گا، بلکہ ہر انسان اپنے اعمال کا خود ذمہ دار ہو گا، قیامت کے دن نہ باپ اولاد کے کام آئے گا اور نہ اولاد باپ کے گناہوں کی ذمہ داری سنبھالے گی، بلکہ ہر نفس اپنے کیے کا حساب دے گا۔ پھر فرمایا کہ

ثُمَّ اِلٰی رَبِّكُمْ مَّرْجِعُكُمْ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ: سب کو اپنے رب ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے، جہاں اللہ تعالیٰ انسان کے تمام اعمال، اقوال اور احوال سے آگاہ کرے گا اور کامل انصاف کے ساتھ جزا و سزا عطا فرمائے گا۔

اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ: چونکہ وہ دلوں کے پوشیدہ رازوں تک کو جانتا ہے، اس لیے کوئی نیت، ارادہ یا عمل اس سے مخفی نہیں رہ سکتا۔

اس آیت میں ایمان، شکر، انفرادی جواب دہی اور علمِ الٰہی کے ایسے بنیادی عقائد بیان ہوئے ہیں جو انسان کو اپنی اصلاح، اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور آخرت کی تیاری کی طرف متوجہ کرتے ہیں۔

سختی میں اللہ کو پکارنا، راحت میں بھلا دینا

سوال اس آیت کریمہ کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

وَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ ضُرٌّ دَعَا رَبَّهٗ مُنِيْبًا اِلَيْهِ ثُمَّ اِذَا خَوَّلَهٗ نِعْمَةً مِّنْهُ نَسِيَ مَا كَانَ يَدْعُوْٓا اِلَيْهِ مِنْ قَبْلُ وَجَعَلَ لِلّٰهِ اَنْدَادًا لِّيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ قُلْ تَمَتَّعْ بِكُفْرِكَ قَلِيْلًا اِنَّكَ مِنْ اَصْحٰبِ النَّارِ ﴿۸﴾ اَمَّنْ هُوَ قَانِتٌ اٰنَآءَ الَّيْلِ سَاجِدًا وَّقَآئِمًا يَّحْذَرُ الْاٰخِرَةَ وَيَرْجُوْا رَحْمَةَ رَبِّهٖ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ اِنَّمَا يَتَذَكَّرُ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿۹﴾ الزمر

جواب ترجمہ: اور انسان کو جب کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو اپنے رب کو پکارنے لگتا ہے اس کی طرف متوجہ ہو کر، پھر جب وہ اسے اپنی طرف سے کوئی نعمت عطا فرما دیتا ہے تو وہ اس بات کو بھول جاتا ہے جس کے لیے پہلے پکار رہا تھا اور اللہ کے لیے شریک تجویز کرنے لگتا ہے تاکہ اس کی راہ سے گمراہ

کرے، آپ فرما دیجیے کہ تو اپنے کفر کے ذریعہ تھوڑا سا نفع حاصل کرلے بلاشبہ تو دوزخ والوں میں سے ہے۔ کیا وہ شخص جو رات کے اوقات میں عبادت میں لگا ہوا ہوتا ہے حالت سجدہ میں اور حالت قیام میں آخرت سے ڈرتا ہے اور اپنے رب کی رحمت کا امیدوار ہے، آپ فرما دیجیے کیا وہ لوگ برابر ہیں جو جاننے والے ہیں اور جو جاننے والے نہیں ہیں۔ عقل والے ہی نصیحت حاصل کرتے ہیں۔

خلاصہ تفسیر: ان آیاتِ کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے انسان کی ایک کمزوری اور کافر کے متضاد طرزِ عمل کو بیان فرمایا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے کہ

وَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ ضُرٌّ دَعَا رَبَّهٗ مُنِيْبًا اِلَيْهِ: جب کسی کافر کو بیماری، تنگ دستی، خوف، مصیبت یا کسی اور پریشانی کا سامنا ہوتا ہے تو وہ تمام سہاروں سے مایوس ہو کر اپنے رب ہی کو پکارتا ہے اور نہایت عاجزی کے ساتھ اسی سے فریاد کرتا ہے کہ وہ اس کی تکلیف دور فرما دے، اس وقت اسے یقین ہوتا ہے کہ حقیقی مددگار صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے۔

ثُمَّ اِذَا خَوَّلَهٗ نِعْمَةً مِّنْهُ نَسِيَ مَا كَانَ يَدْعُوْٓا اِلَيْهِ مِنْ قَبْلُ: لیکن جب اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اس کی مصیبت دور کر دیتا ہے اور اسے راحت، آسائش اور نعمت عطا فرما دیتا ہے تو وہ اسی رب کو بھول جاتا ہے جسے مصیبت کے وقت پکار رہا تھا،

وَجَعَلَ لِلّٰهِ اَنْدَادًا لِّيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ: پھر اللہ تعالیٰ کے ساتھ دوسروں کو شریک ٹھہرانا شروع کر دیتا ہے اور اپنے شرک و گمراہی کے ذریعے دوسروں کو بھی راہِ حق سے ہٹانے کا سبب بنتا ہے، ایسے شخص کے بارے میں نبی کریم ﷺ کو حکم دیا گیا کہ

قُلْ تَمَتَّعْ بِكُفْرِكَ قَلِيْلًا: اسے کہہ دیجیے: اپنے کفر اور سرکشی سے چند روزہ زندگی کا لطف اٹھالو، کیونکہ یہ دنیاوی مہلت بہت مختصر ہے، آخرکار تمہیں جہنم کا سامنا کرنا ہوگا جہاں تم ہمیشہ رہنے والوں میں شامل ہوگے، اس کے بعد قرآنِ کریم ایک نہایت بلیغ انداز میں دو متضاد کرداروں کا تقابل پیش کرتا ہے۔

اَمَّنْ هُوَ قَانِتٌ اٰنَآءَ الَّيْلِ سَاجِدًا وَّقَآئِمًا يَّحْذَرُ الْاٰخِرَةَ وَيَرْجُوْا رَحْمَةَ رَبِّهٖ: ایک طرف وہ شخص ہے جو رات کے اوقات میں اپنے رب کی عبادت میں مشغول رہتا ہے، کبھی سجدے میں گرا ہوتا

ہے اور کبھی قیام میں کھڑا اپنے پروردگار کے حضور مناجات کر رہا ہوتا ہے، اس کے دل میں آخرت کے عذاب کا خوف بھی ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی رحمت کی امید بھی، یہی خوف و رجاء اس کی عبادت میں اخلاص، استقامت اور خشوع پیدا کرتے ہیں، دوسری طرف وہ شخص ہے جو صرف مصیبت کے وقت اللہ کو یاد کرتا ہے، لیکن راحت و خوش حالی میں کفر، غفلت اور شرک کا راستہ اختیار کر لیتا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ دونوں برابر نہیں ہو سکتے، اسی مناسبت سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا

قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ: کیا جاننے والے اور نہ جاننے والے برابر ہو سکتے ہیں؟ یعنی وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کی معرفت رکھتے ہیں، اس کے احکام کو سمجھتے ہیں، آخرت کی حقیقت پر یقین رکھتے ہیں اور علم کے تقاضوں کے مطابق عمل کرتے ہیں، وہ ان لوگوں کے برابر نہیں ہو سکتے جو جہالت، غفلت اور خواہشاتِ نفس کی پیروی میں زندگی گزار دیتے ہیں۔

اِنَّمَا يَتَذَكَّرُ اُولُوا الْاَلْبَابِ: اس حقیقت کو وہی لوگ سمجھتے ہیں جو صحیح عقل اور سلیم فطرت رکھتے ہیں۔ آیتِ کریمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حقیقی علم وہ ہے جو انسان کو اللہ تعالیٰ کی معرفت، عبادت اور آخرت کی فکر عطا کرے، اور یہی علم انسان کو دنیا و آخرت کی کامیابی سے ہمکنار کرتا ہے۔

تقویٰ، اخلاص اور صبر کی عظیم بشارت

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

قُلْ يٰعِبَادِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوْا رَبَّكُمْ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةٌ وَاَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةٌ اِنَّمَا يُوَفَّى الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ {۱۰} قُلْ اِنِّيْٓ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّيْنَ {۱۱} وَاُمِرْتُ لِاَنْ اَكُوْنَ اَوَّلَ الْمُسْلِمِيْنَ {۱۲} قُلْ اِنِّيْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَيْتُ رَبِّيْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ {۱۳} قُلِ اللّٰهَ اَعْبُدُ مُخْلِصًا لَّهٗ دِيْنِيْ {۱۴} فَاعْبُدُوْا مَا شِئْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ قُلْ اِنَّ الْخٰسِرِيْنَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَاَهْلِيْهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَلَا ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ {۱۵} لَهُمْ مِّنْ فَوْقِهِمْ ظُلَلٌ مِّنَ النَّارِ وَمِنْ تَحْتِهِمْ ظُلَلٌ ذٰلِكَ يُخَوِّفُ اللّٰهُ بِهٖ عِبَادَهٗ يٰعِبَادِ فَاتَّقُوْنِ {۱۶} وَالَّذِيْنَ اجْتَنَبُوا الطَّاغُوْتَ اَنْ

يَّعْبُدُوْهَا وَاَنَابُوْٓا اِلَى اللّٰهِ لَهُمُ الْبُشْرٰى ۚ فَبَشِّرْ عِبَادِ {۱۷} الَّذِيْنَ يَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَهٗ ۭ اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ هَدٰىهُمُ اللّٰهُ وَاُولٰۗىِٕكَ هُمْ اُولُوا الْاَلْبَابِ {۱۸} اَفَمَنْ حَقَّ عَلَيْهِ كَلِمَةُ الْعَذَابِ ۭ اَفَاَنْتَ تُنْقِذُ مَنْ فِي النَّارِ {۱۹} لٰكِنِ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ لَهُمْ غُرَفٌ مِّنْ فَوْقِهَا غُرَفٌ مَّبْنِيَّةٌ ۙ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۭ وَعْدَ اللّٰهِ ۭ لَا يُخْلِفُ اللّٰهُ الْمِيْعَادَ {۲۰} الزمر

جواب ترجمہ: آپ فرما دیجیے کہ اے میرے بندو جو ایمان لائے اپنے رب سے ڈرو، یہی بات ہے کہ جن لوگوں نے اس دنیا میں اچھے کام کیے اچھا بدلہ ہے اور اللہ کی زمین فراخ ہے، صبر کرنے والوں کو ان کا پورا اجر بغیر احساب کے دیا جائے گا۔ آپ فرما دیجیے کہ بلاشبہ مجھے حکم دیا گیا کہ اس طرح اللہ کی عبادت کروں اسی کے لیے خالص ہو۔ اور مجھے حکم ہوا کہ میں سب سے پہلا مسلمان ہوں۔ کہہ دیجئے کہ میں گناہ کروں تو مجھے بڑے سخت دن کے عذاب کا خوف ہے۔ آپ فرما دیجیے کہ بیشک میں اللہ ہی کی عبادت کرتا ہوں، اس طرح سے کہ میری عبادت اسی کے لیے خالص ہے۔ سو اسے چھوڑ کر تم جس کی چاہو عبادت کرو، آپ فرما دیجیے کہ بلاشبہ نقصان میں پڑنے والے وہی لوگ ہیں جو قیامت کے دن اپنی جانوں سے اور اپنے اہل و عیال سے خسارہ میں پڑ گئے خبر دار یہ صریح خسارہ ہے۔ ان کے لیے ان کے اوپر سے آگ کے شعلے ہوں گے اور ان کے نیچے سے بھی شعلے ہوں گے، یہ وہ بات ہے جس سے اللہ اپنے بندوں کو ڈراتا ہے، اے میرے بندو سو تم مجھ سے ڈرو۔ اور جن لوگوں نے اس بات سے پرہیز کیا کہ شیطان کی عبادت کریں اور وہ اللہ کی طرف متوجہ ہوئے ان کے لیے خوشخبری ہے۔ سو آپ میرے ان بندوں کو خوشخبری سنا دیجیے۔ جو اس کلام کو کان لگا کر سنتے ہیں پھر اس کی اچھی اچھی باتوں کا اتباع کرتے ہیں، یہ وہ لوگ ہیں جنہیں اللہ نے ہدایت دی اور یہی وہ لوگ ہیں جو عقل والے ہیں۔ سو جس شخص کے بارے میں عذاب کی بات طے ہو چکی ہے کیا آپ اسے چھڑا لیں گے جو دوزخ میں ہے۔ لیکن جو لوگ اپنے رب سے ڈرے ان کے لیے بالا خانے بنے ہوئے ہیں ان کے نیچے نہریں جاری ہوں گی۔ یہ اللہ نے وعدہ فرمایا ہے، اللہ وعدہ خلافی نہیں فرماتا۔

خلاصہ تفسیر: ان آیاتِ کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے اہلِ ایمان کو تقویٰ، اخلاص اور صبر کی تلقین کرتے ہوئے ان کے لیے دنیا و آخرت کی کامیابی کی بشارت بیان فرمائی ہے، نبی کریم ﷺ کو حکم دیا گیا کہ مومن بندوں سے فرمادیں کہ اپنے رب سے ڈرتے رہو، اس کے احکام کی پیروی کرو اور اس کی نافرمانی سے بچو، جو لوگ دنیا میں ایمان اور عملِ صالح کے ساتھ حسنِ عمل اختیار کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ انہیں دنیا میں بھی اپنی نعمتوں، مدد، عزت، صحت اور اطمینانِ قلب سے نوازتا ہے اور آخرت میں جنت کی ابدی نعمتیں عطا فرماتا ہے، ساتھ ہی یہ حقیقت بھی بیان کی گئی کہ اللہ کی زمین وسیع ہے، لہٰذا اگر کسی مقام پر دین پر عمل کرنا دشوار ہو جائے تو اللہ کی رضا کے لیے ہجرت اختیار کی جاسکتی ہے، پھر صبر کی عظمت بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ صبر کرنے والوں کو قیامت کے دن ایسا بے حساب اجر عطا کیا جائے گا جس کی کوئی حد اور انتہا نہیں ہو گی۔

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ کو اپنی دعوت کے بنیادی اصول کا اعلان کرنے کا حکم دیا گیا کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے خالص اسی کی عبادت کرنے اور مکمل اخلاص کے ساتھ اس کے سامنے سرِ تسلیم خم کرنے کا حکم دیا ہے اور میں اس امت میں سب سے پہلے اللہ کے حکم کے سامنے جھکنے والا ہوں، مزید فرمایا کہ اگر میں اپنے رب کی نافرمانی کروں تو مجھے بھی قیامت کے عظیم دن کے عذاب کا خوف ہے، چنانچہ آپ ﷺ نے واضح کر دیا کہ میری عبادت، اطاعت اور بندگی صرف اللہ وحدہٗ لاشریک لہٗ کے لیے ہے، اس کے مقابلے میں مشرکین کو تنبیہ کے انداز میں کہا گیا کہ اگر تم اپنی ضد پر قائم رہنا چاہتے ہو تو اللہ کے سوا جس کی چاہو عبادت کرتے رہو، لیکن یاد رکھو کہ حقیقی خسارے میں وہ لوگ ہوں گے جو قیامت کے دن اپنی جانوں اور اپنے اہل و عیال دونوں کو کھو بیٹھیں گے، یہی کھلا اور ناقابلِ تردید نقصان ہے جس کے بعد کوئی کامیابی باقی نہیں رہتی۔

اہلِ باطل کا انجام اور اہلِ حق کی کامیابی: ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے مجرموں اور متقین کے انجام کا نہایت مؤثر تقابل بھی پیش فرمایا ہے، کفار و مشرکین کے بارے میں بتایا گیا کہ جہنم کی آگ ہر طرف سے انہیں گھیر لے گی، ان کے اوپر بھی آگ کے شعلے ہوں گے اور نیچے بھی اور یہی وہ ہولناک عذاب

ہے جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو گناہوں اور سرکشی سے ڈراتا ہے تاکہ وہ تقویٰ اختیار کریں، اس کے مقابلے میں ان خوش نصیب لوگوں کا ذکر کیا گیا جنہوں نے طاغوت، بتوں اور ہر باطل معبود کی عبادت سے اجتناب کیا اور خالص توبہ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کر لیا، ایسے لوگوں کے لیے موت کے وقت، عالمِ برزخ میں اور قیامت کے دن جنت کی خوش خبری ہے۔

پھر اہلِ عقل و بصیرت کی ایک نمایاں صفت بیان کی گئی کہ وہ بات کو غور سے سنتے ہیں، حق و باطل اور اچھے اور برے میں تمیز کرتے ہیں، اور جو بات سب سے بہتر اور اللہ کی رضا کے مطابق ہوتی ہے اس کی پیروی کرتے ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے ہدایت عطا فرمائی ہے اور یہی حقیقی عقل والے ہیں۔ اس کے بعد فرمایا کہ جس شخص پر اس کے مسلسل کفر و عناد کی وجہ سے عذاب کا فیصلہ نافذ ہو چکا ہو، اسے ہدایت دینا کسی انسان کے اختیار میں نہیں، حتیٰ کہ رسول اللہ ﷺ بھی ایسے شخص کو جہنم سے نہیں بچا سکتے۔ البتہ وہ لوگ جو تقویٰ اختیار کرتے ہیں، ان کے لیے جنت میں بلند و بالا محلات اور درجات ہوں گے، جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی، یہ اللہ تعالیٰ کا پکا وعدہ ہے، اور اللہ تعالیٰ کبھی اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرتا۔

یوں یہ آیات اخلاص، تقویٰ، صبر، حق کی پیروی اور ہدایت کے راستے پر استقامت اختیار کرنے والوں کے لیے عظیم بشارت اور اہلِ کفر و سرکشی کے لیے سخت تنبیہ پر مشتمل ہیں۔

بارش، نباتات اور زندگی کی ناپائیداری میں عبرت

سوال اس آیت کریمہ کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَسَلَكَهٗ يَنَابِيْعَ فِي الْاَرْضِ ثُمَّ يُخْرِجُ بِهٖ زَرْعًا مُّخْتَلِفًا اَلْوَانُهٗ ثُمَّ يَهِيْجُ فَتَرٰىهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ يَجْعَلُهٗ حُطَامًا ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰى لِاُولِي الْاَلْبَابِ {۲۱} الزمر

جواب ترجمہ: کیا تو نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے آسمان سے پانی نازل فرمایا پھر اس کو زمین کی سوتوں میں داخل کر دیا پھر اس کے ذریعہ کھیتیاں نکالتا ہے جن کی قسمیں مختلف ہیں پھر وہ کھیتی خشک ہو جاتی

ہے سو تو اسے دیکھتا ہے پیلے زرد رنگ کی حالت میں پھر وہ اسے چورا چورا بنا دیتا ہے، بلاشبہ اس میں عقل والوں کے لیے نصیحت ہے۔

خلاصہ تفسیر: اس آیتِ کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرتِ کاملہ اور حکمتِ بالغہ کی ایک عظیم نشانی بیان کرتے ہوئے انسان کو غور و فکر کی دعوت دی ہے۔ ارشاد فرمایا کہ کیا تم نہیں دیکھتے کہ اللہ تعالیٰ آسمان سے بارش نازل فرماتا ہے، پھر اس پانی کو زمین کے اندر چشموں، نہروں اور مختلف آبی راستوں میں جاری کر دیتا ہے۔

اسی پانی کے ذریعے وہ طرح طرح کی کھیتیاں، فصلیں اور نباتات پیدا فرماتا ہے جو رنگ، شکل، ذائقے اور فوائد کے اعتبار سے ایک دوسرے سے مختلف ہوتی ہیں، ایک ہی پانی سے سیر اب ہونے کے باوجود ان کی رنگارنگی اور تنوع اللہ تعالیٰ کی بے مثال قدرت اور صنعت کا روشن ثبوت ہے۔

پھر یہی سرسبز و شاداب کھیتیاں وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ خشک ہونے لگتی ہیں، ان کی تازگی اور شگفتگی ماند پڑ جاتی ہے، یہاں تک کہ وہ زرد رنگ اختیار کر لیتی ہیں اور آخر کار خشک ہو کر ریزہ ریزہ اور بھوسہ بن جاتی ہیں۔

یہ منظر صرف کھیتیوں اور پودوں کی کیفیت بیان کرنے کے لیے نہیں، بلکہ انسانی زندگی کی حقیقت کو سمجھانے کے لیے بھی پیش کیا گیا ہے، جس طرح زمین بارش سے زندہ ہو کر سرسبز ہو جاتی ہے اور پھر ایک وقت آتا ہے کہ اس کی رونق ختم ہو جاتی ہے، اسی طرح انسان بھی طفولیت، جوانی اور قوت کے مراحل طے کرنے کے بعد بڑھاپے اور موت کی منزل سے دوچار ہوتا ہے۔

لہٰذا دنیا کی چمک دمک، حسن و جمال اور عارضی نعمتوں پر مغرور نہیں ہونا چاہیے، کیونکہ ان کا انجام فنا اور زوال ہے، اس کے برعکس وہ اعمال باقی رہنے والے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے انجام دیے جائیں، اسی لیے آیت کے آخر میں فرمایا کہ ان نشانیوں میں اہلِ عقل اور صاحبانِ بصیرت کے لیے بڑی نصیحت اور عبرت ہے، وہ ان مناظر میں اللہ تعالیٰ کی قدرت، دنیا کی بے ثباتی اور آخرت کی دائمی زندگی کا سبق حاصل کرتے ہیں اور اپنی زندگی کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے مطابق ڈھالنے کی کوشش کرتے ہیں۔

دولت اسلام

سوال اس آیت مبارکہ کی تفسیر کیجیے

اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ فَهُوَ عَلٰى نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ فَوَيْلٌ لِّلْقٰسِيَةِ قُلُوْبُهُمْ مِّنْ ذِكْرِ اللّٰهِ ؕ اُولٰٓئِكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ {۲۲} (الزمر)

جواب ترجمہ: بھلا کیا وہ شخص جس کا سینہ اللہ نے اسلام کے لیے کھول دیا ہے، جس کے نتیجے میں وہ اپنے پروردگار کی عطا کی ہوئی روشنی میں آچکا ہے، (سنگ دلوں کے برابر ہو سکتا ہے؟) ہاں، بربادی ان کی ہے جن کے دل اللہ کے ذکر سے سخت ہو چکے ہیں۔ یہ لوگ کھلی گمراہی میں پڑے ہوئے ہیں۔

خلاصہ تفسیر: شرح صدر کا مفہوم: شرح کے لفظی معنی کھولنے، پھیلانے اور وسیع کرنے کے ہیں۔ شرح صدر وسعت قلب کو کہتے ہیں، اس کا مقابل ضیق صدر بھی ہے اور قساوتِ قلب بھی۔ قرآن کریم میں ایک اور جگہ يَجْعَلْ صَدْرَهٗ ضَيِّقًا حَرَجًا اور اس جگہ لِلْقٰسِيَةِ قُلُوْبُهُمْ اسی شرح صدر کے بالمقابل آیا ہے۔ (تفسیر روح القرآن)

امام تفسیر حضرت مجاہد رحمہ اللہ سے آیت أَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ رحمہ اللہ نے فرمایا کہ لَيْسَ الْمَشْرُوحُ صَدْرُهٗ كَالْقَاسِيَةِ قُلُوْبُهُمْ سو جس شخص کا سینہ اللہ نے اسلام کو قبول کرنے کے لئے کھول دیا ہو یعنی جس کا سینہ کھول دیا گیا وہ ان لوگوں کی طرح نہیں ہوتا جن کے دل سخت ہوں۔ (در منثور)

حضرت قتادہ رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ أَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ فَهُوَ عَلٰى نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ سو جس شخص کا سینہ اللہ نے اسلام کو قبول کرنے کے لئے کھول دیا ہو جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ اپنے رب کے عطا کردہ نور پر ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یارسول اللہ! کیا یہ سینہ کھل جاتا ہے؟ فرمایا: ہاں! اصحاب نے عرض کیا، اس کی کوئی نشانی ہے۔ فرمایا ہاں، التَّجَافِي عَنْ دَارِ الْغُرُورِ وَالْإِنَابَةُ إِلَى دَارِ الْخُلُودِ وَالْإِسْتِعْدَادُ لِلْمَوْتِ قَبْلَ نُزُولِ الْمَوْتِ دھوکے کے گھر یعنی دنیا سے اعراض کرنا اور ہمیشہ کے گھر کی طرف رجوع کرنا اور موت سے پہلے موت کی تیاری کرنا۔ (در منثور)

حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے جب یہ آیت تلاوت فرمائی تو ہم نے آپ سے شرح صدر کا مطلب پوچھا، آپ نے فرمایا کہ جب نور ایمان انسان کے قلب میں داخل ہوتا ہے تو اس کا قلب وسیع ہو جاتا ہے (جس سے احکامِ الٰہیہ کا سمجھنا اور عمل کرنا اس کے لیے آسان ہو جاتا ہے)۔ ہم نے عرض کیا اس شرح صدر کی علامت کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: اَلْاِنَابَةُ اِلٰی دَارِ الْخُلُوْدِ وَالتَّجَافِیْ عَنْ دَارِ الْغُرُوْرِ وَالتَّأَهُّبِ لِلْمَوْتِ قَبْلَ نُزُوْلِهٖ ہمیشہ رہنے والے گھر کی طرف راغب اور مائل ہونا اور دھوکے کے گھر یعنی دنیا کے لذائذ اور زینت سے دور رہنا اور موت کے آنے سے پہلے اس کی تیاری کرنا۔ (در منثور)

حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے کہا یا نبی اللہ! ایمان والوں میں سے کون عقلمند ہے؟ فرمایا، اَكْثَرُهُمْ ذِكْرًا لِلْمَوْتِ وَأَحْسَنُهُمْ لَهُ اسْتِعْدَادًا وَإِذَا دَخَلَ النُّوْرُ فِي الْقَلْبِ اِنْفَسَحَ وَاسْتَوْسَعَ ان میں اکثر موت کو یاد کرنے والا ہے اور اس کی اچھی طرح تیاری کرنے والا اور جب نور دل میں دخل ہوتا ہے تو وہ چوڑا ہو جاتا ہے اور کشادہ ہو جاتا ہے۔

صحابہ نے عرض کیا، یا نبی اللہ! اس کی نشانیاں کیا ہیں؟ نبی کریم ﷺ نے فرمایا، اَلْاِنَابَةُ اِلٰی دَارِ الْخُلُوْدِ وَالتَّجَافِیْ عَنْ دَارِ الْغُرُوْرِ وَالْاِسْتِعْدَادُ لِلْمَوْتِ قَبْلَ نُزُوْلِ الْمَوْتِ (نوادر الاصول حکیم ترمذی) ہمیشہ کے رہنے والے گھر کی طرف رجوع کرنا اور دھوکہ والے گھر سے اعراض کرنا اور موت کی تیاری کرنا موت کے نازل ہونے سے پہلے۔

موت دنیا کا آخری کام ہے، دانا اور عقل مند وہ ہے جو اپنے انجام کو دیکھے، بے وقوف اور نادان وہ ہے جو اپنی شہوات کے ان پردوں کے باعث جو اس کے دل کے آگے ہوتے ہیں اس سے آنکھیں بند کر لیتا ہے، آنکھیں موند لیتا ہے، جو اس انجام سے اسے بے پرواہ کر دیتی ہیں، اور اس کے پاس تمنائیں اور آرزوئیں جھوٹے موٹے وعدے لے کر آتی ہیں، جو اسے گناہ میں مبتلا کرتی ہیں اور کہتی ہیں کہ گناہ کر لے پھر توبہ کر لینا، شہوات نفسانی اس کے پاس آتی ہیں اور اسے کہتی ہیں کہ مجھے اپنی طرف لے لو پھر توبہ استغفار کر لینا، اللہ گناہ گاروں کو بخشنے والا ہے، توبہ کرنے والوں کا دوست ہے۔

یہی چیزیں وہ کثیف پردے ہیں جو اس کے انجام اور آخر کار سے آگے رکاوٹ ہیں، جو اسے انجام نہیں دیکھنے دیتے، اور دانا اور عقل مند وہ ہے جو نگاہ رب العالمین سے سعادت پا گیا، جسے اہل توحید کے نور سے کچھ زیادہ دیا جاتا ہے، یہ نور یقین ہے، یہ نور ایسا نور ہے جو ان پردوں، ان دھوئیں کے مرغولوں اور شہوات کے باعث دل میں پیدا ہونے والے اندھیروں کو پاش پاش کر دیتا ہے۔

جب دھویں کے مرغولے رک جاتے ہیں، اندھیرے پاش پاش ہو جاتے ہیں تو دل چمک اٹھتا ہے، اس کے بعد وہ اپنے انجام کار کو دیکھتا ہے، انجام کو دیکھنا ہی شہوتوں کی لذت کو کاٹ ڈالتا ہے، جو اس کے اور اس کی تمناؤں اور آرزؤں کے درمیان حائل ہو جاتی ہیں، حالانکہ اس کی عمر چند محدود سانس ہیں، جب یہ گنتی کے سانس اختتام پذیر ہو جاتے ہیں تو انسان کو ایک بڑا خطرہ دامن گیر ہو جاتا ہے، اسے پتا نہیں ہوتا کہ کب اس پر موت اتر آئے گی؟

جب موت آجاتی ہے تو انسان اس دھوکے کے گھر سے کوچ کرتا ہے، جس میں اسے دھوکہ دیا گیا، اسے ان دھوکوں نے گناہوں کی دلدل میں پھنسایا تھا، گناہوں کی برائیوں میں مبتلا کیا تھا، کہ اس کے پاس توبہ کی طرف جانے اور اللہ کی طرف رجوع کرنے کی مہلت تک نہیں تھی، موت انہیں اللہ کی بارگاہ میں اس طرح پیش کر دیتی ہے جس طرح بھگوڑے غلام کو پیش کیا جاتا ہے، اللہ نے انہیں دنیا میں مہلت دی تھی، اور ان کے ساتھ حلیمی کا معاملہ کیا تھا، یہ لوگ اس کی حلیمی اور کریمی سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنے لیے ایسے ایسے فیصلے کرتے تھے جنہیں وہ دنیا میں چاہتے تھے۔

حالانکہ یہ لوگ ایسی جگہ پر پیش کیے جائیں گے جسے پسند نہیں کرتے تھے، انہیں ایسی ہستی کی بارگاہ میں پیش ہونا جو ان کے بھگوڑے پن کے بارے میں فیصلہ کرے گی، یہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش ہوں گے جو ان کا سچا مالک اور آقا ہے، اسی کا حکم چلتا ہے، وہ جلد حساب لینے والی ذات ہے، اس لیے دانا اور عقل مند وہ شخص ہے جو اس نور اور روشنی کے ساتھ دیکھتا ہے جو اسے اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائی ہے۔

وہ اس نور الٰہی سے دیکھتا ہے کہ موت ہر اس لذت کو کاٹ ڈالے گی جو اس کے اور توبہ کے درمیان رکاوٹ ہے، یوں اس کا دل ٹوٹ جاتا ہے، اس کا نفس مرجھا جاتا ہے، اس کی شہوت کی آگ

بجھ جاتی ہے، اس کی آرزؤں کے گہرے بادل چھٹ جاتے ہیں، پھر وہ اپنے ہر گناہ سے توبہ کی تیاری میں مصروف ہو جاتا ہے، وہ اپنی سیاکاریوں کی معذرت کرنے کے لیے کمربستہ ہو جاتا ہے، وہ ہر برائی کی جگہ اچھائی اختیار کرتا ہے، وہ توبہ استغفار کرتا ہے تاکہ وہ اس کی نیکیاں، اس کی اچھائیاں اس کے گناہوں کے لیے پردہ اور آڑ بن جائیں، اور توبہ اس کی خطاؤں کو مٹاڈالے۔

آپ ﷺ کے فرمان گرامی کی تفسیر بھی یہی ہے جس میں آپ نے فرمایا کہ ان میں سب سے بڑا دانا اور عقل مند وہی ہے جو ان میں سے موت کو زیادہ یاد کرتا ہے اور اس کے لیے تیاری کے لحاظ سے اچھا ہے، موت کی تیاری کا مطلب یہی ہے کہ وہ اس طرح نافرمانیوں سے، گناہوں سے، سرکشیوں سے اپنے کو بچائے کہ اسے مہلت طلب نہ کرنا پڑے، کہ جب اللہ کا حکم اچانک اس کے پاس آجائے اور اللہ کی دعوت آن پہنچے تو وہ دہائی دینے لگے کہ مجھے توبہ کرنے کی مہلت دی جائے، مجھے استغفار کی مہلت درکار ہے، تاکہ میں توبہ کروں اور اپنے کاموں کو درست کرلوں۔

موت کی بہترین تیاری یہ ہے کہ انسان اللہ سے ملاقات کی تیاری کرے، اس کی بارگاہ میں پیش ہونے کی تیاری کرے، اس کے سامنے پیش کرنے کے لیے اعمال کو تیار رکھے، اس لیے کہ جب اسے معلوم ہے کہ موت آئے گی، تو اس کا دل اللہ کی ملاقات کے لیے خوشی محسوس کررہا ہو، اس کی روح اس کی اطاعت کی وجہ سے خوش ہو، اس کا نفس خواہشات اور آرزؤں سے بچنے کی وجہ سے خوش ہو۔

یہ اہل یقین کی صفات ہیں جن کے بارے میں فرمایا گیا کہ جب انہیں فرشتے موت دیں گے تو یہ لوگ خوش ہوں گے، فرشتے انہیں سلام کہیں گے اور کہیں گے کہ تم جنت میں داخل ہو جاؤ۔ اللہ کی طرف سے فرشتے انہیں سلام کہیں گے اور اللہ کی طرف سے انہیں اس طرح جنت میں جانے کی خوشخبری دیں گے کہ کسی جگہ حساب کتاب کے لیے ٹھہرنے کا نہیں کہیں گے۔

جب کہ کچھ لوگ ایسے ہوں گے جن کو پلصراط پر بھی مسائل کا سامنا کرنا پڑے گا، انہیں جنت کے دروازے پر بھی ٹھہرنا پڑے گا، انہیں حساب کتاب سے بھی گزرنا پڑے گا، انہیں دوزخ میں جلنا بھی پڑے گا، انہیں قیامت کی ہولناکی کا بھی سامنا کرنا پڑے گا۔

مولانا محمد اسلم صدیقی رحمہ اللہ اس آیت میں شرح صدر کا مفہوم بیان کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ شرح صدر کے مفہوم کے ذکر کے بعد اب ہم آیت کی وضاحت کرتے ہیں۔ سب سے پہلی چیز جس کی طرف توجہ دینا پر ضروری ہے وہ یہ ہے کہ اس آیت کا اسلوب استفہامیہ ہے، اسی لیے اسے حرف استفہام سے شروع کیا گیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ یہاں پروردگار نے قرآن کریم کے مخاطبوں کے سامنے ایک سوال رکھا ہے جس کے پہلے جز کو ذکر فرما دیا ہے اور دوسرا جز سننے والوں کی ذہانت پر چھوڑ دیا ہے۔

یعنی وہ شخص جسے اللہ تعالیٰ نے شرح صدر عطا فرمایا یعنی اسلام کے لیے اس کے دل کی کیفیت اس طرح کی ہو گئی ہے کہ اس کے دل میں اسلام کی کسی بات کے بارے میں کوئی خلجان یا تذبذب یا شک و شبہ پیدا نہیں ہوتا۔ اسے قرآن و سنت کی ہر بات اپنے دل کی آواز معلوم ہوتی ہے۔ شرعی تقاضے اسے طبعی تقاضے معلوم ہوتے ہیں اور اسلام کی راہ میں پیش آنے والا ہر خطرہ اور نقصان اس کے لیے ایک جانی پہچانی چیز بن جاتا ہے۔ بڑے سے بڑے خطرے کو انگیخت کرنا اور برداشت کرنا اس کے لیے نہایت سہل ہو جاتا ہے، وہ ہر آنے والی مشکل کو اللہ تعالیٰ کی یاد کا ذریعہ اور اپنی بندگی کے لیے چیلنج سمجھتا ہے۔

لیکن اس کے مقابلے میں دوسرا شخص وہ ہے جسے اسلام کی ہر بات اجنبی معلوم ہوتی ہے۔ اسے اللہ اور اس کے رسول کے ہر حکم کے بارے میں شبہات لاحق ہوتے ہیں، وہ اسلامی احکام کو اپنے لیے ناروا پابندیاں سمجھتا ہے۔ تو کیا یہ دونوں شخص برابر ہو سکتے ہیں؟ یقیناً نہیں ہو سکتے۔ اب یہ دوسرا شخص کبھی تو اسلام کے بارے میں دل کی تنگی کا شکار ہوتا ہے یعنی اس کے دل کے اندر اسلامی احکام اتر نہیں پاتے۔ اور کبھی وہ دل کی نرمی سے محروم ہو کر اس طرح کا ہو جاتا ہے کہ اس کے پہلو میں دل نہیں بلکہ پتھر ہے جو نہ کسی بات پر پسیجتا ہے اور نہ کسی دلیل سے قائل ہوتا ہے، ایسے پتھر دلوں کے بارے میں فرمایا کہ ان کے لیے ہلاکت اور بربادی ہے، کہ جب اللہ تعالیٰ کا ذکر ان کے سامنے ہوتا ہے تو بجائے اس کے کہ ان کے دلوں میں فرحت و انبساط پیدا ہو اور وہ شوق سے اس کی طرف بڑھیں، ان کی کیفیت یہ ہوتی ہے کہ جیسے کسی چٹان سے کوئی چیز ٹکرا کے واپس آجائے۔

ارشاد فرمایا، کہ یہی وہ لوگ ہیں جو کھلی گمراہی میں ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ قریش پر تعریض کی جارہی ہے کہ ان پر چونکہ آنحضرت ﷺ کی کوئی بات اثر نہیں کررہی تو اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے پہلو میں دل نہیں بلکہ پتھر ہے۔ اور آنحضرت ﷺ کو تسلی دی جارہی ہے کہ وحی الٰہی بارش کی مانند ہے۔ بارش برستی ہے تو جس زمین میں صلاحیت ہوتی ہے وہ اس سے مستفید ہوتی ہے اور لہلہا اٹھتی ہے لیکن جو بنجر ہوتی ہے اس کی ویرانی میں کوئی کمی نہیں آتی۔ ان کے کفر اور انکار سے آپ کو پریشان نہیں ہونا چاہیے یہ اپنی فطری صلاحیتیں کھو چکے ہیں اس لیے یہ آپ اور قرآن کے فیض سے محروم ہی رہیں گے۔ (تفسیر روح القرآن)

قرآن کریم کے اوصاف و کمالات

سوال اس آیت مبارکہ کی تفسیر کیجیے۔

اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ كِتٰبًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِيَ ۖ تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُوْدُ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ثُمَّ تَلِيْنُ جُلُوْدُهُمْ وَقُلُوْبُهُمْ اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ يَهْدِيْ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ {۲۳} الزمر

جواب ترجمہ: اللہ نے بڑا اچھا کلام نازل فرمایا جو ایسی کتاب ہے جس کی باتیں آپس میں ملتی جلتی ہیں جو بار بار دہرائی جاتی ہیں، اس سے ان لوگوں کے بدن کانپ اٹھتے ہیں جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں، پھر ان کے بدن اور دل نرم ہو کر اللہ کی طرف متوجہ ہوتے ہیں، یہ اللہ کی ہدایت ہے اس کے ذریعہ وہ جسے چاہے ہدایت دیتا ہے اور اللہ جسے گمراہ کرے اسے کوئی ہدایت دینے والا نہیں۔

اللہ تعالیٰ وہ ذات ہے جس نے یہ بہترین کلام نازل کیا ہے، جسے قرآن کریم اور فرقان حمید کہا جاتا ہے، یہ ایسی عجیب کتاب ہے جس کی باتیں آپس میں ملتی جلتی ہیں، اس کے احکامات آپس میں یگانگت رکھتے ہیں، ان میں باہمی کوئی اختلاف نہیں ہے، اس میں قصص اور احکام بیان کیے جاتے ہیں، اس میں دلائل اور براہین کے دریا موجزن اور متلاطم ہیں، اس میں ایسا رعب و جلال ہے کہ سننے والے کے رونگھٹے کھڑے کردیتا ہے۔

جو لوگ اپنے پروردگار سے ڈرتے ہیں وہ جب اسے سنتے ہیں تو ان کی چمڑیوں میں اضطراب پیدا ہو جاتا ہے، اس لیے کہ اس میں ترہیب اور وعیدات کا بیان ہے، اس کلام ربانی میں جہاں ترہیب و وعیدات ہیں وہاں خوشخبریاں اور بشارتیں ہیں ان خوش بخت، بلند اختر لوگوں کے لیے جو اس کلام ربانی سے اثر لیتے ہیں، اس کی سنہری اور روشن تعلیمات کو حرز جاں بناتے ہیں۔

قرآن کریم میں یہ اثر انگیزی ہے کہ اسے سن کر، اسے پڑھ کر انسانی دل پسیج جاتے ہیں، دلوں میں نرمی اور گداز پیدا ہوتا ہے، قرآن کریم کا یہ تاثر اللہ کی طرف سے اس کے بندوں کے لیے ہدایت کا سامان ہے، اور یہی قرآن وہ کلام ہے جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ اپنی منشا اور مرضی کے مطابق جسے چاہتے ہیں ہدایت کی دولت سے مالا مال کر دیتے ہیں، اور ازروئے حدیث یہی وہ کلام ہے جس کے ذریعے اللہ بہت سے لوگوں کو اوج ثریا تک پہنچاتا ہے اور بہت سے لوگوں کو اوج ثریا سے ذلت کی کھائیوں میں اتار پھینکتا ہے، یہ سزا انہیں ان کے کفر و عناد کی وجہ سے ملتی ہے، جب یہ اس قدر قعر مذلت میں گر جاتے ہیں تو پھر انہیں ہدایت دینے والا بھی کوئی نہیں ہوتا اور انہیں توفیق بھی نہیں ملتی۔

شیخ ابو محمد عبد الحق تفسیر حقانی کے مصنف لکھتے ہیں کہ قرآن مجید کو جو سب کلاموں سے عمدہ ہے، اس کو اللہ نے نازل کیا ہے۔ کلام میں ایک شان ہوتی ہے جو خود بتلا دیا کرتی ہے کہ یہ کس کا کلام ہے، اسی لیے یہ مقولہ مشہور ہے۔ کلام الملوک ملوک الکلام۔

اب قرآن مجید کو بغور دیکھو کہ وہ کیا بتلاتا ہے۔ کلام میں دو حسن ہوا کرتے ہیں، ایک ظاہری وہ کیا فصاحت و بلاغت جو طبائع بشریہ کو اپنے مقناطیسی جذب سے اپنی طرف کھینچتی ہے۔ دوسرا معنی وہ کیا اس کے مطالب کی عمدگی جو انسانی حالات اور اس کے جذبات اور اس کے تمام مقاصد کو جو دار آخرت سے تعلق رکھتے ہوں، حاوی ہو۔ انہیں طریقوں سے جو شہنشاہوں کے کلام میں ہونے چاہییں۔

پس یہ دونوں باتیں قرآن مجید میں اس خوبی کے ساتھ ہیں کہ جس کا نظیر نہیں اس لیے خدا تعالیٰ نے بھی یہاں ایک ہی لفظ میں اشارہ کر دیا، یعنی احسن الحدیث میں۔

دوسرا وصف اس کا ایک یہ ہے کہ وہ متشابہًا ہے کہ جس آیت کو دیکھئے ایک دوسرے سے اس

خوبی میں مشابہ ہے، یہ نہیں کہ دس پانچ مقامات میں تو الٰہیات کا جلو نمودار ہو اور دوسرے مقامات میں شہوت انگیز اور سلف میں عیب لگانے والے قصے اور بے سود افسانے اور توہمات کی شاعرانہ طور پر بندشیں جیسا کہ توریت و اناجیل موجودہ اور وید و دساتیر کے ملاحظہ سے ظاہر ہے اور نیز یہ بھی ہے کہ احکام و تذکیر میں کتب سابقہ منزل من اللہ کے مشابہ ہے۔

پہلے جو احسن القول کا ذکر تھا، یہاں بتلایا گیا کہ وہ قرآن مجید ہے۔ تیسرے مثانی اس میں قصص و مواعیظ و احکام لوگوں کے سمجھانے کے لیے مکرر یعنی بار بار نئے نئے اسلوب سے مذکور ہوئے ہیں، مگر پھر بھی کمال بلاغت ہے یا یہ مراد کہ قرآن بار بار پڑھا جاتا ہے۔ اس کی حلاوت مکرر پڑھنے کی طرف مجبور کرتی ہے اور دل پر گراں نہیں گزرتا اور کلاموں میں یہ بات نہیں، ایک بار پڑھ کر دوبارہ پڑھنے کو دل نہیں چاہتا، برخلاف قرآن مجید کے، یا یہ مراد کہ قرآن میں ہر بیان دوہرا ہے امر ہے تو نہی بھی، جنت کا ذکر ہے تو دوزخ کا بھی ہے۔ وقس علیہ۔

چوتھے تَقْشَعِرُّ مِنْهُ اس کے پڑھنے سے دل پر خوف طاری ہوتا ہے، بدن پر خدا ترسوں کے روئیں کھڑے ہو جاتے ہیں، قوت بہیمیہ پست ہوتی ہے، ملکیت کو غلبہ ہوتا ہے، ایسے وقت میں انقلاب کا اثر جسم پر بھی ہوتا ہے۔ یہ روحانی اور معنوی صفت ہے جو کلام الٰہی کو لازم ہے، ثُمَّ تَلِيْنُ جُلُوْدُهُمْ وَقُلُوْبُهُمْ إِلَى ذِكْرِ اللّٰهِ اس کے بعد ذکر الٰہی اور اس کے انس سے ان کے دل نرم ہوتے ہیں، یعنی اطمینان ہوتا ہے۔ جلال کے مشاہدہ سے جس طرح خوف تھا اسی طرح جمال کے مشاہدہ سے سکون پیدا ہوتا ہے۔ فرماتا ہے ذلک یہ قرآن اللہ کی ہدایت ہے، اس سے جس کو چاہتا ہے ہدایت کرتا ہے اور جس کو اس سے بدنصیبی ہے اس کو کوئی ہدایت نہیں دے سکتا۔

اس کے بعد یہ بتلاتا ہے کہ جو قرآن سے نفع اٹھاتا ہے۔ آتش جہنم کو اپنے منہ سے روکتا ہے، یعنی دور کرتا ہے۔ قیامت کے روز پھر کیا وہ اس کے برابر ہے جو عذاب میں گرفتار ہوگا اور ان ظالموں کو کہا جاوے گا کہ اپنے بدعمل کا مزہ چکھو۔ (تفسیر حقانی)

علامہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر در منثور میں حضرت قتادہ رحمہ اللہ سے نقل کیا کہ

تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُودُ الَّذِينَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ سے مراد ہے کہ یہ اولیاء اللہ کی تعریف ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا کہ اس سے ان لوگوں کے رونگھٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اور ان کی آنکھیں روتی ہیں اور ان کے دل اللہ کے ذکر سے اطمینان پکڑتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ان کے عقلوں کے چلے جانے اور ان کی عقلوں پر پردہ پڑ جانے کو بیان نہیں کیا کیونکہ یہ چیزیں مبتدعین میں ہوتی ہے۔ اور شیطان کی طرف سے ہوتی ہے۔ (تفسیر در منثور)

حضرت عبد اللہ بن عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے اپنی دادی حضرت اسماء رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کیسے کرتے تھے؟ جب وہ قرآن پڑھتے تھے تو انہوں نے کہا کہ وہ ایسے تھے جیسے اللہ تعالیٰ نے ان کی تعریف فرمائی کہ ان کی آنکھوں سے آنسوں بہتے تھے اور ان کے رونگھٹے کھڑے ہو جاتے تھے میں نے کہا یہاں تو کچھ لوگ ایسے ہیں جب وہ قرآن کو سنتے ہیں تو ان پر غشی طاری ہو جاتی ہے تو فرمایا میں اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگتی ہوں شیطان مردود سے۔ (ابن المنذر، ابن ابی حاتم)

عامر بن عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں اپنی ماں کے پاس آیا اور میں نے کہا میں نے ایک قوم کو پایا کہ میں نے اس سے بہتر کسی کو نہیں دیکھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے ہیں تو ان میں سے ایک کانپنے لگتا ہے یہاں تک کہ اس پر غشی طاری ہو جاتی ہے اللہ کے خوف سے تو انہوں نے کہا ان کے ساتھ مت بیٹھ پھر کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے کہ وہ قرآن کی تلاوت فرماتے تھے اور میں نے ابو بکر اور عمر رضی اللہ عنہما کو دیکھا کہ وہ قرآن پڑھتے تھے تو یہ حالت ان کو نہ پہنچتی تھی کیا تو ان لوگوں کو ابو بکر رضی اللہ عنہ اور عمر رضی اللہ عنہ سے زیادہ ڈرنے والا دیکھتا ہے۔ (تفسیر در منثور)

قیس بن جبیر رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ بے ہوش ہو جانا شیطان کی طرف سے ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ، تفسیر در منثور) ابراہیم رحمہ اللہ سے ایک ایسے آدمی کے بارے میں روایت کیا جو روشنی کو دیکھتا تھا یہ شیطان کی طرف سے ہے، اگر یہ خیر کو دیکھتا تو اہل بدر اس کے زیادہ مستحق تھے۔ (ایضا)

حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا إِذَا اقْشَعَرَّ جِلْدُ الْعَبْدِ مِن خَشيَةِ اللهِ تَحَاتَت عَنهُ خَطَايَاه كَمَا تَحَات عَن الشَّجَرَة البَالِيَةِ وَرَقهَا (نوادر الاصول)

جب کسی آدمی کے رونگھٹے کھڑے ہو جائیں اللہ کے خوف سے تو اس سے اس کے گناہ اسی طرح گر جاتے ہیں جیسے پرانے درخت سے اس کے پتے گر جاتے ہیں۔

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ لَيْسَ مِنْ عَبْدٍ عَلَى سَبِيلِ ذِكْرِ سُنَّةٍ ذَكَرَ الرَّحْمٰنَ فَاقْشَعَرَّ جِلْدُهُ مِنْ مَخَافَةِ اللهِ تَعَالَى إِلَّا كَانَ مَثَلُهُ مَثَلَ شَجَرَةٍ يَبِسَ وَرَقُهَا، وَهِيَ كَذٰلِكَ فَأَصَابَتْهَا رِيحٌ فَتَحَاتَّ وَرَقُهَا، كَمَا تَحَاتُّ عَنِ الشَّجَرَةِ الْبَالِيَةِ وَرَقُهَا، وَلَيْسَ مِنْ عَبْدٍ عَلَى سَبِيلِ ذِكْرِ سُنَّةٍ وَذِكْرِ الرَّحْمٰنِ فَفَاضَتْ عَيْنَاهُ مِنْ خَشْيَةِ اللهِ إِلَّا لَمْ تَمَسَّهُ النَّارُ أَبَدًا (نوادر الاصول، تفسیر در منثور)

کوئی بندہ ایسا نہیں جو اللہ کے راستے میں جہاد کر رہا ہو وہ سنت کا ذکر کرے اور رحمن کا ذکر کرے تو اللہ کے خوف سے اس کے رونگھٹے کھڑے ہو گئے تو اس کی مثال اس درخت کی طرح جس کے پتے سوکھے ہوں اور وہ اسی طرح ہو کہ اس کو ہوا پہنچ جائے اور اس کے پتے اس طرح گرتے ہیں جیسے، پرانے درخت سے اس کے پتے گرتے ہیں (اسی طرح اس کے گناہ بھی گر جائیں گے) اور کوئی بندہ ایسا نہیں ہے جو اللہ کی راہ میں جہاد کر رہا ہو وہ سنت کا ذکر کرے اور رحمن کا ذکر کرے (یہ سن کر) اس کی آنکھیں اللہ کے خوف سے بہہ جائیں تو اس کو کبھی بھی آگ نہیں چھوئے گی۔

بندہ عاجز و فقیر (محمود الرشید حدوٹی) نے اپنی کتاب ”قرآن اور حاملین قرآن“ کے آخر میں ان خوش نصیبوں کا ذکر کیا ہے، جو قرآن کریم کے ساتھ محبت رکھتے تھے، حضرات خلفاء راشدین کی قرآن کریم سے محبت، شغف اور عشق سے متعلق میں نے اپنی کتاب میں چند صفحات تحریر کیے انہیں یہاں نقل کرتا ہوں۔

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی قرآن سے محبت: حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ بھی قرآن کریم کے ساتھ بہت ہی شغف رکھتے تھے، وہ قرآن کریم کی تلاوت کرتے کرتے رو پڑتے تھے، اس قدر روتے تھے کہ اپنے آنسو پر قابو نہیں پا سکتے تھے، ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب بیمار ہوئے اور ان کی بیماری نے شدت اختیار کی تو ارشاد فرمایا کہ ابو بکر سے کہیں کہ وہ لوگوں

کو نماز پڑھائیں تو انہوں نے خدمت نبوی میں عرض کی کہ یَارَسُولَ اللّٰہِ، إِنَّ أَبَابَکْرٍ رَجُلٌ رَقِیقٌ لَا یَمْلِكُ دَمْعَهُ، وَإِنَّهُ إِذَا قَرَأَ الْقُرْآنَ بَکَی یارسول اللہ! بے شک ابو بکر رضی اللہ عنہ نرم دل والے آدمی ہیں، وہ اپنے آنسوؤں پر کنٹرول نہیں کرسکتے، جب وہ قرآن کی تلاوت کرتے ہیں تو رو پڑتے ہیں (مسند احمد بن حنبل)

بخاری شریف میں یوں الفاظ ہیں إِنَّ أَبَابَکْرٍ رَجُلٌ رَقِیقٌ، إِذَا قَرَأَ غَلَبَهُ الْبُکَاءُ (بخاری) بے شک ابو بکر رضی اللہ عنہ نرم دل آدمی ہیں، جب قرآن کی تلاوت کرتے ہیں تو ان پر رونے کا غلبہ ہو جاتا ہے، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا چونکہ بیٹی ہیں اور بیٹی کے سامنے اپنے والد کے تمام احوال ہوتے ہی ہیں اس لیے انہوں نے اپنے والد گرامی کی عمومی حالت بیان کی ہے کہ وہ قرآن کریم کی تلاوت کے دوران رونے لگتے ہیں۔

علامہ ابو یحیٰ شرف الدین نووی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب التبیان فی آداب حملۃ القرآن میں حضرت ابو صالح رضی اللہ عنہ کی ایک روایت لائے ہیں، حضرت ابو صالح رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ قَدِمَ نَاسٌ مِّن أَهل الیَمَن عَلی أَبی بَکر الصِّدِّیق رضی اللہ عنه فَجَعَلُوا یَقرَؤُونَ القُرآنَ وَیَبکُونَ فَقَالَ أَبُو بَکر الصِّدِّیق رَضِیَ اللہ عَنهُ هٰکَذَا کُنَّا

یمن والوں میں سے کچھ لوگ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس آئے، انہوں نے قرآن پڑھنا اور رونا شروع کر دیا، حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہم بھی ایسا ہی کرتے ہیں۔ (التبیان)

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا قرآن سے شغف: حضرت ابو رافع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں ایک روز حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے پیچھے فجر کی نماز پڑھ رہا تھا، میں مردوں کی اس آخری صف میں تھا جس کے بعد عورتوں ہی کی صف ہوتی ہے، آپ سورۂ یوسف پڑھ رہے تھے جب اس آیت پر پہنچے قَالَ إِنَّمَا أَشْکُو بَثِّی وَحُزْنِی إِلَی اللّٰہِ وَأَعْلَمُ مِنَ اللّٰہِ مَا لَا تَعْلَمُونَ (۸۶) (حضرت یعقوب علیہ السلام نے کہا) میں تو اپنے رنج و غم کی شکایت بس اپنے اللہ ہی سے کر رہا ہوں۔ (سورۃ یوسف) تو آپ رضی اللہ عنہ پر ایسا گریہ طاری ہوا کہ مجھے ان کی ہچکیوں کی آواز دور سے سنائی دی۔ (قیام اللیل مروزی ص ۱۴۲)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی بھی روایت ہے کہ غَلَبَ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، الْبُكَاءُ فِي صَلاةِ الصُّبْحِ حَتَّى سَمِعْتُ نَحِيبَهُ مِنْ وَرَاءِ ثَلاثَةِ صُفُوفٍ (قیام اللیل ص ۱۴۲) حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر صبح کی نماز میں ایک مرتبہ ایسا گریہ طاری ہوا کہ میں نے ان کی ہچکی کی آواز تین صفوں کے پیچھے سنی۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ كَانَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، يَمُرُّ بِالآيَةِ مِنْ وِرْدِهِ بِاللَّيْلِ فَيَبْكِي حَتَّى يَسْقُطَ وَيَبْقَى فِي الْبَيْتِ حَتَّى يُعَادَ لِلْمَرَضِ (قیام اللیل ص ۱۴۲) حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اپنے رات کے ورد میں کبھی کبھی کوئی آیت پڑھتے تو اتنا روتے کہ گر جاتے اور آپ کو گھر میں اتنا ٹھہرنا پڑتا کہ لوگ عیادت کے لیے آتے تھے۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی قرآن سے محبت: حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی قرآن سے محبت کسی سے پوشیدہ نہیں ہے، وہ جس لمحے شہادت کے رتبے پر فائز ہوئے اس وقت بھی قرآن کریم کی تلاوت میں مشغول تھے، بلوائیوں نے سارے گھر کو محاصرے میں لے لیا تھا اس کے باوجود وہ بہت ہی اطمینان سے تلاوت قرآن میں مشغول رہے، وہ بہت زیادہ قرآن کی تلاوت کرتے تھے اسی لیے تو ان کے پاس قرآن کریم کا جو نسخہ تھا وہ کثرت تلاوت کی وجہ سے کافی پرانا ہو چکا تھا۔

حضرت محمد بن نصر مروزی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب قیام اللیل اور شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب فضائل قرآن میں لکھتے ہیں کہ حضرت عثمان غنی وتر کی ایک رکعت میں پورا قرآن کریم پڑھ لیا کرتے تھے۔ (فضائل قرآن)

اور کیوں نہ ایسا ہوتا کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ ہی ان روایات کے راوی ہیں جن میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں بہترین وہ شخص ہے جو قرآن کریم پڑھے اور اسے پڑھائے، انہی سے روایت ہے تم میں بہترین وہ شخص ہے جو قرآن سیکھے اور سکھائے، ایک روایت میں خَيْرُكُم کا جملہ ہے، دوسری روایت میں اَفْضَلُكُم کا جملہ ہے۔ حضرت محمد بن سیرین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ پوری رات ایک رکعت میں گزار دیتے تھے، جس میں وہ پورا قرآن کریم پڑھ لیتے تھے۔ (الاستیعاب ج ۲) مسند احمد میں روایت ہے کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ اگر تمہارے دل پاک

ہو جائیں تو تم کو کبھی کلام اللہ سے سیری نہ ہو، میں نہیں چاہتا کہ میری عمر میں کوئی دن ایسا گزرے جس میں مجھے قرآن کریم دیکھ کر پڑھنے کی نوبت نہ آئے۔ (حیاۃ الصحابہ ج ۴)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نماز میں سورۂ یوسف کی بہت زیادہ تلاوت کیا کرتے تھے، شاید یہی وجہ ہے کہ حضرت ابن عمیر رضی اللہ عنہ کو بھی کہنا پڑا کہ مجھے سورۃ یوسف حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے پیچھے نماز پڑھنے سے زبانی یاد ہو گئی تھی۔ (ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء شاہ ولی اللہ ص ۱۲۸)

حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ کی قرآن سے محبت: حضرت علی رضی اللہ عنہ کیوں نہ قرآن کے عاشق ہوتے کہ ان کے گھر میں قرآن کا نزول ہوتا تھا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھرانے کے ایک فرد تھے، اپنا اکثر وقت قرآنِ کریم کی تلاوت میں گزارتے تھے، قرآنی آیات میں غور و فکر کرتے تھے، یہی وجہ ہے کہ ایک روایت میں ان کے بارے میں فرمایا گیا کہ علی علم کا دروازہ ہیں اور میں علم کا شہر ہوں۔

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب المرتضیٰ میں لکھتے ہیں، ابو عمر ابو طفیل کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا، میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اس وقت دیکھا جب لوگوں سے خطاب فرما رہے تھے اور کہہ رہے تھے کتاب اللہ کے بارے میں جو چاہو پوچھ لو، بخدا قرآن کریم میں کوئی بھی ایسی آیت نہیں ہے جس کے بارے میں مجھے یہ نہ معلوم ہو کہ یہ رات کو نازل ہوئی ہے یا دن کو (ہموار) راستے میں چلتے ہوئے نازل ہوئی ہے یا اس وقت جب آپ کسی پہاڑی پر تھے۔ (ازالۃ الخفاء بحوالہ المرتضیٰ ص ۳۳۳)

حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب مطالعۂ قرآن میں لکھتے ہیں کہ حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ کو وفات نبوی کے بعد قرآن شریف کے حفظ میں اتنا انہماک ہوا کہ کئی روز تک گھر سے باہر نہیں نکلے (الاستیعاب ج ۲ ص ۴۷۷، بحوالہ مطالعۂ قرآن کے اصول و مبادی)

حلیۃ الاولیاء میں ابو نعیم رحمہ اللہ نے ایک روایت نقل کی ہے، حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں لَمَّا قُبِضَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَقْسَمْتُ، أَوْ حَلَفْتُ أَنْ لَا أَضَعَ رِدَائِي عَنْ ظَهْرِي حَتَّى أَجْمَعَ مَا بَيْنَ اللَّوْحَيْنِ، فَمَا وَضَعْتُ رِدَائِي عَنْ ظَهْرِي حَتَّى جَمَعْتُ الْقُرْآنَ

جب نبی کریم ﷺ کا انتقال ہو گیا تو میں نے قسم کھائی کہ دو پٹھوں کے درمیان جو قرآن ہے جب تک میں اس سارے کو جمع نہیں کر لوں گا اُس وقت تک میں اپنی پیٹھ سے چادر نہیں اتاروں گا (یعنی آرام نہیں کروں گا) چنانچہ جب تک میں نے سارا قرآن جمع نہیں کر لیا (یعنی یاد نہیں کر لیا) اپنی پیٹھ سے چادر نہیں اتاری، بالکل آرام نہیں کیا۔

حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ قرآنی سمندر میں غوطہ زن تھے، اسی لیے تو لوگوں سے مخاطب ہو کر فرمارہے تھے وَاللّٰهِ مَا نَزَلَتْ آيَةٌ إِلَّا وَقَدْ عَلِمْتُ فِيمَا أُنْزِلَتْ، وَأَيْنَ أُنْزِلَتْ، إِنَّ رَبِّي وَهَبَ لِي قَلْبًا عَقُولًا، وَلِسَانًا سَؤُولًا (حلیۃ الاولیاء ج ا ص ٦٧) اللہ کی قسم! کوئی آیت ایسی نہیں اتری مگر میں اس کے بارے میں جانتا ہوں کہ یہ کس کے بارے میں نازل ہوئی ہے؟ کہاں نازل ہوئی ہے؟ اللہ تعالیٰ نے مجھے عقل والا دل عطا فرمایا ہے اور بہت زیادہ سوال کرنے والی زبان عطا فرمائی ہے۔

اہل ایمان اور اہل کفر کا انجام

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

اَفَمَنْ يَّتَّقِيْ بِوَجْهِهٖ سُوْٓءَ الْعَذَابِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ وَقِيْلَ لِلظّٰلِمِيْنَ ذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ {٢٤} كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَاَتٰىهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُوْنَ {٢٥} فَاَذَاقَهُمُ اللّٰهُ الْخِزْيَ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ {٢٦} الزمر

جواب ترجمہ: جو شخص قیامت کے دن اپنے چہرہ کو برے عذاب سے بچائے گا، اور ظالموں سے کہا جائے گا کہ جو کچھ تم کمائی کرتے تھے اسے چکھ لو ان لوگوں سے پہلے جو لوگ تھے انہوں نے جھٹلایا سو ان کے پاس اس طور سے عذاب آیا کہ انہیں اس کا خیال بھی نہ تھا۔ سو اللہ نے انہیں دنیا والی زندگی میں رسوائی چکھادی اور البتہ آخرت کا عذاب اس سے بڑا ہے اگر وہ جانتے ہوتے۔

خلاصہ تفسیر: ان آیاتِ کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے ہدایت یافتہ مؤمن اور گمراہ کافر کے انجام کا نہایت مؤثر تقابل بیان فرمایا ہے، ایک طرف وہ خوش نصیب انسان ہے جسے اللہ تعالیٰ نے دنیا میں ایمان،

ہدایت اور عملِ صالح کی توفیق عطا فرمائی، چنانچہ وہ راہِ حق پر چلتا رہا اور آخرت میں جنت کی ابدی نعمتوں کا مستحق بن گیا، دوسری طرف وہ بدبخت شخص ہے جس نے کفر و سرکشی کا راستہ اختیار کیا اور اسی حالت میں دنیا سے رخصت ہو گیا، قیامت کے دن اسے اس حال میں جہنم میں ڈالا جائے گا کہ اس کے ہاتھ پاؤں بندھے ہوں گے اور وہ اپنے چہرے کے سوا کسی چیز سے آگ کو نہیں بچا سکے گا، یہ منظر اس کی انتہائی بے بسی، ذلت اور رسوائی کو ظاہر کرتا ہے، پھر ایسے ظالموں کو بطورِ ملامت کہا جائے گا، اب اپنے ان اعمال کا مزہ چکھو جو تم دنیا میں کرتے رہے تھے، یہ عذاب تمہارے اپنے کفر، شرک اور نافرمانی کا انجام ہے۔

سابقہ قوموں کی ہلاکت سے عبرت: اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے مشرکینِ مکہ کو تنبیہ فرمائی کہ ان سے پہلے بھی بہت سی قوموں نے اپنے انبیاء علیہم السلام کو جھٹلایا تھا اور حق کے مقابلے میں تکبر و عناد کا رویہ اختیار کیا تھا، لیکن ان کی سرکشی زیادہ دیر قائم نہ رہ سکی، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا عذاب اچانک ان پر آ پہنچا، وہ اس کے آنے کا گمان بھی نہیں کرتے تھے اور نہ ہی اس کی تیاری یا اس سے بچنے کا کوئی راستہ اختیار کر سکے، چنانچہ ان پر ایسا عذاب نازل ہوا جس نے انہیں دنیا ہی میں ذلیل، رسوا اور عبرت کا نشان بنا دیا۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں دنیا میں ذلت، خواری اور رسوائی کا مزہ چکھایا، لیکن اس کے باوجود آخرت کا عذاب ان کے لیے کہیں زیادہ سخت، دردناک اور دائمی ہو گا، اگر یہ لوگ حقیقتِ حال کو جان لیتے اور اس انجام پر غور کرتے تو کبھی کفر و نافرمانی پر قائم نہ رہتے۔

ان آیات میں دراصل اہلِ مکہ اور قیامت تک آنے والے تمام منکرین کے لیے یہ سبق ہے کہ دنیا کی وقتی مہلت اور ظاہری قوت پر مغرور نہ ہوں، کیونکہ اللہ تعالیٰ کی گرفت اچانک بھی آسکتی ہے، جبکہ آخرت کا عذاب دنیا کے ہر عذاب سے کہیں زیادہ شدید اور ہولناک ہے، لہٰذا نجات کا راستہ یہی ہے کہ انسان ایمان، توبہ اور اطاعتِ الٰہی کو اختیار کرے اور سابقہ قوموں کے انجام سے عبرت حاصل کرے۔

عقل و دانش والے لوگ ہمیشہ دوسرے لوگوں کو دیکھتے ہیں اور ان کی زندگیوں سے عبرت حاصل کرتے ہیں، ان کاموں سے بچتے ہیں جن کے کرنے سے انہیں نقصان پہنچا۔

قرآن کریم اور عربی زبان

سوال ان آیات قرآن کریم کی تفسیر کیجیے۔

وَلَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ لَّعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ {۲۷} قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا غَيْرَ ذِيْ عِوَجٍ لَّعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ {۲۸} الزمر

جواب ترجمہ: حقیقت یہ ہے کہ ہم نے اس قرآن میں لوگوں کی خاطر ہر قسم کی مثالیں بیان کی ہیں، تاکہ لوگ سبق حاصل کریں۔ یہ عربی قرآن جس میں کوئی ٹیڑھ نہیں، تاکہ لوگ تقوی اختیار کریں۔

خلاصہ تفسیر: علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں چونکہ مثالوں سے باتیں ٹھیک طور پر سمجھ میں آجاتی ہیں اس لئے اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں ہر قسم کی مثالیں بھی بیان فرماتا ہے تاکہ لوگ سوچ سمجھ لیں۔ چنانچہ ارشاد ہے ضَرَبَ لَكُمْ مَّثَلًا مِّنْ اَنْفُسِكُمْ (الروم :۲۸) اللہ نے تمہارے لئے وہ مثالیں بیان فرمائی ہیں جنہیں تم خود اپنے آپ میں بہت اچھی طرح جانتے بوجھتے ہو۔

ایک اور آیت میں ہے وَتِلْكَ الْأَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ وَمَا يَعْقِلُهَا إِلَّا الْعَالِمُونَ (العنکبوت:۴۳) ان مثالوں کو ہم لوگوں کے سامنے بیان کررہے ہیں علماء ہی انہیں بخوبی سمجھ سکتے ہیں۔

قرآن مجید عربی زبان میں نازل ہوا، یہ قرآن فصیح عربی زبان میں ہے جس میں کوئی کجی اور کوئی کمی نہیں واضح دلیلیں اور روشن حجتیں ہیں۔ یہ اس لئے کہ اسے پڑھ کر سن کر لوگ اپنا بچاؤ کرلیں۔ اس کے عذاب کی آیتوں کو سامنے رکھ کر برائیاں چھوڑیں اور اس کے ثواب کی آیتوں کی طرف نظریں رکھ کر نیک اعمال میں محنت کریں۔

پچھلی آیات میں یہ اعلان کیا گیا ہے کہ قرآن پاک میں انسان، اس کی زندگی، زندگی گزارنے کے اصول اور پوری کائنات کے بارے میں بڑی وضاحت سے بیان کردیا گیا ہے تاکہ بندے کو مشکلات کا سامنا نہ کرنا پڑے، اسی لیے پیغمبر کی زبان کے مطابق آسمانی کتاب نازل ہوتی ہے، کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم عرب میں پیدا ہوئے پلے بڑھے اور عرب ہی آپ کے ارد گرد رہتے تھے۔

ظاہر ہے مادری زبان کو سمجھنا بے حد آسان ہوتا ہے۔ پھر یوں سمجھ لیجئے کہ یہ قرآن کی ہی برکت ہے کہ عربی زبان ۱۵ صدیاں گزر جانے کے بعد بھی تبدیل نہیں ہوئی جبکہ یہ اصولی بات ہے کہ ہر زبان وقت کے ساتھ ساتھ اس قدر بدل جاتی ہے کہ اس کی گرامر، تشبیہات، تمثیلیں، محاورے بلکہ الفاظ کی شکل لہجہ اور معنی تک تبدیل ہو جاتے ہیں اور پانچ سو سال میں تو وہ یا معدوم ہو جاتی ہے یا بالکل ناقابل فہم ہو جاتی ہے۔ مگر سبحان اللہ قرآن کی زبان، عبارت اور لہجہ میں معمولی سا فرق بھی نہیں آیا اور یہ ایک معجزہ سے کم نہیں۔

ہم بڑے دعوے سے کہہ سکتے ہیں کہ عربی زبان نہ صرف فصاحت، بلاغت، ترنم اور جامعیت کے لحاظ سے بے مثال ہے بلکہ یہ ایک غیر متبدل (نہ بدلنے والا) ہونے کی خاصیت بھی رکھتی ہے۔ اس کی مثال موجودہ نشرواشاعت کے ادارے بھی ہیں۔ وہی معیاری زبان ریڈیو، ٹی وی اور رسائل و کتب میں استعمال کی جاتی ہے جس کی بنیاد ۱۴ سو سال پہلے موجود تھی۔ لوکل لینگوئج میں کچھ تبدیلی ہو تو ہو سٹینڈرڈ زبان میں کوئی تبدیلی نہیں آئی۔

یہ ایک خالص ترین زبان ہے، لہٰذا عربی زبان سے محبت کرنی چاہیے کیونکہ ① نبی اکرم سیدنا محمد ﷺ کی زبان عربی ہے۔ ② قرآن عربی میں ہے۔ ③ جنتیوں کی زبان عربی ہوگی۔ تو یہ سب باتیں ہیں قرآن کے عربی زبان میں نازل ہونے کی۔ (اس کی وجہ یہ ہے کہ)، عرب لوگ زبان کے بارے میں بڑے محتاط ہوتے تھے اور بعثت سے پہلے عرب میں شعر و شاعری کی بڑی زبردست محفلیں منعقد ہوتی تھیں اس زمانے میں جب آپ نے نبوت کا دعویٰ کیا اور قرآن پاک کا نزول ہو چکا تو عام رواج کے مطابق سورۂ کوثر خانہ کعبہ کے دروازے پر لکھ کر لگا دی گئی۔

لبید بن ربیعہ جو کہ اس وقت ملک الشعراء کہلاتا تھا۔ اپنا کلام لے کر گیا کہ خانہ کعبہ کے دروازے پر لگاؤں جب اس نے سورۃ کوثر پڑھی تو کلام کی عظمت، بھیجنے والے کی عظمت اور لانے والے کی عظمت اس کے دل و دماغ پر یوں چھا گئی کہ سجدے میں گر پڑا اور ایمان لے آیا، قرآن کی جامعیت کی یہ ایک چھوٹی سی مثال ہے۔

اسی طرح سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا ایمان لانا بھی قرآنی آیات کا ہی معجزہ تھا، بہر حال مقصد یہ ہے کہ ہر مسلمان کو چاہیے کہ عربی زبان سیکھنے کی پوری پوری کوشش کرے کیونکہ غیر عربی لوگوں کیلئے اللہ تعالیٰ نے علماء دین، فقہاء، محدثین اور بیشمار مترجمین کا بندوبست کر رکھا ہے، تاکہ کلام پاک کو غیر عربی لوگ بھی سمجھ سکیں اور اس پر عمل کر سکیں، جب انسان سمجھے گا تو پھر اللہ سے ڈر کر صاف ستھری زندگی گزارنے کا اہتمام کرے گا، اللہ ہمیں قرآن پڑھنے سمجھنے اور عمل کرنے کی توفیق دے آمین، کیونکہ اللہ کا مقصد تو صرف ہمیں آخرت کے عذاب سے بچانا ہے۔ اس کو ہماری عبادت کی ضرورت نہیں۔ اس کی عبادت سے تو صرف ہمارا اپنا ہی بھلا ہو گا۔ (مفہوم قرآن مؤلفہ رفعت اعجاز)

حضرت مولانا عبد الماجد دریابادی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ قُرآناً یہاں پہلا وصف القران کا یہ بیان ہوا کہ وہ ایک پڑھی جانے والی چیز ہے، چنانچہ قیامت تک مسجدوں میں پڑھا جائے گا، محرابوں میں سنایا جائے گا، گھروں میں اور مدرسوں میں اس کی تلاوت ہوتی رہے گی، معتقدوں کا نہیں منکروں کا بیان ہے، کہ "قرآن" دنیا میں سب سے زیادہ پڑھی جانے والی کتاب ہے، (انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا مقالہ قرآن، طبع یازدہم) عَرَبِیاً یعنی فصیح وبلیغ واضح، وَالْمُرَادُ اَنَّه اَعْجَزَ الْفُصَحَاءَ وَالْبُلَغَاءَ عَن مَعَارِفِهِ (کبیر) غَیرِ ذِی عِوَج یعنی جس کے اندر کجی کسی طرح کی بھی نہیں، نہ لفظی نہ معنوی، یہ قرآن مجید کا تیسرا وصف بیان ہوا۔ (ماجدی)

شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ یعنی ان کا نہ سمجھنا اپنی غفلت اور حماقت سے ہے، قرآن کے سمجھانے میں کوئی کمی نہیں قرآن تو بات بات کو مثالوں اور دلیلوں سے سمجھاتا ہے تاکہ لوگ ان میں دھیان کر کے اپنی عاقبت درست کریں۔ قرآن ایک صاف عربی زبان کی کتاب ہے جو اس کے مخاطبین اولین کی مادری زبان تھی۔ اس میں کوئی ٹیڑھی ترچھی بات نہیں۔ سیدھی اور صاف باتیں ہیں جن کو عقل سلیم قبول کرتی ہے، کسی طرح کا اختلال اور کجی اس کے مضامین یا عبارت میں نہیں، جن باتوں کو منوانا چاہتا ہے، نہ ان کا ماننا مشکل، اور جن چیزوں پر عمل

کرانا چاہتا ہے نہ ان پر عمل کرنا محال، غرض یہ ہے کہ لوگ بسہولت اس سے مستفید ہوں، اعتقادی و عملی غلطیوں سے بچ کر چلیں اور صاف صاف نصیحتیں سن کر اللہ سے ڈرتے رہیں۔ (تفسیر عثمانی)

القاموس الوحید کے مقدمہ میں عمید الزمان قاسمی کیرانوی لکھتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کو عرب و عجم، سب کی ہدایت کے لیے بھیجا گیا تھا، لیکن چونکہ آپ ﷺ خود عرب تھے اور آپ ﷺ کے اولین مخاطب بھی عرب تھے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب قرآن کریم بھی تمام عربوں کی مشترکہ و متحدہ زبان و لغت قریش ہی میں نازل کیا، اسلام نے اس زبان کو صلاۃ وزکوٰۃ اور صوم وحج جیسے خاص شرعی مفاہیم رکھنے والے الفاظ عطا کیے۔

اسی طرح مولانا کیرانوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ قرآن کریم لغت قریش میں نازل ہوا، اور چونکہ وہ عبادات اور تمام امور شریعت کا سرچشمہ ہے، اس لیے اس زبان کی پوزیشن اور زیادہ مضبوط اور اس کی بالادستی مزید و مستحکم ہوگئی، دین اسلام میں جو داخل ہو رہے تھے وہ اس زبان کو کتاب اللہ کی زبان ہونے کی وجہ سے عظمت واحترام کی نگاہ سے دیکھتے تھے، اس لیے اس کی قدر و مقبولیت مسلسل بڑھتی چلی گئی، اور نتیجہ کے طور پر اس کی اہمیت میں روز افزوں اضافہ ہوتا چلا گیا۔

متعدد اور متنوع مقامی بولیوں کے سلسلہ میں مختلف ادوار میں اجتماعی وسیاسی عوامل کے تغیر کی وجہ سے نقطہ نظر اور رویہ میں تبدیلیاں آتی رہیں، اسلام سے قبل کے دور کو جب ہم دیکھتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ ہر قبیلہ اپنی عام گفتگو میں اپنی کلامی صفات کے استعمال کا اہتمام کرتا اور اسی طرح ایک قبیلہ دوسرے قبیلہ کے ساتھ گفتگو اور مخاطبت میں بھی اس کی پابندی کرتا، لیکن یہ چیز عوام کے ساتھ خاص تھی، جبکہ ان قبائل کے خواص اپنے اہم معاملات میں مکہ میں نشو ونما پانے والی مثالی زبان ہی کا سہارا لیتے، چنانچہ شعر گوئی اور اپنے خطبوں اور مناظروں میں وہ اس زبان کا استعمال کرتے تھے۔

عکاظ کی طرح کے ادبی مقابلوں کے تمام شرکاء مقامی بولیوں کی صفات کے استعمال سے گریز کرتے تھے تاکہ لوگوں کی نظروں میں ان کا معیارِ کلام گرنے نہ پائے، چنانچہ مختلف قبائل کے سربراہ سوق عکاظ میں اپنی اپنی خاص بولیوں میں خطبہ دینا عیب سمجھتے تھے، جبکہ یہی سربراہان قبائل اپنے اہل

قبیلہ کے ساتھ دوران گفتگو اپنی بولی کے علاوہ کسی اور بولی میں بات چیت کرنا معیوب بھی سمجھتے تھے، یہی طریقہ بلا استثناء تمام قبائل عرب میں دائر وسائر تھا، بنابریں دور جاہلیت کی ایسی روایات نہیں ملتی ہیں، جن میں کسی بھی قبیلہ کی صفات کلامی کا مذاق اڑایا گیا ہو۔

چونکہ اسلام عرب عوام وخواص دونوں کے لیے بلکہ پوری نوع انسانی کے لیے ایک عمومی پیغام تھا اور اس کا مقصد عوام وخواص کے قلوب کو جوڑنا تھا، اس لیے قرآن کو بعض قبائل کی کچھ بولیوں کی خصوصیات کے ساتھ پڑھنا جائز قرار دیا گیا، اس میں حکمت الٰہی بھی تھی کہ بعض عرب عوام کے لیے اس کے علاوہ کوئی چارہ ہی نہ تھا۔

اس حدیث شریف میں اسی طرف اشارہ کیا گیا ہے، إِنَّ الْقُرْآنَ أُنْزِلَ عَلَى سَبْعَةِ أَحْرُفٍ قرآن نازل کیا گیا سات حرفوں پر، اس کا مقصد عرب عوام کی آسانی اور ان کی تالیف قلب تھی، اس طرح قران کریم اگرچہ ایک ہی بولی اور ادب کی متحدہ زبان ہی میں نازل ہوا، لیکن تلاوت میں اس متحدہ زبان کے کچھ قواعد کی، مخصوص جگہوں پر خلاف ورزی بھی جائز قرار دی گئی۔ (القاموس الوحید)

عرب کے استاذ عباس محمود العقاد مقدمۃ الصحاح میں لکھتے ہیں اکثر کہا جاتا ہے کہ عربی زبان کی بقاء اس کی حقیقت کی رہین منت ہے کہ وہ قرآن کریم کی زبان ہے، بلاشک وشبہ یہ ایک صحیح بات ہے، لیکن قرآن کی وجہ سے اس کو جو بقاودوام حاصل ہوا اس کا سبب یہ ہے کہ اسلام کسی ایک قبیلہ یا ایک قوم کا مذہب نہیں بلکہ وہ پوری نوع انسانی کا دین ہے، اس بات کی دلیل یہ ہے کہ عبرانی زبان مردنی کا شکار ہوگئی، حالانکہ وہ ایک مذہبی زبان ہے، یا یوں کہیے کہ وہ ایک ایسی کتاب کی زبان ے جس کو ماننے والی قوم موجود تو ہے لیکن وہ اس زعم میں مبتلا ہے کہ اللہ کی جانب سے خطاب کے لیے صرف وہی مخصوص ہے اور کوئی اس کا سزاوار نہیں، عبرانی زبان کی موت اسی لیے ہوئی کہ اس میں وہ نرمی ولچک باقی نہیں رہی جس کے ذریعہ وہ عصبیت کے اس تنگ دائرہ سے نکلتی جس کو اس کے بولنے والوں نے صدیوں قبل اس کے گرداگرد بنایا تھا اور جو آفاقی زبان بننے کے لیے ازبس ضروری تھی۔

اسلام نے فضیلت کو انسانیت کے لیے عام کیا اور اعلان کیا کہ کسی عربی وعجمی اور قریشی وحبشی میں

کوئی فرق نہیں، اسلام کی اسی انسانی فضیلت نے عربی زبان کی خدمت کے لیے خود اہل عجم کو آمادہ کیا، ان کو ڈر ہوا کہ کہیں عربی زبان عجمیت سے متأثر نہ ہو جائے، یعنی ان کو عربی زبان کے سلسلے میں خود اپنی مادری زبانوں سے خطرہ محسوس ہونے لگا، کیونکہ اسلام کی کتاب قرآن کریم پر ایمان رکھنے والوں کے درمیان مساوات کی بناپر عربی زبان کی بھی برابر کی زبان تھی۔

اگر یہ کتاب یعنی قرآن عصبیت کی حامل ہوتی اور ورثہ دین میں ایک مخصوص زبان کے بولنے والوں کے علاوہ کسی کو شریک نہ کرتی، تو اہل عجم میں عربی کے سلسلہ میں ابناء قحطان وعدنان کی سی غیرت وحمیت پیدا نہ ہوتی۔(مقدمہ الصحاح)

استاذ احمد عبد الغفور عطار رحمہ اللہ اپنی تالیف مقدمۃ الصحاح میں لکھتے ہیں بلاشبہ عربی زبان اسلام کے اور عہد اول میں اپنی عظمت کی بلندیوں کو پہنچی، جس کی وجہ یہ تھی کہ وہ دین کا ایک حصہ بن گئی تھی، لیکن اہل زبان دور جاہلیت ہی سے عربی کو مرکز توجہ بنائے ہوئے تھے، البتہ اس اہتمام وتوجہ میں نمایاں اضافہ طلوع اسلام کے بعد ہوا، چنانچہ عہد نبوت اور اسلام کے دور اول میں لوگوں نے عربی کو بہت زیادہ اہمیت دی اور ان کو اس کی چاہت کے ساتھ حفاظت کی فکر دامن گیر رہنے لگی، کیونکہ قرآن، مذہب اور رسول صادق وامین کی زبان تھی۔(مقدمہ الصحاح)

حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں آتا ہے کہ بعض عربی الفاظ ان کے سامنے بھی اجنبی تھے، وہ اس طرح کے الفاظ کے بارے میں استفسار کرکے جاننے والوں سے پوچھ لیتے تھے، جیسے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے فرمان گرامی میں کوئی اس طرح کا لفظ استعمال فرمادیتے جس کا مطلب اور مفہوم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لیے اجنبی ہوتا تو وہ عرض کردیتے تھے کہ یارسول اللہ! اس کا کیا مفہوم ہے؟ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ منبر پر خطبہ دے رہے تھے، دوران خطبہ ایک قرآنی آیت تلاوت کی جس میں تخوف کا لفظ تھا، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حاضرین سے پوچھا کہ تخوف کا کیا معنیٰ ہے؟ سننے والے سب خاموش ہوگئے، قبیلہ ہذیل کے ایک جانکار آدمی تھے وہ بولے کہ اس لغت کا تعلق ہماری زبان سے ہے، اور اس کے معنیٰ تنقص کے ہیں، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اس بات کو کافی نہیں سمجھا

بلکہ پھر پوچھا کہ کیا عربوں کے اشعار میں اس کا استعمال موجود ہے؟ سننے والوں نے کہا کہ جی ہاں! اس کا استعمال عربوں کے اشعار میں موجود ہے۔

اسی طرح حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ایک بار منبر پر خطبہ دے رہے تھے تو آپ نے قرآن کریم کی آیت وَفَاكِهَةً وَّاَبًّا تلاوت کی، اس میں جو لفظ اب استعمال ہوا، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو اس کا معنیٰ پوچھنے کی ضرورت پیش آئی تھی۔

مولا علی شیر خدا رضی اللہ عنہ، جن کو باب علم کہا گیا، ایک دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو سن رہے تھے جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بنو نہد کے ایک وفد سے خطاب کر رہے تھے، حضرت علی رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کرنے لگے، یارسول اللہ! ہم ایک باپ کی اولاد ہیں، پھر بھی ہم آپ کو عربوں سے ایسی گفتگو کرتے ہوئے سنتے ہیں، جس میں سے بہت سا حصہ ہماری سمجھ ہی میں نہیں آتا۔ (المعاجم اللغویہ)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بحر علم تھے، اس کے باوجود انہیں قرآن کریم کی ایک آیت میں موجود لفظ فاطر کے بارے میں استفسار کرنا پڑا۔ (المعاجم اللغویہ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ اشعار عربوں کا دیوان ہیں، اگر اللہ کے اتارے ہوئے قرآن میں کوئی لفظ ہم پر واضح نہیں ہوتا ہے تو ہم اس کی واقفیت کے اشعار سے رجوع کرتے ہیں، آپ کا فرمان ہے کہ جب قرآن میں کوئی چیز سمجھ میں نہ آئے تو اشعار (اس کے معنیٰ کی تلاش کے لیے) میں غور کرو، کیونکہ اشعار عربی ہیں۔

قادرالکلاموں پر قرآنی غلبہ: سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں جادوگروں کا جادو چل رہا تھا، ان کا شہرہ تھا، اسی لیے اللہ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ایسے معجزات سے نوازا جو ان جادوگروں کے طلسم کو علی رؤوس الاشہاد (سب کے سامنے) توڑ رہے تھے، اسی طرح عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں طب کا بہت شہرہ تھا، اللہ نے اپنے پیغمبر عیسیٰ علیہ السلام کو معجزات بھی ایسے عطا فرمائے جو ان طبیبوں کے مقابلے میں اعلیٰ درجے پر دکھائی دیتے تھے۔

ہمارے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے لوگوں کو اپنی زبان دانی پر بڑا فخر

تھا، وہ فصاحت وبلاغت کی انتہاؤں کو چھو رہے تھے، اشعار میں عربی اسلوب کے مطابق تصرف کرتے تھے، وہ میلوں اور بازاروں میں اشعار پڑھتے اور ان پر باہمی فخر وافتخار کرتے تھے، آقائے دوجہاں ﷺ کو اللہ نے معجز نما کلام عربی زبان میں عطا فرمایا، جو انتہائی فصیح زبان ہے، سارے کلاموں سے عربی کی فصاحت زیادہ ہے، یہ اصدق الکلام ہے، یہ احسن الکلام ہے، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے عربوں کو چیلنج کیا کہ وہ اس قرآن کریم جیسی دس سورتیں لائیں مگر وہ نہ لاسکے، اللہ نے انہیں ایک سورۃ اس جیسی لانے کا چیلنج کیا تو ایک سورت لانے سے عاجز ہوئے، حالانکہ قرآن کریم ہجائی حروف کے ساتھ ہی مزین ہے اور ایسے الفاظ ومعانی سے مزین ہے جن کے معنیٰ اور مفہوم سے وہ لوگ بھی ناآشنا تھے، اس لیے کہ یہ اللہ کا کلام ہے۔

جو لوگ نبی کریم ﷺ کی زبان مبارک سے قرآن کریم سنتے تھے وہ کہتے تھے کہ انہیں کوئی عجمی شخص پہلے پڑھاتا ہے پھر وہ اسے آکر ہمیں سنادیتے ہیں، یہ شخص جس کے بارے میں کہا جاتا تھا کہ ایک عجمی شخص آپ ﷺ کو سکھاتا تھا، بعض حضرات کہتے ہیں کہ یہ شخص فاکہ بن مغیرہ کا غلام تھا، جس کا نام جبر تھا، یہ نصرانی تھا اور بعد میں مسلمان ہوگیا تھا، بعض کہتے ہیں کہ یہ شخص بنی حضرمی کا غلام تھا جس کا نام یعیش تھا، یہ شخص عجمی کتابوں کا مطالعہ کرتا رہتا تھا، بعض کہتے ہیں کہ یہ شخص بنی عامر بن لوئی کا غلام تھا، بعض کہتے ہیں کہ یہ دو غلام تھے جن میں سے ایک کا نام یسار تھا اور دوسرے کا نام جبر تھا، یہ دونوں صیقل گر تھے جو تلواروں کی صیقل گری کرتے تھے، یہ کتابوں کا مطالعہ کرتے تھے، بعض کے نزدیک یہ تورات اور انجیل پڑھتے رہتے تھے۔ (اضواء البیان) اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ان لوگوں کے جھوٹ کی قلعی کھول دی کہ میرے نبی ﷺ ایسا نہیں کرتے تھے، ان لوگوں کی سنی ہوئی باتیں لوگوں کو نہیں سناتے بلکہ آسمانی وحی لوگوں تک پہنچاتے ہیں۔

یہ لوگ یوں کہا کرتے تھے کہ جس شخص سے آپ ﷺ قرآن سنتے ہیں وہ تو عجمی ہے اور خود یہ عربی ہے، یعنی ان کے اس شخص سے سیکھنے کی کیا حیثیت ہے جب کہ وہ عربی زبان نہیں جانتا ہے، جب کہ قرآن کریم واضح، فصیح عربی زبان ہے، جس میں عجمیت کا کوئی شائبہ نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ ان کی کذب بیانیوں کا رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اگر یہ قرآن کریم عجمی زبان میں ہوتا تو یہ لوگ اسے بھی جھٹلا دیتے، اور کہتے کہ یہ قرآن عجمی کیسے ہو سکتا ہے جب کہ یہ پیغمبر خود عربی ہیں؟ اسی طرح اللہ فرماتے ہیں کہ اگر یہ قرآن عجمی ہوتا تو یہ لوگ کہتے کہ اس کی آیات واضح کیوں نہیں ہیں؟ اور یوں کہتے کہ کلام عجمی ہے جب کہ اس کلام کو سنانے والا عربی زبان والا ہے۔

جب اللہ تعالیٰ نے یہ قرآن عربی زبان میں نازل کیا ہے تو انہیں اعتراض ہو رہا ہے کہ قرآن کریم عربی میں ہے، اس کو پڑھانے والا اور سکھانے والا عجمی ہے اس لیے ہم اسے تسلیم نہیں کرتے، اگر یہ عجمی میں ہوتا تو بھی یہ لوگ اسے جھٹلا دیتے کہ ہمیں سمجھ ہی نہیں آتا۔

حضرت ایوب علیہ السلام کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ بھی ان انبیاء میں سے تھے جو عربی تھے، شرقی فلسطین میں عوض نامی جگہ میں رہتے تھے، وہ اولاد ابراہیم علیہ السلام میں سے تھے، جیسے اللہ تعالیٰ نے سورۃ الانعام میں ارشاد فرمایا {وَوَهَبْنَا لَهُ إِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ كُلًّا هَدَيْنَا وَنُوحًا هَدَيْنَا مِن قَبْلُ وَمِن ذُرِّيَّتِهِ دَاوُودَ وَسُلَيْمَانَ وَأَيُّوبَ وَيُوسُفَ وموسى وَهَارُونَ} الانعام ۸۴)

ہم نے اسے اسحاق اور یعقوب عطا کیے، ان سب کو ہم نے ہدایت سے مالا مال کیا، نوح علیہ السلام کو ان سے پہلے ہدایت دی تھی، اور ان کی اولاد میں سے داؤد، سلیمان، ایوب، یوسف، موسیٰ اور ہارون کو ہدایت سے نوازا تھا۔

تفسیر میں لکھا ہوا ہے کہ سفر ایوب (صحیفہ) عربی الاصل تھا، جس میں اشخاص اور جگہوں کے نام تھے، اس صحیفہ میں شامی جنگلات، حیوانات اور جڑی بوٹیوں کے اوصاف بیان کیے گئے تھے۔

لوئیس شیخو نامی پادری اپنی کتاب النصرانیہ وآدابہا میں لکھتے ہیں کہ صحیفہ ایوب میں علم نجوم کا ذکر بھی تھا، صحیفہ ایوب کے بارے میں ہمیں جو شواہد ملتے ہیں ان سے پتا چلتا ہے اس صحیفہ میں ستاروں کے نام اور آسمان میں ستاروں کی نقل و حرکت کا ذکر تھا، کیونکہ ایوب علیہ السلام عربی الاصل تھے، اللہ تعالیٰ نے ان کے صبر کا امتحان لیا تھا۔

ڈاکٹر جواد علی اپنی کتاب تاریخ العرب قبل الاسلام میں لکھتے ہیں کہ سفر ایوب عربی الاصل

تھی، اس رائے کی تائید مستشرق مرجی لیوٹ نے بھی کی، اس رائے کی بہت سے مؤرخین نے بھی تائید کی ہے۔ (تیسیر التفسیر للقطان)

اللہ تعالیٰ نے سورۃ فصلت میں ارشاد فرمایا کہ اس قرآن کو ہم نے عربی زبان میں نازل کیا، یہ بات قرآن کریم کی عربیت کے لیے مؤکد ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ جو چیز ترجمہ پر مشتمل ہو یا اس کے جو معانی نقل کیے جاتے ہیں، یا کوئی بھی الفاظ جو اس کی وضاحت کے لیے بنائے جاتے ہیں وہ یقینی طور پر حقیقت کو نہیں پہنچتے۔

بعض حضرات نے جدید مترجمین کے تراجم اور تفہیمات قرآنیہ کو بدعت قرار دیتے ہوئے کہا کہ یہ اس زمانے کی بدعت ہے، ورنہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانے میں قرآن کریم کے تراجم نہیں تھے، اور نہ ہی دور تابعین میں ایسے تراجم تھے، بلکہ ان اہل قلم کا یہ کہنا ہے کہ آج سے سو سال پہلے تک یہ کام نہیں تھا، ان کا یہ کہنا ہے کہ قرآنی زبان کو قرآن کی طرح ہی سیکھنا ہر مسلمان پر فرض، لازم اور ضروری ہے، طلب علم ہر مسلم پر ضروری ہے۔

اہل علم کہتے ہیں کہ قرآن کریم عربی ہے، اسلام کے نبی ﷺ عربی ہیں، اور سنت عربی ہے، قرآن کریم اور حدیث شریف کو عربی زبان سیکھے بغیر نہیں سمجھا جاسکتا، ورنہ لوگ گمراہ ہو جائیں گے اور دوسرے لوگوں کو بھی گمراہ کریں گے، جیسے ہمارے زمانے میں کئی گمراہ لوگ لوگوں کو گمراہ کر رہے ہیں۔

بعض اہل علم نے اس بات پر دکھ کا اظہار کیا ہے کہ کچھ لوگوں نے دعوت اسلام کے لیے قیادت کی داغ بیل ڈالی جب کہ وہ خود عربی زبان نہیں جانتے تھے، اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ان سے خطاء صادر ہوئی، وہ پھسلے اور دوسروں کو بھی انہوں نے پھسلایا، اس کی وجہ یہ تھی کہ اسلام اور قرآن کی زبان سے وہ ناآشنا تھے، وہ نبی کریم ﷺ کی زبان سے ناآشنا تھے، حالانکہ یہی زبان سنت محمدیہ کی زبان ہے، یہی زبان حدیث شریف کی زبان ہے۔

امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ جب فاتح بن کر مسلمانوں کی محافل میں پہنچے، اسی طرح ان

سے پہلے خلیفہ اول حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور ان کے بعد آنے والے لوگ جب چین تک، یورپ کے بیچ میں اور ان کے درمیانی علاقوں میں رسائی کی تو وہ لوگ عربی جانتے تھے، وہ لا الہ الا اللہ کا مفہوم بھی جانتے تھے اور عربی زبان پر بھی پوری اور مکمل دسترس رکھتے تھے، اس لیے کہ عربی زبان جاننے کے بغیر کتاب، سنت اور اسلام کو نہیں جانا جا سکتا۔

شیخ محمد منتصر رحمہ اللہ اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ ان فاتحین نے جب اپنے مفتوحہ علاقوں پر قدم رکھے تو وہاں کوئی ترجمان نہیں تھا اور نہ ہی ان میں سے کسی نے ترجمہ کا تکلف کیا، نہ ان لوگوں نے خود اور نہ ہی مفتوحہ قبائل اور خاندانوں کی طرف سے، اس لیے کہ وہ لوگ عربی زبان پر خود بھی عبور رکھتے تھے اور چھوٹی پود کو وہ عربی زبان سکھاتے بھی تھے، عربی زبان سیکھنے کے لیے ان کو دو تین سالوں کی ضرورت ہوتی تھی، دو تین سال انہیں کافی ہو جاتے تھے، جیسے آج ہم اپنے بچوں کو سکول اور مدرسہ میں بھیجتے ہیں تو وہ ابتدائی درجات میں عربی زبان سے واقف ہو جاتے ہیں، انگریزی سیکھنے کے لیے ہمارے بچے جب انگریزی سکولوں کا رخ کرتے ہیں تو ابتدائی چند سالوں میں ہی وہ انگریزی زبان بول اور سمجھ سکتے ہیں، اسی طرح وہ لوگ عربی زبان پر عبور حاصل کر لیتے تھے۔

علامہ شیخ محمد منتصر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جس طرح اسلام کی نشر واشاعت ضروری ہے اسی طرح اس کی زبان کی نشر واشاعت بھی ضروری ہے، یہ معاملہ قرن اول سے لے کر قرن ثانی ہجری بلکہ دو تین قرون تک ضروری تھا، یہاں تک پھر وطنیت کا بت آ گیا، قومیت کا بت آ گیا، اس میں تعصب کا عنصر غالب ہو گیا، یہ منافقین کے نفاق اور کفار کے کفر اور اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روکنے والوں کی روک اور رکاوٹ کی وجہ سے ہوا۔

شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مسلمان اپنے دوسرے دور میں، عرب ہوں یا عجم، اہل فارس ہوں یا اہل روم، حبشی ہوں یا اہل ہند سب ہی اس طرح عربی میں گفتگو کرتے تھے جس طرح عرب لوگ عربی بولتے تھے۔ (الصراط المستقیم فی مخالفۃ اصحاب الجحیم)

مشہور سیاح ابن بطوطہ کے بارے میں اہل قلم لکھتے ہیں کہ وہ مشرق و مغرب میں مسلمانوں کے

جن جن علاقوں میں گیا وہاں لوگوں کو عربی زبان بولتے اور سمجھتے ہوئے پایا، بڑے بڑے مناصب پر فائز حکمرانوں اور قاضیوں کو دیکھا کہ وہ عربی زبان بولتے اور سمجھتے ہیں۔ (تفسیر المنتصر)

سورۃ فصلت میں اللہ تعالیٰ قرآن کریم کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں کہ {كِتَابٌ فُصِّلَتْ آيَاتُهُ قُرْآنًا عَرَبِيًّا لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ} (فصلت:۳) یہ کتاب ہے جس کی آیات کی تفصیل کی گئی ہے، یہ قرآن عربی زبان میں ہم نے اتارا ہے ایسی قوم کے لیے جو جانتی ہے۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ قرآن ایسی قوم کے لیے اتارا گیا جو اس کا ادراک رکھتی ہے، جو عربی زبان کو سمجھتی ہے، اس کے بعد ان کے لیے کوئی دلیل نہیں ہے، جو اسے جانتا نہیں ہے وہ اسے سیکھے اور اس سے آشنائی حاصل کرے، کم از کم کلمہ اسلام لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ اور اتنی عربی تو سیکھ ہی لے جو نماز سے متعلق ہے۔

یہاں یہ بات بہت ہی ضروری ہے کہ کلمہ کے بعد دوسرے درجے میں نماز کو سیکھ لے، نماز عربی زبان میں پڑھنا ضروری ہے کم از کم سورۃ فاتحہ اور بعد والی سورۃ عربی میں تلاوت کی جائے، جو ایسا بھی نہ کر سکے تو اس نے کچھ بھی نہیں کیا، وہ کھیل کر رہا ہے۔

اسی طرح ایک مسلمان کے لیے ضروری ہے کہ وہ حج کے اذکار ہی سیکھ لے، حج میں جو تلبیہ کہا جاتا ہے وہی سیکھ لے، اس کے علاوہ جو چیزیں حج کی ادائیگی کے لیے ضروری ہیں وہ سیکھ لے۔

اگر تلاوت کے الفاظ لاطینی زبان میں لکھے جائیں یا ان کا کسی زبان میں ترجمہ کیا جائے پھر اسے پڑھا جائے تو وہ تلاوت نہیں سمجھی جائے گی، نہ ہی اس پر اجر و ثواب ملے گا، عربی زبان کی بجائے کسی ترجمہ کو قرآن کی تلاوت سمجھ کر پڑھنے والا گناہ گار ہو گا، اس لیے کہ اس نے کلام اللہ جو عربی زبان میں ہے اس میں تحریف کا ارتکاب کیا ہے، اور اس نے عربی زبان کو ایسی زبان کی طرف منتقل کیا ہے جو عربی نہیں ہے، جسے اللہ تعالیٰ نے نہیں اتارا، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے کئی مقامات پر قرآن کریم کے بارے میں واضح کر دیا کہ ہم نے اسے عربی زبان میں نازل کیا۔ (تفسیر القرآن، مؤلفہ محمد منتصر)

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے یہ بات واضح فرمائی ہے کہ اگر ہم قرآن کریم کو عجمی زبان میں

اتارتے تو عرب لوگ معترض ہوتے کہ یہ ہماری زبان میں نہیں ہے اس لیے ہم اسے تسلیم نہیں کرتے، کیونکہ ان کی مادری زبان عربی تھی، حالانکہ یہ کوئی قابل اعتراض اور قابل انکار بات نہیں تھی، کیونکہ نبی کریم ﷺ کے سانحہ رحلت کے بعد کتنے لوگوں کا تعلق عجم سے تھا مگر ان کی خدمات جلیلہ کو دیکھا جائے تو انسان رشک کرتا ہے کہ انہوں نے عجمی ہونے کے باوجود کس طرح عربی زبان کی خدمت کی، آپ ﷺ کے سانحہ رحلت کے وقت جزیرہ عرب میں اسلام پھیل چکا تھا، حضرات خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کے زمانے میں تو عرب کی حدود سے باہر نکل آیا تھا۔

خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پہل کی تھی، انہوں نے اسلام کو پھیلایا تھا، عربی زبان میں اس کی وضاحت دوسری اقوام میں کی تھی، ان لوگوں کی محنت کا ہی نتیجہ تھا کہ دوسرے لوگوں نے بھی عربی زبان سیکھ لی تھی، کئی لوگ تو ایسے تھے جو مادری زبان عربی جاننے والوں سے زیادہ اس زبان پر عبور حاصل کر چکے تھے، جیسے یہ بات سب اہل علم جانتے ہیں کہ نحو کا امام عربی نہیں فارسی تھا، اس سے اہل عرب نے نحوی علم حاصل کیا تھا، تفسیر کا امام عربی نہیں بلکہ فارسی تھا، عجمی تھا، جسے دنیا محمد بن جریر طبری رحمہ اللہ کے نام سے جانتی ہے۔

اسی طرح امام فی الحدیث عجمی تھے، جن کا نام نامی اسم گرامی محمد بن اسماعیل بخاری رحمہ اللہ تھا، ان کے پردادا بردزبہ تھے جو ایک مجوسی نام ہے، فارس کے رہنے والے تھے، امام بخاری امام الحدیث تھے، جنہوں نے عرب و عجم کو عربی زبان میں سنت نبوی سکھائی، مسلم شریف جیسی حدیث کی بہترین کتاب لکھنے والے امام مسلم بن حجاج قشیری نیشاپوری بھی عجمی تھے، ترمذی شریف جیسی حدیث کی کتاب لکھنے والے امام ترمذی بھی عجمی تھے، ابوداؤد شریف جیسی حدیث کی کتاب لکھنے والے امام ابوداؤد سجستانی بھی عجمی تھے۔ سیبویہ جیسا عظیم عالم، الکتاب کا مصنف بھی عربی نہیں عجمی تھا۔

نبی کریم ﷺ کے سانحہ رحلت کے بعد آپ کے شیدائیوں اور فدائیوں نے عربی زبان میں اسلام کو عام کیا اور پھیلایا، یوں ان لوگوں کی کاوشوں کی بدولت عربی مسلمانوں کی زبان قرار پائی، یہی بات علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اپنے علم اور ابن بطوطہ رحمہ اللہ نے اپنے مشاہدہ کی بنیاد پر کہی تھی۔

شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ اپنی کتاب ”اقتضاء الصراط المستقیم فی مخالفۃ اصحاب الجحیم“ میں اپنے زمانے کے بارے میں لکھتے ہیں کہ تمام امم اور شعوب اسلامیہ قرآنی زبان یعنی عربی زبان میں گفتگو کرتی ہیں، حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نمائندے جب کسی علاقے میں تشریف لے جاتے تھے تو وہاں کی مقامی زبان میں قرآن کریم سیکھتے تھے اور اسے ان کے فہم کے مطابق سمجھتے تھے۔

اہل علم و عرفان کہتے ہیں کہ قرآن کریم کا ترجمہ نہیں کیا جاتا، اس کا ترجمہ مشکل ہے، جیسے بڑی بڑی یونیورسٹیز کے اساتذہ اگر کسی شعری قطعہ یا نثری پیراگراف کا ترجمہ کریں اور اسے ایک زبان سے دوسری زبان میں منتقل کریں تو یہ ایسا ترجمہ ہوگا جس سے اس کا ایک حصہ دوسرے حصہ سے میل نہیں کھائے گا، اس لیے کہ ترجمہ تو معانی کا ترجمان ہوتا ہے جو فہم وادراک کی طرف لوٹتا ہے۔

شیخ محمد منتصر رحمہ اللہ اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ ترجمہ کی دو قسمیں ہیں، پہلی قسم یہ ہے الفاظ قرآن کریم کا ترجمہ کیا جائے تو یہ جائز نہیں ہے، دوسری قسم یہ ہے کہ الفاظ قرآنی کے معانی کا ترجمہ کیا جائے یہ جائز ہے، اسی لیے تو آج ہم دیکھتے ہیں کہ اللہ کی کتاب کے تراجم روئے زمین کی تمام زبانوں میں کیے جاتے ہیں، وہاں کی رہنے والی مسلمان آبادی کی زبان میں کتاب اللہ کے ترجمے کیے جاتے ہیں، وہاں کی رہنے والی کافر آبادی کی زبان میں کتاب اللہ کے ترجمے کیے جاتے ہیں، جیسے فرنچ زبان میں قرآن کریم کے ترجمے کیے جاتے ہیں، اسی طرح ترکی زبان میں قرآن کریم کے ترجمے کیے جاتے ہیں، اسی طرح ان کے علاوہ جہاں جہاں جو آبادیاں ہیں ان کی زبانوں میں ترجمے کیے جاتے ہیں، باوجودیکہ ایک زبان سے دوسری زبان میں ترجمہ کرتے وقت ان میں اختلاف پایا جاتا ہے، اس لیے کہ ترجمہ تو نام ہے شرح ،بیان اور تفسیر کا۔

عربی زبان میں تفاسیر اپنی کثرت کے باجود ہر زمانے کی تفاسیر کے ساتھ متفق نہیں ہیں، یہ بات اس فہم کی بناء پر کچھ نہ کچھ سمجھی جاتی ہے کہ یہ آیت منسوخ ہے، یا مطلق ہے یا مخصص ہے یا مقید ہے۔ دوسرا آتا ہے وہ کہتا ہے کہ یہ آیت منسوخ نہیں ہے، اس بناء پر اختلاف پایا جاتا ہے، کتنے مفسرین کرام ہیں جنہوں نے سورۃ الحجر کی آیت ۲۲ میں موجود لفظ لواقح کے معنیٰ میں اختلاف کیا

ہے۔(تفسیر کتانی)

عربی زبان میں تقدیم و تاخیر تو بہت زیادہ پائی جاتی ہے، عربی زبان جاننے والے آدمی کو یہ بات سیاق وسباق سے معلوم ہو جاتی ہے اور ہونا بھی چاہیے، اس لیے ہر مسلمان کے لیے ضروری ہے کہ وہ اسے اچھی طرح سمجھے، کیونکہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ اور اسلامی شریعت عربی زبان سیکھے سمجھے بغیر سمجھے نہیں جاسکتے اور تراجم تو کبھی بھی عربی زبان سے بے نیاز نہیں ہوسکتے، اسی لیے جو شخص صرف ترجمہ پر انحصار کرے گا اس کا علم ناقص ہو گا اور ضائع ہو جائے گا، اسی لیے ہمیں یہ بات محسوس ہوتی ہے کہ جو شخص ترجمہ پر بھروسہ کرے گا وہ ایسی چیزوں پر ایمان لاتا ہے نفس الامر میں ان کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔

یہاں یہ بات سمجھنے کی ہے کہ جب کوئی مسلمان شرعی علوم فقہ وغیرہ پر کوئی اسلامی کتاب لکھے تو اس کے لیے عربی زبان کا جاننا ضروری ہے، اگر وہ عربی زبان سمجھے، سیکھے اور جانے بغیر میدان تحریر میں قدم رکھے گا تو وہ جگہ جگہ غلطیاں کرے گا، وہ قرآنی آیات کی تفسیر، احادیث کی شرح اور کلام عرب کی اس طرح شرح کرے گا کہ اس کا مفہوم بگڑا اور بدلا ہوا ہو گا، اسی طرح کی غلطیاں یہود ونصاریٰ میں سے مستشرقین سے ہوئیں، جو تکبر سے عربی زبان سیکھتے ہیں، ترجموں پر انحصار کرتے ہیں، اس وجہ سے ان سے بہت زیادہ جہالت کا صدور ہوتا ہے، بہت زیادہ ردوبدل کرتے ہیں، تبدیلیاں کرتے ہیں، قرآنی آیات میں تحریف کرتے ہیں، احادیث کا مفہوم ومطلب بدل دیتے ہیں، اس لیے عربی عربوں سے سیکھنا چاہیے، اور اسلام ان سے سیکھنا چاہیے جو عربی زبان پر عبور رکھتا ہے۔

اسی لیے تو حضرت نبی کریم ﷺ نے فرمایا تھا کہ اَلْخِلَافَةُ فِی قُرَیْشٍ خلافت قریش میں ہو گی، اس میں اسی بات کی طرف اشارہ ہے کہ جو شخص کتاب اللہ، کتاب اللہ کے بیان اور کتاب اللہ کے معانی کرنے میں امانت داری کا اظہار نہیں کرے گا وہ اللہ کی شریعت میں بھی امانت داری نہیں کر سکتا، کتاب اللہ، سنت رسول اللہ اور فقہ اسلامی میں امانت داری عربی شخص ہی کر سکتا ہے یا وہ شخص ان

چیزوں میں امانت داری کا مظاہرہ کرے گا جس نے عہد طفلی میں کسی عربی جاننے والے سے عربی زبان سیکھی اور ایسا ہو گیا جیسا اس زبان کا عالم ہوتا ہے۔

یہ لوگ عربی زبان کے ظاہر اور باطن پر دسترس رکھتے ہیں، اس کے تمام متعلقات سے آگاہ ہیں، اس زبان کے استعاروں سے واقف ہیں، اس کے بیان وبلاغت سے آگاہ ہیں، اس کی عبارات اور اس کے مفردات سے آشنا ہیں، اگر ایسا نہیں تو اس سے بہت زیادہ غلطیاں صادر ہوں گی، جب غلطیاں زیادہ ہوں گی تو پھر اس کا کام یہ ہو گا کہ وہ شرعی احکامات پر افترا پردازی کرے گا، بہتان تراشی کرے گا، جس پر شہنشاہ کائنات کی طرف سے کوئی دلیل وحجت نہیں اتاری گئی، یہ کیوں ہوا؟ یہ اس کی غلط فہمی کی وجہ سے ہوا۔ (تفسیر کتان مؤلفہ محمد منتصر کتانی)

قرآن کریم کی سورۃ طٰہٰ کی آیت ۱۱۳ میں اللہ تعالیٰ نے واضح فرمایا کہ ہم نے عربی زبان میں قرآن اتارا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ قرآن کریم عربی زبان میں عربوں کے اسلوب کے مطابق اتارا گیا، ان کے قواعد کے مطابق اتارا گیا، اور یہاں یہ بات بھی ذہن نشین رہنی چاہیے کہ عربی زبان کسی خاص طبقے کے لیے نہیں ہے، نبی کریم ﷺ نے واضح فرمایا کہ مَن تَعَلَّمَ العَرَبِيَّةَ فَهوَ عَرَبِيٌّ، لَيسَتِ العَرَبِيَّةُ لَكُم بِأَبٍ وَلَا أُمٍ، وَإِنَّمَا هِيَ لِسَانٌ، جس نے عربی زبان سیکھی وہ عرب ہے، عربی زبان ماں باپ کی طرف سے موروثی نہیں ہے، بلکہ یہ زبان ہے۔

اس ارشاد کو مد نظر رکھتے ہوئے عربی زبان بولنے والا عرب ہے، چاہے وہ یورپ کا رہنے والا ہے، مصر کا رہنے والا ہے، عراق کا رہنے والے ہے، ہر وہ شخص جو عربی بولتا ہے وہ عرب ہے، باپ ہونے کے لحاظ سے آدم علیہ السلام اصل اور بنیاد ہیں، حضرت حواء ماں ہیں، زبانوں اور لہجوں کی تعبیر کے لیے حروف ہوتے ہیں، جو دل میں گھومتے ہیں۔

سورۃ طٰہٰ کی اسی آیت میں وضاحت ہے کہ ہم نے اس میں وعیدات کو پھیرا ہے، اس سے مراد یہ ہے کہ ہم نے بیان کیا، ہم نے واضح کیا، ہم نے تفصیل بیان کی، یہی وعید لانا ہے، یہی ڈر سنانا ہے، یہی خوف دلانا ہے اس شخص کو جو اللہ کی ربوبیت پر ایمان نہیں رکھتا، جو محمد عربی ﷺ کی رسالت پر ایمان

نہیں رکھتا، اور بشارت تو عربی قرآن ہی کے ذریعے دی جاسکتی ہے، ڈر بھی عربی قرآن کے ذریعے ہی سنایا جاسکتا ہے، اسلام کے ابتدائی تین زمانوں میں تو ہمیں یہ بات دکھائی دیتی ہے کہ اس کی نشرواشاعت، معارف اسلامی کی ترویج ان لوگوں نے کی جو عرب نہیں تھے، بلکہ ان کا تعلق عجم سے تھا، جیسے صحاح ستہ کے مصنفین ہیں، یہ عرب نہیں تھے مگر انہوں نے ایسی کتابیں مرتب کیں جو آج تک اپنا فیضان اور نور پھیلا رہی ہیں اور رہتی دنیا تک ان کی روشنی اور نور پھیلتا چلا جائے گا۔

اسی طرح قرآنی علوم، سنن نبویہ اور چاروں مسالک میں جو مسلک دنیا بھر میں پھیلا وہ حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا مسلک ہے، اور امام ابو حنیفہ عربی نہیں تھے، وہ عجمی تھے، وہ فارس کے رہنے والے تھے، بعض روایات کے مطابق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان گرامی ہے کہ اگر علم ثریا ستارے پر بھی ہو گا تو ابنائے فارس میں سے ایک مرد میدان اسے وہاں سے اتار لائے گا، اہل علم اس روایت کا مصداق امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کو قرار دیتے ہیں۔

یہ سب کچھ کیوں ہے؟ اس لیے کہ یہ لوگ اللہ کی ربوبیت پر ایمان رکھتے تھے، اللہ کی کتاب پر ایمان رکھتے تھے، اللہ کی وحی پر ایمان رکھتے تھے، جو عربی زبان میں نازل ہوئی، اور اسلام کے لیے مناسب بات بھی یہی ہے کہ وہ ایسا ہی ہو، اس لیے کہ اسے سمجھنا، اسے سیکھنا، اس کا پڑھنا اس زبان کے بغیر نہیں ہو سکتا جسے اللہ نے نازل فرمایا، ان لوگوں نے صغر سنی میں اسے سیکھا اور اس طرح ہو گئے جیسے باقی عرب تھے، اس لیے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عربیت تمہارے ابا اور اماں کی طرف سے نہیں ہے بلکہ یہ ایک زبان ہے۔

بلکہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جد اعلیٰ حضرت اسماعیل علیہ السلام کو حضرت ابرہیم چھوٹی عمر میں عراق سے بابل میں لائے تھے، حالانکہ اصل کے لحاظ سے وہ عرب نہیں تھے، پھر وہ مکہ کی طرف آئے، وہاں آپ قبائل عرب اور بنی جرہم کے درمیان پروان چڑھے، عربی پر عبور حاصل کیا تو عرب کے سردار بن گئے، بلکہ فصحائے عرب میں ان کا شمار کیا گیا، چند صدیوں بعد عربی زبان وسیع پیمانے پر پھیل گئی، اور علی الاطلاق وسیع زبانوں میں اس کا شمار ہونے لگا، اس کی شہادت وہ کتابیں دیتی ہیں جو عربی

زبان سے متعلق لکھی گئی ہیں، جو سو سو مجلدات پر مشتمل ہیں، احمد بن ابان کی کتاب ''السماء والعالم'' سو جلدوں میں ہے، علامہ منظور افریقی رحمہ اللہ کی ''لسان العرب'' بیس ضخیم جلدوں میں ہے، جو عربوں کی لائبریریوں میں موجود ہیں اور یورپ کی لائبریریوں میں بھی موجود ہیں۔

اہل تفسیر نے قرآن کریم کی آیت {ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ} (الجمعہ:۴) کے تحت لکھا ہے کہ امیوں یعنی عرب اور خصوصا قریش میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت یہ اللہ تعالیٰ کا فضل تھا، اسی طرح قرآن کریم میں آخَرِينَ مِنْهُم سے مراد عجم ہیں، باوجودیکہ قریش اشرف القبائل ہیں، اللہ نے انہیں نسب کے لحاظ سے شرف بخشا ہے، ان کے علاوہ عجموں پر یہ شرف اس طرح فرمایا کہ انہیں ان کے ساتھ جوڑ دیا۔ یہاں فضل اللہ سے مراد یہ ہے کہ اللہ نے عجموں کو عربوں کے ساتھ جوڑا ہے، یہ اللہ کا فضل ہے۔

قرآن میں اس مقام پر ہے کہ اللہ اپنے فضل سے اسے نوازتے ہیں جسے چاہتے ہیں، یہ فضل نوعیت الاجناس کے قبیل سے ہے، اور اس میں کوئی شک نہیں کہ جنس قبائل میں سے افضل جنس عرب کی ہے، جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ إِنَّ اللّٰه اصطَفىٰ إبرَاهِيمَ، وَاصطَفىٰ مِن وُلدِ إبرَاهِيمَ عَلَيهِ السَّلَامُ إسمَاعِيل، وَاصطَفىٰ مِن إسمَاعِيلَ كَنَانَة، وَاصطَفىٰ مِن كَنَانَةَ قُرَيشاً، وَاصطَفىٰ مِن قُرَيش بَنى هَاشِم، وَاصطَفَانى مِن بَنى هَاشِم، فَأَنَا خِيَار مِن خِيَار مِن خِيَار.

اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو چنا، ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے اسماعیل علیہ السلام کو چنا، اسماعیل علیہ السلام میں سے کنانہ کو چنا، کنانہ میں سے قریش کو چنا، قریش میں سے ہاشم کو چنا، اور مجھے ہاشم میں سے چنا، چنانچہ میں بہترین لوگوں میں سے ہوں، بہترین لوگوں میں سے ہوں بہترین لوگوں میں سے ہوں۔

ان میں سب سے افضل جنس عرب کی ہے، اس لیے کہ اللہ نے انہیں خصوصیت سے نوازا کہ حضرت محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کو ان میں پیدا فرمایا، اس کا یہ مطلب بالکل نہیں ہے کہ ہم لسانیت اور عنصریت کے تعصب میں مبتلا ہو جائیں کیونکہ مدار، اساس اور بنیاد فضیلت ایمان اور عمل صالح پر ہے۔

مستدرک حاکم میں روایت ہے، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ فَاخْتَارَ مِنَ الْخَلْقِ بَنِي آدَمَ وَاخْتَارَ مِنْ بَنِي آدَمَ الْعَرَبَ، وَاخْتَارَ مِنَ الْعَرَبِ مُضَرَ، وَاخْتَارَ مِنْ مُضَرَ قُرَيْشًا، وَاخْتَارَ مِنْ قُرَيْشٍ بَنِي هَاشِمٍ، وَاخْتَارَنِي مِنْ بَنِي هَاشِمٍ، فَأَنَا مِنْ بَنِي هَاشِمٍ مِنْ خِيَارٍ إِلَى خِيَارٍ، فَمَنْ أَحَبَّ الْعَرَبَ فَبِحُبِّي أَحَبَّهُمْ، وَمَنْ أَبْغَضَ الْعَرَبَ فَبِبُغْضِي أَبْغَضَهُمْ (مستدرک حاکم)

اللہ تعالیٰ نے مخلوق میں بنی آدم کو چنا، بنی آدم میں سے عربوں کو چنا، عربوں میں سے مضر کو چنا، مضر میں سے قریش کو چنا، قریش میں سے بنی ہاشم کو چنا، مجھے بنی ہاشم میں سے چنا، میں بنی ہاشم میں سے ہوں، بہتر سے بہتر کی طرف، جس نے عربوں سے محبت رکھی اس نے میری محبت کی وجہ سے ان سے محبت رکھی، جس نے ان سے بغض رکھا اس نے میرے بغض کی وجہ سے ان سے بغض رکھا۔

عرب اور عربی زبان کو اللہ کی طرف سے کیا شان اور مقام ملا ہے، اس کا مشاہدہ انسان اس وقت کر سکتا ہے جب افریقی ممالک میں کسی عرب کا جانا ہو، عرب اور عربوں کو ملنے والی شان کا مشاہدہ شرق ایشیاء، ہندوستان، سوویت یونین اور دیگر ممالک میں دیکھی جاسکتی ہے، جب یہاں کے باشندے کسی عرب کو دیکھتے ہیں تو خندہ پیشانی سے اس سے ملتے ہیں، اس کے ہاتھ اور پیشانی کو چومتے ہیں، اور یہ کہتے ہوئے اظہار فخر کرتے ہیں کہ یہ عربی ہے، عرب باشندہ ہے، اللہ نے اسے پاک سرزمین پر پیدا کیا ہے، ان لوگوں کی طرف سے عربوں کو بڑی عزت دی جاتی ہے، یہ لوگ انہیں نبی کریم ﷺ کی نسل میں سے سمجھتے ہیں۔ (ماخوذ از تفسیر بالقرآن مؤلفہ محمد احمد مقدم)

اہل تفسیر قرآن کریم کو عربی زبان میں نازل کرنے کی وجوہات یوں بیان کرتے ہیں کہ یہ زبان ایسی ہے جو معانی اور اسرار ورموز پر مشتمل ہے، اس کے علاوہ کوئی زبان ایسے معانی اور ایسے رموز واسرار نہیں رکھتی، عربی زبان سب سے فصیح وبلیغ زبان ہے، اس میں پائیداری اور وسعت پائی جاتی ہے، اس زبان میں ایسے ایسے الفاظ ہیں جن میں معانی کی کثرت پائی جاتی ہے۔

عربی زبان کو یہ شرف اور اعزاز بھی حاصل ہے کہ تمام کتابوں میں افضل ترین کتاب اسی زبان

میں اتاری گئی، قرآن کریم اسی زبان میں نازل کیا گیا، یہ کتاب اشرف الرسل، خاتم الانبیاء نبی الانبیاء، فخر الرسل حضرت نبی کریم ﷺ کے قلب اطہر پر اتاری گئی، اس کی سفارت کا شرف اور اعزاز حضرت جبریل علیہ السلام کو ملا، یہ کتاب عربی زبان میں روئے زمین میں سب سے بہترین جگہ مکہ مکرمہ میں نازل کی گئی۔

جس مہینے میں اسے اتارا گیا وہ سارے مہینوں میں عزت و شرف والا ہے، جس رات میں اتارا گیا وہ ساری راتوں میں افضل ترین رات ہے، جسے لیلۃ القدر کہا گیا ہے، قرآن کریم میں اس رات کو ہزار مہینوں سے بہتر قرار دیا گیا ہے، یوں عربی زبان کو ہر لحاظ سے شرف و فضل حاصل ہے۔

اسی طرح قرآن کریم جیسی عظیم دولت جس امت کو دی گئی اسے امت مرحومہ کہا جاتا ہے، جسے امت مھدات کہا جاتا ہے، جسے امت وسط کہا جاتا ہے، جسے خیر امت کہا جاتا ہے، قرآن کریم کی سورۃ آل عمران کی آیت ۱۱۰ میں اس امت کو بہترین امت کہا گیا ہے۔

سورۃ الشعراء کی آیت ۱۹۵ میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِينٍ (۱۹۵) ہم نے اس قرآن کو عربی میں نازل کیا۔ یعنی یہ قرآن عربی مبین میں نازل کیا گیا ہے، عربی زبان دنیا کی تمام زبانوں میں بڑی زبان ہے، سب زبانوں سے فصیح ترین زبان ہے، سب زبانوں سے بلیغ ترین زبان ہے، سب زبانوں میں خوبصورت ترین زبان ہے، چنانچہ قرآن انہی صفات کی حامل زبان میں نازل کیا گیا، یہ رب العالمین کی طرف سے آنے والی کتاب ہے، جس کا نزول آسمانوں سے ہوا، فرشتوں میں سے سب سے بڑے پیغام رساں فرشتے حضرت جبریل علیہ السلام کے ذریعے اس کتاب کو اتارا گیا، روئے زمین کے سب سے بزرگی اور شرافت والے حصے مکہ مکرمہ میں اسے اتارا گیا، سال کے بارہ مہینوں میں افضل ترین مہینے رمضان المبارک میں اسے اتارا گیا۔

آسمان کی طرف سے زمین پر اترنے والی تمام چیزوں میں افضل اور بہترین چیز قرآن کریم ہے، اتارنے والا بھی اعلیٰ، لانے والا بھی اعلیٰ، کتاب بھی اعلیٰ، زبان بھی اعلیٰ، زمین بھی اعلیٰ، شہر مکہ بھی افضل، قلب محمد بھی اعلیٰ، جس رات میں قرآن آیا وہ رات بھی اعلیٰ، جس ساعت سعید میں یہ قرآن آیا وہ ساعت و گھڑی بھی اعلیٰ، سبحان ربی الاعلیٰ۔

ڈاکٹر سلمان بن ابراہیم عربی زبان کی اہمیت اپنی کتاب کے مقدمہ میں یوں بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ أَنَّ العَرَبيّةَ تَوقِيفٌ مِن عِندَ رَبِّ العَالَمِينَ، وَلَم يُسَمَّ لُغَةً أُخرىٰ بهٰذِهِ السِّمَةِ، وَكأنَّهُ يرى أَنَّ هٰذِهِ مِيزَةٌ اِنفَرَدَت بِهَا العَرَبيَّةُ عَن لُغَاتِ العَالَمِ، فَكَانَتِ العَرَبيَّةُ وَحياً حُفِظَ حَتَّى نُزِلَ بِهَا القُرآنُ، فَانضَمَّ الوَحيُ إِلَى الوَحي، وَهٰذَا كأنَّهُ يَقُولُ فِيهِ كَمَا أَنَّ لِلعَرَب وَأَتبَاعِهِم دِيناً اِمتَازَ عَن غَيرِهِ بأَنَّهُ وَحيٌّ مَصُونٌ، لَم تَمَسَّه يَدُ التَّغيير، فَإِنَّ لِلعَرَب أَيضاً لُغَةً مَصُونةً مَرعِيَّةً برعَايَةِ اللهِ، صَانَتهَا عَن التَّغيير وَالاِبتِذَالِ، وَرَقَّت فِي مَرَاقِي المَجدِ وَالسُّمُوِّ، يَحفَظُهَا رَبُّهَا وَيُهَيِّؤُهَا، وَهِيَ أَعلَى لُغَةٍ، لِنُزُولِ أَعلىٰ كِتَابٍ بِهَا، وَأَعظَمُ دِينٍ، وَخَاتَمُ الأَديَانِ، اَلإِسلَام، (عنایۃ المسلمین)

عربی زبان رب العالمین کی طرف سے توقیفی ہے، جو مرتبہ اور مقام اسے حاصل ہے وہ کسی اور زبان کو حاصل نہیں ہے، گویا کہ اس ذات عالی نے اسے ممتاز کیا ہے، دنیا کی باقی زبانوں سے اسے منفرد قرار دیا ہے، عربی زبان کی وحی کے ذریعے حفاظت کی گئی ہے، یہاں تک کہ اس زبان میں قرآن کریم نازل کیا گیا ہے، گویا کہ وحی کو وحی میں ضم کیا ہے، گویا کہ وہ اس بارے میں یوں کہتا ہے کہ عربوں اور ان کے پیروکاروں کے لیے ایک دین ہے جو باقیوں سے ممتاز ہے، اس لیے کہ یہ محفوظ وحی ہے، جسے تغیر و تبدل کے ہاتھ چھو تک نہیں سکتے، اسی طرح اہل عرب کے لیے ایک محفوظ زبان ہے جس کی اللہ کی حفاظت کے ساتھ رعایت رکھی گئی ہے، اسے تغیر و تبدل سے بچایا گیا ہے، یہ زبان بزرگی و مجد کے درجات پر بلند ہوئی ہے، اسے اس کے رب نے محفوظ فرمایا ہے، یہ بلند ترین زبان ہے، اس زبان میں اعلیٰ و افضل کتاب نازل کرنے کی وجہ سے، عظیم ترین دین کی زبان ہونے کی وجہ سے، خاتم الادیان کی زبان ہونے کی وجہ سے، اسلام کی زبان ہونے کے باعث۔

ابن فارس نے تو اس کے توقیفی ہونے میں وسعت کا اظہار کرتے ہوئے یوں کہا کہ یہ زبان اپنے الفاظ، اپنی آواز، اپنی بناء، اپنی ترکیب، اپنے اسلوب بیان، بلکہ اپنی کتابت، اپنے خط، اور اپنے علوم او رعروض میں توقیفی ہے۔

ابن فارس رحمہ اللہ نے تو اپنی کتاب میں ایک مستقل باب باندھا ہے، جس کا عنوان یہ ہے، لُغَةُ العَرَبِ اَفضَلُ اللُّغَاتِ وَاَوسَعُھا کہ عربی زبان تمام زبانوں سے افضل اور وسیع ترین زبان ہے، اللہ تعالیٰ نے اپنی عالی شان کتاب اس زبان میں نازل فرمائی۔ ابن فارس کا خیال یہ ہے کہ عربی زبان کو اسلام آنے کے بعد کمال حاصل ہوا، قرآن کریم کے نزول سے اسے کمال ملا، الفاظ و معانی کو جدت ملی۔

علامہ مصطفیٰ صادق رافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ عربی زبان ایسے دین کی زبان ہے جو دائمی بنیادوں پر استوار ہے، اور وہ قرآن کریم ہے، اولین اور آخرین اس کے اعجاز فصاحت پر متفق ہیں، سوائے ان زنادقہ کے جو اس سے لاعلمی کا اظہار کرتے ہیں، یا وہ جاہل جو زندقہ اختیار کرتا ہے۔ (تحت رایۃ القرآن)

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ارشاد فرمایا کہ وَإِنَّهُ لَتَنْزِيلُ رَبِّ الْعَالَمِينَ، نَزَلَ بِهِ الرُّوحُ الْأَمِينُ، عَلَى قَلْبِكَ لِتَكُونَ مِنَ الْمُنْذِرِينَ، بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُبِينٍ (سورۃ الشعراء ۱۹۲) یہ قرآن کریم رب العالمین کی طرف سے اتارا گیا ہے، جسے روح الامین حضرت جبریل علیہ السلام لے کر آئے، یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب اطہر پر نازل کیا گیا، تاکہ آپ لوگوں کو ڈرائیں، یہ واضح عربی زبان میں ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اس کلام کی توصیف سب سے بلیغ انداز میں کی ہے کہ یہ کلام بیان ہے، واضح ہے، مبین ہے، جیسے سورۃ العلق میں انسان کی تخلیق کے ساتھ اس کو بیان سکھانے کا ذکر فرمایا ہے، یہاں ساری چیزوں سے پہلے انسان کو سکھانے سے ابتدا کی ہے، آفتاب و ماہتاب، کواکب و نجوم، شجر و حجر کے ذکر سے بھی پہلے انسان کو سکھانے کا ذکر کیا ہے، ساری خلائق سے پہلے انسان کو بیان سکھانے کا ذکر کیا ہے، جب اللہ تعالیٰ نے عربی زبان کو بیان سکھانے کے ساتھ خاص کیا تو یہ بات معلوم ہوگئی کہ ساری زبانیں بیان سکھانے سے قاصر تھیں اور یہ بات بھی معلوم ہوگئی کہ ساری زبانیں عربی زبان سے کم ہیں۔

عربی زبان میں اللہ تعالیٰ نے بڑی وسعت رکھی ہے، اس کے الفاظ میں بکثرت معانی پائے جاتے ہیں، یہ صفت دنیا کی کسی دوسری زبان میں نہیں پائی جاتی، مثلاً فارسی زبان ہی کو لے لیا جائے، اس میں شمشیر کا لفظ تلوار کے لیے بولا جاتا ہے تو یہ ایک ہی لفظ ہے، جب کہ عربی میں تلوار کے لیے بہت سے نام ہیں، اسی طرح عربی میں شیر کے لیے کئی نام آئے ہیں، گھوڑے کے لیے بے شمار الفاظ استعمال

ہوئے ہیں، اسی طرح بے شمار چیزوں کے بے شمار نام اور الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔

ابو عبد اللہ بن خالویہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں نے شیر کے پانچ سو نام جمع کیے ہیں، سانپ کے دو سو نام جمع کیے ہیں، اسی عربی زبان پر دسترس رکھنے والوں نے پتھر کے ستر نام گنوائے ہیں، یہ اعزاز کسی اور زبان کو حاصل نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ نے عربی زبان کو نرالی شان عطا کی ہے، اس میں استعارے، تمثیلات اس طرح ہیں کہ انہیں دوسری زبانوں میں ادا کرنا مشکل ہے، کوئی مترجم عربی زبان کے استعارات اور تمثیلات کو دوسری زبان میں استعمال کرنے کی قدرت نہیں رکھتا، جس طرح انجیل سریانی سے حبشی اور رومی زبان میں منتقل کی گئی، تورات، زبور اور تمام آسمانی کتب عربی زبان میں منتقل کی گئیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ اہل عجم عربوں کی طرح وسعت نہیں رکھتے۔

اہل علم نے بہت سی ایسی آیات مبارکہ کی نشاندہی کی ہے کہ کوئی مترجم ان کی درست طریقہ سے کسی دوسری زبان میں ترجمانی نہیں کر سکتا، ربانی منشاء کے عین مطابق وہ ان کی وضاحت نہیں کر سکتا کہ رب تعالیٰ یہاں کیا بیان کرنا چاہتے ہیں، حالانکہ مترجمین نے اپنی سی پوری کوشش کی ہے کہ ان آیات کا مفہوم و مقصود واضح ہو سکے مگر وہ اس طرح نہیں کر سکے جس طرح کرنا چاہیے تھا۔

اللہ تعالیٰ کا کلام اس قدر اعلیٰ اور ارفع ہے کہ کوئی کلام اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا، اور یہ کیونکر نہ ہو کہ یہ کلام بہت بڑی ہستی کا ہے، جسے خالق کائنات کہا جاتا ہے، جو تمام لغات اور تمام زبانوں کا پیدا کرنے والا ہے۔ (الصاحبی مؤلفہ احمد بن فارس)

علامہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ نے اپنی معرکۃ الآراء کتاب الاتقان فی علوم القرآن میں اس طرف بھی نشاندہی کی ہے کہ قرآن کریم میں بہت سے الفاظ عجمی بھی پائے جاتے ہیں، انہوں نے ایک کتاب اس موضوع پر تحریر فرمائی تھی جس کا نام ہی انہوں نے اَلْمُهَذَّب فِيمَا وَقَعَ فِی الْقُرآنِ مِنَ الْمُعَرَّب رکھا تھا، جس میں باقاعدہ ان الفاظ کی انہوں نے فہرست پیش کی۔

علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ ''الاتقان فی علوم القرآن'' میں فرماتے ہیں کہ ائمہ کا اس میں اختلاف ہے کہ آیا قرآن کریم میں کوئی عجمی لفظ موجود ہے، اکثر یہی کہتے ہیں ان میں حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ، امام ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ، ابو عبیدہ رحمۃ اللہ علیہ، قاضی ابو بکر رحمۃ اللہ علیہ، احمد بن فارس رحمۃ اللہ علیہ بھی ہیں جو کہتے ہیں کہ قرآن کریم میں عجمی زبان کا کوئی لفظ موجود نہیں ہے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے قرآن عربی زبان میں نازل کیا ہے۔ اسی طرح اللہ نے فرمایا کہ اگر ہم اس قرآن کریم کو عجمی زبان میں نازل کرتے تو یہ معترضین کہتے کہ قرآنی آیات میں وضاحت کیوں نہیں ہے؟ یہ آیات عجمی ہیں اور سنانے والا عربی، اسی لیے امام شافعی اپنے مؤقف میں شدت اختیار کرتے تھے کہ قرآن کریم میں عجمی الفاظ نہیں ہیں۔

ابو عبیدہ رحمۃ اللہ علیہ تو یوں استدلال کرتے تھے کہ قرآن کریم واضح عربی زبان میں اتارا گیا ہے، جو شخص یہ کہتا ہے کہ اس میں کوئی غیر عربی الفاظ موجود ہیں تو وہ بہت بڑی جسارت کا ارتکاب کرتا ہے، جو شخص یہ کہتا ہے کہ کَذَّابٌ نبطی زبان کا لفظ ہے تو وہ بڑی جسارت کرتا ہے۔

ابو عبیدہ رحمۃ اللہ علیہ نے ایک معتدل فیصلہ کیا ہے کہ یہ بات تو ناقابل انکار ہے کہ بہت سے الفاظ عربی لغت میں رومی، فارسی، عبرانی وغیرہ زبانوں کے لیے گئے ہیں، لیکن یہ الفاظ عربی زبان میں ایسے معروف و مشہور ہو گئے کہ خود عربی زبان کے الفاظ سمجھے جانے لگے، اس لیے کسی کا یہ کہنا بھی صحیح ہے کہ عربی زبان میں کوئی غیر عربی لفظ نہیں لیا گیا کیونکہ جو لیے گئے وہ خود عربی بن گئے یا بنا لیے گئے اور دوسروں کا یہ کہنا بھی صحیح ہے کہ غیر زبانوں کے الفاظ عربی زبان میں آئے ہیں، مراد یہ ہے کہ اصل میں وہ الفاظ غیر عربی تھے اگرچہ بعد میں وہ بھی عربی بن گئے اور جب وہ الفاظ عربی زبان کی حیثیت میں آگئے تو قرآن بھی انہیں الفاظ میں نازل ہوا، خلیل بن احمد کی کتاب ''العین'' اور ابن درید کی ''جمہرہ'' میں ایسے الفاظ کو معرب یا دخیل کہا گیا ہے۔

مثلاً طٰہٰ، الیم، طور، ربانیون کے متعلق کہا جاتا ہے کہ یہ سریانی زبان کے الفاظ ہیں اور صراط، قسطاس، فردوس، رومی زبان کے اور مشکوٰۃ، کفلین، حبشی زبان کے اور ہئیت لک جورانی زبان کے الفاظ ہیں اور ابراہیم، اسماعیل، یعقوب وغیرہ عبرانی زبان کے الفاظ ہیں اور طوبیٰ ہندی زبان کا لفظ ہے۔

اور یہی تحقیق معتدل اور صاف ہے، خلاصہ یہ ہے کہ عربی لغت میں دوسری زبانوں کے الفاظ اس طرح تو شامل نہیں ہوئے، جیسے دوسری زبانوں میں مختلف زبانوں کے الفاظ عادۃً شامل ہوا کرتے ہیں لیکن اس کا بھی انکار نہیں ہو سکتا کہ گنے چنے چند الفاظ ایسے ضرور ہیں جو دوسری زبانوں سے لیے گئے ہیں، ان میں صرف وہی الفاظ عربی لغت کے جزء سمجھے گئے ہیں، جو قدیم عربی زبان میں نزول قرآن کے وقت معروف ہو چکے تھے، بعد میں مختلف زبانوں کے اختلاط سے جو الفاظ عربوں میں رواج پا گئے ان کو ماہرین لغت نے عربی لغت کا جزء بنانا باتفاق جائز نہیں سمجھا، ایسے الفاظ ان حضرات کی اصطلاح میں مصنوع یا مولّد کہلاتے ہیں جو اہل لغت کے نزدیک عربی لغت کا جزء نہیں سمجھے۔ (مقدمۃ المنجد محررہ مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ)

ابن فارس رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اگر قرآن کریم میں کوئی غیر عربی لفظ استعمال ہوتا تو وہم ڈالنے والا یوں وہم ڈال سکتا تھا کہ عرب والے اس جیسے الفاظ لانے سے عاجز تھے اس لیے اس میں عجمی لفظ استعمال ہوا ہے۔

ابن جریر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے قرآنی الفاظ کی تفسیر فارسی، حبشی، نبطی یا کسی اور زبان میں منقول نہیں ہے۔ بعض اہل تفسیر کہتے ہیں کہ قرآن کریم میں استعمال ہونے والے تمام الفاظ عربی ہیں، صرف اتنی بات ہے کہ عربی زبان چونکہ بہت ہی وسیع زبان ہے اس لیے اکابرین سے یہ بات مخفی رہی، یہاں تک کہ ابن عباس سے فَاطِرٌ اور فَاتِحٌ کے معنیٰ بھی پوشیدہ تھے۔

حضرت امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ لغت کا احاطہ صرف نبی ہی کر سکتا ہے، ابو المعالی عزیزی بن عبد الملک فرماتے ہیں کہ یہ الفاظ عربی زبان میں ہی پائے گئے ہیں کیونکہ عربی تمام زبانوں میں وسیع ترین زبان ہے، کثرت الفاظ رکھنے والی زبان ہے۔

بعض مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ قرآن کریم میں عجمی الفاظ بھی استعمال ہوئے ہیں مگر قرآن کریم میں یہ جو فرمایا گیا ہے کہ یہ عربی زبان میں نازل کیا گیا ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ اس میں اکثر الفاظ عربی زبان کے ہیں جب کہ معمولی سے الفاظ دوسری زبانوں کے بھی پائے جاتے ہیں جو اس

اعلان کے برخلاف نہیں ہیں، تھوڑے اور معمولی سے الفاظ دوسری زبانوں کے اس کلام عظیم کو عربیت سے خارج نہیں کرتے۔

ابو میسرہ تابعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ قرآن کریم میں ہر زبان کے الفاظ پائے جاتے ہیں، سعید بن جبیر رحمہ اللہ اور وہب بن منبہ رحمہ اللہ نے بھی یہی بات ارشاد فرمائی ہے، ان کا یہ کہنا اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ قرآن کریم میں عجمی الفاظ کے پائے جانے کی حکمت یہ ہے کہ قرآن کریم اولین اور آخرین کے علوم کا جامع ہے، قرآن کریم میں ہر چیز کی خبر موجود ہے، اس لیے اس میں تمام لغات اور تمام زبانوں کے الفاظ کا موجود ہونا لازمی ہے، تاکہ تمام چیزوں کا احاطہ ثابت ہو سکے۔

علامہ سیوطی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے ابن النقیب کو اس بات کی صراحت و وضاحت کرتے ہوئے دیکھا ہے، وہ فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اتاری گئی تمام کتابوں میں قرآن کریم کو یہ خصائص حاصل ہیں کہ اس میں ان قوموں کی زبان کے الفاظ استعمال کیے گئے ہیں جن میں ان کی طرف کتابیں نازل کی گئی تھیں، اس میں ان کی زبانوں کے علاوہ کسی اور زبان کے الفاظ موجود نہیں ہیں، اور قرآن کریم نے عربوں کی تمام زبانوں کا احاطہ کر رکھا ہے، اس میں رومیوں، فارسیوں اور حبشیوں کی زبانوں کے بھی بہت سے الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔

علامہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ نے ایک باریک نکتہ یہ بھی بیان کیا ہے کہ چونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تمام امتوں کی طرف نبی بنا کر بھیجے گئے ہیں، اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ رَسُولٍ إِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهِ ہم نے کوئی رسول نہیں بھیجا مگر اس کی قوم کی زبان میں۔

اس لیے یہ بات ضروری ٹھہری کہ جن لوگوں کی طرف یہ کتاب اتاری گئی ان میں سے ہر قوم کی زبان کے الفاظ اس میں موجود ہوں۔ (الاتقان فی علوم القرآن۔ سیوطی)

"المنجد" کے مقدمہ میں حضرت مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ نے بہت ہی وقیع اور شاندار مقدمہ تحریر فرمایا ہے، اس میں آپ نے عربی زبان کی اہمیت اور افادیت بیان کی ہے، اسی میں آپ نے مختلف زبانوں کے بارے میں لکھا ہے کہ یہ زبانیں اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہیں، فرماتے ہیں کہ انسان اور

حیوانات کی آفرینش اور ان میں لگی ہوئی قدرتی مشینری کے کل پرزوں پر ایک نظر ڈالی جائے تو عقل حیران رہ جاتی ہے کہ اس کارخانہ قدرت میں کس چیز سے کیا چیزیں بن رہی ہیں۔

عارفِ رومی رحمۃ اللہ نے اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ اور اس کی ربوبیت کے مظاہر کو نہایت دلنشین انداز میں بیان کیا ہے۔ ان اشعار کا بامحاورہ ترجمہ درج ذیل ہے:

درمیانِ خون وروده فہم و عقل جزز اکرامِ تو نتواں کرد نقل

خون اور آنتوں کے درمیان عقل و فہم جیسی عظیم نعمت کا پیدا ہونا تیری ہی مہربانی اور کرم کا نتیجہ ہے، ورنہ اس کی کوئی دوسری توجیہ ممکن نہیں۔

اے کہ خاکِ تیرہ را تو جاں دَہی عقل و حس را روزیِ ایماں دَہی

اے وہ ذات! جو بے جان اور تاریک مٹی کو زندگی عطا کرتی ہے اور عقل و حواس رکھنے والوں کو ایمان جیسی عظیم نعمت سے نوازتی ہے۔

شکر از نے، میوہ از چوب آوری وز زمینی مردہ، بتِ خوب آوری

تو گنے جیسی لکڑی سے شکر پیدا کرتا ہے، خشک درختوں سے لذیذ پھل نکالتا ہے اور مردہ زمین سے حسین و دلکش نباتات اور پھول اگاتا ہے۔

گُل ز گِل، صفوت ز دِل پیدا کنی پیہ را بخشی ضیاء و روشنی

تو مٹی سے پھول پیدا کرتا ہے، دلوں سے پاکیزگی اور صفائی ظاہر کرتا ہے اور چربی (روغن) جیسی بے نور چیز کو روشنی اور چراغ کی چمک عطا فرما دیتا ہے۔

خلاصۂ مفہوم: ان اشعار میں حضرت مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ نے اس حقیقت کو اجاگر کیا ہے کہ کائنات میں ظاہر ہونے والی حیرت انگیز تبدیلیاں اور متضاد اشیاء سے نئی صفات کا ظہور اللہ تعالیٰ کی قدرت، حکمت اور ربوبیت کی روشن دلیل ہیں، جو ذات خون اور گوشت کے درمیان عقل پیدا کر سکتی ہے، مردہ زمین سے سرسبزی نکال سکتی ہے اور بے نور چربی سے روشنی پیدا کر سکتی ہے، وہی مردوں کو دوبارہ زندہ کرنے اور دلوں کو ایمان کی روشنی عطا کرنے پر بھی پوری طرح قادر ہے۔

انسان وحیوان کی چلتی پھرتی فیکٹری میں ایک خودکار (آٹو میٹک مشین) اس کی زبان ہے، جو دل ودماغ میں آئے ہوئے خیالات کی ترجمانی اس حیرت انگیز طریق پر کرتی ہے جو مضمون دل ودماغ میں آیا اس کے ادا کرنے کے لیے مناسب حروف والفاظ کا انتخاب پھر اس کی صحت کے ساتھ ادائیگی جس میں سین اور شین بلکہ سین اور صاد کا التباس نہ رہے اس تیز رفتاری کے ساتھ کرڈالتی ہے کہ ایک سیکنڈ کا وقفہ نظر نہیں آتا اور اتنی بات میں انسان اور حیوان سب برابر ہیں، اپنے دلی مقصد کو دوسروں پر ظاہر کرنے کے لیے سب کی زبانوں میں یہ صلاحیت رکھی ہے، یہ دوسری بات ہے کہ ہم جانوروں کی زبان نہ سمجھیں اور جب اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں کہ کسی بندہ کو سمجھا دیں تو وہ بھی سمجھنے لگتا ہے، جیسے حضرت سلیمان علیہ السلام کے بارہ میں ارشاد ہے وَعُلِّمْنَا مَنطِقَ الطَّيْرِ یعنی ہمیں پرندوں کی بولی سکھادی گئی۔

پھر انسان کو حق تعالیٰ نے مدنی الطبع بنایا ہے، وہ اپنی ضروریات کو دوسروں کی امداد کے بغیر پوری نہیں کرسکتا اور اس کا دائرہ عمل بھی عام جانوروں کی طرح صرف محسوسات نہیں بلکہ اس کا امتیازی عمل معقولات سے متعلق ہے، اس لیے اس کو اپنی زندگی قائم رکھنے اور منصبی فرائض ادا کرنے میں خوب افہام وتفہیم اور مکمل بیان وتبیین کی ضرورت زیادہ ہے۔

اس لیے حق تعالیٰ نے اس کی زبان کو عام جانوروں کی زبان سے ممتاز پیدا فرمایا اور اس کو اظہار مقصد کے لیے لغات کی بڑی مقدار اور بیان کے طریقے سکھلائے اور اس کی لغت کو اتنی وسعت عطا فرمائی کہ ایک انسان اپنے مقصد کو مختلف الفاظ اور مختلف عنوانات سے ادا کرسکتا ہے۔

اسی نعمت کو قرآن کریم نے ان الفاظ میں بیان فرمایا خَلَقَ الْإِنسَانَ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ یعنی اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کیا اور اس کو بیان کے طریقے سکھلائے، اس میں زبان سے، قلم سے، اشاروں سے وہ اپنے مقاصد کو بلکہ دقیق علمی مضامین کو بھی مختلف طریقوں کے ساتھ دوسروں کو سمجھانے میں تمام حیوانات سے خصوصی امتیاز رکھتا ہے، اسی لیے حق تعالیٰ نے انسانی لغات اور ان کے اختلاف کو اپنی قدرت کاملہ کی نشانیوں میں شمار فرمایا ہے۔ (مقدمہ المنجد)

حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ مختلف زبانوں کی تخلیق کے بارے میں فرماتے ہیں کہ بعض علماء نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو اول ہی مختلف زبانیں اور لغات سکھلائے تھے، عربی، فارسی، سریانی، عبرانی، رومی وغیرہ اور وہ ان سب زبانوں میں کلام کرتے تھے، ان کی اولاد میں بھی یہ سب زبانیں رائج رہیں، پھر جب ان کی اولاد میں بھی یہ سب زبانیں رائج رہیں، پھر جب ان کی اولاد دنیا کے مختلف گوشوں میں پھیلی تو ہر ایک نے ان زبانوں میں سے ایک زبان کو اپنالیا وہ ہی ان کی پوری قوم وملک کی زبان ہو گئی (البلغہ)

اور اس میں بھی کوئی استبعاد نہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام کو صرف ایک ہی زبان سکھائی گئی ہو اور وہ ایک ہی زبان بولتے ہوں، پھر اولاد کے مختلف خطوں میں پھیلنے اور نسلیں بڑھنے کے بعد اسی زبان میں مختلف قسم کے ایسے تغیرات پیدا ہو گئے ہوں جن سے ہر ایک زبان ایک الگ لغت بن گئی جیسا کہ موجودہ دنیا کے مختلف خطوں کو زبانوں پر نظر ڈالنے سے اس کا مشاہدہ ہوتا ہے، جب دو مختلف زبانوں کے بولنے والے جمع ہو جائیں تو رفتہ رفتہ ان دونوں کے امتزاج سے ایک تیسری زبان پیدا ہو جاتی ہے، جیسے اپنے ملک میں فارسی اور ہندی کے امتزاج نے اردو زبان کو جنم دے دیا۔

اور یہ قیاس ان علاقوں میں اور بھی زیادہ محسوس ہوتا ہے جو دو مختلف زبان والوں کی سرحد پر واقع ہیں اور دونوں زبانوں کے کچھ اثرات قبول کرتے ہیں۔

ابو البشر حضرت آدم علیہ السلام کو جو لغت اور زبان سب سے پہلے جنت میں بصورت تعلیم اسماء سکھائی گئی، روایات اس پر متفق ہیں کہ وہ عربی زبان تھی، اس کے ساتھ دوسری زبانوں کی تعلیم بھی دی گئی تھی یا نہیں اس میں اختلاف ہے۔

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی ایک روایت میں ہے کہ جنت میں آدم علیہ السلام کی زبان عربی ہی تھی، پھر ان سے شجر ممنوعہ کے کھانے میں لغزش ہوئی تو یہ زبان سلب کر لی گئی، سریانی زبان بولنے لگے، پھر توبہ قبول ہونے کے بعد واپس کر دی گئی اور یہی عربی زبان وہ دنیا میں بولتے تھے۔

غرض انسان کی پیدائش سے پہلے زمین پر جنات شیاطین میں کوئی دوسری زبان ضرور رائج ہو گی

لیکن اس میں شبہ نہیں کہ انسان کی سب سے پہلی زبان عربی زبان ہے اور اس کا تمام اہل جنت کی زبان ہونا معتبر حدیث سے ثابت ہے، حدیث میں ہے

أَحِبُّوا الْعَرَبَ لِثَلَاثٍ: لِأَنِّي عَرَبِيٌّ وَالْقُرْآنَ عَرَبِيٌّ وَكَلَامَ أَهْلِ الْجَنَّةِ عَرَبِيٌّ (رواہ حاکم فی المستدرک والبیہقی فی الشعب والطبرانی فی الکبیر ووضع علیہ فی الجامع الصغیر علامۃ الصحیح)

عربی زبان سے تین وجوہ کی بناء پر محبت کرنی چاہیے، ایک یہ کہ میں (یعنی رسول کریم ﷺ) عربی ہوں، دوسرے قرآن عربی میں ہے، تیسرے اہل جنت کی زبان عربی ہو گی۔

اور ظاہر روایات سے تمام آسمانی فرشتوں کی زبان کا بھی عربی ہونا معلوم ہوتا ہے، نیز یہ معلوم ہوتا ہے کہ برزخ (قبر) میں بھی فرشتوں کا سوال وجواب سب عربی میں ہو گا۔

اور شیخ السنہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ نے اتقان میں ایک روایت نقل کی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ آسمانی کتابیں اور صحائف جتنے بھی نازل ہوئے ان کی اصل زبان عربی تھی، انبیاء علیہم السلام نے اپنی اپنی قوموں کی زبان میں اس کا ترجمہ کرکے ان کو پہنچایا ہے، ان میں سے صرف قرآن ایسی کتاب ہے جو اپنی اصلی زبان یعنی عربی میں باقی ہے۔

قرآن کریم نے جہاں اس کا ذکر کیا ہے کہ دنیا کی ہر قوم کے لیے ہدایت اسی کی زبان میں بھیجی گئی ہے وہاں یہ بھی بیان فرمایا ہے کہ ہر قوم کا رسول اور پیغمبر اسی قوم کا ہم زبان بھیجا گیا ہے، یہ نہیں فرمایا کہ ہر قوم کی کتاب اس کی زبان میں بھیجی گئی۔

وَمَا أَرْسَلْنَا مِن رَّسُولٍ إِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهِ یعنی ہم نے ہر رسول کو اس کی قوم کی زبان کے ساتھ بھیجا ہے۔ خود قرآن کریم کی آیات اس پر شاہد ہیں کہ بعض آیات قرآنی پچھلی کتابوں میں بھی موجود تھیں، ارشاد ہے إِنَّ هَٰذَا لَفِي الصُّحُفِ الْأُولَىٰ (۱۸) صُحُفِ إِبْرَاهِيمَ وَمُوسَىٰ (۱۹) یعنی یہ آیت پچھلے صحیفوں میں یعنی ابراہیم اور موسیٰ علیہما السلام کے صحائف میں بھی موجود ہے، دوسری جگہ ارشاد ہے إِنَّهُ لَفِي زُبُرِ الْأَوَّلِينَ یعنی قرآن کریم پچھلی کتابوں میں بھی موجود ہے۔

ظاہر اس کا یہی ہے کہ یہ آیات قرآن انہیں الفاظ قرآنی کے ساتھ پچھلی کتابوں میں موجود تھیں

اور یہ قرینہ اسی کا ہے کہ ان کتابوں کی اصلی زبان عربی ہی تھی، عبرانی وغیرہ زبانوں میں انبیاء علیہم السلام نے ترجمہ کرکے اپنی اپنی قوموں کو پہنچایا۔

اور کعب احبار رحمہ اللہ جو علماء یہود میں سے تھے پھر مسلمان ہوگئے، ان کا قول تفسیر بحر محیط میں سورۃ انعام کی آیت ۱۵۱، تا ۱۵۴ کے متعلق یہ نقل کیا ہے کہ یہی آیات ہیں جن سے تورات اس طرح شروع ہوتی ہے، بِسمِ اللّٰہِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیمِ قُل تَعَالَوا اَتلُ مَاحَرَّمَ رَبُّکُم عَلَیکُم اَلَّاتُشرِکُوا بِہٖ شَیئًا الخ اس سے بھی بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ الفاظ بعینہ تورات میں مذکور تھے۔

اور شاید یہی وجہ ہے کہ صرف قرآن نے تمام اقوام عالم کے علماء اور بلغاء وفصحاء کو مخاطب کرکے یہ چیلنج دیا ہے کہ جو شخص اس کے کلام الٰہی ہونے میں شک کرتا ہے وہ اس کی ایک چھوٹی سی سورت کے مقابلے میں کوئی کلام بنالائے اور سارے عرب کے فصحاء وبلغاء جو اسلام اور قرآن کی مخالفت میں اپنی مال واولاد، آبرو سب کچھ قربان کرنے کو تیار تھے اس چیلنج کے جواب سے بالکل عاجز اور قاصر رہے، وجہ یہ تھی کہ قرآن کے صرف معانی ہی اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہیں بلکہ اس کے نظم الفاظ بھی حق تعالیٰ ہی کی طرف سے ہے، جس کا مثل بنانے پر کوئی مخلوق قادر نہیں ہوسکتی ہے اور قرآن کریم کے نسخ وفسخ اور تمام جعلسازیوں سے قیامت تک محفوظ رہنے کا بھی یہی راز ہے، اس کے معانی اور الفاظ سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں جو مخلوق کی ہر دسترس سے بالاتر ہیں، پچھلی کتابیں تورات وانجیل اور صحف موسیٰ وابراہیم علیہما السلام مسخ وتحریف سے محفوظ نہ رہ سکی، اس کی بھی یہ وجہ ہوسکتی ہے کہ ان کے معانی اگرچہ حق تعالیٰ کی طرف سے تھے مگر الفاظ انبیاء علیہم السلام کے تھے۔

ان تمام روایات سے اگر یہ نتیجہ نکالا جائے تو کوئی مبالغہ نہیں معلوم ہوتا کہ جس طرح ہر حکومت کی کوئی ایک دفتری زبان اور لغت ہوتی ہے، حکومت الٰہیہ کی دفتری زبان عربی ہے کہ سب سے پہلے انسان کو وہی سکھائی گئی اور بالآخر جنت میں پہنچ کر تمام انسانوں کی زبان وہی ہوجائے گی، بلکہ اس دنیا سے رخصت ہوتے ہی برزخ کا پہلا امتحانِ داخلہ اسی زبان میں ہوگا، آسمانی حکومت کے تمام کارگزار فرشتوں کی بھی یہی زبان ہے، آسمانی کتابیں بھی اسی زبان میں نازل ہوئیں، عربی زبان

کی فضیلت وشرافت کے لیے اس سے بڑھ کر اور کیا کوئی شہادت ہو سکتی ہے۔

عربی لغت کی سب سے بڑی فضیلت تو یہی ہے کہ خدا تعالیٰ کا کلام قرآن اسی زبان میں نازل ہوا، امام الانبیاء سید الاولین والآخرین ﷺ کی زبان عربی ہے، اہل جنت کی بلکہ تمام کارپردازن حکومت الٰہیہ کی زبان عربی ہے، آسمانی کتابوں اور صحیفوں کی زبان بھی اصل عربی ہے، اس کے علاوہ عربی زبان کی فصاحت وبلاغت اور اس کی وسعت وسہولت پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس زبان کا انتخاب ہی اس لیے فرمایا ہے کہ وہ کل دنیا کی زبانوں کے مقابلہ میں ہر حیثیت سے بہتر اور افضل ہے۔(مقدمہ المنجد)

استاذ ابو منصور رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اس زبان کی اصل ابتدا تو انسان کے دنیا میں آنے سے پہلے ہی حق تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو سکھلا کر فرمادی تھی اور دوسری زبانیں طوفانِ نوح کے بعد ان کی اولاد کے دنیا کے مختلف خطوں میں آباد ہونے کے بعد شروع ہوئیں، قرآن کریم کا عربی میں ہونا اس کی سب سے بڑی شہادت ہے کہ عربی زبان سب زبانوں سے مقدم ہے کہ کلام ازلی اس میں نازل ہوا اور حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے جو یہ منقول ہے کہ عربی زبان سب سے پہلے حضرت اسماعیل علیہ السلام سے شروع ہوئی تھی، اس کا مطلب تاریخ وروایات کی شہادتوں کی بناء پر یہی ہے کہ قریش کی خاص عربی زبان جس میں قرآن نازل ہوا ہے اس کا چرچہ اور دنیا میں رواج حضرت اسماعیل علیہ السلام سے شروع ہوا ورنہ اصل عربی زبان تو اول ہی حضرت آدم علیہ السلام کو سکھائی گئی تھی جس کو لے کر وہ دنیا میں تشریف لائے اور پھر ان کی اولاد میں باقی رہی۔

البلغہ فی اصول اللغہ میں نواب صدیق حسن خان صاحب نے عبد الملک بن حبیب سے نقل کیا ہے کہ سب سے پہلی زبان جس کو لے کر آدم علیہ السلام زمین پر تشریف لائے وہ عربی زبان تھی، زمانہ دراز گزرنے پر اس میں تغیر وتبدل پیدا ہو کر سریانی زبان پیدا ہو گئی اور یہ زبان ارض سودنہ یعنی جزیرہ کی طرف منسوب ہے جو طوفان نوح سے پہلے حضرت نوح علیہ السلام کا مسکن تھا، کہا جاتا ہے کہ سریانی زبان عربی زبان سے بہت ملتی جلتی زبان تھی اور بوقت طوفان حضرت نوح علیہ السلام کے ساتھ ان کی کشتی میں

جتنے آدمی سوار تھے ان سب کی یہی زبان تھی، صرف ایک آدمی جسے جرہم کہا جاتا تھا اس کی زبان ان سے مختلف یعنی خالص عربی زبان تھی۔

کشتی نوح علیہ السلام سے اترنے کے بعد نوح علیہ السلام کے پوتے ارم نے جرہم کی لڑکی سے شادی کرلی، اس لڑکی کی زبان خالص عربی تھی، یہاں سے ان کی نسل میں پھر خالص عربی زبان کا رواج ہو گیا، ان کی اولاد میں عوض اور جائر پیدا ہوئے، عوض کی اولاد میں عاد اور عبیل ہوئے اور جائر کی اولاد میں قبیلہ ثمود اور جدیس اور بھی قبائل عرب کے قدیم قبائل تھے جن کی زبان عربی تھی۔ (البلغہ)

اس سے معلوم ہوا کہ قبیلہ جرہم جس میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کو پھر بذریعہ الہام عربیہ خالصہ سکھلا دی اور ان کی نسل میں عربیہ خالصہ کا رواج ہوا جو قریش کی زبان تھی اور جس میں قرآن کریم نازل ہوا۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی ایک روایت اس کی شاہد ہے، انہوں نے کہا کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت قُرْآنًا عَرَبِيًّا کی تلاوت فرما کر ارشاد فرمایا کہ یہ عربیہ خالصہ جس میں قرآن نازل ہوا ہے اللہ تعالیٰ نے بذریعہ الہام حضرت اسماعیل علیہ السلام کو سکھلا دی تھی، اس روایت کو حاکم نے مستدرک میں نقل کر کے فرمایا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے، نیز یہ بیہقی نے شعب الایمان میں بھی یہ روایت نقل کی ہے۔

ابن دحیہ کہتے ہیں کہ قبائل عرب مختلف اقسام ہیں، ایک عرب عاربہ، دوسرے عرب متعربہ، تیسرے مستعربہ، عرب عاربہ خالص عرب ہیں جس کے نو قبائل ہیں جو ارم بن سام بن نوح علیہ السلام کی نسل سے ہیں، وہ نو قبائل یہ ہیں، عاد، ثمود، امیم، عبیل، طسم، جدیس، عملیق، جرہم، دبار۔

اور عرب متعربہ اور عرب مستعربہ دونوں وہ لوگ ہیں جو خالص عرب نہیں، دوسری قوموں کے امتزاج سے پیدا ہوئے، عرب متعربہ قحطان کی اولاد ہیں، جن کی اصل زبان سریانی تھی، بعد میں یمن ان کا وطن ہو گیا تھا، وہاں بنو اسماعیل سے انہوں نے عربی زبان سیکھی اور وہی رواج پا گئی۔

اور عرب مستعربہ، عرب حجاز ہیں جو حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد ہیں جن کو بنی معد بن عدنان بن ادّ کہا جاتا ہے چونکہ حضرت اسماعیل علیہ السلام اصل عربی تھے اور نہ ان کی آبائی زبان عربی تھی، اس

لیے ان کی اولاد کو عرب مستعربہ کہا جاتا ہے۔ ابن لسان نے فرمایا کہ سب سے پہلا وہ آدمی جس نے اپنی آبائی زبان کو بھلا کر عربی زبان بولی وہ حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ تمام عرب اسماعیل علیہ السلام کی طرف منسوب ہیں، مگر صحیح اور مشہور یہ ہے کہ عرب عاربہ حضرت اسماعیل علیہ السلام سے پہلے ہیں جن کے قبائل عاد، ثمود، جدیس، امیم، جرہم، عملیق وغیرہ ہیں، جو حضرت خلیل اللہ حضرت اسماعیل علیہ السلام سے پہلے تھے اور ان کے زمانے میں بھی موجود تھے، البتہ عرب حجاز جن کو عرب مستعربہ کہا جاتا ہے یہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی ذریت ہیں۔ (مقدمہ المنجد) اسی طرح عرب یمن اور خمیر بھی اولاد اسماعیل علیہ السلام سے نہیں بلکہ مشہور یہ ہے کہ وہ قحطان کی نسل سے ہیں۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک حدیث شیرازی نے القاب میں نقل کی ہے، جس کا مفہوم یہ ہے کہ سب سے پہلے عربیت خالصہ پر حضرت اسماعیل علیہ السلام کی زبان کھلی، جب کہ ان کی عمر چودہ سال کی تھی۔

ابن عساکر نے اپنی تاریخ میں اور ابو احمد عطریف نے اپنے جزء میں روایت کیا ہے کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یہ کیا بات ہے کہ آپ ہم سے زیادہ فصیح ہیں، حالانکہ آپ کی بود و باش ہمیشہ ہمارے ہی اندر رہی، کہیں باہر جا کر کوئی تعلیم حاصل نہیں کی، آپ نے فرمایا کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اصل زبان منداس ہو گئی تھی، جبریل علیہ السلام نے آکر وہ اصل زبان مجھے یاد کرا دی ہے، میں نے یاد کر لیا۔ (البلغہ)

اور دیلمی نے مسند الفردوس میں بروایت ابو رافع نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس طرح حق تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو تمام اسماء کی تعلیم دی تھی مجھے بھی تمام اسماء کی تعلیم دی تھی۔ (مسند الفردوس بحوالہ مقدمہ المنجد)

عربی زبان کی وسعت کے زیر عنوان حضرت مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ حضرت امام شافعی رحمہ اللہ جو قرآن و سنت کے بے مثل عالم و فقیہ اور تقریباً آدھی دنیا کے امام و متبوع ہونے کے ساتھ ادب اور لغت کے بھی ماہر امام ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ عربی زبان تمام زبانوں میں وسیع تر زبان

ہے اور جہاں تک ہمیں معلوم ہے اس زبان کے پورے لغات کا احاطہ سوائے نبی کے کوئی نہیں کر سکتا۔ (مقدمۃ المنجد)

ابن درید رحمہ اللہ نے ''جمہرہ'' میں اور خلیل نے کتاب ''العین'' میں جو کچھ اپنی معلومات اور یادداشت سے لکھا ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ عربی زبان کے کل لغات پانچ کروڑ چھ لاکھ انسٹھ ہزار چار سو ہیں، جن میں پانچ کروڑ چھ لاکھ بیس ہزار مستعمل اور باقی مہمل و متروک ہیں۔

پھر ان میں دو حرفی کلمات کی تعداد سات سو پچاس اور تین حرفی کلمات کی انیس ہزار چھ سو پچاس ہے اور چار حرفی کلمات تین لاکھ تین ہزار چار سو ہیں اور پانچ حرفی کلمات چھ کروڑ تین لاکھ پچھتر ہزار چھ سو ہیں، یہ سب تفصیل علامہ زبیدی رحمہ اللہ نے مختصر کتاب الخلیل میں اور شیخ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ نے مزہر میں مزید تشریحات کے ساتھ نقل کی ہیں۔

عربی لغت کی بے مثال وسعت کا کچھ اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ اس میں ایک چیز کے بہت سے نام اور بہت سی لغات پائی جاتی ہیں، ایک ہی مفہوم کو سینکڑوں عنوانات اور الفاظ سے تعبیر کیا جاسکتا ہے، علماء لغت نے ایسے لغات کو مستقل کتابوں میں بھی جمع کر دیا ہے، تیر، تلوار اور نیزہ، شیر، اونٹ، بکری، سانپ، صبح و شام، آفات و مصائب جن کا ذکر عام طور پر کلام میں بار بار آتا ہے، ان کے لیے ایک ایک لفظ کے اتنے لغت ہیں کہ آدمی حیران ہو جاتا ہے۔

ابن خالویہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں نے عربی لغت سے شیر کے پانچ سو نام جمع کیے ہیں اور سانپ کے دو سو اور حمزہ اصبہانی نے مصائب و آفات کے چار سو نام لغت عرب میں جمع کر کے فرمایا إِنَّ تَكَاثُرَ أَسْمَاءِ الدَّوَاءِ مِنَ الدَّوَاهِي یعنی مصائب کے نام بہت ہونا بھی مصائب ہی ہیں۔

عربی زبان میں اول تو لغات کی اتنی بڑی کثرت جس کا نمونہ آپ دیکھ چکے ہیں، پھر اعراب اور اشتقاق کے بدلنے سے ایک ایک لفظ میں دس دس معنٰی پیدا ہو جاتے ہیں، اس کے علاوہ مجازات، استعارات، تمثیل و تشبیہ اور کنایات کے ان خاص طریقوں نے جن کو عرب نے اختیار کیا ہے اس زبان کو اور بھی زیادہ وسیع اور سہل و شیریں بنا دیا ہے۔

کلام میں ایجاز واطناب یعنی طول واختصار بھی عرب کے کلام میں ایک حیرت انگیز صنعت ہے کہ اگر اختصار کرنا چاہیں تو بڑے سے بڑے کلام کو صرف ایک یا دو حرف سے ادا کریں اور طول دینا چاہیں تو چھوٹی سے چھوٹی بات کو ایک خطبہ اور مقالہ بنادیں۔

الفاظ وکلمات کے بجائے ضمیروں سے کام لینا بھی عربی کی خصوصیات میں سے ہے، جس میں اختصار کے علاوہ اور بہت سے فوائد ہیں، اسی قسم کی خصوصیات ہیں جن کی وجہ سے قرآن کریم نے عربی زبان کی صفت میں بِلِسَانٍ عَرَبِیٍّ مُّبِیۡنٍ فرما کر صفت بیان میں اس زبان کا دوسری زبانوں سے بہتر اور افضل ہونا متعین فرمادیا ہے۔

اگر غور کیا جائے تو بیان ہی وہ صفت ہے جس پر کسی زبان کی خوبی وخرابی کو پرکھا جاسکتا ہے کیونکہ لغت وزبان کا مقصد ہی اپنے دل کی بات کا اظہار وبیان ہے تو جو لغت اسی اظہار وبیان کے اعتبار سے اکمل ہوگا وہی سب لغات میں بہتر وافضل قرار پائے گا، عربی زبان کی انہیں بے مثال خصوصیات کی بناء پر بعض حضرات نے فرمایا کہ حق بات یہ ہے کہ قرآن کا ایسا ترجمہ جو قرآن کے پورے پورے مفہوم کو ادا کردے کسی دوسری زبان میں ممکن نہیں، جیسے تورات وانجیل وغیرہ آسمانی کتابوں کے ترجمے سریانی اور عبرانی زبانوں سے دوسری زبانوں میں کیے گئے ہیں اور ان کی ان زبانوں کو تورات وانجیل سمجھا گیا ہے، قرآن میں اس کا امکان نہیں، قرآن کریم کے جتنے ترجمے فارسی، اردو، انگریزی وغیرہ میں کیے گئے وہ محض اہل عجم کی ضرورت کے پیش نظر قرآنی مضامین سے ادنیٰ سی مناسبت پیدا کرنے کے لیے ہیں، قرآن کے پورے مضمرات سے آگاہی اور اس کے حقائق ومعارف کا علم ان ترجموں سے قطعاً ناممکن ہے۔ (مقدمہ المنجد)

حضرت مفتی شفیع رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اسی وجہ سے علماء اسلام کا اس پر اتفاق ہے کہ قرآن کریم کا صرف ترجمہ متن قرآن سے علیٰحدہ شائع نہ کیا جائے کیونکہ لوگ اس کو اردو یا انگریزی کا قرآن کہیں گے حالانکہ اس کو قرآن کہنا کسی حیثیت سے صحیح نہیں، اول تو اس لیے کہ الفاظ قرآن حقیقت قرآن کے جزء ہیں، قرآن نام ہے الفاظ اور معانی کے مجموعے کا، دوسرے اس لیے معانی قرآن بھی

کسی دوسری زبان میں پورے پورے منتقل نہیں کیے جاسکتے، اس لیے معنیٰ کی حیثیت سے بھی قرآن کے اردو یا فارسی یا انگریزی ترجمہ کو قرآن کہنا صحیح نہیں، اسی لیے سلف صالحین نے جب بضرورت عوام قرآن کے ترجمے مقامی زبانوں میں لکھے تو اس کا التزام کیا کہ ترجمہ متن قرآن سے علیٰحدہ نہ ہو۔

عربی زبان کی خصوصیات میں سے یہ بات بھی خاص اہمیت رکھتی ہے کہ تکلم اور تلفظ کی آسانی کا بڑا لحاظ رکھا گیا ہے اس کو چند مثالوں سے سمجھیے، جس کلمہ میں دو حرفوں کے اجتماع سے تکلم میں صعوبت یا سختی پیدا ہو سکتی ہے وہاں عرب نے اس کا التزام کیا ہے کہ کہیں ایک حرف کو اس کے مناسب حرف سے بدل دیا، کہیں حرف ساکن پر کوئی مناسب حرکت دے دی، کہیں کسی حرف کو حذف کر دیا، مثلاً لفظ قَوْلٌ کی ماضی قَوَلَ ہوتی ہے، سہولت کے لیے واؤ کو الف سے بدل کر قَالَ کر دیا، اس کا مضارع یَقْوُلُ ہوتا ہے جو زبان پر ثقیل ہے، یہاں واؤ کی حرکت قاف پر ڈال کر یَقُولُ کر دیا، وَعَدَ کا اسم ظرف مِوعَادٌ ہوتا ہے، واؤ کو یا سے بدل کر مِیعَادٌ کر دیا۔

عام عجمی زبانوں میں دو دو تین تین بلکہ اس سے بھی زیادہ ساکن حرف جمع ہوتے ہیں جس کا ادا کرنا زبان پر نہایت مشکل گزرتا ہے اور اسی لیے اکثر ایسا ہوتا ہے کہ اس کے آخری حرف زبان سے ادا بھی نہیں ہوتے، عربی زبان میں اس کی خاص رعایت رکھی گئی ہے کہ جہاں دو حرف ساکن کے اجتماع سے ثقل پیدا ہوتا ہے وہاں کچھ نہ کچھ قلب وابدال کا عمل کر کے آسان کر دیا گیا ہے۔ (مقدمہ المنجد)

عربی زبان کی حفاظت: عربی زبان کی قدرتی طور پر حفاظت کی گئی ہے ورنہ دنیا کی دوسری زبانیں وقت کے ساتھ ساتھ بدلتی رہتی ہیں مگر عربی زبان میں رد وبدل نہیں ہوا، اس کی قدرتی طور پر حفاظت کی گئی ہے،

مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ دنیا کی عام زبانیں زمانہ کے ساتھ ساتھ بدلتی رہتی ہیں، ایک صدی کے بعد اس پہلی صدی کی زبان متروک ہو جاتی ہے، روز مرہ کے لغات اور ان کے تلفظ میں فرق ہوتا جاتا ہے، کچھ دوسری زبانوں کے اختلاط سے اچھی یا بری تبدیلیاں ہوتی ہیں اور اس زمانہ کی وہی زبان فصیح سمجھی جاتی ہے جو اس وقت بولی جارہی ہے، فارسی قدیم کا موازنہ فارسی جدید سے کیجیے، یا

اردو قدیم کا اردو جدید سے تو ایسا نظر آئے گا کہ یہ زبان ہی دوسری ہے، اسی طرح عام بول چال کی عربی جو آج کل حجاز اور دوسرے عرب ممالک میں بولی جاتی ہے، وہ قدیم قرآنی عربی سے اتنی مختلف ہے کہ ان دونوں کو ایک زبان کہنا مشکل نظر آتا ہے۔

اگر عربی زبان سے مسلمانوں کا تعلق صرف اتنا ہی ہوتا کہ وہ ایک مسلم برادری کی زبان ہے تو آج دوسری قدیم زبانوں کی طرح قدیم عربی بھی متروک اور بے نام ونشان ہو جاتی۔

لیکن مسلمان عربی زبان کا صرف اس لیے دلدادہ نہیں کہ اس کو اس زبان میں اپنے عربی بھائیوں سے بول چال اور مراسلت کا تعلق رکھنا ہے بلکہ اس کے لیے عربی زبان کی دل بستگی اور اس کے احترام وتقدس کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ قرآن کی زبان عربی ہے، رسول کریم ﷺ کی احادیث کا متن عربی میں ہے، اس لیے اسلام کی اساس وبنیاد عربی زبان پر قائم ہے اور اسی وجہ سے تمام علمائے امت کا اتفاق ہے کہ عربی زبان کی حفاظت اور اس کے سیکھنے سکھانے کا سلسلہ ہمیشہ قائم رکھنا اسلامی فرائض میں سے ایک اہم فرض ہے۔

جوہری نے صحاح کے شروع میں لکھا ہے کہ عربی ہی وہ لغت ہے جس کا مرتبہ اللہ تعالیٰ نے بلند فرمایا اور دین ودنیا کے علم کو اس کے ساتھ وابستہ فرمادیا، اور شیخ السنہ علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے مزہر میں فرمایا کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ لغت عربی کا سیکھنا اور معلوم کرنا دین کی ضروریات میں داخل اور ایک فرض کفایہ ہے۔

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے درس قران دینے پر یہ پابندی لگائی ہوئی تھی کہ وہ عربی لغت سے پورا واقف ہو اور مفسر القرآن حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ جب تمہیں قرآن کے کسی لفظ میں اشکال پیش آئے تو اشعار عرب میں اس تلفظ کو تلاش کرو کیونکہ عربی زبان کی تعبیر اور اس کے معانی کی تعیین کے لیے اشعار عرب ہی معیار ہیں۔ اور بعض اہل علم نے دو شعروں میں عربی زبان کی ضرورت اور فضیلت کو اس طرح بیان فرمایا ہے

حِفظُ اللُّغَاتِ عَلَينَا فَرضٌ كَفَرضِ الصَّلٰوةِ

فَلَيسَ يُضبَطُ دِينٌ اِلَّا بِحِفظِ اللُّغَاتِ

یعنی لغات عربی کا یاد کرنا نماز کی طرح ایک فرض ہے کیونکہ کسی دین کو بغیر حفظ لغات کے محفوظ نہیں رکھا جاسکتا اور امام ثعلب رحمہ اللہ نے اپنی امالی میں فرمایا کہ فقیہ کو عربی لغت کے علم کی شدید ضرورت ہے۔

ان روایات سے عربی زبان کی حفاظت اور اس کو سیکھنے اور یاد رکھنے کا فرض کفایہ ہونا تو معلوم ہوگیا اور سی کے ساتھ یہ بھی معلوم ہوگیا کہ وہ عربی جس کی حفاظت اسلامی فرض ہے وہ وہی قدیم عربی ہے جس میں قرآن نازل ہوا، اور جس میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث وسنن ہم تک پہنچی نئی عربی میں کوئی کتنی ہی مہارت حاصل کرلے وہ اس فرض سے سبکدوش نہیں ہوسکتا بلکہ اس کے لیے یہ ضروری ہے کہ جاہلیت عربی کی زبان کو محفوظ رکھے کیونکہ اسی زبان میں قرآن نازل ہوا ہے اور اسی کے ذریعہ قرآن کے معانی صحیح معلوم ہوسکتے ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ عربی لغت کے جمع کرنے والے مصنفین نے اس کی رعایت رکھی ہے کہ دوسری زبانوں کے اختلاط سے اصل قرآنی زبان کا مخلوط ہوکر اشتباہ میں نہ پڑجائے، لغت عربی کی تصنیف وتدوین کرنے والوں نے عرب کے صرف ایسے قبائل کے لغت کو بنیاد اور عمود بنایا ہے جن کا اختلاط دوسری زبان والوں سے نہ تھا، کوفہ، بصرہ کے علاوہ کسی شہر کی زبان کو اسی لیے سند نہیں مانا کہ ان شہروں میں عجمی زبانوں میں اعتبار نہیں کیا، صرف ان عرب عرباء کی زبان سے عربی لغت کو مدون کیا ہے جو نسل اور زبان کے اعتبار سے خالص عرب تھے اور ان میں بھی زیادہ تر قریشی قبائل ہیں۔(مقدمۃ المنجد)

اہل علم کی ان تحقیقات وفرمودات سے عربی زبان کی اہمیت وافادیت اچھی طرح ہمیں معلوم ہوگئی کہ عربی زبان کی اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک کیا اہمیت وافادیت ہے، اور اللہ تعالیٰ نے عربی زبان میں اپنی سب سے مقدس اور پاکیزہ کتاب کیونکر نازل فرمائی، اس زبان میں کس قدر وسعت ہے، اس زبان میں کس قدر مٹھاس اور چاشنی ہے، اس زبان میں کس قدر گہرائی اور گھیرائی ہے۔

مشرک اور مؤحد کی مثال

سوال اس آیت مبارکہ کی تفسیر کیجیے۔

ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا رَّجُلًا فِيْهِ شُرَكَآءُ مُتَشٰكِسُوْنَ وَرَجُلًا سَلَمًا لِّرَجُلٍ هَلْ يَسْتَوِيٰنِ مَثَلًا ؕ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ {۲۹} الزمر

جواب ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے ایک مثال بیان فرمائی ہے کہ ایک شخص ہے جس میں کئی لوگ شریک ہیں جن میں آپس میں ضد اضدی ہے اور ایک وہ شخص ہے جو ایک ہی آدمی کے لیے سالم ہے کیا یہ دونوں حالت کے اعتبار سے برابر ہیں؟ سب تعریف اللہ ہی کے لیے ہے بلکہ ان میں اکثر لوگ نہیں جانتے۔

(دوسرا ترجمہ) اللہ نے ایک مثال یہ دی ہے کہ ایک (غلام) شخص ہے جس کی ملکیت میں کئی لوگ شریک ہیں جن کے درمیان آپس میں کھینچ تان بھی ہے اور دوسرا (غلام) شخص وہ ہے جو پورے کا پورا ایک ہی آدمی کی ملکیت ہے۔ کیا ان دونوں کی حالت ایک جیسی ہو سکتی ہے؟ الحمدللہ (اس مثال سے بات بالکل واضح ہو گئی) لیکن ان میں سے اکثر لوگ سمجھتے نہیں۔

خلاصہ تفسیر: اس آیت میں اللہ تعالیٰ مؤحد اور مشرک کی مثال بیان فرماتا ہے کہ ایک تو وہ غلام ہے جس کے مالک بہت سارے ہوں اور وہ بھی آپس میں ایک دوسرے کے مخالف ہوں اور دوسرا وہ غلام جو خالص صرف ایک ہی شخص کی ملکیت کا ہو اس کے سوا اس پر دوسرے کسی کا کوئی اختیار نہ ہو۔ کیا یہ دونوں تمہارے نزدیک یکساں ہیں؟ ہرگز نہیں۔

اسی طرح مؤحد جو صرف ایک اللہ وحدہ لاشریک لہ کی ہی عبادت کرتا ہے۔ اور مشرک جس نے اپنے معبود بہت سے بنا رکھے ہیں، ان دونوں میں بھی کوئی نسبت نہیں، کہاں یہ مخلص مؤحد؟ کہاں یہ دربدر بھٹکنے والا مشرک؟ اس ظاہر باہر روشن اور صاف مثال کے بیان پر بھی رب العالمین کی حمد و ثنا کرنی چاہئے کہ اس نے اپنے بندوں کو اس طرح سمجھا دیا کہ معاملہ بالکل صاف ہو جائے۔

شرک کی بدی اور توحید کی خوبی ہر ایک کے ذہن میں آجائے۔ اب رب کے ساتھ وہی شرک

کریں گے جو محض بے علم ہوں جن میں سمجھ بوجھ بالکل ہی نہ ہو، اس کے بعد کی آیت کو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ کے انتقال کے بعد پڑھ کر پھر دوسری آیت (وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ (آل عمران:۱۴۴) کی آخر آیت تک تلاوت کر کے لوگوں کو بتایا تھا۔

اختتام زندگانی، بروز محشر بارگاہ ایزدی میں پیشی

سوال اس آیت مبارکہ کی تفسیر کیجیے

اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ {۳۰} ثُمَّ اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عِنْدَ رَبِّكُمْ تَخْتَصِمُوْنَ {۳۱} الزمر

جواب ترجمہ: (اے میرے حبیب ﷺ!) یقیناً موت آپ پر بھی وارد ہو گی اور یہ سب بھی مرنے والے ہیں، پھر تم سب قیامت کے دن اپنے پروردگار کے پاس اپنا مقدمہ پیش کرو گے۔

خلاصہ تفسیر: مطلب آیت شریفہ کا یہ ہے کہ سب اس دنیا سے جانے والے ہیں اور آخرت میں اپنے رب کے پاس جمع ہونے والے ہیں، وہاں اللہ تعالیٰ مشرکوں اور موحدوں میں صاف فیصلہ کر دے گا اور حق ظاہر ہو جائے گا، اس سے اچھے فیصلے والا اور اس سے زیادہ علم والا کون ہے؟ ایمان اخلاص اور توحید و سنت والے نجات پائیں گے، شرک و کفر انکار و تکذیب والے سخت سزائیں اٹھائیں گے۔ اسی طرح جن دو شخصوں میں جو جھگڑا اور اختلاف دنیا میں تھا روز قیامت وہ اللہ عادل کے سامنے پیش ہو کر فیصل ہو گا۔

اس آیت کے نازل ہونے پر حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے رسول اکرم ﷺ سے سوال کیا کہ قیامت کے دن پھر سے جھگڑے ہوں گے؟ آپ نے فرمایا ہاں یقیناً تو حضرت عبد اللہ نے کہا پھر تو سخت مشکل ہے (ابن ابی حاتم) مسند احمد کی اس حدیث میں یہ بھی ہے کہ ثُمَّ لَتُسْئَلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيْمِ (التکاثر:۸) یعنی پھر اس دن تم سے اللہ کی نعمتوں کا سوال کیا جائے گا۔ کے نازل ہونے پر آپ ہی نے سوال کیا کہ وہ کون سی نعمتیں ہیں جن کی بابت ہم سے حساب لیا جائے گا؟ ہم تو کھجوریں کھا کر اور پانی پی کر گذارہ کر رہے ہیں، آنحضرت ﷺ نے فرمایا اب نہیں ہیں تو عنقریب بہت سی نعمتیں ہو جائیں گی۔

مسند کی اسی حدیث میں یہ بھی ہے کہ حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ نے آیت (اِنَّكَ مَيِّتٌ

وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ (الزمر :۳۰) کے نازل ہونے پر پوچھا کہ یا رسول اللہ !(ﷺ) کیا جو جھگڑے ہمارے دنیا میں تھے وہ دوبارہ وہاں قیامت میں دوہرائے جائیں گے ؟ ساتھ ہی گناہوں کی بھی پرستش ہو گی۔ آپ نے فرمایاہاں وہ ضرور دوہرائے جائیں گے۔ اور ہر شخص کو اس کا حق پورا پورا دلوایا جائے گا تو آپ نے کہا پھر تو سخت مشکل کام ہے۔

مسند احمد میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں سب سے پہلے پڑوسیوں کے آپس میں جھگڑے پیش ہوں گے۔ ایک دوسری حدیث میں ہے اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ سب جھگڑوں کا فیصلہ قیامت کے دن ہو گا۔ یہاں تک کہ دو بکریاں جو لڑی ہوں گی اور ایک نے دوسری کو سینگ مارے ہوں گے ان کا بدلہ بھی دلوایا جائے گا(مسند احمد)

مسند ہی کی ایک اور حدیث میں ہے کہ دو بکریوں کو آپس میں لڑتے ہوئے دیکھ کر رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے دریافت فرمایا کہ جانتے ہو یہ کیوں لڑ رہی ہیں ؟ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ حضور ﷺ مجھے کیا خبر ؟ آپ نے فرمایا ٹھیک ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کو اس کا علم ہے اور وہ قیامت کے دن ان میں بھی انصاف کرے گا۔

بزار میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں ظالم اور خائن بادشاہ سے اس کی رعیت قیامت کے دن جھگڑا کرے گا۔ بزار میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں ظالم اور خائن بادشاہ سے اس کی رعیت قیامت کے دن جھگڑا کرے گی اور اس پر وہ غالب آجائے گی اور اللہ کا فرمان ضرور ہو گا کہ جاؤ اسے جہنم کا ایک رکن بنادو۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں ہر سچا جھوٹے سے، ہر مظلوم ظالم سے، ہر ہدایت والا گمراہی والے سے، ہر کمزور زورآور سے اس روز جھگڑے گا۔

ابن مندہ رحمہ اللہ اپنی کتاب الروح میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت لائے ہیں کہ لوگ قیامت کے دن جھگڑیں گے یہاں تک کہ روح اور جسم کے درمیان بھی جھگڑا ہو گا، روح تو جسم کو الزام دے گی کہ تو نے یہ سب برائیاں کیں اور جسم روح سے کہے گا ساری چاہت اور شرارت تیری ہی تھی، ایک فرشتہ ان میں فیصلہ کرے گا کہے گا سنو ایک آنکھوں والا انسان ہے لیکن اپاہج بالکل لولا

لنگڑا چلنے پھرنے سے معذور ہے۔ دوسرا آدمی اندھا ہے لیکن اس کے پیر سلامت ہیں چلتا پھرتا ہے دونوں ایک باغ میں ہیں۔

لنگڑا اندھے سے کہتا ہے بھائی یہ باغ تو میووں اور پھلوں سے لدا ہوا ہے لیکن میرے تو پاؤں نہیں جو میں جا کر یہ پھل توڑ لوں، اندھا کہتا ہے آؤ میرے پاؤں ہیں تجھے اپنی پیٹھ پر چڑھا لیتا ہوں اور لے چلتا ہوں، چنانچہ یہ دونوں اس طرح پہنچے اور جی کھول کر پھل توڑے، بتاؤ ان دونوں میں مجرم کون ہے؟ جسم و روح دونوں جواب دیتے ہیں کہ جرم دونوں کا ہے۔ فرشتہ کہتا ہے بس اب تو تم نے اپنا فیصلہ آپ کر دیا۔ یعنی جسم گویا سواری ہے اور روح اس پر سوار ہے۔

ابن ابی حاتم میں ہے حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اس آیت کے نازل ہونے پر ہم تعجب میں تھے کہ ہم میں اور اہل کتاب میں تو جھگڑا ہے ہی نہیں پھر آخر روز قیامت میں کس سے جھگڑے ہوں گے؟ اس کے بعد جب آپس کے فتنے شروع ہو گئے تو ہم نے سمجھ لیا کہ یہی آپس کے جھگڑے ہیں جو اللہ کے ہاں پیش ہوں گے۔

ابو العالیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں اہل قبلہ غیر اہل قبلہ سے جھگڑیں گے اور ابن زید سے مروی ہے کہ مراد اہل اسلام اور اہل کفر کا جھگڑا ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم، صدیق رضی اللہ عنہ اور قرآن کریم

سوال اس آیت کی تفسیر کیجیے اور یہ بتائیے کہ یہاں وَالَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ سے اور وَصَدَّقَ بِهٖ سے کون مراد ہے؟

فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَبَ عَلَى اللّٰهِ وَ كَذَّبَ بِالصِّدْقِ اِذْ جَآءَهٗ اَلَيْسَ فِيْ جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْكٰفِرِيْنَ {۳۲} وَالَّذِيْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهٖۤ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ {۳۳} الزمر

جواب ترجمہ: سو اس سے بڑھ کر کون ظالم ہے جس نے اللہ پر جھوٹ باندھا اور سچ کو جھٹلایا جبکہ وہ اس کے پاس آیا۔ کیا دوزخ میں کافروں کا ٹھکانا نہیں ہے۔ اور جو شخص سچ کو لے کر آیا اور سچ کی تصدیق کی یہ وہ لوگ ہیں جو متقی ہیں۔

خلاصہ تفسیر: اس آیتِ کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے ظلم کی سب سے بڑی صورت کو بیان فرمایا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے کہ اس شخص سے بڑھ کر ظالم کون ہو سکتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف ایسی بات منسوب کرے جو اس کی شانِ اقدس کے لائق نہیں، چنانچہ مشرکین نے اللہ تعالیٰ کے لیے شریک، بیوی اور اولاد کا عقیدہ گھڑا، بعض نے فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں قرار دیا اور بعض نے اپنے خود ساختہ معبودوں کو اس کا شریک ٹھہرایا، یہ سب اللہ تعالیٰ پر بہتان اور اس کی توحید کے خلاف عظیم جرم ہے۔

اسی طرح وہ شخص بھی سخت ترین ظلم کا مرتکب ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کردہ حق کو جھٹلا دے، خصوصاً اس وحی اور ہدایت کو جسے رسول اللہ ﷺ لے کر آئے، کیونکہ حق واضح ہو جانے کے بعد اس کا انکار کرنا نہ صرف اپنے آپ پر ظلم ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کے پیغام کی تکذیب بھی ہے۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں کے انجام کو بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ کیا ان کافروں کے لیے جہنم ہی ٹھکانا نہیں ہے؟ یقیناً جہنم ہی ان کا مسکن اور جائے قرار ہے، یہ استفہام دراصل ان کے انجام کی قطعی تصدیق اور شدید وعید کے لیے ہے، یعنی جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھا، اس کی توحید کا انکار کیا اور اس کے رسول ﷺ کے لائے ہوئے حق کو جھٹلایا، ان کے لیے آخرت میں جہنم کے سوا کوئی پناہ گاہ نہیں ہو گی۔

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ شرک، اللہ تعالیٰ پر بہتان باندھنا اور وحیِ الٰہی کی تکذیب سب سے بڑے گناہوں میں شامل ہیں اور ان کا انجام اللہ تعالیٰ کے غضب اور جہنم کے عذاب کی صورت میں ظاہر ہو گا، لہٰذا ہر مسلمان پر لازم ہے کہ وہ عقیدۂ توحید کو خالص رکھے، اللہ تعالیٰ کی شان میں کسی قسم کی ناروا نسبت سے بچے اور رسول اللہ ﷺ کے لائے ہوئے حق کو دل و جان سے قبول کرے۔

وَالَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهٖٓ: مفسر قرآن ڈاکٹر محمد اسلم صدیقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جو مقدمہ اللہ تعالیٰ کے حضور قیامت کے دن پیش ہو گا اس کے دو فریق ہوں گے، ایک تو وہ کافر جنہوں نے نبی کریم ﷺ کی دعوت کو نہ صرف ماننے سے انکار کیا بلکہ آنحضرت ﷺ کی بھی تکذیب کی، اس فریق کے بارے میں فیصلہ اوپر کی آیت میں سنا دیا گیا اور ان کے انجام کی بھی خبر دے دی گئی۔

اب پیش نظر آیت کریمہ میں دوسرے فریق کے بارے میں فیصلہ سنایا جارہا ہے۔ اس فریق میں ایک تو نبی کریم ﷺ ہیں اور دوسرے آپ کے فرمانبردار اور متبع لوگ ہیں۔ ان دونوں کے بارے میں فرمایا گیا کہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والے ہیں اور یہ جہنم کے عذاب سے محفوظ رہیں گے۔ رہے ان کے بلند مقامات اور درجات، اس کا ذکر اگلی آیت میں آرہا ہے۔

آنحضرت ﷺ کا ذکر آپ کے نام سے نہیں بلکہ یہ کہہ کر کیا گیا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے عظیم رسول جو سچائی لے کر آئے۔ صدق اور سچائی سے مراد قرآن کریم ہے، نبی کریم ﷺ پر قرآن کریم نازل کیا گیا اور آپ اس عظیم نعمت اور امانت کو لے کر لوگوں کے پاس تشریف لائے، کس شان سے آئے، کس طرح لوگوں کے سامنے اسے پیش کیا، اس کی آپ نے کیا قیمت ادا کی، آپ نے اس تبلیغ و دعوت کے حوالے سے کیا کیا دکھ اٹھائے اور آپ نے کیسی کیسی استقامت کی مثالیں قائم کیں اور کس طرح مخالفین کی اذیتوں کے مقابلے میں ہمدردی اور غمگساری کی بینظیر روایات قائم کیں۔ یہ تمام تفصیلات اور تمام دل کو ہلا دینے والے تجربات ان دو لفظوں میں شامل ہیں۔

اور پھر آپ کے فرماں بردار اور جاں نثار امتیوں کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اس سچائی کی تصدیق کی۔ یعنی جو کچھ آپ پر نازل ہوا اس کے ایک ایک لفظ کے شاہد بنے، قولی گواہی بھی دی اور عملی شہادت بھی قائم کی، نبی کریم ﷺ کے نقوش قدم کی پیروی کو انھوں نے زندگی کا معمول بنایا، آپ نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے جس بات کی خبر دی انھوں نے یقین کامل کے ساتھ اسے اپنے دل میں اتار لیا۔

اس راستے میں آنے والی مشکلات کو اپنے لیے آخرت کا سرمایہ سمجھا اور آپ کی ہر بات کی تصدیق زبان سے بھی کی اور عمل سے بھی اور مسلسل قربانیاں دے کر اس تصدیق کو زندہ جاوید بنا دیا۔

اس فیصلے میں یہ بات واضح کر دی گئی کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں تقویٰ کے دو ہی معیار ہیں، ایک ہے قرآن کریم جیسی سچائی کو اس طرح لوگوں کے سامنے پیش کرنا جیسے آنحضرت ﷺ نے کیا۔

اور دوسرا معیار ہے کہ اس سچائی کی تصدیق کی جائے۔ چنانچہ اس کا سب سے اعلیٰ نمونہ حضرت

ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی ذات گرامی ہے، آپ سب سے پہلے ایمان لائے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت میں سب سے پہلے مار کھائی، اپنی چار نسلیں اسلام کی آغوش میں دے دیں، اپنا سارا کاروبار اسلام پر قربان کر دیا، اپنا تمام مال و دولت اسلام پر خرچ کر ڈالا۔

وہ کمزور غلام جو اسلام لانے کی پاداش میں بری طرح اذیتوں کا شکار تھے انھیں خریدا اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں آزاد کر دیا، تبلیغ و دعوت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے رفیق رہے، کوئی قابل ذکر موقع ایسا نہیں جب آپ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نہ ہوئے، حتیٰ کہ غار ثور کی تنہائیوں میں بھی آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے رفیق تھے، ہجرت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمسفر رہے۔

ہجرت کے بعد بھی کوئی ایسا وقت نہیں آیا جب کسی اور نے آپ کی رفاقت کا آپ سے بڑھ کر حق ادا کیا ہو، حتیٰ کہ مرض الوفات میں آپ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے لوگوں کو نماز پڑھائی، اور آپ کی وفات حسرت آیات کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ بنے اور سوا دو سال بعد ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں اللہ تعالیٰ کو پیارے ہو گئے اور قیامت تک کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو میں آرام کر رہے ہیں۔ اقبال نے نہایت سادہ سے شعر میں آپ کی زندگی کی ایسی تصویر کھینچ دی ہے کہ جس سے بہتر تصویر ممکن دکھائی نہیں دیتی۔

؎ پروانے کو چراغ ہے، بلبل کو پھول بس صدیق کے لیے ہے خدا کا رسول بس

آج بھی حق و باطل کی کشمکش میں مسلمانوں کے لیے یہی دونوں مقامات ہیں جو ان کے ایمان و اسلام کی گواہی دے سکتے ہیں کہ ہر مومن کو یا تو اسلام کا علم بردار ہونا چاہیے اور یا کسی علم بردار کا اسے سپورٹر ہونا چاہیے۔ یعنی یا وہ آگے بڑھ کر اسلام کا جھنڈا اٹھائے اور یا وہ جھنڈا اٹھانے والے کا ساتھ دے۔ یعنی یا خود جہاد کے لیے نکلے اور یا جہاد کرنے والوں کی ہر ممکن مدد کرے، اس کے سوا تیسرا کوئی مقام نہیں جو حق و باطل کی کشمکش میں ایک مومن کو اللہ تعالیٰ کی باز پرس سے بچا سکتا ہو۔ (روح)

حضرت علی رضی اللہ عنہ ابو العالیہ اور کلبی فرماتے ہیں جَاءَ بِالصِّدْقِ سے مراد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور صَدَّقَ بِهٖ سے مراد حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں، حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں ان سے مراد

آنحضرت ﷺ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں سدی کہتے ہیں جَاءَ بِالصِّدْقِ سے مراد جبریل علیہ السلام اور صَدَّقَ بِهٖ سے مراد آنحضرت ﷺ ہیں۔ (روح المعانی) ابن زید، مقاتل اور حضرت قتادہ رحمہم اللہ فرماتے ہیں جَاءَ بِالصِّدْقِ سے مراد آنحضرت ﷺ ہیں اور صَدَّقَ بِهٖ سے مراد تمام اہل ایمان ہیں اور انہوں نے استدلال کیا أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ سے۔ (تفسیر قرطبی)

نیکوکاروں کیلئے بشارت جنت، گناہوں کی معافی، حق و باطل کا انجام

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

لَهُمْ مَّا يَشَآءُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ذٰلِكَ جَزٰٓؤُا الْمُحْسِنِيْنَ {۳۴} لِيُكَفِّرَ اللّٰهُ عَنْهُمْ اَسْوَاَ الَّذِيْ عَمِلُوْا وَيَجْزِيَهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ الَّذِيْ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ {۳۵} اَلَيْسَ اللّٰهُ بِكَافٍ عَبْدَهٗ وَيُخَوِّفُوْنَكَ بِالَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ {۳۶} وَمَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ مُّضِلٍّ اَلَيْسَ اللّٰهُ بِعَزِيْزٍ ذِي انْتِقَامٍ {۳۷} وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ قُلْ اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ اَرَادَنِيَ اللّٰهُ بِضُرٍّ هَلْ هُنَّ كٰشِفٰتُ ضُرِّهٖٓ اَوْ اَرَادَنِيْ بِرَحْمَةٍ هَلْ هُنَّ مُمْسِكٰتُ رَحْمَتِهٖ قُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ عَلَيْهِ يَتَوَكَّلُ الْمُتَوَكِّلُوْنَ {۳۸} قُلْ يٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ اِنِّيْ عَامِلٌ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ {۳۹} مَنْ يَّاْتِيْهِ عَذَابٌ يُّخْزِيْهِ وَيَحِلُّ عَلَيْهِ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ {۴۰} اِنَّآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ لِلنَّاسِ بِالْحَقِّ فَمَنِ اهْتَدٰى فَلِنَفْسِهٖ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيْلٍ {۴۱} الزمر

جواب ترجمہ: ان کے لیے ان کے رب کے پاس وہی ہے جو وہ چاہیں یہ بدلہ ہے اچھے کام کرنے والوں کا۔ تاکہ اللہ ان کے برے کاموں کا کفارہ کر دے اور انہیں ان اعمال کا اچھے سے اچھا اجر دے جو وہ کیا کرتے تھے۔ کیا اللہ اپنے بندوں کو کافی نہیں ہے، اور وہ آپ کو ان سے ڈراتے ہیں، جو اللہ کے علاوہ ہیں اور اللہ جسے گمراہ کر دے اس کو کوئی ہدایت دینے والا نہیں ہے۔ اور جسے ہدایت دیدے سو اس کو کوئی گمراہ کرنے والا نہیں، کیا اللہ عزت والا بدلہ دینے والا نہیں ہے۔ اور اگر آپ ان سے سوال

کریں کہ کس نے پیدا کیا آسمانوں کو اور زمین کو تو ضرور یوں کہیں گے کہ اللہ نے پیدا کیا آپ فرما دیجیے کہ تم ہی بتاؤ جنہیں تم اللہ کے سوا پکارتے ہو اگر اللہ مجھے کوئی ضرر پہنچانے کا ارادہ فرمائے تو کیا یہ اس کی پہنچائی ہوئی تکلیف کو دور کر سکتے ہیں یا اگر وہ مجھے رحمت سے نوازنے کا ارادہ فرمائے تو کیا یہ اس کی رحمت کو روک سکتے ہیں آپ فرما دیجیے کہ کافی ہے مجھے اللہ! اسی پر بھروسہ کرنے والے بھروسہ کرتے ہیں۔ آپ فرما دیجیے کہ اے میری قوم تم اپنی جگہ پر عمل کرتے رہو، بیشک میں عمل کر رہا ہوں سو تم عنقریب جان لو گے۔ کس کے پاس عذاب آتا ہے جو اس کو ذلیل کر دے گا اور اس پر ایسا عذاب نازل ہوتا ہے جو ٹھہر کر رہ جائے۔ بیشک ہم نے لوگوں کے لیے حق کے ساتھ آپ پر کتاب نازل کی ہے سو جو ہدایت پر آجائے یہ اس کی اپنی جان کے لیے ہے اور جو شخص گمراہی اختیار کرے سو وہ اپنی جان کو ضرر پہنچانے کے لیے گمراہی کو اختیار کرتا ہے، اور آپ ان پر مسلط بنا کر نہیں بھیجے گئے۔

خلاصہ تفسیر: ان آیاتِ کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے اہلِ ایمان اور محسنین کے عظیم انعامات کا ذکر فرمایا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے کہ

لَهُمْ مَّا يَشَآءُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ذٰلِكَ جَزَآءُ الْمُحْسِنِيْنَ: جو لوگ ایمان، تقویٰ اور اخلاص کے ساتھ زندگی گزارتے ہیں، ان کے لیے اپنے رب کے پاس وہ تمام نعمتیں موجود ہیں جن کی وہ خواہش کریں گے، یہ دائمی اور کامل نعمتیں ان کے حسنِ عمل، اطاعتِ الٰہی اور مخلوقِ خدا کے ساتھ اچھے برتاؤ کا بہترین صلہ ہیں۔

لِيُكَفِّرَ اللّٰهُ عَنْهُمْ اَسْوَاَ الَّذِيْ عَمِلُوْا: اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے ان کے سابقہ گناہوں اور لغزشوں کو معاف فرمائے گا، خصوصاً ان گناہوں کو جن سے انہوں نے توبہ اور رجوع کے ذریعے نجات حاصل کر لی ہو گی۔

وَيَجْزِيَهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ الَّذِيْ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ: مزید یہ کہ ان کے نیک اعمال کا بدلہ ان کے اعمال کے بہترین معیار کے مطابق عطا کیا جائے گا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا معاملہ اپنے نیک بندوں کے ساتھ محض عدل کا نہیں بلکہ فضل، رحمت اور احسان کا بھی ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ

نے اپنے محبوب رسول ﷺ کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا کہ

اَلَيْسَ اللّٰهُ بِكَافٍ عَبْدَهٗ وَيُخَوِّفُوْنَكَ بِالَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖ: کیا اللہ اپنے بندے کے لیے کافی نہیں؟ یقیناً وہ اپنے بندوں کی حفاظت، نصرت اور کفالت کے لیے کافی ہے، مشرکین مکہ آپ ﷺ کو اپنے معبودانِ باطل سے ڈراتے تھے اور یہ گمان کرتے تھے کہ ان کے بت آپ کو نقصان پہنچا سکتے ہیں، لیکن اللہ تعالیٰ نے واضح فرمادیا کہ

وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ وَمَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ مُّضِلٍّ: جسے وہ ہدایت سے محروم کردے، اسے کوئی ہدایت نہیں دے سکتا، اور جسے وہ ہدایت عطا کردے، اسے کوئی گمراہ نہیں کرسکتا۔

اَلَيْسَ اللّٰهُ بِعَزِيْزٍ ذِي انْتِقَامٍ: کیونکہ وہ کامل غلبے والا اور اپنے دشمنوں سے انتقام لینے کی قدرت رکھنے والا ہے۔ اس حقیقت کے باوجود مشرکین خود اس بات کا اعتراف کرتے تھے کہ

وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ: آسمانوں اور زمین کا خالق اللہ ہی ہے، لیکن پھر بھی عبادت میں دوسروں کو اس کا شریک ٹھہراتے تھے، چنانچہ نبی کریم ﷺ کو حکم دیا گیا کہ ان سے پوچھیں:

قُلْ اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ اَرَادَنِيَ اللّٰهُ بِضُرٍّ هَلْ هُنَّ كٰشِفٰتُ ضُرِّهٖٓ: اگر اللہ مجھے کوئی تکلیف پہنچانا چاہے تو کیا تمہارے معبود جنہیں تم لوگ پکارتے ہو اسے دور کرسکتے ہیں؟

اَوْ اَرَادَنِيْ بِرَحْمَةٍ هَلْ هُنَّ مُمْسِكٰتُ رَحْمَتِهٖ: اور اگر وہ مجھ پر رحمت فرمانا چاہے تو کیا یہ اس کی رحمت کو روک سکتے ہیں؟ ظاہر ہے کہ اس کا جواب نفی میں ہے، لہٰذا اعلان کردیا گیا کہ

قُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ عَلَيْهِ يَتَوَكَّلُ الْمُتَوَكِّلُوْنَ: میرے حبیب ﷺ فرمادیجیے کہ میرے لیے اللہ ہی کافی ہے اور تمام بھروسہ کرنے والوں کو اسی پر بھروسہ کرنا چاہیے۔ پھر رسول اللہ ﷺ کو حکم دیا گیا کہ اپنی قوم سے فرمادیں:

قُلْ يٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ اِنِّيْ عَامِلٌ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ: اے میرے حبیب ﷺ ان لوگوں سے فرمادیجیے کہ تم لوگ اپنے طریقے پر عمل کرتے رہو اور میں اپنے رب کے حکم کے مطابق

توحید اور حق کی دعوت دیتا رہوں گا، عنقریب تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ کامیابی کس کے حصے میں آتی ہے اور رسوائی کس کا مقدر بنتی ہے۔

مَنْ يَّاْتِيْهِ عَذَابٌ يُّخْزِيْهِ وَيَحِلُّ عَلَيْهِ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ: جلد ہی یہ حقیقت کھل جائے گی کہ دنیا میں ذلت آمیز عذاب کس پر نازل ہوتا ہے اور آخرت میں دائمی عذاب کا مستحق کون بنتا ہے، اس میں اہلِ کفر کے لیے سخت تنبیہ اور اہلِ ایمان کے لیے تسلی کا پیغام موجود ہے۔

اِنَّآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ لِلنَّاسِ بِالْحَقِّ: یہاں پر اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم کے مقصدِ نزول کو بیان فرمایا ہے، ارشاد ہوا کہ یہ کتاب حق کے ساتھ تمام انسانوں کی ہدایت کے لیے نازل کی گئی ہے۔

فَمَنِ اهْتَدٰى فَلِنَفْسِهٖ: جو شخص اس کی تعلیمات کو قبول کر کے ہدایت حاصل کرتا ہے، اس کا فائدہ خود اسی کو پہنچتا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ بندوں کے ایمان اور اطاعت سے بے نیاز ہے۔

وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا: اسی طرح جو شخص گمراہی اختیار کرتا ہے، اس کا نقصان بھی اسی کی ذات تک محدود رہتا ہے، اللہ تعالیٰ کو اس کی گمراہی سے کوئی نقصان نہیں پہنچتا، مزید فرمایا کہ

وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيْلٍ: نبی کریم ﷺ لوگوں کے اعمال کے ذمہ دار یا ان پر زبردستی ہدایت مسلط کرنے والے نہیں ہیں، آپ ﷺ کی ذمہ داری صرف اللہ تعالیٰ کے پیغام کو پوری امانت کے ساتھ پہنچا دینا ہے، جبکہ ہدایت دینا اور دلوں کو راہِ راست پر چلانا اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔

ان آیات میں توکل علی اللہ، حق کی دعوت میں استقامت، قرآنِ کریم کی حقانیت اور انسان کی انفرادی ذمہ داری جیسے اہم عقائد و مضامین نہایت جامع انداز میں بیان ہوئے ہیں۔

قبضِ روح

سوال اس آیت کریمہ کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا وَالَّتِيْ لَمْ تَمُتْ فِيْ مَنَامِهَا ۚ فَيُمْسِكُ الَّتِيْ قَضٰى عَلَيْهَا الْمَوْتَ وَيُرْسِلُ الْاُخْرٰٓى اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ {۴۲} الزمر

جواب ترجمہ: اللہ تمام روح کو ان کی موت کے وقت قبض کرلیتا ہے، اور جن کو ابھی موت نہیں آئی ہوتی، ان کو بھی ان کی نیند کی حالت میں (قبض کرلیتا ہے،) پھر جن کے بارے میں اس نے موت کا فیصلہ کرلیا۔ انہیں اپنے پاس روک لیتا ہے، اور دوسری روحوں کو ایک معین وقت تک کے لیے چھوڑ دیتا ہے یقیناً اس بات میں ان لوگوں کے لیے بڑی نشانیاں ہیں جو غور و فکر سے کام لیتے ہیں۔

خلاصہ تفسیر: جب موت کا وقت قریب آجاتا ہے تو اللہ ہی ان روحوں کو قبض کرلیتا ہے، یوں جان نکل جاتی ہے، کوئی حس و حرکت باقی نہیں رہتی، زندگی کا خاتمہ ہو جاتا ہے اور جن کی موت کا وقت ابھی نہیں آیا ہوتا ان کی روح کو عارضی طور پر قبض کرلیتا ہے، مکمل طور پر ان کی روح قبض نہیں کی جاتی بلکہ زندگی کی ایک حیثیت باقی رہ جاتی ہے، جیسے سونے کے وقت انسان پر نیند مسلط کر دی جاتی ہے، اس کی سانس چلتی رہتی ہے، زندگی باقی رہتی ہے، صرف ادراک باقی نہیں رہتا، جب کہ موت کی صورت میں ادراک باقی رہتا ہے اور نہ ہی زندگی باقی رہتی ہے۔

جن پر موت کا حکم لگادیا جاتا ہے ان کی روحیں قبض ہونے کے بعد دوبارہ واپس نہیں لوٹائی جاتیں اور وہ جانیں جن سے نیند کی وجہ سے روح معطل کی گئی تھی ان پر ابھی موت کا وقت نہیں آیا تھا ان کی روحیں ایک معین مدت تک کے لیے آزاد کر دیتا ہے کہ دوبارہ واپس بدن میں جا کر پہلے کی طرح تصرف کرنے لگیں۔

روح کا بدن سے نکل جانا اور پھر روح کا بدن سے نکل کر آزاد ہو جانا اور پھر دوبارہ سے بدن میں آکر کام کرنا یہ قدرت کا ایسا شاہکار ہے جو سوچنے، سمجھنے اور عقل و دانش رکھنے والے لوگوں کے لیے عظیم الشان دلائل رکھتا ہے، اہل عقل کے لیے اس میں نشانیاں ہیں۔

مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ توفی کے لفظی معنیٰ لے لینے اور قبض کرلینے کے ہیں۔ اس آیت میں حق تعالیٰ نے یہ بتلایا ہے کہ جانداروں کی ارواح ہر حال ہر وقت اللہ تعالیٰ کے زیر تصرف ہیں، وہ جب چاہے ان کو قبض کر سکتا ہے اور واپس لے سکتا ہے اور اس تصرف خداوندی کا ایک مظاہرہ تو ہر جاندار روزانہ دیکھتا اور محسوس کرتا ہے کہ نیند کے وقت اس کی روح ایک حیثیت سے

قبض ہو جاتی ہے، پھر بیداری کے بعد واپس مل جاتی ہے اور آخر کار ایک وقت ایسا بھی آئے گا کہ بالکل قبض ہو جائے گی پھر واپس نہ ملے گی۔ (معارف القرآن)

تفسیر مظہری میں ہے کہ قبض روح کے معنٰی اس کا تعلق بدن انسانی سے قطع کر دینے سے ہیں، کبھی یہ ظاہراً و باطناً بالکل منقطع کر دیا جاتا ہے، اس کا نام موت ہے اور کبھی صرف ظاہراً منقطع کیا جاتا ہے۔ باطناً باقی رہتا ہے۔ جس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ صرف حس اور حرکت ارادیہ جو ظاہری علامت زندگی ہے وہ منقطع کر دی جاتی ہے اور باطناً تعلق روح کا جسم کے ساتھ باقی رہتا ہے جس سے وہ سانس لیتا ہے اور زندہ رہتا ہے اور صورت اس کی یہ ہوتی ہے کہ روح انسانی کو عالم مثال کے مطالعہ کی طرف متوجہ کر کے اس عالم سے غافل اور معطل کر دیا جاتا ہے تاکہ انسان مکمل آرام پا سکے۔ اور کبھی یہ باطنی تعلق بھی منقطع کر دیا جاتا ہے جس کی وجہ سے جسم کی حیات بالکل ختم ہو جاتی ہے۔

آیت مذکور میں لفظ توفی، بمعنٰی قبض بطور عموم مجاز کے دونوں معنٰی پر حاوی ہے۔ موت اور نیند دونوں میں قبض روح کا یہ فرق جو اوپر بیان کیا گیا ہے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ایک قول سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ سونے کے وقت انسان کی روح اس کے بدن سے نکل جاتی ہے مگر ایک شعاع روح کی بدن میں رہتی ہے جس سے وہ زندہ رہتا ہے اور اسی رابطہ شعاعی سے وہ خواب دیکھتا ہے۔

پھر یہ خواب اگر روح کے عالم مثال کی طرف متوجہ رہنے کی حالت میں دیکھا گیا تو وہ سچا خواب ہوتا ہے اور اگر اس طرف سے بدن کی واپسی کی حالت میں دیکھا تو اس میں شیطانی تصرفات ہو جاتے ہیں وہ رویاء صادقہ نہیں رہتا اور فرمایا کہ نیند کی حالت میں جو روح انسانی اس کے بدن سے نکلتی ہے تو بیداری کے وقت آنکھ جھپکنے سے بھی کم مقدار وقت میں بدن میں واپس آجاتی ہے۔ (معارف القرآن)

عقیدہ شفاعت کی حقیقت، مشرکین کی گمراہی، انجام آخرت

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ شُفَعَآءَ قُلْ اَوَلَوْ كَانُوْا لَا يَمْلِكُوْنَ شَيْـًٔا وَّلَا يَعْقِلُوْنَ {۴۳} قُلْ

لِلّٰهِ الشَّفَاعَةُ جَمِيْعًا ؕ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ وَاِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَحْدَهُ اشْمَاَزَّتْ قُلُوْبُ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ ۚ وَاِذَا ذُكِرَ الَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖۤ اِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ {۴۵} قُلِ اللّٰهُمَّ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ عٰلِمَ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ اَنْتَ تَحْكُمُ بَيْنَ عِبَادِكَ فِيْ مَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ {۴۶} وَلَوْ اَنَّ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا وَّمِثْلَهٗ مَعَهٗ لَافْتَدَوْا بِهٖ مِنْ سُوْٓءِ الْعَذَابِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ وَبَدَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مَا لَمْ يَكُوْنُوْا يَحْتَسِبُوْنَ {۴۷} وَبَدَا لَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا كَسَبُوْا وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ {۴۸}

الزمر

جواب ترجمہ: کیا ان لوگوں نے اللہ کے سوا سفارش کرنے والے تجویز کر رکھے ہیں آپ فرما دیجیے اگرچہ وہ کچھ بھی قدرت نہ رکھتے ہوں اور کچھ بھی نہ سمجھتے ہوں؟ آپ فرما دیجیے کہ سفارش تمام تر اللہ ہی کے اختیار میں ہے۔ اللہ ہی کے لیے ہے ملک آسمانوں کا اور زمین کا پھر تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔ اور جب تنہا اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان لوگوں کے دل منقبض ہو جاتے ہیں جو آخرت پر یقین نہیں رکھتے اور جب اس کے سوا دوسروں کا ذکر کیا جاتا ہے تو اچانک وہ خوش ہو جاتے ہیں۔ آپ یوں کہیے کہ اے اللہ آسمانوں اور زمینوں کے پیدا فرمانے والے غیب اور شہادت کے جاننے والے آپ اپنے بندوں کے درمیان فیصلہ فرمائیں گے ان باتوں کے بارے میں جن میں وہ اختلاف کرتے ہیں۔ اور جن لوگوں نے ظلم کیا اگر ان کے لیے وہ سب کچھ ہو جو زمین میں ہے اور اس کے ساتھ اس جیسا اور ہو تو قیامت کے دن عذاب کی بدحالی کی وجہ سے وہ ان سب کو جان کے بدلہ میں دے دیں گے اور ان کے لیے اللہ کی طرف سے وہ ظاہر ہو جائے گا جو ان کے گمان میں نہ تھا۔ اور انہوں نے جو عمل کیے تھے ان کے برے نتیجے ان کے لیے ظاہر ہو جائیں گے اور انہیں وہ چیز گھیر لے گی جس کا وہ مذاق بناتے تھے۔

خلاصہ تفسیر: ان آیاتِ مبارکہ میں مشرکینِ مکہ کے ایک بڑے عقیدۂ باطل یعنی غیر اللہ کی شفاعت پر اعتماد کا رد کیا گیا ہے، پھر ان کی نفسیاتی کیفیت بیان کی گئی ہے کہ وہ اللہ وحدہٗ کا ذکر سن کر گھبرا جاتے تھے اور اپنے معبودانِ باطلہ کا ذکر سن کر خوش ہوتے تھے، اس کے بعد رسول اللہ ﷺ کو

ایک جامع دعا کی تلقین کی گئی ہے اور آخر میں قیامت کے دن مشرکوں اور ظالموں کے انجام کا نقشہ کھینچا گیا ہے۔

اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ شُفَعَآءَ: مشرکینِ عرب اپنے بتوں اور معبودانِ باطلہ کے متعلق یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کے سفارشی اور شفیع ہیں، اسی بنیاد پر وہ ان کی عبادت اور نذر و نیاز کرتے تھے، اللہ تعالیٰ نے اس عقیدے کی تردید کرتے ہوئے فرمایا کہ

قُلْ اَوَلَوْ كَانُوْا لَا يَمْلِكُوْنَ شَيْـًٔا وَّلَا يَعْقِلُوْنَ: کیا تم ایسے بے اختیار اور بے شعور پتھروں کو شفیع بناتے ہو جو نہ اپنے لیے کسی نفع و نقصان کے مالک ہیں اور نہ دوسروں کے لیے، بلکہ عقل و شعور سے بھی محروم ہیں؟ اس آیت سے معلوم ہوا کہ شفاعت کا استحقاق کسی مخلوق کو ذاتی طور پر حاصل نہیں، جو ہستی خود مختار نہ ہو اور اللہ کی اجازت کے بغیر کچھ نہ کر سکے، وہ شفاعت کا مالک بھی نہیں ہو سکتی، مشرکین کا اصل انحراف عبادتِ بتاں کے ساتھ عقیدۂ شفاعتِ باطلہ تھا، شفاعت کے لیے اختیار اور اذنِ الٰہی ضروری ہے، جمادات اور بے شعور اشیاء کو حاجت روا و مشکل کشا سمجھنا شرک ہے۔

قُلْ لِّلّٰهِ الشَّفَاعَةُ جَمِيْعًا ؕ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ: رسول اللہ ﷺ کو حکم دیا گیا کہ اعلان فرما دیں، تمام شفاعت اللہ ہی کے اختیار میں ہے، کوئی نبی، فرشتہ یا ولی اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر کسی کی سفارش نہیں کر سکتا، چونکہ آسمانوں اور زمین کی پوری بادشاہت اسی کی ہے، اس لیے شفاعت کا حق بھی اسی کے قبضۂ قدرت میں ہے، اس آیت میں شفاعت کا انکار نہیں بلکہ شفاعتِ مستقلہ اور خود مختار شفاعت کا انکار ہے، قرآنِ کریم کی دیگر آیات سے ثابت ہے کہ انبیاء علیہم السلام ملائکہ اور صالحین اللہ کے اذن سے شفاعت کریں گے، لیکن اصل اختیار اللہ تعالیٰ ہی کا ہو گا، شفاعت برحق ہے مگر اللہ کے اذن سے، کسی مخلوق کو مستقل شفیع سمجھنا جائز نہیں، قیامت میں سب کو اللہ تعالیٰ کے حضور پیش ہونا ہے، اس لیے اسی کی رضا حاصل کرنا اصل مقصد ہونا چاہیے۔

وَاِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَحْدَهُ اشْمَاَزَّتْ قُلُوْبُ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ: جب توحید کا ذکر کیا جاتا اور صرف اللہ کی عبادت کی دعوت دی جاتی تو مشرکین کے دل نفرت اور تنگی محسوس کرتے تھے۔

وَاِذَا ذُكِرَ الَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖٓ اِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ: لیکن جب ان کے بتوں اور معبودانِ باطلہ کا ذکر آتا تو وہ خوشی کا اظہار کرتے تھے، یہ دراصل دل کی بیماری اور عقیدے کے فساد کی علامت ہے، جس دل میں ایمانِ آخرت اور توحید کی روشنی نہ ہو، وہ حق بات سے گھبرا جاتا ہے اور باطل سے مانوس ہو جاتا ہے، توحید سے نفرت ایمان کی کمزوری یا فقدان کی علامت ہے، باطل سے محبت انسان کے فکری انحراف کو ظاہر کرتی ہے، دلوں کی کیفیت انسان کے عقائد کی آئینہ دار ہوتی ہے۔

قُلِ اللّٰهُمَّ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ: اس آیت میں رسول اللہ ﷺ کو ایک عظیم دعا سکھائی گئی ہے، آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کو اس کی عظمت اور صفاتِ کمال کے ساتھ پکاریں کہ اے آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے والے! اے ہر پوشیدہ اور ظاہر چیز کے جاننے والے! آپ ہی اپنے بندوں کے درمیان ان اختلافات کا فیصلہ فرمائیں گے جن میں وہ دنیا میں مبتلا رہے، یہ دعا اس حقیقت کو واضح کرتی ہے کہ حق و باطل کے تمام نزاعات کا آخری اور قطعی فیصلہ اللہ تعالیٰ کے حضور ہو گا، اس آیت کے اسلوب نگارش سے معلوم ہوا کہ دعا میں اللہ تعالیٰ کی صفاتِ کمال کا وسیلہ اختیار کرنا مسنون ہے، غیب و شہادت کا کامل علم صرف اللہ تعالیٰ کو حاصل ہے، دنیا کے تمام اختلافات کا آخری فیصلہ قیامت کے دن ہو گا۔

وَلَوْ اَنَّ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا وَّمِثْلَهٗ مَعَهٗ لَافْتَدَوْا بِهٖ: قیامت کے دن جب ظالم اور مشرک لوگ عذابِ الٰہی کو اپنی آنکھوں سے دیکھیں گے تو خواہ پوری دنیا کی دولت بلکہ اس کے برابر مزید دولت بھی ان کے پاس ہو، وہ سب کچھ فدیہ میں دے کر عذاب سے بچنا چاہیں گے، مگر اس وقت کوئی فدیہ قبول نہیں ہو گا، اس دن اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسے عذاب اور ایسے حقائق ظاہر ہوں گے جن کا انہوں نے دنیا میں کبھی گمان بھی نہیں کیا تھا، آیت سے معلوم ہوا کہ قیامت کے دن مال و دولت کسی کام نہیں آئے گی، آخرت کی کامیابی ایمان اور اعمالِ صالحہ سے وابستہ ہے، دنیا میں گناہوں کو معمولی سمجھنے والے قیامت میں ان کے سنگین نتائج دیکھیں گے۔

وَبَدَا لَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا كَسَبُوْا وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ: قیامت کے دن ان کے تمام برے اعمال، شرک، کفر اور گناہ ان کے سامنے آشکار ہو جائیں گے، وہ عذاب جس کا دنیا میں

مذاق اڑاتے تھے اور جس سے ڈرانے والوں کا استہزاء کرتے تھے، انہیں چاروں طرف سے گھیر لے گا اور اس سے بچنے کی کوئی صورت باقی نہ رہے گی۔

یہ آیت انسان کو متنبہ کرتی ہے کہ دنیا میں کسی گناہ یا وعید کو حقیر نہ سمجھے، کیونکہ ہر عمل محفوظ ہے اور ایک دن اس کا نتیجہ سامنے آنا ہے، یہ بھی معلوم ہوا کہ اعمالِ بد کا حقیقی انجام قیامت میں ظاہر ہو گا، انبیاء علیہم السلام کی وعیدوں اور نصیحتوں کا مذاق اڑانا انتہائی خطرناک جرم ہے، عذابِ الٰہی سے نجات صرف ایمان، توبہ اور اطاعتِ الٰہی میں ہے، قیامت کا دن حقائق کے مکمل انکشاف اور عدلِ کامل کا دن ہو گا۔

ان آیات میں عقیدۂ شفاعت کے صحیح تصور کو واضح کیا گیا ہے کہ شفاعت صرف اللہ تعالیٰ کے اذن سے ہو گی، مشرکین کی توحید سے نفرت اور شرک سے محبت کو ان کے فسادِ قلب کی علامت قرار دیا گیا ہے، پھر اللہ تعالیٰ کی ربوبیت، علمِ کامل اور حاکمیتِ مطلقہ کو بیان کر کے یہ حقیقت واضح کی گئی ہے کہ قیامت کے دن ہر اختلاف کا فیصلہ اسی کے حضور ہو گا، اس دن نہ مال کام آئے گا، نہ جھوٹے معبود، بلکہ ہر شخص اپنے اعمال کے مطابق جزا یا سزا پائے گا۔

ناشکری، رزق میں حکمت خداوندی، دعوت توبہ

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

فَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ ضُرٌّ دَعَانَا ثُمَّ اِذَا خَوَّلْنٰهُ نِعْمَةً مِّنَّا قَالَ اِنَّمَآ اُوْتِيْتُهٗ عَلٰى عِلْمٍ بَلْ هِيَ فِتْنَةٌ وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ {۴۹} قَدْ قَالَهَا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَمَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ {۵۰} فَاَصَابَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا كَسَبُوْا وَالَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْ هٰٓؤُلَآءِ سَيُصِيْبُهُمْ سَيِّاٰتُ مَا كَسَبُوْا وَمَا هُمْ بِمُعْجِزِيْنَ {۵۱} اَوَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ {۵۲} قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ {۵۳} وَاَنِيْبُوْٓا اِلٰى رَبِّكُمْ وَاَسْلِمُوْا لَهٗ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ الْعَذَابُ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ {۵۴} وَاتَّبِعُوْٓا اَحْسَنَ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ

الْعَذَابُ بَغْتَةً وَّاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ {۵۵} الزمر

جواب ترجمہ: سو جب انسان کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو وہ ہمیں پکارتا ہے پھر جب ہم اسے اپنی طرف سے نعمت دے دیتے ہیں تو وہ کہتا ہے کہ یہ تو مجھے ہنر کی وجہ سے ملا ہے بلکہ بات یہ ہے کہ وہ امتحان ہے لیکن ان میں اکثر نہیں جانتے۔ یہ کلمہ ان سے پہلے لوگوں نے کہا سو جو کچھ کمائی کرتے تھے اس نے انہیں کچھ بھی فائدہ نہ دیا۔ سو انہوں نے جو برے اعمال کیے تھے ان کا بدلہ انہیں پہنچ گیا اور ان میں سے جن لوگوں نے ظلم کیا عنقریب انہیں ان کے اعمال کا بدلہ پہنچ جائے گا اور وہ عاجز کرنے والے نہیں ہیں۔ کیا انہوں نے نہیں جانا کہ اللہ رزق پھیلا دیتا ہے جس کے لیے چاہے اور تنگ کر دیتا ہے جس کے لیے چاہے، بلاشبہ اس میں نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو ایمان لاتے ہیں۔ آپ فرما دیجیے کہ اے میرے وہ بندو جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو جاؤ، بلاشبہ اللہ تمام گناہوں کو معاف فرما دے گا بیشک وہ بہت بخشنے والا ہے نہایت رحم والا ہے۔ اور اپنے رب کی طرف متوجہ ہو جاؤ اور اس کے فرمان بردار بن جاؤ اس سے پہلے کہ تمہارے پاس عذاب آئے پھر تمہاری مدد نہ کی جائے۔ اور تم اپنے رب کے پاس سے آئے ہوئے اچھے اچھے حکموں پر چلو قبل اس کے کہ تم پر اچانک عذاب آپڑے اور تم کو خیال بھی نہ ہو۔

خلاصہ تفسیر وربط: پچھلی آیات میں مشرکین کے انجام اور قیامت کی ہولناکیوں کا بیان تھا، ان آیات میں انسان کی ایک عام کمزوری کا ذکر کیا گیا ہے کہ مصیبت کے وقت اللہ کو پکارتا ہے، لیکن نعمت ملنے پر تکبر اور ناشکری میں مبتلا ہو جاتا ہے، پھر رزق کی کشادگی اور تنگی میں اللہ تعالیٰ کی حکمت بیان کی گئی ہے اور آخر میں گناہگاروں کے لیے رحمتِ الٰہی کا عظیم دروازہ کھولتے ہوئے توبہ و انابت کی دعوت دی گئی ہے۔

فَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ ضُرٌّ دَعَانَا ثُمَّ اِذَا خَوَّلْنٰهُ نِعْمَةً مِّنَّا قَالَ اِنَّمَآ اُوْتِيْتُهٗ عَلٰى عِلْمٍ:

انسان کی فطرت کا عجیب حال یہ ہے کہ جب اس پر بیماری، تنگ دستی یا کوئی اور مصیبت آتی ہے تو وہ اخلاص کے ساتھ اللہ تعالیٰ کو پکارتا ہے، لیکن جب اللہ تعالیٰ اس مصیبت کو دور کر کے اسے صحت، مال

یا دوسری نعمتیں عطا فرماتا ہے تو وہ یہ سمجھنے لگتا ہے کہ یہ سب اس کی اپنی قابلیت، تدبیر اور علم کا نتیجہ ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ حقیقت اس کے برعکس ہے، یہ نعمت دراصل آزمائش ہے کہ بندہ شکر ادا کرتا ہے یا تکبر اور غفلت میں مبتلا ہو جاتا ہے، مگر اکثر لوگ اس حقیقت کو نہیں سمجھتے، معلوم ہوا کہ مصیبت میں اللہ کو پکارنا فطری امر ہے، نعمت کے بعد اس کو اپنی قابلیت کا نتیجہ سمجھنا ناشکری ہے، مال و دولت اور اقتدار اللہ تعالیٰ کی طرف سے آزمائش ہیں۔

قَدْ قَالَهَا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَمَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ: یہ دعویٰ کہ یہ نعمت مجھے میرے علم اور قابلیت کی وجہ سے ملی ہے، کوئی نئی بات نہیں، سابقہ امتوں کے متکبر اور مغرور لوگ بھی یہی کہتے تھے، لیکن جب اللہ کا عذاب آیا تو ان کے مال، جاہ و منصب اور دنیاوی اسباب ان کے کسی کام نہ آسکے، یہ آیت خصوصاً قارون کے واقعہ کی یاد دلاتی ہے جس نے کہا تھا کہ مجھے یہ مال میرے علم کی وجہ سے دیا گیا ہے، معلوم ہوا کہ تکبر اور خود پسندی سابقہ ہلاک شدہ قوموں کی مشترک بیماری تھی، مال و اسباب اللہ کے عذاب سے بچانے کی ضمانت نہیں، نعمتوں پر غرور ہلاکت کا سبب بنتا ہے۔

فَاَصَابَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا كَسَبُوْا: چنانچہ ان گزشتہ لوگوں کو ان کے برے اعمال کا وبال بھگتنا پڑا اور ان پر عذاب نازل ہوا، اسی طرح موجودہ مشرکین بھی اگر اپنے کفر و شرک پر قائم رہے تو ان کے اعمال کی سزا ان کو بھی پہنچ کر رہے گی اور وہ اللہ تعالیٰ کو عاجز نہیں کرسکتے، یہ آیت ہر زمانے کے لوگوں کو متنبہ کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی سنت کبھی تبدیل نہیں ہوتی، معلوم ہوا کہ اعمال کا بدلہ لازماً ملتا ہے، اللہ تعالیٰ کی پکڑ سے کوئی بچ نہیں سکتا، گزشتہ قوموں کے واقعات بعد والوں کے لیے عبرت ہیں۔

اَوَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ: کیا یہ لوگ نہیں جانتے کہ رزق کی فراخی اور تنگی اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے؟ وہ جس کے لیے چاہتا ہے رزق وسیع کر دیتا ہے اور جس کے لیے چاہتا ہے محدود کر دیتا ہے، رزق کی کشادگی اللہ کی رضا کی علامت نہیں اور نہ رزق کی تنگی اللہ کی ناراضی کی دلیل ہے، بلکہ دونوں حالتیں آزمائش ہیں، مومن ان حالات میں اللہ کی حکمت کو پہچانتا ہے اور ان سے نصیحت حاصل کرتا ہے، معلوم ہوا کہ رزق کی تقسیم اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے،

مالداری یا غربت کو عزت و ذلت کا معیار نہیں سمجھنا چاہیے، مومن ہر حال میں اللہ تعالیٰ کی حکمت پر یقین رکھتا ہے۔

قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ: یہ قرآنِ کریم کی سب سے زیادہ امید دلانے والی آیات میں سے ایک ہے، اللہ تعالیٰ اپنے ان بندوں کو مخاطب فرمارہے ہیں جنہوں نے گناہوں اور نافرمانیوں میں حد سے تجاوز کیا ہو، انہیں حکم دیا گیا کہ اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہوں، کیونکہ سچی توبہ کے ساتھ رجوع کرنے والوں کے تمام گناہ معاف ہوسکتے ہیں، البتہ یہ مغفرت توبہ کے ساتھ مشروط ہے، کیونکہ قرآن کی دیگر آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ بغیر توبہ کے شرک معاف نہیں ہوگا، معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت ہر گناہ سے وسیع ہے، گناہوں کی کثرت رحمتِ الٰہی سے مایوسی کا سبب نہیں بننی چاہیے، مایوسی بھی ایک خطرناک روحانی بیماری ہے، سچی توبہ تمام سابقہ گناہوں کو مٹادیتی ہے۔

وَاَنِيْبُوْٓا اِلٰى رَبِّكُمْ وَاَسْلِمُوْا لَهٗ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ الْعَذَابُ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ: رحمت کی بشارت کے بعد اللہ تعالیٰ نے عمل کی دعوت دی، صرف امید کافی نہیں بلکہ اپنے رب کی طرف رجوع کرنا، گناہوں سے توبہ کرنا اور اس کے احکام کے سامنے سر تسلیم خم کرنا ضروری ہے، اس رجوع میں تاخیر نہ کی جائے، کیونکہ جب عذاب یا موت آجائے گی تو پھر توبہ کا دروازہ بند ہوجائے گا اور کوئی مددگار کام نہیں آئے گا، معلوم ہوا کہ توبہ صرف زبانی استغفار کا نام نہیں بلکہ عملی رجوع کا نام ہے، اللہ کے احکام کے سامنے مکمل اطاعت اختیار کرنا ضروری ہے، توبہ میں تاخیر خطرناک ہوسکتی ہے۔

وَاتَّبِعُوْٓا اَحْسَنَ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ: اللہ تعالیٰ نے توبہ کے بعد قرآنِ کریم کی مکمل پیروی کا حکم دیا۔ اَحْسَنَ مَآ اُنْزِلَ سے مراد قرآنِ کریم ہے جو تمام آسمانی تعلیمات میں کامل ترین اور بہترین ہدایت ہے، اس کی پیروی کا مطلب یہ ہے کہ انسان اس کے اوامر پر عمل کرے، نواہی سے بچے اور اپنی زندگی کو اس کے مطابق ڈھالے، اس سے پہلے کہ اچانک عذاب یا موت آپہنچے اور مہلت ختم ہوجائے، معلوم ہوا کہ قرآنِ کریم بہترین ہدایت نامہ ہے، حقیقی توبہ کے بعد شریعت کی

پیروی ضروری ہے، موت اور عذاب اچانک آسکتے ہیں، اس لیے اصلاحِ احوال میں تاخیر نہیں کرنی چاہیے۔

ان آیات میں انسان کی ناشکری اور غرور کی مذمت کی گئی ہے کہ وہ مصیبت میں اللہ کو پکارتا ہے لیکن نعمت ملنے پر اسے اپنی قابلیت کا نتیجہ سمجھتا ہے، پھر واضح کیا گیا کہ رزق کی فراخی اور تنگی اللہ تعالیٰ کی حکمت و مشیت کے تابع ہے، اس کے بعد گناہگاروں کے لیے اللہ تعالیٰ کی بے پایاں رحمت کا اعلان کیا گیا اور انہیں توبہ، اطاعت اور قرآنِ کریم کی پیروی کی دعوت دی گئی تاکہ اچانک آنے والے عذاب اور آخرت کی رسوائی سے محفوظ رہ سکیں۔

قیامت: فساق کا اپنی بداعمالیوں پر ندامت

سوال بروز محشر جب انسانی جان کو عذاب دیا جائے گا تو وہ کیا کہے گی؟

اَنْ تَقُوْلَ نَفْسٌ یّٰحَسْرَتٰی عَلٰی مَا فَرَّطْتُّ فِیْ جَنْۢبِ اللّٰهِ وَاِنْ كُنْتُ لَمِنَ السّٰخِرِیْنَ {۵۶} اَوْ تَقُوْلَ لَوْ اَنَّ اللّٰهَ هَدٰىنِیْ لَكُنْتُ مِنَ الْمُتَّقِیْنَ {۵۷} اَوْ تَقُوْلَ حِیْنَ تَرَى الْعَذَابَ لَوْ اَنَّ لِیْ كَرَّةً فَاَكُوْنَ مِنَ الْمُحْسِنِیْنَ {۵۸} بَلٰى قَدْ جَآءَتْكَ اٰیٰتِیْ فَكَذَّبْتَ بِهَا وَاسْتَكْبَرْتَ وَكُنْتَ مِنَ الْكٰفِرِیْنَ {۵۹} وَیَوْمَ الْقِیٰمَةِ تَرَى الَّذِیْنَ كَذَبُوْا عَلَى اللّٰهِ وُجُوْهُهُمْ مُّسْوَدَّةٌ اَلَیْسَ فِیْ جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْمُتَكَبِّرِیْنَ {۶۰} وَیُنَجِّی اللّٰهُ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا بِمَفَازَتِهِمْ لَا یَمَسُّهُمُ السُّوْٓءُ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ {۶۱} الزمر

جواب ترجمہ: کہیں ایسا نہ ہو کہ کسی شخص کو یہ کہنا پڑے کہ: ہائے افسوس میری اس کوتاہی پر جو میں نے اللہ کے معاملے میں برتی! اور دوسری بات یہ کہ میں تو (اللہ تعالیٰ کے احکام کا) مذاق اڑانے والوں میں شامل ہو گیا تھا۔ یا کوئی یہ کہے کہ: اگر مجھے اللہ ہدایت دیتا تو میں بھی متقی لوگوں میں شامل ہوتا۔ یا جب عذاب آنکھوں سے دیکھ لے تو یہ کہے کہ: کاش مجھے ایک مرتبہ واپس جانے کا موقع مل جائے تو میں نیک لوگوں میں شامل ہو جاؤں۔ ہاں بات یہ ہے کہ تیرے پاس میری آیتیں آئیں تو نے انھیں جھٹلا دیا اور تو نے تکبر اختیار کیا اور تو کافروں میں سے تھا۔ اور اے مخاطب تو قیامت کے دن دیکھے گا جن لوگوں نے اللہ پر جھوٹ باندھا ان کے چہرے سیاہ ہوں گے کیا دوزخ میں تکبر والوں کا

ٹھکانا نہیں ہے۔ اور اللہ تقوی والوں کو ان کی کامیابی کے ساتھ نجات دے گا انہیں تکلیف نہ پہنچے گی اور نہ وہ غم گین ہوں گے۔

خلاصہ تفسیر: بروز محشر سب کچھ کھل کر سامنے آجائے گا، نیکوکاروں کو ان کی دنیا میں کی جانے والی نیکیوں کا اچھا صلہ ملے گا جب کہ گنہگاروں، سیہ کاروں، اللہ کے نافرمانوں، باغیوں اور سرکشوں کو ان کے کرتوتوں اور سیاہ اعمالیوں کی سزا ملے گی۔

عذاب کو دیکھتے ہی انسان پکار اٹھے گا کہ اے افسوس! اللہ تعالیٰ نے دنیا میں مجھے کچھ کرنے کا حکم دیا تھا اسے میں نے ضائع کر دیا تھا، میں نے اللہ کے حکم پر عمل نہیں کیا تھا، میں نے اللہ کی اطاعت اور فرمانبرداری میں کوتاہی کی تھی، اس کا حق ضائع کیا تھا، دنیا میں تو میں اس کے احکامات کا ٹھٹھا کرتا اور مزاح اڑاتا تھا، میں دنیا میں ان لوگوں میں شامل تھا جو اللہ کے احکامات، رسول اللہ کے ارشادات اور کتاب اللہ کے فرمودات کا مزاح اڑایا کرتے تھے، اہل ایمان کا تمسخر اڑاتے تھے، جگتیں کرتے اور انہیں ستاتے تھے۔

یہ بدنصیب شخص وہاں اس حسرت کا اظہار کرتے ہوئے کہے گا کہ اگر اللہ تعالیٰ میری اپنے دین کی طرف راہنمائی کرتا تو میں شرک اور گناہوں سے بچنے والوں میں سے ہو جاتا، یا اللہ کے عذاب کو دیکھتے ہوئے یوں کہے گا، اے کاش! مجھے ایک دفعہ پھر دنیا میں بھیج دیا جائے تو میں ان لوگوں میں شامل ہو جاؤں جو اپنے رب کی اطاعت و فرمانبرداری کر کے نیکیاں کماتے ہیں، اور ان احکامات پر عمل کروں جو اللہ کے رسولوں نے دیا۔

حضرت شیخ عبدالکریم ہوازن قشیری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ کہا جاتا ہے کہ یہ ان لوگوں کے بارے میں ہے جو اپنے جیسے لوگوں کو دیکھیں گے کہ وہ لوگ اپنے حالات میں ان سے آگے بڑھ چکے ہیں، تو پھر انہیں اپنی گزری ہوئی کوتاہیاں یاد آئیں گی، تو وہ مارے حسرت کے اپنی انگلیاں چبائیں گے، افسوس کا اظہار کریں گے۔ (تفسیر قشیری)

پھر کوئی کہے گا کہ کاش میں دنیا میں دوبارہ بھیجا جاؤں تو وہاں جا کر نیک اعمال کروں، کوئی کہے گا کہ

کاش میں اس طرح نیکوکار شخص ہوتا، مگر اللہ کی طرف سے اسے نہ دوبارہ بھیجا جائے گا اور نہ ہی اسے مہلت ملے گی بلکہ اسے پیش آمدہ عذاب چکھنے اور بھگتنے کا حکم دیا جائے گا۔

مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ کسی بڑے سے بڑے مجرم کافر عاجز کو بھی اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہونا چاہیے، اگر وہ توبہ کرلے گا تو اللہ اس کے سب پچھلے گناہ معاف فرمادے گا۔

اَن تَقُوْلَ نَفْسٌ سے تین آیتوں میں یہ بتلایا کہ اللہ تعالیٰ ہر گناہ یہاں تک کفر و شرک کو بھی توبہ سے معاف فرمادیتا ہے۔ مگر یہ یاد رکھو کہ توبہ کا وقت مرنے سے پہلے ہے، مرنے کے بعد قیامت کے روز کوئی توبہ کرے یا اپنے کئے پر حسرت کرے تو اس کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔

جیسا کہ بعض کفار فجار قیامت کے روز مختلف تمنائیں کریں گے، کوئی تو اظہار حسرت کرے گا کہ افسوس میں نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں کوتاہی کی تھی۔ کوئی وہاں بھی اپنا الزام تقدیر پر ڈال کر بچنا چاہے گا وہ کہے گا کہ اگر اللہ تعالیٰ مجھے ہدایت کر دیتا تو میں بھی متقیوں میں داخل ہوتا، مگر خدا نے ہی ہدایت نہ کی تو میں کیا کروں۔ کوئی یہ تمنا کرے گا کہ کاش مجھے دوبارہ دنیا میں بھیج دیا جائے تو میں سچا پکا مسلمان بنوں، اور اللہ کے احکام کی پوری اطاعت کروں، مگر اس وقت کی یہ حسرتیں اور تمنائیں کسی کے کام نہ آئیں گی۔

یہ تین قسم کی تمنائیں ہو سکتا ہے کہ مختلف لوگوں کی ہوں اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہ تینوں تمنائیں یکے بعد دیگرے ایک ہی جماعت کے کفار کی طرف سے ہوں، کیونکہ آخری قول جس میں دوبارہ دنیا میں آنے کی تمنا ہے اس کے ساتھ آیت میں مذکور ہے کہ وہ عذاب کا مشاہدہ کرنے کے بعد ہوگا۔

اس سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ پہلے دونوں قول مشاہدہ عذاب سے پہلے کے ہیں کہ قیامت کے روز اول ہی اپنے عمل کی تقصیرات کو یاد کر کے کہیں گے، یٰحَسْرَتٰی عَلٰی مَا فَرَّطْتُّ فِیْ جَنْۢبِ اللّٰهِ پھر عذر اور بہانے کے طور پر کہیں گے کہ ہم تو معذور تھے۔ اگر اللہ تعالیٰ ہدایت کر دیتا تو ہم بھی مطیع و فرمانبردار اور متقی ہو جاتے۔ مگر جب اس نے ہدایت ہی نہ کی تو ہمارا کیا قصور ہے، پھر جب عذاب کا مشاہدہ کریں گے تو یہ تمنا ہوگی کہ کاش دنیا میں دوبارہ بھیج دیئے جاویں۔

حق تعالیٰ نے ان تینوں آیتوں میں بتلا دیا کہ اللہ کی مغفرت اور رحمت بہت وسیع ہے، مگر وہ جبھی حاصل ہو سکتی ہے کہ مرنے سے پہلے توبہ کر لو، اس لئے ہم ابھی بتلائے دیتے ہیں ایسا نہ ہو کہ تم مرنے کے بعد پچھتاؤ اور آخرت میں اس طرح کی فضول حسرت و تمنا میں مبتلا ہو۔ (معارف القرآن)

بَلٰى قَدْ جَآءَتْكَ اٰيٰتِيْ فَكَذَّبْتَ بِهَا وَاسْتَكْبَرْتَ: اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ اے بد بخت انسان! آج تم یہ آرزو کر رہے ہو کہ کاش مجھے ہدایت مل جاتی تو میں متقیوں میں شامل ہو جاتا، لیکن حقیقت یہ ہے کہ ہدایت تمہارے پاس آچکی تھی، اللہ کی آیات تمہارے سامنے پڑھی گئیں، انبیائے کرام علیہم السلام نے حق واضح کر دیا، دلائل اور نشانات بھی موجود تھے، مگر تم نے جان بوجھ کر ان کا انکار کیا، تم نے نہ صرف حق کو جھٹلایا بلکہ تکبر بھی کیا اور حق کے سامنے جھکنے سے انکار کر دیا، چنانچہ تمہاری گمراہی کسی مجبوری کا نتیجہ نہیں بلکہ تمہارے اپنے اختیار اور ضد کا نتیجہ تھی، اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ قیامت کے دن عذر پیش کرنا کسی کو فائدہ نہیں دے گا، کیونکہ اللہ تعالیٰ ہر انسان کو دنیا میں حق پہچاننے کے لیے کافی دلائل عطا فرماتے ہیں۔

وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ تَرَى الَّذِيْنَ كَذَبُوْا عَلَى اللّٰهِ وُجُوْهُهُمْ مُّسْوَدَّةٌ: پھر اللہ تعالیٰ قیامت کے ایک ہولناک منظر کا ذکر فرماتے ہیں کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھتے تھے، اس کے لیے شریک ثابت کرتے تھے، اس کی طرف اولاد منسوب کرتے تھے یا اس کے بارے میں غلط عقائد گھڑتے تھے، قیامت کے دن ان کے چہرے سیاہ ہوں گے، چہرے کا سیاہ ہونا ان کی ذلت، رسوائی، محرومی اور بد بختی کی علامت ہو گا، اس کے برعکس اہلِ ایمان کے چہرے نور سے چمک رہے ہوں گے، اس کے بعد اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ کیا ایسے متکبر لوگوں کے لیے جہنم میں ٹھکانہ نہیں؟ یقیناً ہے، جہنم ہی ان لوگوں کا دائمی مسکن ہو گا جو دنیا میں حق کے مقابلے میں تکبر اختیار کرتے رہے، اس آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھنا اور شرک کرنا سب سے بڑا ظلم ہے اور تکبر انسان کو ایمان سے محروم کر کے جہنم تک پہنچا دیتا ہے۔

وَيُنَجِّي اللّٰهُ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا بِمَفَازَتِهِمْ لَا يَمَسُّهُمُ السُّوْٓءُ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ: کفار کی رسوائی اور

عذاب کے مقابلے میں اللہ تعالیٰ اہلِ تقویٰ کا انجام بیان فرماتے ہیں، جو لوگ دنیا میں اپنے رب سے ڈرتے رہے، اس کے احکام پر عمل کرتے رہے اور اس کی نافرمانی سے بچتے رہے، اللہ تعالیٰ انہیں کامیابی کے مقام یعنی جنت میں داخل کرکے ہر قسم کے عذاب سے محفوظ فرمادیں گے، ان پر جہنم کی کوئی تکلیف نہیں آئے گی، نہ انہیں کسی خوف کا سامنا ہو گا اور نہ دنیا کی چھوٹی بڑی نعمتوں کے فوت ہو جانے پر کوئی غم ہو گا، ان کی تمام خواہشات پوری کر دی جائیں گی اور وہ دائمی راحت، اطمینان اور مسرت کی زندگی گزاریں گے۔

معلوم ہوا کہ قیامت کے دن حسرت اور آرزو کسی انسان کو فائدہ نہیں دے گی، اصل کامیابی دنیا میں ہدایت قبول کرنے میں ہے، حق کا انکار اکثر جہالت سے زیادہ تکبر کا نتیجہ ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھنا اور اس کے ساتھ شریک ٹھہرانا سب سے بڑا جرم ہے، قیامت کے دن نیک و بد کی ظاہری علامتیں بھی نمایاں ہوں گی؛ اہلِ ایمان کے چہرے روشن اور مجرموں کے چہرے سیاہ ہوں گے، تقویٰ انسان کو دنیا و آخرت کی کامیابی عطا کرتا ہے، جنت میں داخل ہونے والوں کو نہ کوئی خوف ہو گا اور نہ کوئی غم، بلکہ دائمی امن و سکون نصیب ہو گا۔

ان آیات میں واضح کیا گیا ہے کہ قیامت کے دن کفار کی حسرتیں اور معذرتیں بے فائدہ ہوں گی، کیونکہ ہدایت ان تک پہنچ چکی ہو گی مگر انہوں نے تکبر اور عناد کی وجہ سے اسے قبول نہ کیا، اللہ پر جھوٹ باندھنے والے اور شرک کرنے والے رسوائی کے ساتھ جہنم میں داخل ہوں گے، جبکہ اہلِ تقویٰ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے جنت میں پہنچ کر ہر خوف، غم اور عذاب سے محفوظ رہیں گے۔

خالق و وکیل

سوال ان آیات کا ترجمہ و تفسیر کیجیے، نیز یہ بتائیں کہ لَهٗ مَقَالِيْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ کا کیا معنیٰ ہے؟

اَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ {٦٢}لَهٗ مَقَالِيْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ {٦٣}الزمر

جواب ترجمہ: اللہ ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے، اور وہی ہر چیز کا رکھوالا ہے، سارے آسمانوں اور زمین کی کنجیاں اسی کے پاس ہیں، اور جنہوں نے اللہ کی آیتوں کا انکار کیا ہے گھاٹے میں رہنے والے وہی ہیں۔

خلاصہ تفسیر: اللہ ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے اور ہر چیز کا کارساز و نگہبان بھی وہی ہے، آسمان وزمین کی چابیاں اور کنجیاں اسی کے دست قدرت میں ہیں، سب چیزوں کو پیدا کرنے والا بھی وہی ہے، اسی کو خالق کائنات کہا جاتا ہے، ان چیزوں کو باقی رکھنے والا، ان کی حفاظت کرنے والا بھی وہی ہے، ان کو کام میں لانے والا، ان میں تصرف کرنے والا بھی وہی ہے، وہ وکیل ہے وہ کارساز ہے۔

آسمان وزمین کی چابیاں اور کنجیاں اسی کے دست قدرت میں ہیں تو اختیارات بھی اسی کے پاس ہیں، جب خزانے اس کے ہیں تو پھر خزانوں کی چابیاں بھی اسی کے پاس ہیں، جب خزانہ، خزانے کی چابیاں اس کے ہاتھ میں ہیں تو تصرفات کا مالک بھی وہی ہے، جب سب کچھ اسی کے دست قدرت میں ہے تو عبادت اور بندگی بھی اسی ذات حق کی ہونا چاہیے۔

اللہ ساری کائنات کا خالق ہے، یہ ساری کائنات اسی کے دست قدرت اور امر کن سے وجود میں آئی ہے، کوئی دوسرا اسے بنانے، سنوارنے اور سجانے میں اس کا شریک و سہیم اور ساجھی نہیں ہے۔

وہ اکیلا خالق ہے، وہ اکیلا مالک ہے، وہ اکیلا متصرف الامور ہے، وہ اکیلا عبادت وبندگی کے لائق ہے، وہ وحدہ لاشریک ہے، جزا بھی اس کے ہاتھ میں ہے اور سزا بھی اس کے ہاتھ میں ہے، اسی کو توحید کہا جاتا ہے کہ اس کی یکتائی کو مانا اور تسلیم کیا جائے۔

مشرکین چاہے مکہ کے رہنے والے ہوں، عرب کے رہنے والے ہوں یا عجم کے رہنے والے ہوں ان سب میں یہ بات مشترک ہے کہ وہ ان ساری باتوں کے مقدمات کو مانتے ہیں، اللہ کو اللہ مانتے ہیں، خالق بلا شرکت مانتے ہیں، مگر وہ عقیدہ توحید کو تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں، وہ اللہ کی مخلوق کو بھی اس کے کاموں میں شریک وساجھی مانتے ہیں، وہ علی الاعلان کہا کرتے تھے کہ ہم صرف ایک اللہ کو تسلیم کریں اور باقیوں کو چھوڑ دیں، انہوں نے بیت اللہ شریف میں تین سو ساٹھ بت سجا کر رکھے

تھے جن کی پوجا پاٹ کرتے تھے، اس لیے صرف اللہ، صرف اللہ کی آواز پر طیش میں آجاتے تھے اور اس آواز کو بلند کرنے والوں کے جانی دشمن بن جاتے تھے۔

مشرک میں ایک بیماری شرک کی ہے اور وہ صرف اسی پر اکتفا نہیں کرتا کہ چلو میں ہی مشرک سہی دوسروں کو اس بیماری میں مبتلا نہ کروں بلکہ وہ اس مرض کو عام کرنے کی کوشش کرتا ہے، وہ دوسروں کو ترغیب دیتا ہے کہ وہ بھی اس گندگی میں اس کے شریک بن جائیں۔ مگر اللہ تعالیٰ شرک کی گندگی سے لوگوں کو بچانے کے لیے اپنے نبیوں کو بھیجتے ہیں تاکہ وہ انہیں کھلے طور پر سمجھائیں کہ شرک باعث نجات نہیں بلکہ باعث ضلالت و بربادی ہے۔

خزانوں کی چابیاں اللہ کے پاس ہیں، بارش کے خزانے ہوں یا نباتات کے خزانے، یا ان کے علاوہ باقی اشیاء کے خزانے سب کی چابیاں اسی وحدہ لاشریک کے ہاتھ میں ہیں، وہ اپنی مخلوق کو جس طرح چاہتا ہے ان میں سے عطا کرتا ہے۔

توحید خالص، شرک کی تردید، عظمت الٰہی

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

قُلْ اَفَغَيْرَ اللّٰهِ تَاْمُرُوْٓنِّيْٓ اَعْبُدُ اَيُّهَا الْجٰهِلُوْنَ {٦٤} وَلَقَدْ اُوْحِيَ اِلَيْكَ وَاِلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكَ لَئِنْ اَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَلَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ {٦٥} بَلِ اللّٰهَ فَاعْبُدْ وَكُنْ مِّنَ الشّٰكِرِيْنَ {٦٦} وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ ۖ وَالْاَرْضُ جَمِيْعًا قَبْضَتُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَالسَّمٰوٰتُ مَطْوِيّٰتٌۢ بِيَمِيْنِهٖ ۭ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ {٦٧} الزمر

جواب ترجمہ: آپ فرما دیجیے کہ اے جاہلو! کیا تم مجھے حکم دیتے ہو کہ میں اللہ کے سوا کسی دوسرے کی عبادت کروں؟ اور یہ واقعی بات ہے کہ آپ کی طرف اور آپ سے پہلے جو رسول تھے ان کی طرف یہ وحی بھیجی گئی کہ اے مخاطب اگر تو نے شرک کیا تو تیرا عمل ضائع ہو جائے گا اور تو نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو گا۔ بلکہ اللہ ہی کی عبادت کر اور شکر گزاروں میں سے ہو جا۔ اور ان لوگوں نے اللہ کی عظمت نہیں کی جیسی عظمت کرنا لازم تھا حالانکہ قیامت کے دن ساری زمین اس کی مٹھی میں ہو گی

اور تمام آسمان اس کے داہنے ہاتھ میں لپٹے ہوئے ہوں گے وہ پاک ہے اور اس سے برتر ہے جو لوگ شرک کرتے ہیں۔

خلاصہ تفسیر: ان آیاتِ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے شرک کی مکمل نفی، توحیدِ خالص کی دعوت، انبیائے کرام علیہم السلام کو دی جانے والی مشترکہ تعلیم، شکرِ الٰہی کی اہمیت اور اپنی بے پایاں عظمت و کبریائی کو نہایت جلال انگیز انداز میں بیان فرمایا ہے، یہ آیات عقیدۂ توحید کی بنیادوں کو مضبوط کرتی اور شرک کی سنگینی کو واضح کرتی ہیں۔

قُلْ اَفَغَيْرَ اللّٰهِ تَاْمُرُوْٓنِّيْٓ اَعْبُدُ اَيُّهَا الْجٰهِلُوْنَ: مشرکینِ مکہ مختلف مواقع پر رسول اللہ ﷺ کو یہ پیشکش کرتے تھے کہ آپ کچھ عرصہ ان کے معبودوں کی عبادت کرلیں اور وہ کچھ عرصہ آپ کے رب کی عبادت کرلیا کریں، یا کم از کم ان کے بتوں کی تعظیم میں شرکت کرلیں، اللہ تعالیٰ نے اس باطل تجویز کا نہایت سخت اور واضح جواب دینے کا حکم دیا، ارشاد فرمایا، کیا تم، اے جاہلو! مجھے حکم دیتے ہو کہ میں اللہ کے سوا کسی اور کی عبادت کروں؟ یہ استفہامِ انکاری ہے، یعنی ایسا ہرگز ممکن نہیں، عبادت کا مستحق صرف اللہ تعالیٰ ہے، جس نے آسمان و زمین کو پیدا کیا، رزق عطا فرمایا اور تمام کائنات کی تدبیر اپنے ہاتھ میں رکھی، لہٰذا نبی کریم ﷺ اور آپ کے پیروکاروں کے لیے غیر اللہ کی عبادت کا تصور بھی ناممکن ہے، اس آیت میں مشرکین کو "جاہل" کہا گیا، کیونکہ حقیقی جہالت یہی ہے کہ انسان خالق کو چھوڑ کر مخلوق کے سامنے جھکنے لگے۔

وَلَقَدْ اُوْحِيَ اِلَيْكَ وَاِلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكَ لَىِٕنْ اَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَلَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ: اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ تعلیم صرف آپ ﷺ کو نہیں دی گئی بلکہ تمام انبیائے کرام علیہم السلام کو دی گئی تھی، "اگر آپ لوگوں نے شرک کیا تو تمہارے تمام اعمال ضائع ہو جائیں گے اور آپ لوگ خسارہ اٹھانے والوں میں شامل ہو جاؤ گے، یہ خطاب بظاہر رسول اللہ ﷺ سے ہے، حالانکہ آپ ﷺ شرک سے معصوم اور محفوظ تھے، دراصل اس اندازِ خطاب کا مقصد امت کو شرک کی سنگینی سے آگاہ کرنا ہے۔

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ شرک ایسا مہلک گناہ ہے جو انسان کے تمام نیک اعمال کو ضائع کر دیتا ہے، اگر کوئی شخص عبادت، صدقہ، خیرات اور دیگر نیکیاں کرتا رہے لیکن شرک میں مبتلا ہو جائے تو اس کی نجات ممکن نہیں رہتی جب تک وہ سچی توبہ نہ کرے، یہی وجہ ہے کہ تمام انبیائے کرام علیہم السلام کی دعوت کا بنیادی نکتہ توحید تھا اور انہوں نے سب سے پہلے اپنی قوموں کو شرک سے بچنے کی تلقین فرمائی۔

بَلِ اللّٰهَ فَاعْبُدْ وَكُنْ مِّنَ الشّٰكِرِيْنَ: شرک کی نفی کے بعد اللہ تعالیٰ نے مثبت انداز میں اصل راستہ بیان فرمایا، بلکہ صرف اللہ ہی کی عبادت کرو اور اس کے شکر گزار بندوں میں شامل رہو، عبادت صرف نماز، روزہ اور حج کا نام نہیں بلکہ زندگی کے ہر شعبے میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور فرمانبرداری کا نام ہے، اسی طرح شکر گزاری مومن کی بنیادی صفت ہے، انسان جتنا اللہ تعالیٰ کی نعمتوں پر غور کرتا ہے اتنا ہی اس کا دل شکر سے بھر جاتا ہے، ایمان، صحت، رزق، علم، امن، اولاد اور بے شمار نعمتیں ایسی ہیں جن کا شمار ممکن نہیں، ان نعمتوں کا تقاضا یہ ہے کہ بندہ اپنے رب کی اطاعت کرے اور اس کی نافرمانی سے بچے۔

وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ: اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مشرکین کی سب سے بڑی غلطی بیان فرمائی، انہوں نے اللہ کی قدر نہ کی جیسا کہ اس کی قدر کرنے کا حق تھا، اگر وہ اللہ تعالیٰ کی حقیقی عظمت، قدرت اور کبریائی کو پہچان لیتے تو کبھی اس کے ساتھ عاجز و بے بس مخلوق کو شریک نہ ٹھہراتے، پھر اللہ تعالیٰ اپنی عظمت کا ایک حیرت انگیز منظر بیان فرماتے ہیں کہ

وَالْاَرْضُ جَمِيْعًا قَبْضَتُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَالسَّمٰوٰتُ مَطْوِيّٰتٌۢ بِيَمِيْنِهٖ: قیامت کے دن پوری زمین اپنی وسعتوں، پہاڑوں، دریاؤں، سمندروں اور تمام مخلوقات سمیت اللہ تعالیٰ کی مٹھی میں ہو گی اور ساتوں آسمان اس کے دائیں ہاتھ میں لپٹے ہوئے ہوں گے، یہ بیان کسی جسمانی مشابہت کے لیے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی کامل قدرت، مطلق اقتدار اور بے انتہا عظمت کو ظاہر کرنے کے لیے ہے، یعنی جس رب کی قدرت کا یہ عالم ہو، اس کے سامنے پوری کائنات نہایت حقیر اور معمولی حیثیت رکھتی ہے، اس کے بعد فرمایا:

سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ: وہ پاک ہے اور بہت بلند ہے ان چیزوں سے جو یہ مشرک اس کے ساتھ شریک ٹھہراتے ہیں، یعنی اللہ تعالیٰ ہر قسم کے شریک، اولاد، معاون اور محتاجی سے منزہ اور پاک ہے۔

ان آیات سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ ① توحید تمام انبیاء علیہم السلام کی مشترکہ دعوت ہے، ہر نبی نے اپنی قوم کو سب سے پہلے یہی پیغام دیا کہ صرف اللہ کی عبادت کرو اور شرک سے بچو۔ ② شرک سب سے بڑا گناہ ہے، شرک انسان کے تمام اعمال کو ضائع کر دیتا ہے اور اسے دنیا و آخرت کے خسارے میں مبتلا کر دیتا ہے۔ ③ عبادت صرف اللہ کا حق ہے، کسی نبی، ولی، فرشتے، بت یا کسی اور مخلوق کو عبادت میں شریک کرنا جائز نہیں۔ ④ شکر گزاری ایمان کا تقاضا ہے، اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا صحیح شکر یہ ہے کہ انسان اس کی اطاعت اختیار کرے۔ ⑤ اللہ تعالیٰ کی عظمت کو پہچاننا توحید کی بنیاد ہے، جو شخص اللہ کی قدرت، کبریائی اور حاکمیت کو سمجھ لیتا ہے وہ کبھی شرک کی طرف مائل نہیں ہوتا۔ ⑥ قیامت کا دن اللہ کی کامل قدرت کا مظہر ہو گا، اس دن پوری کائنات اللہ تعالیٰ کی عظمت کے سامنے اپنی انتہائی عاجز اور حقیر حیثیت میں نظر آئے گی۔

ان آیات میں رسول اللہ ﷺ کو حکم دیا گیا کہ مشرکین کی شرک آمیز دعوت کو دوٹوک انداز میں رد کر دیں، کیونکہ عبادت صرف اللہ تعالیٰ کا حق ہے، اللہ تعالیٰ نے واضح فرمایا کہ شرک تمام اعمال کو برباد کر دیتا ہے، اسی لیے تمام انبیائے کرام علیہم السلام کو توحید کی تعلیم دی گئی، اس کے بعد خالص عبادت اور شکر گزاری کا حکم دیا گیا، اور آخر میں اللہ تعالیٰ کی ایسی عظمت و کبریائی بیان کی گئی کہ قیامت کے دن پوری زمین اس کے قبضۂ قدرت میں اور تمام آسمان اس کے اختیار میں ہوں گے، پس وہ ہر شریک اور ہر باطل عقیدے سے پاک اور بلند و برتر ہے۔

اہل جنت اور اہل دوزخ

سوال ان آیات کی تفسیر کیجیے۔

وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ ثُمَّ نُفِخَ فِيْهِ اُخْرٰى فَاِذَا هُمْ قِيَامٌ يَّنْظُرُوْنَ {٦٨} وَاَشْرَقَتِ الْاَرْضُ بِنُوْرِ رَبِّهَا وَوُضِعَ الْكِتٰبُ

وَجِایْٓءَ بِالنَّبِیّٖنَ وَالشُّهَدَآءِ وَقُضِیَ بَیْنَهُمْ بِالْحَقِّ وَهُمْ لَا یُظْلَمُوْنَ {٦٩}وَوُفِّیَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ وَهُوَ اَعْلَمُ بِمَا یَفْعَلُوْنَ {٧٠}وَسِیْقَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰی جَهَنَّمَ زُمَرًا ؕ حَتّٰٓی اِذَا جَآءُوْهَا فُتِحَتْ اَبْوَابُهَا وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَآ اَلَمْ یَاْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ یَتْلُوْنَ عَلَیْكُمْ اٰیٰتِ رَبِّكُمْ وَیُنْذِرُوْنَكُمْ لِقَآءَ یَوْمِكُمْ هٰذَا ؕ قَالُوْا بَلٰی وَلٰكِنْ حَقَّتْ كَلِمَةُ الْعَذَابِ عَلَی الْكٰفِرِیْنَ {٧١}قِیْلَ ادْخُلُوْٓا اَبْوَابَ جَهَنَّمَ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا ؕ فَبِئْسَ مَثْوَی الْمُتَكَبِّرِیْنَ{٧٢}وَسِیْقَ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ اِلَی الْجَنَّةِ زُمَرًا ؕ حَتّٰٓی اِذَا جَآءُوْهَا وَفُتِحَتْ اَبْوَابُهَا وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَا سَلٰمٌ عَلَیْكُمْ طِبْتُمْ فَادْخُلُوْهَا خٰلِدِیْنَ{٧٣}وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ صَدَقَنَا وَعْدَهٗ وَاَوْرَثَنَا الْاَرْضَ نَتَبَوَّاُ مِنَ الْجَنَّةِ حَیْثُ نَشَآءُ فَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِیْنَ{٧٤}وَتَرَی الْمَلٰٓئِكَةَ حَآفِّیْنَ مِنْ حَوْلِ الْعَرْشِ یُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَقُضِیَ بَیْنَهُمْ بِالْحَقِّ وَقِیْلَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ {٧٥}الزمر

جواب ترجمہ: اور صور پھونکا جائے گا تو آسمانوں اور زمین میں جتنے ہیں وہ سب بے ہوش ہو جائیں گے، سوائے اس کے جسے اللہ چاہے، پھر دوسری بار پھونکا جائے تو وہ سب لوگ پل بھر میں کھڑے ہو کر دیکھنے لگیں گے۔ اور زمین اپنے پروردگار کے نور سے چمک اٹھے گی اور نامہ اعمال سامنے رکھ دیا جائے گا۔ اور انبیاء اور سب گواہوں کو حاضر کر دیا جائے گا اور لوگوں کے درمیان بالکل برحق فیصلہ کیا جائے گا۔ اور ان پر کوئی ظلم نہیں ہو گا۔ اور ہر شخص کو اس کے عمل کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا۔ اور جو کچھ لوگ کرتے ہیں۔ اللہ اسے خوب جانتا ہے۔

اور جن لوگوں نے کفر اپنایا تھا انہیں جہنم کی طرف گروہوں کی شکل میں ہانکا جائے گا، یہاں تک کہ جب وہ اس کے پاس پہنچ جائیں گے تو اس کے دروازے کھولے جائیں گے اور اس کے محافظ ان سے کہیں گے کہ کیا تمہارے پاس تمہارے اپنے لوگوں میں سے پیغمبر نہیں آئے تھے جو تمہیں تمہارے رب کی آیتیں پڑھ کر سناتے ہوں، اور تمہیں اس دن کا سامنا کرنے سے خبر دار کرتے ہوں؟ وہ کہیں گے کہ بیشک آئے تھے، لیکن عذاب کی بات کافروں پر سچی ہو کر رہی۔

کہا جائے گا کہ جہنم کے دروازوں میں ہمیشہ ہمیشہ رہنے کے لیے داخل ہو جاؤ کیونکہ بہت برا ٹھکانا ہے ان کا جو تکبر سے کام لیتے ہیں۔ اور جنہوں نے اپنے پروردگار سے تقویٰ کا معاملہ رکھا تھا انہیں جنت کی طرف گروہوں کی شکل میں لے جایا جائے گا یہاں تک کہ جب وہ اس کے پاس پہنچیں گے جبکہ اس کے دروازے ان کے لیے پہلے سے کھولے جا چکے ہوں گے (تو وہ عجیب عالم ہو گا۔) اور اس کے محافظ ان سے کہیں گے کہ: سلام ہو آپ پر، خوب رہے آپ لوگ! اب اس جنت میں ہمیشہ ہمیشہ رہنے کے لیے آ جایئے۔ اور وہ (جنتی) کہیں گے کہ تمام تر شکر اللہ کا ہے جس نے ہم سے اپنے وعدے کو سچا کر دکھایا اور ہمیں اس سرزمین کا ایسا وارث بنا دیا کہ ہم جنت میں جہاں چاہیں اپنا ٹھکانا بنا لیں۔ ثابت ہوا کہ بہترین انعام (نیک) عمل کرنے والوں کا ہے۔ اور تم فرشتوں کو دیکھو گے کہ عرش کے گرد حلقہ بنائے ہوئے اپنے پروردگار کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کر رہے ہوں گے، اور لوگوں کے درمیان برحق فیصلہ کر دیا جائے گا، اور کہنے والے کہیں گے کہ: تمام تر تعریف اللہ کی ہے جو سارے جہانوں کا پروردگار ہے۔

خلاصہ تفسیر: صور میں پھونک ماری جائے گی تو جو بھی آسمانوں میں اور زمین میں ہیں سب بے ہوش ہو جائیں گے مگر جنہیں اللہ چاہے پھر صور میں دوبارہ پھونکا جائے گا تو اچانک وہ کھڑے ہو کر دیکھنے لگیں گے، جب قیامت قائم ہو گی تو اس کی ابتداء صور پھونکے جانے سے ہو گی اور دو مرتبہ صور پھونکا جائے گا رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ اسرافیل علیہ السلام کان لگائے ہوئے ہیں اور پیشانی کو جھکائے ہوئے انتظار میں ہیں کہ کب صور پھونکنے کا حکم ہو آپ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ صور ایک سینگ ہے جس میں پھونکا جائے گا۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۸۲)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ البتہ قیامت ضرور اس حالت میں قائم ہو گی کہ دو شخصوں نے اپنے درمیان (خرید و فروخت کے لیے) کپڑا کھول رکھا ہو گا ابھی معاملہ طے کرنے اور کپڑا لپیٹنے بھی نہ پائیں گے کہ قیامت قائم ہو جائے گی (پھر فرمایا کہ) البتہ قیامت ضرور اس حال میں قائم ہو گی کہ ایک انسان اپنی اونٹنی کا دودھ نکال کر لے جا رہا ہو گا اور

پی بھی نہ سکے گا اور قیامت یقیناً اس حال میں قائم ہو گی کہ انسان اپنا حوض لیپ رہا ہو گا اور ابھی اس میں مویشیوں کو پانی پلانے بھی نہ پائے گا اور واقعی قیامت اس حال میں قائم ہو گی کہ انسان اپنے منہ کی طرف لقمہ اٹھائے گا اور اسے کھا بھی نہ سکے گا۔ (بخاری)

پہلی بار صور پھونکا جائے گا تو جو لوگ زندہ ہوں گے وہ مر جائیں گے اور ان پر بے ہوشی طاری ہو جائے گی اور جو اس سے پہلے مر چکے تھے وہ بے ہوش ہو جائیں گے آسمانوں میں اور زمینوں میں جو لوگ ہوں گے سب پر بے ہوشی طاری ہو جائے گی پھر دوبارہ صور پھونکا جائے گا تو سب اٹھ کھڑے ہوں گے، قبروں سے نکل کر موقف (یعنی حساب کی جگہ) کی طرف چل دیں گے، دونوں بار جو صور پھونکا جائے گا ان کے درمیان کتنا فاصلہ ہو گا حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے اس بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہوئے چالیس کا عدد ذکر کیا حاضرین نے عرض کیا اے ابوہریرہ! کیا چالیس دن کا فاصلہ ہو گا؟ فرمایا مجھے پتہ نہیں عرض کیا گیا کہ چالیس مہینے کا فاصلہ ہو گا؟ فرمایا مجھے پتہ نہیں، عرض کیا گیا چالیس سال کا فاصلہ ہو گا؟ فرمایا مجھے پتہ نہیں۔

جب صور میں پھونکا جائے گا تو جو کوئی آسمان وزمین میں ہے وہ مر جائے گا، پھر فرشتہ دوسری بار صور پھونکے گا جو اس بات کا اعلان ہو گا کہ تمام مخلوق اپنے رب کے سامنے حساب کے لیے پیش ہو، پھر یہ لوگ اپنی قبروں سے یہ دیکھتے ہوئے اٹھیں گے کہ ان کے رب نے ان کے ساتھ کیا کیا ہے؟

زمین قیامت کے دن چمک اٹھے گی جب حق تعالیٰ شانہ اپنی مخلوق کے معاملات کے فیصلوں کے لیے ظاہر ہوں گے، فرشتے ہر شخص کے نامہ اعمال کو کھول دیں گے، انبیاء کرام علیہم السلام اور امتوں کی گواہی دینے والے بھی لائے جائیں گے، تاکہ اللہ تعالیٰ انبیاء کرام علیہم السلام سے ان کی تبلیغ کے بارے میں سوال کریں اور ان کی امتوں نے انہیں کیا جواب دیا اس بارے میں پوچھیں، جیسے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت انبیاء اور سابقہ رسولوں کی اپنی امتوں کو تبلیغ کے بارے میں گواہی دے گی کہ انہوں نے اپنی امتوں کو تبلیغ کی تھی۔

اور جو امتیں اپنے نبیوں کی تبلیغ کا انکار کریں گی ان کے خلاف گواہی دے گی، یوں ان امتوں کے

خلاف ایک حجت قائم ہو جائے گی، اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے درمیان کامل انصاف کے ساتھ فیصلہ فرمائیں گے، ان پر کسی قسم کا ظلم نہیں کیا جائے گا، نہ ثواب میں کمی کی جائے گی اور نہ ہی عذاب میں زیادتی کی جائے گی، اللہ تعالیٰ ہر شخص کو اس کے اچھے یا برے عمل کی جزا دیں گے، وہ ایسی ذات ہے جو بہت اچھی طرح جانتی ہے کہ اس شخص نے دنیا کی زندگی میں کس قدر اطاعت و فرمانبرداری یا نافرمانی کی ہے۔

اللہ اور اس کے رسولوں کو جھٹلانے والے، ان کا انکار کرنے والوں کو گروہ در گروہ دوزخ کی طرف لیجایا جائے گا، جب یہ جہنم کی طرف آئیں گے تو جہنم پر جن فرشتوں کی ڈیوٹی ہو گی وہ اس کے ساتوں دروازے کھول دیں گے، دوزخ کے فرشتے انہیں ڈانٹ ڈپٹ کرتے ہوئے یوں عار دلائیں گے کہ كَيْفَ تَعْصُونَ اللّٰهَ وَتَجْحَدُونَ أَنَّهُ الإِلٰهُ الحَقُّ وَحدَهُ؟ أَلَم يُرسِل إِلَيكُم رُسُلًا مِّنكُم يَتلُونَ عَلَيكُم آيَاتِ رَبِّكُم, وَيُحَذِّرُونَكُم أَهوَالَ هٰذَا اليَومِ؟

تم کیونکر اللہ کی نافرمانی کرتے تھے؟ تم کیونکر اس بات کا انکار کرتے تھے کہ اللہ اکیلا معبود برحق ہے؟ کیا اس نے تم ہی میں سے رسول نہیں بھیجے تھے؟ جو تم پر تمہارے رب کی آیات کی تلاوت کیا کرتے تھے، اور تمہیں آج کے دن کی اس ہولناکی سے ڈرایا کرتے تھے؟

یہ ایسی جھڑک ہو گی، ایسی ڈانٹ ڈپٹ ہو گی کہ ان لوگوں کو جائے فرار نہیں ملے گی، وہ انکار نہیں کر سکیں گے، انہیں اپنے گناہوں کا، اپنی نافرمانیوں کا اور اپنی سرکشیوں کا اعتراف کرنا پڑے گا وہ برملا فرشتوں کی اس ڈانٹ ڈپٹ کے بعد کہیں گے کہ

ہاں! ہمارے رب کے نمائندے اور رسول ہمارے پاس حق لائے تھے، ہمیں انہوں نے آج کے دن سے ڈرایا بھی تھا، لیکن اللہ کی بات ضروری ہو جائے گی کہ اس کا عذاب کفر کرنے والوں کے لیے ہو گا، انکار کرنے والوں سے کہا جائے گا کہ اللہ تعالیٰ سچا معبود ہے، یہ بات ان کافروں کی اہانت اور تذلیل کے لیے کہی جائے گی، اور ان سے کہا جائے گا کہ جہنم میں داخل ہو جاؤ، اس میں ہمیشہ ٹھہرو، یہ بہت ہی برا ٹھکانہ ہے ان لوگوں کے لیے جو ایمان باللہ کے انکاری تھے اور شریعت پر عمل کرنے سے عاری تھے۔

جنت میں جانے والے: اسی طرح جو لوگ اپنے پروردگار سے ڈرتے تھے، اس کی توحید کا اقرار کرتے تھے، اس کے احکامات مانتے تھے، اطاعت و فرمانبرداری کرتے تھے انہیں گروہ در گروہ جنت کی طرف لیجایا جائے گا، جب وہ لوگ جنت کی طرف آئیں گے تو ان کے لیے جنت میں داخلے کی سفارش کی جائے گی، جنت کے دروازے ان کے لیے کھولے جائیں گے، جنت کے فرشتوں کی مرحبا مرحبا کی گونج میں ان کا استقبال ہو گا، وہ فرط مسرت سے انہیں سلام کہیں گے، یہ گناہوں کی آلودگیوں سے ان کے پاک ہونے کی وجہ سے ہو گا، یہ فرشتے انہیں کہہ رہے ہوں گے کہ تم ہر آفت و مصیبت سے محفوظ ہو، تمہارے حالات اچھے اور درست ہیں، تم ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جنت میں داخل ہو جاؤ، یہ سن کر ایمان والے لوگ کہیں گے

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِی صَدَقَنَا وَعْدَهُ الَّذِی وَعَدَنَا إِيَّاهُ عَلَى أَلْسِنَةِ رُسُلِهِ, وَأَوْرَثَنَا أَرْضَ الْجَنَّةِ نَنْزِلُ مِنْهَا فِی أَيِّ مَكَانٍ شِئْنَا, فَنِعْمَ ثَوَابُ الْمُحْسِنِينَ الَّذِينَ اجْتَهَدُوا فِی طَاعَةِ رَبِّهِمْ تمام کامل تعریفیں اللہ کے لیے ہیں وہ ذات جس نے ہمارے ساتھ وہ وعدہ پورا کیا جو اس نے اپنے رسولوں کی زبانی ہم سے کیا تھا، اور اس نے ہمیں سرزمین جنت کا وارث بنایا ہے، ہم اس جنت میں جہاں چاہیں رہیں، نیکوکار لوگوں کا کس قدر اچھا ٹھکانہ ہے، وہ جنہوں نے اپنے رب کی اطاعت و فرمانبرداری میں کوشش کی۔

سورۃ الزمر کے آخر میں اہل دوزخ اور اہل جنت کے احوال بیان کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ اپنے حبیب نبی کریم ﷺ سے فرمارہے ہیں کہ

وَتَرَى الْمَلٰٓئِكَةَ حَآفِّيْنَ مِنْ حَوْلِ الْعَرْشِ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ: اے میرے نبی! آپ اس دن دیکھیں گے کہ فرشتے اللہ کے عرش کو گھیرے ہوئے ہوں گے، اور وہ اپنے رب کی تنزیہی بیان کررہے ہوں گے ہر اس چیز سے جو اس کے لائق اور شایان شان نہیں ہے، اور اللہ تعالیٰ مخلوق کے درمیان حق و عدل کے ساتھ فیصلہ فرمائیں گے، پھر اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو جنت میں ٹھہرائیں گے اور کافروں کو دوزخ میں ڈالیں گے، اور کہا جائے گا کہ تمام کامل تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جو جہانوں کا رب

ہے، یہ تعریف اس چیز پر ہے کہ اس ذات حق نے اہل جنت اور اہل دوزخ کے درمیان فیصلہ فرمایا ہے، یہ حمد وستائش اس کے فضل واحسان پر ہو گی، یہ حمد اس کے عدل وحکمت پر ہو گی۔

انسان کو چاہیے کہ وہ دنیا کی زندگی میں اپنی مرضی کے مطابق نہ چلے بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کی مرضی کے مطابق چلے، اللہ کے احکامات کو نبی کریم ﷺ کے نورانی طریقوں کے مطابق مان لے، اپنی خواہشات کو دین میں داخل نہ کرے بلکہ اللہ کے احکامات کو ترجیح دے، رسول اللہ ﷺ کی نورانی تعلیمات ہی انسان کی بخشش کا ذریعہ ہیں، پھر اگر انسان ہونے کے ناطے کوئی کمی کوتاہی رہ جاتی ہے تو اس کے لیے اللہ کی بارگاہ میں امید واثق رکھی جاسکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے معاف فرمادیں گے، ایک طرف انسان اپنے اعمال میں کمی نہ آنے دے دوسری طرف ان اعمال پر اترانے اور اکڑنے کی ضرورت نہیں بلکہ اللہ کے فضل وکرم پر پوری توجہات مرکوز رکھے، اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

الحمدللہ: آج سورۃ الزمر کی تفسیر پایہ تکمیل کو پہنچی ہے، اللہ تعالیٰ اس کاوش کو اپنے حبیب نبی کریم ﷺ کے طفیل اپنی عالی بارگاہ میں قبول ومنظور فرمائے۔ آمین

خادم اسلام، محمود الرشید حدوٹی

۳فروری ۲۰۱۸ء بروز ہفتہ، ساڑھے گیارہ بجے دن

اضافات وترمیمات جدیدہ: ۴مئی ۲۰۲۶ء بروز جمعرات

کاشانہ فقیر حدوٹ۔ مری

سورۃ المؤمن (تعارف)

سوال سورۃ الغافر کا تعارف کروایئے۔

جواب سورۃ غافر مکیہ ہے، ترتیب قرآنی کے مطابق یہ چالیسویں نمبر پر ہے، جب کہ ترتیب نزولی کے لحاظ سے یہ ۵۹ ویں نمبر پر ہے، اس کی ۸۵ آیات اور نو رکوع ہیں، گیارہ سو ننانویں ۱۱۹۹ کلمات اور ۴۹۶۰ حروف ہیں۔ اس سورۃ کا نزول سورۃ الزمر کے معاً بعد ہوا ہے، سورۃ غافر سے سورۃ الاحقاف تک سات سورتوں کی ابتدا حیم حروف مقطعات سے ہوتی ہے۔

وجہ تسمیہ: سورۃ مبارکہ کا نام "سورۃ غافر" ہے چونکہ "غافر" اللہ تعالیٰ کے صفاتی ناموں میں سے ہے اور تیسری آیت کے شروع میں اس اسم مبارک کا ذکر ہے: غَافِرِ الذَّنۢبِ وَقَابِلِ التَّوۡبِ: سورۃ مبارکہ میں قصہ مؤمن کے دوران مغفرت کا ذکر مکرر لایا گیا ہے جو اسی تسمیہ کا غماز ہے۔ وَاَنَا اَدعُوکُم اِلَی العَزِیزِ الغَفَّار: سورۃ مبارکہ کا دوسرا نام "سورۃ مؤمن" بھی ہے چونکہ اس میں آل فرعون میں سے ایک مؤمن شخص کا ذکر ہوا ہے، اسی مناسبت سے سورۃ مبارکہ کا دوسرا نام سورۃ مؤمن ہے۔ (صفوۃ التفاسیر)

اہم مضامین: سورۃ الغافر میں عقیدہ کے متعلق امور بیان کیے گئے ہیں جیسے تمام مکی سورتوں میں عقائد پر روشنی ڈالی گئی ہے، سورۃ مبارکہ کا معرکہ ظاہرہ حق و باطل اور ہدایت و ضلالت ہے، اسی لیے سورۃ مبارکہ میں شدت کا پہلو اپنایا گیا ہے، چونکہ حق کا اثر ہدایت ہے اور باطل کا اثر گمراہی ہے چنانچہ اسی معرکہ میں کشمکش کا پہلو دکھائی دیتا ہے، آخر کار کفار کا انجام جو کہ سراسر ناکامی ہے دکھایا گیا ہے۔

سورۃ مبارکہ میں کفار کا انجام دکھایا گیا ہے چنانچہ وہ زبردست قدرت والی ذات کی پکڑ میں آتے ہیں اور ان میں سے کوئی بھی بچ نہیں سکتا، اسی اثنا میں کفار کے برے انجام کا خوفناک منظر چل رہا ہوتا ہے کہ سورۃ مبارکہ میں یکایک حاملین عرش کا منظر دکھا دیا جاتا ہے، وہ فرشتے ہیں جنہوں نے عرش کو اٹھا رکھا ہے اور نہایت خشوع و خضوع سے اس عبادت میں مشغول ہیں، سورۃ مبارکہ میں آخرت کے بعض مناظر اور کچھ ہولناکیوں کی منظر کشی کی گئی ہے چنانچہ لوگ حساب کے لیے محشر میں کھڑے ہوں

گے، خالق ومالک اور قادر ذات کے سامنے بے بس ولاچار کھڑے ہوں گے، ان پر ہیبت طاری ہو گی، دل مارے خوف کے گلوں تک پہنچے ہوں گے، شدت خوف سے پھٹے جارہے ہوں گے، اس خوفناک منظر اور نہایت شدید اور گرمی والے دن انسان اپنے اعمال کا بدلہ پائے گا، اگر دنیا میں اچھا رہا تو بدلہ بھی اچھا ملے گا، اگر برا رہا تو بدلہ بھی برا پائے گا۔ (صفوۃ التفاسیر)

اس کے بعد سورۃ مبارکہ میں ایمان وطغیان (حق وباطل) کا قصہ بیان کیا گیا ہے، یہ ایک مثال ہے جو دعوت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون ظالم کے کردار سے ظاہر کی گئی ہے، چنانچہ فرعون اپنے تکبر وغرور اور سطوت کے بل بوتے پر موسیٰ علیہ السلام اور ان کے متبعین کا کام تمام کرنا چاہتا ہے کہ ایمان کی کرنیں عالم میں چار سو نہ پھیلنے پائیں۔

اسی اثنا میں ایک مؤمنانہ کردار سامنے آتا ہے جو قبل ازیں موسیٰ علیہ السلام کے قصہ میں پیش نہیں کیا گیا اور وہ آل فرعون میں سے ایک مؤمن شخص ہے جو ابھی تک اپنے ایمان کو چھپائے رکھا تھا، وہ حق کو ظاہر کرتا ہے اور بات کھول کر سرکشوں کے سامنے لے آتا ہے، فرعون ظالم کی ہلاکت پر قصہ تمام ہوتا ہے، یوں فرعون اپنے اعوان وانصار کے ساتھ غرق آب ہوتا ہے اور مؤمنین کو اللہ تعالیٰ نجات عطا فرماتا ہے۔

سورۃ مبارکہ میں بعض آیات کونیہ بھی لائی گئی ہیں جو اللہ تعالیٰ کی عظمت پر شاہد ہیں اور اس کی وحدانیت وجلال پر ناطق ہیں، جب کہ کفار اس ذات کے ساتھ شریک ٹھہراتے ہیں اور اس کی آیات کا انکار کرتے ہیں۔

سورۃ مبارکہ میں مؤمن اور کافر کی بینا اور نابینا شخص کے ساتھ مثال بیان کی گئی ہے، چنانچہ مؤمن کو خدائی نور اور بصیرت حاصل ہوتی ہے جب کہ کافر تاریکیوں میں گم سم ہوتا ہے، سورۃ مبارکہ کے آخر میں مکذبین اور ظالم سرکشوں کے انجام کا ذکر کیا گیا ہے اور کفار کے عذاب کا منظر پیش کیا گیا ہے جب کہ وہ دنیا میں غفلت کا شکار ہیں۔ (صفوۃ التفاسیر)

گناہگاروں کے لیے امید ورجا

سوال ان آیات کا ترجمہ و تفسیر کیجیے نیز بتایئے کہ ذِی الطَّوْلِ کا کیا معنٰی ہے؟

حٰمٓ {۱} تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ {۲} غَافِرِ الذَّنْۢبِ وَقَابِلِ التَّوْبِ شَدِيْدِ الْعِقَابِ ذِي الطَّوْلِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ اِلَيْهِ الْمَصِيْرُ {۳} غافر.

جواب ترجمہ: حٰم۔ یہ کتاب اتاری گئی ہے اللہ کی طرف سے جو زبردست ہے سب کچھ جاننے والا ہے۔ جو گناہ کو معاف کرنے والا، توبہ قبول کرنے والا، سخت سزا دینے والا، بڑی طاقت کا مالک ہے۔ اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اسی کی طرف سب کو لوٹ کر جانا ہے۔

خلاصہ تفسیر: حٰمٓ حروف مقطعات میں سے ہیں جو اعجاز قرآن پر تنبیہ کرتے ہیں اور اس چیز کو بھی بتاتے ہیں کہ یہ معجز قرآن ان حروف ہجا سے منظوم ہے، بعض علماء نے فرمایا کہ یہ سورت کا نام ہے، بعض کے نزدیک یہ اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ میں سے ہے، حضرت عکرمہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا حٰمٓ اِسْمٌ مِّنْ اَسْمَآءِ اللّٰهِ تَعَالٰى وَهِيَ مَفَاتِيْحُ خَزَائِنِ رَبِّكَ (قرطبی)۔ حٰمٓ یہ اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے ایک نام ہے، یہ تیرے رب کے خزانوں کی چابیاں ہیں۔

علامہ اسماعیل حقی رحمہ اللہ اس بارے میں لکھتے ہیں، اللہ تعالیٰ کا ہر نام اس کے خزانوں میں سے کسی خزانہ کی کنجی ہوتا ہے، جب کوئی شخص اللہ تعالیٰ کے کسی نام کا ورد کرتا ہے تو اس شخص کی روح اور اس نام میں ایک خاص مناسبت پیدا ہو جاتی ہے، جو رفتہ رفتہ بندے کو ذات خداوندی کے قریب کر دیتی ہے، اس وقت اس بندہ پر انوارِ الٰہی کا ظہور ہونے لگتا ہے اور حسب استعداد وہ فیضان حاصل کرتا ہے۔

خلاصہ تفسیر: سورۂ غافر کے آغاز میں حروفِ مقطعات کے بعد سب سے پہلے قرآنِ کریم کی حقانیت اور اس کے الٰہی سرچشمہ کو بیان کیا گیا ہے، کفارِ مکہ قرآن کو کبھی جادو، کبھی شاعری اور کبھی انسانی کلام قرار دیتے تھے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے نہایت مختصر مگر جامع انداز میں واضح فرما دیا کہ یہ کتاب کسی انسان کی تصنیف یا فکر کا نتیجہ نہیں بلکہ ربِ کائنات کی نازل کردہ کتاب ہے۔

تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ: آیت کا مرکزی مضمون یہ ہے کہ قرآنِ کریم کا نزول براہِ راست اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوا ہے، لفظ تَنْزِيْلُ اس حقیقت پر دلالت کرتا ہے کہ یہ کتاب بتدریج اور حکمت کے ساتھ نازل کی گئی، مفسرین کے نزدیک تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مبتدا اور مِنَ اللّٰهِ اس کی خبر ہے، جس سے اس حقیقت پر زور دیا گیا ہے کہ قرآن کا سرچشمہ صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔

اس آیت سے عقیدۂ ختمِ وحی، حقانیتِ قرآن اور کلامِ الٰہی ہونے کا ثبوت ملتا ہے، چنانچہ قرآن نہ کسی بشر کا بنایا ہوا قانون ہے، نہ کسی فلسفی کی فکر، نہ کسی شاعر کا کلام، بلکہ وہ وحیِ الٰہی ہے جو انسانیت کی ہدایت کے لیے نازل کی گئی۔

قرآن کے نزول کا ذکر کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنی دو جلیل القدر صفات بیان فرمائیں: الْعَزِيْزِ اس کے معنی ہیں: کامل غلبہ، اقتدار اور ناقابلِ شکست قوت کا مالک، وہ اپنی سلطنت میں غالب ہے، اس کے فیصلوں کو کوئی رد نہیں کر سکتا اور وہ اپنے دشمنوں سے انتقام لینے پر پوری قدرت رکھتا ہے، جب قرآن ایسے غالب اور مقتدر رب کی طرف سے نازل ہوا ہے تو اس کی تعلیمات بھی ناقابلِ تردید اور واجب الاتباع ہیں۔

الْعَلِيْمِ اس سے مراد وہ ذات ہے جس کا علم ہر ظاہر و پوشیدہ چیز کو محیط ہے، وہ بندوں کے اعمال، نیتوں، ضروریات، مصالح اور مستقبل تک کو جانتا ہے، اس لیے جو کتاب ایسے علیم و خبیر رب کی طرف سے نازل ہوئی ہو، وہ یقیناً انسانی زندگی کی ہر ضرورت کے لیے کامل رہنمائی فراہم کرتی ہے۔

تنزیل اور علوِّ الٰہی: بعض مفسرین نے اس آیت سے ایک نہایت لطیف عقیدتی نکتہ بھی اخذ کیا ہے کہ تَنْزِيْل کا لفظ خود اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ نازل کرنے والی ذات بلند و برتر ہے، نزول کا تصور اسی وقت درست ہوتا ہے جب منزل (نازل کرنے والا) بلندی اور رفعت کے مقام پر ہو، اس اعتبار سے یہ آیت اللہ تعالیٰ کی شانِ علو، اس کی برتری اور اس کے کلامِ حقیقی ہونے کی طرف بھی اشارہ کرتی ہے۔

قرآن اور انسانی فلاح: اس آیت میں اگرچہ صرف دو صفاتِ الٰہی کا ذکر ہے، لیکن انہی میں قرآن کی تمام حکمتیں پوشیدہ ہیں، اللہ تعالیٰ چونکہ العزیز ہے، اس لیے اس کی شریعت غالب اور ناقابلِ شکست

ہے اور چونکہ العلیم ہے، اس لیے اس کے احکام انسان کی حقیقی فلاح اور مصلحت کے مطابق ہیں، چنانچہ قرآنِ کریم نہ صرف عقائد و عبادات بلکہ اخلاق، معاشرت، معیشت اور انسانی زندگی کے تمام شعبوں میں کامل رہنمائی فراہم کرتا ہے۔

معلوم ہوا کہ قرآنِ کریم اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ آخری آسمانی کتاب ہے، قرآن کسی انسان کا کلام نہیں بلکہ وحیِ الٰہی ہے، اللہ تعالیٰ کامل غلبہ اور اقتدار کا مالک ہے، اس لیے اس کے احکام واجب الاطاعت ہیں، اللہ تعالیٰ ہر چیز کا علم رکھتا ہے، اس لیے اس کی شریعت سراسر حکمت پر مبنی ہے، قرآن پر ایمان کا تقاضا ہے کہ اس کی تعلیمات کو زندگی کے ہر شعبے میں مقدم رکھا جائے، قرآن کی حقانیت اور اعجاز اس کے الٰہی سرچشمہ ہونے کی سب سے بڑی دلیل ہے۔

اس آیتِ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم کی اصل حقیقت واضح فرمائی ہے کہ یہ کتاب ربِّ کائنات کی طرف سے نازل کردہ ہے، وہ اللہ اپنی قدرت و غلبہ میں کامل العزیز اور اپنے علم و حکمت میں کامل العلیم ہے، لہٰذا قرآن ایک ایسی الٰہی کتاب ہے جو اپنے مصدر کے اعتبار سے حق، اپنے مضامین کے اعتبار سے حکمت اور اپنی ہدایات کے اعتبار سے انسانیت کے لیے کامل رہنمائی کا سرچشمہ ہے۔

غَافِرِ الذَّنۢبِ وَقَابِلِ التَّوْبِ شَدِيْدِ الْعِقَابِ ۙ ذِي الطَّوْلِ: غافر کے معنیٰ ہیں: ساتر، یعنی چھپانے والا، ہر چند کہ یہ اسم فاعل کے وزن پر ہے لیکن یہ صفت مشبہ ہے، کیونکہ اسم فاعل کے معنی میں حدوث ہوتا ہے اور صفت مشبہ کے معنیٰ میں ثبوت ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ کی کوئی صفت حادث نہیں ہے اس کی ہر صفت دائمی اور باقی ہے۔

اللہ تعالیٰ مؤمنوں کی خطاؤں اور ان کے گناہوں کو چھپانے والا ہے، دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی اور ذنب کے معنی ہیں: اثم اور جرم، ہر وہ فعل جو گرفت اور عذاب کا مستحق ہو، اس کا معنیٰ ہے: اللہ تعالیٰ تمام گناہوں کو چھپانے والا ہے خواہ گناہ صغیرہ ہوں یا کبیرہ، بندہ کی توبہ کی وجہ سے ان کو چھپالے یا مقربین کی شفاعت کی وجہ سے یا اپنے فضل محض سے اور جب اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے گناہوں کو چھپالے گا تو پھر وہ اپنے بندے کو قیامت کے دن شرمندہ ہونے نہیں دے گا۔

قابل کے معنیٰ ہیں: کسی چیز کو پکڑنے والا جیسے کوئی شخص کنوئیں سے ڈول کو نکال کر پکڑ لیتا ہے اور اس کا معنی ہے، عذر قبول کرنے والا، شریعت میں توبہ کا معنیٰ ہے، گناہ کے کام کو اس قبح کی وجہ سے ترک کر دینا اور گناہ کرنے پر نادم ہونا اور اس کام کے دوبارہ نہ کرنے کا پختہ عزم کرنا اور اس گناہ کی بہ قدر امکان تلافی کرنا اور جب یہ چاروں شرائط پائی جائیں گی تو یہ توبہ مکمل ہو جائے گی اور استغفار کا معنیٰ ہے، معصیت کی بُرائی سمجھنے کے بعد اس کے فعل پر مغفرت طلب کرنا اور معصیت سے اعراض کرنا، پس استغفار توبہ کرنے کے بعد کیا جاتا ہے۔

شَدِيْدِ الْعِقَابِ: کا معنیٰ ہے بہت سخت عذاب دینے والا، اللہ تعالیٰ مؤمنوں کے لیے غافر الذنب اور قابل التوب ہے اور کفار کے لیے شدید العقاب ہے، اور ان کے لیے جو اپنے گناہوں پر اصرار کرتے ہیں اور توبہ نہیں کرتے۔

ذِي الطَّوْلِ: کا معنیٰ ہے بہت عظیم فضل والا، بندہ اپنے گناہوں کی وجہ سے عذاب کا مستحق ہوتا ہے، لیکن اللہ تعالیٰ اپنے فضل کی وجہ سے اس کو معاف فرما دیتا ہے، اللہ تعالیٰ اپنے نیک بندوں کے لیے غافر الذنوب ہے، اس کی توبہ قبول فرما لیتا ہے اور ان کو ان کی توبہ میں اخلاص کی توفیق دیتا ہے، کیونکہ اس کے نیک بندے اس کے لطف کے مظاہر ہیں اور جو لوگ اس پر ایمان نہیں لاتے اور اس کے حضور توبہ نہیں کرتے اور گناہوں پر اصرار کرتے ہیں ان کے لیے شدید العقاب ہے۔ (تبیان القرآن)

علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ نے اپنی تفسیر در منثور میں اس آیت کے ذیل میں بہت سی روایات جمع کی ہیں جن میں مختلف واقعات بیان کیے گئے ہیں، عبد بن حمید رحمۃ اللہ نے یزید بن اصم رحمۃ اللہ سے روایت کیا کہ ایک شامی آدمی بڑا طاقتور تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو گم پایا تو اس کے بارے میں پوچھا تو ان سے کہا گیا کہ وہ شراب پینے میں لگا ہوا ہے۔ حضرت عمر نے اپنے کاتب کو بلایا اور اس سے فرمایا لکھو:

مِنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ إِلَى فُلَانِ ابْنِ فُلَانٍ، سَلَامٌ عَلَيْكَ، (أَمَّا بَعْدُ): فَإِنِّي أَحْمَدُ إِلَيْكَ اللهَ الَّذِي لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ، غَافِرُ الذَّنْبِ وَقَابِلُ التَّوْبِ، شَدِيدُ الْعِقَابِ، ذِي الطَّوْلِ، لَا إِلٰهَ إِلَّا

هُوَ إِلَيْهِ الْمَصِيرُ. ثُمَّ قَالَ لِأَصْحَابِهِ: ادْعُوا اللهَ لِأَخِيكُمْ أَنْ يُقْبِلَ بِقَلْبِهِ، وَأَنْ يَتُوبَ اللهُ عَلَيْهِ

عمر بن خطاب کی طرف سے فلاں بن فلاں کی طرف، تم پر سلام ہو، میں تمہارے سامنے اللہ کی حمد کرتا ہوں جس کے سوا کوئی معبود نہیں، (گناہوں کو بخشنے والا اور توبہ قبول کرنے والا، سخت عذاب دینے والا، بڑی قدرت اور نعمت والا، اس کے سوا کوئی عبادت کے قابل نہیں، اس کے پاس لوٹ کر جانا ہے) پھر اپنے ساتھیوں سے فرمایا کہ اپنے بھائی کے لیے دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ اس کی دعا قبول کرے، پھر آپ نے دعا کی اور جو لوگ ان کے پاس تھے انہوں نے آمین کہی، سب نے اس کے لئے یہ دعا کی کہ اللہ تعالیٰ اس پر نظر رحمت فرمائے اور اس کی توبہ قبول فرمائے جب خط اس کو پہنچا تو وہ خط کو پڑھنے لگا اور کہنے لگا غَافِرِ الذَّنْبِ اللہ نے مجھ سے بخشش کا وعدہ فرمایا ہے قَابِلِ التَّوْبِ شَدِيدِ الْعِقَابِ (کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ سے میری توبہ قبول کرنے کا وعدہ فرمالیا اور اللہ نے مجھ کو اپنے عذاب سے ڈرایا) (ابن کثیر، در منثور)

ذی الطول (اور بہت زیادہ مال والا ہے) "الیہ المصیر" (اس کے پاس لوٹ کر جانا ہے) وہ شخص بار بار ان الفاظ کو اپنے اوپر دہراتا ہے، یہاں تک کہ رونے لگا پھر توبہ کی اور بہترین توبہ کی جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس کا معاملہ پہنچا تو فرمایا تم لوگ بھی ایسا ہی کیا کرو جب تم اپنی حالت کو کسی لغزش میں دیکھو تو اسے درست کرلو اسے موقع دو اور اللہ سے اس کے لئے دعا کرو کہ اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرمائے اور اس کے خلاف شیطان کی مدد کرنے والے نہ بن جاؤ۔ (تفسیر در منثور)

عبد بن حمید رحمہ اللہ نے قتادہ رحمہ اللہ سے روایت کیا کہ ایک نوجوان مدینہ منورہ میں عبادت کرنے والا تھا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس سے محبت فرماتے تھے وہ مصر چلا گیا اور بگڑ گیا اور کسی برے کام سے نہیں رکتا تھا اس کے کچھ گھر والے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے ان سے حال پوچھا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے اس جوان کے بارے میں سوال کیا تو اس نے کہا کہ اس آدمی کے بارے میں مجھ سے نہ پوچھیں، انہوں نے کہا کہ کیوں؟ اس نے کہا وہ بگڑ گیا اور تقویٰ کا لباس اتار دیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے

اس کی طرف خط لکھا

مِن عُمَرَ إِلیٰ فُلَان {حٰمٓ تَنْزِيلُ الْكِتَابِ مِنَ اللهِ الْعَزِيزِ الْعَلِيمِ غَافِرِ الذَّنبِ وَقَابِلِ التَّوبِ شَدِيدِ الْعِقَابِ ذِي الطَّولِ لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ إِلَيْهِ الْمَصِيرُ} فَجَعَلَ يَقْرَأُهَا عَلَى نَفسِه فَأَقبَلَ بِخَير

عمر کی طرف سے فلاں کی طرف حمٓ، تنزیل الکتب من اللہ العزیز العلیم، غافر الذنب و قابل التوب شدید العقاب ذی الطول، لا الہ الا ھو، الیہ المصیر وہ نوجوان اس کو پڑھتا رہا اور خیر کی طرف لوٹ آیا۔ (تفسیر در منثور)

ابن ابی حاتم وابن المنذر رحمہ اللہ نے ابو اسحاق سبیعی رحمہ اللہ سے روایت کیا کہ ایک آدمی عمر بن خطاب کے پاس آیا اور کہا اے امیر المؤمنین! اگر میں نے قتل کیا ہو کیا میرے لئے توبہ ہے؟ تو انہوں نے اس پر پڑھی حمٓ، تنزیل الکتب من اللہ العزیز العلیم، غافر الذنب و قابل التوب اور فرمایا تو (نیک) عمل کر اور مایوس نہ ہو۔ (تفسیر در منثور)

ابن ابی شیبہ رحمہ اللہ وابن ابی حاتم رحمہ اللہ نے ثابت بنانی رحمہ اللہ سے روایت کیا کہ میں مصعب بن زبیر رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھا کوفہ کے مضافات میں ایک باغ میں داخل ہوا تا کہ دو رکعت نماز پڑھوں میں نے (حم) المؤمن شروع کی یہاں تک کہ لا الہ الا ھو، الیہ المصیر تک پہنچا، اچانک میرے پیچھے ایک آدمی سفید خچر پر سوار تھا جس نے یمنی سوتی لباس زیب تن کیا ہوا تھا، اس نے کہا جب تو کہے و قابل التوب تو یوں کہہ: اے توبہ قبول کرنے والے! میری توبہ قبول کر لے، اور جب تو کہے شدید العقاب تو کہہ: اے سخت عذاب والے! مجھے عذاب نہ دے۔ اور ابن ابی شیبہ رحمہ اللہ کے الفاظ یوں ہیں: مجھ سے در گزر فرما، اور جب تو کہے "ذی الطول" تو کہہ: اے خیر والے! مجھ پر بھلائی کر۔

روای نے کہا میں نے ان کلمات کو کہا پھر میں مڑا تو کسی کو نہ دیکھا میں دروازہ کی طرف نکلا۔ میں نے کہا تمہارے پاس سے کوئی آدمی گزرا ہے جس نے یمنی سوتی لباس پہنا ہوا تھا لوگوں نے کہا ہم نے کسی کو نہیں دیکھا اور وہ کہتے تھے کہ وہ الیاس علیہ السلام تھے۔ (تفسیر در منثور)

انسان گناہ گار ہے، گناہ کرتا ہے، شیطان اس سے گناہ کرواتا ہے، حضرت قتادہ فرماتے ہیں کہ ہر نافرمانی شیطان کی طرف سے ہوتی ہے، گناہ کرنے والا شیطان کے نقش قدم پر گامزن ہوتا ہے۔

گناہ چھوٹا ہو یا بڑا گناہ تو گناہ ہی ہوتا ہے، زہر ایک قطرہ ہو یا ایک پیالہ زہر تو زہر ہی ہے، اس لیے گناہ کو حقیر اور چھوٹا نہیں سمجھنا چاہیے اور نہ ہی گناہ پر اصرار کرنا چاہیے، کیونکہ گناہوں پر اصرار اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا باعث ہوتا ہے، نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ إِيَّاكُمْ وَمُحَقَّرَاتِ الذُّنُوبِ فَإِنَّ مَثَلَ مُحَقَّرَاتِ الذُّنُوبِ كَمَثَلِ قَوْمٍ نَزَلُوا بَطْنَ وَادٍ، فَجَاءَ ذَا بِعُودٍ، وَجَاءَ ذَا بِعُودٍ حَتَّى أَنْتَجُوا خُبْزًا لَهُمْ إِنَّ مُحَقَّرَاتِ الذُّنُوبِ مَتَى يُؤْخَذْ بِهَا صَاحِبُهَا يَهْلِكْ (التوبہ لابن ابی الدنیا) گناہوں کو حقیر سمجھنے سے بچو، کیونکہ جو شخص گناہوں کو حقیر سمجھتا ہے اس کی مثال اس قوم کی ہے جو کسی وادی میں اتری، پھر کوئی ایک لکڑی لایا، کوئی دوسری لکڑی لایا، پھر انہوں نے اپنے لیے روٹیاں پکائیں، گناہوں کو حقیر سمجھنے والا جب اپنے گناہوں کی وجہ سے پکڑا جاتا ہے تو گناہ کرنے والے کو ہلاک کر دیتا ہے۔

حضرت ابراہیم بن ابو عبلہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں حضرت عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ کی خدمت میں حاضر ہوا، وہ اپنے گھر والی مسجد میں تشریف فرما تھے، میں انہیں نصیحت کر رہا تھا، وہ میری نصیحت کو سن رہے تھے، تو حضرت عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ نے ان سے فرمایا کہ

يَا إِبْرَاهِيمُ بَلَغَنِي أَنَّ مُوسَى قَالَ: إِلٰهِي، مَا الَّذِي يُخَلِّصُنِي مِنْ عِقَابِكَ، وَيُبَلِّغُنِي رِضْوَانَكَ وَيُنْجِينِي مِنْ سَخَطِكَ؟ قَالَ: الِاسْتِغْفَارُ بِاللِّسَانِ، وَالنَّدَمُ بِالْقَلْبِ، وَالتَّرْكُ بِالْجَوَارِحِ (التوبہ)

اے ابراہیم! مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا کہ اے میرے اللہ! وہ کون سی چیز ہے جو مجھے تیرے عذاب سے بچا سکتی ہے؟ اور مجھے تیری رضا تک پہنچا سکتی ہے؟ اور مجھے تیری ناراضگی سے بچا سکتی ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ زبان سے استغفار کرنا، دل میں نادم و شرمسار ہونا، جوارح سے گناہوں کو چھوڑنا۔

حضرت عبد اللہ بن مبارک رحمہ اللہ کی گریہ وزاری ملاحظہ فرمایئے

وَ كَيْفَ تُحِبَّ أَنْ تُدْعَى حَكِيمًا ... وَأَنْتَ لِكُلِّ مَا تَهْوَى رَكُوبُ

تم کیسے پسند کرتے ہو کہ لوگ تمہیں دانا اور حکیم کہیں، حالانکہ تم اپنی ہر خواہشِ نفس کے سوار بنے ہوئے ہو (یعنی ہر خواہش کے پیچھے چلتے ہو)؟

وَتَضْحَكُ دَائِبًا ظَهْرًا لِبَطْنٍ ... وَتَذَكَّرُ مَا عَمِلْتَ فَلَا تَذُوبُ

تم صبح و شام ہنسی خوشی میں مشغول رہتے ہو، مگر اپنے اعمال کو یاد کرو؛ کیا ان پر غور کر کے تمہارا دل پگھلتا بھی نہیں؟

كُوبُ الذُّنُوبِ يُمِيتُ الْقُلُوبَ ... وَقَدْ يُوَرِّثُ الذُّلَّ إِدْمَانُهَا

گناہوں کا انبار دلوں کو مردہ کر دیتا ہے اور ان پر مسلسل اصرار و عادت انسان کے لیے ذلت و رسوائی کا سبب بن جاتی ہے۔

وَتَرْكُ الذُّنُوبِ حَيَاةُ الْقُلُوبِ ... وَخَيْرٌ لِنَفْسِكَ عِصْيَانُهَا

اور گناہوں کو چھوڑ دینا دلوں کی زندگی ہے اور اپنی خواہشِ نفس کی مخالفت کرنا تمہارے لیے بہتر ہے۔

يَا مُدْمِنَ الذَّنْبِ أَمَا تَسْتَحِي ... اللهَ فِي الْخَلْوَةِ ثَانِيكَا

اے گناہوں کے عادی انسان! کیا تم تنہائی میں اللہ تعالیٰ سے شرم نہیں کرتے، جبکہ وہ تمہارے ساتھ اور تمہیں دیکھ رہا ہے؟

غَرَّكَ مِنْ رَبِّكَ إِمْهَالُهُ ... وَسَتْرُهُ طُولَ مَسَاوِيكَا

تمہیں اپنے رب کی مہلت نے دھوکے میں ڈال دیا ہے اور تمہارے عیوب و برائیوں پر اس کی مسلسل پردہ پوشی نے تمہیں غافل بنا رکھا ہے۔

كُنْ حَيِيًّا إِذَا خَلَوْتَ بِذَنْبٍ ... دُونَ ذِي الْعَرْشِ مِنْ حَكِيمٍ مَجِيدِ

جب تم تنہائی میں کسی گناہ کا ارادہ کرو تو عرش کے مالک، حکمت والے اور بزرگی والے رب سے حیا کرو۔

قَدْ تَنَهَّا وَنْتَ بِالْإِلٰهِ عَمِيدًا ... وَتَغَيَّبْتَ عَنْ عُيُونِ الْعَبِيدِ

تم نے جان بوجھ کر اللہ تعالیٰ کے حق کو ہلکا سمجھ لیا، صرف اس لیے کہ تم لوگوں کی نظروں سے اوجھل ہو گئے ہو۔

ان اشعار میں حضرت عبد اللہ بن مبارک رحمہ اللہ انسان کو محاسبہ نفس کی دعوت دیتے ہیں، وہ تنبیہ فرماتے ہیں کہ خواہشات نفس کی پیروی، گناہوں پر اصرار اور اللہ تعالیٰ کی مہلت سے دھوکا کھانا ہلاکت کا راستہ ہے، جبکہ گناہوں سے توبہ، نفس کی مخالفت اور خلوت میں بھی اللہ تعالیٰ سے حیا کرنا دل کی حیات اور آخرت کی کامیابی کا ذریعہ ہے، یہ اشعار زہد و تقویٰ کی نہایت مؤثر نصیحت اور سلفِ صالحین کے روحانی ذوق کا بہترین نمونہ ہیں۔

احمد بن محمد ازدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں

مَآثِمُ الْمُذْنِبِينَ لَا تَنْقَضِي ... آخِرَ الدَّهْرِ أَوْ يَحِلُّوا اللُّحُودَا

گناہ گاروں کے گناہوں کی داستان ختم نہیں ہوتی، یہاں تک کہ عمر کا آخری لمحہ آجائے یا وہ قبروں میں جا اتریں۔

وَحَقِيقٌ بِأَنْ يَنُوحُوا وَيَبْكُوا ... إِذْ عَصَوْا مَاجِدًا رَءُوفًا وَدُودَا

اور واقعی وہ اس بات کے مستحق ہیں کہ آہ و زاری کریں اور روئیں، کیونکہ انہوں نے ایسے رب کی نافرمانی کی ہے جو بزرگی والا، نہایت مہربان اور محبت فرمانے والا ہے۔

اِبْتَدَأَهُمْ بِالْفَضْلِ مِنْهُ امْتِنَانًا ... وَإِذَا شَاءَ أَنْجَزَ الْمَوْعُودَا

اس نے اپنی مہربانی اور احسان سے ابتدا ہی سے ان پر فضل فرمایا اور جب چاہے گا اپنے وعدوں کو پورا کر دکھائے گا۔

كُلُّ ثَكْلَى أَحْزَانُهَا لِنَفَادٍ ... وَلَنَا الْحُزْنُ قَدْ نَرَاهُ جَدِيدًا

ہر غم زدہ انسان کا غم ایک نہ ایک دن کم ہو جاتا ہے، لیکن ہمارا غم تو ایسا ہے کہ ہر روز ہمیں نیا محسوس ہوتا ہے۔

كَيْفَ تَفْنَى أَحْزَانُ مَنْ عَاهَدَ اللهَ ... مِرَارًا وَخَانَ مِنْهُ الْعُهُودَا؟

آخر اس شخص کے غم کیسے ختم ہو سکتے ہیں جس نے بار بار اللہ سے عہد کیا، پھر انہی عہدوں کو توڑتا اور

بے وفائی کرتا رہا؟

وَيْحَ نَفْسِي مَاذَا أَقُولُ إِذَا مَا ... أَحْضَرَ اللّٰهُ رُسْلَهُ لِي شُهُودًا

ہائے میری جان! میں کیا جواب دوں گا جب اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں کو میرے خلاف گواہ بنا کر حاضر فرمائے گا؟

ان اشعار میں شاعر اپنے گناہوں پر شدید ندامت کا اظہار کرتا ہے، وہ اس حقیقت پر افسوس کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بے شمار نعمتوں، رحمتوں اور مہربانیوں کے باوجود انسان اس کی نافرمانی کرتا ہے، اسی احساسِ جرم سے اس کا غم تازہ رہتا ہے، کیونکہ وہ بارہا توبہ اور وفاداری کے عہد کرکے بھی کمزوری کا شکار ہوتا رہا، آخر میں قیامت کے دن کی جواب دہی اور انبیائے کرام علیہم السلام کی گواہی کا تصور اس کے دل کو لرزا دیتا ہے اور وہ خوف و ندامت میں ڈوب جاتا ہے۔ پھر فرمایا

أَقِرَّ مَا عَمِلْتَ وَجَاوَزْتَ بِمَا ... كَانَ مِنْكَ فِيهِ الْحُدُودَا

اقرار کر ان اعمال کا جو تو نے کیے اور ان حدوں کا بھی جنہیں تو نے اپنے گناہوں اور نافرمانیوں سے پھلانگ دیا تھا۔

لَمْ تَخَفْنِي لَمَّا اسْتَتَرْتَ مِنَ الْخَلْقِ ... وَبَارَزْتَنِي وَ كُنْتُ شَهِيدًا

جب تو لوگوں کی نظروں سے چھپ گیا تھا تو مجھ سے نہ ڈرا، اور تنہائی میں میری نافرمانی کرتا رہا، حالانکہ میں تیرے ہر عمل کا گواہ تھا۔

وَبِنَعْمَائِي كَانَ مِنْكَ الْمَعَاصِي ... لَمْ تَخَفْ سَطْوَتِي وَ تَخْشَى الْعَبِيدَا

میری ہی عطا کردہ نعمتوں کے سہارے تو میری نافرمانیاں کرتا رہا، نہ تجھے میری گرفت اور پکڑ کا خوف آیا، البتہ تو بندوں سے ڈرتا اور ان کی ناراضی سے بچتا رہا۔

ان اشعار میں ایک نہایت مؤثر محاسبۂ نفس پیش کیا گیا ہے، شاعر گویا قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہونے والے سوالات کو بیان کرتا ہے کہ انسان دنیا میں لوگوں سے تو شرماتا رہا، مگر اللہ تعالیٰ سے نہ شرمایا، مخلوق کے سامنے گناہ سے بچتا رہا، لیکن خلوت میں اسی رب کی نافرمانی کرتا رہا جس

نے اسے بے شمار نعمتیں عطا کی تھیں، اس لیے یہ اشعار بندے کو اخلاص، خوفِ خدا، حیا اور دائمی مراقبۂ الٰہی کی دعوت دیتے ہیں، تاکہ وہ لوگوں کے بجائے سب سے پہلے اپنے رب کی رضا اور ناراضی کو اہمیت دے۔ ابو عثمان مؤدب رحمہ اللہ نے کہا کہ

لَا تَنْسَ ذَنْبَكَ إِنَّ اللهَ سَاتِرُهُ ... وَاسْتَغْفِرِ اللهَ مِنْ ذَنْبٍ تُبَاشِرُهُ

اپنے گناہ کو مت بھولو، اگرچہ اللہ تعالیٰ نے اس پر پردہ ڈال رکھا ہے اور جس گناہ میں مبتلا ہو جاؤ اس پر اللہ سے مغفرت طلب کرتے رہو۔

خَفْ غِبَّ ذَنْبِكَ وَارْجُ اللهَ مُزْدَجِرًا ... لَعَلَّ رَبَّكَ بَعْدَ الْخَوْفِ غَافِرُهُ

اپنے گناہ کے انجام سے ڈرتے رہو اور باز آتے ہوئے اللہ سے امید بھی رکھو، شاید تمہارا رب اس خوف و ندامت کے بعد تمہیں بخش دے۔

كَمْ مِنْ هَوًى لَكَ مَقْرُونًا بِمَعْصِيَةٍ ... أَصْبَحْتَ تَرْكَبُهُ وَاللهُ سَاتِرُهُ

کتنی ہی نفسانی خواہشیں ہیں جو گناہوں کے ساتھ جڑی ہوئی ہیں، جن کے پیچھے تم چلتے رہتے ہو، حالانکہ اللہ تعالیٰ تمہاری پردہ پوشی فرمائے ہوئے ہے۔

بَرَّقْتَ ظَاهِرَكَ الْمَدْخُولَ بَاطِنُهُ ... إِنْ صَحَّ بَاطِنُ عَبْدٍ صَحَّ ظَاهِرُهُ

تم نے اپنے ظاہر کو تو آراستہ کر لیا، حالانکہ تمہارا باطن خرابی اور کھوٹ سے بھرا ہوا ہے، یاد رکھو، جب بندے کا باطن درست ہو جاتا ہے تو اس کا ظاہر بھی خود بخود درست ہو جاتا ہے۔

اعْمَلْ فَإِنَّكَ تُجْزَى مَا عَمِلْتَ بِهِ ... مَهْمَا عَمِلْتَ فَإِنَّ اللهَ خَابِرُهُ

عمل کرتے رہو، کیونکہ تمہیں تمہارے اعمال ہی کا بدلہ دیا جائے گا، اور جو کچھ بھی تم کرتے ہو اللہ تعالیٰ اس سے پوری طرح باخبر ہے۔

أَسِرَّ مَا شِئْتَ أَنْ تُسِرَّ ... لَا تَخْفَى سَرَائِرُهُ

تم جو کچھ چاہو چھپالو، لیکن حقیقت یہ ہے کہ کوئی راز اور کوئی پوشیدہ بات اللہ تعالیٰ سے مخفی نہیں رہتی۔

لَا شَيْءَ أَحْسَنُ مِنْ شَيْءٍ ... كَانَ مِنْ حُسْنٍ فَاللهُ شَاكِرُهُ

نیکی اور حسنِ عمل سے بہتر کوئی چیز نہیں اور جو بھی بھلائی کی جائے اللہ تعالیٰ اس کی قدر فرمانے والا اور اس کا اجر عطا کرنے والا ہے۔

لَا يَبْرَحُ الْمَرْءُ أَعْمَالًا تَقَلَّدَهَا ... أَلَيْسَ فِي عُنُقِ الْإِنْسَانِ طَائِرُهُ

انسان اپنے اعمال کے بوجھ سے کبھی جدا نہیں ہوتا، کیونکہ اس کے اعمال ہمیشہ اس کے ساتھ رہتے ہیں، کیا انسان کے اعمال نامہ کا بوجھ اس کی گردن میں نہیں لٹکا دیا گیا؟

اَلْبِرُّ أَكْرَمُ زَادًا وَالتُّقَى شَرَفٌ ... وَالْخَيْرُ اجْمَعْ لَا تَبْلَى ذَخَائِرُهُ

نیکی بہترین زادِ راہ ہے، تقویٰ سب سے بڑی عزت ہے اور بھلائیاں جمع کرتے رہو، کیونکہ نیکیوں کے خزانے کبھی ختم اور بوسیدہ نہیں ہوتے۔

ابو عثمان مؤدب رحمہ اللہ ان اشعار میں انسان کو یاد دلاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی پردہ پوشی سے دھوکے میں نہیں آنا چاہیے، بلکہ اپنے گناہوں کو یاد رکھ کر توبہ واستغفار کرتے رہنا چاہیے، اصل اصلاح ظاہری نمود و نمائش سے نہیں بلکہ باطن کی پاکیزگی سے حاصل ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ ہر ظاہر و پوشیدہ عمل سے واقف ہے، اس لیے انسان کو نیکی، تقویٰ اور اخلاص کو اپنا سرمایہ بنانا چاہیے، کیونکہ آخرت میں یہی اعمال اس کے لیے دائمی ذخیرہ اور نجات کا ذریعہ ہوں گے۔

حضرت اشعث رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں جیل میں گیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ جیل میں فرزدق شاعر شعروں کی قافیہ بندی میں مشغول ہے، تو کہنے لگا کہ میں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ملاقات کی تو انہوں نے فرمایا کہ اے فرزدق! میرا خیال ہے کہ تو چھوٹے قدموں والا ہے تو ان قدموں کے لیے حوض کوثر کے پاس جگہ تلاش کرنا، تو میں نے انہیں کہا کہ میں نے فلاں فلاں عمل کیا ہے، میں نے فلاں عمل کیا ہے۔

تو اس پر ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ إِنَّ التَّوْبَةَ لَا تَزَالُ تُقْبَلُ مَا لَمْ تَطْلُعِ الشَّمْسُ مِنْ مَغْرِبِهَا عَمِلَ عَبْدٌ مَا عَمِلَ مِنْ شَيْءٍ (التوبہ لابن ابی الدنیا) ہمیشہ توبہ قبول کی جاتی رہے گی جب تک سورج مغرب سے طلوع نہیں ہوتا، بندے نے کوئی عمل کیا یا کوئی عمل نہیں کیا۔

حضرت حارث بن سوید رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ رحمہ اللہ بیمار تھے تو میں ان کی بیمار پرسی کرنے کے لیے گیا، ہم دونوں دو حدیثوں کے بارے میں بات چیت کر رہے تھے کہ حدیث نفس کے بارے میں اور حدیث رسول اللہ ﷺ کے بارے میں، تو وہ فرمانے لگے کہ إِنَّ الْمُؤْمِنَ يَرَى ذُنُوبَهُ كَأَنَّهُ فِي أَصْلِ جَبَلٍ يَخَافُ أَنْ يَقَعَ عَلَيْهِ، وَإِنَّ الْفَاجِرَ يَرَى ذُنُوبَهُ مِثْلَ ذُبَابٍ عَلَى أَنْفِهِ فَذَبَّهُ عَنْهُ مومن اپنے گناہوں کو اس طرح دیکھتا ہے جیسا کہ وہ کسی پہاڑ کے دامن میں کھڑا ہے اور وہ خوف زدہ ہے کہ کہیں یہ پہاڑ اس کے اوپر نہ گر جائے، اور گناہ گار فاجر انسان اپنے گناہوں کو اس طرح دیکھتا ہے جیسے کہ ایک مکھی اس کی ناک پر بیٹھی ہے جو اس سے اڑ گئی ہے۔

رحمت دوعالم ﷺ نے ارشاد فرمایا لَلّٰهُ أَشَدُّ فَرَحًا بِتَوْبَةِ عَبْدِهِ الْمُؤْمِنِ مِنْ رَجُلٍ فِي أَرْضٍ دَوِّيَّةٍ مُهْلِكَةٍ مَعَهُ رَاحِلَتُهُ عَلَيْهَا طَعَامُهُ وَشَرَابُهُ فَنَامَ، فَاسْتَيْقَظَ وَقَدْ ذَهَبَتْ فَقَامَ يَطْلُبُهَا فَطَلَبَهَا حَتَّى أَدْرَكَهُ الْعَطَشُ، ثُمَّ قَالَ: أَرْجِعُ إِلَى مَكَانِي الَّذِي كُنْتُ فِيهِ حَتَّى أَمُوتَ، قَالَ: فَوَضَعَ يَدَهُ عَلَى سَاعِدِهِ لِيَمُوتَ فَاسْتَيْقَظَ وَعِنْدَهُ رَاحِلَتُهُ عَلَيْهَا زَادُهُ، وَطَعَامُهُ، وَشَرَابُهُ، فَاللّٰهُ أَشَدُّ فَرَحًا بِتَوْبَةِ عَبْدِهِ مِنْ هَذَا بِرَاحِلَتِهِ وَزَادِهِ (مسلم)

البتہ اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندے کی توبہ کی وجہ سے اس بندے سے بھی زیادہ خوش ہوتے ہیں جو ایک جنگل کی مہلک زمین میں تھا، اس کے ساتھ اس کی سواری بھی تھی، اس سواری پر اس کا کھانا پینا بھی تھا، پھر وہ سو گیا، پھر جب وہ بیدار ہوا تو اس کی سواری وہاں سے جا چکی تھی، وہ اس کی تلاش میں اٹھ کھڑا ہوا، وہ اسے تلاش کرتے کرتے پیاس میں مبتلا ہو گیا، پھر وہ خیال کرتا ہے کہ میں اپنی اسی جگہ پر چلتا ہوں جہاں پر تھا موت تک وہیں رہوں گا، پھر وہ اپنا ہاتھ اپنے بازو پر رکھتا ہے تاکہ اسے موت آجائے، پھر وہ بیدار ہوا اور کیا دیکھتا ہے کہ وہ سواری اس کے پاس کھڑی ہے جس پر اس کا سامان اور توشہ تھا، اس کا کھانا تھا، اس کا پانی تھا، پس اس بندے کو اپنی سواری اور زاد سفر کے مل جانے پر جس قدر خوشی ہوئی ہے اللہ تعالیٰ کو اپنے مومن بندے کی توبہ پر اس سے زیادہ خوشی ہوتی ہے۔

عبد الرحمٰن بن یزید رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ وہ کلمات جو حضرت آدم علیہ السلام نے اللہ کی طرف سے

پائے تھے وہ کلمات ادا کیے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول کی تھی وہ کلمات یہ ہیں

لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَانَكَ اَللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ، اَللّٰهُمَّ عَمِلْتُ سُوءًا وَظَلَمْتُ نَفْسِي فَاغْفِرْ لِي وَأَنْتَ خَيْرُ الْغَافِرِينَ، لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَانَكَ وَبِحَمْدِكَ عَمِلْتُ سُوءًا، وَظَلَمْتُ نَفْسِي فَارْحَمْنِي وَأَنْتَ خَيْرُ الرَّاحِمِينَ، لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَانَكَ وَبِحَمْدِكَ عَمِلْتُ سُوءًا، وَظَلَمْتُ نَفْسِي فَتُبْ عَلَيَّ إِنَّكَ أَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ (التوبہ)

اللہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں ہے، تو پاک ذات ہے، اے میرے اللہ! تیری تعریف وحمد کے ساتھ، اے میرے اللہ! میں نے برائی کی ہے، میں نے اپنی جان پر زیادتی کی ہے، پس تو مجھے معاف فرمادے، تو بہترین معاف کرنے والوں میں سے ہے، تیرے سوا کوئی معبود نہیں ہے، تو پاک ہے، میں نے برائی کی ہے، میں نے اپنی جان پر زیادتی کی ہے، اس لیے تو مجھ پر رحم فرمادے، تو بہترین رحم کرنے والوں میں سے ہے، تیرے سوا کوئی معبود نہیں ہے، تو پاک ذات ہے، میں نے برائی کی ہے، میں نے اپنی جان پر زیادتی کی ہے، میری توبہ قبول فرمالیجیے، بے شک آپ زبردست توبہ قبول کرنے والے، بہت زیادہ رحم کرنے والے ہیں۔

حضرت سعید بن سنان حمصی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرات انبیاء کرام علیہم السلام میں سے کسی نبی کی طرف وحی فرمائی کہ بے شک عذاب گھیرنے والا ہے، یہ بات اس نبی نے اپنی قوم سے کہہ دی، اور انہیں حکم دیا کہ وہ اپنے بڑوں کو نکالیں تاکہ وہ توبہ کریں، چنانچہ وہ لوگ نکلے پھر انہیں حکم دیا کہ وہ اپنے تین بڑوں کو اللہ کی طرف وفد بنا کر روانہ کریں، فرمایا کہ تین لوگ لوگوں کے سامنے نکلے، ان تین لوگوں میں سے ایک نے اللہ کی بارگاہ میں عرض کی

اَللّٰهُمَّ إِنَّكَ أَمَرْتَنَا فِي التَّوْرَاةِ الَّتِي أَنْزَلْتَ عَلَى عَبْدِكَ مُوسٰى أَنْ لَا نَرُدَّ السُّؤَالَ إِذَا قَامُوا بِأَبْوَابِنَا، وَإِنَّا سُؤَّالٌ مِنْ سُؤَّالِكَ بِبَابٍ مِنْ أَبْوَابِكَ فَلَا تَرُدَّ مَنْ سَأَلَكَ، وَقَالَ الثَّانِي: اَللّٰهُمَّ إِنَّكَ أَمَرْتَنَا فِي التَّوْرَاةِ الَّتِي أَنْزَلْتَ عَلَى عَبْدِكَ مُوسٰى أَنْ نَعْفُوَ عَمَّنْ ظَلَمَنَا، وَإِنَّا ظَلَمْنَا أَنْفُسَنَا فَاعْفُ عَنَّا، وَقَالَ الثَّالِثُ: اَللّٰهُمَّ إِنَّكَ أَمَرْتَنَا فِي التَّوْرَاةِ

الَّتِي أَنْزَلْتَ عَلَى عَبْدِكَ مُوسٰى أَنْ نُعْتِقَ أَرِقَّاءَنَا، وَإِنَّا عُبَيْدُكَ وَأَرِقَّاؤُكَ فَأَوْجِبْ لَنَا عِتْقَنَا، قَالَ: فَأَوْحَى إِلَى النَّبِيِّ أَنَّهُ قَدْ قَبِلَ مِنْهُمْ، وَعَفَا عَنْهُمْ (التوبه)

اے میرے اللہ! آپ نے اس تورات میں ہمیں حکم دیا جو آپ نے اپنے بندے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل فرمائی تھی کہ ہم اپنے دروازے پر کھڑے ہو کر مانگنے والوں کو رد نہیں کرتے، تو ہم تیرے دروازوں میں سے ایک دروازے پر کھڑے سوال کرنے والوں میں سے ہیں، اس لیے جو تجھ سے سوال کرے تو اسے رد نہ فرما، دوسرے نے کہا کہ اے میرے اللہ! تو نے ہمیں اس تورات میں حکم دیا جو تو نے اپنے بندے موسیٰ علیہ السلام پر نازل فرمائی کہ ہم ان لوگوں کو معاف کر دیں گے جس نے ہم میں سے ظلم کیا، اور ہم وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے، اس لیے تو ہمیں معاف کر دے، تیسرے نے کہا کہ اے میرے اللہ! تو نے ہمیں اس تورات میں حکم دیا جو تو نے اپنے بندے موسیٰ پر نازل فرمائی کہ ہم اپنے غلاموں کو آزاد کر دیں گے، اور ہم تیرے غلاموں میں سے غلام ہیں، اس لیے ہمیں آزادی عطا فرمایئے، اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی طرف وحی نازل فرمائی کہ میں نے ان کی توبہ قبول کر لی ہے اور انہیں معاف کر دیا ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ تم لوگ بہت زیادہ توبہ کرنے والوں کے پاس بیٹھا کرو کیونکہ یہ وہ لوگ ہیں جو دلوں کے لحاظ سے بہت زیادہ نرم ہوتے ہیں۔ (التوبہ لابن ابی الدنیا)

حضرت مالک ابن دینار رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ بَلَغَنِي أَنَّ فَتًى، أَصَابَ ذَنْبًا فِيمَا مَضَى فَأَتَى نَهْرًا لِيَغْتَسِلَ فَذَكَرَ ذَنْبَهُ، فَوَقَفَ وَاسْتَحْيَا فَرَجَعَ فَنَادَاهُ النَّهْرُ: يَا عَاصِ لَوْ دَنَوْتَ مِنِّي لَغَرَّقْتُكَ مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ ایک نوجوان تھا، جس نے گناہ کیا تھا، وہ نہر کی طرف غسل کرنے کے لیے پہنچا، پھر اسے اپنا گناہ یاد آ گیا تو وہ رک گیا، اسے حیا آئی، پھر وہ واپس لوٹا تو اسے نہر نے آواز دی کہ اے گناہ گار اگر تو میرے قریب آتا تو میں تجھے غرق کر دیتی۔

رحمت دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مَنْ أَكْثَرَ مِنَ الِاسْتِغْفَارِ، جَعَلَ اللهُ لَهُ مِنْ كُلِّ هَمٍّ فَرَجًا، وَمِنْ كُلِّ ضِيقٍ مَخْرَجًا، وَرَزَقَهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ (التوبه) جو شخص بہت

زیادہ استغفار کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لیے ہر غم سے نجات عطا فرمادیتے ہیں، ہر تنگی سے راستہ بنادیتے ہیں، اور اسے وہاں سے رزق دیتے ہیں جہاں سے اسے گمان بھی نہیں ہوتا۔

رحمت دوعالم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الشَّابَّ التَّائِبَ (التوبہ) اللہ تعالیٰ ایسے نوجوان کو پسند کرتے ہیں جو توبہ کرنے والا ہوتا ہے۔ فارسی زبان کے ایک شاعر نے کہا کہ

در جوانی توبہ کردن شیوہ پیغمبری وقت پیری گرگ ظالم میشود پرہیز گار

اللہ تعالیٰ کو غافر الذنب اور قابل التوب کہا جاتا ہے کہ وہ گناہوں کو معاف کرنے والا ہے اور توبہ قبول کرنے والا ہے، اس لیے انسان اپنے گناہوں پر ندامت اختیار کرے اور شرمندگی کا اظہار کرے، اللہ کو منائے، اللہ کو راضی کرے، کبھی اپنے گناہوں پر جرأت اور جسارت نہ کرے، اس لیے کہ جب اللہ نے خود اپنے کو غافر الذنب فرمایا تو پھر اسے اللہ سے اپنے گناہ معاف کروانے چاہییں، جب اللہ نے اپنے کو قابل التوب فرمایا تو اسے اپنے اللہ کی بارگاہ میں سچے دل سے توبہ کرنی چاہیے۔

منکرین کا انجام، اہل ایمان کے لیے فرشتوں کی دعائیں

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

مَا يُجَادِلُ فِيْٓ اٰيٰتِ اللّٰهِ اِلَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَلَا يَغُرُرْكَ تَقَلُّبُهُمْ فِي الْبِلَادِ{۴} كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ وَّالْاَحْزَابُ مِنْۢ بَعْدِهِمْ وَهَمَّتْ كُلُّ اُمَّةٍۢ بِرَسُوْلِهِمْ لِيَاْخُذُوْهُ وَجٰدَلُوْا بِالْبَاطِلِ لِيُدْحِضُوْا بِهِ الْحَقَّ فَاَخَذْتُهُمْ فَكَيْفَ كَانَ عِقَابِ{۵} وَكَذٰلِكَ حَقَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ النَّارِ{۶} اَلَّذِيْنَ يَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَهٗ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَيْءٍ رَّحْمَةً وَّعِلْمًا فَاغْفِرْ لِلَّذِيْنَ تَابُوْا وَاتَّبَعُوْا سَبِيْلَكَ وَقِهِمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ{۷} رَبَّنَا وَاَدْخِلْهُمْ جَنّٰتِ عَدْنِ الَّتِيْ وَعَدْتَّهُمْ وَمَنْ صَلَحَ مِنْ اٰبَآئِهِمْ وَاَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ{۸} وَقِهِمُ السَّيِّاٰتِ وَمَنْ تَقِ السَّيِّاٰتِ يَوْمَىِٕذٍ فَقَدْ رَحِمْتَهٗ وَذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ{۹} الغافر

جواب ترجمہ: اللہ کی آیات میں جھگڑا نہیں کرتے مگر وہی لوگ جنہوں نے کفر اختیار کیا سو آپ کو دھوکہ میں نہ ڈالے ان کا شہروں میں چلنا پھرنا۔ ان سے پہلے نوح کی قوم نے ان کے بعد دوسری جماعتوں نے جھٹلایا اور ہر امت نے ارادہ کیا کہ اپنے رسول کو پکڑ لیں اور باطل کے ذریعہ جھگڑا کریں تاکہ اس کے ذریعہ حق کو باطل کر دیں، سو میں نے ان کو پکڑ لیا سو کیسا تھا میرا عذاب۔ اور اسی طرح آپ کے رب کا قول کافروں پر ثابت ہو چکا کہ وہ دوزخ والے ہیں۔ جو فرشتے عرش کو اٹھائے ہوئے ہیں اور جو فرشتے ان کے گرداگرد ہیں وہ اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح بیان کرتے ہیں اور اس پر ایمان رکھتے ہیں اور ان لوگوں کے لیے استغفار کرتے ہیں جو ایمان لائے، اے ہمارے رب آپ کی رحمت اور آپ کا علم ہر چیز کو شامل ہے، سو ان لوگوں کو بخش دیجیے جنہوں نے توبہ کی اور آپ کے راستے کا اتباع کیا اور انہیں دوزخ کے عذاب سے بچا لیجیے۔ اے ہمارے رب اور انہیں ہمیشہ رہنے کی بہشتوں میں داخل فرمایئے جن کا آپ نے ان سے وعدہ فرمایا ہے اور ان کے آباء، بیویوں، اولادوں میں جو صالح ہوئے ان کو بھی داخل فرمایئے بلاشبہ آپ زبردست ہیں، حکمت والا ہیں۔

خلاصہ تفسیر: ان آیاتِ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے ایک طرف ان لوگوں کا انجام بیان فرمایا ہے جو آیاتِ الٰہی میں جھگڑا اور کج بحثی کرتے ہیں اور دوسری طرف اہلِ ایمان کے بلند مقام کا ذکر کیا ہے کہ عرشِ الٰہی کو اٹھانے والے مقرب فرشتے بھی ان کے لیے مغفرت، رحمت اور جنت کی دعائیں کرتے ہیں۔ یہ آیات اہلِ ایمان کے لیے تسلی، بشارت اور حوصلہ افزائی کا عظیم پیغام رکھتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں

مَا يُجَادِلُ فِيْٓ اٰيٰتِ اللّٰهِ اِلَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا: اللہ کی آیات میں جھگڑا نہیں کرتے مگر وہ لوگ جنہوں نے کفر اختیار کیا ہے، یعنی جو لوگ حق واضح ہو جانے کے بعد بھی محض ضد، تکبر اور عناد کی بنا پر اللہ کی آیات میں بے جا بحث و تکرار کرتے ہیں، ان کا یہ رویہ حقیقت میں ان کے کفر اور فسادِ فکر کی علامت ہے، ان کا مقصد حق کی تلاش نہیں بلکہ حق کو نیچا دکھانا اور لوگوں کو گمراہ کرنا ہوتا ہے۔ پھر رسول اللہ ﷺ کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا کہ

فَلَا يَغُرُّكَ تَقَلُّبُهُمْ فِي الْبِلَادِ: ان کافروں کی خوش حالی، مال و دولت اور دنیاوی ترقی آپ

کو دھوکے میں نہ ڈالے، اللہ تعالیٰ کا انہیں مہلت دینا اس کی رضا کی علامت نہیں بلکہ استدراج ہے، تاکہ وہ اپنی سرکشی میں اور آگے بڑھ جائیں اور پھر اچانک عذابِ الٰہی کا شکار ہوں۔

استدراج: سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بعض نافرمان لوگوں کو فوری عذاب دینے کے بجائے مہلت دیتا اور دنیاوی نعمتوں میں اضافہ فرماتا رہتا ہے، تاکہ وہ اپنی سرکشی میں مزید بڑھ جائیں، پھر اچانک عذابِ الٰہی کا شکار ہو جائیں، اس لیے کافروں اور فاسقوں کی خوش حالی کو اللہ کی رضا کی دلیل نہیں سمجھنا چاہیے، کیونکہ بسا اوقات یہ استدراج اور مہلتِ الٰہی ہوتی ہے۔

كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ وَّالْاَحْزَابُ مِنْۢ بَعْدِهِمْ : اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ آپ کی قوم کا یہ طرزِ عمل کوئی نئی بات نہیں، ان سے پہلے بھی حضرت نوح علیہ السلام کی قوم نے اپنے نبی کو جھٹلایا، پھر قومِ عاد، قومِ ثمود، قومِ لوط، اہلِ مدین اور فرعون سمیت بہت سی امتوں نے اپنے رسولوں کی تکذیب کی۔

وَهَمَّتْ كُلُّ اُمَّةٍۢ بِرَسُوْلِهِمْ لِيَاْخُذُوْهُ : یہ صرف انکار ہی پر اکتفا نہیں کرتے تھے بلکہ اپنے انبیاء علیہم السلام کو قتل کرنے یا نقصان پہنچانے کے منصوبے بھی بناتے تھے۔

وَجٰدَلُوْا بِالْبَاطِلِ لِيُدْحِضُوْا بِهِ الْحَقَّ: انہوں نے باطل دلائل اور جھوٹی باتوں کے ذریعے حق کو مٹانے کی کوشش کی۔

فَاَخَذْتُهُمْ فَكَيْفَ كَانَ عِقَابِ : لیکن اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی گرفت میں لے لیا، چنانچہ ان کی طاقت، ان کے لشکر، ان کی تہذیب اور ان کی ظاہری ترقی انہیں اللہ کے عذاب سے نہ بچا سکی، جب اللہ کا فیصلہ آگیا تو سب نیست و نابود ہو گئے۔ پھر فرمایا کہ

وَكَذٰلِكَ حَقَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ النَّارِ : جس طرح ان گزشتہ امتوں پر عذاب کا فیصلہ نافذ ہوا، اسی طرح موجودہ منکرینِ حق کے بارے میں بھی اللہ کا فیصلہ ہو چکا ہے کہ اگر وہ کفر پر قائم رہے تو جہنم ان کا ٹھکانہ ہو گی۔ اس کے بعد قرآنِ کریم ایک نہایت روح پرور منظر پیش کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ

اَلَّذِيْنَ يَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَهٗ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ : جو عظیم فرشتے عرشِ الٰہی کو

اٹھائے ہوئے ہیں اور جو اس کے گرد حاضر رہتے ہیں، وہ اپنے رب کی تسبیح و تقدیس بیان کرتے ہیں، اس پر کامل ایمان رکھتے ہیں اور اہلِ ایمان کے لیے دعائے مغفرت کرتے ہیں۔ وہ عرض کرتے ہیں:

رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَيْءٍ رَّحْمَةً وَّعِلْمًا فَاغْفِرْ لِلَّذِيْنَ تَابُوْا وَاتَّبَعُوْا سَبِيْلَكَ وَقِهِمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ: اے ہمارے رب! تیری رحمت اور تیرا علم ہر چیز کو محیط ہے، پس ان لوگوں کو بخش دے جنہوں نے توبہ کرلی اور تیرے راستے کی پیروی کی اور انہیں جہنم کے عذاب سے محفوظ فرما، یہ اہلِ ایمان کے شرف اور مقام کی عظیم دلیل ہے کہ مقرب ترین فرشتے بھی ان کی بخشش کے لیے دعا گو ہیں۔ فرشتے اپنی دعا کو مزید آگے بڑھاتے ہوئے عرض کرتے ہیں:

رَبَّنَا وَاَدْخِلْهُمْ جَنّٰتِ عَدْنِ الَّتِيْ وَعَدْتَّهُمْ وَمَنْ صَلَحَ مِنْ اٰبَآئِهِمْ: اے ہمارے رب! انہیں ان ہمیشہ رہنے والی جنتوں میں داخل فرما جن کا تو نے ان سے وعدہ فرمایا ہے، اور ان کے آباء، ازواج اور اولاد میں سے جو نیک ہوں انہیں بھی ان کے ساتھ شامل فرما، اس دعا سے معلوم ہوتا ہے کہ جنت کی نعمتوں میں سے ایک بڑی نعمت نیک اہلِ خانہ کا باہم اجتماع بھی ہوگا، اگر خاندان کے افراد ایمان و عملِ صالح میں مشترک ہوں تو اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے انہیں جنت میں ایک دوسرے کے ساتھ جمع فرمادے گا۔ پھر فرشتے اللہ تعالیٰ کی دو عظیم صفات کا ذکر کرتے ہیں:

اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ: بے شک تو ہی غالب اور حکمت والا ہے، یعنی جنت عطا کرنے اور بندوں کے درجات بلند کرنے پر کوئی غالب نہیں آسکتا، اور اس کے تمام فیصلے حکمت پر مبنی ہیں۔ فرشتے مزید دعا کرتے ہیں:

وَقِهِمُ السَّيِّاٰتِ وَمَنْ تَقِ السَّيِّاٰتِ يَوْمَئِذٍ فَقَدْ رَحِمْتَهٗ: اور انہیں برائیوں کے نتائج سے محفوظ فرما، اور جسے تو اس دن برائیوں کے انجام سے بچالے گا، اس پر یقیناً تو نے رحمت فرمادی، یعنی محض گناہوں کی معافی ہی نہیں بلکہ ان کے برے اثرات، سزا اور مواخذہ سے بھی حفاظت نصیب ہو، آخر میں فرمایا:

وَذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ: اور یہی بہت بڑی کامیابی ہے، حقیقی کامیابی مال، اقتدار یا دنیاوی شہرت

نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ کی رحمت حاصل ہونا، جہنم سے نجات پانا اور جنت میں داخل ہونا ہے۔

معلوم ہوا کہ حق واضح ہو جانے کے بعد آیاتِ الٰہی میں ضد اور کج بحثی کفر کی علامت ہے، کفار کی دنیاوی خوش حالی اللہ کی رضا کی دلیل نہیں ہوتی، تاریخِ انبیاء علیہم السلام اس حقیقت کی گواہ ہے کہ حق کا انکار کرنے والی قومیں بالآخر ہلاک ہوئیں، اللہ تعالیٰ کے مقرب فرشتے اہلِ ایمان کے لیے دعا کرتے ہیں، جو ایمان کی عظیم فضیلت ہے، سچی توبہ اور اتباعِ شریعت مغفرتِ الٰہی کے اہم اسباب ہیں، جنت میں نیک اہلِ خانہ کا اجتماع اہلِ ایمان کے لیے عظیم نعمت ہو گا، اصل کامیابی جہنم سے نجات اور جنت میں داخلہ ہے، نہ کہ دنیاوی جاہ و حشمت۔

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے بتایا کہ آیاتِ الٰہی میں بے جا جھگڑا اور مخالفت صرف کافروں کا شیوہ ہے، گزشتہ امتوں نے بھی اپنے انبیاء علیہم السلام کی تکذیب کی تو اللہ تعالیٰ نے انہیں سخت عذاب میں مبتلا کر دیا، اس کے مقابلے میں اہلِ ایمان کا مقام یہ ہے کہ عرشِ الٰہی کو اٹھانے والے فرشتے ان کے لیے مغفرت، جنت اور نجاتِ آخرت کی دعائیں کرتے ہیں، چنانچہ جو شخص ایمان، توبہ اور عملِ صالح کی راہ اختیار کرے، اس کے لیے اللہ تعالیٰ کی رحمت، جنت اور دائمی کامیابی کی بشارت ہے۔

قیامت کے دن کفار کو اپنے اوپر غصہ

سوال اس آیت کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

اِنَّ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا یُنَادَوۡنَ لَمَقۡتُ اللّٰہِ اَکۡبَرُ مِنۡ مَّقۡتِکُمۡ اَنۡفُسَکُمۡ اِذۡ تُدۡعَوۡنَ اِلَی الۡاِیۡمَانِ فَتَکۡفُرُوۡنَ {۱۰}غافر

جواب ترجمہ: بلاشبہ جنہوں نے کفر کیا ان کو پکارا جائے گا کہ یہ بات واقعی ہے کہ اللہ کا جو تم سے بغض ہے وہ اس بغض سے بہت بڑا ہے جو تمہیں خود اپنی جانوں سے ہے تم ایمان کی طرف بلائے جاتے تھے تو کفر اختیار کرتے تھے۔

خلاصہ تفسیر: مولانا عاشق الٰہی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ دنیا میں اہل کفر اپنے کو اچھا جانتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ ہم بہت اچھے ہیں ایمان والوں سے بہتر ہیں اور برتر ہیں، لیکن جب قیامت کے دن اپنی

بدحالی دیکھیں گے تو خود اپنے نفسوں سے اور اپنی جانوں سے بغض کرنے لگیں گے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہو گا کہ تمہیں جتنا اپنے نفسوں سے بغض ہے اللہ تعالیٰ کو تمہارے نفسوں سے اس بغض سے بھی زیادہ بغض ہے اور یہ بغض اب سے نہیں ہے جب سے تم دنیا میں تھے اسی وقت سے اللہ تعالیٰ کو تم سے بغض ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ جب دنیا میں تمہیں ایمان کی طرف بلایا جاتا تھا تو تم اس کے قبول کرنے سے انکار کرتے تھے اور کفر پر جمے رہتے تھے تمہیں بار بار ایمان کی دعوت دی گئی لیکن تم نے ہر بار حق کے قبول کرنے سے انکار کیا۔ (انوار البیان)

مَقْتِكُمْ اَنْفُسَكُمْ: کا ایک مطلب تو وہی ہے جو اوپر بیان کیا گیا اور بعض حضرات نے فرمایا **وَجُوِّزَ اَنْ يُّرَادَ بِهٖ مَقْتُ بَعْضِهِمْ بَعْضًا** یعنی آپس میں تم میں جو آج ایک دوسرے سے بغض اور نفرت ہے کہ بڑے چھوٹوں کو اور چھوٹے بڑوں کو الزام دے رہے اور ایک دوسرے سے برأت ظاہر کر رہے ہیں اللہ تعالیٰ کو تم سے اس سے زیادہ بغض ہے۔ (انوار البیان)

ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ قیامت کے دن جبکہ کافر آگ کے کنوؤں میں ہوں گے اور اللہ کے عذابوں کو چکھ چکے ہوں گے اور تمام ہونے والے عذاب نگاہوں کے سامنے ہوں گے اس وقت خود اپنے نفس کے دشمن بن جائیں گے اور بہت سخت دشمن ہو جائیں گے۔ کیونکہ اپنے برے اعمال کے باعث جہنم واصل ہوں گے۔ اس وقت فرشتے ان سے بہ آواز بلند کہیں گے کہ آج جس قدر تم اپنے آپ سے نالاں ہو اور جتنی دشمنی تمہیں خود اپنی ذات سے ہے اور جس قدر تم آج اپنے تئیں کہہ رہے ہو اس سے بہت زیادہ برے اللہ کے نزدیک تم دنیا میں تھے جبکہ تمہیں اسلام و ایمان کی دعوت دی جاتی تھی اور تم اسے مانتے نہ تھے۔

کفار کو قیامت کے دن اپنے اوپر غصہ کیوں آئے گا اس کی علماء تفسیر نے چند توجیہات پیش کی ہیں، ① قیامت کے دن جب وہ جنت اور دوزخ کو دیکھیں گے تو انہیں اپنے اوپر غصہ آئے گا کہ کیوں انہوں نے دنیا میں اپنی تکذیب اور اپنے کفر پر اصرار کیا جس کے نتیجہ میں آج وہ دوزخ کی آگ میں جل رہے ہیں۔

② کافر سرداروں کے پیروکار اپنے سرداروں پر غصہ کریں گے کہ کیوں انہوں نے ان کو شرک اور بت پرستی پر لیایا جس کی وجہ سے آج انہیں دوزخ میں عذاب ہورہا ہے اور ان سرداروں کو اپنے پیروکاروں پر غصہ آئے گا ان پیروکاروں نے ان کی مخالفت کیوں نہ کی اور بت پرستی کو کیوں نہ ترک کیا، کیونکہ پیروکاروں کی پیروی کرنے کی وجہ سے آج انہیں دہرا عذاب ہورہا ہے۔

③ جب دوزخ میں ابلیس کافروں سے یہ کہے گا: میں نے تم پر کفر کرنے کے لیے کوئی جبر نہیں کیا تھا سوا اس کے کہ میں نے تم کو کفر کرنے کی دعوت دی سو تم نے میری دعوت کو قبول کرلیا، لہٰذا تم مجھے ملامت نہ کرو، تم اپنے آپ کو ملامت کرو۔ (ابراہیم:۲۲)

اس وقت کافروں کو اپنے اوپر شدید غصہ آئے گا کہ انہوں نے ابلیس کی دعوت کیوں قبول کی اور کیوں اس وجہ سے دوزخ کے عذاب میں گرفتار ہوئے، کفار سے بلند آواز میں یہ خطاب جہنم کے محافظ کریں گے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ غیب سے ان کو ندا کی جائے، باقی اس آیت میں یہ فرمایا ہے: ”اللہ کو ان پر جو غصہ ہوگا وہ ان کے غصہ سے کہیں زیادہ ہے “غصہ کا معنی ہے: خون کا جوش میں آنا اور یہ اللہ کے لیے محال ہے، اس لیے یہاں اس کا لازمی معنیٰ مراد ہے یعنی ان پر انکار کرنا اور ان کو زجر توبیخ کرنا اور ڈانٹ ڈپٹ کرنا۔ (تفسیر تبیان القرآن)

دوہری موت وحیات

سوال اس آیت کی تفسیر کیجیے

قَالُوْا رَبَّنَآ اَمَتَّنَا اثْنَتَيْنِ وَاَحْيَيْتَنَا اثْنَتَيْنِ فَاعْتَرَفْنَا بِذُنُوْبِنَا فَهَلْ اِلٰى خُرُوْجٍ مِّنْ سَبِيْلٍ {۱۱}غافر

جواب ترجمہ: وہ کہیں گے کہ اے ہمارے پروردگار! تو نے ہمیں دو مرتبہ موت اور دو مرتبہ زندگی دی، اب ہم اپنے گناہوں کا اعتراف کرتے ہیں، تو کیا (ہمارے دوزخ سے) نکلنے کا کوئی راستہ ہے؟

خلاصہ تفسیر: مولانا عاشق الٰہی رحمہ اللہ لکھتے ہیں ”کافر عرض کریں گے کہ اے ہمارے رب! آپ نے ہمیں دو مرتبہ موت دی پہلی بار جب ہمیں پیدا کیا اس وقت ہم بے جان تھے کیونکہ منی کا نطفہ

تھے آپ نے ہمیں زندہ فرمادیا، ماؤں کے پیٹوں میں روح پھونک دی، پھر ماؤں کے پیٹوں سے نکالا اور آپ کی مشیت کے مطابق زندگی بڑھتی رہی، پھر آپ نے ہمیں موت دے دی، جس کی وجہ سے ہم قبروں میں چلے گئے، پھر آج آپ نے ہمیں قیامت کے دن زندہ فرمایا۔

ہم پر دو موتیں طاری ہوئیں اور دو زندگیاں آئیں ایک پہلے اور ایک اب یہ آپ کے تصرفات ہیں ہمیں چاہیے تھا کہ ہم دنیاوالی زندگی میں ایمان قبول کرتے اور شرک اور کفر سے بچتے ہم یہی سمجھتے رہے کہ دنیاوالی زندگی کے بعد جو موت آئے گی اس کے بعد پھر زندہ ہونا نہیں ہے یہ ہماری غلطی تھی اب ہم اس زندگی میں اپنے گناہوں کا اقرار کرتے ہیں اب تو ہمیں عذاب سے چھٹکارا مل جائے اور دوبارہ دنیا میں بھیج دیا جائے تو وہاں ایمان قبول کریں گے اور نیک اعمال اختیار کریں گے اور اس کے بعد پھر جب موت آئے تو اچھی حالت میں میدان حشر میں حاضر ہوں۔ (تفسیر انوارالبیان)

صوفی عبدالحمید سواتی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ دو مرتبہ موت وحیات کے متعلق مفسر سدی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ پہلی موت اس دنیا میں آتی ہے اور انسان کو برزخ میں سوال وجواب کے لیے زندہ کیا جاتا ہے اس کے بعد اس پر دوسری مرتبہ موت طاری ہوتی ہے اور حشر کے دن اسے دوبارہ زندہ کیا جائے گا، اس طرح گویا ہر انسان کے لیے دو اموات اور دو زندگیاں ہو گئیں۔

مگر جمہور مفسرین جن میں امام بیضاوی رحمہ اللہ، امام ابن جریر رحمہ اللہ، امام ابن کثیر رحمہ اللہ، عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما، عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ حضرت قتادہ رحمہ اللہ، امام ضحاک رحمہ اللہ، اور دیگر بڑے بڑے مفسرین شامل ہیں، فرماتے ہیں کہ پہلی موت سے مراد وہ موت ہے جب انسان پیدائش سے پہلے بے جان لوتھڑا تھا، پھر حمل کے چوتھے مہینے میں شکم مادر میں اس ڈھانچے میں اللہ تعالیٰ نے روح ڈالی تو اس کو زندگی حاصل ہو گئی۔

پھر جب انسان پیدا ہو کر اپنی زندگی پوری کرتا ہے تو اس پر اس دنیا میں موت طاری ہو جاتی ہے، یہ اس کی دوسری موت ہو گئی اور قیامت والے دن دوبارہ زندگی اس کی دوسری زندگی شمار ہو گی، اس نظریے کے ثبوت میں مفسرین سورۃ بقرہ کی آیت ۲۸ پیش کرتے ہیں جس میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے

كَيْفَ تَكْفُرُونَ بِاللّٰهِ وَكُنْتُمْ أَمْوَاتًا فَأَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمِيتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيكُمْ ثُمَّ إِلَيْهِ تُرْجَعُونَ (۲۸) تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ کس طرح کفر کرتے ہو، حالانکہ تم مردہ تھے تو اللہ تعالیٰ نے تمہیں زندہ کیا پھر وہ تم پر موت طاری کرتا اور قیامت کو پھر زندہ کرے گا۔

مفسر حقانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ آخرت کی زندگی کا آغاز عالم برزخ سے ہو جاتا ہے جب کسی انسان کو قبر میں دفن کر دیا جاتا ہے تو اس کی روح کو دوبارہ لوٹا دیا جاتا ہے اور پھر اس مرنے والے سے قبر کے سوال وجواب ہوتے ہیں، اس ابتدائی حساب کتاب کے بعد بھی روح کا تعلق جسم کے ساتھ کسی درجے تک قائم رہتا ہے، جبھی تو اس کو سزا یا راحت کا احساس ہوتا رہتا ہے۔

قرآن کی بعض آیات اور متعدد احادیث صحیحہ سے برزخ کی سزا یا جزا کا ثبوت ملتا ہے بعض معتزلہ قسم کے فرقوں نے اس کا انکار کیا ہے مگر یہ گمراہی اور کفر کے مترادف ہے قبر کی زندگی کو مکمل قید کی بجائے ادنیٰ درجے کی حوالات کی زندگی سے تعبیر کیا جاسکتا ہے۔

بعض کہتے ہیں کہ پہلی زندگی سے مراد عہد الست والی زندگی ہے جب کہ اللہ تعالیٰ نے آدم (علیہ السلام) کی پشت سے تمام ارواح انسانی کو نکال کر ان سے عہد وپیمان لیا تھا أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوا بَلَىٰ (اعراف ۸۲) اللہ تعالیٰ نے پوچھا تھا کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں، تو سب نے جواب دیا تھا کیوں نہیں تو ہی ہمارا پروردگار ہے۔

اس عہد کے بعد اللہ تعالیٰ نے سب پر موت طاری کر دی اور یہ انسان کی پہلی موت ہے پھر انسان کی پیدائش کے وقت دوسری زندگی دی اور پھر جب اس کا وقت پورا ہو جاتا ہے تو دوبارہ موت دے دیتا ہے پھر جب حشر قائم ہو گا تو انسان کو دوسری دفعہ زندگی نصیب ہو گی اس طرح دو اموات اور دو زندگیاں ہو گئیں۔ (تفسیر معالم العرفان)

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان کی پوری زندگی اللہ تعالیٰ کی قدرت کا ایک عظیم مظہر ہے، جو رب عدم سے وجود عطا کر سکتا ہے، وہ موت کے بعد دوبارہ زندہ کرنے پر بھی پوری قدرت رکھتا ہے، اسی لیے قیامت اور بعث بعد الموت کا انکار عقل و نقل دونوں کے خلاف ہے، مزید یہ کہ دنیا میں

توبہ اور رجوع کا دروازہ کھلا ہے، لیکن موت کے بعد محض حسرت، اعتراف اور ندامت کسی انسان کو نجات نہیں دلا سکے گی۔ لہٰذا دانش مندی کا تقاضا یہی ہے کہ انسان آخرت کے آنے سے پہلے اپنے اعمال کی اصلاح کرلے اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرے۔

توحید خالص، عظمت الٰہی اور روز قیامت کا منظر

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

ذٰلِكُمْ بِاَنَّهٗٓ اِذَا دُعِيَ اللّٰهُ وَحْدَهٗ كَفَرْتُمْ وَاِنْ يُّشْرَكْ بِهٖ تُؤْمِنُوْا ۭ فَالْحُكْمُ لِلّٰهِ الْعَلِيِّ الْكَبِيْرِ {۱۲}هُوَ الَّذِيْ يُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ وَيُنَزِّلُ لَكُمْ مِّنَ السَّمَاۗءِ رِزْقًا ۭ وَمَا يَتَذَكَّرُ اِلَّا مَنْ يُّنِيْبُ {۱۳}فَادْعُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ {۱۴}رَفِيْعُ الدَّرَجٰتِ ذُو الْعَرْشِ يُلْقِي الرُّوْحَ مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰي مَنْ يَّشَاۗءُ مِنْ عِبَادِهٖ لِيُنْذِرَ يَوْمَ التَّلَاقِ {۱۵}يَوْمَ هُمْ بٰرِزُوْنَ ۚ لَا يَخْفٰى عَلَى اللّٰهِ مِنْهُمْ شَيْءٌ ۭ لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ۭ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ {۱۶}اَلْيَوْمَ تُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍۢ بِمَا كَسَبَتْ ۭ لَا ظُلْمَ الْيَوْمَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ {۱۷} غافر

جواب ترجمہ: یہ اس وجہ سے ہے کہ جب صرف اللہ کا نام لیا جاتا تھا تو تم انکار کرتے تھے اور اگر اس کے ساتھ کسی کو شریک بنایا جاتا تھا تو اسے مان لیتے تھے سو فیصلہ اللہ ہی کے لیے ہے جو بلند ہے بڑا ہے۔ وہ تمہیں اپنی نشانیاں دکھاتا ہے اور تمہارے لیے آسمان سے رزق اتارتا ہے، اور نصیحت حاصل نہیں کرتے مگر وہ لوگ جو رجوع کرتے ہیں۔ سو تم اللہ کو پکارو دین کو اسی کے لیے خالص کرتے ہوئے اگرچہ کافروں کو ناگوار ہو۔ وہ رفیع الدرجات ہے عرش والا ہے وہ اپنے حکم سے وحی نازل فرماتا ہے اپنے بندوں میں جس پر چاہتا ہے تاکہ وہ ملاقات کے دن سے ڈرائے۔ جس دن وہ لوگ ظاہر ہوں گے اللہ تعالیٰ پر ان میں سے کوئی چیز بھی پوشیدہ نہ ہوگی آج کس کے لیے ملک ہے اللہ واحد قہار کے لیے ہے۔ آج کے دن ہر جان کو اس کا بدلہ دیا جائے گا جو اس نے کمایا آج کے دن ظلم نہیں ہے بیشک اللہ جلد حساب لینے والا ہے۔

خلاصہ تفسیر: ان آیاتِ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے اہلِ جہنم کے عذاب کی اصل وجہ بیان فرمائی، پھر

اپنی قدرت کی نشانیاں ذکر کرکے توحید کی دعوت دی، اخلاصِ عبادت کا حکم دیا، وحی و رسالت کی حکمت واضح فرمائی اور آخر میں قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی کامل بادشاہت، عدل اور حساب و کتاب کا ہولناک منظر پیش کیا۔

ذٰلِكُمْ بِاَنَّهٗۤ اِذَا دُعِیَ اللّٰهُ وَحْدَهٗ كَفَرْتُمْ: قیامت کے دن کافروں سے کہا جائے گا کہ آج تم جس عذاب میں مبتلا ہو، اس کا سبب یہ ہے کہ جب تمہیں ایک اللہ کی عبادت کی دعوت دی جاتی تھی اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرایا جاتا تھا تو تم اس کا انکار کرتے تھے۔

وَاِنْ یُّشْرَكْ بِهٖ تُؤْمِنُوْا: لیکن جب اللہ کے ساتھ دوسروں کو شریک بنایا جاتا تو تم اسے قبول کر لیتے تھے، گویا ان کا اصل جرم صرف کفر ہی نہیں تھا بلکہ توحید سے نفرت اور شرک سے محبت تھی، وہ خالص اللہ کی عبادت کو قبول کرنے کے لیے تیار نہ تھے، لیکن معبودانِ باطلہ کی پرستش پر راضی تھے۔

ؕ فَالْحُكْمُ لِلّٰهِ الْعَلِیِّ الْكَبِیْرِ: اسی لیے آج فیصلہ اسی اللہ کا نافذ ہو رہا ہے جو اپنی ذات، صفات اور اقتدار میں سب سے بلند اور سب سے بڑا ہے، اس کے سامنے ہر بڑی سے بڑی قوت بھی حقیر اور بے حیثیت ہے۔

هُوَ الَّذِیْ یُرِیْكُمْ اٰیٰتِهٖ وَیُنَزِّلُ لَكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ رِزْقًا: اللہ تعالیٰ اپنی توحید کے دلائل بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ وہی تمہیں اپنی قدرت کی نشانیاں دکھاتا ہے، آسمان و زمین کی تخلیق، دن اور رات کا نظام، انسان کی پیدائش، نباتات کی افزائش اور کائنات کا حیرت انگیز انتظام سب اسی کی قدرت کے مظاہر ہیں، اسی نے آسمان سے بارش نازل کی، جس سے کھیتیاں، باغات، پھل اور بے شمار رزق کے ذرائع پیدا ہوتے ہیں۔

وَمَا یَتَذَكَّرُ اِلَّا مَنْ یُّنِیْبُ: لیکن ان نشانیوں سے نصیحت اور سبق وہی حاصل کرتا ہے جو اللہ کی طرف رجوع کرنے والا، حق کا طالب اور اخلاص کے ساتھ توبہ کرنے والا ہو، ضدی اور متکبر لوگ کھلی نشانیاں دیکھ کر بھی ایمان نہیں لاتے۔

فَادْعُوا اللّٰهَ مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ: جب اللہ تعالیٰ ہی خالق، رازق اور مالک ہے

تو عبادت اور دعا بھی صرف اسی کے لیے ہونی چاہیے، اس لیے فرمایا، پس تم اللہ ہی کو پکارو، اسی کے لیے دین کو خالص کرتے ہوئے، اگرچہ کافروں کو یہ بات ناگوار گزرے، مومن کا کام لوگوں کی ناراضی یا خوشی کو نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی رضا کو دیکھنا ہے، اگر دنیا کے تمام لوگ مخالفت کریں تب بھی بندے کو توحید اور اخلاص پر ثابت قدم رہنا چاہیے۔

رَفِيْعُ الدَّرَجٰتِ ذُو الْعَرْشِ يُلْقِي الرُّوْحَ مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ: اللہ تعالیٰ اپنی عظمت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ وہ بلند درجات والا، عظیم عرش کا مالک اور تمام مخلوقات سے بلند و برتر ہے، اسی نے اپنے بندوں میں سے جسے چاہا وحی عطا فرمائی۔

لِيُنْذِرَ يَوْمَ التَّلَاقِ: انبیائے کرام علیہم السلام پر وحی نازل کرنے کا مقصد یہ تھا کہ وہ خود بھی ہدایت یافتہ ہوں اور دوسروں کو بھی ہدایت کا راستہ دکھائیں، نیز لوگوں کو اس عظیم دن سے ڈرائیں جس دن تمام انسان اللہ تعالیٰ کے حضور جمع ہوں گے، یہی وحی انسانیت کی حقیقی زندگی ہے، کیونکہ دلوں کی حیات، معاشروں کی اصلاح اور دنیا و آخرت کی کامیابی اسی سے وابستہ ہے۔

يَوْمَ هُمْ بٰرِزُوْنَ ۚ لَا يَخْفٰى عَلَى اللّٰهِ مِنْهُمْ شَيْءٌ: پھر قیامت کا ایک نہایت ہیبت ناک منظر بیان فرمایا گیا ہے، اس دن تمام انسان ایک کھلے میدان میں جمع ہوں گے، کوئی پردہ، کوئی دیوار اور کوئی چھپنے کی جگہ باقی نہ ہوگی، ہر شخص اپنے رب کے سامنے حاضر ہوگا، اللہ تعالیٰ سے نہ کسی کی ذات مخفی ہوگی، نہ اس کے اعمال، نہ نیتیں اور نہ اس کا انجام۔ اس دن اللہ تعالیٰ اعلان فرمائیں گے:

لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ: آج بادشاہی کس کی ہے؟ دنیا میں تو بہت سے لوگ اقتدار، حکومت اور اختیار کے دعوے کرتے تھے، لیکن اس دن کوئی جواب دینے والا نہ ہوگا۔ پھر خود ہی اعلان ہوگا:

لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ: صرف اللہ واحد و قہار کی بادشاہی ہے، وہی ایک معبود، ایک حاکم اور ایک فیصلہ کرنے والا ہوگا، اور پوری کائنات اس کے جلال کے سامنے سرنگوں ہوگی۔

اَلْيَوْمَ تُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍۭ بِمَا كَسَبَتْ: اس دن ہر شخص کو اس کے اعمال کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا، جس نے نیکی کی ہوگی وہ اس کا اجر پائے گا، اور جس نے برائی کی ہوگی وہ اس کی سزا بھگتے گا۔

لَا ظُلْمَ الْيَوْمَ : اللہ تعالیٰ کسی پر ذرّہ برابر ظلم نہیں فرمائیں گے، کیونکہ وہ کامل عدل والا حاکم ہے، اس کے فیصلوں میں نہ کوئی جانبداری ہوگی، نہ غلطی اور نہ ناانصافی۔ پھر فرمایا کہ

اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ: اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کا حساب بہت جلد لینے والا ہے، اس کے لیے حساب میں کوئی دشواری نہیں، کیونکہ اس کا علم ہر چیز کو محیط ہے، اسے نہ گواہوں کی ضرورت ہے، نہ تحقیق کی اور نہ کسی ریکارڈ کی تلاش کی، ہر چیز اس کے علم میں پہلے سے موجود ہے۔

معلوم ہوا کہ جہنم کا اصل سبب توحید کا انکار اور شرک کا اختیار کرنا ہے، کائنات کی ہر چیز اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور قدرت کی گواہ ہے، دعا، عبادت اور اطاعت صرف اللہ تعالیٰ کا حق ہے، اخلاص کے ساتھ اللہ کو پکارنا ایمان کی بنیاد ہے، وحیِ الٰہی انسانیت کی روحانی زندگی اور ہدایت کا سرچشمہ ہے، قیامت کے دن تمام ظاہری اقتدار اور بادشاہت ختم ہو جائے گی، حقیقی بادشاہی صرف اللہ تعالیٰ کی ہے، اللہ تعالیٰ کا حساب اور فیصلہ سراسر عدل پر مبنی ہوگا، ہر انسان کو اپنے اعمال کا مکمل بدلہ ملے گا۔

ان آیات میں واضح کیا گیا ہے کہ کفار کا عذاب اس وجہ سے ہے کہ وہ توحید کا انکار اور شرک کو قبول کرتے تھے، اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کی نشانیوں اور نعمتوں کا ذکر کرکے انسان کو توحید کی دعوت دی اور اخلاص کے ساتھ اپنی عبادت کا حکم فرمایا، پھر اپنی عظمت، نزولِ وحی کی حکمت اور قیامت کے دن کی کامل بادشاہت کا بیان کیا، اس دن صرف اللہ واحد و قہار کی حکومت ہوگی، ہر شخص اپنے اعمال کے مطابق جزا یا سزا پائے گا اور کسی پر ذرہ برابر ظلم نہیں کیا جائے گا، یہی روزِ حساب اور عدلِ الٰہی کا عظیم دن ہوگا۔

قیامت کی ہولناکی

سوال اس آیت کریمہ کی تفسیر کیجیے

وَاَنْذِرْهُمْ يَوْمَ الْاٰزِفَةِ اِذِ الْقُلُوْبُ لَدَى الْحَنَاجِرِ كٰظِمِيْنَ ؕ مَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ حَمِيْمٍ وَّلَا شَفِيْعٍ يُّطَاعُ {۱۸} غافر

جواب ترجمہ: (اے پیغمبر!) ان لوگوں کو ایک ایسی مصیبت کے دن سے ڈراؤ جو قریب آنے والی

ہے، جب لوگوں کے کلیجے گھٹ گھٹ کر منہ کو آجائیں گے، ظالموں کا نہ کوئی دوست ہو گا اور نہ کوئی ایسا سفارشی جس کی بات مانی جائے۔

خلاصہ تفسیر: اللہ تعالیٰ اپنے حبیب نبی کریم ﷺ سے فرما رہے ہیں کہ وہ لوگوں کو اس بات سے ڈرائیں کہ روز محشر قریب آرہا ہے، اگرچہ یہ لوگ اسے بعید سمجھتے ہیں، یہ وہ وقت ہو گا کہ اللہ کے عذاب کے خوف اور ڈر سے بندوں کے دل سینے سے اوپر اٹھ کر ان کے حلق میں اٹک جائیں گے اور یہ لوگ غم و پریشانی میں مبتلا ہو جائیں گے، یہ وہ دن ہو گا کہ ظالموں کے لیے کوئی ساتھی اور کوئی قریبی نہیں ہو گا، کوئی شفاعت کرنے والا بھی نہ ہو گا جو ان کے لیے ان کے رب کے ہاں سفارش ہی کرے کہ اس کی سفارش ان کے حق میں قبول کی جائے۔

ازفہ قیامت کا ایک نام ہے، اس لئے وہ بہت ہی قریب ہے جیسے فرمان ہے اَزِفَتِ الْاٰزِفَةُ (النجم : ۵۷) یعنی قریب آنے والی قریب ہو چکی ہے، جس کا کھولنے والا بجز اللہ کے کوئی نہیں۔ دوسری جگہ ارشاد ہے اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ (القمر :۱) قیامت قریب آگئی اور چاند پھٹ گیا اور فرمان ہے (اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ وَهُمْ فِيْ غَفْلَةٍ مُّعْرِضُوْنَ (الأنبياء :۱) لوگوں کے حساب کا وقت قریب آگیا اور فرمان ہے اَمْرُ اللّٰهِ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْهُ اللہ کا امر آچکا اس میں جلدی نہ کرو۔

اور آیت میں ہے فَلَمَّا رَاَوْهُ زُلْفَةً سِيْٓئَتْ وُجُوْهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَقِيْلَ هٰذَا الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ تَدَّعُوْنَ((الملك :۲۷) جب اسے قریب دیکھ لیں گے تو کافروں کے چہرے سیاہ پڑ جائیں گے۔

الغرض اسی نزدیکی کی وجہ سے قیامت کا نام اُزفہ ہے، اس وقت کلیجے منہ کو آجائیں گے، وہ خوف و ہراس ہو گا کہ کسی کا دل ٹھکانے نہ رہے گا، سب پر غضب کا سناٹا ہو گا، کسی کے منہ سے کوئی بات نہ نکلے گی۔ کیا مجال کہ بے اجازت کوئی لب ہلا سکے۔ سب رو رہے ہوں گے اور حیران و پریشان ہوں گے۔

جن لوگوں نے اللہ کے ساتھ شرک کر کے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے ان کا آج کوئی دوست غمگسار

نہ ہو گا جو انہیں کام آئے، نہ شفیع اور سفارشی ہو گا جو ان کی شفاعت کے لئے زبان ہلائے، بلکہ ہر بھلائی کے اسباب کٹ چکے ہوں گے، اس اللہ کا علم محیط کل ہے، تمام چھوٹی بڑی چھپی کھلی باریک موٹی اس پر یکساں ظاہر باہر ہیں، اتنے بڑے علم والے سے جس سے کوئی چیز مخفی نہ ہو ہر شخص کو ڈرنا چاہئے اور کسی وقت یہ خیال نہ کرنا چاہئے کہ اس وقت وہ مجھ سے پوشیدہ ہے اور میرے حال کی اسے اطلاع نہیں، بلکہ ہر وقت یہ یقین کرے کہ وہ مجھے دیکھ رہا ہے اس کا علم میرے ساتھ ہے اس کا لحاظ کرتا رہے اور اس کے روکے ہوئے کاموں سے رکا رہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

آنکھوں کی خیانت، دل کے بھید جاننے والا

سوال اس آیت کا ترجمہ و تفسیر کیجیے نیز بتائیے کہ خَائِنَةَ الْأَعْيُنِ کا کیا معنیٰ ہے؟

يَعْلَمُ خَائِنَةَ الْأَعْيُنِ وَمَا تُخْفِي الصُّدُورُ {۱۹} غافر

جواب اللہ آنکھوں کی چوری کو بھی جانتا ہے، اور ان باتوں کو بھی جن کو سینوں نے چھپا رکھا ہے۔

خلاصہ تفسیر: انسان دیکھتی آنکھوں سے گناہ کرتا ہے، دھڑکتے دل اور سوچتے دماغ سے گناہ کی منصوبہ بندی کرتا ہے، یوں اس کے ظاہری اعضا اور باطنی اعضاء رب تعالیٰ کی نافرمانیاں کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں کئی مقامات پر انسانوں کو آگاہ فرمارہے ہیں کہ آنکھوں کی نافرمانیوں اور دلوں کے خیالات میں پوشیدہ رازوں کو جاننے والا ہے، دلوں کے بھید سے وہ آگاہ ہے، وہ کالی رات، کالے پتھر پر چلنے اور رینگنے والی چیونٹی کی نقل و حرکت سے آگاہ ہے، یہاں آنکھوں اور دلوں کی خیانت کے بارے میں اللہ نے فرمایا کہ میں وہ بھی جانتا ہوں۔

حضرات مفسرین نے فرمایا کہ آنکھوں کی خیانت سے مراد یہ ہے کہ انسان کسی غیر محرم عورت کی طرف دیکھے، ہاں اگر اچانک کسی طرف نظر پڑ جائے تو وہ انسان کے لیے معاف ہے لیکن اس کو دوسری نظر ڈالنے کی اجازت نہیں۔

حضرت جریر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سَأَلْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ نَظَرِ الْفُجَاءَةِ فَأَمَرَنِي أَنْ أَصْرِفَ بَصَرِي (مسلم) میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی

خدمت میں کسی عورت پر اچانک نظر پڑنے کے بارے میں سوال کیا تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اپنی نظر ہٹالو۔

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت نبی کریم ﷺ نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے ارشاد فرمایا کہ يَا عَلِيُّ لَا تُتْبِعِ النَّظْرَةَ النَّظْرَةَ، فَإِنَّ لَكَ الْأُولَى وَلَيْسَتْ لَكَ الْآخِرَةُ اے علی! تم ایک نظر کے بعد دوسری نظر نہ ڈالنا، کیونکہ پہلی بار تمہیں معاف ہے اور دوسری بار کی تمہیں اجازت نہیں ہے۔ (ابوداؤد، سنن ترمذی)

جب انسان کسی اجنبی عورت کی طرف دیکھتا ہے تو دراصل وہ اس کی نظر نہیں ہوتی بلکہ شیطان کی طرف سے چھوڑا ہوا ایک تیر ہوتا ہے، جو اس کے دل میں جاکر پیوست ہو جاتا ہے اور جب انسان کسی خوبصورت بے ریش لڑکے کی طرف دیکھتا ہے تو شیطان اس کو انسان کی نگاہ میں اجنبی عورت سے سو گنا زیادہ حسین بناکر پیش کرتا ہے۔ کیونکہ جب کسی اجنبی عورت کی محبت اس کے دل میں گھر کر جائے تو اس سے اپنی خواہش پوری کرنے کا ایک شرعی جائز طریقہ ہے کہ وہ اس کے ساتھ نکاح کرلے لیکن اگر وہ کسی بے ریش لڑکے پر فریفتہ ہو جائے تو سوائے گناہ کے اس سے اپنی خواہش پوری کرنے کا کوئی جائز راستہ نہیں ہے۔

انسان کے دل میں خواہشیں چھپی ہوئی ہوتی ہیں، اللہ تعالیٰ کو ان سب کی خبر ہے اور سب کا علم ہے خواہ وہ نیک خواہشیں ہوں یا بری خواہشیں ہوں لیکن اللہ انسان پر اسی وقت گرفت فرماتا ہے جب وہ اپنی کسی ناجائز خواہش کو پورا کرنے کا عزم مصمم کرلے۔ (تبیان)

علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ تمام چھوٹی بڑی چھپی کھلی باریک موٹی اس پر یکساں ظاہر باہر ہیں، اتنے بڑے علم والے سے جس سے کوئی چیز مخفی نہ ہو ہر شخص کو ڈرنا چاہئے اور کسی وقت یہ خیال نہ کرنا چاہئے کہ اس وقت وہ مجھ سے پوشیدہ ہے اور میرے حال کی اسے اطلاع نہیں، بلکہ ہر وقت یہ یقین کرے کہ وہ مجھے دیکھ رہا ہے اس کا علم میرے ساتھ ہے اس کا لحاظ کرتا رہے اور اس کے روکے ہوئے کاموں سے رکا رہے، آنکھ جو خیانت کے لئے اٹھتی ہے گو بظاہر وہ امانت ظاہر کرے، لیکن رب علیم پر

وہ مخفی نہیں، سینے کے جس گوشے میں جو خیال چھپا ہو اور دل میں جو بات پوشیدہ اٹھتی ہو اس کا اسے علم ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ وَهُوَ الرَّجُلُ يَدْخُلُ عَلَى أَهْلِ الْبَيْتِ بَيْتَهُمْ، وَفِيهِمُ الْمَرْأَةُ الْحَسْنَاءُ، أَوْ تَمُرُّ بِهِ وَبِهِمُ الْمَرْأَةُ الْحَسْنَاءُ، فَإِذَا غَفَلُوا لَحَظَ إِلَيْهَا، فَإِذَا فَطِنُوا غَضَّ، فَإِذَا غَفَلُوا لَحَظَ، فَإِذَا فَطِنُوا غَضَّ (بَصَرَهُ عَنْهَا) وَقَدِ اطَّلَعَ اللَّهُ مِنْ قَلْبِهِ أَنَّهُ وَدَّ أَنْ لَوِ اطَّلَعَ عَلَى فَرْجِهَا (ابن ابی حاتم، تفسیر ابن کثیر)

اس آیت سے مراد وہ شخص ہے جو مثلاً کسی گھر میں گیا وہاں کوئی خوبصورت عورت ہے یا وہ آ جا رہی ہے، یا تو یہ کن اکھیوں سے اسے دیکھتا ہے، جہاں کسی کی نظر پڑی تو نگاہ پھیر لی اور جب موقع پایا آنکھ اٹھا کر دیکھ لیا، پس خائن آنکھ کی خیانت کو اور اس کے دل کے راز کو اللہ علیم خوب جانتا ہے کہ اس کے دل میں تو یہ ہے کہ اگر ممکن ہو تو پوشیدہ عضو بھی دیکھ لے۔

حضرت ضحاک رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس سے مراد هُوَ الْغَمْزُ آنکھ مارنا اشارے کرنا اور بن دیکھی چیز کو دیکھی ہوئی یا دیکھی ہوئی چیز کو ان دیکھی بتانا ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں، نگاہ جس نیت سے ڈالی جائے اللہ پر روشن ہے، پھر سینے میں چھپا ہوا خیال کہ اگر موقع ملے اور بس ہو تو آیا یہ بدکاری سے باز رہے گا یا نہیں، یہ بھی وہ جانتا ہے۔

سدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں دلوں کے وسوسوں سے وہ آگاہ ہے، وہ عدل کے ساتھ حکم کرتا ہے قادر ہے کہ نیکی کا بدلہ اچھا دے اور برائی کی سزا بری دے، وہ سننے دیکھنے والا ہے، جیسے فرمان ہے کہ وہ بروں کو ان کی برائی کرنے کی سزا اور بھلوں کو ان کی بھلائی کی جزا عنایت فرمائے گا۔

جو لوگ اس کے سوا دوسروں کو پکارتے ہیں خواہ وہ بت اور تصویریں ہوں خواہ اور کچھ وہ چونکہ کسی چیز کے مالک نہیں ان کی حکومت ہی نہیں تو حکم اور فیصلے کریں گے ہی کیا؟ اللہ اپنی مخلوق کے اقوال کو سنتا ہے، ان کے احوال کو دیکھ رہا ہے جسے چاہے راہ دکھاتا ہے جسے چاہے گمراہ کرتا ہے اس کا اس میں بھی سراسر عدل و انصاف ہے۔

عدل الٰہی، اقوام سابقہ کا انجام، موسیٰ علیہ السلام بمقابلہ فرعون

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

وَاللّٰهُ يَقْضِيْ بِالْحَقِّ ۭ وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا يَقْضُوْنَ بِشَيْءٍ ۭ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ {۲۰} اَوَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ كَانُوْا مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ كَانُوْا هُمْ اَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً وَّاٰثَارًا فِي الْاَرْضِ فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ ۭ وَمَا كَانَ لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ وَّاقٍ {۲۱} ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانَتْ تَّاْتِيْهِمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَكَفَرُوْا فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ ۭ اِنَّهٗ قَوِيٌّ شَدِيْدُ الْعِقَابِ {۲۲} وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَا وَسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ {۲۳} اِلٰى فِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ وَقَارُوْنَ فَقَالُوْا سٰحِرٌ كَذَّابٌ {۲۴} فَلَمَّا جَاۗءَهُمْ بِالْحَقِّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوا اقْتُلُوْٓا اَبْنَاۗءَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ وَاسْتَحْيُوْا نِسَاۗءَهُمْ ۭ وَمَا كَيْدُ الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ {۲۵} وَقَالَ فِرْعَوْنُ ذَرُوْنِيْٓ اَقْتُلْ مُوْسٰى وَلْيَدْعُ رَبَّهٗ ۚ اِنِّىْٓ اَخَافُ اَنْ يُّبَدِّلَ دِيْنَكُمْ اَوْ اَنْ يُّظْهِرَ فِي الْاَرْضِ الْفَسَادَ {۲۶} وَقَالَ مُوْسٰٓى اِنِّىْ عُذْتُ بِرَبِّيْ وَرَبِّكُمْ مِّنْ كُلِّ مُتَكَبِّرٍ لَّا يُؤْمِنُ بِيَوْمِ الْحِسَابِ {۲۷} غافر

جواب ترجمہ: اور اللہ حق کے ساتھ فیصلہ فرمائے گا اللہ کے سوا جنہیں یہ لوگ پکارتے ہیں وہ کچھ بھی فیصلہ نہیں کرسکتے بلاشبہ اللہ سننے والا ہے دیکھنے والا ہے۔ کیا یہ لوگ زمین میں نہیں چلے پھرے تاکہ دیکھ لیتے ان لوگوں کا کیا انجام ہوا جو ان سے پہلے تھے، وہ قوت کے اعتبار سے ان سے زیادہ سخت تھے اور زمین میں نشانوں کے اعتبار سے بھی بڑھ کر تھے، سو اللہ نے ان کے گناہوں کی وجہ سے ان کی گرفت فرمالی اور انہیں اللہ سے بچانے والا کوئی بھی نہ تھا۔ یہ اس وجہ سے کہ ان کے پاس ان کے رسول کھلی ہوئی دلیلیں لے کر آئے سو انہوں نے کفر کیا پھر اللہ نے ان کو پکڑ لیا، بیشک وہ قوی ہے سخت عذاب والا ہے۔ اور یہ بات واقعی ہے کہ ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو اپنی آیات اور واضح دلیل کے ساتھ فرعون اور ہامان اور قارون کے پاس بھیجا سو ان لوگوں نے کہا کہ یہ جادوگر ہے بڑا جھوٹا ہے۔ سو جب ان کے پاس ہمارے پاس سے حق لے کر آیا تو کہنے لگے کہ جو لوگ اس کے ساتھ ایمان لائے ان کے

بیٹوں کو قتل کر دو اور ان کی عورتوں کو زندہ چھوڑ دو اور کافروں کی تدبیر محض بے اثر رہی۔ اور فرعون نے کہا مجھے چھوڑو میں موسیٰ کو قتل کر دوں اور وہ اپنے رب کو پکارے بلاشبہ میں ڈرتا ہوں کہ وہ تمہارے دین کو بدل دے یا زمین میں فساد پھیلا دے۔ اور موسیٰ نے کہا بلاشبہ میں اپنے رب کی پناہ لیتا ہوں جو میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی ہر متکبر سے جو حساب کے دن پر ایمان نہیں لاتا۔

خلاصہ تفسیر: ان آیاتِ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے کامل عدل و انصاف کو بیان فرمایا، پھر منکرین کو گزشتہ ہلاک شدہ قوموں کے انجام سے عبرت حاصل کرنے کی دعوت دی، اس کے بعد رسول اللہ ﷺ کو تسلی دینے کے لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کا واقعہ ذکر فرمایا، جس میں حق و باطل کی کشمکش، فرعون کی سرکشی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے توکل علی اللہ کا عظیم نمونہ بیان کیا گیا ہے۔

وَاللّٰهُ يَقْضِيْ بِالْحَقِّ: اللہ تعالیٰ ہی ایسا حاکم ہے جو حق اور انصاف کے ساتھ فیصلہ فرماتا ہے، وہ کسی نیک شخص کی نیکی میں کمی نہیں کرتا اور نہ کسی گناہ گار پر اس کے جرم سے زیادہ بوجھ ڈالتا ہے، اس کے تمام فیصلے عدل، حکمت اور علم پر مبنی ہوتے ہیں۔

وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا يَقْضُوْنَ بِشَيْءٍ: اس کے برعکس مشرکین جن معبودوں کو اللہ کے سوا پکارتے ہیں، وہ کسی قسم کا فیصلہ کرنے کی قدرت نہیں رکھتے، کیونکہ وہ خود عاجز اور بے اختیار ہیں، نہ ان کے پاس اقتدار ہے اور نہ نفع و نقصان کا اختیار۔ پھر فرمایا کہ

اِنَّ اللّٰهَ هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ: اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی تمام باتوں کو سنتا اور ان کے ظاہری و باطنی اعمال کو دیکھتا ہے، اس لیے قیامت کے دن ہر شخص کو اس کے اعمال کے مطابق جزا یا سزا دے گا۔

اَوَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ كَانُوْا مِنْ قَبْلِهِمْ: اللہ تعالیٰ منکرینِ مکہ کو متنبہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ کیا انہوں نے زمین میں سفر نہیں کیا کہ اپنے سے پہلے گزرنے والی قوموں کا انجام دیکھتے؟ قومِ عاد، ثمود اور دیگر سرکش اقوام طاقت، حکومت، عمارت سازی اور تمدنی ترقی میں ان سے کہیں بڑھ کر تھیں، انہوں نے زمین میں عظیم الشان آثار چھوڑے، لیکن جب انہوں نے اللہ کے رسولوں کی تکذیب کی اور گناہوں میں حد سے تجاوز کیا تو ان کی قوت، دولت

اور تہذیب انہیں اللہ کے عذاب سے نہ بچا سکی۔

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانَتْ تَّاْتِيْهِمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَكَفَرُوْا فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ : ان پر عذاب اس لیے نازل ہوا کہ ان کے پاس اللہ کے رسول واضح دلائل اور روشن معجزات لے کر آئے تھے، مگر انہوں نے حق کا انکار کیا اور رسولوں کو جھٹلایا، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی گرفت میں لے لیا، کیونکہ وہ قوت والا اور اپنے نافرمانوں کو سخت سزا دینے والا ہے۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَا وَسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ : رسول اللہ ﷺ کو تسلی دیتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جس طرح آپ کو آپ کی قوم جھٹلا رہی ہے، اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بھی شدید مخالفت کا سامنا کرنا پڑا تھا۔

اِلٰى فِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ وَقَارُوْنَ فَقَالُوْا سٰحِرٌ كَذَّابٌ : اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو روشن معجزات اور واضح دلائل عطا کر کے فرعون، اس کے وزیر ہامان اور قارون کی طرف بھیجا، مگر انہوں نے دلائل کو قبول کرنے کے بجائے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر یہ الزام لگا دیا کہ یہ جادوگر اور جھوٹا شخص ہے، باطل کی یہ پرانی روش ہے کہ جب وہ دلیل کا جواب نہیں دے پاتا تو حق کے داعیوں کی کردار کشی شروع کر دیتا ہے۔

فَلَمَّا جَآءَهُمْ بِالْحَقِّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوا اقْتُلُوْٓا اَبْنَآءَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ وَاسْتَحْيُوْا نِسَآءَهُمْ : جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعوت اثر دکھانے لگی اور لوگ ایمان لانے لگے تو فرعون نے ظلم و جبر کا راستہ اختیار کیا، اس نے حکم دیا کہ جو لوگ موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائے ہیں ان کے بیٹوں کو قتل کر دیا جائے اور عورتوں کو زندہ چھوڑ دیا جائے۔

وَمَا كَيْدُ الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ : اس ظالمانہ منصوبے کا مقصد اہلِ ایمان کو کمزور کرنا، ان کی تعداد گھٹانا اور ان کے دلوں میں خوف پیدا کرنا تھا، لیکن اللہ تعالیٰ نے واضح فرما دیا کہ کافروں کی یہ تدبیریں بالآخر ناکام اور بے اثر ہونے والی تھیں، کیونکہ حق کی حفاظت خود اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَقَالَ فِرْعَوْنُ ذَرُوْنِيْٓ اَقْتُلْ مُوْسٰى وَلْيَدْعُ رَبَّهٗ : فرعون نے اپنی قوم سے کہا: مجھے چھوڑ دو کہ میں موسیٰ کو قتل کر دوں، پھر وہ اپنے رب کو پکار لے کہ وہ اسے بچا لے، یہ جملہ درحقیقت فرعون کی

بے بسی اور خوف کا اظہار تھا، اگر وہ واقعی اپنے دعوائے الوہیت میں سچا ہوتا تو اسے موسیٰ علیہ السلام سے خوفزدہ ہونے کی ضرورت نہ تھی، پھر اس نے اپنی قوم کو گمراہ کرنے کے لیے یہ پروپیگنڈا کیا کہ

اِنِّیۡۤ اَخَافُ اَنۡ یُّبَدِّلَ دِیۡنَکُمۡ اَوۡ اَنۡ یُّظۡهِرَ فِی الۡاَرۡضِ الۡفَسَادَ: مجھے ڈر ہے کہیں موسیٰ تمہارا دین نہ بدل دے یا ملک میں فساد نہ پھیلا دے، حالانکہ حقیقت یہ تھی کہ فساد کا سرچشمہ خود فرعون کا ظلم، جبر اور تکبر تھا، جبکہ موسیٰ علیہ السلام لوگوں کو توحید، عدل اور ہدایت کی طرف بلا رہے تھے، یہ باطل قیادتوں کا قدیم حربہ ہے کہ وہ اصلاح کو فساد اور حق کو خطرہ بنا کر پیش کرتی ہیں تاکہ عوام کو دھوکے میں رکھ سکیں۔

وَقَالَ مُوۡسٰۤی اِنِّیۡ عُذۡتُ بِرَبِّیۡ وَرَبِّکُمۡ مِّنۡ کُلِّ مُتَکَبِّرٍ لَّا یُؤۡمِنُ بِیَوۡمِ الۡحِسَابِ: جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کی دھمکیوں کا علم ہوا تو انہوں نے نہ خوف ظاہر کیا اور نہ کمزوری، بلکہ پوری قوتِ ایمان کے ساتھ فرمایا، میں اپنے رب اور تمہارے رب کی پناہ میں آتا ہوں ہر اس متکبر شخص کے شر سے جو یومِ حساب پر ایمان نہیں رکھتا، یہ ایک عظیم اعلانِ توکل تھا، موسیٰ علیہ السلام جانتے تھے کہ جو شخص اللہ پر ایمان اور آخرت کے حساب کا یقین رکھتا ہو، وہ ظلم اور تکبر اختیار نہیں کرتا، اس لیے انہوں نے متکبر اور بے خوف لوگوں کے مقابلے میں اللہ تعالیٰ کی پناہ اور حفاظت پر اعتماد کیا۔

یہ آیت اہلِ ایمان کو یہ سبق دیتی ہے کہ جب باطل قوتیں ظلم و جبر پر اتر آئیں تو مومن کا سب سے بڑا سہارا اللہ تعالیٰ پر کامل بھروسا اور اس کی مدد پر یقین ہوتا ہے۔

معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے تمام فیصلے عدل و انصاف پر مبنی ہیں، غیر اللہ کے معبود کسی نفع و نقصان یا فیصلے کے مالک نہیں، گزشتہ قوموں کی تباہی تکذیبِ رسالت اور گناہوں کا نتیجہ تھی، طاقت، دولت اور تہذیب اللہ کے عذاب سے نہیں بچا سکتیں، حق کے داعیوں پر جادوگر، جھوٹا یا فسادی ہونے کا الزام لگانا باطل کا پرانا ہتھیار ہے، ظالم حکمران اپنے اقتدار کے تحفظ کے لیے عوام کو دھوکہ دیتے ہیں، توکل علی اللہ انبیائے کرام علیہم السلام کا نمایاں وصف ہے، آخرت کا یقین انسان کو تکبر اور ظلم سے بچاتا ہے۔

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے اپنے کامل عدل کا ذکر کرکے واضح فرمایا کہ قیامت کے دن ہر شخص کو

انصاف کے ساتھ بدلہ دیا جائے گا، پھر اقوامِ سابقہ کی ہلاکت کا سبب ان کی تکذیبِ رسالت اور گناہوں کو قرار دیا، بعد ازاں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کا واقعہ بیان کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اہلِ ایمان کو تسلی دی گئی کہ جس طرح موسیٰ علیہ السلام کو شدید مخالفت، ظلم اور سازشوں کا سامنا کرنا پڑا لیکن آخر کار اللہ نے انہیں کامیاب فرمایا، اسی طرح حق ہمیشہ غالب اور باطل بالآخر مغلوب ہو کر رہتا ہے۔

مومن آل فرعون کی ایمان افروز گفتگو

سوال آل فرعون کے مومن شخص نے اپنی قوم کو نصیحت کرتے ہوئے جو کچھ کہا وہ ان آیات میں ذکر ہے، اس کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

وَقَالَ رَجُلٌ مُّؤْمِنٌ ۖ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَكْتُمُ اِيْمَانَهٗٓ اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا اَنْ يَّقُوْلَ رَبِّيَ اللّٰهُ وَقَدْ جَآءَكُمْ بِالْبَيِّنٰتِ مِنْ رَّبِّكُمْ وَاِنْ يَّكُ كَاذِبًا فَعَلَيْهِ كَذِبُهٗ وَاِنْ يَّكُ صَادِقًا يُّصِبْكُمْ بَعْضُ الَّذِيْ يَعِدُكُمْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ كَذَّابٌ {۲۸} يٰقَوْمِ لَكُمُ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ظٰهِرِيْنَ فِي الْاَرْضِ فَمَنْ يَّنْصُرُنَا مِنْۢ بَاْسِ اللّٰهِ اِنْ جَآءَنَا ۭ قَالَ فِرْعَوْنُ مَآ اُرِيْكُمْ اِلَّا مَآ اَرٰى وَمَآ اَهْدِيْكُمْ اِلَّا سَبِيْلَ الرَّشَادِ {۲۹} وَقَالَ الَّذِيْٓ اٰمَنَ يٰقَوْمِ اِنِّىْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ مِّثْلَ يَوْمِ الْاَحْزَابِ {۳۰} مِثْلَ دَاْبِ قَوْمِ نُوْحٍ وَّعَادٍ وَّثَمُوْدَ وَالَّذِيْنَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ ۭ وَمَا اللّٰهُ يُرِيْدُ ظُلْمًا لِّلْعِبَادِ {۳۱} وَيٰقَوْمِ اِنِّىْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ يَوْمَ التَّنَادِ {۳۲} يَوْمَ تُوَلُّوْنَ مُدْبِرِيْنَ ۚ مَا لَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ عَاصِمٍ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ {۳۳} وَلَقَدْ جَآءَكُمْ يُوْسُفُ مِنْ قَبْلُ بِالْبَيِّنٰتِ فَمَا زِلْتُمْ فِيْ شَكٍّ مِّمَّا جَآءَكُمْ بِهٖ ۭ حَتّٰٓى اِذَا هَلَكَ قُلْتُمْ لَنْ يَّبْعَثَ اللّٰهُ مِنْۢ بَعْدِهٖ رَسُوْلًا ۭ كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ مُّرْتَابُۨ {۳۴} غافر

جواب ترجمہ: اور فرعون کے خاندان میں سے ایک مومن شخص جو ابھی تک اپنا ایمان چھپائے ہوئے تھا بول اٹھا کہ کیا تم ایک شخص کو صرف اس لیے قتل کر رہے ہو کہ وہ کہتا ہے میرا پروردگار اللہ ہے؟ حالانکہ وہ تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے روشن دلیلیں لے کر آیا ہے۔ اور اگر

وہ جھوٹا ہی ہو تو اس کا جھوٹ اسی پر پڑے گا اور اگر سچا ہو تو جس چیز سے وہ تمہیں ڈرا رہا ہے اس میں کچھ تو تم پر آ ہی پڑے گی اللہ کسی ایسے شخص کو ہدایت نہیں دیتا جو حد سے گذر جانے والا (اور) جھوٹ بولنے کا عادی ہو۔ اے میری قوم! آج تو تمہیں ایسی سلطنت حاصل ہے کہ زمین میں تمہارا راج ہے، لیکن اگر اللہ کا عذاب ہم پر آ گیا تو کون ہے جو اس کے مقابلے میں ہماری مدد کرے؟۔

فرعون نے کہا میں تو تمہیں وہی رائے دوں گا جسے میں درست سمجھتا ہوں، اور میں تمہاری جو رہنمائی کر رہا ہوں وہ بالکل ٹھیک راستے کی طرف کر رہا ہوں، اور جو شخص ایمان لے آیا تھا اس نے کہا: اے میری قوم! مجھے ڈر ہے کہ تم پر ویسا ہی دن نہ آ جائے جیسا بہت سے گروہوں پر آ چکا ہے۔ (اور تمہارا حال بھی ویسا نہ ہو) جیسا حال نوح علیہ السلام کی قوم کا، اور عاد و ثمود کا اور ان کے بعد کے لوگوں کا ہوا تھا۔ اور اللہ بندوں پر ظلم کرنا نہیں چاہتا۔

اور اے میری قوم! مجھے تم پر اس دن کا خوف ہے جس میں چیخ و پکار مچی ہو گی۔ جس دم تم پیٹھ پھیر کر اس طرح بھاگو گے کہ کوئی بھی تمہیں اللہ سے بچانے والا نہیں ہو گا اور جسے اللہ بھٹکا دے اسے کوئی راستہ دکھانے والا میسر نہیں آتا۔ اور حقیقت یہ ہے کہ اس سے پہلے یوسف علیہ السلام تمہارے پاس روشن دلیلیں لے کر آئے تھے تب بھی تم ان کی لائی ہوئی باتوں کے متعلق شک میں پڑے رہے۔ پھر جب وہ وفات پا گئے تو تم نے کہا کہ ان کے بعد اللہ اب کوئی پیغمبر نہیں بھیجے گا۔ اسی طرح اللہ ان تمام لوگوں کو گمراہی میں ڈالے رکھتا ہے جو حد سے گذرے ہوئے، شکی ہوتے ہیں۔

خلاصہ تفسیر: آل فرعون میں ایک شخص ایسا تھا جو اللہ کی ذات پر ایمان رکھتا تھا، مگر وہ شخص اپنے ایمان کو چھپائے ہوئے تھا وہ اپنی قوم کی سیاہ کاریوں کو دیکھ کر ان سے کہہ رہا تھا کہ تم لوگ ایک شخص کے قتل کرنے کو کیونکر حلال جانتے ہو جو صرف یہ کہتا ہے کہ میرا پروردگار تو اللہ ہے، حالانکہ تمہارے رب کی طرف سے تمہارے پاس دلائل واضحہ اور براہین قاطعہ آ چکی ہیں کہ یہ شخص جو کچھ کہتا ہے وہ سچ کہتا ہے، اگر موسیٰ جو باتیں کہتے ہیں وہ جھوٹی ہیں تو ان باتوں کا وبال انہی پر ہو گا۔

اگر موسیٰ علیہ السلام سچے ہیں تو پھر وہ تم سے جس چیز کا وعدہ کرتے ہیں وہ تمہیں پہنچ کر رہے گی، اس

لیے کہ اللہ تعالیٰ حق کو چھوڑ کر باطل کی طرف پیش قدمی کر کے حدود پھلانگنے والے کو حق کی توفیق نہیں دیتے، وہ اللہ کی طرف نسبتیں کرنے میں جھوٹا ہوتا ہے، اے میری قوم! آج تمہاری بادشاہی ہے، مصر میں رہنے والے بنی اسرائیل اور ان کے علاوہ لوگوں پر تمہاری غالب اکثریت ہے، لیکن اگر اللہ تعالیٰ ہمارے اوپر عذاب مسلط کر دے تو پھر ہمیں کون بچا سکتا ہے؟

فرعون نے اپنی قوم کو جواب دیتے ہوئے کہا کہ اے میری قوم! میں جس بات کی تمہیں نصیحت کرتا ہوں وہی ہوتی ہے جو اپنے لیے بہتر سمجھتا ہوں، یہ چیز تمہارے لیے درست اور بہتر ہوتی ہے، میں تمہیں صرف سچ اور درست راستے کی طرف ہی دعوت دیتا ہوں۔

آل فرعون کے مومن شخص نے فرعون اور اس کے وڈیروں کو وعظ کرتے اور ڈراتے ہوئے کہا کہ اگر تم موسیٰ کو قتل کرو گے تو مجھے تم پر اس دن کی طرح کا خوف ہے جس دن انبیاء علیہ السلام کے خلاف لشکر کشی کی گئی تھی، جس طرح قوم نوح، عاد، ثمود کی عادت تھی، اور جو لوگ ان کے بعد کفر کرتے ہوئے اور نبیوں کو جھٹلاتے ہوئے آئے، ان لوگوں کو اللہ نے اسی وجہ سے ہلاک کیا تھا، حالانکہ اللہ تعالیٰ بندوں پر ظلم کا ارادہ نہیں رکھتا، کہ انہیں بغیر کسی گناہ کے یونہی عذاب دے دے، اللہ تعالیٰ ظلم و نقصان سے بہت ہی بلند اور بڑا ہے۔

اے میری قوم! میں تم پر بروز محشر عذاب سے ڈرتا ہوں، جس دن بعض لوگ بعض لوگوں کو بلائیں گے، یہ لوگ اس دن جہاں کھڑے ہوں گے سخت ہولناک حالات سے دوچار ہوں گے، اس دن تم لوگ بھاگ رہے ہو گے، تمہارے لیے کوئی ایسا بندہ نہیں ہو گا جو تمہیں اللہ تعالیٰ سے بچائے، تمہارا کوئی مددگار بھی نہیں ہو گا جو تمہاری مدد کرے اور جسے اللہ تعالیٰ ذلیل کر دے اور اسے ہدایت کی طرف توفیق نہ عطا فرمائے تو اسے ہدایت اور درست راستے کی طرف ہدایت دینے والا کوئی نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ نے تمہاری طرف بڑی عزت و بزرگی والے رسول بھیجے، ان میں حضرت یوسف بن یعقوب علیہ السلام موسیٰ علیہ السلام سے پہلے گزرے ہیں، جو اپنی صداقت اور حقانیت پر واضح دلائل رکھتے تھے، انہوں نے تمہیں اکیلے اللہ اور لاشریک اللہ کی عبادت کی دعوت دی، مگر تم لوگ ہو کہ ان کی

زندگی میں جو کچھ وہ تمہارے پاس لے کر آئے تھے اسے شک بھری نگاہوں سے دیکھتے رہے، یہاں تک کہ جب وہ اس دنیا سے چلے گئے تو تمہارے شک اور تمہارے شرک میں اضافہ ہو گیا، اور تم نے کہا کہ اللہ ان کے بعد ہر گز کوئی رسول نہیں بھیجے گا، اسی طرح کی گمراہیوں کے باعث اللہ تعالیٰ حق سے تجاوز کرنے والے ہر شخص کو گمراہ کرتا ہے، جو اللہ کی وحدانیت میں شک کرتا ہے، ایسے شخص کو اللہ ہدایت اور درست راستے کی طرف ہدایت نہیں دیتا۔

اس ایمان والے شخص نے اپنی نصیحت کو دہراتے ہوئے اپنی قوم سے کہا کہ اے میری قوم! میری پیروی کرو میں تمہیں راہ ہدایت کی طرف راہنمائی کرتا ہوں، اے میری قوم! یہ دنیا کی زندگی ایسی زندگی ہے جس میں لوگ تھوڑی عیش کرتے ہیں، پھر یہ عیش ختم ہو جاتی ہے، اس لیے مناسب بات یہی ہے کہ تم اس کی طرف میلان نہ رکھو، آخرت کی زندگی ایسی زندگی ہے جس کی نعمتیں سدا بہار ہیں، وہی ٹھہرنے کی جگہ ہے، جس میں تم رہو گے۔

مناسب یہی ہے کہ تم آخرت کی زندگی کو ترجیح دو، اور نیک عمل کرو، جو تمہیں اس زندگی میں سعادت مند بنادے، جس نے اپنی زندگی میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی اور راہ ہدایت سے انحراف کیا اس کی سزا آخرت میں اس کی معصیت اور نافرمانی کے بقدر ہے، اور جس شخص نے اللہ کی اطاعت کی اور نیک کام کیے، اللہ کے احکامات پر عمل کیا اور اس کی منہیات سے اجتناب کیا۔

اہے وہ مرد ہے یا عورت، وہ اللہ وحدہ لاشریک لہ پر ایمان رکھتا ہے وہ جنت میں داخل ہو گا، اللہ تعالیٰ جنت کے پھلوں میں سے اسے رزق دیں گے، اللہ اسے جنت کی نعمتوں سے سرفراز فرمائیں گے، بے حد وحساب لذتیں اسے ملیں گی، اے میری قوم! میں کس طرح تمہیں اللہ پر ایمان اور اس کے رسول موسیٰ علیہ السلام کی پیروی کرنے کی دعوت دوں، یہ ایسی دعوت ہے جو تمہیں جنت تک پہنچائے گی، یہ ایسی دعوت ہے جو تمہیں دوزخ کی ہولناکی سے بچائے گی، اور تم ایسے لوگ ہو جو مجھے ایسے عمل کی طرف دعوت دیتے ہو جو اللہ کے عذاب کی طرف لے کر جانے والی ہے، اور دوزخ میں اللہ کی سزا کی طرف لے جانے والی ہے، تم مجھے ایسی دعوت دیتے ہو کہ میں اللہ کا انکار کروں، میں اس

کے ساتھ ایسی چیزوں کو شریک کروں جس کا مجھے علم نہیں کہ وہ اللہ کی ذات کے سوا مستحق عبادت ہے، اور اللہ کے علاوہ کسی کی عبادت وبندگی کرنا یہ بڑے بڑے گناہوں میں سے ایک گناہ ہے، اور یہ بہت ہی بری حرکت ہے۔

اور میں وہ شخص ہوں جو تمہیں ایسے راستے کی طرف دعوت دیتا ہوں جو اللہ کی طرف لے جانے والا اور پہنچانے والا ہے، اللہ وہ ذات ہے جو اپنے انتقال میں زبردست ہے، وہ بہت زیادہ اس شخص کو معاف کرنے والی ذات ہے جو اس کی طرف اپنی معصیت سے رجوع کرتا ہے، جس چیز کی طرف تم لوگ مجھے دعوت دیتے ہو وہ ایسی بات ہے جس کی طرف توجہ کرنے کی ضرورت ہی نہیں ہے، تم یہ بات جان لو کہ ساری مخلوق کا ٹھکانہ اللہ کی طرف ہے۔

اللہ وہ ذات ہے جو ہر کام کرنے والے کو اس کے کام کا بدلہ دے گی، وہ لوگ جو گناہوں، خونریزی اور کفر کے ساتھ حدود کو پھلانگتے ہیں وہ دوزخ والے لوگ ہیں، جب اس ایمان والے بندے نے انہیں نصیحت کی اور انہوں نے اس کی پیروی نہ کی تو اس نے انہیں کہا تم یہ بات یاد کروگے کہ میں نے تمہیں نصیحت کی تھی، اور عنقریب تم لوگ ندامت اور شرمندگی کا سامنا کروگے مگر اس وقت تمہیں کسی قسم کی ندامت وشرمندگی کام نہ آئے گی، میں اللہ کی طرف توجہ کرتا ہوں، میں اسی کو مضبوطی سے تھامتا ہوں، میں اسی پر بھروسہ کرتا ہوں، اللہ تعالیٰ بندوں کے حالات کو باریکی کے ساتھ دیکھنے والا ہے، اور ان حالات کو دیکھنے والا ہے کہ وہ لوگ کس جزا کے مستحق ہیں، اس سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں ہے۔

جدالِ باطل کی مذمت، انجامِ تکبر، ضلالتِ فرعون

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

الَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِ اللّٰهِ بِغَيْرِ سُلْطٰنٍ اَتٰىهُمْ ۙ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ وَعِنْدَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۭ كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰي كُلِّ قَلْبِ مُتَكَبِّرٍ جَبَّارٍ {۳۵} وَقَالَ فِرْعَوْنُ يٰهَامٰنُ ابْنِ لِيْ صَرْحًا لَّعَلِّيْٓ اَبْلُغُ الْاَسْبَابَ {۳۶} اَسْبَابَ السَّمٰوٰتِ فَاَطَّلِعَ اِلٰٓى اِلٰهِ مُوْسٰى وَاِنِّىْ لَاَظُنُّهٗ

كَاذِبًا ؕ وَ كَذٰلِكَ زُيِّنَ لِفِرْعَوْنَ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ وَصُدَّ عَنِ السَّبِيْلِ ؕ وَمَا كَيْدُ فِرْعَوْنَ اِلَّا فِيْ تَبَابٍ {۳۷} غافر

جواب ترجمہ: جو اللہ کی آیات میں بغیر دلیل کے جو ان کے پاس آئی ہو جھگڑے بازی کرتے ہیں اللہ کے نزدیک اور اہل ایمان کے نزدیک یہ بڑے بغض کی چیز ہے اسی طرح اللہ مہر لگا دیتا ہے ہر متکبر جبار کے دل پر۔ اور فرعون نے کہا کہ اے ہامان! میرے لیے ایک محل بنا دے ہو سکتا ہے کہ میں راستوں میں پہنچ جاؤں۔ یعنی آسمان کے راستوں تک میری رسائی ہو جائے پھر میں موسیٰ کے معبود کا پتہ چلاؤں اور بیشک میں تو اسے جھوٹا ہی سمجھتا ہوں اور اسی طرح فرعون کے لیے اس کا برا عمل مزین کر دیا گیا اور وہ راستہ سے روک دیا گیا اور فرعون کی تدبیر ہلاکت ہی میں لے جانے والی تھی۔

خلاصہ تفسیر: ان آیاتِ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے حق کے مقابلے میں بے دلیل جھگڑنے والوں کی مذمت فرمائی، تکبر اور سرکشی کے روحانی انجام کو بیان کیا اور فرعون کی جہالت، غرور اور گمراہی کا ایک نمایاں نمونہ پیش کیا، یہ آیات واضح کرتی ہیں کہ جب انسان تکبر کی وجہ سے حق کو قبول کرنے سے انکار کرتا ہے تو اس کی عقل و بصیرت ماند پڑ جاتی ہے اور وہ ایسی باتیں کرنے لگتا ہے جو سراسر حماقت اور گمراہی پر مبنی ہوتی ہیں۔

اَلَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِ اللّٰهِ بِغَيْرِ سُلْطٰنٍ اَتٰىهُمْ: مومنِ آلِ فرعون کی نصیحت کے تسلسل میں اللہ تعالیٰ ان لوگوں کا ذکر فرماتے ہیں جو اللہ کی آیات میں محض ضد، ہٹ دھرمی اور حق کو باطل ثابت کرنے کے لیے جھگڑا کرتے ہیں، حالانکہ ان کے پاس اپنے موقف کی کوئی دلیل، کوئی حجت اور کوئی برہان نہیں ہوتا۔

كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ وَعِنْدَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا: ایسے لوگوں کا یہ طرزِ عمل اللہ تعالیٰ کے نزدیک بھی سخت ناپسندیدہ ہے اور اہلِ ایمان کے نزدیک بھی باعثِ نفرت ہے، کیونکہ سچا طالبِ حق دلیل کی روشنی میں بات کرتا ہے، جبکہ متکبر شخص دلیل کے بجائے تعصب اور خواہشِ نفس کی پیروی کرتا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ

كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ قَلْبِ مُتَكَبِّرٍ جَبَّارٍ: جس طرح ان لوگوں نے حق کا انکار کیا اور آیاتِ الٰہی کے مقابلے میں ضد اختیار کی، اسی طرح اللہ تعالیٰ ان کے دلوں پر مہر لگا دیتا ہے، چنانچہ وہ حق کو سمجھنے، قبول کرنے اور اس سے فائدہ اٹھانے کی صلاحیت کھو بیٹھتے ہیں، یہ مہر ابتدائی طور پر زبردستی نہیں لگائی جاتی بلکہ مسلسل تکبر، عناد اور نافرمانی کے نتیجے میں انسان خود اس انجام کا مستحق بن جاتا ہے، جب دل تکبر سے بھر جائے تو نہ نصیحت اثر کرتی ہے، نہ دلیل قائل کرتی ہے اور نہ ہدایت کی روشنی اس کے اندر داخل ہو پاتی ہے۔

وَقَالَ فِرْعَوْنُ يٰهَامٰنُ ابْنِ لِيْ صَرْحًا لَّعَلِّيْٓ اَبْلُغُ الْاَسْبَابَ: مومنِ آلِ فرعون کی مدلل گفتگو سننے کے باوجود فرعون نے حق کو قبول کرنے کے بجائے اپنے تکبر اور ہٹ دھرمی کا اظہار کیا، اس نے اپنے وزیر ہامان سے کہا، اے ہامان! میرے لیے ایک بلند و بالا عمارت تعمیر کرو، شاید میں آسمانوں کے راستوں تک پہنچ جاؤں، اس کا مقصد یہ تھا کہ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دعوائے نبوت اور اللہ تعالیٰ کے وجود کا مذاق اڑائے۔

اَسْبَابَ السَّمٰوٰتِ فَاَطَّلِعَ اِلٰٓى اِلٰهِ مُوْسٰى وَاِنِّيْ لَاَظُنُّهٗ كَاذِبًا: اس نے استہزاء کے انداز میں کہا کہ میں آسمانوں تک پہنچ کر موسیٰ کے معبود کو دیکھنا چاہتا ہوں، حالانکہ میرے نزدیک موسیٰ اپنے دعوے میں جھوٹا ہے۔

یہ حقیقت میں دلیل کا جواب نہیں تھا بلکہ ایک متکبر شخص کی تمسخر آمیز حرکت تھی، وہ جانتا تھا کہ اللہ تعالیٰ کو مادی آنکھوں سے نہیں دیکھا جا سکتا اور نہ کوئی عمارت آسمانوں تک پہنچ سکتی ہے، لیکن وہ اپنی قوم کے سامنے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعوت کو غیر اہم ثابت کرنا چاہتا تھا۔

قرآنِ کریم اس واقعہ سے یہ حقیقت واضح کرتا ہے کہ جب انسان تکبر میں مبتلا ہو جاتا ہے تو اس کے باطل اعمال اسے اچھے اور معقول نظر آنے لگتے ہیں، چنانچہ فرعون کو اپنی یہ مضحکہ خیز تجویز بھی دانش مندی معلوم ہوئی، حالانکہ وہ سراسر جہالت اور گمراہی تھی۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ

وَكَذٰلِكَ زُيِّنَ لِفِرْعَوْنَ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ وَصُدَّ عَنِ السَّبِيْلِ: فرعون کے اعمال اس کے لیے مزین

کر دیے گئے تھے اور وہ راہِ حق سے ہٹا دیا گیا تھا، اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعوت کو مٹانے، حق کو دبانے اور اپنے اقتدار کو باقی رکھنے کے لیے مختلف تدبیریں اختیار کیں، مگر اس کی تمام سازشیں ناکامی اور خسارے پر منتج ہوئیں۔

وَمَا كَيْدُ فِرْعَوْنَ اِلَّا فِيْ تَبَابٍ: باطل کی یہی فطرت ہے کہ وہ وقتی طور پر طاقتور دکھائی دیتا ہے، لیکن اس کا انجام ناکامی اور تباہی ہوتا ہے، فرعون نے اپنی پوری سلطنت، قوت اور وسائل حق کے مقابلے میں استعمال کیے، مگر آخر کار وہ خود بھی ہلاک ہوا اور اس کا نظام بھی تباہ ہو گیا، جبکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کا پیغام کامیاب و سرخرو ہوا۔

معلوم ہوا کہ اللہ کی آیات میں بغیر دلیل کے جھگڑا کرنا کفر اور تکبر کی علامت ہے، حق کے مقابلے میں ضد اور ہٹ دھرمی اللہ تعالیٰ کی ناراضی کا سبب بنتی ہے، مسلسل تکبر اور گناہ دلوں کی ہدایت چھین لیتے ہیں، باطل کے پاس دلیل نہ ہو تو وہ تمسخر، پروپیگنڈے اور شور و غوغا کا سہارا لیتا ہے۔

فرعون کی مثال بتاتی ہے کہ اقتدار اور غرور انسان کو حقیقت سے اندھا کر دیتے ہیں، جب انسان خواہشِ نفس کا غلام بن جائے تو اسے اپنا باطل بھی حق دکھائی دینے لگتا ہے، حق کو مٹانے کی تمام سازشیں بالآخر ناکام ہوتی ہیں، اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں کوئی طاقت، حکومت یا تدبیر کامیاب نہیں ہو سکتی۔

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی مذمت فرمائی جو بغیر کسی دلیل کے آیاتِ الٰہی میں جھگڑا کرتے ہیں اور تکبر کی وجہ سے حق کو قبول نہیں کرتے، ایسے لوگوں کے دل ہدایت سے محروم ہو جاتے ہیں، فرعون بھی اسی بیماری میں مبتلا تھا۔

اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعوت کا جواب دلیل سے دینے کے بجائے مذاق اور استہزاء کا راستہ اختیار کیا اور آسمان تک پہنچنے کے لیے ایک بلند عمارت بنانے کا حکم دیا، لیکن اس کا یہ غرور، اس کی تدبیریں اور اس کی تمام سازشیں ناکام ہوئیں، کیونکہ حق ہمیشہ غالب اور باطل بالآخر خسارے اور تباہی کا شکار ہوتا ہے، فرعون اور اس کے حواریوں و پیروکاروں کی تمام سازشیں ناکام ہوئیں، ان کی سازشوں کے جالے ایک ایک کر کے کاٹ دیے گئے تھے، بالآخر وہ غرقاب ہو گیا تھا۔

مؤمن آل فرعون کی ایمان افروز باتیں

سوال اس مومن کا مزید تذکرہ ان آیات میں ہے، ترجمہ و تفسیر کیجیے۔

وَقَالَ الَّذِیْٓ اٰمَنَ یٰقَوْمِ اتَّبِعُوْنِ اَهْدِكُمْ سَبِیْلَ الرَّشَادِ {۳۸}یٰقَوْمِ اِنَّمَا هٰذِهِ الْحَیٰوةُ الدُّنْیَا مَتَاعٌ وَّاِنَّ الْاٰخِرَةَ هِیَ دَارُ الْقَرَارِ {۳۹}مَنْ عَمِلَ سَیِّئَةً فَلَا یُجْزٰٓی اِلَّا مِثْلَهَا ۚ وَمَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰی وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ یَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ یُرْزَقُوْنَ فِیْهَا بِغَیْرِ حِسَابٍ {۴۰}وَیٰقَوْمِ مَا لِیْٓ اَدْعُوْكُمْ اِلَی النَّجٰوةِ وَتَدْعُوْنَنِیْٓ اِلَی النَّارِ {۴۱} تَدْعُوْنَنِیْ لِاَكْفُرَ بِاللّٰهِ وَاُشْرِكَ بِهٖ مَا لَیْسَ لِیْ بِهٖ عِلْمٌ وَّاَنَا اَدْعُوْكُمْ اِلَی الْعَزِیْزِ الْغَفَّارِ {۴۲}لَا جَرَمَ اَنَّمَا تَدْعُوْنَنِیْٓ اِلَیْهِ لَیْسَ لَهٗ دَعْوَةٌ فِی الدُّنْیَا وَلَا فِی الْاٰخِرَةِ وَاَنَّ مَرَدَّنَآ اِلَی اللّٰهِ وَاَنَّ الْمُسْرِفِیْنَ هُمْ اَصْحٰبُ النَّارِ {۴۳}فَسَتَذْكُرُوْنَ مَآ اَقُوْلُ لَكُمْ ۭ وَاُفَوِّضُ اَمْرِیْٓ اِلَی اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ بَصِیْرٌۢ بِالْعِبَادِ {۴۴}غافر

جواب ترجمہ: اور جو شخص ایمان لے آیا تھا اس نے کہا اے میری قوم! میری بات مانو، میں تمہیں ہدایت کے راستے پر لے جاؤں گا۔ اے میری قوم! یہ دنیوی زندگی تو بس تھوڑا سا مزہ ہے۔ اور یقین جانو کہ آخرت ہی رہنے بسنے کا اصل گھر ہے۔ اور جس شخص نے کوئی برائی کی ہو گی، اسے اسی کے برابر بدلہ دیا جائے گا، اور جس نے نیک کام کیا ہو گا، چاہے وہ مرد ہو یا عورت جبکہ وہ مومن ہو تو ایسے لوگ جنت میں داخل ہوں گے وہاں انہیں بے حساب رزق دیا جائے گا۔ اور اے میری قوم! یہ کیا بات ہے کہ میں تمہیں نجات کی طرف دعوت دے رہا ہوں۔ اور تم مجھے آگ کی طرف بلا رہے ہو۔ تم مجھے یہ دعوت دے رہے ہو کہ اللہ کا انکار کروں، اور اس کے ساتھ ایسی چیزوں کو شریک مانوں جن کے بارے میں مجھے کوئی علم نہیں ہے۔ اور میں تمہیں اس ذات کی طرف بلا رہا ہوں جو بڑی صاحب اقتدار، بہت بخشنے والی ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ جن چیزوں کی طرف تم مجھے بلا رہے ہو، وہ دعوت کے اہل نہیں ہیں، نہ دنیا میں، نہ آخرت میں اور حقیقت یہ ہے کہ ہم سب کو اللہ کی طرف پلٹ کر جانا ہے اور یہ کہ جو لوگ حد سے گذرنے والے ہیں وہ آگ کے باسی ہیں، غرض تم عنقریب میری یہ باتیں یاد کرو

گے جو میں تم سے کہہ رہا ہوں، اور میں اپنا معاملہ اللہ کے سپرد کرتا ہوں۔ یقیناً اللہ سارے بندوں کو خوب دیکھنے والا ہے۔

خلاصہ تفسیر: علامہ قرطبی رحمہ اللہ اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ بعض مفسرین نے ذکر کیا ہے اس آدمی کا نام حبیب تھا، ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا نام شمعان تھا، سہیلی رحمہ اللہ نے کہا: یہ سب سے صحیح قول ہے، تاریخ طبری میں ہے اس کا نام خبرک تھا، ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا نام حزقیل تھا، ثعلبی رحمہ اللہ نے یہ قول حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور اکثر علماء سے ذکر کیا ہے، زمخشری نے کہا: اس کا نام حبیب یا شمعان تھا ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا نام خربیل یا حزبیل تھا۔

یہ اختلاف ہے کہ وہ قبطی تھا یا اسرائیلی تھا، حضرت حسن بصری رحمہ اللہ اور دوسرے علماء نے کہا: یہ قبطی تھا ایک قول یہ کیا گیا ہے، وہ فرعون کا چچازاد تھا یہ سدی رحمہ اللہ کا قول ہے کہا، یہ وہی شخص تھا جو موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ بچا تھا اسی وجہ سے فرمایا: من آل فرعون یہ وہ شخص ہے جو اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں مراد ہے وَجَآءَ رَجُلٌ مِّنْ اَقْصَا الْمَدِيْنَةِ يَسْعٰى (القصص:۲۰) یہ مقاتل کا قول ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا، آل فرعون میں اس کے، فرعون کی بیوی اور جس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ڈرایا تھا کوئی اور ایمان نہیں لایا تھا اس نے کہا تھا: سردار تمہیں قتل کرنے کے مشورے کر رہے ہیں۔ (تفسیر قرطبی)

مؤمن آل فرعون اور فرعونیوں کا انجام

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

فَوَقٰىهُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِ مَا مَكَرُوْا وَحَاقَ بِاٰلِ فِرْعَوْنَ سُوْٓءُ الْعَذَابِ {۴۵} اَلنَّارُ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَّعَشِيًّا ۚ وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ اَدْخِلُوْٓا اٰلَ فِرْعَوْنَ اَشَدَّ الْعَذَابِ {۴۶} غافر

جواب ترجمہ: نتیجہ یہ ہوا کہ ان لوگوں نے جو برے برے منصوبے بنا رکھے تھے، اللہ نے اس (مرد مومن) کو ان سب سے محفوظ رکھا اور فرعون کے لوگوں کو بدترین عذاب نے آگھیرا۔ آگ ہے جس کے سامنے انہیں صبح و شام پیش کیا جاتا ہے اور جس دن قیامت آجائے گی (اس دن حکم ہو گا

کہ) فرعون کے لوگوں کو سخت ترین عذاب میں داخل کر دو۔

خلاصہ تفسیر: اس مرد مومن نے بہت جرأت اور حوصلہ کے ساتھ حق کو بیان کیا اور کسی کے دباؤ میں آئے بغیر اللہ تعالیٰ کی توحید اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نبوت پر دلائل بیان فرمائے اور المومن: ۳۴ میں یہ بیان فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس مرد مومن کو فرعون اور اس کے درباریوں کی سازشوں کے شر سے محفوظ رکھا اور اللہ تعالیٰ اپنے نیک اور مقبول بندوں کی اسی طرح حفاظت فرماتا ہے، فرعون نے اس مرد مومن کو جو عذاب پہنچانا چاہا تھا اللہ تعالیٰ نے اس سے وہ عذاب دور رکھا۔

امام ابن جریر طبری رحمہ اللہ قتادہ رحمہ اللہ سے روایت کرتے ہیں کہ وہ مرد مومن قبطی تھا اور وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ سمندر پار کر گیا اور غرق ہونے سے محفوظ رہا اور فرعون اپنے لشکر سمیت سمندر میں غرق ہو گیا۔ (جامع البیان)

علامہ ابوالحسن علی بن محمد الماوردی رحمہ اللہ نے اس سلسلہ میں دوسرا قول یہ نقل کیا ہے، آل فرعون کا وہ مرد مومن فرعون کے پاس سے بھاگ کر ایک پہاڑ پر گیا اور وہاں نماز پڑھ رہا تھا، فرعون نے اس کی تلاش میں اپنے سپاہیوں کو بھیجا، جس وقت اس کے سپاہی وہاں پہنچے تو وہ مرد مومن نماز میں تھا اور جنگل کے درندے اور وحشی جانور اس پر پہرہ دے رہے تھے، وہ سپاہی ان کے پہرے کی وجہ سے اس کے قریب نہ جا سکے، انہوں نے جا کر فرعون کو اس واقعہ کی خبر دی فرعون ان کی ناکامی کی خبر سن کر غضب ناک ہوا اور اس نے ان سپاہیوں کو قتل کر دیا۔ (النکت والعیون ج ۵ ص ۱۵۹)

امام رازی رحمہ اللہ نے اس آیت کی یہ تفسیر بھی کی ہے کہ فرعون اور اس کے سرداروں نے یہ سازش کی تھی کہ اس مرد مومن کو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے برگشتہ کر کے فرعون کے دین کی طرف لایا جائے مگر اللہ تعالیٰ نے ان کی اس سازش کو ناکام کر دیا اور آل فرعون کا وہ مرد مومن تاحیات اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کے رسول حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نبوت کے عقیدہ پر قائم رہا۔ (تفسیر کبیر ج ۹)

فرعون کے دربار کا رجل مومن پیغمبر نہیں تھا، مگر تنہا ہونے کے باوجود اللہ نے اس کو فرعون کے ظالمانہ منصوبوں سے بچا لیا، اس سے معلوم ہوا کہ غیر انبیاء کو بھی حمایت حق کی وہ نصرت ملتی ہے جس

کا وعدہ انبیاء علیہم السلام سے کیا گیا ہے۔

انسانوں کے اخروی انجام کا باقاعدہ فیصلہ اگرچہ قیامت میں ہو گا، مگر موت کے بعد جب آدمی اگلی دنیا میں داخل ہوتا ہے تو فوراً ہی اس پر کھل جاتا ہے کہ وہ پچھلی دنیا میں کیا کر کے یہاں آیا ہے اور اب اس کے لیے کون سا انجام مقدر ہے۔ اس طرح شعور کی سطح پر وہ موت کے بعد ہی اپنے انجام سے دوچار ہو جاتا ہے اور جسمانی سطح پر وہ قیامت میں خدا کی عدالت قائم ہونے کے بعد اس سے دوچار ہو گا۔ (تذکیر القرآن)

اہم عقائدی مسئلہ: یہ آیت عذابِ قبر کے واضح دلائل میں سے ایک ہے۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ غرق ہونے کے بعد فرعون اور اس کے ساتھیوں کو برزخ میں عذاب دیا جارہا ہے، صبح و شام آگ پر پیش کیے جاتے ہیں، سے مراد قیامت سے پہلے کا عذاب ہے، اس کے بعد "اور جس دن قیامت قائم ہو گی" کے الفاظ بتاتے ہیں کہ قیامت کا عذاب اس برزخی عذاب سے الگ اور زیادہ سخت ہو گا۔

اللہ تعالیٰ نے مومنِ آلِ فرعون کو فرعونیوں کی سازشوں سے محفوظ رکھا، جبکہ فرعون اور اس کے لشکروں کو دنیا میں غرق کر کے ہلاک کر دیا، پھر ان کی موت کے بعد انہیں برزخ میں صبح و شام جہنم کی آگ دکھائی جاتی ہے، جو عذابِ قبر کی واضح دلیل ہے، جب قیامت قائم ہو گی تو فرشتوں کو حکم دیا جائے گا کہ آلِ فرعون کو سخت ترین عذاب میں داخل کریں، اس سے معلوم ہوا کہ کافروں کے لیے بعض اوقات دنیا، برزخ اور آخرت تینوں مراحل میں عذاب مقدر ہوتا ہے، جبکہ اہلِ ایمان کے لیے اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت میں حفاظت اور کامیابی کا سامان فرماتا ہے۔

اہل جہنم کا باہمی جھگڑا، باطل قیادتوں کی بے بسی

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر مطلوب ہے۔

وَاِذْ يَتَحَآجُّوْنَ فِي النَّارِ فَيَقُوْلُ الضُّعَفٰٓؤُا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا كُنَّا لَكُمْ تَبَعًا فَهَلْ اَنْتُمْ مُّغْنُوْنَ عَنَّا نَصِيْبًا مِّنَ النَّارِ {۴۷} قَالَ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا كُلٌّ فِيْهَآ اِنَّ اللّٰهَ قَدْ حَكَمَ بَيْنَ الْعِبَادِ {۴۸} غافر

جواب ترجمہ: اور اس وقت کو یاد کرو جبکہ کافر لوگ دوزخ میں ایک دوسرے سے جھگڑا کریں گے سو جو لوگ کمزور تھے وہ ان لوگوں سے کہیں گے جو بڑے بنے ہوئے تھے بیشک ہم تمہارے تابع تھے تو کیا تم ہم سے آگ کا کوئی حصہ ہٹا سکتے ہو۔ جو لوگ بڑے تھے وہ کہیں گے بیشک ہم سب دوزخ میں ہیں بیشک اللہ نے بندوں کے درمیان فیصلہ فرما دیا۔

خلاصہ تفسیر: ان آیاتِ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے قیامت کے دن جہنم میں ہونے والے ایک نہایت عبرت ناک منظر کو بیان فرمایا ہے، دنیا میں جن لوگوں نے گمراہ رہنماؤں، باطل پیشواؤں اور متکبر سرداروں کی اندھی تقلید کی تھی، وہ جب جہنم کے عذاب میں مبتلا ہوں گے تو اپنے قائدین اور رہنماؤں سے جھگڑا کریں گے، لیکن اس وقت نہ کوئی کسی کی مدد کر سکے گا اور نہ کسی کے عذاب میں کوئی کمی کر سکے گا۔

پیروکاروں کی فریاد: اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جب اہلِ جہنم آپس میں جھگڑ رہے ہوں گے تو کمزور اور تابع لوگ اپنے متکبر سرداروں اور پیشواؤں سے کہیں گے، "ہم دنیا میں تمہارے پیروکار تھے، تمہارے کہنے پر چلتے تھے اور تمہاری گمراہی میں شریک رہے، کیا آج تم اللہ کے عذاب کا کوئی حصہ ہم سے ہٹا سکتے ہو یا اپنے اوپر لے سکتے ہو؟" ان کا مقصد یہ ہو گا کہ جن لوگوں کی بات مان کر وہ گمراہ ہوئے تھے، شاید وہ آج ان کی کچھ مدد کر سکیں یا ان کے عذاب میں کچھ تخفیف کرا سکیں، لیکن یہ محض حسرت اور ناکام امید ہو گی۔

گمراہ قائدین کا جواب: متکبر سردار اور گمراہ رہنما جواب دیں گے، ہم سب اسی آگ میں گرفتار ہیں، نہ ہم اپنے آپ کو بچا سکتے ہیں اور نہ تمہارا کوئی بوجھ اٹھا سکتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے بندوں کے درمیان فیصلہ فرما دیا ہے اور ہر شخص کو اس کے اعمال کے مطابق سزا دی جا رہی ہے، یعنی آج نہ قیادت کام آئے گی، نہ اقتدار، نہ سفارشِ باطل اور نہ دنیاوی تعلقات، ہر شخص اپنے عمل کا خود ذمہ دار ہے اور ہر ایک اپنے جرم کی سزا بھگت رہا ہے۔

اندھی تقلید کا انجام: یہ آیات اس حقیقت کو واضح کرتی ہیں کہ قیامت کے دن کسی گمراہ پیشوا،

سردار یا لیڈر کے پیچھے چلنے کا عذر قبول نہیں ہو گا، اگر کسی نے حق کو پہچاننے کے باوجود محض لوگوں کی خوشنودی، خاندانی رسم و رواج، سیاسی وابستگی یا شخصیت پرستی کی وجہ سے باطل کا ساتھ دیا تو وہ اپنے عمل کا خود جواب دہ ہو گا، اسلام انسان کو عقل، بصیرت اور دلیل کی بنیاد پر حق قبول کرنے کی تعلیم دیتا ہے، نہ کہ اندھی تقلید اور بے سوچے سمجھے پیروی کی۔

معلوم ہوا کہ قیامت کے دن گمراہ رہنما اپنے پیروکاروں کے کسی کام نہیں آئیں گے، ہر انسان اپنے اعمال کا خود ذمہ دار ہے، اندھی تقلید انسان کو ہلاکت تک پہنچا سکتی ہے، دنیاوی اقتدار، قیادت اور شہرت آخرت میں نجات کی ضمانت نہیں، اللہ تعالیٰ کا فیصلہ کامل عدل پر مبنی ہو گا اور ہر شخص کو اس کا پورا بدلہ ملے گا، حق کو پہچاننے کے بعد اس کی پیروی کرنا اور باطل سے بچنا ہر فرد کی اپنی ذمہ داری ہے۔

قیامت کے دن اہلِ جہنم آپس میں جھگڑیں گے، کمزور پیروکار اپنے متکبر رہنماؤں سے کہیں گے کہ ہم دنیا میں تمہارے تابع تھے، کیا آج تم ہمارے عذاب کا کچھ حصہ برداشت کر سکتے ہو؟ لیکن وہ جواب دیں گے کہ ہم خود بھی اسی عذاب میں گرفتار ہیں اور کسی کے لیے کوئی مدد ممکن نہیں، اللہ تعالیٰ نے عدل کے ساتھ فیصلہ فرما دیا ہے اور ہر شخص اپنے اعمال کے مطابق سزا پا رہا ہے، اس منظر میں اندھی تقلید، باطل قیادت اور دنیاوی غرور کے انجام کو نہایت مؤثر انداز میں بیان کیا گیا ہے۔

اہل دوزخ اور دوزخ کے نگرانوں کے درمیان مکالمہ

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ فِي النَّارِ لِخَزَنَةِ جَهَنَّمَ ادْعُوْا رَبَّكُمْ يُخَفِّفْ عَنَّا يَوْمًا مِّنَ الْعَذَابِ {۴۹} قَالُوْٓا اَوَلَمْ تَكُ تَاْتِيْكُمْ رُسُلُكُمْ بِالْبَيِّنٰتِ قَالُوْا بَلٰى قَالُوْا فَادْعُوْا وَمَا دُعٰٓؤُا الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ {۵۰} غافر

جواب ترجمہ: اور یہ سب جو آگ میں پڑے ہوں گے، دوزخ کے نگرانوں سے کہیں گے کہ: اپنے پروردگار سے دعا کرو کہ وہ کسی دن ہم سے عذاب کو ہلکا کر دے۔ وہ کہیں گے کہ کیا تمہارے پاس تمہارے پیغمبر کھلی کھلی نشانیاں لے کر آتے نہیں رہے تھے؟۔ دوزخی جواب دیں گے۔ کہ بیشک

(آتے تورہے تھے) وہ کہیں گے۔ پھر تو تم ہی دعا کرو، اور کافروں کی دعا کا کوئی انجام اکارت جانے کے سوا نہیں ہے۔

خلاصہ تفسیر: دنیا میں تکبر کرنے والے، اللہ کے دین کا استہزا کرنے والے لوگ دوزخ کے نگرانوں سے کہیں گے کہ اپنے رب سے دعا کرو کہ وہ ایک دن ہم سے عذاب ہلکا کر دے تاکہ ہمیں کچھ راحت وآرام مل سکے، جہنم کے فرشتے انہیں ڈانٹتے ہوئے کہیں گے یہ دعا آج تمہیں کچھ نفع نہیں دے گی، کیا تمہارے پاس رسول اللہ تعالیٰ کی طرف سے واضح دلائل کے ساتھ نہیں آئے تھے؟ اس کے بعد تم نے انہیں جھٹلایا تھا، چنانچہ انکار کرنے والے اس کا اعتراف کریں گے۔

اور کہیں گے کہ ہاں! ایسا ہی ہوا تھا، اس کے بعد دوزخ کے نگران ان سے برأت کا اعلان کریں گے، اور انہیں کہیں گے کہ ہم تمہارے لیے دعا نہیں کریں گے، نہ ہی تمہاری سفارش کریں گے، تم خود ہی دعا کرو، اگر تم دعا کروگے بھی تو یہ دعا تمہیں کچھ فائدہ نہیں دے گی، اس لیے کہ تم کافر ہو، اور کافروں کی دعائیں تو ضائع ہی ہو جاتی ہیں، اللہ کی بارگاہ میں انہیں قبول نہیں کیا جاتا اور نہ ہی ان دعاؤں کا اللہ کی طرف سے کوئی جواب دیا جاتا ہے۔

جب دوزخی دیکھیں گے کہ یہاں نہ ان کے شرکاء وشفعاء کام آنے والے بنے اور نہ ان کے لیڈر ہی ان کی کوئی مدد کر سکے تو وہ ہر طرف سے مایوس ہو کر دوزخ کے داروغوں ہی سے التجا کریں گے کہ آپ ہی لوگ اپنے رب سے درخواست کیجیے کہ ہمارے عذاب میں زیادہ نہیں تو ایک ہی دن کی تخفیف کر دی جائے کہ ہم ذرا دم لے لیں۔ وہ جواب دیں گے کہ کیا تم لوگوں کے پاس تمہارے رسول نہایت واضح دلیلیں لے کر نہیں آتے رہے ہیں؟ وہ کہیں گے، ہاں! یہ بات تو ضرور ہے۔ وہ جواب دیں گے، اگر یہ بات ہے تو تم ہی درخواست کرو، ہم تمہارے جیسے لوگوں کے لئے کوئی درخواست نہیں کر سکتے۔

رسولوں اور اہل ایمان کی مدد ونصرت

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ يَقُوْمُ الْاَشْهَادُ {۵۱} يَوْمَ لَا

يَنْفَعُ الظّٰلِمِيْنَ مَعْذِرَتُهُمْ وَلَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوْٓءُ الدَّارِ {۵۲} وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْهُدٰى وَاَوْرَثْنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ الْكِتٰبَ {۵۳} هُدًى وَّذِكْرٰى لِاُولِي الْاَلْبَابِ {۵۴} فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ بِالْعَشِيِّ وَالْاِبْكَارِ {۵۵} غافر

جواب ترجمہ: بلاشبہ ہم اپنے رسولوں کی اور ان لوگوں کی جو ایمان لائے دنیا والی زندگی میں مدد کرتے ہیں اور جس دن گواہی دینے والے کھڑے ہوں گے۔ جس دن ظالموں کو ان کی معذرت کام نہ دے گی اور ان کے لیے لعنت ہے اور ان کے لیے برے گھر میں رہنا ہے۔ اور یہ واقعی بات ہے کہ ہم نے موسیٰ کو ہدایت دی اور بنی اسرائیل کو کتاب کا وارث بنایا۔ یہ کتاب ہدایت اور نصیحت تھی عقل والوں کے لیے۔ سو آپ صبر کیجیے بلاشبہ اللہ کا وعدہ حق ہے اور اپنے گناہ کے لیے استغفار کیجیے اور صبح شام اپنے رب کی تسبیح بیان کیجیے جو حمد کے ساتھ ہو۔

خلاصہ تفسیر: ان آیاتِ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے ایک عظیم سنتِ الٰہیہ کا اعلان فرمایا ہے کہ وہ اپنے رسولوں اور اہلِ ایمان کی ضرور مدد فرماتا ہے، پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو عطا کی گئی ہدایت اور تورات کی وراثت کا ذکر کیا گیا، اور آخر میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو صبر، استغفار اور ذکرِ الٰہی کی تلقین فرمائی گئی۔ یہ آیات ہر دور کے اہلِ ایمان کے لیے تسلی، امید اور استقامت کا عظیم پیغام ہیں۔

اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ يَقُوْمُ الْاَشْهَادُ: اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: بے شک ہم اپنے رسولوں اور ایمان والوں کی ضرور مدد کرتے ہیں، دنیا کی زندگی میں بھی اور اس دن بھی جب گواہ کھڑے ہوں گے، یہ قرآنِ کریم کا ایک مؤکد وعدہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اِنَّا اور لَنَنْصُرُ کے الفاظ کے ذریعے اس نصرت کی قطعی اور یقینی خبر دی ہے۔

نصرت خداوندی مختلف صورتوں میں ظاہر ہوتی ہے، دلائل اور حجت کی برتری کے ذریعے، دشمنوں کے مقابلے میں غلبہ اور فتح کی صورت میں، اہلِ ایمان کے دلوں میں ثبات اور اطمینان پیدا کرکے، دشمنوں کی سازشوں کو ناکام بنا کر اور اگر بعض اہلِ حق ظاہری طور پر شہید

ہو جائیں تب بھی ان کے دین، دعوت اور موقف کو غالب کر کے۔

دنیا میں کئی آنکھوں کو یہ نصرت دکھائی نہیں دیتی، بظاہر پریشان کن صورتحال ہوتی ہے، لیکن قیامت کے دن یہ نصرت کامل صورت میں ظاہر ہو گی، جب انبیاء علیہم السلام، فرشتے اور اہلِ ایمان حق کی گواہی دیں گے اور اللہ تعالیٰ اپنے نیک بندوں کو جنت میں داخل فرمائے گا جبکہ ان کے مخالفین جہنم کے عذاب میں مبتلا ہوں گے۔

قرآنِ کریم میں نصرتِ الٰہی کا ذکر: قرآنِ کریم میں کئی مقامات پر نصرت خداوندی کا ذکر آیا ہے، ایک تو اسی آیت میں جہاں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ① إِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِينَ آمَنُوا (غافر: ۵۱) یقین جانیے کہ ہم اپنے رسولوں کی اور اہل ایمان کی اس دنیا میں بھی مدد کرتے ہیں اور اُس دن بھی کریں گے جس دن گواہی دینے والے کھڑے ہوں گے۔

② دوسرے مقام پر اِرشاد ربانی ہے کہ كَتَبَ اللهُ لَأَغْلِبَنَّ أَنَا وَرُسُلِي (المجادلۃ: ۲۱) اللہ نے لکھ دیا ہے کہ میں اور میرے رسول ضرور غالب رہیں گے، اس آیت میں غلبۂ حق کے وعدے کو غیر معمولی تاکید کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ پہلے كَتَبَ ماضی کے صیغے سے اس فیصلے کو ازل میں لکھا ہوا اور قطعی قرار دیا گیا، پھر لَأَغْلِبَنَّ میں لامِ تاکید اور نونِ تاکیدِ ثقیلہ جمع کر کے اس وعدے کی حتمیت کو مزید مضبوط کیا گیا، گویا قرآنِ کریم یہ اعلان کر رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں کا غلبہ کوئی احتمالی امر نہیں بلکہ ایک اٹل اور نافذ شدہ قانونِ الٰہی ہے، اگر کسی دور میں اہلِ حق کو وقتی آزمائشوں، کمزوریوں یا ظاہری مغلوبیت کا سامنا ہو تو بھی انجامِ کار غلبہ، بقا اور سربلندی حق ہی کے لیے مقدر ہے، کیونکہ یہ وعدہ قوی اور عزیز رب کا لکھا ہوا فیصلہ ہے جس میں کبھی تخلف نہیں ہو سکتا۔

③ ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِينَ ○ إِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُورُونَ ○ وَإِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغَالِبُونَ (الصافات: ۱۷۱-۱۷۳) اور یقیناً ہمارا فیصلہ ہمارے رسول بندوں کے حق میں پہلے ہی صادر ہو چکا ہے کہ بے شک وہی ضرور مدد دیے جائیں گے، اور یقیناً ہمارا لشکر ہی لازماً غالب رہنے والا ہے، سورۂ صافات کی ان آیات میں نصرتِ رسل اور غلبۂ اہلِ

ایمان کے مضمون کو غیر معمولی تاکیدات کے ساتھ بیان کیا گیا ہے، لَقَدْ میں لامِ تاکید اور قدِ تحقیق، سَبَقَتْ ماضی کے صیغے، پھر إِنَّهُمْ اور وَإِنَّ جُنْدَنَا میں حرفِ تاکید إنّ، اور لَهُمُ الْمَنْصُورُونَ اور لَهُمُ الْغَالِبُونَ میں لامِ تاکید اور اسمیہ اسلوب، یہ سب اس حقیقت پر دلالت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسولوں اور اہلِ ایمان کی مدد محض ایک وعدہ نہیں بلکہ ایک اٹل قانون اور قطعی فیصلہ ہے، وقتی آزمائشیں اور ظاہری مشکلات اس سنتِ الٰہیہ کے منافی نہیں، کیونکہ انجامِ کار حق ہی کو غلبہ اور باطل ہی کو شکست مقدر ہے۔

④ ایک اور مقام پر دینداروں، دین کے خدمت گاروں، دین کے علمبرداروں کے لیے دوخوشخبری دی گئی ہیں، ارشادِ ربانی ہے إِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ أَقْدَامَكُمْ (محمد ۷) اگر تم اللہ کے دین کی مدد کروگے تو اللہ تمہاری مدد کرے گا اور تمہارے قدم جمادے گا۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے نصرتِ الٰہی کا ایک عظیم اصول بیان فرمایا ہے۔ "اللہ کی مدد" سے مراد اس کی ذات کی مدد نہیں، کیونکہ وہ ہر قسم کی احتیاج سے پاک ہے، بلکہ اس کے دین، شریعت اور پیغامِ حق کی نصرت مراد ہے، آیت میں بندوں کے عمل اور اللہ کی مدد کے درمیان براہِ راست تعلق قائم کیا گیا ہے، جو قوم یا فرد دینِ الٰہی کی حمایت اور سربلندی کے لیے کھڑا ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے لیے غیبی اسباب پیدا فرماتا، اس کی مدد کرتا اور اسے استقامت عطا فرماتا ہے، خصوصاً وَيُثَبِّتْ أَقْدَامَكُمْ کے الفاظ اس حقیقت کو واضح کرتے ہیں کہ اللہ کی سب سے بڑی مدد صرف ظاہری فتح نہیں بلکہ حق پر ثابت قدمی، فتنوں میں استقامت اور آزمائشوں میں مضبوطی ہے، کیونکہ یہی استقامت بالآخر دنیا و آخرت کی کامیابی کا ذریعہ بنتی ہے۔

ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ نصرتِ الٰہی ایک اٹل سنت ہے، البتہ اس کا ظہور اللہ کی حکمت اور مصلحت کے مطابق مختلف صورتوں میں ہوتا ہے، مزید محنت اور کوشش سے بہت سی آیات اور احادیث کا ذخیرہ اس پر پیش کیا جاسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مدد آتی ہے اور کیسے آتی ہے۔

يَوْمَ لَا يَنْفَعُ الظّٰلِمِينَ مَعْذِرَتُهُمْ وَلَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوْٓءُ الدَّارِ : قیامت کے دن

ظالموں کے پاس کوئی عذر کار گر نہ ہو گا، دنیا میں وہ جو تاویلات، بہانے اور جھوٹے دلائل پیش کرتے تھے، اس دن ان میں سے کوئی چیز انہیں فائدہ نہیں دے سکے گی، ان کے لیے اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دوری، اس کی لعنت اور آخرت کا بدترین ٹھکانہ ہو گا، کیونکہ انہوں نے جان بوجھ کر حق کا انکار کیا اور ظلم و سرکشی کا راستہ اختیار کیا تھا۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْهُدٰى وَاَوْرَثْنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ الْكِتٰبَ : اللہ تعالیٰ رسول اکرم ﷺ کو تسلی دیتے ہوئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر فرماتے ہیں کہ جس طرح انہیں مخالفتوں کا سامنا کرنا پڑا، اسی طرح آپ بھی آزمائشوں سے گزر رہے ہیں، فرمایا کہ ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو ہدایت عطا فرمائی اور بنی اسرائیل کو تورات کا وارث بنایا، یہ کتاب نسل در نسل ان میں منتقل ہوتی رہی۔

هُدًى وَّذِكْرٰى لِاُولِي الْاَلْبَابِ : تورات کا مقصد بھی وہی تھا جو تمام آسمانی کتابوں کا مقصد ہے، حق کی رہنمائی، ہدایت کا راستہ واضح کرنا اور عقل مند لوگوں کو نصیحت اور یاد دہانی فراہم کرنا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آسمانی کتابیں صرف تلاوت کے لیے نہیں بلکہ زندگی کی رہنمائی اور اصلاح کے لیے نازل کی جاتی ہیں، یوں کہہ لیجیے کہ انسانوں کو بنانے والے، پیدا کرنے والے، عدم سے وجود میں لانے والے، انسانی گاڑی کو زمین پر رواں دواں رکھنے اور اس کے لیے اصول وضابطہ حیات کے طور پر آسمانی کتابیں پیغمبروں کو دی جاتی ہیں۔

جن لوگوں نے رسولوں اور نبیوں کو تسلیم کیا، ان پر ایمان لائے، ان کی کتابوں کو مانا اور ان پر عمل پیرا ہوئے، انہیں کامیاب، کامران اور فائز المرام قرار دیا گیا، انہیں ہدایت یافتہ کہا گیا، انہیں اہل عقل وخرد کہا گیا، انہیں جنت کی بشارت دی گئی، انہیں اللہ کا مقرب وبرگزیدہ بندہ کہا گیا۔

فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ : پچھلے مضامین کے نتیجے میں رسول اللہ ﷺ کو حکم دیا گیا: پس آپ صبر کیجیے، یقیناً اللہ کا وعدہ سچا ہے، یعنی کفار کی تکذیب، مخالفت اور اذیتوں سے دل تنگ نہ کیجیے، کیونکہ انجامِ کار کامیابی اور غلبہ حق ہی کا ہو گا۔ اس کے ساتھ استغفار کا حکم دیا گیا:

وَّاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ: اور اپنے رب سے اپنی لغزش پر مغفرت طلب کیجیے، استغفار انبیائے کرام علیہم السلام

کی سنت، قربِ الٰہی کا ذریعہ اور درجات کی بلندی کا سبب ہے، اگرچہ انبیاء علیہم السلام گناہوں سے محفوظ ہوتے ہیں، لیکن ان کا استغفار تواضع، عبودیت اور امت کی تعلیم کے لیے ہوتا ہے، اہل سنت والجماعت کے عقیدہ میں انبیاء کرام علیہم السلام معصوم ہوتے ہیں، ان سے چھوٹا اور بڑا گناہ سرزد نہیں ہوتا، اس پر ہم گزشتہ اوراق میں تفصیل سے تحریر کر چکے ہیں۔ پھر فرمایا:

وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ بِالْعَشِيِّ وَالْإِبْكَارِ : اور صبح و شام اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح کیجیے، یعنی ہر حال میں اللہ تعالیٰ کی پاکی اور حمد بیان کرتے رہیں، کیونکہ ذکرِ الٰہی دلوں کو قوت، صبر اور اطمینان عطا کرتا ہے۔

معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی نصرت رسولوں اور اہلِ ایمان کے لیے ایک قطعی وعدہ ہے، حق کی کامیابی ہمیشہ ظاہری غلبے ہی کی صورت میں نہیں بلکہ حجت، دعوت اور انجامِ خیر کی صورت میں بھی ہوتی ہے، قیامت کے دن ظالموں کے تمام عذر باطل ثابت ہو جائیں گے، آسمانی کتابوں کا مقصد انسانوں کو ہدایت اور نصیحت فراہم کرنا ہے، مشکلات اور مخالفتوں کے وقت صبر مومن کا سب سے بڑا ہتھیار ہے، استغفار بندے کے ایمان، اخلاص اور قربِ الٰہی میں اضافہ کرتا ہے، صبح و شام اللہ کا ذکر اور تسبیح دلوں کے اطمینان اور استقامت کا ذریعہ ہے، تاریخِ انبیاء علیہم السلام اس بات کی گواہ ہے کہ حق وقتی آزمائشوں کے باوجود بالآخر کامیاب ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں اپنے رسولوں اور اہلِ ایمان کے لیے دنیا و آخرت میں نصرت کا یقینی وعدہ فرمایا ہے، قیامت کے دن اہلِ حق سرخرو اور اہلِ باطل رسوا ہوں گے، حضرت موسیٰ علیہ السلام اور تورات کا ذکر کر کے بتایا گیا کہ ہدایت کا سلسلہ ہمیشہ جاری رہا ہے، آخر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو صبر، استغفار اور تسبیح کی تلقین کی گئی، تاکہ آپ اور آپ کی امت جان لے کہ اللہ تعالیٰ کی مدد، ذکرِ الٰہی اور ثابت قدمی ہی کامیابی کا حقیقی راستہ ہیں۔

استغفار کی اہمیت کا اسی بات سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے چنیدہ و پسندیدہ لوگوں کو حکم دیا کہ وہ اپنی لغزشوں اور قصوروں پر اللہ تعالیٰ سے بخشش طلب کریں۔

حقیقت تکبر، دلائل بعث، قبولیت دعا، توحید ربوبیت والوہیت

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

اِنَّ الَّذِیۡنَ یُجَادِلُوۡنَ فِیۡۤ اٰیٰتِ اللّٰہِ بِغَیۡرِ سُلۡطٰنٍ اَتٰىہُمۡ ۙ اِنۡ فِیۡ صُدُوۡرِہِمۡ اِلَّا کِبۡرٌ مَّا ہُمۡ بِبَالِغِیۡہِ ۚ فَاسۡتَعِذۡ بِاللّٰہِ ؕ اِنَّہٗ ہُوَ السَّمِیۡعُ الۡبَصِیۡرُ {۵۶} لَخَلۡقُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ اَکۡبَرُ مِنۡ خَلۡقِ النَّاسِ وَلٰکِنَّ اَکۡثَرَ النَّاسِ لَا یَعۡلَمُوۡنَ {۵۷} وَمَا یَسۡتَوِی الۡاَعۡمٰی وَالۡبَصِیۡرُ ۙ وَالَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَلَا الۡمُسِیۡٓءُ ؕ قَلِیۡلًا مَّا تَتَذَکَّرُوۡنَ {۵۸} اِنَّ السَّاعَۃَ لَاٰتِیَۃٌ لَّا رَیۡبَ فِیۡہَا وَلٰکِنَّ اَکۡثَرَ النَّاسِ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ {۵۹} وَقَالَ رَبُّکُمُ ادۡعُوۡنِیۡۤ اَسۡتَجِبۡ لَکُمۡ ؕ اِنَّ الَّذِیۡنَ یَسۡتَکۡبِرُوۡنَ عَنۡ عِبَادَتِیۡ سَیَدۡخُلُوۡنَ جَہَنَّمَ دٰخِرِیۡنَ {۶۰} اَللّٰہُ الَّذِیۡ جَعَلَ لَکُمُ الَّیۡلَ لِتَسۡکُنُوۡا فِیۡہِ وَالنَّہَارَ مُبۡصِرًا ؕ اِنَّ اللّٰہَ لَذُوۡ فَضۡلٍ عَلَی النَّاسِ وَلٰکِنَّ اَکۡثَرَ النَّاسِ لَا یَشۡکُرُوۡنَ {۶۱} ذٰلِکُمُ اللّٰہُ رَبُّکُمۡ خَالِقُ کُلِّ شَیۡءٍ ۫ لَاۤ اِلٰہَ اِلَّا ہُوَ ۚ فَاَنّٰی تُؤۡفَکُوۡنَ {۶۲} کَذٰلِکَ یُؤۡفَکُ الَّذِیۡنَ کَانُوۡا بِاٰیٰتِ اللّٰہِ یَجۡحَدُوۡنَ {۶۳} اَللّٰہُ الَّذِیۡ جَعَلَ لَکُمُ الۡاَرۡضَ قَرَارًا وَّالسَّمَآءَ بِنَآءً وَّصَوَّرَکُمۡ فَاَحۡسَنَ صُوَرَکُمۡ وَرَزَقَکُمۡ مِّنَ الطَّیِّبٰتِ ؕ ذٰلِکُمُ اللّٰہُ رَبُّکُمۡ ۚ فَتَبٰرَکَ اللّٰہُ رَبُّ الۡعٰلَمِیۡنَ {۶۴} ہُوَ الۡحَیُّ لَاۤ اِلٰہَ اِلَّا ہُوَ فَادۡعُوۡہُ مُخۡلِصِیۡنَ لَہُ الدِّیۡنَ ؕ اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ {۶۵} غافر

جواب ترجمہ: بلاشبہ جو لوگ اللہ کی آیت کے بارے میں جھگڑا کرتے ہیں بغیر دلیل کے جو ان کے پاس آئی ہو ان کے سینوں میں تکبر ہی ہے وہ کبھی بھی اس تک پہنچنے والے نہیں، سو آپ اللہ سے پناہ طلب کیجیے بلاشبہ وہ سننے والا ہے دیکھنے والا ہے۔ البتہ آسمانوں کا اور زمین کا پیدا فرمانا لوگوں کے پیدا کرنے سے زیادہ بڑی بات ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔ اور برابر نہیں نابینا اور دیکھنے والا اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور نیک عمل کیے برے لوگوں کے برابر نہیں ہیں، لوگ کم نصیحت حاصل کرتے ہیں۔ بلاشبہ قیامت ضرور آنے والی ہے اور لیکن بہت سے لوگ ایمان نہیں لاتے۔ اور تمہارے رب نے فرمایا کہ تم مجھے پکارو میں تمہاری دعا قبول کروں گا بلاشبہ جو لوگ میری عبادت سے تکبر کرتے ہیں

عنقریب بحالت ذلت جہنم میں داخل ہوں گے۔ اللہ وہی ہے جس نے رات کو پیدا فرمایا، تاکہ تم اس میں آرام کرو اور دن کو ایسی چیز بنائی جس میں دیکھتے بھالتے ہیں، بلاشبہ اللہ لوگوں پر فضل فرمانے والا ہے اور لیکن اکثر لوگ شکر ادا نہیں کرتے۔ یہ اللہ ہے تمہارا رب ہے ہر چیز کا پیدا فرمانے والا ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں سو تم کہاں الٹ کر جا رہے ہو۔ اسی طرح الٹے چلائے جاتے ہیں وہ لوگ جو ہماری آیات کا انکار کرتے ہیں۔ اللہ وہ ہے جس نے زمین کو تمہارے لیے ٹھہری ہوئی چیز بنا دیا اور آسمان کو چھت بنا دیا اور تمہاری صورتیں بنائیں سو تمہاری اچھی صورتیں بنا دیں اور تمہیں پاکیزہ چیزوں سے رزق دیا یہ اللہ ہے تمہارا رب ہے۔ سو بابرکت ہے اللہ جو رب العلمین ہے۔ وہ زندہ ہے کوئی معبود نہیں اس کے سوا تم اسے پکارو اس طرح سے کہ خالص اس کی فرمان برداری کرنے والے ہو سب تعریف ہے اللہ کے لیے جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔

خلاصہ تفسیر: ان آیاتِ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے منکرین کے باطل جدال کی اصل وجہ بیان فرمائی، پھر قیامت اور بعث بعد الموت کے عقلی دلائل ذکر کیے، دعا اور عبادت کی اہمیت واضح کی اور اپنی ربوبیت، قدرت اور نعمتوں کا تذکرہ کرکے توحیدِ خالص کی دعوت دی، یہ آیات عقیدۂ توحید، عقیدۂ آخرت اور بندگیِ الٰہی کے بنیادی اصولوں کو نہایت مؤثر انداز میں بیان کرتی ہیں، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ

اِنَّ الَّذِیۡنَ یُجَادِلُوۡنَ فِیۡۤ اٰیٰتِ اللّٰہِ بِغَیۡرِ سُلۡطٰنٍ اَتٰىہُمۡ: جو لوگ اللہ کی آیات میں بغیر کسی دلیل اور حجت کے جھگڑا کرتے ہیں۔

اِنۡ فِیۡ صُدُوۡرِہِمۡ اِلَّا کِبۡرٌ مَّا ہُمۡ بِبَالِغِیۡہِ: ان کے اس رویے کی اصل وجہ حق کی تلاش نہیں بلکہ دلوں میں چھپا ہوا تکبر اور بڑائی کا جذبہ ہے، وہ چاہتے ہیں کہ حق کو دبائیں، خود برتر بنیں اور لوگوں پر اپنی بات منوائیں، لیکن وہ اپنے مقصد میں کبھی کامیاب نہیں ہو سکتے۔

فَاسۡتَعِذۡ بِاللّٰہِ ؕ اِنَّہٗ ہُوَ السَّمِیۡعُ الۡبَصِیۡرُ: یہ آیت بتاتی ہے کہ بہت سے فکری اور اعتقادی انحرافات کا سرچشمہ علمی کمزوری نہیں بلکہ اخلاقی بیماری، یعنی تکبر ہوتا ہے، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے

رسول اکرم ﷺ کو حکم دیا کہ ایسے لوگوں کے شر سے اللہ کی پناہ طلب کیجیے، کیونکہ وہی سب کچھ سننے والا اور سب کچھ دیکھنے والا ہے۔

لَخَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَكْبَرُ مِنْ خَلْقِ النَّاسِ: منکرینِ قیامت کو مخاطب کرکے فرمایا کہ آسمانوں اور زمین کی تخلیق انسانوں کی تخلیق سے کہیں زیادہ عظیم اور حیرت انگیز ہے، جب اللہ تعالیٰ نے اتنی وسیع کائنات کو پیدا کر دیا تو انسانوں کو دوبارہ زندہ کرنا اس کے لیے کیوں کر مشکل ہو سکتا ہے؟ جب اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں منکرین کے جدال کو بے دلیل قرار دیا تو فوراً اس کے مقابلے میں ایک روشن عقلی دلیل پیش فرمائی، اس دلیل کی بنیاد یہ ہے کہ استدلال کی صحیح صورت یہ ہے کہ جب کوئی ذات ایک عظیم تر اور زیادہ کامل کام پر قادر ہو تو اس کا کم تر اور آسان کام پر قادر ہونا بدرجۂ اولیٰ ثابت ہوتا ہے، اس جو اللہ تعالیٰ اس عظیم کائنات، آسمانوں اور زمین کو پیدا کرنے پر قادر ہے، اس کے لیے انسان کو مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کرنا کیسے ناممکن ہو سکتا ہے؟ یہ ایسی واضح اور قوی برہان ہے جس میں کسی صاحبِ عقل کو شک نہیں ہو سکتا۔

وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ: مزید تعجب کی بات یہ ہے کہ کفار خود بھی اس بات کو تسلیم کرتے تھے کہ آسمانوں اور زمین کا خالق اللہ ہی ہے اور یہ بھی مانتے تھے کہ ان کی تخلیق انسان کی تخلیق سے کہیں زیادہ عظیم ہے، پھر بھی وہ حشر و نشر کا انکار کرتے تھے، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ان کا انکار کسی علمی شبہے یا عقلی دلیل کی بنا پر نہیں تھا بلکہ حسد، جہالت، تکبر اور اندھی تقلید کا نتیجہ تھا۔

وَمَا يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَلَا الْمُسِيْٓءُ: جس طرح اندھا اور بینا برابر نہیں ہو سکتے، اسی طرح مومن اور کافر بھی برابر نہیں ہو سکتے، ایک شخص ایمان، اطاعت اور نیک اعمال کی روش اختیار کرتا ہے، جبکہ دوسرا کفر، گمراہی اور نافرمانی میں زندگی گزارتا ہے، دونوں کے انجام، مرتبے اور جزا کیسے برابر ہو سکتے ہیں؟

قَلِيْلًا مَّا تَتَذَكَّرُوْنَ: تم تو ان حقائق میں غور و فکر کی زحمت ہی گوارا نہیں کرتے اگر تم سوچ بچار کرکے تھوڑی سی تکلیف بھی برداشت کرو تو یہ حقائق کھل کر تمہارے سامنے آجائیں، بہت

تھوڑے لوگ ایسے ہیں جو شبانہ روزان حقائق پر غور و فکر کرتے ہیں، قدرت کی کاریگری پر نگاہ رکھتے ہیں، قدرت کی صناعی کو بنظر غور دیکھتے ہیں، ان کی زبانوں پر سبحان اللہ کے نغمے گونجتے ہیں، بہت ہی کم لوگ ہیں جو رب العالمین کی بوقلمونیوں پر توجہ اور دھیان دیتے ہیں۔

یہ آیت عدلِ الٰہی کی دلیل بھی ہے، کیونکہ اگر آخرت نہ ہو تو نیک و بد سب برابر ہو جائیں، جبکہ اللہ تعالیٰ کا عدل اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ ہر شخص کو اس کے عمل کے مطابق بدلہ دیا جائے۔

اِنَّ السَّاعَةَ لَاٰتِيَةٌ لَّا رَيْبَ فِيْهَا: اللہ تعالیٰ نے نہایت قطعی انداز میں فرمایا، بے شک قیامت آنے والی ہے، اس میں کوئی شک نہیں، قیامت کوئی گمان یا احتمال نہیں بلکہ ایک یقینی حقیقت ہے۔

وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُوْنَ: مگر اکثر لوگ اس پر ایمان نہیں رکھتے، اسی لیے وہ اس دن کی تیاری سے غافل رہتے ہیں، قرآنِ کریم میں قیامت کے بارے میں بار بار یہی اسلوب اختیار کیا گیا ہے تاکہ انسان اپنی ذمہ داریوں کو سمجھے اور انجامِ کار کو فراموش نہ کرے۔

وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِيْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ: اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں، مجھے پکارو، میں تمہاری دعا قبول کروں گا، یہ آیت دعا کی عظمت اور اللہ تعالیٰ کی رحمت کا عظیم اعلان ہے، بندے کو براہِ راست اپنے رب کے دروازے پر آنے کی دعوت دی جارہی ہے۔ پھر فرمایا:

اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِيْ سَيَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دٰخِرِيْنَ: جو لوگ میری عبادت سے تکبر کرتے ہیں، وہ عنقریب ذلیل و خوار ہو کر جہنم میں داخل ہوں گے، اس سے معلوم ہوا کہ دعا محض ایک درخواست نہیں بلکہ عبادت کی ایک عظیم صورت ہے، جو شخص اللہ سے مانگنے کو اپنی شان کے خلاف سمجھتا ہے، وہ درحقیقت تکبر کا شکار ہے۔

اَللّٰهُ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا: اللہ تعالیٰ نے انسان کی راحت اور ضرورت کو سامنے رکھتے ہوئے رات اور دن کا نظام قائم فرمایا، رات کو سکون، آرام اور استراحت کا وقت بنایا، جبکہ دن کو کسبِ معاش، محنت اور دیگر ضروری کاموں کے لیے روشن بنایا۔

اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُوْنَ: یہ نظام اللہ تعالیٰ کی حکمت،

رحمت اور ربوبیت کا روشن ثبوت ہے، اس کے باوجود اکثر لوگ ان نعمتوں کا شکر ادا نہیں کرتے۔

ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ : اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہی ذات جس نے تمہیں بے شمار نعمتیں عطا کیں، ہر چیز کو پیدا کرنے والی ذات ہے، جب پیدا کرنے والا صرف اللہ ہے تو عبادت کا حق بھی صرف اسی کو حاصل ہے۔ پھر تعجب کے انداز میں فرمایا:

فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ تم کہاں بہکے جارہے ہو؟ یعنی اتنی واضح حقیقتوں کے باوجود لوگ غیر اللہ کی عبادت کی طرف کیسے مائل ہو جاتے ہیں؟ یہ قرآنِ کریم کا معروف استدلال ہے کہ جب رب، خالق، رازق اور مدبر صرف اللہ ہے تو معبود بھی صرف وہی ہونا چاہیے۔

كَذٰلِكَ يُؤْفَكُ الَّذِيْنَ كَانُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ : اے لوگو! جس طرح تم ہٹ گئے اور تم نے حق سے باطل کی طرف رخ موڑ لیا اور ہدایت کی جگہ گمراہی کو اپنالیا، اسی طرح تم سے پہلی امتیں اللہ تعالیٰ کی آیات سے ہٹ گئیں یعنی انہوں نے دلائل حق کی تکذیب کی اور وہ ایمان نہ لائے، اے گروہ قریش! تم نے ان کی راہ اختیار کی اور گمراہی میں انہی کے طرز عمل کو اپنالیا۔ (طبری)

اَللّٰهُ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ قَرَارًا وَّالسَّمَآءَ بِنَآءً : اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی متعدد نعمتوں کا ذکر فرمایا، زمین کو رہنے کے قابل بنایا، آسمان کو محفوظ چھت کی طرح قائم فرمایا۔

وَصَوَّرَكُمْ فَاَحْسَنَ صُوَرَكُمْ : انسان کو بہترین صورت میں پیدا کیا۔

وَرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ : پاکیزہ اور حلال رزق عطا فرمایا۔ پھر فرمایا:

ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ : آسمانوں کو بلندی و رفعت دینے والا، تہہ بہ تہہ بنانے والا، بغیر ستونوں کے بنانے والا، بغیر کسی کی مدد کے بنانے والا، بغیر کسی ماڈل وڈیزائن کے آسمان کو وجود دینے والا، زمین کو بچھانے والا، اس میں انواع واقسام کی چیزوں کے خزانے رکھنے والا، انسانوں کو صورتیں اور شکلیں، حسن وجمال، ترقی وکمال دینے والا، زمین کی سبزیوں، ترکاریوں، غلوں، میووں اور انواع واقسام کے مشروبات ومطعومات سے رزق عطا کرنے والا یہی بیش بہا خوبیوں اور صفات کا مالک اللہ ہے جو تمہارے پروردگار ہے۔

فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ : پس بہت بابرکت ہے اللہ جو تمام جہانوں کا رب ہے، یعنی یہ تمام نعمتیں اسی ربِ کائنات کی ربوبیت، قدرت اور رحمت کی روشن نشانیاں ہیں۔

هُوَ الْحَيُّ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ : اللہ تعالیٰ نے اپنی صفتِ حیات کا ذکر فرمایا، وہی زندہ ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، تمام مخلوقات فنا ہونے والی ہیں، مگر اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے زندہ ہے اور ہمیشہ زندہ رہے گا، اسی لیے حکم دیا:

فَادْعُوْهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ : پس خالص اسی کو پکارو، دین کو اسی کے لیے خالص کرتے ہوئے، یعنی دعا، عبادت، امید، خوف، محبت، توکل اور استعانت سب صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہونی چاہیے۔ آخر میں فرمایا:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ : تمام تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں جو تمام جہانوں کا رب ہے، معلوم ہوا کہ حق کے انکار کی سب سے بڑی وجہ اکثر تکبر اور خواہشِ نفس ہوتی ہے، آسمانوں اور زمین کی تخلیق قیامت کے امکان پر ایک عظیم عقلی دلیل ہے، مومن اور کافر، نیک اور بدکار دنیا و آخرت میں برابر نہیں ہوسکتے، قیامت کا آنا یقینی ہے اور اس کی تیاری ہر انسان پر لازم ہے، دعا عبادت کی روح اور بندگی کا عظیم مظہر ہے، رات اور دن کا نظام اللہ تعالیٰ کی حکمت اور رحمت کی نشانی ہے، خالق، رازق اور مدبر صرف اللہ ہے، اس لیے عبادت بھی صرف اسی کا حق ہے، انسان کی تخلیق، رزق اور کائنات کا نظام توحید کی روشن دلیلیں ہیں، اللہ تعالیٰ ہی حقیقی زندہ اور ہمیشہ باقی رہنے والی ذات ہے، لہٰذا اسی پر کامل بھروسا اور اسی سے دعا کرنی چاہیے۔

دُونِ اللہ کی عبادت، آیات قرآنیہ سے مجادلہ، کتاب کی تکذیب، انجام منکرین

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

قُلْ اِنِّيْ نُهِيْتُ اَنْ اَعْبُدَ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَمَّا جَآءَنِيَ الْبَيِّنٰتُ مِنْ رَّبِّيْ وَاُمِرْتُ اَنْ اُسْلِمَ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ {٦٦} هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ يُخْرِجُكُمْ طِفْلًا ثُمَّ لِتَبْلُغُوْٓا اَشُدَّكُمْ ثُمَّ لِتَكُوْنُوْا شُيُوْخًا ۚ وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّتَوَفّٰى مِنْ قَبْلُ وَلِتَبْلُغُوْٓا اَجَلًا مُّسَمًّى وَّلَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ {٦٧} هُوَ الَّذِيْ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ فَاِذَا قَضٰٓى

اَمۡرًا فَاِنَّمَا يَقُوۡلُ لَهٗ كُنۡ فَيَكُوۡنُ{۶۸}اَلَمۡ تَرَ اِلَى الَّذِيۡنَ يُجَادِلُوۡنَ فِىۡۤ اٰيٰتِ اللّٰهِ اَنّٰى يُصۡرَفُوۡنَ {۶۹}الَّذِيۡنَ كَذَّبُوۡا بِالۡكِتٰبِ وَبِمَاۤ اَرۡسَلۡنَا بِهٖ رُسُلَنَا فَسَوۡفَ يَعۡلَمُوۡنَ {۷۰} اِذِ الۡاَغۡلٰلُ فِىۡۤ اَعۡنَاقِهِمۡ وَالسَّلٰسِلُ يُسۡحَبُوۡنَ{۷۱}فِى الۡحَمِيۡمِ ۙ ثُمَّ فِى النَّارِ يُسۡجَرُوۡنَ {۷۲}ثُمَّ قِيۡلَ لَهُمۡ اَيۡنَ مَا كُنۡتُمۡ تُشۡرِكُوۡنَ{۷۳}مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ قَالُوۡا ضَلُّوۡا عَنَّا بَلۡ لَّمۡ نَكُنۡ نَّدۡعُوۡا مِنۡ قَبۡلُ شَيۡـًٔا ؕ كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ الۡكٰفِرِيۡنَ{۷۴}ذٰلِكُمۡ بِمَا كُنۡتُمۡ تَفۡرَحُوۡنَ فِى الۡاَرۡضِ بِغَيۡرِ الۡحَقِّ وَبِمَا كُنۡتُمۡ تَمۡرَحُوۡنَ{۷۵}اُدۡخُلُوۡۤا اَبۡوَابَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيۡنَ فِيۡهَا ؕ فَبِئۡسَ مَثۡوَى الۡمُتَكَبِّرِيۡنَ{۷۶}فَاصۡبِرۡ اِنَّ وَعۡدَ اللّٰهِ حَقٌّ ۚ فَاِمَّا نُرِيَنَّكَ بَعۡضَ الَّذِىۡ نَعِدُهُمۡ اَوۡ نَتَوَفَّيَنَّكَ فَاِلَيۡنَا يُرۡجَعُوۡنَ{۷۷}غافر

سوال ترجمہ: آپ فرما دیجیے بلاشبہ میں اس سے منع کیا گیا کہ ان کی عبادت کروں جن کی اللہ کو چھوڑ کر تم عبادت کرتے ہو جبکہ میرے رب کی طرف سے میرے پاس واضح نشانیاں آچکی ہیں مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں رب العالمین ہی کا فرمان بردار بنوں۔ اللہ وہ ہے جس نے تمہیں مٹی سے پھر نطفہ سے پھر جمے ہوئے خون سے پیدا فرمایا پھر تمہیں اس حالت میں نکالتا ہے کہ تم بچے ہوتے ہو پھر تاکہ اپنی طاقت کو پہنچ جاؤ تاکہ تم بوڑھے ہو جاؤ اور تم میں سے بعض کو اس سے پہلے اٹھالیتا ہے اور تاکہ تم مقررہ مدت کو پہنچ جاؤ اور تاکہ تم سمجھ حاصل کرو۔ اللہ وہی ہے جو زندہ فرماتا ہے اور موت دیتا ہے پھر جب وہ کسی حکم کا فیصلہ فرماتا ہے تو یہی فرما دیتا ہے کہ ہو جا تو وہ ہو جاتا ہے۔

اے مخاطب کیا تو نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو اللہ کی آیات میں جھگڑا کرتے ہیں کہاں الٹے پھرے جا رہے ہیں۔ وہ لوگ جنہوں نے اس کتاب کو جھٹلایا اور اس چیز کو جھٹلایا جس کو ہم نے رسولوں کے واسطہ سے بھیجا سو عنقریب وہ لوگ جان لیں گے۔ جبکہ ان کی گردنوں میں طوق ہوں گے اور زنجیریں ہوں گی وہ گھسیٹے جائیں گے۔ گرم پانی میں پھر ان کو دوزخ میں جھونک دیا جائے گا۔ پھر ان سے کہا جائے گا کہ وہ معبود غیر اللہ کہاں گئے جنہیں تم شریک بناتے تھے۔ وہ جواب دیں گے کہ وہ تو ہم سے غائب ہو گئے بلکہ ہم تو اس سے پہلے کسی چیز کی عبادت کرتے ہی نہ تھے اللہ تعالیٰ اسی طرح

کافروں کو گمراہ فرماتا ہے۔ یہ اس وجہ سے کہ تم زمین میں ناحق اتراتے تھے اور اس وجہ سے تم اکڑ مکڑ کرتے تھے۔ داخل ہو جاؤ، جہنم کے دروازوں میں اس میں ہمیشہ رہو گے سو برا ٹھکانا ہے تکبر کرنے والوں کا۔ سو آپ صبر کیجیے بیشک اللہ کا وعدہ حق ہے سو اگر ہم آپ کو اس میں سے بعض چیزیں دکھا دیں جس کے بارے میں ہم نے انہیں پہلے سے بتادیا ہے یا ہم آپ کو وفات دے دیں تو ہماری طرف سب لوٹائے جائیں گے۔

قُلْ اِنِّیْ نُهِیْتُ اَنْ اَعْبُدَ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَمَّا جَآءَنِیَ الْبَیِّنٰتُ مِنْ رَّبِّیْ: اللہ تعالیٰ اپنے حبیب نبی کریم ﷺ سے فرمارہے ہیں اے میرے حبیب ﷺ! آپ ﷺ اپنی قوم قریش کے مشرکوں سے فرمادیجیے، اے لوگو! ان کی عبادت سے جن کی تم اللہ تعالیٰ کے سوا یعنی باطل معبود اور اصنام وغیرہ کی پوجا کرتے ہو، جب کہ میرے رب کی طرف سے میرے پاس واضح دلائل آچکے اور وہ اللہ کی کتاب ہے جس کو اس نے اتارا ہے۔

وَ اُمِرْتُ اَنْ اُسْلِمَ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ: اور میرے رب نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں ہر چیز کا جو رب ہے میں اس کے سامنے عجز و نیاز اختیار کروں اور تمام مخلوق کے مالک کے سامنے گڑگڑاؤں اور چیزوں کے علاوہ میں طاعت کرتے ہوئے اسی کے سامنے جھکوں۔ (جامع البیان فی تاویل القرآن)

هُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ یُخْرِجُكُمْ طِفْلًا: اللہ تعالیٰ اپنے حبیب ﷺ سے فرمارہے ہیں کہ اپنی قوم کے مشرکین کو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کے دلائل کے متعلق خبردار کریں اور ان سے کہیں، مجھے یہ حکم ہوا ہے کہ رب العالمین کے سامنے فرماں برداری اختیار کروں جس کی یہ صفات ہوں، وہ صفت یہ ہے کہ اس نے تمہارے باپ آدم کو مٹی سے پیدا کیا پھر تمہاری پیدائش کا سلسلہ نطفہ سے چلایا پھر نطفہ کے بعد علقہ پھر تم کو چھوٹے بچے کی صورت میں ماں کے پیٹ سے نکالتا ہے۔

ثُمَّ لِتَبْلُغُوْۤا اَشُدَّكُمْ ثُمَّ لِتَكُوْنُوْا شُیُوْخًا: یعنی اللہ نے تمہیں حالت طفلی میں پیدا فرمایا پھر تم کو اتنی زندگی دی کہ طاقت کے زمانہ یعنی جوانی کے زمانہ کو پہنچ گئے جسمانی قوت بھی دی سمجھ بھی دی

عقل بھی عنایت فرمائی اور قوت گویائی بھی عطا فرمائی، پھر تمہاری جوانی آگے بڑھتی رہی بڑھاپا قریب آتا چلا گیا حتیٰ کہ تم بوڑھے ہو گئے، پھر یہ ضروری نہیں کہ ہر شخص جوان ہو یا ہر شخص بوڑھا ہو اللہ تعالیٰ بعض کو پہلے ہی اٹھالیتا ہے بہت سے لوگ بڑھاپا پانے سے پہلے ہی یا جوانی آنے سے پہلے ہی اس دنیا سے اٹھالیے جاتے ہیں اور موت ان کا صفایا کر دیتی ہے۔ (انوار البیان) اس کو

وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّتَوَفّٰى مِنْ قَبْلُ: کے الفاظ سے بیان فرمایا اور تم میں سے بعض تو بڑھاپے کی عمر تک پہنچنے سے پہلے ہی وفات پا جاتے ہیں۔

وَلِتَبْلُغُوْٓا اَجَلًا مُّسَمًّى: تاکہ تم اپنی زندگی کے مقررہ وقت تک پہنچ جاؤ، مقررہ مدت سے تم تجاوز نہیں کرتے اور نہ اس سے پہلے جاسکتے ہو۔ (جامع البیان فی تاویل القرآن)

وَّلَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ: اس لئے تاکہ تم اللہ تعالیٰ کے دلائل کو سمجھو اور اس کی آیات پر غور کرو اس سے تم کو پہچان حاصل ہو جائے گی کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور معبود نے یہ نہیں کیا۔

هُوَ الَّذِيْ يُحْيٖ وَ يُمِيْتُ: اللہ تعالیٰ اپنے حبیب ﷺ سے فرما رہے ہیں، اے میرے حبیب ﷺ آپ ﷺ ان لوگوں سے فرما دیجیے! کہ اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی کی ذات جس کو چاہتی ہے موت کے بعد زندہ کرتی ہے اور جس کو وہ ذات چاہتی ہے زندوں میں سے زندگی کے بعد موت دیتی ہے۔

فَاِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ: جب وہ کسی کام کے کرنے کا فیصلہ فرماتے ہیں جس کو وہ وجود دینا چاہتے ہیں جس کے لئے وجود دینا چاہتے ہیں کہ ہو جا تو جس کے وجود کا ارادہ فرماتے ہیں وہ بلا مشقت و کلفت وجود میں آجاتا ہے۔ (جامع البیان فی تاویل القرآن)

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِ اللّٰهِ اَنّٰى يُصْرَفُوْنَ: اللہ تعالیٰ اپنے حبیب نبی کریم ﷺ سے فرما رہے ہیں کہ کیا آپ ﷺ نے اپنی قوم کے ان مشرکین کی حالت پر غور نہیں کیا جو ہماری آیات کے سلسلہ میں آپ ﷺ سے جھگڑا کرتے ہیں، یہ حق سے کدھر پھر گئے اور ہدایت سے کیوں منہ موڑ گئے۔ حضرت قتادہ رحمہ اللہ سے **يُصْرَفُوْنَ** کا معنیٰ جھوٹ بولتے، رخ پھیرتے ہیں منقول ہے، ابن زید

رحمہ اللہ سے اس کا معنیٰ حق سے الٹے پھرے جاتے ہیں منقول ہے۔

مفسرین کی آراء اس سلسلہ میں مختلف ہیں کہ اس سے مراد کون لوگ ہیں؟ اس سے قدریہ فرقہ کے لوگ مراد ہیں، حضرت ابن سیرین رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ اگر یہ آیت قدریہ کے متعلق نہ اتری ہوتی تو مجھے معلوم نہ ہوتا کہ کن لوگوں کے متعلق اتری ہے، ابن سیرین رحمہ اللہ سے یہ بھی نقل کیا گیا کہ اگر اہل قدر نہ ہوتے جو اللہ تعالیٰ کی آیات میں بحث و کرید کرتے ہیں تو ہمیں ان کے متعلق معلوم نہ ہو سکتا کہ کس سے متعلق یہ آیات ہو۔

حضرت عقبہ بن عامر جہنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سَيَهْلِكُ مِنْ أُمَّتِي أَهْلُ الكِتَابِ، وَأَهْلُ اللِّيْنِ عنقریب میری امت میں سے اہل کتاب اور اہل لین ہلاک ہوں گے میں نے عرض کی یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم وہ اہل کتاب کون ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قَوْمٌ يَتَعَلَّمُونَ كِتَابَ اللهِ يُجَادِلُونَ الَّذِينَ آمَنُوا وہ کچھ لوگ ہوں گے جو کتاب اللہ کو سیکھیں گے، ایمان والوں سے مجادلہ کریں گے، عقبہ نے کہا یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم یہ اہل لین کون ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قَوْمٌ يَتَّبِعُونَ الشَّهَوَاتِ، وَيُضَيِّعُونَ الصَّلَوَاتِ یہ شہوات کے پیرو لوگ ہوں گے جو نمازوں کو ضائع کریں گے، ابو قبیل راوی کہتے ہیں میرا گمان یہ ہے کہ یہ تقدیر کی تکذیب کرنے والے ہی ایمان والوں سے مجادلہ کرنے والے ہیں اور اہل لین سے میرے خیال میں وہ لوگ مراد ہیں جو جماعت کا اہتمام نہیں کرتے اور نہ ماہ رمضان کو پہچانتے ہیں۔ (جامع البیان فی تاویل القرآن) ابن زید رحمہ اللہ سے ایک دوسرا قول یہ منقول ہے کہ اس سے مشرک لوگ مراد ہیں۔

الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِالْكِتٰبِ وَبِمَآ اَرْسَلْنَا بِهٖ رُسُلَنَا: اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں جو لوگ اللہ تعالیٰ کی آیات میں مجادلہ کرتے ہیں یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے کتاب اللہ کو جھٹلایا، اسے جھوٹی کتاب قرار دیا اور وہ کتاب یہ قرآن مجید ہے، ان لوگوں نے ان باتوں کو جھٹلایا جو ہم نے رسولوں کو دے کر بھیجا تھا یعنی عبادت کا خالصۃً اللہ تعالیٰ کے لئے کرنا اور اس کے سواء جن کی عبادت کی جاتی ان سے بیزاری کا اظہار کرنا اور ثواب عقاب کے لئے موت کے بعد دوبارہ اٹھائے جانے کا اقرار کرنا۔

فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ: اس میں اللہ تعالیٰ نے مشرکین کو دھمکی دی ہے کہ عنقریب اللہ تعالیٰ کی آیات میں مجادلہ کرنے والوں اور کتاب اللہ کی تکذیب کرنے والوں کو اس حقیقت کا پتہ چلے گا جو آپ ﷺ خبر دے رہے ہیں کہ وہ باتیں درست ہیں جن کی آج تم کتاب اللہ میں سے تکذیب کرتے ہو۔

اِذِ الْاَغْلٰلُ فِيْٓ اَعْنَاقِهِمْ وَالسَّلٰسِلُ يُسْحَبُوْنَ: وہ ایسا وقت ہو گا جب طوق اور زنجیریں جہنم میں ان کو ڈالی جائیں گی، کتاب اللہ کو جھوٹی کتاب قرار دینے والے لوگوں کو جہنم کے زبانیہ نامی فرشتے قیامت کے دن گرم پانی میں کھینچیں گے، يُسْحَبُوْنَ سحب سے بنا ہے، اس کا معنی ہے سختی کے ساتھ گھسیٹنا، اس سے سحاب بنا ہے جس کا معنی بادل ہے کیونکہ ہوا بادل کو سختی کے ساتھ گھسیٹتی ہے، اس آیت کا معنی اس طرح ہے کہ ان کے ہاتھوں کو ان کی گردنوں کے ساتھ ملا کر باندھ دیا جائے گا، پھر ان کو زنجیروں کے ساتھ باندھ کر گھسیٹا جائے گا۔ (تبیان القرآن)

فِي الْحَمِيْمِ ۚ ثُمَّ فِي النَّارِ يُسْجَرُوْنَ: اس گرم پانی کو عربی میں حمیم کہا جاتا ہے، یہ نہایت ہی گرم پانی ہو گا، پھر ان کو جہنم کی آگ میں جلایا جائے گا، فرمایا کہ ان کے ساتھ جہنم کی آگ کو بھڑکایا جائے گا۔

علامہ عثمانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں زنجیر کا ایک سرا طوق میں اٹکا ہوا اور دوسرا فرشتوں کے ہاتھ میں ہو گا، اس طرح مجرموں اور قیدیوں کی مانند لائے جائیں گے۔ (تفسیر عثمانی) قرآن کریم میں مجادلہ کرنے والوں اور اس کو جھٹلانے والوں کے پاؤں میں سلاسل زنجیریں (بیڑی) اور گردنوں میں طوق ہو گا اور انہیں انتہائی کھولتے، ابلتے اور شدید ترین گرم پانی میں غوطے دیے جائیں گے، انہیں اس پانی میں کھینچا جائے گا۔ اعاذنا اللہ منہ، اللہ کی پناہ، اے اللہ ہماری حفاظت فرمائیے۔

مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ فرماتے ہیں حمیم کھولتا ہوا گرم پانی ہے، اس آیت سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ اہل جہنم کو پہلے حمیم میں ڈالا جائے گا، اس کے بعد جحیم یعنی جہنم میں اور بظاہر اس سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ حمیم جہنم سے باہر کسی جگہ ہے، سورۃ صفت کی آیت ثُمَّ اِنَّ مَرْجِعَهُمْ لَاِلَى الْجَحِيْمِ سے بھی یہی مفہوم ہوتا ہے کہ حمیم جہنم سے باہر کسی جگہ ہے، اہل جہنم کو اس کا پانی پلانے کے لیے لایا جائے گا، پھر جہنم میں لوٹا دیا جائے گا اور بعض آیات قرآنی سے معلوم ہوتا ہے کہ حمیم بھی جحیم ہی میں ہے جیسے

هٰذِهٖ جَهَنَّمُ الَّتِیْ یُكَذِّبُ بِهَا الْمُجْرِمُوْنَ (۴۳) یَطُوْفُوْنَ بَیْنَهَا وَبَیْنَ حَمِیْمٍ اٰنٍ (۴۴) (الرحمٰن) اس میں تصریح ہے کہ حمیم بھی جہنم کے اندر ہے۔

غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان دونوں باتوں میں کوئی تضاد و تعارض نہیں، جہنم ہی کے بہت سے طبقات ہوں گے جن میں قسم قسم کے عذاب ہوں گے، انہی میں ایک طبقہ حمیم کا بھی ہو سکتا ہے جس کو بوجہ ممتاز اور الگ ہونے کے جہنم سے خارج بھی کہا جاسکتا ہے اور چونکہ یہ بھی ایک طبقہ جہنم ہی کا ہے اس لیے اس کو جہنم بھی کہا جاسکتا ہے، ابن کثیر رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اہل جہنم زنجیروں میں جکڑے ہوئے کبھی کھینچ کر حمیم میں ڈال دیئے جاویں گے کبھی جحیم میں۔ (معارف الفرقان)

یُسْجَرُوْنَ سجر التنور سے بنا ہے، جبکہ اس کو ایندھن سے بھر دیں اور اس کا معنیٰ یہ ہے کہ وہ آگ میں ہوں گے اور وہ ان کے چاروں طرف چھائی ہو گی اور ان کو آگ سے جلایا جائے گا اس حال میں کہ ان کے پیٹ آگ سے بھرے ہوں گے۔ (مدارک التنزیل وحقائق التاویل)

ثُمَّ قِیْلَ لَهُمْ اَیْنَ مَا كُنْتُمْ تُشْرِكُوْنَ() مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ: پھر ان سے کہا جائے گا کہ اللہ کی ذات کے سوا، جن کو تم نے اللہ کے مقابل سمجھ رکھا تھا وہ لوگ کہاں ہیں جن کو تم نے اللہ تعالیٰ کی عبادت میں شریک تجویز کر رکھا تھا یعنی باطل معبود اور اصنام وغیرہ تاکہ آج وہ تمہاری فریاد رسی کر کے تم کو بلاء و مصیبت سے نکالیں جس میں تم مبتلا ہو، اس لئے کہ معبود اپنے عابد کی فریاد رسی کرتا ہے یہ بات ان کو بطور توبیخ، ڈانٹ کے کہی جائے گی اس پر جو کچھ کہ وہ دنیا میں اللہ تعالیٰ کا انکار اور شیطان کی طاعت کرتے رہے، اس وقت یہ مساکین جواب میں کہیں گے۔

قَالُوْا ضَلُّوْا عَنَّا بَلْ لَّمْ نَكُنْ نَّدْعُوْا مِنْ قَبْلُ شَیْـًٔا: اس کا ایک مطلب تو یہ ہو سکتا ہے کہ وہ اس وقت جھوٹ بول جائیں گے اور یہ کہیں گے کہ ہم نے کبھی شرک کا ارتکاب نہیں کیا، جیسا کہ سورۃ انعام: ۲۳ میں مذکور ہے اور یہ مطلب بھی ممکن ہے کہ اس وقت وہ یہ اعتراف کریں گے کہ جن بتوں وغیرہ کو ہم دنیا میں پکارا کرتے تھے، اب ہمیں پتہ چل گیا کہ وہ کوئی حقیقی چیز نہیں تھے اور ہم کسی حقیقی چیز کو نہیں پکارتے تھے۔ (توضیح القرآن) وہ تو ہم سے گم ہو گئے، بلکہ ہم تو دنیا کی کسی چیز کو نہ

پکارتے تھے یعنی غیر اللہ کی عبادت ہی نہ کرتے تھے اللہ تعالیٰ فرمائیں گے۔

كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ الْكٰفِرِيْنَ: اسی طرح اللہ تعالیٰ کافروں کو گمراہ کرتا ہے جیسا ان لوگوں کو گمراہ کیا جن سے ان کے معبودان باطلہ جہنم میں گم ہوگئے جن کی وہ دنیا میں پوجا کرتے تھے، اسی طرح اللہ تعالیٰ اہل کفر کو اپنے اور اپنی رحمت وعبادت سے دور کر دیتا ہے وہ رحمت کے حقدار نہیں رہتے کہ ان کو آگ سے نجات اور نہ ان کی وہ فریادرسی کرے گا کہ ان سے یہ مصیبت ہلکی ہو۔

ذٰلِكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَفْرَحُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ: یہاں ان لوگوں کو دیے جانے والے ذلت آمیز عذاب کی وجوہات بیان کی جارہی ہیں، اللہ تعالیٰ فرمارہے ہیں اے لوگو! یہ جو کچھ آج تمہارے ساتھ کیا جارہا ہے یعنی عذاب دیا جارہا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ تم باطل باتوں اور گناہوں پر اتراتے تھے اور تکبر کرتے اور حق کا انکار کرتے تھے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کی تفسیر میں منقول ہے کہ الفرح والمرح یہ فخر اور خود پسندی اور زمین میں کوئی گناہ کا کام کرنے کو کہتے ہیں اور یہ کام شرک میں ہوتا ہے اور اس کی مثال وہ ہے جو قارون کو کہی گئی إِذْ قَالَ لَهُ قَوْمُهُ لَا تَفْرَحْ إِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْفَرِحِيْنَ (القصص ۷۶) ایک وقت تھا جب اس کی قوم نے اس سے کہا کہ: اتراؤ نہیں، اللہ اترانے والوں کو پسند نہیں کرتا اور اترانا، اکڑنا، فخر وشوخی یہ سب کچھ شرک جیسی بیماری میں پایا جاتا ہے۔ مجاہد رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اس کا معنی تم تکبر اختیار کرتے اور حق کا انکار کرتے تھے۔

ذٰلِكُمْ کا مشارالیہ وہ عذاب ہے جو قرآن کریم کے بارے میں مجادلہ کرنے والوں، قرآن کریم کو جھوٹی کتاب بتلانے والوں کو دیا جائے گا۔

وَبِمَا كُنْتُمْ تَمْرَحُوْنَ: مرح اس خوشی اور شادمانی کو کہا جاتا ہے جس میں شر انگیزی اور اکڑبازی والی مسرت پائی جائے، اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ ذلت والا عذاب جو تمہیں دیا جارہا ہے اس کا سبب تمہاری وہ فرحت ومسرت، تمہاری وہ اکڑبازی اور باطل پرستی ہے جو تم اللہ کی زمین پر دکھاتے تھے، اس کی وجہ تمہارا وہ فخر وغرور ہے جو تم زمین میں دکھاتے تھے۔

اُدْخُلُوْٓا اَبْوَابَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا: اللہ تعالیٰ ان سے فرمائیں گے تم جہنم کے ساتوں دروازوں

میں داخل ہو جاؤ ہر دروازے کا طے شدہ حصہ ہے، اللہ کی آیات میں مجادلہ کرنے والے، قرآن کریم کو جھٹلانے والوں کے سامنے جہنم کے تمام دروازے کھلے ہوئے ہوں گے، اس میں انہیں جھونکا جائے گا، پھر انہیں کہا جائے گا کہ تم لوگ یہاں ہمیشہ کے لیے چلے جاؤ۔

فَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِيْنَ: جو لوگ دنیا میں اللہ تعالیٰ کی توحید اور انبیاء علیہم السلام کی رسالت پر ایمان سے تکبر اختیار کرتے تھے آج جہنم ان کا بدترین ٹھکانہ ہے، مثویٰ جہنم میں وہ برا اور بدترین ٹھکانہ ہو گا جو حق کا تکبر کی وجہ سے انکار کرنے والوں کے لیے ہو گا، یہاں ایک باریک نکتہ ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ متکبرین کے لیے برا ٹھکانہ ہو گا، یہ نہیں فرمایا کہ متکبرین کے لیے بری داخل ہونے کی جگہ ہے، اس میں اشارہ ہے کہ وہ ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے، کیونکہ عربی میں ثواء کا معنیٰ ہے دائمی اقامت گاہ، عربی زبان میں ثویٰ کا لفظ اس وقت بولا جاتا ہے جب کوئی شخص کسی اقامت گاہ میں ہمیشہ کے لیے رہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی

سوال اس آیت کریمہ کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ فَاِمَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِيْ نَعِدُهُمْ اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ فَاِلَيْنَا يُرْجَعُوْنَ{۷۷}غافر

جواب ترجمہ: سو آپ صبر کیجیے بیشک اللہ کا وعدہ حق ہے سو اگر ہم آپ کو اس میں سے بعض چیزیں دکھا دیں جس کے بارے میں ہم نے انہیں پہلے سے بتا دیا ہے یا ہم آپ کو وفات دے دیں تو ہماری طرف سب لوٹائے جائیں گے۔

فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ: اللہ تعالیٰ اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم سے فرما رہے ہیں، اے میرے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم مشرکین مکہ کے آیات کے متعلق مجادلہ اور تکذیب پر صبر کریں، یہ ہماری اتاری ہوئی آیات ہیں، ہم نے جو کامیابی کا وعدہ کیا ہے اسے ضرور پورا کریں گے، اللہ تعالیٰ ان مشرکین کے خلاف آپ کو سربلندی عطا کرے گا اور ہماری سزا ان پر اترے گی جیسا موسیٰ بن عمران علیہ السلام اور انہیں جھٹلانے والوں کے ساتھ ہوا۔

فَاِمَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِیْ نَعِدُهُمْ اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ فَاِلَيْنَا يُرْجَعُوْنَ: اگر ہم ان مشرکین کو وہ عذاب جس کا آپ سے ان کے متعلق وعدہ کیا ہے، آپ ﷺ کی زندگی میں آپ ﷺ کو دکھا دیں یا اس کے اترنے سے قبل آپ ﷺ کی وفات ہو جائے ان کا اور آپ ﷺ کا لوٹنا ہماری طرف ہی ہے پھر ہم آپ ﷺ اور ان کے درمیان حق کے ساتھ ان کے ہمیشہ دوزخ میں جانے کا فیصلہ کریں گے اور اپنے جوار رحمت میں نعمتوں والی جنتوں میں آپ ﷺ کا ٹھکانہ ہو گا۔

آپ ﷺ کو سارے انبیاء کے حالات نہیں بیان کیے گئے

سوال اس آیت کریمہ میں حبیب نبی کریم ﷺ سے فرمایا گیا کہ ہم نے کچھ انبیاء کے حالات آپ کے لیے بیان کیے ہیں اور کچھ کے نہیں کیے ہیں، اس آیت کا ترجمہ اور تفسیر بیان کیجیے۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ مِنْهُمْ مَّنْ قَصَصْنَا عَلَيْكَ وَمِنْهُمْ مَّنْ لَّمْ نَقْصُصْ عَلَيْكَ وَمَا كَانَ لِرَسُوْلٍ اَنْ يَّاْتِيَ بِاٰيَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ فَاِذَا جَآءَ اَمْرُ اللّٰهِ قُضِيَ بِالْحَقِّ وَخَسِرَ هُنَالِكَ الْمُبْطِلُوْنَ {۷۸} غافر

جواب ترجمہ: اور حقیقت یہ ہے کہ ہم نے تم سے پہلے بھی بہت سے پیغمبر بھیجے ہیں۔ ان میں سے کچھ وہ ہیں جن کے واقعات ہم نے تمہیں بتا دیئے ہیں اور کچھ وہ ہیں جن کے واقعات ہم نے تمہیں نہیں بتائے اور کسی پیغمبر کو یہ اختیار نہیں ہے کہ وہ اللہ کی اجازت کے بغیر کوئی معجزہ لے آئے پھر جب اللہ کا حکم آئے گا تو سچائی کا فیصلہ ہو جائے گا، اور جو لوگ باطل کی پیروی کر رہے ہیں، وہ اس موقع پر سخت نقصان اٹھائیں گے۔

خلاصہ تفسیر: امام ابو نعیم اصبہانی رحمہ اللہ نے اپنی سند کے ساتھ ایک بہت طویل حدیث روایت کی ہے، حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! انبیاء کتنے ہیں؟ آپ نے فرمایا: ایک لاکھ چوبیس ہزار، میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! رسول کتنے ہیں؟ آپ نے فرمایا: تین سو تیرہ ہیں، میں نے کہا: بہت اچھے ہیں۔

میں نے کہا: یا رسول اللہ! پہلا نبی کون ہے؟ آپ نے فرمایا: آدم، میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ!

کیا وہ نبی مرسل ہیں؟ آپ نے فرمایا: ہاں! اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے ہاتھ سے پیدا کیا اور ان میں اپنی پسندیدہ روح پھونکی، پھر ان کو اپنے سامنے بنایا۔

پھر آپ نے فرمایا: اے ابوذر! چار نبی سریانی ہیں: آدم، شیث اور خنوخ، یہ ادریس ہیں جنہوں نے سب سے پہلے قلم سے خط کھینچا اور نوح اور چار نبی عرب ہیں: ھود، صالح، شعیب اور تمہارے نبی، اے ابوذر! میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! اللہ تعالیٰ نے کتنی کتابیں نازل کیں، آپ نے فرمایا: سو صحیفے اور چار کتابیں، شیث پر پچاس صحیفے نازل کیے گئے، خنوخ پر تیس صحیفے نازل کیے گئے، ابراہیم پر دس صحیفے نازل کیے گئے اور موسیٰ پر تورات سے پہلے دس صحیفے نازل کیے گئے اور تورات، انجیل، زبور اور فرقان کو نازل کیا گیا۔ (حلیۃ الاولیاء ج ۱ ص ۱۶۷)

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں ”حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے مرفوعاً بیان کیا ہے کہ ایک لاکھ چوبیس ہزار نبی ہیں اور ان میں سے تین سو تیرہ رسول ہیں، اس حدیث کو امام ابن حبان رحمہ اللہ نے صحیح قرار دیا ہے“۔ (فتح الباری)

جامع البیان میں امام طبری رحمہ اللہ نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی مرفوع روایت کے حوالے سے آٹھ ہزار کا ذکر کیا ہے، چار ہزار انبیاء کرام علیہم السلام بنی اسرائیل میں مبعوث ہوئے، علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی روایت کے مطابق اللہ تعالیٰ نے ایک حبشی نبی بھی مبعوث فرمائے، یہ ان انبیاء کرام علیہم السلام میں آتے ہیں جن کے واقعات اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر بیان نہیں فرمائے۔

جن نبیوں کا قرآن مجید میں صراحتاً نام ہے اور جن کا اشارتاً نام ہے بہرحال اس پر ایمان لانا واجب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس قدر بھی رسول بھیجے وہ سب صادق اور برحق ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان کو جو پیغام دے کر بھیجا وہ صحیح اور صادق ہے، اللہ تعالیٰ نے ان کو ایسے معجزات دے کر بھیجا جو ان کے صدق پر دلالت کرتے تھے، پہلے نبی حضرت آدم علیہ السلام ہیں اور آخری نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور باقی انبیاء علیہم السلام پر اس طرح ایمان ہوگا کہ ان کی شریعت ان کے زمانہ میں نافذ العمل تھی اور اب ان کی شریعت منسوخ ہو چکی ہے اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ ایمان لانا ضروری ہے کہ آپ خاتم الانبیاء والرسل ہیں اور جو

شخص آپ کے رسول ہونے پر ایمان لایا اور آپ کے خاتم الرسل ہونے پر ایمان نہیں لایا وہ مومن نہیں ہو گا۔

قرآن میں اسماء انبیاء علیہم السلام: اللہ تعالیٰ کی حکمت کے تحت قرآن مجید فرقان حمید میں پچیس (۲۵) انبیاء علیہم السلام کے نام مذکور ہیں، باقی ہزاروں انبیاء علیہم السلام کے نام ذکر نہیں کیے گئے، اس کی حکمت وہی جانتا ہے۔

① آدم علیہ السلام ② نوح علیہ السلام ③ ادریس علیہ السلام ④ صالح علیہ السلام ⑤ ہود علیہ السلام ⑥ ابراہیم علیہ السلام ⑦ اسماعیل علیہ السلام ⑧ اسحاق علیہ السلام ⑨ یعقوب علیہ السلام ⑩ یوسف علیہ السلام ⑪ لوط علیہ السلام ⑫ موسیٰ علیہ السلام ⑬ ہارون علیہ السلام ⑭ شعیب علیہ السلام ⑮ زکریا علیہ السلام ⑯ یحییٰ علیہ السلام ⑰ عیسیٰ علیہ السلام ⑱ داؤد علیہ السلام ⑲ سلیمان علیہ السلام ⑳ الیاس علیہ السلام ㉑ الیسع علیہ السلام ㉒ ذوالکفل علیہ السلام ㉓ ایوب علیہ السلام ㉔ یونس علیہ السلام ㉕ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ان میں بعض انبیاء کرام علیہم السلام کے اسمائے گرامی بار بار قرآن کریم میں آئے ہیں، ان میں سے بعض کے واقعات کو بڑی تفصیل اور تکرار کے ساتھ بیان کیا گیا ہے، بعض انبیاء علیہم السلام کے احوال اختصار کے ساتھ بیان کیے گئے ہیں، بعض انبیاء کرام علیہم السلام کے اسماء کے ساتھ القابات کا بھی ذکر ہے، سب سے زیادہ صفاتی اسماء گرامی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان کیے گئے ہیں، جس سے اس بات کا اظہار ہوتا ہے کہ نبی کریم رؤف ورحیم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے بہت ہی پیارے، لاڈلے اور حبیب تھے۔

مویشیوں کی پیدائش، فوائد، معجزات، زمین کی سیر

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

اَللّٰهُ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَنْعَامَ لِتَرْكَبُوْا مِنْهَا وَمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ {۷۹} وَلَكُمْ فِیْهَا مَنَافِعُ وَلِتَبْلُغُوْا عَلَیْهَا حَاجَةً فِیْ صُدُوْرِكُمْ وَعَلَیْهَا وَعَلَى الْفُلْكِ تُحْمَلُوْنَ {۸۰} وَیُرِیْكُمْ اٰیٰتِهٖ فَاَیَّ اٰیٰتِ اللّٰهِ تُنْكِرُوْنَ {۸۱} اَفَلَمْ یَسِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ فَیَنْظُرُوْا كَیْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ كَانُوْۤا اَكْثَرَ مِنْهُمْ وَاَشَدَّ قُوَّةً وَّاٰثَارًا فِی الْاَرْضِ فَمَاۤ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا یَكْسِبُوْنَ {۸۲} غافر

جواب ترجمہ: اللہ وہ ہے جس نے تمہارے لیے مویشی بنائے تاکہ تم ان میں سے بعض پر سوار ہو،

اور ان میں بعض کو کھاتے ہو۔ اور تمہارے لیے ان میں منافع ہے اور تا کہ تم ان پر سوار ہو کر اپنی حاجت پر پہنچو جو تمہارے سینوں میں ہے اور ان پر اور کشتیوں پر لدے ہوئے پھرتے ہو۔ اور وہ تمہیں اپنی نشانیاں دکھاتا ہے سو اللہ کی کون کون سی نشانیوں کا انکار کرو گے۔ کیا وہ لوگ زمین میں نہیں چلے پھرے سو وہ دیکھ لیتے کیا انجام ہوا ان لوگوں کا جو ان سے پہلے تھے، وہ ان سے زیادہ تھے اور ان سے قوت میں بھی سخت تھے اور زمین میں بھی ان کی نشانیاں بہت ہیں سو ان کی کمائی ان کے کچھ کام نہ آئی۔

خلاصہ تفسیر: ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے اپنی نعمتیں یاد دلائیں اور مخاطبین کو توجہ دلائی کہ زمین میں چل پھر کر پرانی امتوں کے نشانات دیکھیں اور ان کی ہلاکت سے عبرت حاصل کریں فرمایا

اَللّٰهُ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَنْعَامَ لِتَرْكَبُوْا مِنْهَا وَمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ: اللہ وہ ہے جس نے تمہارے لیے چوپائے پیدا فرمائے ان چوپایوں پر سوار بھی ہوتے ہو اور ان کا گوشت بھی کھاتے ہو۔

وَلَكُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ: اور ان میں دیگر منافع بھی ہیں مثلاً دودھ پیتے ہو، ان کے بالوں سے اور اُون سے اور چمڑوں سے نفع حاصل کرتے ہو۔ علامہ قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ان میں تمہارے لیے منافع ہیں یعنی فِي الْوَبَرِ وَالصُّوفِ وَالشَّعْرِ وَاللَّبَنِ وَالزُّبْدِ وَالسَّمْنِ وَالْجُبْنِ وَغَيْرِ ذٰلِكَ ان کے گوبر میں، ان کی اون میں، ان کے بالوں میں، ان کے دودھ میں، ان کے مکھن میں، ان کے گھی میں، ان کے پنیر میں اور ان کے علاوہ دوسری چیزوں میں تمہارے لیے منافع ہیں۔

وَلِتَبْلُغُوْا عَلَيْهَا حَاجَةً فِيْ صُدُوْرِكُمْ: ان پر جو سفر کرتے ہو یا اسفار ایسے نہیں کہ صرف تم ہی کو یہ جانور ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچا دیں بلکہ تم انہیں بوجھ منتقل کرنے کے لیے بھی استعمال کرتے ہو ان پر مال لاد کر ایک شہر سے دوسرے شہر لے جاتے ہو پھر اسے وہاں فروخت کرتے ہو پھر وہاں سے مال خرید کر ان کی کمروں پر باندھ کر لے آتے ہو اس طرح سے تمہاری حاجتیں پوری ہوتی ہیں۔ (انوار البیان)

وَعَلَيْهَا وَعَلَى الْفُلْكِ تُحْمَلُوْنَ: حضرت قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد اونٹ ہیں جو بوجھ

اٹھا کر دوسرے شہروں کی طرف لے جاتے ہیں۔ مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ تم اپنی حاجت کے لئے پہنچ سکو جو حاجت تمہارے دلوں میں ہو ،وَعَلَيْهَا یعنی اونٹوں اور انہی کی طرح کی دیگر سواری والے چوپائے، ان پر سواری کر کے۔ (جامع البیان)

وَعَلَى الْفُلْكِ: ان سواریوں پر خشکی میں اور کشتیوں پر سمندر پر سواری کرتے ہو، آج جس زمانے سے ہم گزر رہے ہیں، اس میں سوشل میڈیا اور کیمروں کی بھرمار ہے، ساری دنیا کے نقشے فلمائے اور کیمرے کی آنکھ سے محفوظ کر کے انٹرنیٹ پر رکھ دیے جاتے ہیں، جہاں ایک انگلی کی حرکت سے ساری دنیا کی اشیاء یکے بعد دیگرے انسان اپنی کھلی آنکھوں سے دیکھتا ہے، مختلف الانواع والاقسام کشتیاں دریاؤں اور سمندروں کی پشت پر دوڑتی اور چلتی ہوئی دکھائی دیتی ہیں، جن پر انسان ہی نہیں بلکہ ان کی ہمہ قسم ضروریات بھی ان کشتیوں کی پشت پر ہوتی ہیں، جو دنیا کے ایک گوشے سے دوسرے گوشے تک پہنچتی ہیں، امریکہ سے جاپان تک، عرب سے عجم تک، ایشیاء سے یورپ تک ہزاروں میل کے سمندری راستوں پر شبانہ روز دیو ہیکل کشتیاں اور جہاز رواں دواں ہیں۔

چونکہ اس پہلی آیت میں جانوروں پر سوار ہونے کا ذکر آچکا ہے اس لیے یہاں بچوں اور عورتوں کے سوار کیے جانے کا ذکر ہے کیونکہ یہ دونوں ضعیف مخلوق ہیں بڑے تو ہمت کر کے ایک شہر سے دوسرے شہر بھی جاسکتے ہیں لیکن ان دونوں جنسوں کے افراد سفر نہیں کر سکتے اس لیے اس میں مجہول کا صیغہ تُحْمَلُوْنَ لایا گیا ہے اور یہ بتایا گیا ہے کہ جب تم چھوٹے چھوٹے تھے تم کو ان جانوروں پر سوار کیا جاتا تھا۔ (روح المعانی، انوار البیان)

وَيُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ: یعنی جانوروں اور کشتیوں میں اللہ کی عظیم نشانیاں ہیں مثلاً انسان اپنے سے کئی گنا طاقتور جانوروں کو لگام ڈال کر ان سے خدمت لیتا ہے تو اللہ کے سوا کس کی طاقت نے جانوروں کو انسان کے تابع کیا ہے؟ اور جس رب نے طاقت ور جانوروں کو انسان کے تابع کیا ہے اس رب کا حق ہے کہ انسان اس کا تابع فرمان رہے۔ اور کشتیاں ہزاروں ٹن وزن لے کر پانی پر تیرتی پھرتی ہیں انہیں کونسی طاقت ڈوبنے نہیں دیتی وہی اللہ ہے اور وہی مستحق عبادت ہے۔ (برہان القرآن)

اللہ تعالیٰ کے وجود، اس کی توحید اور اس کی قدرت کی نشانیاں صرف آسمانوں اور زمینوں میں بکھری ہوئی نہیں ہیں بلکہ تمہارے اپنے وجود میں بھی نشانیاں سمٹی ہوئی ہیں، اللہ تعالیٰ کی سب سے عظیم نشانیاں انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام رحمہم اللہ کی ذوات قدسیہ میں ہیں اور اس سے بڑھ کر منکر کون ہو گا جو ان چمکتی ہوئی واضح نشانیوں کا انکار کرے گا اور مسلمانوں کے لیے سب سے عظیم معجزہ قرآن مجید ہے، جس نے یہ چیلنج کیا کہ اس کی کوئی مثال نہیں لا سکتا اور آج چودہ صدیاں گزرنے کے باوجود کوئی اس کی مثال نہیں لا سکا اور جس نے یہ دعویٰ کیا کہ اس میں کوئی کمی بیشی نہیں ہو سکتی اور چودہ صدیاں گزرنے کے بعد بھی اس میں کوئی کمی بیشی نہیں ہو سکی، حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی کا معجزہ ہو یا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عصا کا معجزہ یا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مردوں کو زندہ کرنے کا معجزہ ہو یہ تمام معجزات ان نبیوں کے ساتھ چلے گئے، آج کسی یہودی یا عیسائی کے پاس کوئی معجزہ نہیں ہے جس سے وہ اپنے دین کی صداقت منوا سکے، مگر ہمارے نبی سیدنا محمد (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کا معجزہ قرآن مجید ہے، وہ جس طرح کل اسلام کی صداقت کی دلیل تھا، آج بھی اسلام کی حقانیت پر دلیل ہے اور قیامت تک رہے گا۔ (تبیان القرآن)

فَاَیَّ اٰیٰتِ اللّٰهِ تُنْكِرُوْنَ : سو تم اللہ کی کن کن نشانیوں کا انکار کرو گے یعنی اللہ تعالیٰ کی نشانیاں بہت ہیں اور وہ خوب ظاہر بھی ہیں سب کے سامنے ہیں انکار کرنے کا کوئی موقع نہیں صحیح عقل والا انسان ان کا انکار نہیں کر سکتا جب ان سے انکار نہیں تو توحید کے کیوں قائل نہیں ہوتے اور شرک پر کیوں جمے ہوئے ہو۔ (انوار البیان)

اَفَلَمْ یَسِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ : اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قوم کے مشرک لوگ شہروں میں چلے پھرے نہیں؟ قریش کو چاہیے کہ وہ شام و یمن کے شہروں میں گذشتہ امتوں کے حالات و واقعات کو دیکھتے کہ ہم نے رسولوں کو جھٹلانے اور انہیں دیے جانے والے آسمانی پیغام کو ٹھکرانے والوں کے ساتھ کیا سلوک کیا؟ انہیں پتہ چلتا کہ رسولوں کو جھٹلانے کا نتیجہ کیا ہوا۔

كَانُوْۤا اَكْثَرَ مِنْهُمْ : ان لوگوں کی تعداد ان جھٹلانے والے قریشیوں سے کہیں زیادہ تھی اور قوت و طاقت میں ان سے بڑھ کر قوت والے تھے اور انہوں نے زمین میں بڑے نشانات چھوڑے اس لئے

کہ وہ پہاڑوں کو کھود کر گھر بناتے اور کارخانے تعمیر کرتے تھے، اس سلسلہ میں مجاہد رحمہ اللہ کا قول یہ ہے کہ اثاراً فی الارض کا مطلب زمین میں زیادہ چلنا پھرنا ہے، گویا اثر نشان قدم کے معنیٰ میں لیا گیا۔

فَمَآ اَغۡنٰی عَنۡهُمۡ : مگر جب ان پر ہمارا عذاب اور پکڑ آئی تو ان کے پہاڑوں میں بنائے ہوئے مکانات ہمارے عذاب کا ان سے ذرہ بھر دفاع نہ کرسکے بلکہ سب کے سب ہلاک ہوگئے، بعض نے اس کا مطلب یہ بیان کیا کہ کون سی چیز ان کے کام آئی؟

ایک مفہوم یہ بیان کیا گیا کہ گویا یوں فرمایا جارہا ہے کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے ساتھ مجادلہ کرنے والے قریش کے لئے موقع عبرت ہے اگر یہ اس سے عبرت حاصل کریں اور نصیحت کا مقام ہے اگر یہ نصیحت حاصل کریں، باقی ہماری پکڑ جب کسی قوم پر آتی ہے تو پھر کوئی دور کرنے والی چیز اس کو دور نہیں کرسکتی اور کوئی روکنے والا اس کو روک نہیں سکتا اور اگر یہ تمہاری تصدیق کی طرف نہ لوٹیں گے تو وہ عذاب ان پر آپڑے گا۔ (جامع البیان فی تاویل القرآن)

ناقص اور بے کار علم

سوال اس آیت کریمہ کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

فَلَمَّا جَآءَتۡهُمۡ رُسُلُهُمۡ بِالۡبَيِّنٰتِ فَرِحُوۡا بِمَا عِنۡدَهُمۡ مِّنَ الۡعِلۡمِ وَحَاقَ بِهِمۡ مَّا كَانُوۡا بِهٖ يَسۡتَهۡزِءُوۡنَ {۸۳} غافر

جواب ترجمہ: چنانچہ جب ان کے پیغمبر ان کے پاس کھلی کھلی دلیلیں لے کر آئے تب بھی وہ اپنے اس علم پر ہی ناز کرتے رہے جو ان کے پاس تھا، اور جس چیز کا وہ مذاق اڑایا کرتے تھے، اسی نے ان کو آگھیرا۔

خلاصہ تفسیر: حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یعنی ان عاقبت نااندیش منکرین کے پاس جب اللہ تعالیٰ کے رسول دلائل واضحہ توحید و ایمان کو لے کر آئے تو یہ لوگ اپنے علم کو انبیاء کے لائے ہوئے علم سے بہتر اور حق سمجھ کر انبیاء علیہم السلام کے کلام کا رد کرنے لگے، یہ علم جس پر کفار خوش اور مگن تھے اور اس کے مقابلہ میں انبیاء علیہم السلام کے علوم کو رد کرتے تھے۔ یا تو ان کا جہل مرکب تھا کہ ناحق اور باطل کو حق و صحیح سمجھ بیٹھے تھے۔ جیسے یونانی فلاسفہ کے بیشتر علوم و تحقیقات جو الٰہیات

سے متعلق ہیں اسی نمونہ کی ہیں جن کی کوئی دلیل نہیں۔ ان کو جہل مرکب تو کہہ سکتے ہیں۔ ان کا نام علم رکھنا علم کی توہین ہے۔ یا پھر ان کے اس علم سے مراد دنیا کی تجارت، صنعت وغیرہ کا علم ہے جس میں یہ لوگ فی الواقع ماہر تھے۔

اور قرآن نے ان کے اس علم کا ذکر سورۃ روم کی آیت میں اس طرح فرمایا ہے یَعْلَمُوْنَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَهُمْ عَنِ الْاٰخِرَةِ هُمْ غٰفِلُوْنَ یعنی یہ لوگ دنیا کی ظاہری زندگی اور اس کے منافع حاصل کرنے کو تو کچھ جانتے سمجھتے ہیں، مگر آخرت جہاں ہمیشہ رہنا ہے اور جہاں کی راحت و کلفت دائمی ہے اس سے بالکل جاہل و غافل ہیں، اس آیت میں بھی اگر یہی علم ظاہر دنیا کا مراد لیا جائے تو مطلب یہ ہوگا کہ یہ لوگ چونکہ قیامت اور آخرت کے منکر اور وہاں کی راحت و کلفت سے جاہل و غافل ہیں۔ اس لئے اپنے اسی ظاہری ہنر پر خوش اور مگن ہو کر انبیاء کے علوم کی طرف توجہ نہیں دیتے۔ (مظہری)

حضرت امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ان لوگوں کے پاس علم معاش یعنی دنیا کی زندگی گذارنے کا علم تو تھا مگر ان کے پاس علم معاد نہیں تھا۔ جس کو بروئے کار لا کر وہ نہ صرف دنیا میں کامیاب ہو سکتے تھے بلکہ آخرت کی دائمی زندگی کو بھی بہتر بنا سکتے تھے ان کے پاس دنیا کا علم نہیں تھا جس کے ذریعے وہ عقیدہ اعمال اور اخلاق کو درست کر سکتے۔ محض معاش کا علم تو آج بھی دنیا میں بہت زیادہ ہے آج سائنس اور ٹیکنالوجی کا زمانہ ہے علم طب و جراحت اپنے عروج پر ہے، صنعت و حرفت کی بدولت نئی نئی چیزیں سامنے آرہی ہیں، مگر وہ علم نہیں ہے جو اللہ کے نبیوں پر بذریعہ وحی نازل ہوا۔

موجودہ زمانے میں امریکہ، روس، برطانیہ، فرانس اور جرمنی وغیرہ اپنے آپ کو بڑا ترقی یافتہ سمجھتے ہیں مگر ان کا سارا علم و ہنر معیشت کے گرد گھومتا ہے اور وہ اسی کو علم کل سمجھتے ہیں اور اصل علم کی طرف نہیں آتے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں کسی نے ایک بہت بڑے فلسفی سے کہا کہ آپ ان کی خدمت میں حاضر ہو کر ان سے اکتساب فیض کریں اور ان کی دعوت کو قبول کریں، تو وہ شخص کہنے لگا کہ ہم تو

خود عالم فاضل اور مہذب آدمی ہیں، ہمیں موسیٰ علیہ السلام کی اتباع کی کوئی ضرورت نہیں نبیوں کی تعلم و تربیت جاہل لوگوں کے لئے ہوا کرتی ہے، وہ ان کی راہنمائی کرتے ہیں ہمیں تو ضرورت نہیں۔

مفسرین کرام بیان کرتے ہیں کہ کسی نے افلاطون یا کسی دوسرے فلاسفر سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق دریافت کیا تو اس فلسفی نے عیسیٰ علیہ السلام کا امتحان لینا چاہا کہتے ہیں کہ اس نے آپ سے سوال کیا کہ اگر زمین و آسمان ایک کمان کی شکل اختیار کرلیں اور دنیا میں ظاہر ہونے والے تمام حوادثات کو تیر تصور کرلیا جائے اور اس تیر کمان کو چلانے والا خود خدا ہو تو پھر اس تیر کمان کے حملے سے بچاؤ کی کیا صورت ہو سکتی ہے؟ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا کہ بچاؤ کی کیا صورت ہو سکتی ہے؟ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا کہ بچاؤ کی ایک صورت ہے کہ دوڑ کر خدا تعالیٰ کے دامن میں پناہ حاصل کرلی جائے۔ قرآن کریم میں موجود ہے فَفِرُّوا اِلَى اللّٰهِ اللہ کی طرف دوڑ کر جاؤ تو ہر شر سے پناہ حاصل ہو جائے گی۔ تو اس شخص نے یہ جواب سن کر اقرار کیا کہ ایسے مشکل سوال کا جواب نبی کے بغیر کوئی نہیں دے سکتا۔ یہ واقعی اللہ کے نبی ہیں مگر ہمیں ان کی ضرورت نہیں، ہم خود مہذب لوگ ہیں۔ (تفسیر معالم العرفان: ص: ۳۷۲، ۳۷۳: ج: ۱۶)

اللہ تعالیٰ کی طرف سے جب کوئی رسول صحیح علم لے کر آیا تو انہوں نے یہ کہہ کر اسے تسلیم کرنے سے انکار کر دیا کہ تمہارے علم سے وہ علم جو ہمارے پاس ہے وہ زیادہ صحیح اور لائق اعتماد ہے۔ جو سنی سنائی باتیں ان کے پاس تھیں، جو فلسفیانہ نظریات انہوں نے اپنے فلسفیوں سے سیکھے تھے یا اپنے دیوی دیوتاؤں کے بارے میں جو من گھڑت افسانے انہوں نے اپنے مذہبی پیشواؤں سے سن رکھے تھے ان کو ہی انہوں نے اپنی فلاح و نجات کے لئے کافی سمجھ لیا اور انبیا کرام علیہم السلام کی پاکیزہ تعلیمات کی طرف ہرگز توجہ نہ دی، موسیٰ علیہ السلام اور سقراط فلسفی کا زمانہ ایک ہے، سقراط نے جب آپ کا چرچا سنا اور لوگوں نے اسے مشورہ دیا کہ بہتر ہے کہ ان کی خدمت میں حاضر ہو کر فیض حاصل کرو تو اس نے کہا: نَحْنُ قَوْمٌ مُهَذَّبُونَ فَلَا حَاجَةَ لَنَا اِلَى مَا يَهْدِينَا کہ ہم مہذب و شائستہ قوم ہیں، ہمیں کسی ہادی کی ضرورت نہیں۔ (ضیاء القرآن)

جب اللہ تعالیٰ کے رسول ان کی زندگی کی اصلاح کے لیے ان کے پاس وہ علم لے کر آئے جس کے نتیجے میں انسانی زندگی کی ہر چول اپنی جگہ بیٹھ جاتی ہے، فکری صلاحیتوں کو جلا ملتی ہے، قلبی انتشار سکون میں تبدیل ہو جاتا ہے، معاملات میں اعتدال پیدا ہوتا اور حقوق میں ایثار و اخلاص کی خو جنم لیتی ہے۔ تو یہ لوگ بجائے اس نسخہ کیمیا کے قبول کرنے کے اپنے فلسفے اور سائنس، اپنے قانون، اپنے دنیوی علوم اور اپنے پیشوائوں کے گھڑے ہوئے مذہبی افسانوں اور دینیات ہی کو اصلی علم سمجھتے ہوئے اس پر جمے رہے۔ اور انبیاء علیہم السلام کے لائے ہوئے علم کو ہیچ سمجھ کر اسے ماننے سے انکار کر دیا۔ تو آخر اس عذاب نے ان کو گھیر لیا جس کا وہ مذاق اڑتے تھے۔ ان کا گمان یہ تھا کہ جو کچھ ہم دنیا کے بارے میں جانتے ہیں یہی علم کی معراج ہے اور جو کچھ یہ نبوت کا دعویٰ کرنے والے ہمیں بتا رہے ہیں یہ محض افسانے ہیں جس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں۔ ان کا یہ پندار اور خود پسندی ان کی تباہی کا باعث بنی۔ (تفسیر روح القرآن)

انسان کو صحیح علم کی روشنی قرآن و سنت سے ہی مل سکتی ہے، انبیاء کرام کے علوم پائیدار ہوتے ہیں، ان کے مقابلے میں کوئی علم پائیدار نہیں ہوتا، علوم انبیاء کے مقابلے میں اپنی ناقص معلومات کو ترجیح دینا اور اسلام کا استہزا کرنا کسی طرح درست نہیں ہے۔

عذاب دیکھ کر ایمان لانا قبول نہیں

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

فَلَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗ وَكَفَرْنَا بِمَا كُنَّا بِهٖ مُشْرِكِيْنَ {۸۴} فَلَمْ يَكُ يَنْفَعُهُمْ اِيْمَانُهُمْ لَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا ۭ سُنَّتَ اللّٰهِ الَّتِيْ قَدْ خَلَتْ فِيْ عِبَادِهٖ ۚ وَخَسِرَ هُنَالِكَ الْكٰفِرُوْنَ {۸۵} غافر

جواب ترجمہ: سو جب انہوں نے ہمارے عذاب کو دیکھا تو کہنے لگے ہم ایمان لائے اللہ پر جو تنہا ہے اور ہم جن چیزوں کو اللہ کا شریک بناتے تھے ان کے منکر ہیں۔ سو ان کے ایمان نے ان کو کچھ نفع نہ دیا جب انہوں نے ہمارا عذاب دیکھا، اللہ کی سنت ہے جو اس کے بندوں میں گزر چکی ہے اور اس

موقع پر کفر کرنے والے خسارہ میں رہ گئے۔

خلاصہ تفسیر: سورۃ غافر کی ان اختتامی آیات میں اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے عبرتناک لمحات بیان کیے ہیں جو دنیا کی زندگانی میں تو بہت ہی اکڑفوں، تکبر، شر انگیزی اور اللہ کی نافرمانی میں سر تا پا ڈوبے ہوئے تھے، ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرمارہے ہیں کہ ”پس جب انہوں نے ہمارا عذاب دیکھا تو پکار اٹھے کہ ہم نے مان لیا اللہ وحدہ لاشریک کو اور ہم انکار کرتے ہیں ان سب معبودوں کا جنہیں ہم شریک ٹھہراتے تھے، پس نہ نفع دیا ان کے ایمان نے جب انہوں نے ہمارا عذاب دیکھ لیا، یہی اللہ کی سنت ہے جو اس کے بندوں میں جاری رہی ہے اور اس وقت کافر لوگ خسارے میں پڑ گئے۔

رسولوں نے ہر چند انہیں سمجھانے کی کوشش کی، لیکن انہوں نے ان کی ایک بات بھی سن کر نہیں دی، تا آنکہ تکذیب رسل کے نتیجے میں ان پر اللہ تعالیٰ کا عذاب آگیا، جب انہوں نے عذاب کو دیکھا تو اب وہ ایمان کا دعویٰ کرنے لگے اور اس شرک سے توبہ کرنے لگے جس کے خلاف بات سننے کے بھی روادار نہ تھے، لیکن اللہ تعالیٰ کا قانون یہ ہے کہ ایمان وہ معتبر ہے جو عذاب دیکھنے سے پہلے دلائل کی روشنی میں قبول کیا جائے، عذاب دیکھ لینے کے بعد ایمان کا کوئی اعتبار نہیں، اسی طرح موت کے آثار شروع ہو جانے کے بعد بھی ایمان لانا یا توبہ کرنا اللہ تعالیٰ کے ہاں قابل قبول نہیں، یہ اللہ تعالیٰ کی وہ سنت ہے جس پر ہر دور میں عمل ہوتا رہا ہے، اس لیے کسی کو بھی اس سے استثناء نہیں۔ (روح القرآن)

الحمدللہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے آج سورۃ غافر کی تفسیر مکمل کی گئی ہے، اللہ تعالیٰ اس متواضع کاوش کو خالص اپنی رضا کے لیے بلا استحقاق قبول اور منظور فرمائے۔

خادم اسلام، محمود الرشید حدوٹی

جامعہ رشیدیہ مناواں لاہور۔

۶ فروری ۲۰۱۸ء بروز منگل، رات بارہ بجے

اضافات جدیدہ: ۷ جون ۲۰۲۶ء بروز اتوار، بوقت پونے ایک بجے دن

حال وارد کاشانہ فقیر۔ حدوٹ۔ مری

سورۃ فصلت (تعارف)

سوال سورۃ فصلت کا تعارف کروایئے۔

جواب سب علماء تفسیر کے نزدیک سورۃ فصلت مکی ہے، اس کی آیات چون (۵۴) ہیں، ایک قول کے مطابق اس کی آیات پچپن (۵۵) ہیں اور ۷۰۹۶ کلمات اور ۳۳۵۰ حروف ہیں۔ ترتیب نزول کے اعتبار سے قرآن کریم کی ۶۳ ویں سورت ہے اور ترتیب تلاوت کے اعتبار سے ۴۱ ویں سورت ہے

وجہ تسمیہ: اس سورۃ کو سورۃ فصلت، سورۃ حٰمٓ السجدہ، سورۃ المصابیح اور سورۃ الاقوات کہا جاتا ہے، سورۃ مبارکہ کا نام "سورۃ فصلت" ہے چونکہ اللہ تعالیٰ نے اس سورۃ مبارکہ میں آیت کی تفصیل بیان فرمائی ہے اور اپنی قدرت وحدانیت پر دلائل کی وضاحت کر دی ہے، نیز اپنے وجود و عظمت پر براہین قاطعہ قائم کر دیے ہیں، سورۃ مبارکہ کا دوسرا نام "سورۃ حم سجدہ" ہے چونکہ یہ سورۃ مبارکہ "سور حوامیم" کے مجموعے کا حصہ ہے اور سورہ مبارکہ کی ابتدا احم سے ہوئی اور اس میں سجدہ تلاوت بھی ہے۔ اسی مناسبت سے اسے حٰمٓ سجدہ کہا جاتا ہے۔ (صفوۃ التفاسیر)

مضامین سورۃ: اس سورۃ مبارکہ میں بھی عقائد اسلامیہ کو بیان کیا گیا ہے، یعنی توحید، رسالت، بعث بعد الموت اور جزا و سزا، یہی عقائد مکی سورتوں کا اساسی ہدف ہیں، سورۃ مبارکہ کی ابتدا میں قرآن مجید کے متعلق بات کی گئی ہے چنانچہ قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کردہ ہے۔ اس میں نبی آخر الزمان حضرت محمد ﷺ کی صدق رسالت پر دلائل و براہین ہیں، یہ کتاب حضور نبی کریم ﷺ کا دائمی معجزہ ہے۔

سورۃ مبارکہ میں وحی اور رسالت کے اثبات پر دلائل قائم کیے گئے ہیں اور رسول کریم ﷺ کی حقیقت واضح کی گئی ہے کہ بشر ہیں اور اللہ تعالیٰ نے وحی کے ساتھ آپ کو مخصوص کیا ہے اور نبوت عطا کر کے آپ کو اللہ تعالیٰ نے عزت و شرف بخشا ہے، ساری مخلوق میں خاتم الانبیا کے منصب جلیلہ کے لیے اللہ تعالیٰ نے آپ کو منتخب کیا ہے، تاکہ آپ داعی الی اللہ بن جائیں اور دین مستقیم کی طرف

راستہ دکھانے والے بن جائیں۔

سورۃ مبارکہ میں خلق اول کی ابتدائے حیات کا منظر بھی بیان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا، لامحالہ ان کا پیدا کرنا غیر معمولی امر ہے جو کہ اعتراض کرنے والوں کی نظروں کو اللہ کی آیات سے نظر و فکر اور تدبر کی طرف موڑ دیتا ہے لیکن کفر کی تاریکیاں کفار اور ایمان کے درمیان حائل ہو جاتی ہیں جب کہ ساری کی ساری کائنات اللہ تعالیٰ کی عظمت کے نغمے گاتی ہے اور اس کی وحدانیت کی شاہد عدل ہے۔

سورۃ مبارکہ میں تکذیب کرنے والوں کی ہلاکت اور ان کی جائے ہلاکت کا بھی ذکر ہوا ہے، اس ضمن میں قوت و سرکشی میں بے مثال اقوام کی مثالیں بیان کی گئی ہیں، جیسے قوم عاد جو کہ اپنی جرأت و جبروت و طاقت میں یہاں تک کہہ گزری: مَنْ اَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً: قوت و طاقت میں ہم سے بڑھ کر کون ہے؟ چنانچہ ان پر نازل ہونے والے عذاب کا ذکر ہوا ہے، اس کے بعد قوم ثمود اور اس کی تباہی کا ذکر ہوا۔

کفار مجرمین کے بعد مؤمنین متقین کے موضوع پر گفتگو کی گئی ہے، چنانچہ مؤمنین ہی وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کے دین اور اس کی شریعت پر ثابت قدم رہتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے جنت میں امن وامان کی زندگی عطا کر کے ان کا خاص اکرام کیا اور وہ جنت میں انبیاء علیہم السلام، صدیقین، شہدا اور صالحین رحمہم اللہ کے ساتھ عیش کی زندگی بسر کریں گے۔

اس کے بعد سورۃ مبارکہ میں کائنات میں پھیلی نشانیوں کے موضوع پر بھی گفتگو کی گئی ہے چنانچہ یہ نشانیاں وسیع کائنات میں پھیلی ہوئی ہیں اور دعوت نظارہ دیتی ہیں، جب کہ کائنات ایسے بے شمار عجائب سے بھری پڑی ہے، لیکن کفار ملحدین ہیں جو تمام تر نشانیوں سے آنکھیں بند کیے ہوئے ہیں۔

سورۃ مبارکہ کے آخر میں بشریت سے اللہ تعالیٰ کے ایک وعدہ کا ذکر ہے کہ آخری زمانہ میں اللہ تعالیٰ انسانوں کو اس کائنات کے بعض اسرار پر آگاہ کرے گا، تاکہ انسان ان اسرار کے ذریعہ قرآن عظیم کی دی ہوئی خبر کی سچائی پر استدلال کر سکیں۔ (صفوۃ التفاسیر)

قرآن کریم اور منکرین قرآن

سوال اس آیت مبارکہ کی تفسیر کیجیے

حٰمٓ ﴿۱﴾ تَنْزِيْلٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴿۲﴾ كِتٰبٌ فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لِّقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿۳﴾ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا فَاَعْرَضَ اَكْثَرُهُمْ فَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ ﴿۴﴾ وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا فِيْٓ اَكِنَّةٍ مِّمَّا تَدْعُوْنَآ اِلَيْهِ وَفِيْٓ اٰذَانِنَا وَقْرٌ وَّمِنْۢ بَيْنِنَا وَبَيْنِكَ حِجَابٌ فَاعْمَلْ اِنَّنَا عٰمِلُوْنَ ﴿۵﴾ فصلت

جواب ترجمہ: حٰمٓ، یہ کلام ہے نازل کیا گیا ہے رحمن رحیم کی طرف سے۔ یہ کتاب ہے جس کی آیتیں مفصل طریقہ پر بیان کی گئی ہیں یعنی یہ قرآن ہے جو عربی ہے ان لوگوں کے لیے جو جانتے ہیں، یہ قرآن خوشخبری دینے والا بھی ہے، اور خبر دار کرنے والا بھی پھر بھی ان میں سے اکثر لوگوں نے منہ موڑ رکھا ہے جس کے نتیجے میں وہ سنتے نہیں ہیں۔ اور انہوں نے کہا جس چیز کی طرف ہمیں بلاتے ہیں اس کے بارے میں ہمارے دل پردوں میں ہیں اور ہمارے کانوں میں ڈاٹ ہے، اور ہمارے اور تمہارے درمیان پردہ ہے، سو تم کام کیے جاؤ بیشک ہم کام کرنے والے ہیں۔

خلاصہ تفسیر: حٰمٓ: وہ سات سورتیں جن کو حٰمٓ سے شروع کیا گیا ان میں حٰمٓ السجدۃ دوسری سورت ہے، مفسرین رحمہم اللہ نے کہا ہے کہ حٰمٓ اس سورت کا نام ہے اور بعض نے کہا ہے کہ حٰمٓ قرآن مجید کا نام ہے اور اس کا قرآن مجید پر اطلاق حقیقتاً ہے، ایک قول یہ ہے کہ ح سے حبیب کی طرف اور م سے محبوب کی طرف اشارہ ہے گویا کہ یوں فرمایا: یہ حبیب سے محبوب کی طرف خطاب ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ ح سے حکمت کی طرف اور میم سے منت کی طرف اشارہ ہے یعنی اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں پر منت اور احسان ہے کہ اس نے اپنی حکمت سے معمور کلام کو ان کی طرف نازل فرمایا، اس کی حکمت کا تقاضا یہ ہے کہ اس کی رحمت اس کے غضب پر غالب ہے اور اس کی رحمت ہر چیز کو محیط اور شامل ہے، اسی وجہ سے اس نے تمام موجودات کو پیدا فرمایا۔ (تبیان القرآن)

یہ ایسے الفاظ ہیں جن سے قرآن کریم کے اولین مخاطبین کو خبر دار اور متنبہ کیا گیا ہے کہ یہ

قرآن کریم انہی الفاظ کا مجموعہ ہے جو الفاظ تم بولتے ہو، اسی زبان میں ہے جسے تم جانتے اور سمجھتے ہو، مگر اس کتاب میں جو مضامین بیان کیے گئے ہیں اس جیسا کلام تم لانے سے عاجز اور بے بس ہو، یہ قرآن کریم رحمٰن ورحیم کی طرف سے اتارا گیا ہے۔

تَنْزِيْلٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ: یہ قرآن مجید فرقان حمید رحمان اور رحیم کی صفات سے متصف رب کی طرف سے اتارا گیا ہے، قرآن کریم کو اتارنے کی نسبت رحمان ورحیم کی طرف ہونے کا واضح اور صاف مطلب یہ ہے کہ تمامی مصالح دینیہ اور مصالح دنیویہ کا مدار اسی کتاب ہدیٰ پر ہے جو عرش بریں کا سب سے آخریں پیام ہے، جسے جبریل امین جیسے امانت دار فرشتے کے ذریعے حبیب رب العالمین کے قلب اطہر پر اتارا گیا ہے۔

كِتٰبٌ فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لِّقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ: قرآن کریم ایسی کتاب ہے جس کی آیات کامل طریقہ سے بیان کی گئی ہیں، اس کے معانی، مفاہیم، مطالب اور احکامات کی وضاحت کی گئی ہے، یہ قرآن کریم عربی زبان میں ہے جس کا سمجھنا ایسی قوم کے لیے آسان کر دیا گیا ہے جو عربی زبان کو جانتی ہے، یہ قرآن ان لوگوں کو دنیا اور آخرت میں ثواب کی بشارت دیتا ہے جو اس پر ایمان رکھتے ہیں اور اس کے مقتضا کے مطابق عمل کرتے ہیں۔

بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا ۚ فَاَعْرَضَ اَكْثَرُهُمْ فَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ: اور یہ قرآن کریم دنیا اور آخرت کے عذاب سے ان لوگوں کو ڈراتا ہے جو اس کا انکار کرتے ہیں اس کے ساتھ کفر کرتے ہیں، اس سے منہ موڑتے اور اعراض کرتے ہیں اور اکثریت لوگوں کی ایسی ہی ہوتی ہے جو اس سے روگردانی کرتے ہیں انحراف کرتے ہیں اور منہ موڑتے ہیں، وہ اسے سنتے بھی نہیں ہیں اور اگر سن بھی لیں تو اس طرح نہیں سنتے کہ وہ اسے مانیں، تسلیم کریں اور اس کے پیغام کو قبول کریں۔

مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یعنی آیات قرآن کا عربی زبان میں ہونا واضح اور صاف ہونا اور بشارت ونذارت پر مشتمل ہونا، یہ سب ایسے ہی لوگوں کو نفع دے سکتا ہے جو سوچنے اور سمجھنے کا ارادہ کریں۔ یعلمون کے لفظ سے اس جگہ یہی سوچنے سمجھنے کی صلاحیت مراد ہے۔ مگر عرب اور قریش نے

ان سب باتوں کے باوجود اس سے اعراض کیا، سمجھنا کیا سننا بھی گوارہ نہ کیا جس کا ذکر انہی آیات میں فَاَعْرَضَ اَكْثَرُهُمْ سے فرمایا ہے۔ (معارف القرآن)

علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے قُرْآنًا عَرَبِيًّا فرمایا یعنی اس حال میں کہ اس کے الفاظ عربی زبان کے ہیں، جو صاف اور واضح ہیں، ان کے معانی مفصل ہیں اور الفاظ واضح ہیں جن میں کوئی مشکل نہیں ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا فِيْٓ اَكِنَّةٍ مِّمَّا تَدْعُوْنَآ اِلَيْهِ وَفِيْٓ اٰذَانِنَا وَقْرٌ: اکثر لوگ اس کی طرف سے اعراض یعنی روگردانی کرتے ہیں اور ساری سنی ان سنی کر دیتے ہیں گویا کہ انہوں نے سنا ہی نہیں اسی کو فرمایا اور نہ صرف یہ کہ ایمان نہ لائے اور جو کچھ سنا تھا اس کی طرف متوجہ نہ ہوئے بلکہ رسول اللہ ﷺ سے خطاب کر کے یوں کہنے لگے کہ ہمارے دلوں پر پردے پڑے ہوئے ہیں اور ہمارے کانوں میں ڈاٹ لگی ہوئی ہے۔ (انوار البیان)

وَمِنْۢ بَيْنِنَا وَبَيْنِكَ حِجَابٌ: تمہاری دعوت نہ ہمارے کان سننے کو تیار ہیں اور نہ ہمارے دلوں کو اس کا قبول کرنا گوارا ہے اور مزید یوں کہا کہ تم اگرچہ حسی اور جسمانی طور پر قریب ہو لیکن حقیقت میں ہمارے اور تمہارے درمیان بعد ہے اور پردہ ہے جو کچھ کہو ہم سننے اور ماننے والے نہیں ان لوگوں نے یہ بھی کہا

فَاعْمَلْ اِنَّنَا عَامِلُوْنَ: کہ آپ اپنا عمل کرتے رہیں ہم اپنے دین کے مطابق عمل کرتے رہیں گے۔ (انوار البیان)

مشرکین و مومنین کا انجام

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَاسْتَقِيْمُوْٓا اِلَيْهِ وَاسْتَغْفِرُوْهُ وَوَيْلٌ لِّلْمُشْرِكِيْنَ {٦} الَّذِيْنَ لَا يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ {٧} اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ {٨} فصلت

جواب ترجمہ: آپ فرما دیجیے میں تو تمہارے ہی جیسا بشر ہوں میری طرف وحی کی جاتی ہے کہ تمہارا معبود صرف ایک ہی معبود ہے لہٰذا تم ٹھیک طریقہ پر اس کی طرف متوجہ ہو جاؤ اور اس سے استغفار کرو، اور ہلاکت ہے ان لوگوں کے لیے جو شرک کرنے والے ہیں۔ جو زکوۃ نہیں دیتے اور آخرت کے منکر ہیں۔ بلاشبہ جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کیے ان کے لیے اجر ہے جو ختم ہونے والا نہیں ہے۔

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ: اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں، اے میرے حبیب ﷺ! آپ ﷺ اپنی قوم کے ان اعراض کرنے والوں کو فرما دیجیے، اے لوگو! میں اولاد آدم میں سے تمہاری طرح جنس وصورت وھیئت میں ہوں فرشتہ نہیں، میرے پاس وحی بھیجی گئی ہے کہ تمہارا ایک ہی معبود ہے جو عبادت کے لائق ہے۔

فَاسْتَقِيْمُوْٓا اِلَيْهِ: پس تم طاعت کے ساتھ اس کی بارگاہ میں استقامت اختیار کرو اور رغبت و عبادت سے اپنے چہروں کو بتوں اور مجوزہ معبودوں کی بجائے اسی ہی کی طرف متوجہ کرو۔

وَاسْتَغْفِرُوْهُ: اور شرک سے توبہ کر کے اسی ہی سے اپنے گناہوں کی معافی طلب کرو وہ تمہاری توبہ قبول کر کے تم کو بخش دے گا۔

وَوَيْلٌ لِّلْمُشْرِكِيْنَ: مشرکین اور بت پرستوں کے لئے جو ایمان نہیں لاتے اور نہ زکوۃ دیتے ہیں جہنمیوں کے خون وپیپ بہنے والی ویل نامی وادی میں ان کا ٹھکانہ ہے۔

الَّذِيْنَ لَا يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ: وہ لوگ جو زکوۃ ادا نہیں کرتے، اس میں مفسرین کی آراء مختلف ہیں بعض کا قول یہ ہے کہ اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کی طاعت اختیار نہیں کرتے جو ان کو پاک کر دے اور ان کے ابدان کو پاکیزہ بنا دے اور نہ اس کی وحدانیت کا اعتراف کرتے ہیں یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔ حضرت عکرمہ رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو لا الہ الا اللہ کی گواہی نہیں دیتے، دوسرا قول: اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو زکوۃ کی فرضیت کے قائل نہیں اور نہ مستحقین کو دیتے ہیں۔

حضرت قتادہ رحمہ اللہ سے لَا يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ کا یہ معنیٰ نقل کیا گیا کہ جو نہ زکوٰۃ کا اقرار کرتے اور نہ اس پر ایمان رکھتے ہیں اور یہ مشہور ہے زکوٰۃ اسلام کا پل ہے جس نے اسے طئے کیا وہ نجات پا گیا اور جو اس سے پیچھے رہ گیا وہ ہلاک ہوا۔

مرتدین نے جناب نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کہا کہ ہم نماز تو پڑھیں گے رہی زکوٰۃ تو تو اس کے ذریعہ ہمارے اموال غصب نہ کر، حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں ان دو چیزوں کو جدا نہیں کرتا جن کو اللہ تعالیٰ نے اکٹھا ذکر کیا ہے، اللہ کی قسم! اگر وہ ایک عقال (رسی) جو ان پر فرض تھا وہ دینے سے انکار کریں گے تو ہم ان سے قتال کریں گے۔ (جامع البیان فی تاویل القرآن) سدی سے اس آیت کی تشریح میں ذکر کیا گیا کہ اس سے مراد مشرک ہیں اگر وہ زکوٰۃ ادا کرتے تب بھی ان کو فائدہ نہ تھا۔ ابن جریر رحمہ اللہ کہتے ہیں اس سلسلہ میں درست قول ان لوگوں کا ہے جنہوں نے اس کا یہ معنیٰ کیا ہے کہ وہ لوگ جو زکوٰۃ ادا نہیں کرتے، اس لئے کہ یہ زکوٰۃ کا مشہور معنیٰ ہے۔

وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ : کہ وہ قیام قیامت اور بعث بعد الموت کے منکر ہیں، اس بات کی دلیل ہے کہ پچھلی آیت کا یہی مطلب ہے اس لئے کہ کفار نے اس آیت سے سرکشی اختیار کی وہ نہ تو لا الہ الا اللہ کی گواہی دیتے تھے، اگر الَّذِيْنَ لَا يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ سے مراد وہ لوگ ہوتے جو لا الہ الا اللہ کی گواہی نہیں دیتے تو پھر وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ کا کوئی مطلب نہیں بنتا، اس لئے کہ یہ جانی پہچانی بات ہے کہ جو لا الہ الا اللہ کی گواہی نہیں دیتا وہ آخرت پر ایمان نہیں رکھتا، اللہ تعالیٰ پہلے الَّذِيْنَ لَا يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ لائے اور پھر وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ، تو اس سے بالکل ثابت نہیں ہوتا کہ اس موقع پر زکوٰۃ کا معنیٰ مال کی زکوٰۃ ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ : اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں، بیشک وہ لوگ جنہوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی تصدیق اور اللہ اور اس کے رسول کے حکم کو مانا اور ان کی منع کردہ باتوں سے باز رہے یہی وہ نیک اعمال ہیں جو شخص ان کو اختیار کرے گا

لَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ: ان کو وہ اجر بلا کمی بیشی ملے گا جس کا اللہ تعالیٰ نے ان سے وعدہ فرمایا، اس

آیت کی تفسیر میں مفسرین کی آراء مختلف ہیں، بعض نے غیر ممنون کا معنیٰ غیر منقوص کیا ہے اور بعض نے کہا اس کا مطلب یہ ہے کہ ان پر اس اجر کا احسان نہ جتلایا جائے گا، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا گیا کہ غیر ممنون کا معنیٰ جس میں کمی نہ کی جائے گی، ابن نجیح سے غیر ممنون کا معنیٰ کیا ہے جس کا حساب و کتاب نہ ہو (یعنی بے شمار)۔ (جامع البیان فی تاویل القرآن)

زمین و آسمان کتنے ایام میں پیدا کیے گئے؟

سوال آسمان و زمین کتنے دنوں میں پیدا کیے گئے اس کا تذکرہ ان آیات میں ہے بیان کیجیے۔

قُلْ اَئِنَّكُمْ لَتَكْفُرُوْنَ بِالَّذِيْ خَلَقَ الْاَرْضَ فِيْ يَوْمَيْنِ وَتَجْعَلُوْنَ لَهٗٓ اَنْدَادًا ۭذٰلِكَ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ۝{۹}وَجَعَلَ فِيْهَا رَوَاسِيَ مِنْ فَوْقِهَا وَبٰرَكَ فِيْهَا وَقَدَّرَ فِيْهَآ اَقْوَاتَهَا فِيْٓ اَرْبَعَةِ اَيَّامٍ ۭ سَوَاۗءً لِّلسَّاۗىِٕلِيْنَ{۱۰}ثُمَّ اسْتَوٰٓى اِلَى السَّمَاۗءِ وَهِيَ دُخَانٌ فَقَالَ لَهَا وَلِلْاَرْضِ ائْتِيَا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا ۭ قَالَتَآ اَتَيْنَا طَاۗىِٕعِيْنَ{۱۱}فَقَضٰىهُنَّ سَبْعَ سَمٰوَاتٍ فِيْ يَوْمَيْنِ وَاَوْحٰى فِيْ كُلِّ سَمَاۗءٍ اَمْرَهَا ۭ وَزَيَّنَّا السَّمَاۗءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيْحَ ڰ وَحِفْظًا ۭ ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ {۱۲}فصلت.

جواب ترجمہ: آپ فرما دیجیے کیا تم ایسی ذات کا انکار کرتے ہو جس نے زمین کو دو دن میں پیدا فرمایا اور تم اس کے لیے شریک تجویز کرتے ہو وہ سارے جہانوں کا رب ہے، اور اس نے زمین میں جمے ہوئے پہاڑ پیدا کیے جو اس کے اوپر ابھرے ہوئے ہیں اور اس میں برکت ڈال دی اور اس میں توازن کے ساتھ اس کی غذائیں پیدا کیں۔ سب کچھ چار دن میں تمام سوال کرنے والوں کے لیے برابر پھر وہ آسمان کی طرف متوجہ ہوا جبکہ وہ اس وقت دھویں کی شکل میں تھا اور اس سے اور زمین سے کہا: چلے آؤ چاہے خوشی سے یا زبردستی۔ دونوں نے کہا: ہم خوشی خوشی آتے ہیں سو اس نے دو دن میں سات آسمان بنا دیئے اور ہر آسمان میں اس کے مناسب حکم بھیج دیا، اور ہم نے قریب والے آسمان کو ستاروں سے زینت دے دی اور حفاظت کی چیز بنا دی یہ تقدیر ہے عزیز کی علیم کی۔

خلاصہ تفسیر: اللہ تعالیٰ اپنے حبیب نبی کریم ﷺ سے فرمارہے ہیں کہ آپ ﷺ ان مشرکین سے فرمادیں کہ کیا تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کرتے ہو جس نے دو دنوں میں زمین پیدا کی، تم اس کے ساتھ شریک ٹھہراتے ہو، اس کا مثل ٹھہراتے ہو اور ان کی عبادت کرتے ہو، یہی وہ پیدا کرنے والا ہے جو سارے جہانوں کا پروردگار ہے، اسی اللہ نے زمین میں پہاڑوں کو پیدا کیا اور اس کے اوپر انہیں گاڑ دیا، اور اللہ نے ان میں برکت رکھی اور یہاں کے رہنے والے لوگوں کے لیے ان میں سدا خیر رکھی ہے، انہی میں اللہ تعالیٰ نے یہاں کے رہنے والے لوگوں کا رزق مقدر کیا ہے، انہیں انہی پہاڑوں سے غذائیں مہیا کیں، اور وہ چیزیں ان کے لیے پیدا کیں جو ان کی معیشت کے لیے ضروری تھیں، یہ سب کچھ چار دنوں میں بنایا، ان میں دو دنوں میں زمین پیدا کی، دو دنوں میں پہاڑ پیدا کیے، اور ان میں رزق رکھا، پھر اللہ تعالیٰ عرش پر مستوی ہوا۔

پھر اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان کو اطاعت کا حکم دیا، اسی طرح اللہ تعالیٰ نے سات آسمانوں کو دو دنوں میں پیدا کیا، یوں زمین و آسمان کی تخلیق چھ دنوں میں مکمل ہوگئی، چھ دنوں میں زمین و آسمان کی تخلیق کیوں ہوئی اس کی حکمت اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتے ہیں، حالانکہ اللہ تعالیٰ تو ایک اشارہ کن سے پیدا کرنے کی قدرت و طاقت رکھتے ہیں۔

آسمانوں میں آسمان دنیا ایسا آسمان ہے جسے اللہ تعالیٰ نے دمکتے ستاروں کے ساتھ مزین کیا، پھر اسے ان شیاطین سے محفوظ کر دیا جو چوری چھپا بات سن لیتے تھے، یہ عجیب تخلیق ہے۔

مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ یوں تو زمین و آسمان کی پیدائش کا ذکر مختصر و مفصل قرآن کریم میں سینکڑوں جگہ آیا ہے۔ مگر ان میں ترتیب کا بیان کہ پہلے کیا بنا پیچھے کیا بنا، یہ غالباً صرف تین ہی آیتوں میں آیا ہے۔ ایک یہ آیت حم سجدہ کی اور دوسری سورۃ بقرہ کی مذکورہ آیت، تیسری سورۃ نازعات وَأَخْرَجَ ضُحَاهَا (۲۹) وَالْأَرْضَ بَعْدَ ذَٰلِكَ دَحَاهَا (۳۰) أَخْرَجَ مِنْهَا مَاءَهَا وَمَرْعَاهَا (۳۱) وَالْجِبَالَ أَرْسَاهَا (۳۲)

اور سرسری نظر میں ان سب مضامین میں کچھ اختلاف بھی معلوم ہوتا ہے، کیونکہ سورۃ بقرہ اور سورۃ

حم سجدہ کی آیت سے زمین کی تخلیق آسمان سے مقدم ہونا معلوم ہوتا ہے، اور سورۃ نازعات کی آیات سے اس کے برعکس بظاہر زمین کی تخلیق آسمان سے مقدم ہونا معلوم ہوتا ہے۔

حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ سب آیات میں غور کرنے سے میرے خیال میں تو یہ آتا ہے کہ یوں کہا جاوے کہ اول زمین کا مادہ بنا اور ہنوز اس کی موجودہ ہئیت نہ بنی تھی کہ اسی حالت میں آسمان کا مادہ بنا جو دخان یعنی دھوئیں کی شکل میں تھا، اس کے بعد زمین ہئیت موجودہ پر پھیلا دی گئی، پھر اس پر پہاڑ اور درخت وغیرہ پیدا کئے گئے۔ پھر آسمان کے مادہ دخانیہ سیالہ کے سات آسمان بنا دیئے۔ امید ہے کہ سب آیتیں اس تقریر پر منطبق ہو جاویں گی، آگے حقیقت حال سے اللہ تعالیٰ ہی خوب واقف ہیں (بیان القرآن)

یہود مدینہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچے اور آسمانوں اور زمین کی تخلیق کے متعلق سوال کیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے زمین کو اتوار اور پیر کے دن پیدا فرمایا، اور پہاڑ اور اس میں جو کچھ معدنیات وغیرہ ہیں ان کو منگل کے روز اور درخت اور پانی کے چشمے اور شہر اور عمارتیں اور ویران میدان بدھ کے روز، یہ کل چار روز ہو گئے، جیسا کہ اس آیت میں ہے

قُلْ اَئِنَّكُمْ لَتَكْفُرُوْنَ بِالَّذِيْ خَلَقَ الْاَرْضَ فِيْ يَوْمَيْنِ وَتَجْعَلُوْنَ لَهٗٓ اَنْدَادًا ذٰلِكَ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ وَجَعَلَ فِيْهَا رَوَاسِيَ مِنْ فَوْقِهَا وَبٰرَكَ فِيْهَا وَقَدَّرَ فِيْهَآ اَقْوَاتَهَا فِيْٓ اَرْبَعَةِ اَيَّامٍ سَوَاۗءً لِّلسَّاۗىِٕلِيْنَ

یعنی ان لوگوں کے لئے جو اس تخلیق کا سوال کریں، پھر فرمایا اور جمعرات کے روز آسمان بنائے اور جمعہ کے روز ستارے اور شمس و قمر اور فرشتے یہ سب کام جمعہ کے دن میں تین ساعت باقی تھیں جب پورے ہوئے۔ ان میں سے دوسری ساعت میں آفات و مصائب جو ہر چیز پر آنے والی ہیں وہ پیدا فرمائی ہیں اور تیسری ساعت میں آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا اور ان کو جنت میں ٹھہرایا اور ابلیس کو سجدہ کا حکم دیا اور سجدہ سے انکار کرنے پر جنت سے نکال دیا گیا۔ یہ سب تیسری ساعت کے ختم ہوا۔ (الحدیث بطولہ، ابن کثیر) ابن کثیر نے اس روایت کو نقل کر کے فرمایا، ھذا الحدیث فیہ غرابۃٌ

(معارف القرآن)۔

اور صحیح مسلم میں ایک حدیث حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے آئی ہے جس میں تخلیق عالم کی ابتدا یوم السبت یعنی ہفتہ کے روز سے بتلائی گئی ہے۔ اس کے حساب سے آسمان و زمین کی تخلیق کا سات روز میں ہونا معلوم ہوتا ہے۔ مگر عام نصوص قرآن میں یہ تخلیق چھ روز میں ہونا صراحۃً مذکور ہے وَلَقَدْ خَلَقْنَا السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ وَمَا مَسَّنَا مِنْ لُغُوبٍ یعنی ہم نے پیدا کیا آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان کے اندر ہے اس کو چھ دن میں، اور ہمیں کوئی تھکان پیش نہیں آیا۔ اس لئے نیز اس کی سند کے اعتبار سے بھی اکابر محدثین نے اس روایت کو معلول قرار دیا ہے۔ ابن کثیر نے اس کو بحوالہ مسلم و نسائی نقل کر کے فرمایا وھو من غرائب الصحیح المسلم کمانی زاد المسیر لابن الجوزی۔

یعنی یہ حدیث صحیح مسلم کے عجائب میں سے ہے۔ اور پھر فرمایا کہ امام بخاری نے اپنی کتاب تاریخ کبیر میں اس روایت کو معلول قرار دیا ہے، اور بعض لوگوں نے اس روایت کو حضرت ابوہریرہ سے بہ روایت کعب احبار نقل کیا ہے، رسول اللہ ﷺ کا ارشاد نہیں، اور فرمایا کہ یہی اصح ہے۔ (ابن کثیر ص ۴۹ ج ۴) اسی طرح ابن مدینی اور بیہقی وغیرہ حفاظ حدیث نے بھی اس کو کعب احبار کا قول قرار دیا ہے۔ (زاد المسیر)

پہلی روایت جو ابن جریر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کی ہے، ابن کثیر کے فیصلے کے مطابق اس میں بھی غرابت ہے۔ ایک وجہ غرابت کی یہ بھی ہے کہ اس روایت میں حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق آسمانوں کی تخلیق کے ساتھ آخری دن جمعہ کے آخری ساعت میں اور اسی ساعت میں حکم سجدہ اور ابلیس کا جنت سے اخراج مذکور ہے۔

حالانکہ متعدد آیات قرآنی میں جو قصہ تخلیق آدم علیہ السلام کا اور حکم سجدہ اور اخراج ابلیس کا مذکور ہے اس کے سیاق سے بدیہی طور پر یہ معلوم ہوتا ہے کہ تخلیق آدم علیہ السلام کا واقعہ تخلیق ارض و سماء سے بہت زمانہ بعد ہوا ہے جبکہ زمین میں اس کی تمام ضروریات مکمل ہو چکیں اور جنات و شیاطین وہاں بسنے

لگے، اس کے بعد فرمایا و اِنِّی جَاعِلٌ فِی الاَرضِ خَلِیفَۃ۔ (کذا قال فی المظہری)

خلاصہ یہ ہے کہ تخلیق ارض و سماء کے اوقات اور دن اور ان میں ترتیب جن روایات حدیث میں آئی ہے ان میں کوئی روایت ایسی نہیں جس کو قرآن کی طرح قطعی یقینی کہا جاسکے، بلکہ یہ احتمال غالب ہے کہ یہ اسرائیلی روایات ہوں مرفوع احادیث نہ ہوں جیسا کہ ابن کثیر نے مسلم، نسائی کی حدیث کے متعلق اس کی تصریح فرمائی ہے۔ اس لئے آیات قرآنی ہی کو اصل قرار دے کر مقصود متعین کرنا چاہئے۔ اور آیات قرآنی کو جمع کرنے سے ایک بات تو یہ قطعی معلوم ہوئی کہ آسمان و زمین اور ان کے اندر کی تمام چیزیں صرف چھ دن میں پیدا ہوئی ہیں۔

دوسری بات سورۃ حم سجدہ کی آیت سے یہ معلوم ہوئی کہ زمین اور اس کے پہاڑ درخت وغیرہ کی تخلیق میں پورے چار دن لگے۔ تیسری بات یہ معلوم ہوئی کہ آسمانوں کی تخلیق میں دو دن صرف ہوئے۔ جس میں پورے دو دن ہونے کی تصریح نہیں بلکہ کچھ اشارہ اس طرف ملتا ہے کہ یہ دو دن پورے خرچ نہیں ہوئے آخری دن جمعہ کا کچھ حصہ بچ گیا۔

ان آیات کے ظاہر سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ چھ دن میں سے پہلے چار دن زمین پر باقی دو دن آسمانوں کی تخلیق میں صرف ہوئے اور زمین کی تخلیق آسمان سے پہلے ہوئی، مگر سورۃ نازعات کی آیت میں زمین کے پھیلانے اور مکمل کرنے کو صراحتہ تخلیق آسمان کے بعد فرمایا ہے، اس لئے وہ صورت کچھ بعید نہیں جو اوپر بحوالہ بیان القرآن ہوئی ہے کہ زمین کی تخلیق دو حصوں میں منقسم ہے۔ پہلے دو دن میں زمین اور اس کے اوپر پہاڑوں وغیرہ کا مادہ تیار کر دیا گیا۔

اس کے بعد دو دن میں سات آسمان بنائے، اس کے بعد دو دن میں زمین کا پھیلاؤ اور اس کے اندر جو کچھ پہاڑ، درخت، نہریں، چشمے وغیرہ بنائے تھے ان کی تکمیل ہوئی۔ اس طرح تخلیق زمین کے چار دن متصل نہیں رہے۔ اور آیت حم سجدہ میں جو ترتیب بیان یہ رکھی گئی کہ پہلے زمین کو دو دن میں پیدا کرنے کا ذکر فرمایا۔ (معارف القرآن)

قوم عاد و ثمود کو ذلت آمیز عذاب، اہل ایمان کی نجات

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

فَاِنْ اَعْرَضُوْا فَقُلْ اَنْذَرْتُكُمْ صٰعِقَةً مِّثْلَ صٰعِقَةِ عَادٍ وَّثَمُوْدَ {۱۳} اِذْ جَآءَتْهُمُ الرُّسُلُ مِنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ قَالُوْا لَوْ شَآءَ رَبُّنَا لَاَنْزَلَ مَلٰٓئِكَةً فَاِنَّا بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ {۱۴} فَاَمَّا عَادٌ فَاسْتَكْبَرُوْا فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَقَالُوْا مَنْ اَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِيْ خَلَقَهُمْ هُوَ اَشَدُّ مِنْهُمْ قُوَّةً وَكَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَجْحَدُوْنَ {۱۵} فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا صَرْصَرًا فِيْٓ اَيَّامٍ نَّحِسَاتٍ لِّنُذِيْقَهُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَخْزٰى وَهُمْ لَا يُنْصَرُوْنَ {۱۶} وَاَمَّا ثَمُوْدُ فَهَدَيْنٰهُمْ فَاسْتَحَبُّوا الْعَمٰى عَلَى الْهُدٰى فَاَخَذَتْهُمْ صٰعِقَةُ الْعَذَابِ الْهُوْنِ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ {۱۷} وَنَجَّيْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ {۱۸} فصلت

جواب ترجمہ: پھر اگر وہ اعراض کریں تو آپ فرما دیجیے کہ میں تمہیں ایسی آفت سے ڈراتا ہوں جیسی آفت عاد و ثمود پر آئی۔ جبکہ ان کے پاس ان کے آگے سے اور پیچھے سے رسول آئے کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو انہوں نے کہا کہ اگر ہمارا رب چاہتا تو فرشتے نازل فرما دیتا سو بلاشبہ ہم اس چیز کے منکر ہیں جو تم دے کر بھیجے گئے ہو، پھر وہ لوگ جو عاد والے تھے انہوں نے زمین میں ناحق تکبر کیا اور کہنے لگے کہ قوت میں ہم سے زیادہ کون ہے کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ جس ذات نے انہیں پیدا فرمایا وہ قوت میں ان سے زیادہ ہے اور وہ ہماری آیات کا انکار کرتے تھے، سو ہم نے ان کے اوپر منحوس دنوں میں تیز ہوا بھیج دی تاکہ ہم انہیں دنیا والی زندگی میں ذلت کا عذاب چکھا دیں، اور یہ بات واقعی ہے کہ آخرت کا عذاب اس سے بڑھ کر رسوائی والا ہے اور ان کی مدد نہ کی جائے گی، اور وہ لوگ جو قوم ثمود والے تھے سو ہم نے انہیں ہدایت دی تو انہوں نے ہدایت کے مقابلہ میں اندھے پن کو پسند کیا سو انہیں عذاب کی آفت نے پکڑ لیا جو سراپا ذلت تھا ان کی بدکرداریوں کی وجہ سے، اور ہم نے ان لوگوں کو نجات دے دی جو ایمان لائے اور ڈرا کرتے تھے۔

فَاِنْ اَعْرَضُوْا فَقُلْ اَنْذَرْتُكُمْ صٰعِقَةً مِّثْلَ صٰعِقَةِ عَادٍ وَّثَمُوْدَ: اللہ تعالیٰ فرمارہے ہیں کہ اگر یہ مشرک اس دلیل سے اعراض کریں جس کو میں نے اے میرے حبیب ﷺ ان کے لئے واضح کر کے ان کو خبر دار کر دیا پھر بھی وہ اس پر ایمان نہ لائیں اور اس بات کا اقرار نہ کریں کہ اس کا فاعل وہی اللہ تعالیٰ ہے جس کے سواء کوئی معبود نہیں، تو آپ ﷺ ان سے فرمادیجیے کہ اے لوگو! میں تم کو عاد وثمود جیسے صاعقہ سے ڈراتا ہوں۔ صاعقہ سے مراد ہر وہ چیز ہے جو کسی چیز کو اس کی اصل ھئیت سے بگاڑ دے، بعض نے اس موقع پر اس کا معنیٰ یہ لکھا ہے، اللہ تعالیٰ کی طرف سے واقعہ ہونے والا یا عذاب۔ قتادہ رحمہ اللہ سے صاعقہ کا مطلب یہ نقل کیا گیا، میں تم کو عاد وثمود کو پیش آنے والے واقعہ سے ڈرارہا ہوں اور یہ بھی فرمایا عاد وثمود جیسے عذاب سے تم کو ڈراتا ہوں۔

اِذْ جَآءَتْهُمُ الرُّسُلُ مِنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ: آپ ﷺ انہیں فرمادیجیے کہ میں تم کو عاد وثمود جیسے صاعقہ سے ڈرارہا ہوں کہ جس نے ان کو ہلاک کر دیا، جبکہ عاد وثمود کے پاس رسول آئے۔

مِنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ سے مراد وہ رسول ہیں جو ان کے آباء کے پاس آئے جن کو ان امتوں میں سے ہلاک کیا گیا اور ان کا تعلق ان امتوں سے تھا۔ اور وَمِنْ خَلْفِهِمْ سے مراد ان رسولوں کے بعد جو ان کے آباء کی طرف مبعوث کیے گئے خود ان کی طرف بھیجے گئے اور وہ اس طرح کہ اللہ تعالیٰ نے عاد کی طرف ہود علیہ السلام کو بھیجا پس انہوں نے ان کو بھی جھٹلا دیا ان رسولوں کے بعد جو ان کے آباء کی طرف بھیجے گئے، انہوں نے ان کو بھی جھٹلادیا اور وہ ہلاک کر دیئے گئے۔ (جامع البیان فی تاویل القرآن)

اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ: اللہ تعالیٰ فرمارہے ہیں ان کے رسول ان کے پاس یہ پیغام لائے کہ ایک اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کرو۔

قَالُوْا لَوْ شَآءَ رَبُّنَا لَاَنْزَلَ مَلٰٓئِكَةً: تو ان لوگوں نے اپنے رسولوں کو جب اقرار توحید کی طرف دعوت دیتے پایا تو کہنے لگے اگر ہمارا رب یہ چاہتا کہ ہم اس کو وحدہ لاشریک مانیں اور اس کے سواء دوسروں کی عبادت نہ کریں تو ہماری طرف آسمان سے فرشتے اتارتا، تاکہ وہ ہمیں دعوت توحید و عبادت دیتے، وہ تم کو رسول بنا کر ہماری طرف نہ بھیجتا جبکہ تم تو ہم جیسے انسان ہو، لیکن وہ ہماری اس

عبادت پر خوش ہے اسی لئے اس سے منع کرنے کے لئے ہماری طرف کوئی فرشتہ رسول نہیں بھیجا۔

فَاِنَّا بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ: ان لوگوں نے انبیاء علیہم السلام سے کہا ہم اس سب کے جو تمہارے رب نے تمہیں دیکر بھیجا منکر ہیں۔

فَاَمَّا عَادٌ فَاسْتَكْبَرُوْا فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ: اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں، کہ قوم عاد جو کہ ہود علیہ السلام کی قوم ہے انہوں نے اپنے رب کو ماننے میں تکبر اختیار کیا اور زمین میں تکبر و سرکشی کے طور پر ظلم اختیار کیا جس کی اللہ تعالیٰ نے ان کو اجازت نہ دی تھی۔

وَقَالُوْا مَنْ اَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً: بلکہ وہ کہنے لگے ہم سے بڑھ کر کون طاقتور ہے

اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِيْ خَلَقَهُمْ هُوَ اَشَدُّ مِنْهُمْ قُوَّةً: کیا ان کو نظر نہیں آتا کہ وہ ذات جس نے ان کو پیدا کیا ہے جس نے ان کو بڑی جسامت اور سخت پکڑ کی قوت دی ہے، وہ ان سے بہت زیادہ طاقت والا ہے، پس ان کو اس کے عذاب سے ڈرنا اور اس کے دبدبے سے بچنا چاہیے اس لئے کہ وہ اس کے منکر اور اس کے رسولوں کی تکذیب کرنے والے ہیں۔ (جامع البیان فی تاویل القرآن)

وَكَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَجْحَدُوْنَ: وہ لوگ ہمارے دلائل اور براہین کا ضد سے انکار کرنے والے تھے۔

فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا صَرْصَرًا: پس ہم نے قوم عاد پر باد صرصر کو بھیج دیا، صرصر کے معنیٰ میں اختلاف ہے، بعض نے کہا اس سے مراد سخت ہوا ہے۔ مجاہد رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ وہ ہوا سخت گرم تھی، بعض نے کہا کہ وہ نہایت ٹھنڈی ہوا تھی، سدی رحمہ اللہ نے کہا صرصر، وہ ٹھنڈی ہوا جس سے آواز پیدا ہو، علامہ ابن جریر نے اس سارے اقوال کو دیکھنے کے بعد فرمایا کہ سب سے بہتر مجاہد کا قول ہے کہ یہ صرصر وہ ہوا تھی جس میں سے آواز آئی، ایک اور قول یہ ہے کہ ایک دریا کا نام صرصر ہے، اس کا یہ نام اس لیے ہے کہ اس کے جاری پانی میں آواز ہے، یہ صرر سے فعلل کا وزن صرصر ہے۔

فِيْٓ اَيَّامٍ نَّحِسَاتٍ: منحوس دنوں میں نَحِسَاتٍ کی تفسیر میں مفسرین کی آراء مختلف ہیں، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ایام نحسات کا مطلب یہ ہے کہ مسلسل دنوں میں اللہ تعالیٰ نے ان پر عذاب کو اتارا، مجاہد رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ نحسات، کا معنیٰ منحوس دن ہیں، قتادہ رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ

ایام نحسات سے مراد منحوس اور برے دن ہیں، سدی رحمہ اللہ کہتے ہیں اس سے مراد یہ ہے کہ وہ دن ان کے حق میں منحوس تھے اصل میں النحس کا معنی شر اور برائی ہے، اللہ تعالیٰ نے ان پر برائی کی ہوا بھیجی جو خیر سے خالی تھی، علامہ ابن جریر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ان آراء میں درست رائے کے قریب اس شخص کی رائے ہے جس نے نحسات کی تفسیر یہ کی ہے کہ وہ منحوس دن ان کے حق میں تھے، اس کی دلیل یہ ہے کہ النحس کا یہ معنی کلام عرب میں معروف ہے۔ (جامع البیان فی تاویل القرآن)

حضرت شاہ عبد القادر رحمہ اللہ لکھتے ہیں ان کا غرور توڑنے کو ایک کمزور مخلوق سے ان کو تباہ کرا دیا، سات رات اور آٹھ دن مسلسل ہوا کا طوفان چلتا رہا، درخت آدمی، مکان، مواشی کوئی چیز نہ چھوڑی۔ (موضح القرآن)

لِنُذِيقَهُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا: تاکہ ہم ان کو اس دنیوی زندگی میں رسوائی کے عذاب کا مزہ چکھائیں، عذاب کی نسبت خزی کی طرف کی گئی ہے اور الخزی، ذلت کو کہتے ہیں اور یہاں عذاب کی صفت کے طور پر لائے ہیں۔ (مدارک التنزیل)

وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَخْزٰى وَهُمْ لَا يُنْصَرُوْنَ: اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں، ہمارا آخرت میں ان کے لئے عذاب نہایت رسوا کن اور سخت تذلیل کا باعث بنے گا اور قوم عاد کی اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھی مدد نہ کی جائے گی جو ان کو چھڑائے یا بدلہ لے۔ (جامع البیان فی تاویل القرآن)

وَاَمَّا ثَمُوْدُ فَهَدَيْنٰهُمْ فَاسْتَحَبُّوا الْعَمٰى عَلَى الْهُدٰى: اور بہر حال ہم نے قوم ثمود کو راستہ دکھایا یعنی ہم نے ان کے لیے ہدایت اور گمراہی کو واضح کر دیا۔ علامہ طبری فرماتے ہیں کہ یعنی انہوں نے اندھے پن کو اس وضاحت پر ترجیح دی جو ان کے سامنے کی گئی تھی اور اس ہدایت کے مقابلے میں اس کو پسند کیا جس کو انہوں نے پہچان لیا تھا اس لئے کہ انہوں نے گمراہی کو ہدایت کے مقابلے میں اپنایا اس وضاحت سے مراد اللہ کی وحدانیت کا بیان ہے۔ (جامع البیان فی تاویل القرآن)

فَاَخَذَتْهُمْ صٰعِقَةُ الْعَذَابِ الْهُوْنِ: الھون ضمہ کے ساتھ ہے جس کا معنی ذلت و رسوائی ہے، ہون بن خزیمہ بن مدرکہ بن الیاس بن مضر جو کنانہ اور اسد سے تعلق رکھتا تھا، اھانہ اس کو حقیر و

خفیف جانا اس کا اسم ھوان اور مھانہ ہے، صاعقہ کو عذاب کی طرف مضاف کیا گیا کیونکہ صاعقہ کہتے ہیں ہلاک کرنے والی چیز کو، گویا فرمایا ایسا عذاب جو مہلک ہے، ھون اگرچہ مصدر ہے اس کا معنی اھانہ ہے اور اھانہ کا معنی عذاب ہے، عذاب ھون یعنی ایسا عذاب جو ذلیل کرنے والا ہے۔(التفسیر الماوردی، الجامع لاحکام القرآن)

بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ :یعنی جو کچھ وہ گناہ کرتے تھے اللہ کے انکار اور اس کی مخالفت اور اس کے رسولوں کی تکذیب کے ذریعے تو اس کی سزا انہیں یہ دی گئی جس کا ذکر آیت میں ہوا ہے، انہیں صاعقۃ العذاب نے گھیرا، انہیں ذلت آمیز عذاب سے سزا دی گئی، دنیاں میں بھی ذلت کا سامنا کرنا پڑا اور آخرت میں تو بہت ہی زیادہ رسوا کن عذاب دیا جائے گا، جسے اسم تفضیل کے صیغے کے ساتھ ذکر کیا گیا۔

وَنَجَّيْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ: اس میں فرمایا کہ ہم نے ایمان والوں کو اس عذاب سے نجات دی جس نے کافروں کو ان کے کفر کی وجہ سے پکڑا یہ نجات پانے والے وہ لوگ تھے جو اللہ تعالیٰ کو وحدہ لاشریک مانتے اور اس کے رسولوں کو سچا جانتے تھے اور وہ لوگ اپنے دل میں اس بات کا خوف رکھتے تھے کہ کہیں ان پر وہ سزا نہ آجائے جو کافروں پر مسلط ہوئی اگر وہ کفر اختیار کرلیں اسی بناء پر انہوں نے ایمان قبول کیا اور اللہ کی وعیدوں سے ڈرے اور اس کے رسولوں کو سچا جانا اور اس کے سوا من گھڑت معبودوں سے علیحدگی اختیار کی۔(جامع البیان فی تاویل القرآن)

دشمنان خدا آگ کی طرف لیجائے جائیں گے

سوال اس آیت کریمہ کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے، نیز یہ بتایئے کہ اس میں موجود لفظ یوزعون کا کیا مطلب ہے؟

وَيَوْمَ يُحْشَرُ اَعْدَآءُ اللّٰهِ اِلَى النَّارِ فَهُمْ يُوْزَعُوْنَ{۱۹}فصلت

جواب ترجمہ: اور اس دن کا دھیان رکھو جب اللہ کے دشمنوں کو جمع کر کے آگ کی طرف لے جایا جائے گا، چنانچہ انہیں ٹولیوں میں بانٹ دیا جائے گا۔

خلاصہ تفسیر: ان مجرمین پر عذاب اخروی بیان کیا جارہا ہے کہ آخرت کی ذلت ورسوائی کا کیسا

ہولناک منظر ہو گا، ساتھ ہی مطیعین پر انعامات خداوندی اور ان کے اعزاز واکرام کا مضمون ارشاد فرمایا جارہا ہے ارشاد ہے اور جس روز کہ جمع کیا جائے گا اللہ کے دشمنوں کو دوزخ کی آگ کی طرف گھسیٹتے ہوئے تو وہ اس وقت روکے ہوئے ہوں گے، تاکہ سب کے سب جمع ہو جائیں اور بیک وقت ان تمام مجرمین کو موقف حساب میں حساب اعمال کے لیے پیش کیا جائے۔ (معارف لکاندھلوی)

علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ ان مشرکوں سے کہو کہ قیامت کے دن ان کا حشر جہنم کی طرف ہو گا اور داروغہ جہنم ان سب کو جمع کریں گے جیسے فرمان ہے وَنَسُوْقُ الْمُجْرِمِيْنَ اِلٰى جَهَنَّمَ وِرْدًا (مریم :۸۶) یعنی گنہگاروں کو سخت پیاس کی حالت میں جہنم کی طرف ہانک لے جائیں گے۔

انہیں جہنم کے کنارے کھڑا کر دیا جائے گا اور ان کے اعضاء بدن اور کان اور آنکھیں اور پوست ان کے اعمال کی گواہیاں دیں گی، تمام اگلے پچھلے عیوب کھل جائیں گے ہر عضو بدن پکار اٹھے گا کہ مجھ سے اس نے یہ یہ گناہ کیا، اس وقت یہ اپنے اعضا کی طرف متوجہ ہو کر انہیں ملامت کریں گے۔ کہ تم نے ہمارے خلاف گواہی کیوں دی؟

علامہ عز بن عبد السلام رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یوزعون کا مطلب یہ ہے کہ یا تو وہ چلائے جائیں گے، یا وہ جدا جدا ہونے سے روکے جائیں گے، یا اس کا مطلب یہ ہے کہ پہلے آنے والوں کو روکا جائے گا تاکہ بعد والے بھی آجائیں۔ (تفسیر عز بن عبد السلام)

اعضائے انسانی بول اٹھیں گے

سوال انسانی اعضا اور جوارح قیامت کے دن بولیں گے، باتیں کریں گے، انسان کے خلاف گواہی دیں گے اس پر آیات قرآنی شاہد ہیں، ان کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

حَتّٰٓى اِذَا مَا جَآءُوْهَا شَهِدَ عَلَيْهِمْ سَمْعُهُمْ وَاَبْصَارُهُمْ وَجُلُوْدُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ {۲۰} وَقَالُوْا لِجُلُوْدِهِمْ لِمَ شَهِدْتُّمْ عَلَيْنَا ۭ قَالُوْٓا اَنْطَقَنَا اللّٰهُ الَّذِيْٓ اَنْطَقَ كُلَّ شَيْءٍ وَّهُوَ خَلَقَكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ {۲۱} فصلت

جواب ترجمہ: یہاں تک کہ جب وہ اس (آگ) کے پاس پہنچ جائیں گے تو ان کے کان، ان کی آنکھیں اور ان کی کھالیں ان کے خلاف گواہی دیں گی کہ وہ کیا کچھ کرتے رہے ہیں وہ اپنی کھالوں سے کہیں گے کہ تم نے ہمارے خلاف کیوں گواہی دی۔ وہ کہیں گی کہ ہمیں اسی ذات نے بولنے کی طاقت دے دی ہے جس نے ہر چیز کو گویائی عطا فرمائی ہے۔ اور وہی ہے جس نے تمہیں پہلی بار پیدا کیا تھا، اور اسی کی طرف تمہیں واپس لے جایا جارہا ہے۔

خلاصہ تفسیر: گناہ گاروں کے اعضاء بدن اور کان اور آنکھیں اور پوست ان کے اعمال کی گواہیاں دیں گی، تمام اگلے پچھلے عیوب کھل جائیں گے ہر عضو بدن پکار اٹھے گا کہ مجھ سے اس نے یہ یہ گناہ کیا، اس وقت یہ اپنے اعضا کی طرف متوجہ ہو کر انہیں ملامت کریں گے کہ تم نے ہمارے خلاف گواہی کیوں دی؟ وہ کہیں گے اللہ تعالیٰ کی حکم بجا آوری کے ماتحت اس نے ہمیں بولنے کی طاقت دی اور ہم نے سچ سچ کہہ سنایا۔ وہی تو تمہارا ابتداء پیدا کرنے والا ہے اسی نے ہر چیز کو زبان عطا فرمائی ہے۔ خالق کی مخالفت اور اس کے حکم کی خلاف ورزی کون کر سکتا ہے؟

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ضَحِكَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ يَوْمٍ وَتَبَسَّمَ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ مسکرائے یا ہنس دیئے، (مسند البزار) پھر فرمایا تم میری ہنسی کی وجہ دریافت نہیں کرتے؟ صحابہ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ فرمایئے کیا وجہ ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کیوں ہنسے یا مسکرائے؟

عَجِبْتُ مِنْ مُجَادَلَةِ الْعَبْدِ رَبَّهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، يَقُولُ: أَيْ رَبِّ، أَلَيْسَ وَعَدْتَنِي أَلَّا تَظْلِمَنِي؟ قَالَ: بَلَى فَيَقُولُ: فَإِنِّي لَا أَقْبَلُ عَلَيَّ شَاهِدًا إِلَّا مِنْ نَفْسِي. فَيَقُولُ اللهُ تَبَارَكَ وَتَعَالَى: أَوَلَيْسَ كَفَى بِي شَهِيدًا، وَبِالْمَلَائِكَةِ الْكِرَامِ الْكَاتِبِينَ؟! قَالَ: فَيُرَدِّدُ هَذَا الْكَلَامَ مِرَارًا قَالَ: فَيُخْتَمُ عَلَى فِيهِ، وَتَتَكَلَّمُ أَرْكَانُهُ بِمَا كَانَ يَعْمَلُ، فَيَقُولُ: بُعْدًا لَكُنَّ وَسُحقا، عَنْكُنَّ كُنْتُ أُجَادِلُ

آپ نے فرمایا قیامت کے دن بندہ اپنے رب سے جھگڑے گا۔ کہے گا کہ اے اللہ! کیا تیرا وعدہ نہیں کہ تو ظلم نہ کرے گا؟ اللہ تعالیٰ اقرار کرے گا تو بندہ کہے گا کہ میں تو اپنی بد اعمالیوں پر کسی کی

شہادت قبول نہیں کرتا۔ اللہ فرمائے گا کیا میری اور میرے بزرگ فرشتوں کی شہادت ناکافی ہے ؟ لیکن پھر بھی وہ بار بار اپنی ہی کہتا چلا جائے گا۔ پس اتمام حجت کیلئے اس کی زبان بند کر دی جائے گی اور اس کے اعضاء بدن سے کہا جائے گا کہ اس نے جو جو کیا تھا اس کی گواہی تم دو۔ جب وہ صاف صاف اور سچی گواہی دے دیں گے تو یہ انہیں ملامت کرے گا اور کہے گا کہ میں تو تمہارے ہی بچاؤ کیلئے لڑ جھگڑ رہا تھا۔ (مسلم نسائی ، حافظ ابو بکر البزار، تفسیر ابن کثیر)

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ وَيُدْعَى الْكَافِرُ وَالْمُنَافِقُ لِلْحِسَابِ، فَيُعْرِضُ عَلَيْهِ رَبُّهُ عَزَّ وَجَلَّ- عَمَلَهُ، فَيَجْحَدُ وَيَقُولُ: أَيْ رَبِّ، وَعَزَّتِكَ لَقَدْ كَتَبَ عَلَيَّ هٰذَا الْمَلَكُ مَا لَمْ أَعْمَلْ! فَيَقُولُ لَهُ الْمَلَكُ: أَمَا عَمِلْتَ كَذَا، فِي يَوْمِ كَذَا، فِي مَكَانِ كَذَا؟ فَيَقُولُ: لَا وَعِزَّتِكَ، أَيْ رَبِّ مَا عَمِلْتُهُ. [قَالَ] فَإِذَا فَعَلَ ذٰلِكَ خُتِمَ عَلَى فِيهِ قَالَ الْأَشْعَرِيُّ: فَإِنِّي لَأَحْسَبُ أَوَّلَ مَا يَنْطِقُ مِنْهُ فَخِذَهُ الْيُمْنَى

کافر و منافق کو حساب کیلئے بلایا جائے گا اس کے اعمال اس کے سامنے پیش ہوں گے تو قسمیں کھا کھا کر انکار کرے گا اور کہے گا اے اللہ تیرے فرشتوں نے وہ لکھ لیا ہے جو میں نے ہر گز نہیں کیا، فرشتے کہیں گے فلاں دن فلاں جگہ تو نے فلاں عمل نہیں کیا؟ یہ کہے گا اے اللہ ! تیری عزت کی قسم میں نے ہر گز نہیں کیا۔ اب منہ پر مہر مار دی جائے گی اور اعضا بدن گواہی دیں گے سب سے پہلے اس کی داہنی ران بولے گی۔ (ابن ابی حاتم)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں إِذَا كَانَ يَوْمُ الْقِيَامَةِ عُرِّفَ الْكَافِرُ بِعَمَلِهِ، فَجَحَدَ وَخَاصَمَ، فَيُقَالُ: هٰؤُلَاءِ جِيرَانُكَ، يَشْهَدُونَ عَلَيْكَ؟ فَيَقُولُ: كَذَبُوا. فَيَقُولُ: أَهْلُكَ [وَ] عَشِيرَتُكَ؟ فَيَقُولُ: كَذَبُوا. فَيَقُولُ: احْلِفُوا فَيَحْلِفُونَ، ثُمَّ يُصِمُّهُمُ اللهُ وَتَشْهَدُ عَلَيْهِمْ أَلْسِنَتُهُمْ، وَيُدْخِلُهُمُ النَّارَ (مسند حافظ ابی یعلیٰ)

قیامت کے دن کافر کے سامنے اس کی بد اعمالیاں لائی جائیں گی تو وہ انکار کرے گا اور جھگڑنے لگے گا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا یہ ہیں تیرے پڑوسی جو شاہد ہیں۔ یہ کہے گا سب جھوٹے ہیں۔ فرمائے گا یہ ہیں

تیرے کنبے قبیلے والے جو گواہ ہیں، کہے گا یہ بھی سب جھوٹے ہیں۔ اللہ ان سے قسم دلوائے گا، وہ قسم کھائیں گے لیکن یہ انکار ہی کرے گا۔ سب کو اللہ چپ کرا دے گا اور خود ان کی زبانیں ان کے خلاف گواہی دیں گی، پھر انہیں جہنم واصل کر دیا جائے گا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ابن ازرق سے فرمایا کہ إِنَّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يَأْتِي عَلَى النَّاسِ مِنْهُ حِينٌ، لَا يَنْطِقُونَ وَلَا يَعْتَذِرُونَ وَلَا يَتَكَلَّمُونَ حَتَّى يُؤْذَنَ لَهُمْ، ثُمَّ يُؤْذَنُ لَهُمْ فَيَخْتَصِمُونَ، فَيَجْحَدُ الْجَاحِدُ بِشِرْكِهِ بِاللهِ، فَيَحْلِفُونَ لَهُ كَمَا يَحْلِفُونَ لَكُمْ، فَيَبْعَثُ اللهُ عَلَيْهِمْ حِينَ يَجْحَدُونَ شُهَدَاءَ مِنْ أَنْفُسِهِمْ، جُلُودَهُمْ وَأَبْصَارَهُمْ وَأَيْدِيَهُمْ وَأَرْجُلَهُمْ، وَيَخْتِمُ عَلَى أَفْوَاهِهِمْ، ثُمَّ يَفْتَحُ لَهُمُ الْأَفْوَاهَ فَتُخَاصِمُ الْجَوَارِحَ، فَتَقُولُ: {أَنْطَقَنَا اللهُ الَّذِي أَنْطَقَ كُلَّ شَيْءٍ وَهُوَ خَلَقَكُمْ أَوَّلَ مَرَّةٍ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ} فَتُقِرُّ الْأَلْسِنَةُ بَعْدَ الْجُحُودِ (ابن ابی حاتم)

قیامت کے دن ایک وقت تو وہ ہو گا کہ نہ کسی کو بولنے کی اجازت ہو گی نہ عذر معذرت کرنے کی۔ پھر جب اجازت دی جائے گی تو بولنے لگیں گے اور جھگڑے کریں گے اور انکار کریں گے اور جھوٹی قسمیں کھائیں گے۔ پھر گواہوں کو لایا جائے گا آخر زبانیں بند ہو جائیں گی اور خود اعضاء بدن ہاتھ پاؤں وغیرہ گواہی دیں گے۔ پھر زبانیں کھول دی جائیں گی تو اپنے اعضاء بدن کو ملامت کریں گے وہ جواب دیں گے کہ ہمیں اللہ نے قوت گویائی دی اور ہم نے صحیح صحیح کہا پس زبانی اقرار بھی ہو جائے گا۔

رافع ابو الحسن رحمہ اللہ نے بیان کیا کہ قیامت کے دن ایک آدمی کی زبان کیسی ہو گی؟ وَصَفَ رَجُلًا جَحَدَ، قَالَ: فَيُشِيرُ اللهُ إِلَى لِسَانِهِ، فَيَرْبُو فِي فَمِهِ حَتَّى يَمْلَأَهُ، فَلَا يَسْتَطِيعُ أَنْ يَنْطِقَ بِكَلِمَةٍ، ثُمَّ يَقُولُ لِآرَابِهِ كُلِّهَا: تَكَلَّمِي وَاشْهَدِي عَلَيْهِ. فَيَشْهَدُ عَلَيْهِ سَمْعُهُ وَبَصَرُهُ وَجِلْدُهُ، وَفَرْجُهُ وَيَدَاهُ وَرِجْلَاهُ: صَنَعْنَا، عَمِلْنَا، فَعَلْنَ (ابن ابی حاتم، تفسیر ابن کثیر)

ایک شخص کے بارے بیان کیا کہ وہ انکار کر دے گا تو اللہ تعالیٰ اس کی زبان کی طرف اشارہ کریں گے ، اپنے کرتوت کے انکار پر زبان اتنی موٹی ہو جائے گی اس کا منہ بھر جائے گا، وہ کوئی بات بھی نہیں

کر سکے گا، پھر اس کے جسم کے سارے اعضا کو حکم ہو گا کہ تم بولو اور تم گواہی دو، چنانچہ اس پر اس کے کان بولیں گے، اس کی آنکھیں بولیں گی، اس کی چمڑی بولے گی، اس کی شرم گاہ بولے گی، اس کے ہاتھ بولیں گے، اس کے پاؤں بولیں گے، کہ ہم نے یہ یہ کام کیا تھا۔

سورۃ یاسین میں اللہ تعالیٰ نے واضح فرمایا کہ {اَلْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلَى أَفْوَاهِهِمْ وَتُكَلِّمُنَا أَيْدِيهِمْ وَتَشْهَدُ أَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ} (یس: ٦٥) آج کے دن ہم ان کے مونہوں پر مہر لگا دیں گے، ان کے ہاتھ ہم سے باتیں کریں گے، ان کے پاؤں ان کے خلاف گواہی دیں گے، جو کچھ وہ کرتے تھے۔

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جب ہم سمندر کی ہجرت سے واپس آئے تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن ہم سے پوچھا تم نے حبشہ کی سرزمین پر کوئی تعجب خیز بات دیکھی ہو تو سناؤ، اس پر ایک نوجوان نے کہا ایک مرتبہ ہم وہاں بیٹھے ہوئے تھے۔ ان کے علماء کی ایک بڑھیا عورت ایک پانی کا گھڑا سر پر لئے ہوئے آرہی تھی انہی میں سے ایک جوان نے اسے دھکا دیا جس سے وہ گر پڑی اور گھڑا ٹوٹ گیا۔ وہ اٹھی اور اس شخص کی طرف دیکھ کر کہنے لگی۔ (ابن ابی حاتم)

سَوْفَ تَعْلَمُ يَا غُدَر، إِذَا وَضَعَ اللهُ الْكُرْسِيَّ، وَجَمَعَ الْأَوَّلِينَ وَالْآخِرِينَ، وَتَكَلَّمَتِ الْأَيْدِي وَالْأَرْجُلُ بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ، فَسَوْفَ تَعْلَمُ كَيْفَ أَمْرِي وَأَمْرُكَ عِنْدَهُ غَدًا؟ قَالَ: يَقُولُ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: صَدَقَتْ وَ صَدَقَتْ، كَيْفَ يُقدس اللهُ قَوْمًا لَا يُؤْخَذُ لِضَعِيفِهِمْ مِنْ شَدِيدِهِمْ؟

اے مکار! تجھے اس کا حال اس وقت معلوم ہو گا جبکہ اللہ تعالیٰ اپنی کرسی سجائے گا اور سب اگلے پچھلوں کو جمع کرے گا اور ہاتھ پاؤں بولیں گے، جو کچھ وہ کرتے رہے۔ اور ایک ایک عمل کھل جائے گا اس وقت تیرا اور میرا فیصلہ بھی ہو جائے گا۔ یہ سن کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرمانے لگے، اس نے سچ کہا، اس نے سچ کہا، اس قوم کو اللہ تعالیٰ کس طرح پاک کرے جس میں زور آور سے کمزور کا بدلہ نہ لیا جائے؟

یہی روایت دوسری سند سے بھی مروی ہے، تَقُولُ لَهُمُ الْأَعْضَاءُ وَالْجُلُودُ حِينَ يَلُومُونَهَا

عَلَى الشَّهَادَةِ عَلَيْهِمْ: مَا كُنْتُمْ تَتَكَتَّمُونَ مِنَّا الَّذِي كُنْتُمْ تَفْعَلُونَهُ بَلْ كُنْتُمْ تُجَاهِرُونَ اللهَ بِالْكُفْرِ وَالْمَعَاصِي، وَلَا تُبَالُونَ مِنْهُ فِي زَعْمِكُمْ؛ لِأَنَّكُمْ كُنْتُمْ لَا تَعْتَقِدُونَ أَنَّهُ يَعْلَمُ جَمِيعَ أَفْعَالِكُمْ؛ وَلِهٰذَا قَالَ: {وَلٰكِنْ ظَنَنْتُمْ أَنَّ اللهَ لَا يَعْلَمُ كَثِيرًا مِمَّا تَعْمَلُونَ وَذٰلِكُمْ ظَنُّكُمُ الَّذِي ظَنَنْتُمْ بِرَبِّكُمْ أَرْدَاكُمْ}

جب یہ اپنے اعضا کو ملامت کریں گے تو اعضاء جواب دیتے ہوئے یہ بھی کہیں گے کہ تمہارے اعمال دراصل کچھ پوشیدہ نہ تھے اللہ کے دیکھتے ہوئے اس کے سامنے تم کفر و نافرمانیوں میں ڈوبے رہتے تھے اور کچھ پرواہ نہیں کرتے تھے۔ کیونکہ تم سمجھے ہوئے تھے کہ ہمارے بہت سے اعمال اللہ تعالیٰ سے چھپے ہوئے ہیں، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم گمان کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ بہت سے ایسے کاموں کو نہیں جانتا جو تم کرتے تھے حالانکہ یہ تمہارا وہ گمان تھا جو تم اپنے رب کے ساتھ رکھتے تھے، اسی فاسد خیال نے تمہیں تلف اور برباد کر دیا اور آج کے دن تم برباد ہو گئے۔ (ابن ابی حاتم، تفسیر ابن کثیر)

اللہ کے بارے بد گمانی کا نقصان

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

وَمَا كُنْتُمْ تَسْتَتِرُوْنَ اَنْ يَّشْهَدَ عَلَيْكُمْ سَمْعُكُمْ وَلَآ اَبْصَارُكُمْ وَلَا جُلُوْدُكُمْ وَلٰكِنْ ظَنَنْتُمْ اَنَّ اللّٰهَ لَا يَعْلَمُ كَثِيْرًا مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ{۲۲}وَذٰلِكُمْ ظَنُّكُمُ الَّذِيْ ظَنَنْتُمْ بِرَبِّكُمْ اَرْدٰىكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ {۲۳}فَاِنْ يَّصْبِرُوْا فَالنَّارُ مَثْوًى لَّهُمْ وَاِنْ يَّسْتَعْتِبُوْا فَمَا هُمْ مِّنَ الْمُعْتَبِيْنَ {۲۴}وَقَيَّضْنَا لَهُمْ قُرَنَآءَ فَزَيَّنُوْا لَهُمْ مَّا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَحَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ فِيْٓ اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اِنَّهُمْ كَانُوْا خٰسِرِيْنَ{۲۵}فصلت

جواب ترجمہ: اور تم اس وجہ سے پوشیدہ نہیں ہوتے تھے کہ تمہارے کان اور تمہاری آنکھیں اور تمہاری کھالیں تمہارے خلاف گواہی دیں گے اور لیکن تم نے یہ خیال کیا تھا کہ اللہ بہت سے ان اعمال کو نہیں جانتا جنہیں تم کرتے ہو، اور تمہارا یہ گمان جو تم نے اپنے رب کے بارے میں کیا اس نے تمہیں

ہلاک کر دیا، سو تم نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو گئے، سو اگر صبر کریں تو آگ ٹھکانا ہے ان کے لیے، اور اگر راضی کرنا چاہیں تو ان کی درخواست قبول نہیں کی جائے گی، اور ہم نے ان کے لیے ساتھیوں کو مسلط کر دیا سو انہوں نے ان کے لیے ان چیزوں کو مزین کر دیا جو ان کے آگے اور پیچھے ہیں اور ان پر بات ثابت ہو گئی ان جماعتوں میں شامل ہو کر جو ان سے پہلے جنات میں سے اور انسانوں میں سے گزر چکی ہے بیشک وہ خسارہ والے ہیں۔

وَمَا كُنْتُمْ تَسْتَتِرُوْنَ اَنْ يَّشْهَدَ عَلَيْكُمْ سَمْعُكُمْ وَلَآ اَبْصَارُكُمْ وَلَا جُلُوْدُكُمْ: یہ بھی کافروں سے خطاب ہے وہاں ان سے کہا جائے گا کہ تم دنیا میں جو کام کرتے تھے اس کا تمہیں ذرا بھی احتمال نہ تھا کہ قیامت کے دن تمہارے کان اور آنکھیں چمڑے تمہارے خلاف گواہی دیدیں گے لہٰذا تم ان سے نہ چھپتے تھے نہ چھپ سکتے تھے جس کی وجہ سے تم دلیری کے ساتھ گناہ کرتے تھے تم سمجھتے تھے کہ ہمارے خلاف گواہی دینے والا کوئی نہ ہو گا مخلوق کے بارے میں تو تمہارا خیال تھا ہی تم نے اللہ تعالیٰ کے بارے میں بھی یہی خیال کر رکھا تھا کہ وہ تمہارے بہت سے اعمال کو نہیں جانتا۔ (انوار)

علامہ قرطبی رحمہ اللہ نے کہا اکثر علماء کے قول کے مطابق تَسْتَتِرُوْنَ کا معنی ہے "تم چھپتے تھے" یعنی تم جو اپنے آپ سے چھپتے تھے اعضاء کی اپنے خلاف گواہی کے خوف سے، چونکہ انسان کے لیے اپنے عمل کو اپنے آپ سے چھپانا ممکن نہیں ہے اس لیے یہاں استخفاء معصیت کے ترک کے معنی میں ہو گا اور بعض نے کہا الاستتار بمعنی اتقاء ہے یعنی تم جو دنیا میں بچتے تھے اس سے کہ آخرت میں تمہارے اعضاء تمہارے خلاف گواہی دیں گے لہٰذا اس گواہی کے خوف سے تم نے گناہ چھوڑ دیئے۔ (الجامع لاحکام القرآن، انوار البیان)

صحیح بخاری میں ہے کہ عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ میں کعبہ شریف کے پردوں میں چھپا ہوا تھا تین آدمی آئے ان میں سے ایک ثقفی تھا اور دو قریشی تھے ان کے پیٹ بھاری تھے اور کم سمجھ تھے انہوں نے کچھ ایسی باتیں کیں جنہیں میں (ٹھیک سے) نہ سن سکا ان میں سے ایک نے کہا کہ بتاؤ اللہ ہماری باتوں کو سنتا ہے دوسرے نے کہا بلند آواز ہو تو سنتا ہے اور بلند نہ ہو تو نہیں سنتا تیسرے

نے کہا کہ اگر وہ سنتا ہے تو سب کچھ سنتا ہے میں نے یہ قصہ رسول اللہ ﷺ کو سنا دیا تو اللہ تعالیٰ نے وَمَا كُنْتُمْ تَسْتَتِرُوْنَ سے مِنَ الْخَاسِرِيْنَ تک آیت کریمہ نازل فرمائی، مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سب کچھ سنتا ہے اور اس کے سننے اور جاننے کے علاوہ یہ بات بھی ہے کہ تمہارے اعضاء بھی تمہارے خلاف گواہی دے دیں گے لہٰذا ایمان اور اعمال صالحہ سے متصف ہونا ضروری ہے۔ (بخاری، اسباب النزول، انوار البیان)

وَذٰلِكُمْ ظَنُّكُمُ الَّذِيْ ظَنَنْتُمْ بِرَبِّكُمْ اَرْدٰىكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ: اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں، یہ تمہارا گمان دنیا میں اللہ تعالیٰ سے متعلق تھا کہ اللہ تعالیٰ تمہارے بہت سے گناہوں اور جرائم سے واقف نہیں، اللہ تعالیٰ کے متعلق دنیا میں تمہارے اسی گمان نے تم کو تباہ کیا، پھر تم لوگ نقصان میں چلے گئے، اردیٰ: یہ ہلاک کرنے کے معنیٰ میں آتا ہے اور مجرد ردیٰ ہلاک ہونے کے معنیٰ میں آتا ہے ردی یردی۔ المشیٰ نے اسی معنیٰ میں استعمال کیا ہے۔ فی الطوف خفت علی الردیٰ۔ وکم من رد اھلہ لم یرم۔ کیا گھومنے میں تم کو میرے بارے میں ہلاکت کا خطرہ ہے کتنے ہلاک ہونے والے ہیں اس کے اہل کا اس کے متعلق قصد بھی نہیں ہوتا۔

حسن رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ انہوں نے آیت تلاوت فرمائی وَذٰلِكُمْ ظَنُّكُمُ الَّذِيْ ظَنَنْتُمْ بِرَبِّكُمْ اَرْدٰىكُمْ، لوگوں کا عمل اپنے رب سے متعلق ان کے گمانوں کی مقدار سے ہے، مؤمن کا گمان اپنے رب کے متعلق اچھا گمان ہے، اس لئے وہ اچھا عمل کرتا ہے اور کافر اور منافق اس کا گمان برا ہے اس لئے وہ برے عمل کرتا ہے۔

حضرت معمر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ مجھے ایک شخص نے بیان کیا کہ ایک آدمی کے متعلق آگ کا حکم ہوگا، وہ ادھر ادھر متوجہ ہوگا اور کہے گا اے میرے رب! میرا یہ گمان تو آپ کے متعلق نہ تھا اللہ تعالیٰ فرمائے گا میرے متعلق تیرا کیا گمان تھا وہ کہے گا میرا گمان یہ تھا کہ تو مجھے بخش دے گا اور عذاب نہ دے گا تو اللہ تعالیٰ فرمائیں گے میں تیرے گمان کے مطابق ہوں، جو تو نے میرے متعلق کیا۔ (جامع البیان فی تاویل القرآن)

قتادہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ گمان دو قسم پر ہے، ایک وہ گمان جو نجات دلانے والا ہے اور دوسرا وہ گمان جو ہلاک کرنے والا ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا، اَلَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَاَنَّهُمْ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ (البقرہ:۴۶) جو یقین رکھتے ہیں کہ بیشک وہ اپنے رب سے ملاقات کرنے والے ہیں اور یہ کہ وہ اس کی طرف لوٹنے والے ہیں۔ اور دوسرے مقام پر فرمایا۔ اِنِّيْ ظَنَنْتُ اَنِّيْ مُلٰقٍ حِسَابِيَهْ۔ (الحاقہ ۲۰) بلاشہ میں پہلے ہی یقین رکھتا تھا کہ میرا حساب میرے سامنے پیش ہونے والا ہے، یہ ظن نجات دینے والا ہے۔ اور یہ ظن یقین کے معنیٰ میں ہے اور اس مقام پر فرمایا وَذٰلِكُمْ ظَنُّكُمُ الَّذِيْ ظَنَنْتُمْ بِرَبِّكُمْ اَرْدٰىكُمْ، یہ ہلاکت میں ڈالنے والا ظن ہے۔ (جامع البیان فی تاویل القرآن)

فَاِنْ يَّصْبِرُوْا فَالنَّارُ مَثْوًى لَّهُمْ وَاِنْ يَّسْتَعْتِبُوْا فَمَا هُمْ مِّنَ الْمُعْتَبِيْنَ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اگر یہ لوگ آگ پر صبر کریں جن کو آگ کی طرف لایا جارہا ہے تو آگ ان کے لئے جائے سکونت ہے اور اگر یہ واپس لوٹنے کا مطالبہ کریں، استعتاب، العتبیٰ واپس لوٹنا اس چیز کی جانب جس سے عذاب میں کمی آجائے، تو فرمایا یہ ان لوگوں میں سے نہیں کہ جن کو جنت کی طرف لوٹایا جائے اور جس کی وجہ ان سے مبتلا شدہ عذاب میں تخفیف ہو، یہ اس ارشاد کی طرح ہے، جس میں ان کے متعلق اطلاع دی گئی ہے۔ قَالُوْا غَلَبَتْ عَلَيْنَا شِقْوَتُنَا (المؤمنون ۱۰۶) اے ہمارے رب ہم پر ہماری بدبختی نے غلبہ کیا اور جیسا کفار کا یہ قول جو وہ جہنم کے نگرانوں سے کہیں گے اُدْعُوْا رَبَّكُمْ يُخَفِّفْ عَنَّا يَوْمًا مِّنَ الْعَذَابِ (غافر ۴۹) تا وما دعاء الکافرین الا فی ضلال غافر۔ ۵۰) تم اپنے رب کو پکارو وہ ہم سے عذاب کا ایک دن ہلکا کر دے۔ اور کافروں کی دعا بے کار ہے۔

ابن جریر رحمہ اللہ کہتے ہیں اور کافروں کا یہ قول ان نظن الا ظنا وما نحن بمستیقنین۔ (الجاثیہ ۲) اور ہمیں بیان کیا گیا کہ جناب نبی مکرم ﷺ فرماتے اور اپنے رب سے اس کو روایت کرتے ہیں عبدی عند ظنہ بی وانا معہ اذا دعانی، میرے بندے کے لئے ہے جو اس کا میرے متعلق گمان ہے اور جب وہ مجھے پکارتا ہے تو میں اس کے ساتھ (اپنی قدرت و علم سے) ہوتا ہوں۔

فَاَصْبَحْتُمْ مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ: پس آج کے دن ہلاکت پانے والوں میں سے بن گئے اور تم نے اپنے

جنت والے ٹھکانے دوزخی ٹھکانوں کے بدلے دے ڈالے۔

وَقَيَّضْنَا لَهُمْ قُرَنَآءَ فَزَيَّنُوْا لَهُمْ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ: اور ہم نے ان پر ان کے ہم مثل شیاطین مقرر کر دیئے اور ہم نے ان کو انکا ساتھی بنادیا، ان کے ساتھ جوڑ دیا تاکہ وہ ان کے لئے ان کے برے اعمال کو مزین کرتے ہیں چنانچہ انہوں نے ان کے لئے ان اعمال کو مزین کر دیا، سدی کہتے ہیں کہ قرناء سے مراد شیاطین ہیں، ان کفار کے لئے ان کے ساتھی شیاطین نے دنیا کے معاملے کو مزین کر دیا انہوں نے دنیا کو محبوب بنادیا چنانچہ انہوں نے آخرت کے مقابلے میں اس کو ترجیح دی، **مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ** سے مراد دنیا۔ **وَمَا خَلْفَهُمْ** اور انہوں نے موت کے بعد والی حالت کو اس طرح مزین کیا کہ ان کو معاد کی تکذیب پر آمادہ کیا اور کہا مرنے والا اٹھایا نہ جائے گا اور ثواب و عقاب کچھ نہیں، ان سب باتوں کو انہوں نے سچا سمجھا اور من چاہی چیزوں کا کرنا ان کے لئے آسان ہو گیا اور اپنے اس استحسان سے انہوں نے لذیر بے حیائیوں اور فحاشی کو اپنے لئے چن لیا۔ سدی رحمہ اللہ نے بین ایدیھم کی تفسیر دنیا اور وما خلفھم کی تفسیر امر آخرت سے کی ہے۔

وَحَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ فِيْٓ اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ: اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں شیاطین کے کہنے پر جب انہوں نے برائیوں کو اختیار کیا تو عذاب ان کے لئے لازم ہو گیا، سدی رحمہ اللہ نے القول کے ثابت ہونے کا مطلب عذاب آنا، لیا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں جن کے دوست شیاطین بن گئے انہوں نے ان کے لئے دنیا اور آخرت کی تکذیب کو مزین کر کے پیش کیا تو ان پر بھی ان سابقہ امتوں کی طرح عذاب ثابت ہو گیا اور وہ عذاب جس طرح ان پر آیا ہے اسی طرح بعض جن وانس پر پہلے اترا تھا، وہ وہ عذاب دی گئیں امتیں جو جن انس میں سے تھیں وہ اپنے اس سودے میں خسارے میں مبتلا ہوئیں، اس لئے کہ انہوں نے رضا ورحمت الٰہی کو دنیا کے بدلے فروخت کر کے آخرت کا عذاب اور اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کو مول لے لیا۔

قرآن کریم کیساتھ دشمنی کا انجام

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَالْغَوْا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُوْنَ {۲۶} فَلَنُذِيْقَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَذَابًا شَدِيْدًا ۙ وَّلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَسْوَاَ الَّذِيْ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ {۲۷} ذٰلِكَ جَزَآءُ اَعْدَآءِ اللّٰهِ النَّارُ لَهُمْ فِيْهَا دَارُ الْخُلْدِ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَجْحَدُوْنَ {۲۸} وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا رَبَّنَآ اَرِنَا الَّذَيْنِ اَضَلّٰنَا مِنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ نَجْعَلْهُمَا تَحْتَ اَقْدَامِنَا لِيَكُوْنَا مِنَ الْاَسْفَلِيْنَ {۲۹} فصلت

جواب ترجمہ: اور جن لوگوں نے کفر کیا انہوں نے کہا کہ اس قرآن کو مت سنو اور اس کے درمیان شور مچایا کرو، شاید تم غالب رہو، سو جن لوگوں نے کفر کیا ہم انہیں ضرور ضرور سخت عذاب چکھادیں گے اور ضرور ضرور انہیں برے کاموں کی سزادیں گے جنہیں وہ کیا کرتے تھے۔ یہ سزا ہے اللہ کے دشمنوں کی جو آگ ہے، ان کے لیے اس میں ہمیشہ کا رہنا ہے اس بات کے بدلہ میں کہ وہ ہماری آیتوں کا انکار کیا کرتے تھے، اور جن لوگوں نے کفر کیا وہ کہیں گے کہ اے ہمارے پروردگار جنات میں سے اور انسانوں میں سے جن لوگوں نے ہمیں گمراہ کیا ہم کو انہیں دکھادیجیے ہم انہیں اپنے قدموں کے نیچے کرلیں تاکہ یہ دونوں گروہ زیادہ ذلیلوں میں سے ہوجائیں۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَالْغَوْا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُوْنَ : اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں، مشرکین قریش جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے منکر ہیں انہوں نے اپنے دوست مشرکین اور مطیع لوگوں سے کہا کہ اس قرآن کو پڑھنے والے کی تلاوت نہ سنو جب وہ اسے پڑھ رہا ہو، نہ ہی تم اس کی طرف دھیان دو اور کان لگاؤ، جو کچھ اس کے اندر موجود ہے اس کی پیروی واتباع بھی نہ کرو، ورنہ پھر تم اس پر عمل کرنے لگو گے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ یہ کفار کا مقولہ ہے کہ نہ تم قرآن کی اتباع کرو اور اس سے غفلت اختیار کرو۔

وَالْغَوْا فِيْهِ اور جب قرآن پڑھنے والا قرآن کی تلاوت کرے تو تم لوگ باطل باتوں کے ذریعہ شور مچاؤ تاکہ تمہیں اس کی آواز سنائی نہ دے اور تاکہ تمہیں اس میں بیان کیے گئے مضمون کی سمجھ نہ آئے۔ مجاہد رحمہ اللہ سے والغوا فیہ کا مطلب یہ نقل کیا گیا کہ تالیاں پیٹو اور سیٹیاں بجاؤ اور نبی کریم ﷺ

جب قرآن کریم کی تلاوت کررہے ہوں تو اس وقت ان کے کلام میں خلط ملط کرو، چنانچہ جب نبی کریم ﷺ تلاوت کرتے تو قریش ایسا ہی کرتے تھے، دوسرے مقام پر قرآن کریم میں قریش کی ایک بری اور لغو حرکت کا ذکر کیا گیا کہ ان کی نماز بیت اللہ کے پاس سیٹیاں بجانا اور تالیاں پیٹنا ہوتی تھی، قتادہ رحمہ اللہ نے والغوفیہ کا مطلب یہ بیان کیا کہ قرآن کا انکار کرو اور اس سے دشمنی اختیار کرو اور مشرکین عرب یہی کہتے تھے، حضرت معمر رحمہ اللہ سے بعض نے یہ قول، والغوافیہ کے متعلق نقل کیا کہ باتیں کرو، چیخیں مارو تاکہ قرآن سنائی نہ دے۔

لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُوْنَ: شاید کہ تم اپنے اس فعل سے قرآن سننے والے کو سننے سے روک سکو اور وہ سننے نہ پائے جب وہ سنے گا نہیں تو وہ نہ سمجھے گا اور نہ اس کی اتباع کرے گا، یوں کرنے سے تم لوگ محمد ﷺ پر غلبہ پاسکو گے۔

فَلَنُذِيْقَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَذَابًا شَدِيْدًا: پس ہم ضرور بضرور اللہ تعالیٰ کے منکرین مشرکین قریش کو جو قرآن کے متعلق یہ بات کہنے والے ہیں آخرت میں دردناک عذاب چکھائیں گے اور ان کے اس فعل اور دیگر افعال قبیحہ پر جو انہوں نے دنیا میں کمائے بدترین قسم کی سزا دیں گے۔

وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَسْوَاَ الَّذِيْ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ: دشمنان اسلام، اعداء قرآن کی اس بری حرکت کے باعث انہیں دنیا میں بھی سزا ملے گی اور آخرت میں تو دنیا کی سزا سے کہیں زیادہ بری سزا ملے گی، اس کی وجہ ان کے وہ کرتوت اور دشمنانہ طور طریقے ہیں جو اسلام اور قرآن کریم کے خلاف روا رکھتے تھے۔

ذٰلِكَ جَزَآءُ اَعْدَآءِ اللّٰهِ النَّارُ: اللہ تعالیٰ فرمارہے ہیں کہ یہ سزا جو ان مشرکین قریش کو ہم دینے والے ہیں وہ دشمنان خدا کی سزا ہے، پھر دوبارہ اس سزا کو نئے جملہ سے ذکر فرمایا کہ اس کی حقیقت کیا ہے، چنانچہ فرمایا، وہ آگ ہے۔

لَهُمْ فِيْهَا دَارُ الْخُلْدِ: پھر فرمایا اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہرانے والوں کے لئے آگ ہمیشہ ہمیش رہنے کا گھر ہے جس کی کوئی نہ انتہاء ہے اور نہ مدت اور جس گھر کی اللہ تعالیٰ نے ان کے متعلق خبر دی کہ وہ ان کو ملے گا وہ آگ ہی آگ ہے۔

جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَجْحَدُوْنَ: یہ اس چیز کی سزا ہے کہ یہ ہماری آیتوں کا انکار کرتے تھے، اس سے مراد یہ ہے کہ یہ لوگ قرآن مجید کی قرأت کے وقت بلند آواز سے لغو باتیں کرتے تھے، اس کو جحود اور انکار سے اس لیے تعبیر فرمایا کیونکہ ان کو یقین تھا کہ قرآن مجید معجز کلام ہے اور ان کو خطرہ تھا کہ جب لوگ اس کلام کو سن لیں گے تو اس پر ایمان لے آئیں گے، پس وہ جانتے تھے کہ قرآن مجید معجز کلام ہے لیکن وہ حسد، بغض اور عناد سے اس کے کلام اللہ ہونے کا انکار کرتے تھے۔ (تبیان القرآن)

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا رَبَّنَآ اَرِنَا الَّذَيْنِ اَضَلّٰنَا مِنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ: اللہ تعالیٰ خبر دے رہے ہیں کہ اللہ اور اس کے رسول کے منکرین جب جہنم میں داخل ہو چکیں گے تو اس کے بعد یہ عرض کریں گے اے ہمارے رب! ہمیں گمراہ کرنے والے جنات و انسان دکھا، بعض نے کہا کہ جنات میں سے ابلیس مراد ہے اور انسانوں میں ابن آدم (قابیل) مراد ہے جس نے اپنے بھائی کو قتل کیا تھا، حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ سے الجن سے شیطانوں کا شیطان ابلیس اور الانس سے ابن آدم مراد ہے جس نے اپنے فعل سے ہر صاحب کبیرہ کو دعوت دی وہ اپنی اس دعوت کی وجہ سے آگ میں جائے گا اور ابلیس کے ساتھ ہر مشرک بلا کر اس کو اس کے ساتھ جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔

نَجْعَلْهُمَا تَحْتَ اَقْدَامِنَا لِيَكُوْنَا مِنَ الْاَسْفَلِيْنَ: وہ کہیں گے ہم ان گمراہ کرنے والے لوگوں کو اپنے پاؤں کے نیچے کر لیں کیونکہ جہنم کے دروازے بعض بعض سے نیچے ہیں اور جو ان میں نچلے والا ہے وہ اس جہنم کے رہنے والوں کے لئے عذاب میں اوپر کے طبقہ والوں سے زیادہ سخت عذاب والا ہے۔ اسی وجہ سے ان کفار نے اپنے رب سے یہ سوال کیا ہے ان گمراہ کرنے والوں کو انہیں دکھایا جائے تاکہ وہ ان کو اپنے سے نیچے رکھیں تاکہ نچلے طبقہ کا عذاب شدید ان کو ملے۔ (جامع البیان فی تاویل القرآن)

دنیا میں انسان کے جو ساتھی اسے دین سے غافل کر کے گمراہ کرتے رہے، وہ بھی اس میں داخل ہیں، اور وہ شیطان جو اسے بہکاتا رہا، وہ بھی، ان دونوں کے بارے میں دوزخی شخص یہ کہے گا کہ مجھے یہ گمراہ کرنے والے نظر آجائیں تو میں انھیں پاؤں تلے روند ڈالوں۔ (توضیح القرآن)

استقامت علی الدین، جنت، رب کی مہمانی

سوال ایمان والے بندے کو جب موت آتی ہے تو کیا اسے پتا چلتا ہے کہ وہ عنقریب جنت میں جائے گا؟ ان آیات کی روشنی میں وضاحت فرمائیں۔

اِنَّ الَّذِیۡنَ قَالُوۡا رَبُّنَا اللّٰہُ ثُمَّ اسۡتَقَامُوۡا تَتَنَزَّلُ عَلَیۡہِمُ الۡمَلٰٓئِکَۃُ اَلَّا تَخَافُوۡا وَلَا تَحۡزَنُوۡا وَاَبۡشِرُوۡا بِالۡجَنَّۃِ الَّتِیۡ کُنۡتُمۡ تُوۡعَدُوۡنَ {۳۰} نَحۡنُ اَوۡلِیٰٓؤُکُمۡ فِی الۡحَیٰوۃِ الدُّنۡیَا وَفِی الۡاٰخِرَۃِ ۚ وَلَکُمۡ فِیۡہَا مَا تَشۡتَہِیۡۤ اَنۡفُسُکُمۡ وَلَکُمۡ فِیۡہَا مَا تَدَّعُوۡنَ {۳۱} نُزُلًا مِّنۡ غَفُوۡرٍ رَّحِیۡمٍ {۳۲} فصلت

جواب ترجمہ: جن لوگوں نے کہا ہے کہ ہمارا رب اللہ ہے، اور پھر وہ اس پر ثابت قدم رہے تو ان پر بیشک فرشتے (یہ کہتے ہوئے) اتریں گے کہ: نہ کوئی خوف دل میں لاؤ، نہ کسی بات کا غم کرو، اور اس جنت سے خوش ہو جاؤ جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا۔ ہم دنیا والی زندگی میں بھی تمہارے ساتھی تھے، اور آخرت میں بھی رہیں گے۔ اور اس جنت میں ہر وہ چیز تمہارے ہی لیے ہے جس کو تمہارا دل چاہے، اور اس میں ہر وہ چیز تمہارے ہی لیے جو تم منگوانا چاہو۔ یہ مہمانی کے طور پر ہے غفور رحیم کی طرف سے۔

خلاصہ تفسیر: کس قدر مبارک باد کے مستحق ہیں وہ لوگ جو دنیا کی زندگی میں علی الاعلان یہ بات کہتے رہے کہ ہمارا رب اللہ ہے، جو اکیلا ہے، جو وحدہ لاشریک ہے، پھر اللہ کی بھیجی ہوئی شریعت پر ڈٹ گئے، وہ بلاخوف لومۃ لائم اللہ کی وحدانیت پر کام کرتے رہے، تو ان لوگوں پر موت کے وقت فرشتے اتریں گے جو انہیں یوں کہہ رہے ہوں گے کہ موت سے گھبراؤ نہیں، موت کے بعد والی زندگی سے بھی مت گھبراؤ، اور جو کچھ تم دنیا کے معاملات میں اپنے پیچھے چھوڑ آئے ہو اس کی فکر نہ کرنا، تمہیں اس جنت کی خوشخبری جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا۔

ان ایمان والے لوگوں کو فرشتے یوں کہتے ہیں کہ ہم دنیا کی زندگی میں بھی تمہارے مددگار تھے، ہم تمہیں درست راہ پر گامزن کرتے تھے، اور اللہ کے امر سے تمہاری حفاظت کرتے تھے، اسی طرح آخرت میں بھی ہم تمہارے ساتھ ہوں گے، اور جنت میں تمہارے لیے وہ چیز ہو گی جو تمہارا دل چاہے

گا، جسے تم وہاں پسند کروگے، جس کے ساتھ تمہاری آنکھیں ٹھنڈی ہوں گی، جب بھی تم کوئی چیز طلب کروگے اسے اپنے سامنے اپنے ہاتھوں میں پاؤ گے، یہ تمہارے لیے اللہ کی طرف سے مہمان نوازی ہو گی، یہ اللہ کی طرف سے تمہارے لیے انعام ہو گا۔

جناب نبی کریم، رحمت للعالمین، راحۃ للعاشقین حضور ﷺ نے اس آیت کی تلاوت فرما کر وضاحت کی کہ بہت لوگوں نے اللہ کے رب ہونے کا اقرار کر کے پھر کفر کر لیا۔ جو مرتے دم تک اس بات پر جمارہا وہ ہے جس نے اس پر استقامت کی۔ (نسائی)

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے سامنے جب اس آیت کی تلاوت ہوئی تو آپ نے فرمایا هُمُ الَّذِينَ لَمْ يُشْرِكُوا بِاللّٰهِ شَيْئًا (تفسیر ابن کثیر) اس سے مراد کلمہ پڑھ کر پھر کبھی بھی شرک نہ کرنے والے ہیں۔

ایک روایت میں ہے کہ خلیفتہ المسلمین نے ایک مرتبہ لوگوں سے اس آیت کی تفسیر پوچھی تو انہوں نے کہا کہ استقامت سے مراد گناہ نہ کرنا ہے آپ نے فرمایا تم نے اسے غلط سمجھا یا۔ اس سے مراد اللہ کی الوہیت کا اقرار کر کے پھر دوسرے کی طرف کبھی بھی التفات نہ کرنا ہے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سوال ہوتا ہے کہ قرآن میں حکم اور جزا کے لحاظ سے سب سے زیادہ آسان آیت کونسی ہے؟ آپ نے اس آیت کی تلاوت کی کہ توحید اللہ پر تاعمر قائم رہنا۔

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے منبر پر اس آیت کی تلاوت کر کے فرمایا وَاللّٰهِ لِلّٰهِ بِطَاعَتِهِ، وَلَمْ يَرُوغُوا رَوَغَانَ الثَّعَالِبِ واللہ وہ لوگ ہیں جو اللہ کی اطاعت پر جم جاتے ہیں اور لومڑی کی چال نہیں چلتے کہ کبھی ادھر کبھی ادھر۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں جن لوگوں نے یوں کہا کہ ہمارا رب اللہ ہے اور اس پر ڈٹ گئے سے مراد فرائض اللہ کی ادائیگی کرتے ہیں۔

حضرت قتادہ رحمہ اللہ یہ دعا مانگا کرتے تھے، اَللّٰهُمَّ أَنْتَ رَبُّنَا، فَارْزُقْنَا الِاسْتِقَامَةَ اے اللہ! تو ہمارا رب ہے ہمیں استقامت اور پختگی عطا فرما۔ حضرت ابو العالیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ

استقامت سے مراد دین اور عمل کا خلوص ہے۔ عبد اللہ بن سفیان ثقفی رحمہ اللہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا کہ مجھے اسلام کا کوئی ایسا امر بتلایئے کہ پھر کسی سے دریافت کرنے کی ضرورت نہ رہے۔ آپ نے فرمایا کہ آمَنْتُ بِاللّٰهِ، ثُمَّ اسْتَقِمْ قُلْتُ: فَمَا أَتَّقِي؟ فَأَوْمَأَ إِلَى لِسَانِهِ زبان سے اقرار کر کہ میں اللہ پر ایمان لایا اور پھر اس پر جم جا۔ اس نے پھر پوچھا اچھا یہ تو عمل ہوا اب بچوں کس چیز سے؟ تو آپ نے زبان کی طرف اشارہ فرمایا۔ (مسلم)

ثقفی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ حَدِّثْنِي بِأَمْرٍ أَعْتَصِمُ بِهِ. قَالَ: قُلْ رَبِّيَ اللّٰهُ، ثُمَّ اسْتَقِمْ قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ مَا أَكْثَرَ مَا تَخَافُ عَلَيَّ؟ فَأَخَذَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِطَرَفِ لِسَانِ نَفْسِهِ، ثُمَّ قَالَ: هٰذَا (ترمذی، ابن ماجہ)

میں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! مجھے کوئی ایسی بات بتائیں جسے میں مضبوطی سے تھام لوں، تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم یوں کہو کہ میرا رب اللہ ہے، پھر اس بات پر ڈٹ جا، میں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! سب سے زیادہ جس بات سے آپ میرے لیے خوف بتلاتے ہیں وہ کیا ہے؟ آپ ﷺ نے اپنی زبان مبارک کو کنارے سے پکڑا پھر فرمایا کہ یہ ہے۔

امام تفسیر حضرت مجاہد رحمہ اللہ اور سدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اہل ایمان کے پاس ان کی موت کے وقت فرشتے آتے ہیں اور انہیں بشارتیں سناتے ہیں کہ تم اب آخرت کی منزل کی طرف جارہے ہو بے خوف رہو تم پر وہاں کوئی کھٹکا نہیں، تم اپنے پیچھے جو دنیا چھوڑے جارہے ہو اس پر بھی کوئی غم ورنج نہ کرو۔ تمہارے اہل وعیال، مال ومتاع کی دین ودنیا کی حفاظت ہمارے ذمے ہے، ہم تمہارے خلیفہ ہیں، تمہیں ہم خوش خبری سناتے ہیں کہ تم جنتی ہو تمہیں سچا اور صحیح وعدہ دیا گیا تھا وہ پورا ہو کر رہے گا۔ پس وہ اپنے انتقال کے وقت خوش خوش جاتے ہیں کہ تمام برائیوں سے بچے اور تمام بھلائیاں حاصل ہوئیں۔

حدیث میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں، مومن کی روح سے فرشتے کہتے ہیں اے پاک روح جو پاک جسم میں تھی چل، اللہ کی بخشش انعام اور اس کی نعمت کی طرف، چل اس اللہ کے پاس جو تجھ پر

ناراض نہیں، یہ بھی مروی ہے کہ جب مسلمان اپنی قبروں سے اٹھیں گے اسی وقت فرشتے ان کے پاس آئیں گے اور انہیں بشارتیں سنائیں گے۔

حضرت ثابت رضی اللہ عنہ جب اس سورت کو پڑھتے ہوئے اس آیت تک پہنچے تو ٹھہر گئے اور فرمایا ہمیں یہ خبر ملی ہے کہ مومن بندہ جب قبر سے اٹھے گا تو وہ دو فرشتے جو دنیا میں اس کے ساتھ تھے اس کے پاس آتے ہیں اور اس سے کہتے ہیں ڈر نہیں گھبرا نہیں غمگین نہ ہو تو جنتی ہے خوش ہو جا تجھ سے اللہ کے جو وعدے تھے پورے ہوں گے، غرض خوف امن سے بدل جائے گا آنکھیں ٹھنڈی ہوں گی دل مطمئن ہو جائے گا، قیامت کا تمام خوف دہشت اور وحشت دور ہو جائے گی، اعمال صالحہ کا بدلہ اپنی آنکھوں دیکھے گا اور خوش ہو گا۔

الحاصل موت کے وقت قبر میں اور قبر سے اٹھتے ہوئے ہر وقت رحمت کے فرشتے اس کے ساتھ رہیں گے اور ہر وقت بشارتیں سناتے رہیں گے، ان سے فرشتے یہ بھی کہیں گے کہ دنیا کی زندگی میں بھی ہم تمہارے رفیق و ولی تھے تمہیں نیکی کی راہ سمجھاتے تھے خیر کی رہنمائی کرتے تھے، تمہاری حفاظت کرتے رہتے تھے، ٹھیک اسی طرح آخرت میں بھی ہم تمہارے ساتھ رہیں گے تمہاری وحشت و دہشت دور کرتے رہیں گے، قبر میں، حشر میں، میدان قیامت میں، پل صراط پر، غرض ہر جگہ ہم تمہارے رفیق اور دوست اور ساتھی ہیں، نعمتوں والی جنتوں میں پہنچا دینے تک تم سے الگ نہ ہوں گے وہاں جو تم چاہو گے ملے گا، جو خواہش ہو گی پوری ہو گی، یہ مہمانی یہ عطایہ انعام یہ ضیافت اس اللہ کی طرف سے ہے جو بخشنے والا اور مہربانی کرنے والا ہے۔ اس کا لطف و رحم اس کی بخشش اور کرم بہت وسیع ہے۔

حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی ملاقات ہوئی تو حضرت ابوہریرہ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ ہم دونوں کو جنت کے بازار میں ملائے۔ اس پر حضرت سعید رضی اللہ عنہ نے پوچھا کیا جنت میں بھی بازار ہوں گے؟ فرمایا ہاں مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی ہے کہ إِنَّ أَهْلَ الْجَنَّةِ إِذَا دَخَلُوا فِيهَا، نَزَلُوا بِفَضْلِ أَعْمَالِهِمْ، فَيُؤْذَنُ لَهُمْ فِي مِقْدَارِ يَوْمِ الْجُمُعَةِ فِي أَيَّامِ الدُّنْيَا

فَيَزُورُونَ اللّٰهَ، جنتی جب جنت میں جائیں گے اور اپنے اپنے مراتب کے مطابق درجے پائیں گے تو دنیا کے اندازے سے جمعہ والے دن انہیں ایک جگہ جمع ہونے کی اجازت ملے گی، پھر یہ لوگ اللہ تعالیٰ کا دیدار کریں گے، جب سب جمع ہو جائیں گے تو اللہ تعالیٰ ان پر تجلی فرمائے گا اس کا عرش ظاہر ہو گا، وہ سب جنت کے باغیچے میں نور کے منبر ان کے لیے رکھے جائیں گے، لؤلؤ (موتیوں) کے منبر رکھے جائیں گے، یاقوت کے منبر رکھے جائیں گے، زبرجد کے منبر رکھے جائیں گے، سونے کے منبر رکھے جائیں گے، چاندی کے منبر رکھے جائیں گے، ادنیٰ درجے کے جنتی ان پر بیٹھیں گے مگر ان میں کوئی گھٹیا نہیں ہو گا، مشک اور کافر کے ٹیلوں پر بیٹھے ہوں گے، لیکن اپنی جگہ اتنے خوش ہوں گے کہ کرسی والوں کو اپنے سے افضل مجلس میں نہیں جانتے ہوں گے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ کیا ہم قیامت کے دن اپنے رب کو دیکھیں گے؟ آپ نے فرمایا، ہاں ہاں دیکھو گے۔ آدھے دن کے سورج اور چودھویں رات کے چاند کو جس طرح صاف دیکھتے ہو اسی طرح اللہ تعالیٰ کو دیکھو گے۔ اس مجلس میں ایک ایک سے اللہ تبارک و تعالیٰ بات چیت کرے گا یہاں تک کہ کسی سے فرمائے گا، یاد ہے فلاں دن تم نے فلاں کا خلاف کیا تھا؟ وہ کہے گا کیوں جناب باری تو تو وہ خطا معاف فرما چکا تھا پھر اس کا کیا ذکر؟ کہے گا ہاں ٹھیک ہے اسی میری مغفرت کی وسعت کی وجہ سے ہی تو اس درجے پر پہنچا۔ یہ اسی حالت میں ہوں گے کہ انہیں ایک ابر (بادل) ڈھانپ لے گا فَأَمْطَرَتْ عَلَيْهِمْ طِيبًا لَمْ يَجِدُوا مِثْلَ رِيحِهِ شَيْئًا قَطُّ اور اس سے ایسی خوشبو برسے گی کہ کبھی کسی نے نہیں سونگھی تھی۔

پھر رب العالمین عزوجل فرمائے گا کہ قُومُوا إِلَى مَا أَعْدَدْتُ لَكُمْ مِنَ الْكَرَامَةِ، وَخُذُوا مَا اشْتَهَيْتُمْ، اٹھو اور میں نے جو انعام و اکرام تمہارے لئے تیار کر رکھے ہیں انہیں لو، فَنَأْتِي سُوقًا قَدْ حَفَّتْ بِهِ الْمَلَائِكَةُ، فِيهَا مَا لَمْ تَنْظُرِ الْعُيُونُ إِلَى مِثْلِهِ، وَلَمْ تَسْمَعِ الْآذَانُ، وَلَمْ يَخْطُرْ عَلَى الْقُلُوبِ پھر ہم سب ایک بازار میں پہنچیں گے جسے چاروں طرف سے فرشتے

گھیرے ہوئے ہوں گے وہاں وہ چیزیں دیکھیں گے جو نہ کبھی دیکھی تھیں نہ سنی تھیں نہ کبھی خیال میں گزری تھیں۔

جو شخص جو چیز چاہے گا لے لے گا خرید فروخت وہاں نہ ہو گی۔ بلکہ انعام ہو گا، وہاں تمام اہل جنت ایک دوسرے سے ملاقات کریں گے ایک کم درجے کا جنتی اعلیٰ درجے کے جنتی سے ملاقات کرے گا تو اس کے لباس وغیرہ کو دیکھ کر جی میں خیال کرے گا وہیں اپنے جسم کی طرف دیکھے گا کہ اس سے بھی اچھے کپڑے اس کے ہیں، کیونکہ وہاں کسی کو کوئی رنج و غم نہ ہو گا، اب ہم سب لوٹ کر اپنی اپنی منزلوں میں جائیں گے وہاں ہماری بیویاں ہمیں مرحبا کہیں گی اور کہیں گی کہ جس وقت آپ یہاں سے گئے تب یہ تروتازگی اور یہ نورانیت آپ میں نہ تھی لیکن اس وقت تو جمال و خوبی اور خوشبو اور تازگی بہت ہی بڑھی ہوئی ہے۔ یہ جواب دیں گے کہ ہاں ٹھیک ہے ہم آج اللہ تعالیٰ کی مجلس میں تھے اور یقیناً ہم بہت ہی بڑھ چڑھ گئے۔ (ترمذی)

مسند احمد میں ہے حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ مَنْ أَحَبَّ لِقَاءَ اللّٰهِ أَحَبَّ اللّٰهُ لِقَاءَهُ، وَمَنْ كَرِهَ لِقَاءَ اللّٰهِ كَرِهَ اللّٰهُ لِقَاءَهُ. جو اللہ کی ملاقات کو پسند کرے اللہ بھی اس سے ملنے کو چاہتا ہے اور جو اللہ کی ملاقات کو برا جانے اللہ بھی اس کی ملاقات کو ناپسند کرتا ہے۔

صحابہ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ ہم تو موت کو ناپسند سمجھتے ہیں، آپ نے فرمایا اس سے مراد موت کی کراہیت نہیں بلکہ مومن کی سکرات کے وقت اس کے پاس اللہ کی طرف سے خوشخبری آتی ہے جسے سن کر اس کے نزدیک اللہ کی ملاقات سے زیادہ محبوب چیز کوئی نہیں رہتی، پس اللہ بھی اس کی ملاقات پسند فرماتا ہے اور فاجر یا کافر کی سکرات کے وقت جب اسے اس برائی کی خبر دی جاتی ہے جو اسے اب پہنچنے والی ہے تو وہ اللہ کی ملاقات کو مکروہ رکھتا ہے۔ پس اللہ بھی اس کی ملاقات کو مکروہ رکھتا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنی ملاقات نصیب فرمائے، ایسے کام کرنے کی توفیق عطا فرمائے جس سے ہمارے اندر اللہ کی ملاقات کا شوق پیدا ہو اور ایسے کاموں سے اللہ تعالیٰ ہماری حفاظت فرمائے جن کے باعث اللہ تعالیٰ ناراض ہوتے ہیں، اپنا دیدار تو دور کی بات ہے نبی کریم ﷺ کی زیارت سے بھی محرومی

کا اندیشہ ہے، اللہ اپنی ملاقات اور اپنے حبیب کا دیدار نصیب فرمائے۔ آمین

نُزُلًا مِّنْ غَفُوْرٍ رَّحِيْمٍ: وہاں جو کچھ عطا کیا جائے گا غفور رحیم کی طرف سے بطور مہمانی کے ہو گا دیکھو سب سے بڑی ذات کے مہمان بن رہے ہو جس نے تمہارے سب گناہ اور خطائیں معاف فرمادی ہیں اور مہربانی فرما کر تمہیں یہاں داخلہ دے دیا ہے جس ذات عالی کے مہمان ہو اس کی مہمانی اسی کے شان کے لائق ہے جس کا تقاضا یہ ہے کہ مہمان کی جو خواہش ہو پوری کی جائے اور جو کچھ طلب کرے وہ اسے دیا جائے۔ (انوار البیان)

داعی الی اللہ اور اس کی دعوت

سوال اس آیت کریمہ کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ اِلَى اللّٰهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَّقَالَ اِنَّنِيْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ{۳۳} فصلت

جواب ترجمہ: اور اس شخص سے بہتر بات کس کی ہو گی جو اللہ کی طرف دعوت دے، اور نیک عمل کرے، اور یہ کہے کہ میں فرماں برداروں میں شامل ہوں۔

خلاصہ تفسیر: قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے واضح کر دیا کہ اللہ کی طرف دعوت دینے والے کی بات سب سے اچھی ہے، جو دعوت الی اللہ کے ساتھ ساتھ نیک اعمال بھی کرتا ہے اور یہ داعی الی اللہ کہتا ہے کہ میں تابعداروں میں سے ہوں۔

اس آیت سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ جو شخص اللہ کی وحدانیت کی طرف بلاتا ہے، اللہ اکیلے کی عبادت کی طرف دعوت دیتا ہے، انسانوں کا تعلق اللہ کے ساتھ جوڑتا ہے، پھر خود بھی نیک اعمال بجالاتا ہے اور یہ عجز وانکسار عام کرتا ہے کہ میں اللہ کا تابعدار ہوں، میں اللہ کا فرمانبردار ہوں، میں اللہ کا اطاعت گزار ہوں، اس کی بات سب لوگوں کی باتوں سے اچھی بات ہے۔

قرآن کی دعوت اللہ کی طرف بلانے کی دعوت ہے۔ انسان کو اس کے رب سے جوڑنا، انسان کو خدا کی یاد میں جینے والا بنانا، انسان کے اندر یہ شعور ابھارنا کہ وہ ایک خدا کو اپنا مرکز توجہ بنالے، یہی

قرآنی دعوت کا اصل نشانہ ہے اور بلاشبہ اس پکار سے بہتر کوئی پکار نہیں۔

مگر خدا کا داعی صرف وہ شخص بنتا ہے جو اپنی دعوت میں اس حد تک سنجیدہ ہو کہ جو کچھ وہ دوسروں سے منوانا چاہتا ہے اس کو وہ خود سب سے پہلے مان چکا ہو، وہ دوسروں سے جو کچھ کرنے کے لیے کہہ رہا ہے۔ خود سے پہلے اس کا کرنے والا بن جائے۔

داعی کا سب سے بڑا ہتھیار یہ ہے کہ وہ لوگوں کے ساتھ یک طرفہ حسن سلوک کرے۔ دوسرے لوگ برائی کریں تب بھی وہ دوسروں کے ساتھ بھلائی کرے۔ وہ اشتعال کے مقابلہ میں اعراض اور اذیت رسانی کے مقابلہ میں صبر کا طریقہ اختیار کرے۔ یک طرفہ حسن سلوک میں اللہ تعالیٰ نے زبردست تسخیری طاقت رکھی ہے خدا کا داعی خدا کی بنائی ہوئی اس فطرت کو جانتا ہے اور اس کو آخری حد تک استعمال کرتا ہے، خواہ اس کے لیے اس کو اپنے جذبات کو کچلنا پڑے، خواہ اس کی خاطر اپنے اندر پیدا ہونے والے رد عمل کو ذبح کرنے کی نوبت آجائے۔

جب بھی داعی کے اندر اس قسم کا خیال آئے کہ فلاں بات کا جواب دینا ضروری ہے، فلاں ظلم کے خلاف ضرور کارروائی کی جانی چاہیے ورنہ دشمن دلیر ہو کر اور زیادہ زیادتیاں کرے گا تو سمجھ لینا چاہیے کہ یہ ایک شیطانی وسوسہ ہے۔ مومن اور داعی کا فرض ہے کہ وہ ایسے خیال سے خدا کی پناہ مانگے، نہ کہ وہ اس کے پیچھے دوڑنا شروع کر دے۔ (تذکیر)

فرماتا ہے جو اللہ کے بندوں کو اللہ کی طرف بلائے اور خود بھی نیکی کرے اسلام قبول کرے اس سے زیادہ اچھی بات اور کس کی ہو گی؟ یہ ہے جس نے اپنے تئیں نفع پہنچایا اور اللہ کی مخلوق کو بھی اپنی ذات سے نفع پہنچایا۔ یہ ان میں نہیں جو منہ کے بڑے باتونی ہوتے ہیں جو دوسروں کو کہتے تو ہیں مگر خود نہیں کرتے یہ تو خود بھی کرتا ہے اور دوسروں سے بھی کہتا ہے۔ یہ آیت عام ہے۔ رسول اللہ ﷺ سب سے اولیٰ طور پر اس کے مصداق ہیں۔

بعض نے کہا ہے کہ اس کے مصداق اذان دینے والے ہیں جو نیکو کار بھی ہوں، مسلم میں ہے قیامت کے دن مؤذن سب لوگوں سے زیادہ لمبی گردنوں والے ہوں گے۔

ابن ابی حاتم میں ہے حضرت سعد بن وقاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ اذان دینے والوں کا حصہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے نزدیک مثل جہاد کرنے والوں کے حصے کے ہے۔ اذان و اقامت کے درمیان ان کی وہ حالت ہے جیسے کوئی جہاد میں راہ اللہ میں اپنے خون میں لوٹ پوٹ ہو رہا ہو۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اگر میں موذن ہوتا تو پھر مجھے حج و عمرے اور جہاد کی اتنی زیادہ پروانہ نہ رہتی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے۔ اگر میں موذن ہوتا تو میری آرزو پوری ہو جاتی، اور میں رات کے نفلی قیام کی اور دن کے نفلی روزوں کی اس قدر تگ و دو نہ کرتا، میں نے سنا ہے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے تین بار موذنوں کی بخشش کی دعا مانگی، اس پر میں نے کہا یا رسول اللہ! آپ نے اپنی دعا میں ہمیں یاد نہ فرمایا حالانکہ ہم اذان کہنے پر تلواریں تان لیتے ہیں آپ نے فرمایا ہاں! لیکن اے عمر ! ایسا زمانہ بھی آنے والا ہے کہ موذنی غریب مسکین لوگوں تک رہ جائے گا، سنو عمر جن لوگوں کا گوشت پوست جہنم پر حرام ہے ان میں موذن ہیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں اس آیت میں بھی موذنوں کی تعریف ہے اس کا حی علی الصلوۃ کہنا اللہ کی طرف بلانا ہے۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما اور عکرمہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ آیت موذنوں کے بارے میں اتری ہے اور یہ جو فرمایا کہ وہ عمل صالح کرتا ہے اس سے مراد اذان و تکبیر کے درمیان دو رکعت پڑھنا ہے۔ جیسے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے دو اذانوں کے درمیان نماز ہے دو اذانوں کے درمیان نماز ہے دو اذانوں کے درمیان نماز ہے جو چاہے۔

ایک حدیث میں ہے کہ اذان و اقامت کے درمیان کی دعا رد نہیں ہوتی صحیح بات یہ ہے کہ آیت اپنے عموم کے لحاظ سے موذن غیر موذن ہر اس شخص کو شامل ہے جو اللہ کی طرف دعوت دے۔

یہ یاد رہے کہ آیت کے نازل ہونے کے وقت تو سرے سے اذان شروع ہی نہ تھی، اس لئے کہ آیت مکہ میں اترتی ہے اور اذان مدینے پہنچ جانے کے بعد مقرر ہوئی ہے جبکہ حضرت عبداللہ بن زید بن عبد ربہ نے اپنے خواب میں اذان دیتے دیکھا اور سنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر کیا تو آپ نے فرمایا حضرت بلال کو سکھاؤ، وہ بلند آواز والے ہیں، پس صحیح بات یہی ہے کہ آیت عام ہے اس میں موذن

بھی شامل ہیں۔

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ اس آیت کو پڑھ کر فرماتے ہیں یہی لوگ حبیب اللہ ہیں، یہی اولیاء اللہ ہیں یہی سب سے زیادہ اللہ کے پسندیدہ ہیں یہی سب سے زیادہ اللہ کے محبوب ہیں کہ انہوں نے اللہ کی باتیں مان لیں پھر دوسروں سے منوانے لگے اور اپنے ماننے میں نیکیاں کرتے رہے اور اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کرتے رہے یہ اللہ کے خلیفہ ہیں، بھلائی اور برائی نیکی اور بدی برابر برابر نہیں بلکہ ان میں بے حد فرق ہے جو تجھ سے برائی کرے تو اس سے بھلائی کر اور اس کی برائی کو اس طرح دفع کر۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے کہ تیرے بارے میں جو شخص اللہ کی نافرمانی کرے تو تو اس کے بارے میں اللہ کی فرمانبرداری کر اس سے بڑھ کو کوئی چیز نہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ایسا کرنے سے تیرا جانی دشمن دلی دوست بن جائے گا، اس وصیت پر عمل اسی سے ہو گا جو صابر ہو نفس پر اختیار رکھتا ہو اور ہو بھی نصیب دار کہ دین و دنیا کی بہتری اس کی تقدیر میں ہو۔ دعوت الی اللہ کرنے والے کی بات کو سب سے اچھی بات قرار دیا گیا ہے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کی رشد و ہدایت، صلاح و فلاح کے لیے ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء کرام کو مبعوث فرمایا، ان میں سے کچھ کو صحیفے عطا کیے، اور چند ایک کو عظیم الشان کتابیں عطا فرمائیں، چند ایک کو اُولی العزم من الرسل قرار دیا، دعوت الی اللہ اور تبلیغ دین یہ انبیاء کرام علیہم السلام کا فرض منصبی تھا۔

نیکی اور برائی برابر نہیں

سوال ان آیات کی تفسیر کیجیے۔

وَلَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ ۚ ادْفَعْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ فَإِذَا الَّذِي بَيْنَكَ وَبَيْنَهُ عَدَاوَةٌ كَأَنَّهُ وَلِيٌّ حَمِيمٌ ﴿٣٤﴾ وَمَا يُلَقَّاهَا إِلَّا الَّذِينَ صَبَرُوا وَمَا يُلَقَّاهَا إِلَّا ذُو حَظٍّ عَظِيمٍ ﴿٣٥﴾ فصلت.

جواب ترجمہ: اور نیکی اور بدی برابر نہیں ہوتی، تم بدی کا دفاع ایسے طریقے سے کرو جو بہترین ہو نتیجہ یہ ہو گا کہ جس کے اور تمہارے درمیان دشمنی تھی، وہ دیکھتے ہی دیکھتے ایسا ہو جائے گا جیسے وہ

(تمہارا) جگری دوست ہو۔ اور یہ بات صرف انہی کو عطا ہوتی ہے جو صبر سے کام لیتے ہیں اور یہ بات اسی کو عطا ہوتی ہے جو بڑے نصیبے والا ہو۔

خلاصہ تفسیر: جو لوگ اللہ کی ذات پر ایمان رکھتے ہیں، اللہ کی دی ہوئی شریعت پر ڈٹ جاتے ہیں، اللہ کی مخلوق کے ساتھ اچھائی اور نیکی کا سلوک کرتے ہیں ان کی نیکی اور وہ لوگ جنہوں نے اللہ تعالیٰ کا انکار کیا، اللہ کے احکامات کی مخالفت کی، اللہ کی مخلوق کے ساتھ برائی کا معاملہ کیا ان کی بدی اور برائی برابر نہیں ہو سکتی، اس لیے جو لوگ آپ کے ساتھ برائی کا معاملہ کرتے ہیں آپ ان کے ساتھ درگزر، بردباری، حلم اور برائی کرنے والوں کے ساتھ اچھائی کا معاملہ کر کے اس معاملے کو ختم کر دیں، جو آپ کے ساتھ برا سلوک کرتا ہے آپ اس کے ساتھ اچھا سلوک کریں۔

یہ معاملہ اس شخص کو جو آپ کے ساتھ برا سلوک کرتا ہے اس طرح پھیر دے گا گویا کہ وہ آپ کا قریبی رشتہ دار ہے، وہ آپ پر شفیق اور مہربان ہے، اور یہ خوبی انہی لوگوں کو دی جا سکتی ہے، اس بات کی توفیق انہی لوگوں کو دی جاتی ہے جنہوں نے صبر کیا، ان چیزوں پر جو ان کو پسند نہیں تھیں، اور اپنے آپ کو ان کاموں پر زبردستی لگایا جنہیں اللہ تعالیٰ پسند کرتا تھا، اس کام کی توفیق اسی کو دی جا سکتی ہے جسے ایک خاص حصہ عطا کیا جائے، جسے دنیا اور آخرت کی سعادتوں میں سے وافر حصہ دیا گیا ہے۔

مفتی شفیع رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ یہاں سے دعوت الی اللہ کی خدمت انجام دینے والوں کو خاص ہدایات دی گئی ہیں جس کا حاصل یہ ہے کہ وہ برائی کا بدلہ برائی سے نہ دیں بلکہ صبر اور احسان سے کام لیں اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ یعنی داعیان حق کی خصلت یہ ہونی چاہئے کہ وہ لوگوں کی برائی کو طریق احسن سے دفع کریں، وہ یہ کہ برائی کا بدلہ برائی سے نہ لینا اور معاف کر دینا تو عمل حسن ہے اور احسن یہ ہے کہ جس نے تمہارے ساتھ برا سلوک کیا، تم اس کو معاف بھی کر دو اور اس کے ساتھ احسان کا برتاؤ کرو۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ اس آیت میں حکم یہ ہے کہ جو شخص تم پر غصہ کا اظہار کرے، تم اس کے مقابلہ میں صبر سے کام لو۔ جو تمہارے ساتھ جہالت سے پیش آوے تم اس کے ساتھ حلم و بردباری کا معاملہ کرو اور جس نے تمہیں ستایا اس کو معاف کر دو۔ (مظہری)

بعض روایات میں ہے کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو کسی شخص نے گالی دی یا برا کہا تو آپ نے اس کے جواب میں فرمایا کہ اگر تم اپنے کلام میں سچے ہو کہ میں مجرم و خطاوار اور برا ہوں تو اللہ تعالیٰ مجھے معاف فرمادے، اور اگر تم نے جھوٹ بولا ہے تو اللہ تعالیٰ تمہیں معاف فرمادے۔ (قرطبی)

ایک بزرگ کے متعلق منقول ہے کہ جب کوئی شخص ان کو خبر دیتا کہ فلاں شخص آپ کی غیبت کرتا ہے یا آپ کو گالیاں دیتا ہے، تو وہ اس کے حق میں دعائے خیر کرتے اور اس کی تعریف کرتے اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آئندہ اس شخص سے برائی کی بجائے نیکی کی خبر آتی۔ یہی بات اللہ نے فرمائی ہے کہ برائی کا دفاع نیکی سے کرو۔ (تفسیر معالم العرفان: ص: ۴۲۲: ج: ۱۶)

مولانا عبد القیوم قاسمی لکھتے ہیں کہ آپ لوگوں سے جو بھی برتاؤ کریں لیکن لوگ اکثر آپ سے وہی برتاؤ کریں گے جیسا کہ وہ چاہتے ہیں، نہ کہ وہ جس کی آپ ان سے امید رکھتے ہیں۔ آپ اگر کسی خندہ پیشانی سے ملیں تو ضروری نہیں کہ وہ بھی آپ سے اسی طرح خندہ پیشانی سے ملے۔ بعض لوگ تو آپ کے مسکرانے پر بھی ناراض ہوں گے اور بد ظن ہو کر پوچھیں گے کہ آپ کیوں ہنس رہے تھے؟ اسی طرح اگر آپ کسی کو تحفہ پیش کریں تو ضروری نہیں کہ وہ بھی جواب میں آپ کو تحفہ میں کوئی چیز دے۔ بعض لوگ تو آپ سے تحفہ ملنے کے بعد محفلوں میں آپ کی غیبت کریں گے، آپ کو احمق اور فضول پیسہ ضائع کرنے والا کہیں گے۔

اسی طرح اگر آپ کسی سے خوش کلامی سے پیش آئیں، اس کی تعریف کریں اور محبت اور نرمی سے بات چیت کریں تو ضروری نہیں کہ وہ بھی اسی طرح خوش کلامی سے پیش آئے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق میں جس طرح رزق کو تقسیم کیا ہے اسی طرح اخلاق کو بھی تقسیم کیا ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ہمیں لوگوں سے برتاؤ کا یہ طریقہ بتایا ہے، وَلَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ ادْفَعْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ فَإِذَا الَّذِي بَيْنَكَ وَبَيْنَهُ عَدَاوَةٌ كَأَنَّهُ وَلِيٌّ حَمِيمٌ (۳۴) فصلت

نیکی اور بدی برابر نہیں ہوتی، تم بدی کا دفاع ایسے طریقے سے کرو جو بہترین ہو، تو دیکھو گے کہ جس کے اور تمہارے درمیان دشمنی تھی وہ تمہارا جگری دوست بن جائے گا۔

بعض لوگ لا علاج حد تک بد اخلاق ہوتے ہیں۔ یا تو آپ ان کو اپنے حال پر رہنے دیں اور صبر کر کے معاملہ کرتے رہیں، یا ان سے ترک تعلق کر لیں۔ اس سلسلہ میں ایک قصہ سنئے۔

محمود نامی تاجر کی داستان: محمود نامی ایک تاجر سفر پر جا رہا تھا، ایک دوسرا شخص شعیب بھی اس کے ساتھ ہو لیا، محمود سفر کے دوران سارے کام کرتا رہا، سامان اتارنا چڑھانا، اونٹوں کو دانا پانی دینا وغیرہ، آخر وہ بے چارہ کام کرتے کرتے تھک گیا۔

جب وہ واپس روانہ ہوئے تو راستہ میں ایک جگہ کھانے کے لئے رکے۔ دونوں نے اپنے اونٹوں کو بٹھایا اور اتر گئے، شعیب تو زمین پر لیٹ گیا، دوسرے صاحب نے فرش بچھایا، سامان اتارا۔ پھر شعیب سے کہا تم اٹھ کر آگ جلانے کے لئے لکڑیاں جمع کرو، میں گوشت کاٹتا ہوں۔

شعیب کہنے لگا: " واللہ میں اتنی دیر اونٹ پر سوار رہا ہوں، اس کی وجہ سے تھک گیا ہوں " آخر محمود خود ہی گیا اور لکڑیاں جمع کر کے لایا، پھر اس نے شعیب سے کہا: " اٹھو! اب تم آگ جلالو " شعیب نے کہا: میں دھوئیں کے قریب جاتا ہوں تو میرے سینے میں تکلیف ہوتی ہے " مجبوراً! محمود نے خود ہی آگ جلائی اور پھر شعیب سے کہا: اب اٹھو، گوشت کاٹنے میں میری مدد کرو۔

شعیب نے جواب دیا کہ " مجھے ڈر ہے کہ کہیں چھری سے میرا ہاتھ نہ کٹ جائے"۔ بے چارے محمود کو خود ہی گوشت کاٹنا پڑا، اس کے بعد اس نے پھر شعیب سے کہا کہ " اب اٹھو اور گوشت کو ہانڈی میں ڈال کر کھانا پکاؤ۔ شعیب نے کہا: میرے ساتھ مشکل یہ ہے کہ کھانے پکنے سے پہلے اس کو دیکھتے دیکھتے میں بری طرح تھک جاتا ہوں، آخر محمود نے کھانا پکانے اور آگ دھونکنے کا کام بھی خود ہی کیا۔ لیکن کھانا تیار ہونے تک وہ بہت تھک گیا تو زمین پر لیٹ گیا۔ اور شعیب سے کہا کہ " بھائی اب کھانے کے لئے دستر خوان بچھا اور اس پر کھانا نکال کر لگاؤ۔ شعیب نے کہا: واللہ! میرا بدن ٹوٹ رہا ہے ۔میں یہ کام بالکل نہیں کر سکتا۔

بالآخر محمود خود ہی اٹھا اور اس نے کھانا نکال کر دستر خوان پر لگایا، اس سے فارغ ہوا تو شعیب سے کہا کہ " شعیب! اب اٹھو اور میرے ساتھ کھانا کھالو۔ شعیب نے جواب دیا: واللہ! مجھے اتنے عذر

کرتے کرتے شرم آنے لگی ہے۔ چلو اب میں تمہارا کہنا مان لیتا ہوں، اب وہ صاحب اٹھے اور کھانا کھانے لگے، تو زندگی میں آپ کو شعیب جیسے لوگ بھی ملیں گے لہٰذا غم نہ کریں اور برداشت پیدا کریں۔ (معارف الفرقان قاسمی)

ہمارے آقا ﷺ لوگوں سے معاملہ کرتے وقت جذبات سے نہیں بلکہ عقل سے کام لیتے تھے۔ آپ دوسروں کی غلطیوں کو برداشت کرتے تھے اور ان سے نرمی برتتے تھے۔

ایک شخص آپ کی خدمت میں خون بہا کے لئے مدد مانگنے آیا: ذرا آپ کا طرز عمل دیکھئے، آپ ایک مرتبہ مجمع میں تشریف فرماہیں، چاروں طرف صحابہ بیٹھے ہیں کہ ایک اعرابی آتا ہے اور آپ سے ایک مقتول کی دیت کے لئے طلب کرتا ہے۔ یعنی اس نے یا کسی اور نے ایک شخص کو قتل کر دیا۔ اب مقتول کے وارثین کو خون بہا کی رقم دینے کے لئے وہ رسول اللہ ﷺ سے امداد کا طلبگار ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے اس کو کچھ رقم دی، اور پھر اظہار ہمدردی کے طور پر فرمایا: میں نے تمہارے ساتھ بھلائی کر دی؟ اعرابی نے کہا: نہیں، تم نے کوئی بھلائی نہیں کی، حاضرین میں سے بعض اصحاب یہ سن کر بہت ناراض ہوئے اور اس کی طرف اٹھنے لگے تو آپ نے اشارہ سے ان کو روک دیا، پھر آپ اٹھ کر اپنے گھر کی طرف تشریف لے گئے اور اس اعرابی کو بھی گھر میں بلا لیا، اور ان سے فرمایا :

تم نے ہمارے پاس آکر کچھ مدد کا سوال کیا ہم نے تمہیں دیا، لیکن تم نے ایسا ایسا کہا، پھر آپ کو گھر میں کچھ رقم ملی تو وہ اسے مزید دے دی اور فرمایا: بتاؤ اب ہم نے تمہارے ساتھ بھلائی کی یا نہیں؟ اعرابی نے کہا: ہاں! اللہ تعالیٰ تمہیں جزائے خیر دے اور تمہارے گھر والوں کا بھلا کرے، آپ کو اس کی رضامندی پسند آئی، لیکن آپ کو اندیشہ ہوا کہ آپ کے اصحاب کے دلوں میں اس کے لئے رنجش باقی ہو گی۔ ایسا نہ ہو کہ ان میں سے کوئی اس کو راستہ میں یا بازار میں ملے تو اس پر اپنا غصہ اتارے۔ لہٰذا آپ نے چاہا کہ ان کے دلوں سے بھی اس کے خلاف کدورت کو نکال دیں۔

آپ نے اس سے فرمایا کہ تم ہمارے پاس آئے اور ہمیں جتنا دینا تھا تمہیں دیا لیکن تم نے اس کے جواب میں جو کہا سو کہا، تمہاری اس بے باکی کی وجہ سے میرے اصحاب کے دل میں کچھ غم و غصہ ہو گا۔

لہٰذا اب تم جاؤ تو ان کے سامنے وہی بات کہنا جو تم نے ابھی مجھ سے کہی ہے تا کہ ان کے دل سے غصہ کے جذبات نکل جائیں، اس کے بعد وہ اعرابی صحابہ کے مجمع میں آیا، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: یہ صاحب پہلے ہماری مدد مانگنے آئے تو ہم سے جو ہو سکا ان کو دیا، لیکن اس کے جواب میں انہوں نے جو کہا سو کہا، ہم نے ان کو پھر اپنے گھر بلا کر مزید دیا تو اب یہ راضی ہو گئے ہیں۔

پھر آپ نے اعرابی کی طرف مخاطب ہو کر پوچھا: یہی بات ہے نا؟ اعرابی نے کہا: ہاں! اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر دے اور آپ کے گھر والوں کا بھلا کرے، جب اعرابی یہاں سے نکل کر واپس گھر جانے لگا تو آپ نے چاہا کہ اپنے اصحاب کو لوگوں کے دل جیتنے کا درس دیں۔ آپ نے ان سے فرمایا: میری اور اس اعرابی کی مثال ایسی ہے جیسے کسی شخص کی اونٹنی بدک گئی ہو۔ لوگ اس کے پیچھے بھاگیں ، یعنی اس کو پکڑنے کے لئے اس کے پیچھے دوڑیں، وہ ان سے ڈر کے مارے تیز بھاگنے لگے، اس طرح وہ اس کے فرار کا سبب بن جائیں۔

اب اونٹنی والا کہے کہ مجھے اور میری اونٹنی کو تنہا چھوڑ دو۔ میں اس کو جانتا ہوں اور اس کے ساتھ نرمی کرتا ہوں، میں خود اسے سنبھال لوں گا، پھر وہ اونٹنی والا اس کی طرف متوجہ ہوا اور کوئی کھانے کی چیز ہاتھ میں اٹھا کر اس کو بلائے تو وہ کہنا مان کر آجائے، پھر وہ اس پر کجاوہ کسے اور سوار ہو کر چلا جائے۔

دیکھو جب اس نے غلط بات کہی تھی تو اگر میں تمہیں اس کے خلاف کچھ کرنے دیتا تو وہ جہنم میں داخل ہو جاتا۔ یعنی اگر تم اسے دھکے دے کر نکال دیتے تو شاید وہ دین اسلام چھوڑ کر مرتد ہو جاتا اور جہنم میں داخل ہوتا۔ (مسند بزار، بحوالہ معارف الفرقان)

آپ ﷺ نے فرمایا: جس چیز میں بھی نرمی داخل ہوتی ہے وہ اس کو خوشنما بنا دیتی ہے، اور جس چیز سے وہ نکل جاتی ہے اس کو بدنما بنا دیتی ہے۔ فرمان الٰہی ہے، ادْفَعْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ فَإِذَا الَّذِي بَيْنَكَ وَبَيْنَهُ عَدَاوَةٌ كَأَنَّهُ وَلِيٌّ حَمِيمٌ تم بدی کا دفاع ایسے طریقہ سے کرو جو بہترین ہو نتیجہ یہ ہو گا کہ جس کے اور تمہارے درمیان دشمنی ہو گی وہ تمہارا جگری دوست بن جائے گا۔

فتح مکہ کے بعد رسول اللہ ﷺ کعبہ کا طواف فرما رہے تھے، اس وقت فضالہ بن عمیر نامی ایک

شخص آیا، یہ اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرتا تھا، یہ رسول اللہ ﷺ کے پیچھے پیچھے طواف کرنے لگا، یہ دراصل گھات میں تھا کہ جیسے ہی رسول اللہ ﷺ غفلت میں ہوں تو یہ آپ کو قتل کردے، یہ جب رسول اللہ ﷺ کے قریب آیا تو آپ چوکنے ہوئے اور اس کی طرف مڑ کر فرمایا: کیا فضالہ ہے؟ اس نے کہا: ہاں فضالہ ہوں، یارسول اللہ! آپ ﷺ نے فرمایا: تم دل ہی دل میں کیا کہہ رہے تھے؟ اس نے کہا: کچھ نہیں بس ذکر الٰہی کر رہا تھا آپ ہنس پڑے اور فرمایا: اللہ سے استغفار کرو۔

فضالہ کہتے ہیں: پھر رسول اللہ ﷺ نے اپنا ہاتھ میرے سینہ پر رکھا، اس سے میرے دل کو بڑا سکون حاصل ہوا اللہ کی قسم رسول اللہ ﷺ نے جیسے ہی میرے سینے سے اپنا ہاتھ اٹھایا اللہ تعالیٰ کی تمام مخلوق سے زیادہ آپ مجھے محبوب لگنے لگے۔

پھر فضالہ اپنے گھر واپس جانے لگے تو راستہ میں اس عورت کے پاس سے گزرے جس کے پاس بیٹھ کر باتیں کیا کرتے تھے، اس نے آپ کو دیکھا تو کہا: آؤ باتیں کریں، لیکن انہوں نے انکار کردیا، اس واقعہ کے بعد فضالہ نیک مسلمان بن گئے۔

رسول اللہ ﷺ اسی طرح عفو و درگزر سے کام لے کر لوگوں کے دل جیت لیا کرتے تھے، آپ لوگوں کو نیکی کے راستہ پر لانے کے لئے بڑی بڑی تکلیفیں برداشت کرلیا کرتے تھے، ابو طالب جب تک زندہ رہے انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو قریش کی بہت سی ایذا رسانیوں سے بچائے رکھا، جب ان کا انتقال ہوگیا تو قریش نے آپ کو مکہ میں بہت تنگ کرنا شروع کردیا۔

آپ کو قریش کی طرف سے ایسی سخت تکالیف پہنچیں جو آپ کے چچا ابو طالب کی زندگی میں نہیں پہنچتی تھیں، یہ دیکھ کر آپ سوچنے لگے کہ کسی اور جگہ جاکر پناہ لی جائے جہاں خاطر خواہ مدد اور بچاؤ مل سکے۔ لہٰذا آپ طائف کی طرف روانہ ہوئے تاکہ وہاں قبیلہ ثقیف کی مدد اور دفاع حاصل ہو سکے۔ (معارف الفرقان)

آپ ﷺ کی دعوت طائف اور لوگوں کا سلوک: جب آپ طائف میں داخل ہوئے تو وہاں تین آدمیوں سے ملنے گئے جو ثقیف کے سردار اور باعزت لوگ تھے۔ یہ تین بھائی تھے: عبد یالیل بن

عمرو، اس کا بھائی مسعود اور تیسرا حبیب۔

آپ ان کے پاس بیٹھے اور ان کو اللہ کی طرف آنے کی دعوت دی، اور بتایا کہ آپ اسلام کے لئے ان کی نصرت و مدد کے طلبگار ہیں اور آپ کی قوم میں سے جو آپ کے خلاف اٹھے اس سے مقابلہ کرنے میں ان کی حمایت درکار ہے، لیکن انہوں نے بڑی بداخلاقی سے آپ کی دعوت کو رد کر دیا، ان میں سے ایک کہنے لگا کہ میں کعبہ کا غلاف پھاڑ دوں گا اگر اللہ نے تمہیں رسول بنا کر بھیجا ہے۔

دوسرے نے کہا: کیا اللہ کو تمہارے علاوہ کوئی اور نہیں ملا جس کو وہ رسول بنا کر بھیجتا، تیسرے نے شیخی بازی کے لئے ایسا جوابی جملہ سوچنا شروع کیا جو اپنے دونوں ساتھیوں کے جملوں سے زیادہ بلیغ ہو، اس نے کہا: واللہ! میں تمہاری کسی بات کا کبھی جواب نہیں دوں گا، اگر تم اللہ کے رسول ہو جیسا کہ تم دعویٰ کرتے ہو تو تم اتنی اہم شخصیت ہو کہ مجھے تمہاری بات کا جواب نہیں دینا چاہیے اور اگر تم اللہ پر جھوٹ بول رہے ہو تو مجھے تم سے بات بھی نہیں کرنی چاہیے۔

جب آپ کو ثقیف سے خیر کی کوئی امید نہ رہی تو ان کے پاس سے کھڑے ہو گئے آپ کو اندیشہ ہوا کہ اگر قریش کو پتہ لگا کہ انہوں نے میری دعوت کو قبول نہیں کیا تو وہ ایذا رسانی اور بڑھا دیں گے، تو آپ نے ان سے کہا: جو کچھ تم نے چاہا وہ کر لیا، لیکن اب یہ بات اپنے تک مخفی رکھنا۔ لیکن انہوں نے آپ کی یہ بات نہ مانی بلکہ اپنے اوباشوں اور غلاموں کو آپ کے خلاف بھڑکا دیا۔

وہ رسول اللہ ﷺ کے پیچھے لگ گئے۔ وہ آپ کو سب و شتم کرتے تھے اور آوازے کستے تھے، انہوں نے دو لائنیں بنالیں، آپ ان کے درمیان سے جلد جلد قدم اٹھاتے ہوئے گزر رہے تھے، جب بھی آپ قدم اٹھاتے یہ پتھر مار کر اس کو زخمی کر دیتے، آپ جلد سے جلد وہاں سے گزرنے کی کوشش فرمانے لگے تاکہ ان کے پتھراؤ سے محفوظ ہو جائیں، آپ کے قدموں سے خون بہہ رہا تھا، اس وقت آپ کی عمر چالیس سے اوپر تھی، پھر ان سے دور نکل گئے، اور پیدل چلتے رہے، آخر کھجور کے درخت کا سایہ نظر آیا تو اس کے نیچے بیٹھ گئے، اس وقت آپ کے ذہن میں طرح طرح کے خیالات آرہے تھے کہ اب قریش سے ان کا سامنا کس طرح ہو گا اور مکہ میں وہ کس طرح داخل ہوں گے، اس

وقت آپ نے آسمان کی طرف نگاہ اٹھائی اور یہ دعا فرمائی، یا اللہ! میں تیری بارگاہ میں اپنی ناتوانی اور بے بضاعتی اور لوگوں کے ہاں بے قدری کا شکوہ کرتا ہوں۔ اے ارحم الراحمین! تو کمزوروں کا رب ہے اور میرا بھی رب ہے۔ تو مجھے کس کے حوالے کرتا ہے! کسی اجنبی ناآشنا کے جو مجھ سے ترش روئی سے پیش آتا ہے۔ یا کسی دشمن کے جس کو تو نے میرے معاملات کا مالک بنا دیا ہے۔

اگر یہ مجھ سے ناراضگی کی وجہ سے نہیں تو مجھے کوئی پرواہ نہیں۔ لیکن تیری عافیت اور مہربانی میرے لئے زیادہ وسیع ہے۔ میں تیری ذات کے نور کی پناہ مانگتا ہوں جس سے تمام اندھیرے دور ہوگئے اور دنیا و آخرت کے سارے معاملات درست ہوگئے اس بات سے کہ تو مجھ پر اتنا غضب نازل کرے یا مجھ پر اپنا غصہ اتارے، رضامندی اور خوشنودی کی تجھی سے امید ہے، یہاں تک کہ تو بالکل راضی ہو جائے۔ اور گناہ سے بچنے اور نیکی کرنے کی طاقت صرف تیری رضا سے ہے۔

ابھی آپ اسی حالت میں تھے کہ آپ پر بادل کا ایک ٹکڑا سایہ فگن ہو گیا، اس میں جبرائیل علیہ السلام موجود تھے، انہوں نے آپ کو پکارا: اے محمد! اللہ نے آپ کی قوم کی سخت باتیں اور جوابات سن لیے ہیں، اس نے آپ کے پاس فرشتۂ جبال بھیجا ہے تاکہ آپ اپنی قوم کے بارے میں جو چاہیں اس کو حکم دیں۔ قبل اس کے رسول اللہ ﷺ کچھ بولیں فرشتۂ جبال نے آپ کو پکارا اور کہا: السلام علیک یا رسول اللہ! اے محمد! اللہ نے وہ (سخت) باتیں سن لی ہیں جو آپ کی قوم نے آپ سے کہی ہیں، میں فرشتۂ جبال ہوں اللہ تعالیٰ نے مجھے آپ کے پاس بھیجا ہے تاکہ آپ جو حکم چاہیں مجھے دیں۔

پھر قبل اس کے کہ آپ کچھ بولیں اور اس سلسلہ میں کچھ فیصلہ دیں، فرشتۂ جبال نے خود ہی تجویز پیش کی کہ اگر آپ چاہیں تو اخشب والے دو پہاڑوں کے درمیان ان کو پیس ڈالوں (یہ مکہ کے دونوں جانب واقع دو عظیم پہاڑ ہیں) اب فرشتۂ جبال آپ کے حکم کا انتظار کرنے لگا۔ ادھر آپ انتقام کے جذبہ کو دبا رہے تھے۔ بالآخر آپ نے فرمایا: نہیں، بلکہ مجھے ان کے بارے میں مہلت دو۔ کیونکہ مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ ان پشتوں سے ایسے لوگ پیدا فرمائے جو اللہ کی عبادت کریں گے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرائیں گے۔ (حکایات صحابہ، سیرت النبی ﷺ، معارف الفرقان)

غصے کا قرآنی و نبوی علاج

سوال اس آیت کا ترجمہ اور مختصر تفسیر بیان کریں۔

وَاِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ {۳۶} فصلت

جواب ترجمہ: اور اگر تمہیں شیطان کی طرف سے کبھی کوئی کچوکا لگے تو شیطان مردود سے اللہ کی پناہ مانگ لیا کرو بیشک وہ ہر بات سننے والا، ہر بات جاننے والا ہے۔

خلاصہ تفسیر: شیطان کے کچوکے سے مراد یہ ہے کہ جب وہ تمہارے دل میں کوئی گناہ کا یا کوئی برائی کرنے کا وسوسہ ڈالے تو تم اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگ لیا کرو جس کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ یہ کہو: اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْم۔ (توضیح القرآن)

علامہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ اپنی تفسیر میں چند روایات لائے ہیں دو آدمیوں نے نبی کریم ﷺ کے پاس آپس میں گالی گلوچ کی ان میں سے ایک کا غصہ تیز ہو گیا، نبی کریم ﷺ نے فرمایا بلاشبہ میں ایک ایسا کلمہ جانتا ہوں اگر یہ اس کو کہہ لے تو اس سے غصہ دور ہو جائے گا (اور وہ ہے) اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْم اس آدمی نے کہا کیا آپ مجھے مجنون سمجھتے ہیں (پھر) آپ نے یہ (آیت) پڑھی وَاِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ (اور اگر شیطان کی طرف سے کوئی وسوسہ آنے لگے تو فوراً اللہ کی پناہ مانگ لیجئے) (حاکم، ابن مردویہ)

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ دو آدمیوں نے نبی کریم ﷺ کے پاس (آپس میں) گالی گلوچ کیا یہاں تک کہ ان میں سے ایک کے چہرہ میں غصہ پہچانا گیا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بلاشبہ میں ایک ایسا کلمہ جانتا ہوں اگر وہ اس کو کہہ لے تو اس کا غصہ چلا جائے۔ (اور وہ ہے) اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْم۔ (احمد، ابو داؤد، ترمذی)

ابو سعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو میں نے یہ فرماتے ہوئے سنا کہ

إِتَّقُوا الْغَضَبَ فَإِنَّهَا جَمْرَةٌ تُوقَدُ فِي قَلْبِ ابْنِ آدَمَ أَلَمْ تَرَ إِنْتِفَاخَ أَوْدَاجِهِ وَحُمْرَةَ عَيْنَيْهِ فَمَنْ أَحَسَّ مِنْ ذٰلِكَ شَيْئًا فَلْيَلْزَقْ بِالْأَرْضِ غصہ سے بچو، کیونکہ یہ ایک انگارہ ہے جو

جلایا جاتا ہے آدم علیہ السلام کے بیٹے کے دل میں، کیا تو نے اس کی رگوں کا پھول جانا اور اس کی آنکھوں کی سرخی کو نہیں دیکھا؟ جو آدمی اس میں سے کوئی چیز محسوس کرے تو اس کو چاہئے کہ زمین کے ساتھ چمٹ جائے۔ (ابن ابی شیبہ)

حضرت خیثمہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ شیطان کہا کرتا تھا کہ كَيْفَ يَغْلِبُنِي ابْنُ آدَمَ إِذَا رَضِيَ حَيْثُ أَكُونُ فِي قَلْبِهِ وَإِذَا غَضِبَ طِرْتُ حَيْثُ أَكُونُ عَلَى رَأْسِهِ (ابن ابی شیبہ) ابن آدم مجھ پر کیسے غالب ہو سکتا ہے؟ جب وہ خوش ہوتا ہے تو میں اس کے دل میں ہوتا ہوں اور جب وہ غصے میں ہوتا ہے تو میں اڑ کر اس کے سر میں پہنچ جاتا ہوں۔

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے آیت ذیل میں روایت ہے ذُكِرَ لَنَا أَنَّ نَبِيَّ اللهِ صلى الله عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَمَا هُوَ يُصَلِّي إِذْ جَعَلَ يَسْنِدُ حَتَّى يَسْتَنِدَ السَّارِيَةَ ثُمَّ يَقُولُ أَلْعَنُكَ بِلَعْنَةِ اللهِ التَّامَّةِ فَقَالَ بَعْضُ أَصْحَابِهِ: يَا نَبِيَّ اللهِ مَا شَيْءٌ رَأَيْنَاكَ تَصْنَعُهُ قَالَ: أَتَانِي الشَّيْطَانُ بِشِهَابٍ مِّن نَّارٍ لِّيُحْرِقَنِي بِهِ فَلَعَنْتُهُ بِلَعْنَةِ اللهِ التَّامَّةِ فَانْكَبَّ لِفِيهِ وَطَفِئَتْ نَارُهُ (عبد بن حمید)

ہمارے لئے ذکر کیا گیا کہ ہمارے درمیان نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھ رہے تھے اچانک آپ نے ٹیک لگانا شروع کی یہاں تک کہ آپ نے ایک ستون ٹیک لگائی پھر آپ فرمارہے تھے میں تجھ پر اللہ کی مکمل لعنت کرتا ہوں، آپ کے بعض صحابہ نے عرض کیا: اے اللہ کے نبی! کونسی چیز تھی ہم نے آپ کو دیکھا کہ آپ کچھ کر رہے تھے آپ نے فرمایا میرے پاس شیطان آگ میں سے ایک شعلہ لے کر آتا ہے تاکہ مجھے اس کے ساتھ جلادے تو میں نے اس پر اللہ تعالیٰ کی پوری لعنت کی وہ منہ کے بل گرا اور اس کی آگ بجھ گئی۔

سجدہ صرف خالق کے لیے

سوال ان آیات کریمہ کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے

وَمِنْ اٰيٰتِهِ الَّيْلُ وَالنَّهَارُ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ لَا تَسْجُدُوْا لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ وَاسْجُدُوْا

لِلّٰهِ الَّذِیْ خَلَقَهُنَّ اِنْ كُنْتُمْ اِیَّاهُ تَعْبُدُوْنَ{۳۷}فَاِنِ اسْتَكْبَرُوْا فَالَّذِیْنَ عِنْدَ رَبِّكَ یُسَبِّحُوْنَ لَهٗ بِالَّیْلِ وَالنَّهَارِ وَهُمْ لَا یَسْـَٔمُوْنَ {۳۸}فصلت

جواب ترجمہ: اور اسی کی نشانیوں میں سے ہیں یہ رات اور دن اور سورج اور چاند۔ نہ سورج کو سجدہ کرو نہ چاند کو اور سجدہ اس اللہ کو کرو جس نے انہیں پیدا کیا ہے۔ اگر واقعی تمہیں اسی کی عبادت کرنی ہے۔ پھر بھی اگر یہ (کافر) تکبر سے کام لیں، تو (کرتے رہیں) کیونکہ جو (فرشتے) تمہارے رب کے پاس ہیں۔ وہ دن رات اس کی تسبیح کرتے ہیں اور وہ اکتاتے نہیں ہیں۔

خلاصہ تفسیر: اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کو اپنی عظیم الشان قدرت اور بے مثال طاقت دکھاتا ہے کہ وہ جو کرنا چاہے کر ڈالتا ہے سورج چاند دن رات اس کی قدرت کاملہ کے نشانات ہیں، رات کو اس کے اندھیروں سمیت دن کو اس کے اجالوں سمیت اس نے بنایا ہے۔ کیسے یکے بعد دیگرے آتے جاتے ہیں؟

سورج کو روشنی اور چمکتے چاند کو اور اس کی نورانیت کو دیکھ لو ان کی بھی منزلیں اور آسمان مقرر ہیں۔ ان کے طلوع و غروب سے دن رات کا فرق ہو جاتا ہے، مہینے اور برسوں کی گنتی معلوم ہو جاتی ہے جس سے عبادات معاملات اور حقوق کی باقاعدہ ادائیگی ہوتی ہے، چونکہ آسمان و زمین میں زیادہ خوبصورت اور منور سورج اور چاند تھا اس لئے انہیں خصوصیت سے اپنا مخلوق ہونا بتایا اور فرمایا کہ اگر اللہ کے بندے ہو تو سورج چاند کے سامنے ماتھا نہ ٹیکنا اس لئے کہ وہ مخلوق ہیں اور مخلوق سجدہ کرنے کے قابل نہیں ہوتی۔

سجدہ کئے جانے کے لائق وہ ہے جو سب کا خالق ہے، پس تم اللہ کی عبادت کئے چلے جاؤ، لیکن اگر تم نے اللہ کے سوا اس کی کسی مخلوق کی بھی عبادت کر لی تو تم اس کی نظروں سے گر جاؤ گے اور پھر تو وہ تمہیں کبھی نہ بخشے گا، جو لوگ صرف اس کی عبادت نہیں کرتے بلکہ کسی اور کی بھی عبادت کر لیتے ہیں وہ یہ نہ سمجھیں کہ اللہ کے عابد وہی ہیں، وہ اگر اس کی عبادت چھوڑ دیں گے تو اور کوئی اس کا عابد نہیں رہے گا، نہیں نہیں۔

اللہ ان کی عبادتوں سے محض بے پرواہ ہے اس کے فرشتے دن رات اس کی پاکیزگی کے بیان اور

اس کی خالص عبادتوں میں بے تھکے اور بن اکتائے ہر وقت مغشول ہیں، جیسے دوسری آیت میں ہے اگر یہ کفر کریں تو ہم نے ایک قوم ایسی بھی مقرر کر رکھی ہے جو کفر نہ کرے گی۔

حضور ﷺ فرماتے ہیں رات دن کو سورج چاند کو اور ہوا کو برا نہ کہو یہ چیزیں بعض لوگوں کے لئے رحمت ہیں اور بعض کے لئے زحمت، اس کی اس قدرت کی نشانی کہ وہ مردوں کو زندہ کر سکتا ہے اگر دیکھنا چاہتے ہو تو مردہ زمین کا بارش سے جی اٹھنا دیکھ لو کہ وہ خشک چٹیل اور بے گھاس پتوں کے بغیر ہوتی ہے، مینہ برستے ہی کھیتیاں پھل سبزہ گھاس اور پھول وغیرہ اگ آتے ہیں اور وہ ایک عجیب انداز سے اپنے سبزے کے ساتھ لہلہانے لگتی ہے، اسے زندہ کرنے والا ہی تمہیں بھی زندہ کرے گا۔ یقین مانو کہ وہ جو چاہے اس کی قدرت میں ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

حیات بعد الموت، الحاد، حقانیت قرآن کریم

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنَّكَ تَرَى الْاَرْضَ خَاشِعَةً فَاِذَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَآءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ اِنَّ الَّذِيْٓ اَحْيَاهَا لَمُحْيِ الْمَوْتٰى اِنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ {۳۹} اِنَّ الَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِنَا لَا يَخْفَوْنَ عَلَيْنَا ۭ اَفَمَنْ يُّلْقٰى فِي النَّارِ خَيْرٌ اَمْ مَّنْ يَّاْتِيْٓ اٰمِنًا يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ اِعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ اِنَّهٗ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ {۴۰} اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِالذِّكْرِ لَمَّا جَاۗءَهُمْ ۚ وَاِنَّهٗ لَكِتٰبٌ عَزِيْزٌ {۴۱} لَّا يَاْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ ۭ تَنْزِيْلٌ مِّنْ حَكِيْمٍ حَمِيْدٍ {۴۲} مَا يُقَالُ لَكَ اِلَّا مَا قَدْ قِيْلَ لِلرُّسُلِ مِنْ قَبْلِكَ ۭ اِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ مَغْفِرَةٍ وَّذُوْ عِقَابٍ اَلِيْمٍ {۴۳} فصلت

جواب ترجمہ: اور اس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ تو زمین کو دبی ہوئی حالت میں دیکھتا ہے پھر جب ہم اس پر پانی نازل کر دیتے ہیں تو وہ ابھر آتی ہے اور بڑھتی ہے بلاشبہ جس نے اس کو زندہ فرمادیا وہی مردوں کو زندہ کرنے والا ہے۔ بیشک وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ بلاشبہ جو لوگ ہماری آیتوں میں کجروی اختیار کرتے ہیں وہ ہم پر پوشیدہ نہیں ہیں، کیا جو شخص آگ میں ڈالا جائے گا وہ بہتر ہے یا وہ شخص جو

قیامت کے دن امن کی حالت میں آئے گا، تم کرلو جو چاہو بیشک وہ تمہارے کاموں کو دیکھنے والا ہے۔ بیشک جن لوگوں نے ذکر کے ساتھ کفر کیا جب وہ ان کے پاس آگیا اور بیشک حال یہ ہے کہ وہ کتاب عزیز ہے۔ اس کے پاس باطل نہیں آتا آگے سے اور نہ پیچھے سے، وہ اتاری ہوئی ہے حکمت والے کی طرف سے جو ستودہ اوصاف ہے۔ آپ سے نہیں کہا جاتا مگر وہی جو آپ سے پہلے رسولوں کے لیے کہا گیا بلاشبہ آپ کا رب مغفرت والا ہے اور دردناک عذاب دینے والا ہے۔

خلاصہ تفسیر: وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنَّكَ تَرَى الْاَرْضَ خَاشِعَةً: اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور قدرت کاملہ پر دلالت کرنے والی علامات اور براہین میں سے ایک یہ بھی ہے کہ تم زمین کو خشک دیکھتے ہو، اس میں سبزہ نام کی کوئی چیز نہیں ہوتی، اس حالت میں زمین ایسے آدمی کے مشابہ ہوتی ہے جو زبردست و مجبور ہو۔ (صفوۃ التفاسیر لصابونی)

صاحب انوارالبیان لکھتے ہیں ”اللہ تعالیٰ شانہٗ کی نشانیوں میں سے زمین بھی ہے، جس پر یہ لوگ رہتے ہیں اور اس پر جن تغیرات کا ظہور ہوتا رہتا ہے، انہیں یہ لوگ دیکھتے رہتے ہیں، انہی تغیرات میں سے ایک یہ ہے کہ زمین خشک ہو جاتی ہے، سبزی بالکل نہیں رہتی، سوکھی ہوئی حالت میں پڑی رہتی ہے، پھر اللہ تعالیٰ بارش بھیجتا ہے بارش برستی ہے زمین پر پانی پڑتا ہے اور اندر پہنچتا ہے جیسے ہی یہ زمین پانی سے متاثر ہوتی ہے اس میں تازگی آجاتی ہے زمین پھولتی ہے اندر سے پودے زور لگاتے ہیں باہر نکلتے ہیں۔

تھوڑا ہی سا وقت گزرتا ہے کہ زمین ہری بھری ہو جاتی ہے اس میں کھیتیاں بھی ہوتی ہیں جن سے انسانوں کو غذائیں ملتی ہیں بڑے بڑے درخت بھی ہوتے ہیں جن پر کچھ عرصے کے بعد پھل آتے ہیں، ان میں سے انسان کھاتے ہیں اور گھاس بھی نکلتی ہے، جو مویشیوں کی غذا بنتی ہے، اس میں کئی طرح سے اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیاں ہیں، اللہ تعالیٰ کی قدرت بھی ظاہر ہوتی ہے اور توحید بھی ثابت ہوتی ہے کیونکہ ان تصرفات کا کرنے والا صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے اور اس سے وقوع قیامت کا استبعاد بھی دور ہو جاتا ہے۔

قیامت قائم ہونے اور زندہ ہو کر قبروں سے نکلنے اور دوبارہ زندگی حاصل ہونے کو جو لوگ بعید اور عجیب سمجھتے ہیں ان کے لیے زمین کی حالت بدلنا خشک زمین کا تر و تازہ ہو جانا اس میں پودے نکل آنا یہ اس بات کی نظیر ہے کہ انسان بھی مر کھپ کر اسی طرح زندہ ہو کر قبروں سے باہر آجائیں گے۔(تفسیر انوار البیان)

علامہ طبری رحمہ اللہ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ کی قدرت اور مردوں کے موت کے بعد دوبارہ اٹھائے جانے اور ان کے دوبارہ لوٹانے اور جس ہئیت میں وہ تھے فنا کے بعد اسی ہئیت میں دوبارہ آنے کے دلائل میں سے یہ بھی ہے کہ تم زمین کو دبی ہوئی غبار آلود دیکھتے ہو جس میں نباتات اور کھیتی کا نام ونشان نہیں۔(جامع البیان فی تاویل القرآن) خَاشِعَةً کا معنیٰ غبار آلود اور دبی ہوئی، سدی فرماتے ہیں کہ خَاشِعَةً کا معنیٰ خشک اور دبی ہوئی۔

فَاِذَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَآءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ: چنانچہ جب ہم اس پر پانی نازل کرتے ہیں اس میں تیزی سے حرکت آجاتی ہے، سبزہ کے ساتھ بڑھنے لگتی ہے اور انواع واقسام کی فصلیں اور پھل نکالنا شروع کر دیتی ہے۔اهْتَزَّتْ کا معنیٰ نباتات کے ساتھ حرکت کرنا، رَبَتْ کا معنیٰ سدی اور مجاہد رحمہ اللہ نے پھولنا کیا ہے۔(جامع البیان)

اِنَّ الَّذِيْٓ اَحْيَاهَا لَمُحْيِ الْمَوْتٰى: حقیقت میں جو معبود زمین کو زندہ کرتا ہے اس کے مردہ ہو جانے کے بعد وہی مردوں کو زندہ کرتا ہے اور وہی مردوں کو قبروں سے اٹھائے گا۔(جامع البیان) سدی سے منقول ہے کہ جس طرح اللہ زمین کو بارش سے زندہ کرتے ہیں اسی طرح اللہ مردوں کو قیامت کے دن دونوں نفخوں کے درمیان پانی کے ذریعے زندہ کریں گے۔

اِنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ: اللہ عزوجل کو کوئی چیز عاجز نہیں کر سکتی، جیسے اللہ تعالیٰ مردہ اور بنجر زمین سے سبزہ اگانے پر قادر ہے ایسے ہی وہ مردوں کو زندہ کرنے پر قدرت رکھتا ہے۔(صفوۃ التفاسیر) اللہ تعالیٰ فرمارہے ہیں کہ اے میرے حبیب ﷺ! آپ ﷺ رب اپنی مخلوق کو ان کی موت کے بعد زندہ کرنے پر اور جو وہ چاہے اس کے کرنے کی کامل قدرت رکھتا ہے اس کو کوئی چیز اس کے ارادے

سے روک نہیں سکتی اور نہ ہی جس چیز کو وہ چاہے اس کا کرنا اس کے لیے مشکل ہے۔(جامع البیان)

اِنَّ الَّذِیۡنَ یُلۡحِدُوۡنَ فِیۡۤ اٰیٰتِنَا لَا یَخۡفَوۡنَ عَلَیۡنَا: اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے الحاد کرنے والوں کو وعید سنائی ہے جب کہ ادلہ وبراہین صاف واضح ہیں، چنانچہ ارشاد فرمایا: بیشک جو لوگ ہماری آیات پر طعنے کستے ہیں، ان کی تکذیب وانکار کرتے ہیں، ان کا معاملہ ہمارے اوپر مخفی نہیں ہے ہم تو ان کی گھات میں لگے ہوئے ہیں، اس آیت میں کفار کے لیے وعید تہدید ہے۔ یُلۡحِدُوۡنَ: وہ حق اور قرآن سے اعراض کرتے ہیں، الالحاد: باطل کی طرف مائل ہو جانا، حق سے روگردانی کرنا۔ مقولہ ہے: اَلۡحَدَ فِیۡ دِیۡنِ اللّٰہِ یعنی اللہ کے دین سے اعراض کیا۔

الحاد کیا ہے؟ حضرت قتادہ رحمہ اللہ کہتے ہیں: الحاد کفر ہے ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: الحاد: تبدیل کلام ہے اصل جگہ سے ہٹا کر غیر موضع پر رکھنا۔(صفوۃ التفاسیر) ابن منظور رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ملحد اس شخص کو کہتے ہیں جو حق سے روگردانی کرے اور اس میں ایسی چیز کی آمیزش کرے جو اس میں نہیں ہے، اس کا ایک اور مفہوم بھی بتایا گیا ہے: یُلۡحِدُوۡنَ اَیۡ یَعۡتَرِضُوۡنَ یعنی وہ اعتراض کرتے ہیں۔(ضیاء القرآن)

علامہ ابن جریر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ الحاد کے سارے معانی قریب قریب ہیں کیونکہ لحد والحاد کا معنیٰ میلان ہے اور یہ میلان کبھی اللہ کی آیات سے ہوتا ہے اور کبھی ان کی تکذیب کرکے ان سے منہ موڑا جاتا ہے اور کبھی ان آیات کا استہزاء سیٹیاں اور تالیاں بجا کر کیا جاتا ہے اور کبھی ان آیات سے جدائی اختیار کرکے اور ان سے عناد اختیار کرکے ہوتا ہے اور کبھی ان کی تحریف اور ان کے معانی کو بدلنے کے ذریعے سے ہوتا ہے الحاد کا لفظ اپنے عموم کے لحاظ سے ان سب کو شامل ہے اس لئے آیت کو اپنے عموم پر رکھا جائے گا۔(جامع البیان فی تاویل القرآن)

بندہ عاجز نے گزشتہ اوراق میں الحاد پر تفصیلی مضمون تحریر کر دیا ہے، قرآن کریم نے جس طرح الحاد کا ذکر کیا ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ ہر دور میں الحاد کی مختلف شکلیں موجود رہی ہیں، رفتہ رفتہ الحاد کی یہ متنوع صورتیں دم توڑتی گئیں، ان کی جگہ نئی صورتیں اور شکلیں سامنے آتی رہیں، اس دور میں

بھی الحاد کی مختلف شکلیں ہیں۔

مولانا سیف اللہ خالد رحمانی نے ایک مختصر سا مضمون پیش کیا ہے، جس میں وہ لکھتے ہیں " قرآن مجید کے انکار کی دو صورتیں ہیں: ایک وہ جس کو آیت نمبر: ۴۰ میں "الحاد" کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے، الحاد کے معنی ہے کلام کے صحیح مفہوم کو بدل دینا، حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے اس کی یہی تفسیر مروی ہے (تفسیر ابن کثیر: ج ۴ ص ۴۱۲ تفسیر قرطبی: ج ۱۵ ص ۳۶۶)

جیسا کہ قادیانی حضرات کہتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کو حکم قرآنی کے مطابق، خاتم النبیین، مانتے ہیں: لیکن خاتم النبیین کے معنی آخری نبی کے نہیں ہے: بلکہ ایسے شخص کے ہیں، جس کی مہر سے آئندہ نبوت کا سلسلہ جاری ہو، اسی طرح قرآن و حدیث میں مطلق سود کو حرام قرار دیا گیا: لیکن موجودہ دور میں بعض مغرب زدہ لوگوں کا خیال ہے کہ جس سود کی ممانعت ہے، وہ مہاجنی سود ہے، معاشی اور تجارتی مقاصد کے لیے جو سودی لین دین ہوتا ہے، وہ اس میں شامل نہیں، یا جیسے منکرین حدیث کہتے ہیں کہ قرآن میں جو رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے، وہ آپ ﷺ کی زندگی کے لیے تھا، جیسے امیر و فرمانروا کی اطاعت عوام پر واجب ہوتی ہے، آپ ﷺ کے بعد اب ان احکام پر عمل کرنا واجب نہیں، یہ طرز عمل قرآن کے ساتھ، الحاد، ہے، اگر قرآن کی کسی عبارت کا ایسا مطلب لیا جائے جو اجماع یا نص قطعی کے خلاف ہو، تو یہ کفر ہے، اسی لیے قادیانیوں کے کافر ہونے پر تمام لوگوں کا اتفاق ہے، اور اگر یہ ہو تو قرآن کے ظاہر کے خلاف: لیکن اس کے مقابلہ میں نص قطعی یا اجماع نہ ہو تو ایسا شخص گمراہ ہے۔ (آسان تفسیر رحمانی)

لَا يَخْفَوْنَ عَلَيْنَا: اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم ان لوگوں کو جانتے ہیں، وہ ہم سے مخفی نہیں اور ہم ان کو تاک رہے ہیں، گویا یہ اللہ کی طرف سے تہدید ہے جب وہ ہمارے پاس آئیں گے تو اس وقت ان کو معلوم ہو جائے گا کہ ہماری طرف سے کس طرح کا دردناک عذاب ان کو ہوتا ہے۔ (جامع البیان)

اَفَمَنْ يُّلْقٰى فِي النَّارِ خَيْرٌ اَمْ مَّنْ يَّاْتِيْٓ اٰمِنًا يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ: قیامت کے دن دو قسم کے لوگ ہوں گے جو امن و اطمینان کے ساتھ بے خوف ہوں گے اور جنت میں داخل کر دیئے جائیں گے اور بہت

سے لوگ ایسے ہوں گے جو حیرانی پریشانی اور گھبراہٹ کے ساتھ قبروں سے نکل کر میدان حشر میں حاضر ہوں گے پھر دوزخ میں داخل کر دیئے جائیں گے، اب بتانے والے بتائیں اور سمجھدار لوگ جواب دیں کہ جو شخص دوزخ میں ڈالا جائے گا وہ بہتر ہے یا وہ شخص بہتر ہے جو امن وچین اور اطمینان اور سکون سے قیامت کے دن حاضر ہو گا اور پھر جنت میں بھی اسی شان سے داخل ہو گا قیامت کے دن بھی سکون اور اطمینان اور اس کے بعد بھی امن وچین کے ساتھ خوش وخرم رہے گا۔(انوار البیان)

اِعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ: اس زندگی میں تم جو چاہو عمل کرو، آیت میں اباحت عامہ نہیں دی جارہی بلکہ یہ تہدید ہے جس پر وعید کے سائے گنے ہوئے ہیں، چونکہ آگے ارشاد باری تعالیٰ ہے،

اِنَّهٗ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ: اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال پر مطلع ہے، تمہارے احوال میں سے کوئی چیز بھی اللہ تعالیٰ پر مخفی نہیں ہے، وہ تمہیں پورا پورا بدلہ دے گا، اس بدلے کی شناعت قابل بیان نہیں۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِالذِّكْرِ لَمَّا جَآءَهُمْ: اللہ تعالیٰ فرمارہے ہیں بیشک وہ لوگ جنہوں نے ضد سے اس قرآن کا انکار کیا اور جو قرآن لایا تھا اس کی تکذیب کی، حضرت قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہاں ذکر سے مراد قرآن ہے، قرآن کریم کے بہت سے نام ہیں، ان میں سے ایک ذکر بھی ہے۔

وَاِنَّهٗ لَكِتٰبٌ عَزِيْزٌ: بلاشبہ یہ کتاب قوت حجت کے ساتھ غالب ہے، اس کی نظیر نہیں چونکہ یہ اعجاز کے اعلیٰ مرتبے پر فائز ہے ہر منکر کا دفیعہ کرتی ہے اور ہر معاند کا قلع قمع کرتی ہے۔

لَا يَاْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ: کسی طرف سے بھی اس پر باطل نہیں ٹپک سکتا اور اس میں طعنہ کرنے کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ ابن کثیر رحمہ اللہ کہتے ہیں: اس میں باطل کے لیے کوئی راستہ نہیں چونکہ یہ کتاب رب العالمین کی طرف سے نازل کردہ ہے۔(مختصر ابن کثیر)

تَنْزِيْلٌ مِّنْ حَكِيْمٍ حَمِيْدٍ: یہ اس معبود برحق کی طرف سے نازل کردہ ہے جو اپنی شریعت سازی، اقوال اور افعال میں حکیم ہے اور اپنی مخلوق میں قابل حمد وستائش ہے چونکہ مخلوقات پر اللہ تعالیٰ کے احسانات وانعامات بے شمار ہیں۔

مَا يُقَالُ لَكَ اِلَّا مَا قَدْ قِيْلَ لِلرُّسُلِ مِنْ قَبْلِكَ: پیغمبروں کے مقابلے میں ہر زمانے کے کفار کا

جواب ایک جیسا رہا ہے، اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو کفار کی طرف سے ملنے والی اذیتوں پر تسلی دی ہے، چنانچہ ارشاد فرمایا: آپ ﷺ کی قوم کے کفار آپ سے جو کچھ کہتے ہیں یہ اسی طرح کی اذیت بھری باتیں اور موذی کلام ہے جو پہلے پیغمبروں کو ان کے زمانے کے کفار کہا کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ کلام پر طعنے کرتے تھے۔ (صفوۃ التفاسیر)

علامہ قرطبی رحمہ اللہ کہتے ہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو اس آیت میں تسلی دی ہے چونکہ آپ کی قوم آپ کو طرح طرح کی اذیتیں پہنچاتی تھی اور آپ کی تکذیب کرتی تھی۔ (الجامع لاحکام القرآن)

اِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ مَغْفِرَةٍ وَّذُوْ عِقَابٍ اَلِيْمٍ : اے میرے حبیب ﷺ! بلاشبہ آپ کا رب مؤمن کے گناہوں کو بخشنے والا ہے اور کافروں کو سخت عذاب دینے والا ہے، لہٰذا اپنا معاملہ اللہ کے سپرد کر دیجیے، وہی آپ ﷺ کے دشمنوں سے انتقام لے گا۔

قرآن عربی زبان میں کیوں؟

سوال اس آیت مبارکہ کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

وَلَوْ جَعَلْنٰهُ قُرْاٰنًا اَعْجَمِيًّا لَّقَالُوْا لَوْلَا فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ ءَاَعْجَمِيٌّ وَّعَرَبِيٌّ قُلْ هُوَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هُدًى وَّشِفَآءٌ وَالَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ فِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرٌ وَّهُوَ عَلَيْهِمْ عَمًى اُولٰٓئِكَ يُنَادَوْنَ مِنْ مَّكَانٍۢ بَعِيْدٍ {۴۴} فصلت

جواب ترجمہ: اور اگر ہم اس (قرآن) کو عجمی قرآن بناتے تو یہ لوگ کہتے کہ: اس کی آیتیں کھول کھول کر کیوں نہیں بیان کی گئیں؟ یہ کیا بات ہے کہ قرآن عجمی ہے اور پیغمبر عربی؟ کہہ دو کہ جو لوگ ایمان لائیں، ان کے لیے یہ ہدایت اور شفا کا سامان ہے اور جو ایمان نہیں لاتے، ان کے کانوں میں ڈاٹ لگی ہوئی ہے اور یہ (قرآن) ان کے لیے اندھیرے میں بھٹکنے کا سامان ہے۔ ایسے لوگوں کو کسی دور دراز جگہ سے پکارا جا رہا ہے۔

خلاصہ تفسیر: اے میرے حبیب ﷺ! اگر ہم آپ ﷺ پر یہ قرآن کریم عجمی زبان میں نازل کرتے تو مشرکین پکار اٹھتے کہ اس قرآن کی آیتیں واضح کیوں نہیں ہیں؟ تاکہ ہم اسے سمجھتے اور اسے

جانتے، پھر کہتے کہ یہ کیا ہوا کہ قرآن تو عجمی ہے اور جس پر یہ اتارا گیا ہے وہ عربی ہے؟ اس لیے آپ ﷺ انہیں بتلائیں کہ ایسی بات نہیں ہے، یہ قرآن ان لوگوں کے لیے جو اللہ اور رسول اللہ ﷺ پر ایمان لائے ہیں گمراہوں کے لیے سامان ہدایت ہے۔

مولانا عبد الماجد دریابادی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ بعض معاند منکروں نے یہ کہنا شروع کیا تھا کہ سارا قرآن عربی ہی میں کیوں ہے، کچھ عجمی میں بھی ہوتا تو البتہ ہم یقین کر لیتے کہ یہ نبی عربی ہیں عجمی زبان پر انہیں قدرت نہیں، لامحالہ یہ وحی غیبی ہے۔

یہاں اسی اعتراض کے جواب میں ارشاد ہو رہا ہے کہ یہ معاند ایمان تو جب بھی ہرگز نہ لاتے اور اس وقت یہ کہنے لگتے کہ سارا قرآن عربی ہی کیوں نہیں یہ کیسی بے جوڑ بات ہے کہ رسول خود تو عرب ہوں اور پیام و کلام لے کر آئیں عجم کی زبان میں۔ (تفسیر ماجدی)

مولانا سعید احمد دہلوی رحمہ اللہ اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ اور اگر ہم اس قرآن کو بجائے عربی زبان کے کسی اوپری اور عجمی زبان میں کر دیتے تو یہ قرآن کے منکر یوں کہتے کہ کتاب کی آیتیں ہماری ہی زبان میں صاف صاف اور مفصل کیوں نہ بیان کی گئیں کیا کتاب عجمی اور پیغمبر عربی؟

آپ فرما دیجئے کہ جو لوگ ایمان رکھتے ہیں ان کے لئے یہ قرآن نیک باتوں میں راہنما ہے اور برے روگ اور بری بیماریوں سے شفا اور تندرستی ہے اور جو لوگ ایمان نہیں رکھتے تو یہ قرآن ان کے کانوں میں ثقل اور بوجھ ہے اور ان کی آنکھوں کے حق میں نابینائی اور تاریکی اور اندھاپن ہے یہ لوگ ایسے ہیں جیسے بڑی دور کی جگہ سے پکارے جا رہے ہیں۔

کافروں کے اس اعتراض کا جواب ہے جو وہ بطور عناد قرآن پر کیا کرتے تھے اور وہ یہ کہ قرآن عربی کے علاوہ کسی دوسری زبان میں کیوں نہ اتارا گیا اگر تمام قرآن عجمی میں نہ ہوتا تو بعض حصہ عجمی میں ہوتا بعض عربی میں ہوتا۔ اس کا

جواب فرمایا کہ اگر ہم قرآن کا کل یا جز عجمی زبان میں کرتے تو پھر دوسرے طریقے سے اعتراض کرتے اور یوں کہنے لگتے کہ عربی میں اس کتاب کی آیتیں صاف صاف کیوں نہ بنائی گئیں؟ رسول کا

دعویٰ کرنے والا تو عربی اور کتاب عجمی؟ آخر میں ارشاد ہوا کہ

قُلْ هُوَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هُدًى وَّشِفَآءٌ: ان سے فرما دیجئے کہ یہ قرآن اپنے میں خاص اثر رکھتا ہے جو لوگ اہل ایمان ہیں ان کو یہ کتاب نیک باتوں کے لئے راہنمائی کرتی ہے اور روحانی امراض اور قلب کی بیماریوں کے لئے شفا دینے والی ہے۔

وَالَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ فِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرٌ وَّهُوَ عَلَيْهِمْ عَمًى: اور جو لوگ ایمان سے محروم ہیں ان کے حق میں یہ کانوں کا بوجھ ہے، یعنی کان کے ثقل کی وجہ سے کتاب کانوں سے نہیں گزرتی اور آنکھوں کے حق میں اندھاپا بن جاتی ہے کہ وہ اس کی خوبیوں کو نہیں دیکھ سکتے۔

اُولٰٓئِكَ يُنَادَوْنَ مِنْ مَّكَانٍۢ بَعِيْدٍ: یہ لوگ ایسے ہی ہیں جیسے کوئی بڑی دور جگہ سے پکارا جائے کان بہرے ہوں آنکھیں اندھی ہوں اور دور سے پکارا جائے تو کس طرح دیکھ سکتا ہے اور سن سکتا ہے منکروں کی حالت یہی ہے، عجمی وہ ہے جو فصیح کلام نہ کر سکتا ہو خواہ وہ عجم کا ہو یا عرب کا۔ (کشف الرحمٰن)

نبی کریم ﷺ کو تسلی

سوال اس آیت کریمہ کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ فَاخْتُلِفَ فِيْهِ ۭ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ ۭ وَاِنَّهُمْ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ مُرِيْبٍ {۴۵} فصلت

جواب ترجمہ: اور یہ واقعی بات ہے کہ ہم نے موسیٰ کو کتاب دی سو اس میں اختلاف کیا گیا اور اگر ایک بات نہ ہوتی جو آپ کے رب کی طرف سے طے ہو چکی ہے تو ان کے درمیان فیصلہ کر دیا جاتا، اور بلاشبہ یہ لوگ اس کی طرف سے شک میں پڑے ہوئے ہیں۔

خلاصہ تفسیر: اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں، اے میرے حبیب ﷺ ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو کتاب تورات دی جس طرح کہ ہم نے آپ ﷺ کو قرآن حکیم دیا اور جن یہودیوں کو وہ کتاب دی گئی تھی انہوں نے اس پر عمل کے سلسلے میں اختلاف کیا، الکتب سے مراد تورات ہے فَاخْتُلِفَ فِيْهِ یعنی کچھ لوگ ایمان لائے اور کچھ نے جھٹلایا، ضمیر کتاب کی طرف راجع ہے، اس میں نبی کریم ﷺ کو تسلی دی جا رہی

ہے یعنی آپ کی قوم جو آپ کی کتاب میں اختلاف کرتی ہے وہ آپ ﷺ کو غم گین نہ کرے جو آپ سے قبل انبیاء علیہم السلام ہو گزرے ہیں ان کی کتابوں میں بھی اختلاف کیا گیا تھا، ایک قول یہ کیا گیا ہے: ضمیر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف لوٹ رہی ہے۔ (الجامع لاحکام القرآن)

لیکن ہم مسلمانوں نے اپنی کتاب قرآن کریم کے ساتھ کیا کیا؟ یہی کہ اس کو اختلافات کا پلندہ بنا کر رکھ دیا اہل کتاب بیسیوں گرہوں میں تقسیم ہوئے تھے ہم سینکڑوں گروہوں میں تقسیم ہو گئے اور سب سے بڑا ظلم یہ کیا کہ پوری قوم کی توجہ ہی قرآن کریم سے ہٹادی اور قوم کو اپنی مذہبی پوتھیوں پر لگا دیا کہ رہے بانس نہ بجے بانسری۔ (المنار)

وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ : کلبی رحمہ اللہ نے اس آیت کے بارے میں فرمایا: اگر اللہ تعالیٰ اس وقت کے عذاب کو قیامت تک مؤخر نہ کرتا تو انہیں عذاب آچکا ہوتا جس طرح اللہ تعالیٰ نے دوسری امتوں کے ساتھ کیا، ایک قول یہ کیا گیا ہے ان کے عذاب میں تاخیر اس وجہ سے ہوئی کہ ان کی صلبوں س مومن نکلنے والے تھے۔ (الجامع لاحکام القرآن)

وَاِنَّهُمْ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ مُرِيْبٍ: بیشک ان میں باطل پرست فریق شک میں مبتلاء ہے، اس چیز کے متعلق کہ جس کے متعلق مریب کا لفظ استعمال کیا گیا یعنی ان کی بات ان کو خود شک میں مبتلاء کرنے والی ہے کیونکہ انہوں نے جو کچھ کہا ہے وہ بلا ثبوت ہے اور بطور گمان کے انہوں نے یہ بات کہی ہے۔ (جامع البیان)

عمل صالح کا فائدہ اپنا، عمل بد کا نقصان اپنا

سوال اس آیت مبارکہ کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ وَمَنْ اَسَآءَ فَعَلَيْهَا وَمَا رَبُّكَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ {۴۶} فصلت

جواب ترجمہ: جو کوئی نیک عمل کرتا ہے، وہ اپنے ہی فائدے کے لیے کرتا ہے اور جو کوئی برائی کرتا ہے، وہ اپنے ہی نقصان کے لیے کرتا ہے اور تمہارا پروردگار بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہے۔

خلاصہ تفسیر: اس آیت کا مطلب بہت صاف ہے بھلائی کرنے والے کے اعمال کا نفع اسی کو ہوتا ہے اور برائی کرنے والے کی برائی کا وبال بھی اسی کی طرف لوٹتا ہے، پروردگار کی ذات ظلم سے پاک

ہے، ایک کے گناہ پر دوسرے کو وہ نہیں پکڑتا، ناکردہ گناہ کی وہ سزا نہیں دیتا، پہلے اپنے رسول بھیجتا ہے، اپنی کتاب اتارتا ہے، اپنی حجت تمام کرتا ہے، اپنی باتیں پہنچا دیتا ہے، اب بھی جو نہ مانے وہ مستحق عذاب و سزا قرار دے دیا جاتا ہے۔

بات کو پوری طرح واضح کر دینے کے بعد آنحضرت ﷺ کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا گیا ہے کہ جو شخص آپ کی دعوت کو قبول کر لیتا ہے اور آپ کی ہدایت کے مطابق اپنا رویہ بدلتا اور اپنے اعمال کو درست کر لیتا ہے تو اس کا فائدہ اسے ہی پہنچے گا، نہ پروردگار کو اس کا کوئی فائدہ ہو گا اور نہ آپ اس سے کوئی فائدہ اٹھائیں گے۔

اسی طرح جو شخص کوئی برائی کرتا ہے تو اس کا وبال بھی اسی کی طرف لوٹ کے آتا ہے۔ پروردگار یا اس کے رسول کا تو اس سے کوئی فائدہ نہیں ہوتا، اس لیے آپ نے انھیں سمجھانے اور راہ راست پر لانے کی جتنی کوششیں کی ہیں وہ کافی ہیں۔

اس لیے آپ کے لیے فکر مندی کی کوئی بات نہیں، لوگ اگر اپنی بھلائی کے لیے بھی راہ راست اختیار نہیں کرنا چاہتے تو خود اس کا انجام بھگتیں گے، اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کے ذریعے جزاء و سزا کے قانون کو پوری طرح ان پر واضح کر دیا ہے، اب اگر کوئی شخص اس کی گرفت میں آتا ہے تو یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس پر ظلم نہیں بلکہ اس کے اعمال کا نتیجہ ہے، اللہ تعالیٰ تو اپنے بندوں پر کبھی ظلم نہیں کرتا۔

آخری جملے میں مبالغے پر نفی وارد ہوئی ہے۔ اور قاعدہ یہ ہے کہ جب مبالغہ پر نفی آئے تو اس سے مقصود مبالغہ فی النفی ہوتا ہے، اس وجہ سے وَمَا رَبُّكَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ کے معنی ہوں گے اور آپ کا رب بندوں پر ذرا بھی ظلم کرنے والا نہیں ہے۔ (روح القرآن)

قیامت کا علم اللہ ہی کو ہے

سوال ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

اِلَيْهِ يُرَدُّ عِلْمُ السَّاعَةِ ۚ وَمَا تَخْرُجُ مِنْ ثَمَرٰتٍ مِّنْ اَكْمَامِهَا وَمَا تَحْمِلُ مِنْ اُنْثٰى وَلَا تَضَعُ اِلَّا بِعِلْمِهٖ ۚ وَيَوْمَ يُنَادِيْهِمْ اَيْنَ شُرَكَآءِيْ قَالُوْٓا اٰذَنّٰكَ مَا مِنَّا مِنْ شَهِيْدٍ ﴿۴۷﴾ وَضَلَّ

عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَدْعُوْنَ مِنْ قَبْلُ وَظَنُّوْا مَا لَهُمْ مِّنْ مَّحِيْصٍ {۴۸}لَا يَسْئَمُ الْاِنْسَانُ مِنْ دُعَآءِ الْخَيْرِ وَاِنْ مَّسَّهُ الشَّرُّ فَيَئُوْسٌ قَنُوْطٌ {۴۹}وَلَئِنْ اَذَقْنٰهُ رَحْمَةً مِّنَّا مِنْۢ بَعْدِ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُ لَيَقُوْلَنَّ هٰذَا لِيْ وَمَآ اَظُنُّ السَّاعَةَ قَآئِمَةً وَّلَئِنْ رُّجِعْتُ اِلٰى رَبِّيْٓ اِنَّ لِيْ عِنْدَهٗ لَلْحُسْنٰى فَلَنُنَبِّئَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِمَا عَمِلُوْا وَلَنُذِيْقَنَّهُمْ مِّنْ عَذَابٍ غَلِيْظٍ {۵۰}فصلت

جواب ترجمہ: اسی کی طرف قیامت کا علم حوالہ کیا جاتا ہے، اور پھل اپنے خولوں سے نکلتے ہیں اور جو کوئی عورت حاملہ ہوتی ہے اور جو بچہ جنتی ہے یہ سب اس کے علم میں ہے، اور جس دن وہ پکارے گا کہاں ہیں میرے شرکاء وہ کہیں گے کہ ہم اعلان کے ساتھ آپ سے عرض کرتے ہیں کہ ہم میں سے کوئی دعویدار نہیں ہے۔ اور اس سے پہلے وہ جن کو پکارا کرتے تھے وہ سب غائب ہو جائیں گے اور یہ لوگ یقین کرلیں گے کہ ان کے چھوٹنے کی کوئی صورت نہیں ہے۔ انسان خیر کی دعا کرنے سے نہیں اکتاتا، اور اگر اسے تکلیف پہنچ جائے تو پوری طرح ناامید ہو جاتا ہے۔ اور تکلیف پہنچ جانے کے بعد اگر ہم اسے اپنی رحمت چکھادیں تو وہ کہتا ہے کہ مجھے یہ چاہیے اور میں یہ گمان نہیں کرتا کہ قیامت قائم ہونے والی ہے، اور اگر میں اپنے رب کی طرف لوٹا دیا گیا تو میرے لیے اس کے پاس بہتری ہو گی، سو جن لوگوں نے کفر کیا ہم ضرور ضرور ان کے اعمال سے انہیں باخبر کر دیں گے، اور ہم انہیں ضرور سخت عذاب چکھادیں گے۔

خلاصہ تفسیر: قیامت کا علم اللہ تعالیٰ ہی کی طرف حوالہ کیا جاتا ہے یعنی قیامت کب واقع ہو گی اس کا علم اللہ عالی کے سوا کسی کو نہیں، سورالاعراف میں فرمایا يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَيَّانَ مُرْسٰىهَا قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّيْ لَا يُجَلِّيْهَا لِوَقْتِهَآ اِلَّا هُوَ وہ آپ ﷺ سے قیامت کے بارے میں دریافت کرتے ہیں کہ کب ہے اس کا واقعہ ہونا، آپ ﷺ فرمادیجیے کہ اس کا علم صرف میرے رب کے پاس ہے اس کو ظاہر نہیں فرمائے گا مگر وہی۔

ایک مرتبہ جبرائیل علیہ السلام رسول اللہ ﷺ کے پاس انسانی صورت میں آئے اور متعدد سوالات کیے ان میں ایک سوال یہ بھی تھا کہ قیامت کے بارے میں ارشاد فرمایئے وہ کب آئے گی؟ آپ نے

فرامیا مَا الْمَسْؤُلُ عَنْهَا بِاَعْلَمَ مِنَ السَّائِلِ کہ جس سے دریافت کیا وہ دریافت کرنے والے سے زیادہ جاننے والا نہیں، یعنی اس معاملہ میں میں اور تم برابر ہیں نہ مجھے اس کے وقوع کا وقت معلوم ہے اور نہ تمہیں پس اگر کسی سے پوچھا جائے کہ قیامت کب آئے گی تو یہی جواب دے دو کہ اس کا علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہے۔

صاحب روح المعانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: اَیْ اِذَا سُئِلَ عَنْهَا قِيلَ اَللّٰهُ تَعَالٰى يَعْلَمُ اَوْلَا يَعْلَمُهَا اِلَّا اللّٰه عزوجل، یعنی جب قیامت کے بارے میں پوچھا جائے تو کہا جائے اللہ تعالیٰ جانتا ہے یا کہا جائے اسے نہیں جانتا مگر اللہ تعالیٰ ہی۔ (انوار البیان) اس کے بعد بعض دیگر اشیاء کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ وَمَا تَخْرُجُ مِنْ ثَمَرٰتٍ مِّنْ اَكْمَامِهَا وَمَا تَحْمِلُ مِنْ اُنْثٰى وَلَا تَضَعُ اِلَّا بِعِلْمِهٖ: ان کا علم صرف اللہ تعالیٰ ہی کو ہے جب درخت پر پھل آتے ہیں اولا ایک غلاف کی سی صورت بنتی ہے ابتداء میں پھل ذرا سا ہوتا ہے پھر بڑھتا رہتا ہے اور بڑھتے بڑھتے اپنے غلاف سے باہر آجاتا ہے۔ ارشاد فرمایا کہ جو بھی کوئی پھل اپنے غلاف سے باہر نکلتا ہے اور جس کسی عورت کو حمل قرار پاتا ہے اور جو بھی کوئی عورت بچہ جنتی ہے اللہ تعالیٰ کو ان سب کا علم ہے اس میں چند چیزوں کا ذکر ہے دوسری آیات میں ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جانتا ہے۔ (انوار البیان)

وَيَوْمَ يُنَادِيْهِمْ اَيْنَ شُرَكَآءِيْ قَالُوْٓا اٰذَنّٰكَ مَا مِنَّا مِنْ شَهِيْدٍ: جو لوگ دنیا میں شرک کرتے ہیں دلائل قدرت کو دیکھ کر بھی توحید کے قائل نہیں ہوتے یہ لوگ قیامت کے دن حاضر ہوں گے اور ان سے اللہ تعالیٰ کا سوال ہوگا کہ تم نے جو اپنے خیال میں میرے شرکاء بنا رکھے تھے وہ کہاں ہیں وہ لوگ جواب دیں گے کہ ہم آپ کو خبر دے رہے ہیں کہ یہاں اس وقت ہم میں کوئی بھی اس بات کی گواہی دینے والا نہیں کہ آپ کا کوئی شریک تھا، دنیا میں تو پوری ضد کے ساتھ شرک کرتے تھے اور جب سمجھایا جاتا تھا تو حق نہیں مانتے تھے لیکن میدان قیامت میں شرک سے منکر ہو جائیں گے اور یوں کہیں گے وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ اور جب سمجھ لیں گے کہ انکار کچھ فائدہ نہیں دے سکتا تو اقراری ہو کر یوں کہیں گے هٰٓؤُلَآءِ الَّذِيْنَ كُنَّا نَدْعُوْا مِنْ دُوْنِكَ کہ یہ وہ ہیں جن کی ہم

آپ کے علاوہ عبادت کیا کرتے تھے اور ان سے جو مدد کی امید رکھتے تھے وہ کوئی بھی مدد نہ پہنچا سکیں گے۔ (انوار البیان)

وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَدْعُوْنَ مِنْ قَبْلُ وَظَنُّوْا مَا لَهُمْ مِّنْ مَّحِيْصٍ: ان مشرکین سے قیامت کے دن وہ معبود گم ہو جائیں گے جن کی وہ دنیا میں عبادت کیا کرتے تھے اور ان کی وجہ سے غلط راستہ پر پڑے اور اس چیز نے ان کو کوئی فائدہ نہ دیا اور اللہ تعالیٰ کے اس اترنے والے عذاب کو بالکل دور نہ کیا۔

وَ ظَنُّوْا: ان کو اس وقت یقین ہو جائے گا کہ ان کے لئے کوئی پناہ گاہ نہیں جہاں وہ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچ سکیں، سدی رحمہ اللہ نے اس کی اس طرح تفسیر کی ہے ان کو یقین ہو جائے گا کہ ان کے لئے کوئی پناہ گاہ نہیں۔ ظنّ یہاں کیوں کر عمل نہیں کر رہا، اس بارے میں بصری علماء کہتے ہیں کہ ظن یہاں اس لئے عمل نہیں کرتا کیونکہ یہاں کوئی حرف واسم موجود نہیں اور فعل ایسے مواقع پر عمل نہیں کرتا اس لئے اس کے عمل کو لغو قرار دیا۔ دوسرا قول یہ ہے کہ فعل لغو نہیں اور وہ معنیٰ میں عمل کرنے والا ہے مگر ایک علت کی بناء پر اور وہ علت یہ ہے کہ وہ حکایت ہے جب وہ ایسے موقع پر آئے تو وہاں عمل نہیں کرے گا تو وہاں حکایت اور تمنی بنے گی اور جس وقت وہ عمل کرے گا تو اس وقت وہ اپنے اصل پر ہو گا۔ (جامع البیان)

مَا لَهُمْ مِّنْ مَّحِيْصٍ: وہ لوگ یقین کر لیں گے کہ اب ان کے لیے بچاؤ کی کوئی صورت نہیں ہے، محیص بھاگ کر پناہ لینے کا ٹھکانا۔ (مدارک التنزیل وحقائق التاویل)

لَا يَسْـَٔمُ الْاِنْسَانُ مِنْ دُعَآءِ الْخَيْرِ: اللہ تعالیٰ بیان فرماتا ہے کہ "مال صحت وغیرہ بھلائیوں کی دعاؤں سے تو انسان تھکتا ہی نہیں اور اگر اس پر کوئی بلا آ پڑے یا فقر وفاقہ کا موقع آ جائے تو اس قدر ہراساں اور مایوس ہو جاتا ہے کہ گویا اب کسی بھلائی کا منہ نہیں دیکھے گا۔

وَلَئِنْ اَذَقْنٰهُ رَحْمَةً مِّنَّا مِنْۢ بَعْدِ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُ لَيَقُوْلَنَّ هٰذَا لِيْ: اور اگر کسی برائی یا سختی کے بعد اسے کوئی بھلائی اور راحت مل جائے تو کہنے بیٹھ جاتا ہے کہ اللہ پر یہ تو میرا حق تھا، میں اسی کے لائق تھا اب اس نعمت پر پھولتا ہے، اللہ کو بھول جاتا ہے اور صاف منکر بن جاتا ہے۔ قیامت کے آنے کا صاف

انکار کر جاتا ہے، مال و دولت راحت آرام اس کے کفر کا سبب بن جاتا ہے، جیسے ایک اور آیت میں ہے كَلَّآ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَيَطْغٰٓى أَنْ رَّآهُ اسْتَغْنٰى (العلق) یعنی انسان نے جہاں آسائش و آرام پایا وہیں اس نے سر اٹھایا اور سرکشی کی، پھر فرماتا ہے کہ

وَمَآ اَظُنُّ السَّاعَةَ قَآئِمَةً وَّلَئِنْ رُّجِعْتُ اِلٰى رَبِّيْٓ اِنَّ لِيْ عِنْدَهٗ لَلْحُسْنٰى: اتنا ہی نہیں بلکہ اس بداعمالی پر بھلی امیدیں بھی کرتا ہے اور کہتا ہے کہ بالفرض اگر قیامت آئی بھی اور میں وہاں اکٹھا بھی کیا گیا تو جس طرح یہاں سکھ چین میں ہوں وہاں بھی ہوں گا، غرض انکار قیامت بھی کرتا ہے مرنے کے بعد زندہ ہونے کو مانتا بھی نہیں اور پھر امیدیں لمبی باندھتا ہے اور کہتا ہے کہ جیسے میں یہاں ہوں ویسے ہی وہاں بھی رہوں گا۔ (تفسیر القرآن العظیم ابن کثیر) پھر اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو ڈراتا ہے کہ

فَلَنُنَبِّئَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِمَا عَمِلُوْا وَلَنُذِيْقَنَّهُمْ مِّنْ عَذَابٍ غَلِيْظٍ: سو ہم ان منکروں کو ان کی کی ہوئی (ساری) بداعمالیاں ضرور ضرور بتلائیں گے اور سخت عذاب کا مزہ بلاشبہ یقیناً چکھائیں گے، بِمَا عَمِلُوْا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ہم ضرور ان کی بداعمالیوں کی مصیبت ان پر ڈالیں گے، مِنْ عَذَابٍ غَلِيْظٍ سخت عذاب کا مزہ چکھائیں گے جس سے رہائی ممکن نہ ہوگی۔ (مظہری)

نعمت ملنے پر اعراض اور تکلیف پر لمبی دعائیں

سوال اس آیت کریمہ کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

وَاِذَآ اَنْعَمْنَا عَلَى الْاِنْسَانِ اَعْرَضَ وَنَاٰ بِجَانِبِهٖ وَاِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ فَذُوْ دُعَآءٍ عَرِيْضٍ {۵۱}فصلت.

جواب ترجمہ: اور جب ہم انسان کو نعمت عطا کرتے ہیں تو وہ اعراض کرتا ہے اور ایک جانب کو دور چلا جاتا ہے اور جب اسے تکلیف پہنچ جاتی ہے تو لمبی چوڑی دعا والا ہو جاتا ہے۔

خلاصہ تفسیر: مطلب یہ ہے کہ جب ہم انسان کو صحت عطا کرتے ہیں، اسے رزق کی فراوانی عطا کرتے ہیں یا کوئی اور ایسی نعمت اسے دیتے ہیں تو یہ اعراض اور روگردانی کرتا ہے، پہلو پھیر لیتا ہے، اسے یاد خدا نہیں رہتی، لیکن جب اسے دکھ پہنچتا ہے، تکلیف پہنچتی ہے تو پھر بہت زیادہ توجہ الی

اللہ کرتا ہے، بہت زیادہ دعائیں مانگتا ہے، زاریاں کرتا ہے کہ کسی طرح اللہ اس کی تکلیف کو دور کردے۔

مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ فَذُوْ دُعَاءٍ عَرِيْضٍ، مقصود یہ ہے کہ کافر انسان کی خصلت یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ اس کو کوئی نعمت دولت و عزت و عافیت دیتے ہیں تو ان میں مگن اور مست ہو کر منعم حقیقی اللہ تعالیٰ سے اور بھی زیادہ دور ہو جاتا ہے اور اس کا تکبر اور غفلت بڑھ جاتی ہے اور جب کوئی مصیبت پیش آتی ہے تو اللہ تعالیٰ سے لمبی لمبی دعائیں مانگنے لگتا ہے۔

لمبی دعا کو اس جگہ عریض یعنی چوڑی سے تعبیر فرمایا جس میں زیادہ مبالغہ ہے، کیونکہ جس چیز کا عرض بڑا ہو اس کا طول اس سے زیادہ بڑا ہونا خود بخود معلوم ہے، اسی لئے جنت کی وسعت بیان فرمانے میں بھی حق تعالیٰ نے فرمایا عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ، یعنی جنت اتنی وسیع ہے کہ اس کے عرض میں سب آسمان و زمین سما جائیں۔ (معارف القرآن)

عریض کلام اسے کہتے ہیں جس کے الفاظ بہت زیادہ ہوں اور معنی بہت کم ہوں اور جو کلام اس کے خلاف ہو یعنی الفاظ تھوڑے ہوں اور معنی زیادہ ہوں تو اسے وجیز کلام کہتے ہیں، وہ بہت کم اور بہت کافی ہوتا ہے۔

اور طویل دعائیں مانگنا اگرچہ فی نفسہ امر محمود و مستحسن ہے جیسا کہ احادیث صحیحہ میں دعا کے آداب میں ذکر کیا گیا ہے کہ دعاء میں الحاح وزاری اور بار بار تکرار کرنا بہتر ہے۔ (بخاری)

لیکن اس جگہ اس کافر انسان کی جو مذمت کی گئی ہے وہ درحقیقت طول دعا پر نہیں بلکہ اس کی اس مجموعی مذموم خصلت پر ہے کہ جب اس پر اللہ تعالیٰ نعمت کی روانی فرما دیں تو تکبر اور غرور میں مدہوش ہو جاوے اور جب مصیبت آوے تو اپنی پریشانی کو بار بار پکارتا اور کہتا پھرے جیسا غافل لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ اللہ سے دعا کرنا مقصود نہیں ہوتا بلکہ اپنا دکھڑا رونا اور لوگوں سے کہتے رہنا مقصود ہوتا ہے۔ (معارف القرآن)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اس آیت میں انسان سے مراد عتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ اور امیہ بن خلف ہیں، جنہوں نے اسلام سے منہ پھیر لیا اور اس سے دور ہو گئے اور یہ فرمایا:

اور پہلو بچا کر (ہم سے) دور ہو جاتا ہے اس کا معنٰی ہے: وہ حق کی اطاعت اور اتباع کرنے سے خود کو بلند سمجھتا ہے اور انبیاء علیہم السلام کے سامنے تکبر کرتا ہے اور جب اس پر کوئی مصیبت آتی ہے تو پھر لمبی چوڑی دعائیں کرتا ہے، یعنی عاجزی کا اظہار کرتا ہے اور گڑگڑاتا ہے اور فریاد کرتا ہے اور کافر مصیبت میں اپنے رب کو پہچانتا ہے اور راحت میں اپنے رب کو نہیں پہچانتا۔ (تبیان القرآن)

منکرین قرآن سب سے بڑے گمراہ

سوال اس آیت کریمہ کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كَانَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ثُمَّ كَفَرْتُمْ بِهٖ مَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ هُوَ فِيْ شِقَاقٍۭ بَعِيْدٍ {۵۲} فصلت

جواب ترجمہ: آپ فرمادیجیے کہ تم بتاؤ اگر یہ قرآن اللہ کی طرف سے ہو پھر تم نے اس کا انکار کیا تو اس سے بڑھ کر گمراہ کون ہو گا جو دور کی مخالفت میں پڑ گیا۔

خلاصہ تفسیر: اللہ تعالیٰ اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو فرمارہے ہیں آپ اے میرے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم ان مکذبین کو جن کے پاس اپنے رب کی طرف سے یہ قرآن لے کر آئے ہو ان سے کہہ دیجیے کہ اے لوگو! تمہارا کیا خیال ہے اگر یہ قرآن جس کو جھٹلا رہے ہو اللہ کی طرف سے ہو اور تم اس کو جھٹلا رہے ہو تو کیا تم حق سے جدائی اختیار کرنے والے اور صحیح راستے سے دور نہ ہو گے اب تم ہی بتلاؤ کہ اس آدمی سے کون بڑا گمراہ ہے کہ جو دور کی ضد میں مبتلاء ہو جبکہ وہ اس کا مطلب بھی سمجھتا ہو اس مقام پر خبر کو تفریق کی جگہ رکھا گیا ہے، مَنْ اَضَلُّ یعنی آپ ان سے فرمادیجئے کہ سیدھے راستے سے کون دور ہٹنے والا ہے اور غلط راہ پر چلنے والا ہے اس آدمی سے بڑھ کر جو اللہ کے حکم اور خوف سے بے پروائی برتنے والا اور سیدھے راستے سے دوری اختیار کرنے والا ہو یعنی وہ آدمی سب سے بڑا گمراہ ہے۔

آفاق اور انفس میں قدرت کی نشانیاں

سوال اس آیت کریمہ کا ترجمہ و تفسیر کیجیے۔

سَنُرِيْهِمْ اٰيٰتِنَا فِي الْاٰفَاقِ وَفِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ اَوَلَمْ يَكْفِ بِرَبِّكَ اَنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ {۵۳} فصلت.

جواب ہم انہیں اپنی نشانیاں کائنات میں بھی دکھائیں گے اور خود ان کے اپنے وجود میں بھی، یہاں تک کہ ان پر یہ بات کھل کر سامنے آجائے کہ یہی حق ہے۔ کیا تمہارے رب کی یہ بات کافی نہیں ہے کہ وہ ہر چیز کا گواہ ہے؟

خلاصہ تفسیر: سید قطب رحمہ اللہ لکھتے ہیں "فی الواقع اللہ کا وعدہ سچا تھا، گزشتہ چودہ سو سال سے اللہ نے انفس و آفاق کے کئی نشانات انسانوں پر ظاہر فرمائے ہیں اور یہ سلسلہ جاری ہے، انسان کی ذات کے بارے میں بھی عجیب و غریب انکشافات ہوئے ہیں۔ اور کائنات کے بارے میں بھی۔

پھر انسان بھی لگا ہوا ہے، اس نے نزول قرآن کے وقت سے آج تک بہت سارے انکشافات کئے ہیں۔ اس کائنات کی وسعتیں بھی دور تک انسان نے دیکھ لیں اور اس کے لئے کھل گئیں اور نفس انسانی کے وسائل بھی اس پر واضح ہو گئے اور یہ سلسلہ چلتا ہی رہے گا۔

انسان نے بہت کچھ سیکھ لیا ہے، اور دیکھ لیا ہے، اگر انسان یہ بات معلوم کرے کہ کس طرح اس نے ان چیزوں کا ادراک کیا اور اللہ کا شکر ادا کرے تو یہ اس کے لئے بہتر ہو گا۔

مثلاً انسان نے معلوم کر لیا کہ وہ جس زمین کو کائنات کا مرکز سمجھتا تھا، یہ تو ایک حقیر سا ذرہ ہے جو سورج کے تابع ہے اور انہوں نے معلوم کر لیا کہ یہ سورج اس کائنات کا ایک چھوٹا سا کرہ ہے۔ اور اس جیسے کئی سو ملین سورج ہیں، انہوں نے شمس و قمر اور ارض و سما کی حقیقت معلوم کر لی اور انہوں نے اپنے وجود کی اور نفس کی حقیقت بھی معلوم کر لی ہے۔

پھر انسان نے اس کائنات کے مادے میں سے بھی اکثر چیزوں کو معلوم کر لیا ہے کہ اس مادے کے اندر کیا عناصر ہیں، اگر یہ بات صحیح ہو کہ کوئی مادہ ہے، پھر انسان نے یہ دیکھ لیا کہ اس کائنات کا اصل مادہ ذرہ ہے، اس نے یہ بھی معلوم کر لیا کہ یہ ذرہ شعاع کی شکل اختیار کر لیتا ہے، چنانچہ اس نے یہ دیکھ لیا کہ دراصل تو یہ پوری کائنات روشن ہے، جس سے مختلف انداز کی روشنی جس سے مختلف شکل

وصورت کی چیزیں بنتی ہیں۔

انسانوں نے اس چھوٹے سے کرے اور زمین کے بارے میں تو بہت کچھ جان لیا ہے کہ یہ گیند ہے اور گیند کی طرح ہے، یہ بھی معلوم کر لیا ہے کہ یہ اپنے گرد بھی گھومتا ہے اور سورج کے گرد بھی گھومتا ہے۔ انہوں نے اس کے براعظموں، اس کے سمندروں اور اس کے دریاؤں کو معلوم کر لیا، اس کے اندرون تک گھس گئے اور اس کے پیٹ میں جو کچھ چھپا تھا اس کو بھی انہوں نے دیکھ لیا ہے کہ کیا کیا قوتیں اس کے اندر ودیعت کردہ ہیں، پھر ان قوتوں میں سے فضا میں کون کون سی ہیں۔

انہوں نے یہ بھی معلوم کر لیا ہے کہ ان کی اس زمین کو اس پوری کائنات کے ساتھ جس قانون قدرت نے مربوط کر دیا ہے وہ ایک ہی قانون ہے۔ اس کائنات میں تصرفات ہوتے ہیں، ان میں سے بیشتر کو انسان نے دریافت کر لیا ہے۔

اب انسانوں میں سے کچھ اہل علم ایسے ہیں کہ انہوں نے ان قوانین سے معلوم کر لیا ہے کہ کوئی اور خالق ہے اور بعض ایسے ہیں کہ ان کے لئے ان کا یہ عالم ہی وبال بن گیا، یہ ان ظاہری انکشافات کے اندر ہی گم ہو گئے، آگے نہ بڑھ سکے، لیکن آیات الٰہیہ کے اس عظیم انکشاف کے بعد انسانیت نے اب اللہ کی طرف رجوع کرنا شروع کر دیا ہے اور تسلیم کرنا شروع کر دیا ہے کہ یہ حق ہے۔

انسان کی ذات اور اس کے نفس کے اندر علم کی فتوحات اس کائنات سے کم نہیں ہیں انسانوں نے انسانی جسم، اس کی ترکیب، اس کے خصائص اور اس کے اسرار ورموز کے بارے میں بہت کچھ معلوم کر لیا ہے، اس کی بناوٹ، اس کے اعضاء ان کے فرائض، اس کے امراض، اس کی غذا کے بارے میں وافر علوم جمع کر لیے ہیں، انسانی اعمال اور حرکات کے بارے میں بھی بہت کچھ معلوم کر لیا ہے، یہ تمام انکشافات دراصل آیات الٰہیہ کے بارے میں ہیں، ان چیزوں کا خالق اس کے سوا کوئی نہیں ہے۔

انسانی نفسیات کے بارے میں بھی انسان نے بہت کچھ جان لیا ہے، یہ اگرچہ اس حد تک نہیں ہے جو نشانات جسم کے بارے میں انسان نے دریافت کر لیے ہیں، کیونکہ انسان کی جدوجہد زیادہ تر انسانی جسم اور اس کی آلاتی حیثیت پر مرکوز ہے، انسان کی عقل، اس کی روح کی طرف ابھی زیادہ توجہ نہیں

ہوئی، لیکن نفس انسانی کے میدان میں بعض چیزوں کا انکشاف ہوا، وہ بتاتا ہے کہ اس میدان میں بھی مستقبل میں بڑی فتوحات ہوں گی اور انسان مزید نشانات دیکھیں گے، ابھی تو انسان راستے ہی میں ہے۔(فی ظلال القرآن)

اللہ تعالیٰ یہاں یہ فرمارہے ہیں کہ ہم عنقریب اپنی نشانیاں جھٹلانے والوں کو دکھلائیں گے، اسلام کا ظہور اور غلبہ انہیں دکھائیں گے، اقالیم میں اسلامی سلطنت کے لہراتے پرچم دکھائیں گے، سارے ادیان پر اسلامی غلبہ ہوتے دکھائیں گے، آسمان وزمین کے کناروں پر اپنی قدرت کی نشانیاں دکھائیں گے، آسمانوں اور زمینوں میں ظہور پذیر ہونے والے بڑے بڑے حوادث وواقعات انہیں دکھلائیں گے، آفاقی نشانیاں دکھانے کے ساتھ ساتھ ان کے ابدان کے اندر موجود نشانیاں بھی انہیں دکھائیں گے۔

جب یہ نشانیاں دیکھ لیں گے تو ان پر یہ بات واضح ہو جائے گی کہ یہ ایسی نشانیاں ہیں جو شک کو کسی درجے میں قبول نہیں کرتیں، پھر شک کی کوئی گنجائش باقی نہ رہے گی کہ قرآن کریم واقعی اللہ کی طرف سے وحی ہے، یہ رب العالمین کا پیغام ہے، تو کیا ان کو یہی دلیل کافی نہیں کہ قرآن کریم سچ ہے اور جو اسے لایا وہ بھی سچا ہے، اللہ تعالیٰ جب اس کی گواہی دے رہا ہے کہ یہ سچی کتاب ہے، تو اللہ سے بڑھ کر سچی گواہی کس کی ہو سکتی ہے۔

مولانا غلام مرتضیٰ رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ ”اس آیت کریمہ میں اللہ کی طرف سے دراصل یہ بشارت ہے کہ اللہ تعالیٰ انسان کو آفاق میں ایسی ایسی آیات دکھلائے گا کہ قرآن مجید اور دین اسلام کی حقانیت خود بخود کھل کے واضح ہوتی چلی جائے گی“۔(انوار التنزیل)

یہ حقیقت ہے کہ اس صدی میں قرآن کی حقانیت پر سائنس اتنی بلند آہنگی سے تصدیق کر رہی ہے کہ قرآن کی بہت سی آیات جو پہلے اس طرح سے ہماری سمجھ میں نہیں آتی تھیں، اب سائنس کی ایجادات سے وہ بالکل نئے انداز سے ہمارے سامنے آرہی ہیں اور سائنس نے قرآن کی حقانیت پر لبیک کہنا شروع کر دیا ہے۔

ہر رنگ تیرے رنگ میں ڈوبا ہوا نکلا ہر نقش ترا نقش کفِ پا نظر آیا

ہر جلوے کو دیکھا تیرے جلووں سے منور ہر بزم میں تو انجمن آراء نظر آیا

دنیا میں جتنے لوگ بھی اٹھے ہیں سب کی کہانی حال کی کہانی ہے، کسی کی کہانی مستقبل کی کہانی نہیں، کیونکہ کسی کا مستقبل بھی اس کے حال کی تصدیق کرنے والا نہ بن سکا، ایسی دنیا میں ڈیڑھ ہزار سال پہلے یہ پیشین گوئی کی گئی کہ قرآن کے بعد ظاہر ہونے والے واقعات و حقائق قرآن کی تصدیق کرتے چلے جائیں گے۔ قرآن آئندہ آنے والے تمام زمانوں میں اپنی صداقت کو نہ صرف باقی رکھے گا بلکہ مزید واضح اور مدلل کرتا چلا جائے گا۔ قرآن ہمیشہ وقت کی کتاب رہے گا۔ (تذکیر القرآن)

یہ بات حیرت انگیز طور پر صدفی صد درست ثابت ہوئی۔ علمی تحقیقات، تاریخی واقعات، زمانی انقلابات سب قرآن کے حق میں جمع ہوتے چلے گئے، حتی کہ آج غیر مسلم محققین بھی گواہی دے رہے ہیں کہ قرآن اپنی نادر خصوصیات کی بنا پر خود اس بات کا ثبوت ہے کہ وہ خدا کی کتاب ہے۔ کسی انسانی تصنیف میں ایسی ابدی خصوصیات پائی نہیں جاسکتیں۔

اس کھلی ہوئی حقیقت کے باوجود لوگ قرآن کی صداقت کے آگے نہ جھکیں وہ صرف یہ ثابت کر رہے ہیں کہ ان کی بے خوفی کی نفسیات نے ان کو غیر سنجیدہ بنا دیا ہے، کیونکہ غیر سنجیدہ انسان ہی سے اس قسم کی غیر معقول روش ظاہر ہو سکتی ہے کہ وہ کھلے کھلے شواہد کو دیکھے اور اس کے باوجود اس کا اقرار نہ کرے۔ (تذکیر القرآن)

مولانا ابوالکلام آزاد رحمۃ اللہ لکھتے ہیں کہ ”انہ الحق، کی ضمیر قرآن اور پیغمبر کے لیے بھی ہو سکتی ہے اور اللہ تعالیٰ کے لیے بھی، پہلی صورت میں آیات سے مراد فتوحات ہوں گی اور مطلب یہ ہو گا کہ عنقریب ہی جب گردوپیش کے ممالک اور خود ان (قریش) پر فتوحات حاصل ہوں گی (جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین کے عہد میں حاصل ہوئیں) تب انہیں یقین ہو جائے گا کہ قرآن یا پیغمبر برحق تھے اور یہ ناحق ان کی تکذیب کرتے رہے۔

اور دوسری صورت میں مطلب یہ ہو گا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کے ان دلائل پر غور کریں جو خود ان کے اندر اور باہر آفاق میں پائے جاتے ہیں تو ان کو اللہ تعالیٰ کے یکتا اور خالق و مالک ہونے کا

یقین ہو جائے پہلے مطلب کو ابن جریر رحمہ اللہ نے اختیار کیا ہے اور دوسری توجیہ بعض تابعین سے منقول ہے۔ (ترجمان القرآن)

مولانا عبد الماجد دریابادی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ ”آیات الٰہی آفاقی اور آیات الٰہی انفسی ان دونوں سے کیا مراد ہے؟ عجب نہیں کہ آیات آفاقی سے مراد وہ واقعات و دلائل خارجی ہوں جو ہر فطرت سلیم کو توحید و حکمت الٰہی کی طرف لاتے ہیں، اور اس کے تحت میں طبیعیات عنصریات، فلکیات کی قسم کے سارے علوم وفنون آجاتے ہیں۔ اور آیات انفسی سے اشارہ نفس بشری کے اسرار وحجابات کی جانب ہو، اور اس میں نفسیات، اخلاقیات، اجتماعیات کی ساری شاخیں آجاتی ہیں اور وہ خارجی و داخلی دونوں قسم کے علم وفن اگر صحیح طور پر مطالعہ کئے جائیں، تو دلائل حکمت وصنعت باری ہی کا کام دے سکتے ہیں۔ اللہ تربت ٹھنڈی رکھے متعدد مفسرین کرام کی کہ اپنے اپنے رنگ میں اسی طرف اشارہ کر گئے ہیں۔ (تفسیر ماجدی)

رب سے ملاقات، رب کا علم محیط

سوال اس آیت کا ترجمہ اور تفسیر کیجیے۔

اَلَآ اِنَّهُمْ فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْ لِّقَآءِ رَبِّهِمْ اَلَآ اِنَّهٗ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيْطٌ {۵۴} فصلت

جواب ترجمہ: خبردار وہ لوگ اپنے رب کی ملاقات کی طرف سے شک میں ہیں خبردار اس میں شک نہیں کہ وہ ہر چیز کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔

خلاصہ تفسیر: اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ لوگ اپنے رب سے ملاقات کے بارے میں شکوک وشبہات میں پڑے ہوئے ہیں، رب سے ملاقات کا مطلب قیامت کا برپا ہونا ہے، وہ مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے کے بارے میں شک کرتے ہیں، یہ لوگ اچھے اور برے اعمال کی جزا وسزا ملنے کو مشکوک سمجھتے ہیں۔

اَلَآ اِنَّهٗ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيْطٌ: لیکن یہ بات اچھی طرح یاد رکھنے کی ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کا احاطہ کیے ہوئے ہے، وہ ہر چیز کو گھیرے ہوئے ہے، کوئی چیز اس کے احاطہ علم سے باہر نہیں ہے، وہ تمام اشیاء

کو جاننے والا ہے، وہ ان کی تفاصیل جانتا ہے، وہ ان کے ظواہر اور بواطن سے آگاہ ہے، اس پر کوئی پوشیدہ چیز مخفی نہیں ہے، وہ انہیں یقینی طور پر ان کے کفر پر سزا دے گا۔

الحمد للہ ثم الحمد للہ۔

آج سورۃ فصلت کی تفسیر مکمل کی گئی ہے، اللہ تعالیٰ ہماری اس متواضع کاوش کو اپنی بارگاہ عالیہ میں قبول و منظور فرمائے، اسے ہمارے لیے، ہمارے اساتذہ و مشائخ کے لیے، ہمارے بزرگوں کے لیے، ہمارے والدین کے لیے، ہمارے مساعدین، معاونین، مخلصین اور بہی خواہاں کے لیے ذریعہ نجات و فلاح بنائے۔ آمین بحرمۃ سید المرسلین ﷺ

خادم اسلام، محمود الرشید حدوٹی

جامعہ رشیدیہ مناواں لاہور،

۷ فروری ۲۰۱۸ء بروز بدھ پونے بارہ بجے شب

اضافات جدیدہ و ترامیم: ۹ جون ۲۰۲۶ء بروز منگل، ۳ بجے شب

حال وارد کاشانہ فقیر۔ حدوٹ۔ مری